عوارف المعارف

شیخ الشیوخ، امام السالکین

حضرت شہاب الدین عمر ابوحفص سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

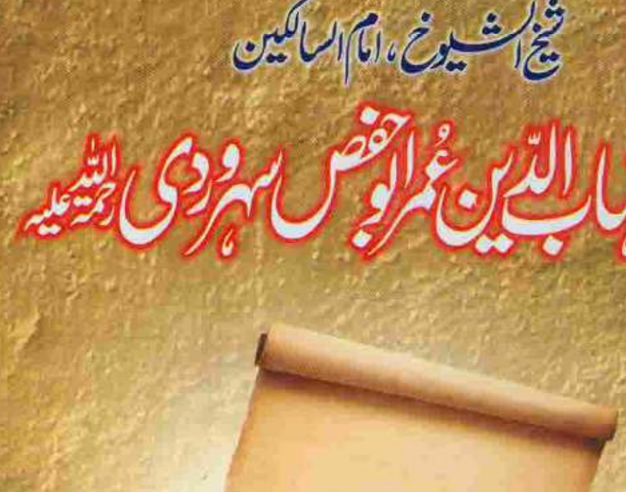

ترتیب و تہذیب
صوفی محمد عبدالستار طاہر مسعودی دامت برکاتہم العالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم اِدارہ

MARCH 2020

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی

جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

طلباء

شعبہ حفظ: 163 | شعبہ ناظرہ: 395

شعبہ درس نظامی: 120 | شعبہ تجوید: 12

اور انہی شعبہ جات میں 500 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹرتک حاصل کررہے ہیں نیز کم وبیش 120 طلباء مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام وقیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کا اسٹاف

شعبہ حفظ وناظرہ 14 اساتذہ | شعبہ درس نظامی وتجوید 12 اساتذہ

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول وکمپیوٹر 14 اساتذہ | باورچی 3 خادم 4 چوکیدار 2

کل طلباء کم وبیش 700 اور مکمل اسٹاف 49 افراد پر مشتمل ہے۔

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان

DONATION

HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 00500025657003 - BRANCH CODE :0050

www.facebook.com/markazuloloom

https://www.waseemziyai.com https://www.youtube.com/waseemziyai

عوارف المعارف

شیخ الشیوخ، امام السالکین

حضرت شہاب الدین عُمر ابوحفص سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تہذیب

صُوفی محمد عبد السّتار طاہر مسعودی دامت برکاتہم العالیہ

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

جملہ حقوقِ ملکیت بحق ناشر محفوظ ھیں

عوارف المعارف

بااہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اپریل 2011ء/جمادی الثانی 1433ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0345-4653373
قیمت	

شبیر برادرز

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہو گا۔

مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

www.waseemziyai.com

فہرست

ابتدائیہ ۲۹
امام السالکین شیخ الشیوخ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
نام و جائے ولادت ۳۲
سلسلۂ نسب ۳۲
تعلیم و تربیت ۳۲
اساتذہ کرام ۳۲
شیخ طریقت ۳۳
فیضِ غوثیہ ۳۳
حضرت غوث الاعظم اور اپنے چچا کی نیابت ۳۳
خلفاء کرام ۳۴
دربار خلافت کے سفیر ناصح ۳۴
حج کی سعادت ۳۵
وصال ۳۵
آپ کے تلامذہ ۳۵
اولاد امجاد ۳۶
تصانیف ۳۶
عوارف المعارف ایک درسی کتاب ۳۶
عوارف المعارف کی شروح ۳۷
عوارف المعارف کی تلخیص، تعلیقات و تخریج ۳۷
تعلیقات ۳۷
تلخیص ۳۷
تخریج ۳۷
عوارف المعارف کے تراجم ۳۸
ترکی ۳۸
فارسی ۳۸
اُردو ۳۸
باب نمبر۱ ۳۹
تصوف کا نکتۂ آغاز
جیسی زمین، ویسا پھل ۳۹
صاف دل پاکباز لوگ ۴۰
اسرارِ الٰہی کے محافظ قلوب ۴۱
علماء کرام کی خدمات ۴۱
ایک آیت کی تشریح ۴۲
فقیہہ کون ہے؟ ۴۳
ہدایت کا منبع و سرچشمہ ۴۳
دینی بصیرت کا مقام و مرتبہ ۴۴
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی حقیقت ۴۵
کائنات کا سرچشمہ یعنی مقصود کائنات ۴۶
ازلی عہد والی حدیث کی تشریحات ۴۷
نفوس کائنات کی تخلیق ۴۷
علم و ہدایت کا دار و مدار طینت کی طہارت پر ہے ۴۸
مقربین سے مراد صوفیاء کرام ہیں ۴۸
باب نمبر۲ ۵۰
حُسنِ سماعت اور صوفیاء کرام
حُسنِ سماعت کا مفہوم ۵۰
حُسنِ سماعت کی اہمیت ۵۱

www.waseemziyai.com

قلبِ سلیم کیا ہے؟ ۵۱
آدابِ قلب ۵۳
قلب کی موت ۵۴
ذکر الٰہی سے غفلت ۵۴
صاحبِ دل کو سب کچھ حاصل ہے ۵۵
صحیح قلب وہ ہے جو...... ۵۵
لوگوں کے درمیان سماعتی فرق ۵۵
عشقِ حقیقی کی چاشنی ۵۶
عقل وحکمت کے اجزاء ۵۷
رسول اکرم ﷺ کی فضیلت کا اظہار ۵۷
اہلِ اللہ کا طریقہ ۵۸
استجابت کی توضیح وتشریح ۵۸
ہر آیت کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن ہے ۵۹
قرآن کے ظاہر وباطن میں اختلاف ۵۹
تفسیر اور تاویل میں بڑا فرق ہے ۶۰
کامل فقیہہ ہونے کیلئے لازم ہے کہ ۶۰
بات کو سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا ۶۱
انوار وتجلیات وبرکاتِ الٰہی کا ظہور ۶۱
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی غرض وغایت ۶۲
سماعت کا سلیقہ اور آداب ۶۳
آدابِ سماعت میں مطالعہ بھی شامل ہے ۶۳
باب نمبر ۳ ۶۵
علومِ تصوف کی فضیلت
شریر علماء اور نیک علماء ۶۵
سب سے بڑا جاہل، سب سے بڑا عالم ۶۵
فرض علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے ۶۶
کون سے علوم حاصل کرنا فرض ہے ۶۶
کوئی خلش عقیدے میں خلل کا باعث ہو تو ۶۷
فرائض پنجگانہ کا علم سیکھنا فرض ہے ۶۸
امر ونہی کا علم سیکھنا فرض ہے ۶۹
استقامت کا حکم ۶۹
استقامت تمام اعمال سے افضل عمل ہے ۷۰
کرامت نہیں، استقامت طلب کر ۷۰
علومِ معرفت کی وسیع وعریض کائنات ۷۱
علم اور دُنیا کی محبت ۷۳
ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند شخص ۷۳
دُنیادار علماء کا واقعہ ۷۴
طنافسی کا قصہ ۷۵
حاتم اصم کے تین خصائل ۷۶
دُنیا سے امن وسلامتی پانے کا نسخہ ۷۶
اللہ کا ڈر رکھنے والوں کا علم ۷۷
علم میں راسخ لوگ ۷۸
اہلِ باطن کا علم ۷۹
قلوب علم کا مرکز ہیں ۷۹
علم سیکھو اور اس پر عمل کرو ۸۰
علومِ اسلامی ۸۱
سکینہ---وصفِ خاص ۸۱
علم کی فضیلت ۸۲
نصیحت وحکمت میں فرق ۸۳
قوی یقین اور ضعیف یقین والے ۸۵
یقین عمل سے افضل ہے ۸۵
ایک زاہد عالم کی غیر زاہد عالم پر فضیلت ۸۶
زاہد عالم کا عمل تواضع سے آراستہ ہے ۸۶
باب نمبر ۴ ۸۸
صوفیاء کے مختلف طریقے اور ان کے احوال
دل کو کینہ سے پاک رکھنا سُنتِ نبوی ہے ۸۸

www.waseemziyai.com

سنت کو زندہ کرنے میں کامیابی کا راز ۸۸
یہی تزکیۂ نفس ہے ۸۹
اہلِ جنت اور عام لوگ ۸۹
رسول اللہ ﷺ کی اتباع اللہ سے محبت کی نشانی ہے ۹۰
صوفی کون ہے؟ ۹۰
اتباع میں نیازمندی ہی کامیاب کرتی ہے ۹۰
رسول اکرم ﷺ کی سُنّت کو صوفی ہی زندہ کرتا ہے ۹۱
صوفیاءِ کرام کی دو جماعتیں ۹۲
اہلِ خالصہ سے مراد برگزیدہ بندے ہیں ۹۲
طریقۂ مریدین ۹۳
خاص ہدایت ۹۴
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف ۹۴
مرید کون ہے؟ ۹۴
سنت کی پابندی ۹۵
حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ۹۵
حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر نزع کا عالم ۹۶
باب نمبر ۵ ۹۷

تصوف کی اصل حقیقت

مسکینوں اور صابر فقیروں سے محبت ۹۷
تصوف کے تین خصائل ۹۷
تصوف کیا ہے؟ ۹۷
فقیر کون ہے؟ ۹۷
فقر و تصوف کے معانی میں اشتباہ ۹۸
تصوف کی اصل حقیقت ۹۹
فقر اور تصوف میں فرق ۱۰۰
طریقِ صوفیاء، طریقِ فقراء سے الگ تھلگ ہے ۱۰۰
فنائیت فی اللہ ۱۰۱
مزید کچھ صوفی کے بارے میں ۱۰۲
تصوف اور مشائخ کرام ۱۰۲
اولیاء اللہ کی صفات ۱۰۳
تصوف کی جامع تعریف ۱۰۴
باب نمبر ۶ ۱۰۵

صوفی نام رکھنے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ کا صوف کا لباس ۱۰۵
دیگر انبیاء بھی صوف کا لباس پہنتے تھے ۱۰۵
اکثر صحابہ کا لباس صوف کا تھا ۱۰۵
لفظ صوفی، صوف سے نکلا ہے ۱۰۶
صوفی نام کے ترجیحی اسباب ۱۰۶
لفظ صوفی میں زُہد کا مفہوم پوشیدہ ہے ۱۰۶
لفظ صوفی میں تواضع کا مفہوم بھی ہے ۱۰۷
لفظ صوفی، صف سے مشتق ہے ۱۰۷
لفظ صوفی کی صُفہ سے نسبت ۱۰۸
اصحابِ صُفہ ۱۰۸
بارگاہِ الٰہی میں اصحابِ صفہ کا مقام ۱۰۸
بارگاہِ نبوی میں اصحابِ صفہ کا مقام ۱۰۹
اہلِ صفہ کا فقر ۱۰۹
خراسان میں اصحابِ صُفہ 'شگفتیہ' کہلاتے ہیں ۱۰۹
صوفی کے نام کی ابتداء ۱۱۰
عہد نبوی ﷺ کے بعد زبوں حالی ۱۱۰
تصوف کی شروعات ۱۱۱
باب نمبر ۷ ۱۱۲

صوفی اور ان کی طرح کے لوگ

تم اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو ۱۱۲
صوفی جیسا، حقیقی صوفیاء کرام کے ساتھ ہوگا ۱۱۲
مشابہ کا مقام ۱۱۳
صوفیاء کرام دوسروں سے ممتاز ہیں ۱۱۳

www.waseemziyai.com

مشابہ اور صوفی کا موازنہ ۱۱۴
صوفی اور متصوف ۱۱۴
قرآن کریم میں ان جماعتوں کا ذکر ۱۱۵
ظالم و مقتصد و سابق جنتی ہیں ۱۱۷
مشابہ یا مبتدی کا طریقۂ ہدایت و تلقین ۱۱۷
مبتدی کے لیے ایک عملی نمونہ ۱۱۸
صحبت کی برکات و ثمرات ۱۱۹
باب نمبر ۸ ۱۲۱
ملامتی فرقہ اور اس کے احوال
ملامتی کسے کہتے ہیں؟ ۱۲۱
اخلاص کیا ہے؟ ۱۲۱
فرقہ ملامتیہ اور اخلاص ۱۲۱
صوفی اور ملامتی میں فرق ۱۲۱
اخلاص کی علامتیں ۱۲۲
عوام و خواص کا اخلاص ۱۲۲
صوفی اور ملامتی میں فرق، ---مزید تشریح ۱۲۲
اخلاص کا خالص ہونا ۱۲۲
عارفوں کی نمود اور مریدوں کا اخلاص ۱۲۳
اخلاص اور نمود ۱۲۳
صدق اور اخلاص میں فرق ۱۲۳
خراسان اور عراق میں ملامتی فرقہ ۱۲۴
لامتی کا اپنا حال چھپانے کی وجوہات ۱۲۵
امتی فرقہ کے اذکار ۱۲۵
کر کی آفات ۱۲۶
ب نمبر ۹ ۱۲۸
نام کے صوفی
قلندریہ فرقہ ۱۲۸
رقہ قلندریہ کی مزید صفات ۱۲۸
ملامتی اور قلندر میں فرق ۱۲۸
صوفی کا طریقۂ کار ۱۲۹
نام کے صوفی ۱۲۹
ظاہری اعمال پر پکڑ ۱۲۹
شریعت کی پابندی ہر حال میں لازم ہے ۱۳۰
عقیدۂ حلول ۱۳۰
اللہ حلول سے پاک و منزہ ہے ۱۳۱
باطنی الہامات ۱۳۱
جبر کا عقیدہ ۱۳۲
باب نمبر ۱۰ ۱۳۴
مشائخ کا مقام و مرتبہ
اللہ کے محبوب بندے ۱۳۴
شیخ اپنے مرید کو اللہ کا پیارا کیسے بناتا ہے؟ ۱۳۴
مشائخ کی ضرورت و اہمیت ۱۳۵
سالکِ طریقت کا مرتبۂ شیخ کو پہنچنا ۱۳۵
شیخ و مرید کے درمیان روحانی رشتہ ۱۳۶
نبیوں کی میراث ۱۳۷
یومِ میثاق سے دلیل ۱۳۷
علم کی فضیلت ۱۳۸
طالبِ علم کی فضیلت ۱۳۹
جسدِ آدم علیہ السلام کا مرکب ۱۳۹
انسانوں کا روحانی باپ ۱۴۰
سالکانِ طریقت کی اقسام ۱۴۰
سالک مابعد مجذوب ۱۴۱
مجذوب مابعد سالک ۱۴۱
شیطانی اثرات سے حفاظت ۱۴۲
شیخ کا قلب شیطانی تسلّط سے مامون ہے ۱۴۲
قلب و نفس کی پابندی سے آزادی ۱۴۳

www.waseemziyai.com

سراپا اطاعت وبندگی ۱۴۳
سجدہ کرنے والے سائے، عارفوں کے اجسام ہیں ۱۴۳
شیخ مطلق وعارفِ محقق ۱۴۴
باب نمبر۱۱ ۱۴۵
صوفیاءِ کرام کے خدّام
اللہ کے طالب کی خدمت کا اعزاز ۱۴۵
شیخ اور خادم میں فرق ۱۴۵
شیخ کی بصیرت ۱۴۶
جنت کے لیے شارٹ کٹ ۱۴۶
خدمتِ خلق کی فضیلت ۱۴۷
مشابہ یعنی مصنوعی خادم ۱۴۷
کام کا نہیں، نام کا خادم ۱۴۸
باب نمبر۱۲ ۱۴۹
صوفیاء ومشائخ کرام کا خرقہ
خرقہ پوشی ۱۴۹
خرقہ پوشی عین بیعت ہے ۱۴۹
شیخ کی ضرورت ۱۵۰
خرقہ ذاتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ ہے ۱۵۱
خرقہ پوشی، رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہے ۱۵۱
خرقہ پوشی کی اہمیّت ۱۵۲
خرقہ پہنانے میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت ہے ۱۵۲
خرقہ پوشی کے فیوضات ۱۵۳
بارگاہِ الٰہی میں شیخ کا استغاثہ ۱۵۳
صحبتِ شیخ کے ادوار ۱۵۴
خرقہ کی اقسام ۱۵۴
خرقہ پوشی ایک ذریعہ تربیت بھی ہے ۱۵۵
دعوتِ ہدایت کے مراتب ۱۵۶
مریدِ صادق سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کی طرح ہے ۱۵۶
پیراہنِ یوسف علیہ السلام کی حقیقت ۱۵۷
خرقۂ تبرک ۱۵۷
خرقہ کے لیے مستحسن رنگ ۱۵۸
آلودہ لباس نہ دھونے کی وجہ ۱۵۸
باب نمبر۱۳ ۱۶۰
خانقاہ والوں کی فضیلت
جن گھروں میں اللہ کا ذکر بلند ہوتا ہے ۱۶۰
اہلِ ذکر کی فضیلت ۱۶۰
خانقاہ، رباط کی مانند ہے ۱۶۱
نفس کا جہاد (جہاد بالنفس) ۱۶۲
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح وتشریح ۱۶۳
خانقاہ والوں کے فرائض ۱۶۳
خطائیں دھو دینے والے اعمال ۱۶۴
جہاد کے ثواب والے اعمال ۱۶۴
باب نمبر۱۴ ۱۶۵
اہلِ صفہ سے اہلِ خانقاہ کی مشابہت
اہلِ طہارت (صاف ستھرے لوگ) اللہ کے دوست ہیں ۱۶۵
آدابِ طہارت صوفیاء کے معمولات میں سے ہے ۱۶۵
سب خانقاہ والے ایک ہی رنگ ڈھنگ والے ہوتے ہیں ۱۶۶
مل کر کھانے میں برکت ہے ۱۶۶
تنہائی پسندی ۱۶۷
خانقاہی زندگی ۱۶۷
خدمتِ خلق عبادت کی مانند ہے ۱۶۸
نا اہلوں سے خدمت لینا ناپسندیدہ ہے ۱۶۸
مخدوم کی عبادات میں خادم کے لیے بھی اجر ہے ۱۶۹
باب نمبر۱۵ ۱۷۰
خانقاہ والوں کے اوصاف
خانقاہ والوں کی خوبیاں ۱۷۰

www.waseemziyai.com

سب خانقاہ والے ایک بدن کی طرح ہیں ۱۷۰
قلبی جمعیت کی ضرورت وفوائد ۱۷۱
نفرت کا برتاؤ اور محاسبہ، خیر کا باعث ہے ۱۷۲
اَن بَن ہو جائے تو صوفی کیا کرے؟ ۱۷۲
مصالحت کا احسن انداز ۱۷۳
شیخ کی دست بوسی ۱۷۴
معذرت قبول کر لینی چاہیے ۱۷۵
معذرت کے بعد ہدیہ پیش کرنا مسنون ہے ۱۷۵
خانقاہ والوں کی گزر اوقات کے ذرائع ۱۷۶
مختلف خدمات پر مامور صحابہ کرام ۱۷۷
صاحبِ معرفت مؤمن، گھوڑے کی مثل ہے ۱۷۸
باب نمبر ۱۶ ۱۷۹
مشائخ کے سفر اور قیام کے احوال ومقاصد
سفر کی نوعیت ۱۷۹
ابتداء میں سفر، بعد میں قیام کرنے والے صوفیاء ۱۷۹
طلبِ علم کی فضیلت ۱۷۹
سفر کا ایک مقصد بزرگوں کی زیارت بھی ہے ۱۸۰
کیمیا اثر نظر کی تلاش ۱۸۱
سفر کا ایک مقصد مجاہدۂ نفس بھی ہے ۱۸۱
سفر کا ایک مقصد نفسانی، روحانی بیماری کا علاج بھی ہے ۱۸۲
آثار وعبر کا مشاہدہ بھی سفر کا ایک مقصد ہے ۱۸۲
سفر کا ایک مقصد گمنام ہونا اور شہرت سے بھاگنا ہے ۱۸۳
سفر کے بعد قیام قدر ومنزلت کا باعث ہے ۱۸۴
ابتدائے حال میں قیام، انتہاء میں سفر ۱۸۴
قیام کے بعد سفر کب اختیار کیا جائے؟ ۱۸۵
ہدایت کے لیے بلانے والے اور ہدایت پانے والے ۱۸۵
ایک مقام پر مقیم اللہ کی تربیت میں ہوتا ہے ۱۸۵
تھوڑی سی صحبت ۱۸۶
جلوۂ طور کا مشاہدہ ۱۸۶
کمال درجہ کی روحانیت ۱۸۶
سفر کی مشکلات اور تکلیفوں کا حاصل ۱۸۷
ہمیشہ سفر میں رہنے والے مشائخ کی فضیلت ۱۸۸
سفر وقیام کے لحاظ سے روحانی مدارج کے تقاضے ۱۸۹
نفسانی وسوسات ورُجحانات ۱۸۹
سفر کے لیے استخارہ کرنا ضروری ہے ۱۹۰
دعائے استخارہ ۱۹۱
باب نمبر ۱۷ ۱۹۲
سفر کے فرائض وفضائل
تیمّم کے مسائل ۱۹۲
تیمّم کا طریقہ ۱۹۳
موزوں کا مسح ۱۹۴
نماز کی قصر وجمع ۱۹۵
سواری پر فرض نماز ادا نہیں ہوتی ۱۹۵
مسافر کا روزہ ۱۹۵
رفیقِ سفر کی ضرورت ۱۹۶
اجتماعی سفر میں امیر بنا لینا چاہیے ۱۹۶
شیخ عبداللہ مروزی کا واقعہ ۱۹۶
دنیادار امیر قافلہ ۱۹۶
سفر پر جانے والوں کو رخصت کرنا مستحب ہے ۱۹۷
مسافر کو اللہ کے سپرد کرنا ۱۹۷
سفر پر روانہ ہونے سے پہلے نفل پڑھے ۱۹۸
کسی سواری پر جب سوار ہو تو یہ پڑھے ۱۹۸
منزل سے روانہ ہونے کا مسنون طریقہ ۱۹۹
منزل کے قریب پہنچ کر یہ دعا پڑھے ۱۹۹
سفر کے لیے درکار ضروری سامان ۱۹۹
غزوۂ حدیبیہ میں معجزہ رسول اکرم ﷺ ۲۰۰

www.waseemziyai.com

کمر بستہ ہونا بھی صوفیاء کا طریقہ ہے ۲۰۰
صوفیاء کے لیے سفر کے مجوزہ آداب ۲۰۱
مجوزہ آدابِ سفر کی پابندی اور ترک ۲۰۱
باب نمبر ۱۸ ۲۰۳
سفر سے واپسی اور خانقاہ میں قیام
سفر سے واپسی پر دعا ۲۰۳
شہرِ منزلِ مقصود کے قریب پہنچنے پر دعا ۲۰۳
شہرِ منزلِ مقصود کو دیکھنے پر دعا ۲۰۳
محض اللہ کے لیے محبت کی جائے ۲۰۴
خانقاہ کے آداب ۲۰۵
خانقاہ میں داخل ہوتے وقت سلام نہ کرنے کی وجوہ ۲۰۶
روحانی آداب کی اقسام ۲۰۷
معانقہ کرنا مسنون ہے ۲۰۸
بوسہ لینا مسنون ہے ۲۰۸
مصافحہ کرنا مسنون ہے ۲۰۸
خیر مقدم کرنا مسنون ہے ۲۰۹
کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مسنون ہے ۲۰۹
آنے والے کو کھانا کھلانا مسنون ہے ۲۰۹
عصر کے بعد سفر سے واپسی مکروہ ہے ۲۰۹
ناواقف آداب سے حُسنِ سلوک ۲۱۰
حُسنِ اخلاق سے پیش آنا چاہیے ۲۱۱
مہمان کے بدن کو دبانا مسنون ہے ۲۱۱
سفر سے لوٹنے والا گفتگو کا خود آغاز کرے ۲۱۲
رخصت ہوتے وقت رخصت کی اجازت حاصل کرے ۲۱۲
باب نمبر ۱۹ ۲۱۳
متسبّب صوفیاء کے احوال
مختلف الاحوال صوفیاءِ کرام ۲۱۳
سوال کرنے سے گریز کرنا ۲۱۳
اللہ سے مانگتے ہوئے شرمانے والے ۲۱۵
خواہشِ نفس پر اللہ سے رجوع کرے ۲۱۵
فقیر کی شان یہ ہے ۲۱۶
نفس سے قرض کا تقاضا ۲۱۶
دستِ طلب دراز کرنے کا موقع محل ۲۱۷
بھوکا پیاسا مرنے والا جہنمی ہے ۲۱۸
حاجت کے وقت اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ ۲۱۹
قولِ موسیٰ علیہ السلام کی توضیح ۲۱۹
ناز و انداز و نیاز ۲۱۹
باب نمبر ۲۰ ۲۲۱
فتوح پر گزر اوقات والے صوفیاء
تعلق باللہ کے ثمرات ۲۲۱
شانِ بے نیازی ۲۲۱
تجلیاتِ الٰہی کا نزول ۲۲۲
تجلیات کا نزول قُربِ الٰہی کی نشانی ہے ۲۲۲
مرتبۂ فنا ۲۲۲
تجلّی سے مراد کیا ہے؟ ۲۲۳
فتوح کو قبول کر لینا چاہیے ۲۲۳
ہدایا و عطایا قبول کرنا ۲۲۳
علم حال کیا ہے؟ ۲۲۴
ہدایا و عطایا اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں ۲۲۴
اہلِ فتوح کے مختلف احوال و کیفیات ۲۲۴
لین دین میں خود مختار ہی کامل صوفی ہے ۲۲۵
فتوح کے حوالے سے کچھ حکایات ۲۲۶
تمیں دائرے، غیبی امداد ۲۲۷
حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۲۲۷
اللہ سے بندے کا معاملہ درست ہونا چاہیے ۲۲۸
معلوم رزق منحوس نہیں، مبارک ہوتا ہے ۲۲۸

www.waseemziyai.com

منحوس رزق سے انشراحِ صدر نہیں ہوتا ۲۲۹
رازق خدا کی ذات ہے ۲۲۹
رہبانیت اختیار کرنا ممنوع ہے ۲۳۰
معاش کا ارادہ کلیدِ قدرت سے کھولنا چاہیے ۲۳۰
دنیا کو مخدوم بنانا پسند نہیں ۲۳۱
اربابِ صدق کی روحانی کیفیات ۲۳۱
ضرورت سے زیادہ لینے والا صوفی نہیں ۲۳۲
فقر میں ثواب وعذاب دونوں ہیں ۲۳۲
باب نمبر۲۱ ۲۳۳

صوفیاء کے ازدواجی معاملات

صوفی ہر حالت میں اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے ۲۳۳
شریکِ زندگی کا انتخاب ۲۳۳
شادی سے بے رغبتی کیوں ۲۳۴
تجرد و تزویج کی فضیلت ۲۳۴
تجرد کی زندگی کے فوائد ۲۳۵
ازدواجی زندگی کے نقصانات ۲۳۵
تین کا طالب، دنیا کا ہو گیا ۲۳۶
سب سے خطرناک فتنہ ۲۳۶
کس سے کیا بہتر ہے؟ ۲۳۶
پورا فضل کیسے حاصل ہو؟ ۲۳۶
سب سے بہتر شخص کون ہے؟ ۲۳۷
سُنت کے ذریعے فرض کی ادائیگی ۲۳۷
صوفی ہر وقت نفس کشی میں مشغول ہوتا ہے ۲۳۸
روزے رکھنا نفسانی خواہشوں کا علاج ہے ۲۳۸
نفس کے خطرات یوں کم ہو سکتے ہیں ۲۳۸
مجرد ہونے کی حالت میں حُسنِ ادب ۲۳۸
سخت مصیبت کیا ہے؟ ۲۳۹
کس کے لیے فلاح و نجات نہیں ۲۳۹
مسلسل خواہشِ نکاح پر خدا سے رجوع کرے ۲۳۹
نکاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم ۲۴۰
زُہد و عبادت کی تکمیل شادی سے ہوتی ہے ۲۴۱
روحانی مشاغل میں خلل کا ایک حل یہ بھی ہے ۲۴۱
نکاح کی روحانی مصلحت و حکمت ۲۴۲
نکاح کے ثمرات ۲۴۳
یہ صوفیاء کی اچھائی ہے یا بُرائی ہے ۲۴۳
بہت سی بیویاں ہونا دنیاداری نہیں ہے ۲۴۳
سُنتِ نکاح کی فضیلت ۲۴۴
سُنتِ نکاح کی غرض و غایت ۲۴۵
نکاح کے باعث ہونے والے فتنے ۲۴۵
بیوی کی زیادتوں پر صبر شکر کرنا ۲۴۵
بیوی کی خاطر مدارت میں حد سے بڑھنا ۲۴۶
ایک لطیف تر فتنہ ۲۴۶
حسنِ مجازی سے مشاہدۂ حق کا فتنہ ۲۴۷
تجرد کا فتنہ ۲۴۷
باب نمبر۲۲ ۲۴۸

سماع کی فضیلت

بہترین کلام کون سا ہے؟ ۲۴۸
سماع کی حقیقت ۲۴۸
سماع کے اثرات ۲۴۹
سماع رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے ۲۴۹
رِقت کے وقت دعا کو غنیمت جانو ۲۴۹
گناہ سوکھے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں ۲۴۹
سماع کے بارے میں حکم کیا ہے؟ ۲۵۰
سماع کی حلال صورت اور حرام صورت ۲۵۱
وجدانی کیفیت کی پہچان ۲۵۲
صوفیاء کرام پر رحمتِ الٰہی کا نزول ۲۵۲

www.waseemziyai.com

وجدانی احوال و کیفیات	۲۵۲
سامع کے لیے لازم ہے	۲۵۳
خوش الحانی اثر آفریں ہے	۲۵۳
شیطان کی صوفیاء کرام پر گھات	۲۵۳
خوش گلو مغنیائیں	۲۵۴
حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی	۲۵۴
اشعار میں حکمت و دانائی کی باتیں	۲۵۵
سماع کا قرینہ	۲۵۶
سماع سے انکار کی صورت	۲۵۶
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے وجد کا حال	۲۵۶
دکھاوے کا وجد	۲۵۷
اَمرد (یعنی نوخیز) قوال کے فتنے	۲۵۷
درویشوں کا رقص	۲۵۸
مباح کی حیثیت	۲۵۸
سماع کا مطلق انکار ممنوع ہے	۲۵۹
حدیثِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استنباط	۲۵۹
آثارِ صحابہ کرام سے سماع کا استنباط	۲۵۹
جیسی نیت ویسی مراد	۲۶۰
رسول اللہ ﷺ کے حضور میں شعر خوانی	۲۶۱
سماع کن حالات میں منع ہے؟	۲۶۱
دل کا مردہ بھی سماع کا منکر ہوتا ہے	۲۶۱
کثیر مشاہدۂ جلوۂ حق نے حواس کھو دیئے	۲۶۲
اللہ کا حسن و جمال، فہم و ادراک سے بالا ہے	۲۶۳
اللہ کے حسن و جمال کا مشاہدہ و نظارہ	۲۶۳
اہلِ سماع کی کرامات	۲۶۳
شیخ ابوطالب مکی اور سماع	۲۶۴
اہلِ سماع کے درجات	۲۶۴
سماع میں تکلف کے پہلو	۲۶۵
کیا محفلِ سماع بدعت ہے؟	۲۶۵
باب نمبر ۲۳	۲۶۶
سماع کی تردید اور انکار	
محفلِ سماع کا انعقاد نفسانی خواہش کے لیے ہے	۲۶۶
قیود و آداب کے ساتھ سماع خوانی	۲۶۶
گانا مکروہ اور باطل شے ہے	۲۶۷
فقہاء کے نزدیک گانا سننا گناہ ہے	۲۶۷
گانے کی مذمت	۲۶۸
گانے سے زنا کی ترغیب ہوتی ہے	۲۶۹
دف بجانا کیسا ہے؟	۲۶۹
سُنّت کے خلاف عادات و معمولات	۲۶۹
تلاوتِ قرآن سن کر وجد کرنا	۲۷۰
دل میں وسعت پیدا کر	۲۷۱
اَمرد (نوخیز جوان) کا سماع فتنے کا باعث ہے	۲۷۱
لوطی کی اقسام	۲۷۲
صوفیاء کے لیے لازم ہے کہ	۲۷۲
باب نمبر ۲۴	۲۷۳
سماع اور وجد کی حقیقت	
وجد اور اس کا حاصل	۲۷۳
وجد سے متاثر ہونے والے لوگ	۲۷۳
وجد روح کی چیخ و پکار ہے	۲۷۴
وجد کیسے طاری ہوتا ہے	۲۷۴
روح اور نغمہ	۲۷۴
مردِ کامل کا مقام	۲۷۵
قربِ الٰہی کے مقام پر فائز شخص وجد سے بے نیاز ہے	۲۷۶
روحانی مرتبے میں کمی اور زوال	۲۷۶
شہودِ حق کی کیفیت ہر حال میں یکساں رہتی ہے	۲۷۷
سماع کے وقت گریہ زاری کے محرکات	۲۷۷

www.waseemziyai.com

اہلِ سماع کے روحانی تصورات اور باطنی کیفیات	۲۷۸
گریۂ ادراک وگریۂ وجدان	۲۷۸
اہلِ بقا کا سماع	۲۷۹
سماع کے مختلف اثرات	۲۸۰
باب نمبر ۲۵	۲۸۱
محفلِ سماع کے آداب	
محفلِ سماع میں کیسے حاضر ہو؟	۲۸۱
وجد سے گریز اور خود پر ضبط کرے	۲۸۱
سماع کی لغزش کئی گناہوں کا باعث ہے	۲۸۲
وجد و حال کی حرکتوں پر ضبط کرنا	۲۸۳
رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ	۲۸۳
صوفیاء کرام کے آداب	۲۸۴
محفلِ سماع کے دوران پھینکا گیا خرقہ کسے ملے گا؟	۲۸۴
پھاڑے ہوئے خرقہ کی تقسیم	۲۸۶
حدیث شریف سے استنباط	۲۸۶
پھاڑے ہوئے خرقہ کی تقسیم مال کا ضیاع یا اسراف نہیں	۲۸۷
قوال کو خرقہ دینے کا حدیث سے استدلال	۲۸۸
محفلِ سماع میں مختلف خیال لوگوں کا شریک ہونا	۲۸۸
فقراء و مساکین کی فضیلت	۲۸۸
باب نمبر ۲۶	۲۹۰
صوفیاء کرام کی چلّہ کشی	
چلّہ کشی کا مقصد	۲۹۰
چلّہ کشی کی اصل اور تخصیص	۲۹۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چلّہ کی تفصیل	۲۹۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روزہ کی کیفیت	۲۹۱
چالیس دن کی حکمت	۲۹۱
چالیس حجابات کا اُٹھانا کیوں کر ممکن ہے	۲۹۲
چلّے میں اخلاص کی اہمیّت	۲۹۳
نفس کی مخالفت اور خلوت نشینی	۲۹۳
خلوت نشینی اور مشائخ کرام	۲۹۳
غارِ حرا میں خلوت نشینی	۲۹۴
نزولِ وحی کے بعد آپ ﷺ کی حالت	۲۹۴
ورقہ بن نوفل سے ملاقات	۲۹۵
دوسری بار وحی کا نزول	۲۹۶
باب نمبر ۲۷	۲۹۷
چلّہ کشی کے کشف و کرامات	
چلّہ کشی میں غلط راہ اپنانے والے	۲۹۷
خلوت نشینی کی فضیلت و اہمیّت	۲۹۷
دنیا و آخرت کی بھلائی اور بُرائی	۲۹۸
خلوت نشینی کا حاصل خیالات کی یکسوئی ہے	۲۹۸
کشف و کرامات اور سچی فراست	۲۹۸
شریعت کی عدم پیروی اور کشف	۲۹۹
مشاہدۂ حق کا وقوع	۲۹۹
کیا ذکر میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا کافی ہے	۲۹۹
ذکر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ثمرات	۳۰۰
کثرت سے تلاوتِ قرآن کریم کے ثمرات	۳۰۰
حقائق کی تجلیات کا تخیّل میں ظہور	۳۰۱
تخیّل کی حقیقت	۳۰۱
پریشان حالی	۳۰۱
واقعہ کا رونما ہونا	۳۰۱
واقعہ کا صحیح ہونا مشروط ہے	۳۰۲
کشف اور خبر الٰہی	۳۰۲
کشف کے بارے میں واقعات	۳۰۲
ایمان کے چار ارکان	۳۰۴
کشف کا ایک واقعہ	۳۰۴
یہ سب خداداد باتیں ہیں	۳۰۵

www.waseemziyai.com

گمراہ اور بارگاہِ الٰہی سے دور لوگ ۳۰۵
سالک کو خود فریبی سے بچنا چاہیے ۳۰۵
خلوت نشینی کا اصل مقصود ۳۰۶
باب نمبر ۲۸ ۳۰۷
چلّہ کشی کے آداب
گوشہ نشینی اہلِ صدق وصفا کا طریقہ ہے ۳۰۷
چلّہ کشی، حکمت کی کنجی ہے ۳۰۷
چلّہ کشی کا اصول یہ ہے کہ ۳۰۷
خلوت سے فقط نماز باجماعت کے لیے نکلے ۳۰۸
نماز باجماعت کے لیے نکلنے پر احتیاط ۳۰۸
خلوت نشیں کو چاہیے کہ...... ۳۰۸
روحانی معاملے کی بنیادی باتیں ۳۰۹
چلّہ کشی میں غذا ۳۰۹
نفس کشی ۳۱۰
نورِ مشاہدہ سے بھوک مٹ جاتی ہے ۳۱۱
بھوک کی شدت کی حد کیا ہے؟ ۳۱۱
صحابہ کرام ومشائخ عظام کی فاقہ کشی ۳۱۲
صادقین اور ریاکار کی ایک راہ ۳۱۲
مخلص فاقہ کش پر عنایاتِ الٰہی ۳۱۳
روح ونفس کی کشش ۳۱۳
قدرتِ الٰہی کا ایک مظہر ۳۱۳
عالمِ ملکوت کی قدرت کا نمودار ہونا ۳۱۴
فضلِ الٰہی کیا فاقہ کشی سے مشروط ہے ۳۱۴
بہر حال فاقہ کشی ایک پسندیدہ طریقہ ہے ۳۱۴
باب نمبر ۲۹ ۳۱۶
صوفیاء کرام کے اخلاق
صوفیاء کرام سنّت کا احیاء کرنے والے ہیں ۳۱۶
اخلاقِ نبوی ﷺ ۳۱۶
مختلف مزاج اور طبع کے نفوس ۳۱۷
رسول اکرم ﷺ کا شقِ صدر ۳۱۸
نفسِ نبی اور نفسِ اُمتی میں فرق ۳۱۹
ہر اضطراب پر اخلاقِ عالیہ کا سبق ۳۱۹
"خُلُقٍ عَظِیمٍ" کی توضیح ۳۲۱
اُمت کو حسنِ خُلق کی دعوت ۳۲۲
فنا اور بقا کا معاملہ ۳۲۲
خلقِ عظیم میں چار صفات ۳۲۳
اخلاقِ الٰہیہ ۳۲۳
مکارمِ اخلاق دس ہیں ۳۲۳
جنت میں لے جانے والے اوصاف ۳۲۴
دوزخ میں لے جانے والی باتیں ۳۲۴
پسندیدہ خوشی کون سی ہے ۳۲
تصوف سراپا اخلاق ہے ۳۲۵
اصلاحِ نفس ۳۲۶
اسمائے حسنہ، سالکِ طریقت کے اوصاف ۳۲۷
محاسنِ اخلاق کا جامع ارشادِ نبوی ﷺ ۳۲۷
رسول اللہ ﷺ کے مکارمِ اخلاق ۳۲۸
باب نمبر ۳۰ ۳۳۰
صوفیاء کرام کے اخلاق کی تفصیل
تواضع سب سے بہتر خُلق ہے ۳۳۰
تواضع کے بارے میں احادیثِ نبوی ﷺ ۳۳۰
اولیاء کرام اور تواضع ۳۳۱
قیدیوں سے حسنِ سلوک ۳۳۲
ظاہری وباطنی اصول اسلام کا سرمایہ ہیں ۳۳۲
تواضع کے درجات ۳۳۳
تواضع کی نشانیاں ۳۳۳
انسان متواضع کب ہوتا ہے؟ ۳۳۳

www.waseemziyai.com

تواضع اور تکبر ۳۴۳
تواضع اور تکبر کی اصل ۳۴۳
اگر کسی کو نفس کی چوری کا اشکال ہو ۳۴۴
نفس کی سرکشی کا علاج تواضع ہے ۳۴۵
کبر کیا ہے؟ ۳۴۵
کبر کی مذمت ۳۴۵
انسان کی سرکشی اور اس کی حقیقت ۳۴۶
غرور، شیخی اور خودداری ۳۴۷
عزت اور کبر ۳۴۷
تواضع کے دو پہلو ۳۴۸
تواضع کی حقیقت کو پانا ۳۴۸
رسول پاک ﷺ کی تواضع ۳۴۸
تحمل و مدارات ۳۴۹
تحمل اور دوسروں کی اذیت برداشت کرنا ۳۴۹
عطائے رسول ﷺ کی ایک مثال ۳۴۱
ایثار و ہمدردی ۳۴۱
فراخ دل زاہد کی پہچان ۳۴۲
انصار کا مہاجرین کے لیے ایثار ۳۴۲
کمال ایثار کی ایک مثال ۳۴۲
ایثار در ایثار کی روشن مثالیں ۳۴۳
ایثار کی حقیقت کیا ہے؟ ۳۴۴
حقیقی ایثار یہ ہے ۳۴۵
صوفیاء کرام کی صحبت کا فیض ۳۴۵
تصوف کی بنیاد ۳۴۵
ایک گھڑی زندگی کا ایثار ۳۴۶
سامانِ دنیا سالک کے لیے روا نہیں ۳۴۶
مالِ دنیا ملاقات میں حائل ہو گیا ۳۴۶
سفید پوشی کا بھرم نہ رہا ۳۴۷
قبیلہ اشعر کی ایک اچھی روایت ۳۴۷
جہاد کے دوران صحابہ کرام کا ایثار ۳۴۷
انصار و مہاجرین کا بھائی چارہ ۳۴۸
سخی فطرت والا ہی صوفی ہو سکتا ہے ۳۴۸
جود و سخاوت میں فرق ۳۴۸
سخا میں ریاکاری اور دکھاوا نہیں ۳۴۹
عفو و درگزر ۳۴۹
تین باتیں برحق ہیں ۳۵۰
جواں مردی کیا ہے؟ ۳۵۱
مکارم اخلاق یہ ہیں ۳۵۱
خندہ روئی اور خندہ پیشانی ۳۵۱
نرم مزاجی و ملنساری ۳۵۲
رسول اللہ ﷺ کی شگفتہ مزاجی ۳۵۳
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوش مزاجی ۳۵۵
تابعین کرام کی خوش مزاجی ۳۵۶
مبتدی مرید مزاح سے گریز کریں ۳۵۷
ظرافت میں اعتدال ۳۵۷
ظرافت اور مزاح میں فرق ۳۵۷
مزاح اور ہنسی میں اعتدال ۳۵۸
سادگی اور بے تکلفی ۳۵۸
عہدِ رسالت میں سادگی کے مظاہر ۳۵۸
حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ۳۵۹
مہمان نوازی میں تکلف نہ کرو ۳۶۰
رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت ۳۶۰
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکلف سے بیزاری ۳۶۰
کھلے ہاتھ خرچ کرنا، ذخیرہ نہ کرنا ۳۶۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گزر اوقات ۳۶۱
نبی پاک ﷺ کی سخاوت ۳۶۱

www.waseemziyai.com

صوفیاء کا ایک وصف قناعت بھی ہے	۳۶۲
قناعت اور فرمانِ نبوی ﷺ	۳۶۲
حلم اور بُردباری	۳۶۳
دو طرح کے لوگ	۳۶۴
اہلِ حق کی صاف دلی	۳۶۴
ضبطِ نفس	۳۶۵
ہلاک کرنے والی اور نجات دلانے والی باتیں	۳۶۶
غیظ وغضب کی حقیقت	۳۶۷
ضبطِ نفس کون کرسکتا ہے؟	۳۶۸
دو خصلتیں اللہ کو پسند ہیں	۳۶۹
باہمی اُلفت ومحبت	۳۶۹
محبت کے اثرات وثمرات	۳۷۰
دینی فرائض کی باہمی ادائیگی میں حکمت	۳۷۱
صحبت کے اثرات	۳۷۱
اہلِ صدق وصفا کی صحبت غنیمت ہے	۳۷۲
شکر گزاری	۳۷۲
ثنائے الٰہی کی فضیلت	۳۷۳
حاجت روائی	۳۷۴
انسان کا کامل ہونا	۵ء
امارت کی اہلیت	۳۷۵
باب نمبر ۳۱	۳۷۷
تصوف کے آداب اور ان کی اہمیّت	
ادب کی تعلیم	۳۷۷
ادب کیا ہے؟	۳۷۷
ادب کی فضیلت	۳۷۸
ادب کی اہمیّت وفضیلت	۳۸۰
باب نمبر ۳۲	۳۸۳
بارگاہِ الٰہی کے آداب	
سرچشمۂ آداب	۳۸۳
التفات واعتراض میں شانِ رسول ﷺ	۳۸۳
نفس کی سرکشی	۳۸۴
مَا زَاغَ الْبَصَرُ کی مزید تشریح	۳۸۴
انتہائی ادب	۳۸۶
بارگاہِ الٰہی میں حضوری کے آداب	۳۸۷
عارف کا ادب تمام آداب سے بالا ہے	۳۸۷
انبیاء کرام کے آداب	۳۸۸
خواص کے آداب	۳۸۸
باب نمبر ۳۳	۳۹۰
طہارت کے آداب	
اصحابِ صُفّہ کی فضیلت	۳۹۰
رفع حاجت کے آداب	۳۹۰
استنجاء کے فرائض	۳۹۱
استنجاء کی سُنتیں	۳۹۱
استنجاء کا طریقہ	۳۹۱
پیشاب کی طہارت کے حوالے سے وعید	۳۹۲
قضائے حاجت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا معمول	۳۹۳
پیشاب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا معمول	۳۹۳
پیشاب کرنے کے آداب	۳۹۳
ایک بدوی اور رفع حاجت کے آداب	۳۹۴
استنجاء سے فارغ ہونے پر دعا	۳۹۴
بیت الخلاء کے آداب	۳۹۴
رفع حاجت کے آداب	۳۹۵

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۴	۳۹۶
وضو کے آداب	
مسواک کی فضیلت	۳۹۶
مسواک کے آداب	۳۹۶
مسواک کرنے کا طریقہ	۳۹۶
وضو کا طریقہ اور اس کی دعائیں	۳۹۷
وضو کے فرائض	۳۹۹
وضو کی سنتیں	۴۰۰
وضو کے مستحبات	۴۰۱
باب نمبر ۳۵	۴۰۲
صوفیاء کے آدابِ وضو	
وضو میں حضوریٔ قلب	۴۰۲
وضو کی فضیلت	۴۰۲
صوفیاء ہر وقت باوضو رہتے ہیں	۴۰۲
طہارت میں پانی کا کم استعمال	۴۰۳
نفس کشی کی نادر روزگار مثال	۴۰۳
وضو کے لیے پانی بچا کے رکھنا	۴۰۴
آدابِ طہارت کی سختی سے پابندی	۴۰۴
وضو کے بعد اعضاء کا خشک کرنا	۴۰۴
ظاہری و باطنی طہارت	۴۰۵
رخصت نہیں عزیمت	۴۰۵
باب نمبر ۳۶	۴۰۷
نماز کی فضیلت	
مؤمنوں کی کامیابی کا راز	۴۰۷
نماز نفس کی کجی درست کرنے کے لیے ہے	۴۰۷
نماز اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہے	۴۰۸
خشوع وخضوع کی اہمیت	۴۰۸
صلوٰۃ کے معنی ہیں: دعا کرنا	۴۱۰
سبع مثانی یعنی سورۂ فاتحہ	۴۱۰
نماز میں جھومنا اور جھولنا	۴۱۱
غافل دل کی نماز قبول نہیں	۴۱۱
فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے	۴۱۲
نماز میں فرشتوں کی معیت	۴۱۲
آسمان والوں کی ساری عبادتیں ایک رکعت میں	۴۱۲
رکوع طویل کرنا	۴۱۳
نماز کی حالتیں اور اذکار	۴۱۳
باب نمبر ۳۷	۴۱۴
مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی کی نماز	
نماز کیلئے تیاری	۴۱۴
نماز کا وقت معلوم کرنا	۴۱۴
نماز کس طرح ادا کی جائے	۴۱۵
باجماعت نماز کی تاکید	۴۱۵
نماز کس طرح ادا کرے	۴۱۵
نماز بندے اور رب کی براہِ راست گفتگو ہے	۴۱۶
پہلی تکبیر کس طرح کہی جائے	۴۱۶
ہاتھ باندھنے میں پوشیدہ نکتہ	۴۱۷
دل کے رُخ کی صفائی کیلئے دُعا	۴۱۸
قیام کے آداب	۴۱۹
حضوریٔ قلب	۴۲۰
خاصانِ خدا کی حضوریٔ قلب	۴۲۰
رکوع کے آداب	۴۲۱
قومہ کے آداب	۴۲۲
سجود کے آداب	۴۲۲
تشہد کے آداب	۴۲۴
نماز کا اختتام	۴۲۵
توریت میں ذکر رسول اکرم ﷺ	۴۲۵

www.waseemziyai.com

شیطان سے جنگ ۴۲۶
نماز کی تکمیل ۴۲۶
مواصلت سے نہی ۴۲۶
سلام کے دیگر آداب ۴۲۷
باجماعت نماز کی فضیلت ۴۲۷
باب نمبر ۳۸ ۴۲۸
نماز کے آداب واسرار
نمازی کے بہترین آداب ۴۲۸
نماز کے آداب کا تقاضا ۴۲۸
نماز کے دوران حرکتیں کرنا ۴۲۹
نماز میں شیطانی حرکات ۴۲۹
خشوع کیا ہے؟ ۴۳۰
رکوع کے آداب کا تقاضا ۴۳۰
تلاوت کے آداب ۴۳۱
نماز سے پہلے کے آداب ۴۳۱
نماز کے شعبے ۴۳۱
حضوریٔ قلب ۴۳۱
نمازیوں کی اقسام ۴۳۱
گناہوں سے برأت وطہارت ۴۳۲
سب سے بُری چوری ۴۳۲
امانت اک بارِگراں ہے ۴۳۲
نمازی کے لیے دعا اور بددعا ۴۳۳
اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ۴۳۳
غایت درجے کی حیاء ۴۳۳
قربِ الٰہی پر یقینِ کامل ۴۳۳
نماز میں خشیتِ الٰہی ۴۳۴
حساب میں شمار ہونے والی نماز ۴۳۴
نوافل کو معمولی نہ جانو ۴۳۴
اللہ سے دوری کی وجوہ ۴۳۴
نماز میں خشوع وخضوع ۴۳۵
نماز کی پابندی کا حاصل ۴۳۵
شیخ حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ کی مثالی نماز ۴۳۶
نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ۴۳۶
مؤمن کی نماز ۴۳۷
جاہل وغافل کی نماز ۴۳۷
صافی قلوب ہی آسمانی قلوب ہیں ۴۳۷
حاصلِ کلام ۴۳۸
باب نمبر ۳۹ ۴۳۹
روزے کی فضیلت اور اثرات
جس عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا ۴۳۹
روزے کی فضیلت ۴۳۹
ایک نفس، ہزار بُرائیاں ۴۴۰
شکم پُری اور بھوک ۴۴۰
شیخ طیالسی کی غذا ۴۴۰
کم خوری اہلِ صدق وصفا کا شیوہ ۴۴۱
مکالمہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ابلیس لعین ۴۴۲
عبادت اور بھوک ۴۴۲
پیٹ کا زُہد ۴۴۲
کثیر مشائخ کرام کی نصیحت ۴۴۳
باب نمبر ۴۰ ۴۴۴
صوم وافطار کے مختلف انداز
ہمیشہ روزے سے رہنے والے ۴۴۴
لگاتار روزے رکھنا ۴۴۴
حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ۴۴۵
روزہ رکھنے کے کچھ اور انداز ۴۴۵
تسلیم ورضا ۴۴۵

www.waseemziyai.com

ریاکاری کا گمان ____ ۴۴۶
حوصلہ افزائی کے لئے مرید کی رفاقت ____ ۴۴۶
شیخ ابوالحسن کا عجیب وغریب واقعہ ____ ۴۴۷
روزہ کے حوالے سے کچھ اور معمولاتِ شیوخ ____ ۴۴۸
باب نمبر۴۱ ____ ۴۴۹

روزے کے آداب

روزے میں صوفیاء کرام کے آداب ____ ۴۴۹
اہلِ یقین اور اہلِ فریب کے اعمال ____ ۴۴۹
روزے کے آداب ____ ۴۴۹
محض بھوکے پیاسے رہنے والے روزہ دار ____ ۴۵۱
روزے میں غیبت اور جھوٹ ____ ۴۵۱
صوفی کا روزہ اور اس سے توقع ____ ۴۵۲
لگاتار (ہمیشہ) روزہ رکھنے والے ____ ۴۵۲
جماعت کی موافقت کرنی چاہئے ____ ۴۵۲
خانقاہ میں قیام پذیر صوفیاء ____ ۴۵۳
موافق ومخالفت دلائل ____ ۴۵۳
طالبِ حق درویش کا بہترین ادب ____ ۴۵۴
روزے کا اہم ترین اصول ____ ۴۵۴
باب نمبر۴۲ ____ ۴۵۵

کھانے کے فوائد اور نقصانات

حُسنِ نیت سے عادات، عبادات بن جاتی ہیں ____ ۴۵۵
کھانا کھانا خصوصیت کا حامل ہے ____ ۴۵۵
آدمی مخصوص روحانی وجسمانی جواہر کا مرکب ہے ____ ۴۵۶
مزاج کا معتدل ہونا صحت کا اصول ہے ____ ۴۵۶
سب سے اہم اکلِ حلال ہے ____ ۴۵۷
کھانا کھانے میں صوفیاء کے آداب ____ ۴۵۷
قلب کا بگاڑ اور اس کی اصلاح ____ ۴۵۸
ذکرِ الٰہی اور کاشتکاری ساتھ ساتھ ____ ۴۵۹
ذکرِ الٰہی کی کھانے میں برکت ____ ۴۵۹
کھانا کھاتے وقت قدرتِ الٰہی میں سوچ بچار ____ ۴۶۰
متغیر مزاج قلب کا علاج ____ ۴۶۰
باب نمبر۴۳ ____ ۴۶۲

کھانے کے آداب

کھانے کا آغاز ____ ۴۶۲
نمک سے علاج ____ ۴۶۲
اکٹھے ہوکر کھانا مستحب وبابرکت ہے ____ ۴۶۲
دسترخوان پر کھانا سُنّت ہے ____ ۴۶۳
کھانے کے دیگر آداب ____ ۴۶۳
دائیں جانب کا معمول سُنّت ہے ____ ۴۶۳
اگر کھانے میں کوئی گٹھلی والی چیز ہو ____ ۴۶۴
کھانے میں برکت کا نزول ____ ۴۶۴
کھانے میں عیب نہ نکالنا چاہئے ____ ۴۶۴
کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا سُنّت ہے ____ ۴۶۴
کھانے پر پھونک مارنا خلافِ ادب ہے ____ ۴۶۴
سرکہ اور سبزیوں کی برکت ____ ۴۶۵
سب کے فارغ ہونے تک کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے ____ ۴۶۵
کھانے کا ادب باعث برکت ہے ____ ۴۶۵
کھانے کے حوالے سے ایک اہم بات ____ ۴۶۶
خادم نوازی ____ ۴۶۶
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دعا ____ ۴۶۶
کھانے کے بعد خلال کرنا ____ ۴۶۶
کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ____ ۴۶۶
تر ہاتھوں سے آنکھوں کا مسح کرنا ____ ۴۶۷
کھانے کے بعد دیگر آداب ____ ۴۶۷
کھانا کھاتے وقت کی دعائیں ____ ۴۶۸
بن بلائے کھانے پر جانا مکروہ ہے ____ ۴۶۸

www.waseemziyai.com

میزبان اور مہمان کا باہم ادب ۴۶۸
اجتماعی کھانے کے بعد دعا ۴۶۸
پیش کردہ کھانے کو حقیر نہ جانو ۴۶۹
نام ونمود کے لئے کھانا ۴۶۹
دوست کے ہاں بغیر اجازت کھانا ۴۶۹
دعوت قبول کرنا سنت ہے ۴۶۹
بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا ۴۷۰
باب نمبر۴۴ ۴۷۱
لباس کے صوفیانہ آداب
لباس کی غرض وغائت ۴۷۱
لباس کے حوالے سے صوفیانہ نظریہ ۴۷۱
حضرت سفیان ثوریؒ اور رضائے الٰہی ۴۷۲
نفس کا تناسب علم کے تابع ہے ۴۷۲
لباس اور کھانے میں تناسب ۴۷۲
صوفیاء کا پیوند لگا لباس ۴۷۳
لباس ذریعۂ پہچان وشناخت ہے ۴۷۳
صحابہ کرام کا معمول ۴۷۴
بزم سے اُٹھا دیا کہ یوں ۴۷۴
صوفیاء کرام کا معمول ۴۷۵
کچھ ایسے بھی ہیں جو گدڑی پوش نہیں ۴۷۵
نرم پوش وسخت پوش صوفیاء ۴۷۵
لباس کے معاملے میں تسلیم ورضا ۴۷۶
سرکردہ صوفیاء کرام کا لباس ۴۷۶
مرضیٔ مولیٰ کی اطاعت گزاری ۴۷۶
اللہ کے لئے لباس اختیار کرنا ۴۷۷
بندے کے ارادے میں اللہ کی موافقت ۴۷۷
ابن معاذ رازی کا لباس ۴۷۷
جیسا میسر آیا لباس پہن لیا ۴۷۷
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا لباس ۴۷۸
دیگر اسلاف کا لباس ۴۷۸
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ۴۷۹
نفس آفات کا مقام ہے ۴۷۹
سہولت اور ہمت ۴۷۹
اللہ حسین ہے اور حُسن کو چاہتا ہے ۴۸۰
دنیاوی فخر وغرور کیلئے خوش لباسی ۴۸۰
مختلف الاحوال سالک ۴۸۱
باب نمبر۴۵ ۴۸۲
شب بیداری کی فضیلت
اہل ایمان کے لئے خدائی امداد ۴۸۲
نیند کی اہمیت ۴۸۳
نیند کا دورانیہ ۴۸۳
شب بیداری کی لذت وحلاوت ۴۸۴
شب بیداروں کی فضیلت ۴۸۴
شب تنہائی کے انوار وتجلیات ۴۸۵
دل کی رقت ۴۸۶
زمان ومکاں کی نور قلب میں سمائی ۴۸۶
عبادت میں رات گزارنے والے کا چہرہ ۴۸۷
باب نمبر۴۶ ۴۸۸
شب بیداری اور نیند کے آداب
رات کا استقبال ۴۸۸
مغرب اور عشاء کے مابین عبادت ۴۸۸
نماز عشاء کے بعد کے آداب ۴۸۸
ایک خراسانی بزرگ کا معمول ۴۸۹
شب بیداری کا عزم اور توفیق ۴۸۹
عادت کو بدل دیا جائے ۴۹۰
کم کھانا، کم سونے میں معاون ہے ۴۹۰

www.waseemziyai.com

باوضو سونے کی فضیلت ۴۹۱
لوحِ محفوظ تک رسائی ۴۹۱
اگر کسی وجہ سے تازہ وضو نہ کر سکے ۴۹۲
سونے کا طریقہ ۴۹۲
سوتے وقت کی دعائیں ۴۹۲
باب نمبر ۴۷ ۴۹۴
صوفیاء کے رات کے معمولات
رات کا نماز سے استقبال ۴۹۴
رات کے فرشتوں کو خوش آمدید ۴۹۴
صلوٰۃ الاوابین ۴۹۴
نماز عشاء اور اس کے بعد نوافل ۴۹۵
وتر کا مؤخر کرنا ۴۹۶
مقصد کا تعین ۴۹۶
بندۂ حق کی باطنی حالت ۴۹۶
نیند کی حقیقت کیا ہے؟ ۴۹۷
طہارت کے اثرات ۴۹۸
نمازِ تہجد ۴۹۹
باب نمبر ۴۸ ۵۰۰
شب بیداری کی فضیلت
پہلے نیک بندوں کا طریقہ اور معمول ۵۰۰
نماز عشاء کے وضو سے نماز فجر ۵۰۰
شب بیداری کی آسان اور بہترین صورت ۵۰۱
اسلام مشکلات کا نہیں آسانیوں کا نام ہے ۵۰۱
تسبیح و استغفار ۵۰۲
شب بیداری میں غفلت بھلائی سے محرومی ہے ۵۰۲
نادانستہ گناہوں کے باعث محرومی ۵۰۳
احتلام بھی ایک طرح کی سزا ہے ۵۰۴
شیطان کی تین گرہیں ۵۰۴
شب بیداری میں رکاوٹ بننے والی چیزیں ۵۰۵
باب نمبر ۴۹ ۵۰۶
نماز فجر اور اس کی دعائیں
دن کے دو طرفوں کی نمازیں ۵۰۶
آیت مذکورہ بالا کی شانِ نزول ۵۰۶
فجر کا استقبال ۵۰۷
فجر سے پہلے کی دعا ۵۰۸
گھر سے نکلتے وقت کی دعا ۵۰۹
راستے میں آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے ۵۰۹
مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا ۵۰۹
نماز فجر کے بعد دعا ۵۰۹
فجر کی مزید دعائیں ۵۱۰
باب نمبر ۵۰ ۵۱۲
صوفیاء کے روزانہ کے معمولات
عبادات کیلئے پُرسکون جگہ کا تعین ۵۱۶
یومیہ معمولات کا آغاز ۵۱۶
اوراد و اذکار کے دوران احتیاطیں ۵۱۷
طلوع آفتاب کے وقت اذکار و اوراد ۵۱۷
نمازِ اشراق ۵۱۸
نماز اشراق کے بعد ۵۱۹
گھر سے باہر نکلنے پر نوافل کی ادائیگی ۵۱۹
گھر میں آنے سے پہلے نفل اور دعا ۵۱۹
چاشت کی نماز ۵۲۰
چاشت کا وقت ۵۲۰
نماز چاشت کی رکعتیں ۵۲۰
نماز چاشت کے بعد ۵۲۱
ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کا خیال رکھنا ۵۲۱
دن کے وقت سونا ۵۲۱

www.waseemziyai.com

دن کے دونوں اطراف کی نمازیں ۵۲۲
زوال کی نماز ۵۲۲
دلی کدورت کا علاج ۵۲۳
ظہر کے معمولات ۵۲۳
ظہر کے بعد کے وظائف ۵۲۳
مسواک کی فضیلت ۵۲۴
نماز میں پڑھی جانے والی قرآنی دعائیں ۵۲۴
نفسانی خواہش کے اثرات ۵۲۵
خواہش کی پیروی سے پناہ ۵۲۶
نمازِ عصر اور اس کے وظائف ۵۲۶
جب گھر سے باہر نکلے ۵۲۷
عصر کے بعد معمولات ۵۲۷
ایک آیت کے باطنی معانی ۵۲۹
عصر کے بعد دیگر معمولات ۵۲۹
رات کی آمد پر معمولات ۵۳۰
باب نمبر ۵۱ ۵۳۱
شیخ کے لئے مرید کے آداب
سبقت نہیں صرف پیروی کرو ۵۳۱
اس آیت کی تفسیر ۵۳۱
مرید کا طریقہ اور طرزِ عمل ۵۳۲
مجلس شیخ میں مرید کے آداب ۵۳۲
شیخ کا مقام و مرتبہ ۵۳۳
نفسانی خواہش کے اسباب ۵۳۳
موتی کی تلاش ۵۳۴
ادب کی فضیلت و اہمیّت ۵۳۴
شیخ کا ادب اور اس کا ثمر ۵۳۶
ادب کی پاس داری ۵۳۶
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ۵۳۷
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ۵۳۸
شہادت کے بعد کرامت ۵۳۸
تقویٰ کے ذریعے دلوں کا امتحان ۵۳۹
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا طرز ملاقات ۵۴۰
شیخ کی خدمت وصحبت ۵۴۱
خدمت شیخ کی چند مثالیں ۵۴۱
ظاہری آداب کے اصول ۵۴۲
ایک آیت سکھانے والا بھی استاد ہے ۵۴۳
ہر کام پر شیخ کی پسند و ناپسند کا خیال ۵۴۳
مکاشفات پر شیخ سے رجوع کرنا ۵۴۳
شیخ سے کچھ کہنے میں مناسب وقت اور موقع کا خیال ۵۴۴
بارگاہ نبوی کے آداب کی مثال ۵۴۴
باب نمبر ۵۲ ۵۴۷
مریدوں کے ساتھ شیخ کے معاملات
بالادستی کی کوشش سے اجتناب کر ۵۴۷
مریدوں کے ساتھ اولاد کی طرح برتاؤ ۵۴۷
مرید کی اہلیّت اور صلاحیّت کا حال جاننا ۵۴۷
خلوت نشینی کے لئے وقت کا تعین ۵۴۹
روحانی حالت ۵۴۹
خلوت اور جلوت ۵۴۹
حسنِ اخلاق اور تواضع ۵۵۰
مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی ۵۵۱
مریدوں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ ۵۵۱
مرید کا صدقِ عزیمت اور ضبط نفس ۵۵۱
پرخلوص اور بے لوث خدمت ۵۵۲
سارا مال صرف کر دینا ۵۵۲
حکمت سے کام لیا جائے ۵۵۳
عفو و درگزر ۵۵۳

www.waseemziyai.com

مرید کی رازداری ۵۵۴
باب نمبر۵۳ ۵۵۵
صحبت کی حقیقت اور اس کے اثرات
ہم نشینی و صحبت کا اصل محرک ۵۵۵
صحبت و ہم نشینی کی اصل و بنیاد ۵۵۵
ہم جنس ہونے کا رجحان و میلان ۵۵۶
عزلت و گوشہ نشینی ۵۵۶
عزلت کی اقسام ۵۵۷
صحبت کے خطرات ۵۵۷
صحبت کی فضیلت ۵۵۸
اللہ کی رضا نہ چاہنے والا جھوٹا دوست ہے ۵۶۰
اللہ کے محبوب بندے ۵۶۰
ہمدرد اور مخلص دوست ۵۶۲
رضائے الٰہی کے لئے باہمی محبت ۵۶۲
بغض دین کو خراب کر دیتا ہے ۵۶۳
نیک بندوں کی صحبت ۵۶۴
صحبت و خلوت کے ثمرات و نقصانات ۵۶۵
باب نمبر۵۴ ۵۶۶
صحبت اور اخوت کے حقوق
حقوق صحبت کے آداب ۵۶۶
نیک صحبت ۵۶۶
بد صحبت ۵۶۷
صحبت میں احتیاط ۵۶۷
روحانی محبت ۵۶۸
مخلوق کے ساتھ صحبت کی شرائط ۵۶۹
قطع تعلقی میں بھی خیر سے ذکر کرنا ۵۶۹
قطع تعلقی کے بعد رویہ ۵۶۹
بغض کا معیار اور اظہار ۵۷۰
لغزش کی معافی ۵۷۰
اخوت کی شرائط اور حقوق ۵۷۲
اللہ کے لئے محبت کی پہچان ۵۷۲
باب نمبر۵۵ ۵۷۴
صحبت و اخوت کے آداب
درویشوں کی صحبت کے آداب ۵۷۴
دوسروں کو ان کے عیوب سے آگاہ کرنا ۵۷۴
خدمت خلق میں مصروف رہنا ۵۷۵
خود کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھنا ۵۷۵
اپنے نفس کو قصوروار ٹھہرانا ۵۷۶
اہلِ علم و فضل کی قدردانی ۵۷۶
انصاف کرو مگر طالب انصاف نہ ہو ۵۷۷
نرمی اختیار کرنی چاہئے ۵۷۷
ہم نشینی کے لئے حریص رہنا ۵۷۸
اپنے سے چھوٹوں پر شفقت ۵۷۸
صوفیاء میں چون و چرا نہیں ۵۷۹
اخوت میں تکلف پسند نہیں ۵۷۹
خاطر تواضع اور ظاہرداری ۵۷۹
ہم نشینی میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ۵۷۹
پردہ داری و عیب پوشی ۵۸۰
اپنے بھائیوں کے لئے غائبانہ استغفار کرنا ۵۸۰
اپنی خاطر مدارات کے لئے مجبور نہ کرنا ۵۸۱
اپنے مولیٰ کی رضا جوئی مقصود ہونا ۵۸۱
باب نمبر۵۶ ۵۸۳
روح و نفس کی معرفت
تخلیق انسانی کے مدارج و مراحل ۵۸۳
روح کی حقیقت ۵۸۴
روح کی ماہیت کے بارے میں اختلاف رائے ۵۸۴

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

راہِ راست سے بھٹکے ہوؤں سے اعراض ____ ۵۸۵
ہدایت یافتہ حضرات کی آراء واقوال ____ ۵۸۵
اہلِ تصوف کی آراء واقوال ____ ۵۸۶
روح کے مزید مفاہیم ومطالب ____ ۵۸۷
روح ایک عظیم اور برتر مخلوق ہے ____ ۵۸۸
روح کی فضیلت واہمیّت ____ ۵۸۸
روح اور کیا کیا ہے؟ ____ ۵۸۸
روح کی اقسام وانواع ____ ۵۸۹
ارواح سے میّت کی ملاقات ____ ۵۸۹
مخصوص دنوں میں اعمال کا پیش کیا جاتا ____ ۵۸۹
رسول اکرم ﷺ حلیم الطبع کیوں کر تھے؟ ____ ۵۹۰
روح کی افزائش اور ابلیس کی پیدائش ____ ۵۹۰
علم کا روح سے ملاپ ____ ۵۹۰
متکلمینِ اسلام کا نظریۂ روح ____ ۵۹۱
بدن سے جدا ہو کر روح کا ٹھکانہ ____ ۵۹۱
شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ____ ۵۹۲
شیخ شہاب الدین سہروردی (مصنف کتاب) کی رائے ____ ۵۹۲
علوی اور حیوانی روح ____ ۵۹۳
نفس کی تخلیق ____ ۵۹۳
لطیفۂ قلب ____ ۵۹۴
قلوب کی اقسام ____ ۵۹۴
عقل کا قلب سے تعلق ____ ۵۹۵
عقل کا مقام اور ٹھکانہ ____ ۵۹۵
روح کا عالم بالا سے تعلق ____ ۵۹۵
حرص وہوا کے مادے کا فنا ہونا ____ ۵۹۵
روح کا عالم سفلی (ارضی) سے تعلق ____ ۵۹۶
روح دو طرح کی ہے ____ ۵۹۶
روح اور نفس ____ ۵۹۶
نفسانی صفات کی بنیادیں ____ ۵۹۷
نفس کی فطری صفات ____ ۵۹۷
نفس کی تین حالتیں ____ ۵۹۸
سرِّ باطن کیا ہے؟ ____ ۵۹۹
سرِّ باطن کی حقیقت ____ ۵۹۹
عقل کی فضیلت وحقیقت ____ ۶۰۰
عقل کی اہمیّت ____ ۶۰۰
عقل کی ماہیت وحقیقت ____ ۶۰۱
سیدھی اور اُلٹی عقل ____ ۶۰۲
عقل کے پہلو ____ ۶۰۲
عقل کا نام "عقل" کیوں؟ ____ ۶۰۲
عقل اور شریعت ____ ۶۰۳
عقل اور بصیرت ____ ۶۰۳
ملک اور ملکوت ____ ۶۰۳
باب نمبر ۵۷ ____ ۶۰۵
دلی تصورات کی شناخت
انسان پر شیطانی اور ملکوتی اثرات ____ ۶۰۵
اچھے برے اثرات معلوم کرنا ____ ۶۰۵
قلب کی صفائی ____ ۶۰۵
ذکر کی اہمیّت وفضیلت ____ ۶۰۶
تقویٰ اور ذکر ____ ۶۰۶
شک وشبہ کے موقع پر ادب کا تقاضا ____ ۶۰۷
حق اور حظِ نفس ____ ۶۰۷
ملکوتی اور حقانی تصورات کا ورود اور نفسانی کیفیت ____ ۶۰۸
عالم بالا کی طرف سفر ____ ۶۰۸
یہ روحانی کیفیت مستقل نہیں عارضی ہے ____ ۶۰۸
وارداتِ حق کا ختم ہو جانا ____ ۶۰۹
برے اثرات سے محفوظ ____ ۶۰۹

www.waseemziyai.com

واردات کی اقسام ۶۰۹
گناہ سے دل پر سیاہ نقطہ ۶۱۰
نفس اور قلب کے درمیان کشمکش ۶۱۰
تصورات کے مشتبہ ہونے کے اسباب ۶۱۱
نفس شناسی مَیں روزی کا حجاب ۶۱۱
نفسانی اور شیطانی وسوسوں میں فرق ۶۱۲
کس جذبہ کی پیروی کی جائے ۶۱۲
واردات و خواطر میں فرق ۶۱۲
نفس کی مخالفت ۶۱۳
شک و شبہ کی گنجائش باقی رہنے کی وجہ ۶۱۳
نفس کی تحریک ۶۱۳
روح کی جُنبش و تحریک ۶۱۴
میری رائے یہ ہے کہ...... ۶۱۴
تصورات (خاطرِ) عقل ۶۱۵
چھٹی قسم،---خاطرِ یقین ۶۱۵
خواطر کی بنیادی اقسام ۶۱۵
باب نمبر ۵۸ ۶۱۷
حال و مقام کی تشریح اور ان کا فرق
حال و مقام کے الفاظ میں اشتباہ ۶۱۷
حال و مقام میں فرق ۶۱۷
محاسبہ و مراقبہ ۷
مشاہدے کا مقام ۶۱۸
قلب کے دو حصے ۶۱۸
حق الیقین ۶۱۸
مقامات و احوال خداداد عطیہ ہیں ۶۱۸
ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی ۶۱۸
توبہ و زجر (ملامت) ۶۲۱
مقام زہد ۶۲۱
رضا و توکّل ۶۲۱
ایک لطیفہ نکتہ ۶۲۱
لامحدود فیض الٰہی ۶۲۲
باب نمبر ۵۹ ۶۲۴
روحانی مقامات کے بنیادی اصول
استغفار فلاح کی سبیل ہے ۶۲۴
توبہ کی اہمیّت ۶۲۴
چار اصول ۶۲۵
زجر و ملامت کا فقدان ۶۲۵
حال انتباہ ۶۲۶
حال بیداری ۶۲۶
محاسبۂ نفس ۶۲۷
نماز کے ذریعے محاسبہ ۶۲۷
محاسبے کا ایک انداز یہ بھی ہے ۶۲۸
مراقبہ کی اہمیّت ۶۲۸
صحتِ انابت (رجوع الی اللہ) ۶۲۹
مجاہدۂ نفس ۶۳۰
صبر کی اقسام ۶۳۰
صبر اور توبہ ۶۳۰
خوشحالی میں صبر دشوار ہے ۶۳۱
صبر کا اظہار ۶۳۱
راضی برضا ۶۳۱
اُمید و بیم ۶۳۲
مقام توبہ ۶۳۳
مقام زہد ۶۳۳
سیرت نبوی ﷺ سے زُہد کی مثال ۶۳۳
دُنیا کی حقیقت ۶۳۴
زہد و توکّل ۶۳۴

www.waseemziyai.com

توبہ پر استقامت ۲۳۴
صحیح مرید کون ہے؟ ۲۳۵
فقر وزہد ۲۳۵
عملِ پیہم کی ضرورت ۲۳۵
مقامِ بندگی ۲۳۶
عالم جبر واختیار ۲۳۶
مقام فنا وبقا ۲۳۶
باب نمبر ۶۰ ۲۳۸

روحانی مقامات اور اقوال مشائخ

توبہ کے معنی ۲۳۸
توبہ کی اقسام ۲۳۸
عوام وخواص کی توبہ ۲۳۸
برائی کی اقسام ۲۳۹
توبہ کی جامع تعریف ۲۳۹
ورع (پرہیزگاری) ۲۴۰
زُہد کیا ہے ۲۴۱
زاہد علماء ۲۴۱
دُنیادار علماء ۲۴۲
زُہد اور مشائخ کرام ۲۴۲
زُہد در زُہد ۲۴۲
زُہد در زُہد سے اگلا مقام ۲۴۳
صبر کیا ہے؟ ۲۴۴
صبر کی حقیقت کیا ہے؟ ۲۴۴
صبر کی اہمیّت وفضیلت ۲۴۴
سب سے مشکل اور گراں صبر ۲۴۵
الصبر عن اللہ کی تشریح ۲۴۵
صبر والوں کے درجات ۲۴۶
صبر کا غائت حصہ ۲۴۶
صبر کی ایک نادر مثال ۲۴۶
صبر پر منظوم اظہار خیال ۲۴۷
فقر کیا ہے؟ ۲۴۷
فقر کی شان ۲۴۸
فقر کی فضیلت ۲۴۸
توحید کی پہلی منزل ۲۴۹
اللہ سے حیا کا معاملہ ۲۴۹
فقر وصبر ۲۵۰
شکر کیا ہے؟ ۲۵۰
شکر کے مفاہیم ۲۵۱
شُکر کی فضیلت ۲۵۱
شکر کی حقیقت ۲۵۲
خوف کیا ہے؟ ۲۵۲
خوف کی فضیلت ۲۵۳
رجاء (امید) کیا ہے؟ ۲۵۴
خوف ورجاء ساتھ ساتھ ۲۵۴
حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۲۵۵
توکّل کیا ہے؟ ۲۵۵
کامل توکّل ۲۵۷
نفسانیت اور توکّل ۲۵۷
رضا کیا ہے؟ ۲۵۸
رضا کی فضیلت ۲۵۸
مقربین بارگاہِ الٰہی کے پانچ اخلاق ۲۵۹
رضا کی اقسام ۲۵۹
راضی وناراضی بیک وقت ۲۵۹
مفاہیم رضا ۲۶۰
مقام رضا تک رسائی ۲۶۰
رضا کی اصل اور بنیاد ۲۶۱

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۶۱ ۶۶۲

روحانی احوال اوران کی تشریحات

ایمان کی حلاوت کے ذرائع ۶۶۲

خالص محبت ۶۶۲

محبت کے محرکات ۶۶۳

خواص کی محبت ۶۶۳

عام محبت ۶۶۳

خاص محبت ۶۶۴

محبوبوں کا طریقہ ۶۶

محبوبوں کے طریقہ کا کمال ۶۶۵

خاص محبت کے نتائج ۶۶۵

نفس اور زاہد کی کشمکش ۶۶۶

محبت کی حقیقت ۶۶۷

روحانیت کے بنیادی معیار اور محبت ۶۶۷

محبوب کے رنگ میں رنگ جانا ۶۶۸

محبت کی کشش ۶۶۸

نورِ یقین اور اس کا غلبہ ۶۶۹

محبت کی سوزش ۶۶۹

محبت کا ظاہر و باطن ۶۶۹

اہل محبت کے لئے مژدۂ بشارت ۶۷۰

اہلِ شوق و محبت ۶۷۰

شوق کا ایک اور مفہوم ۶۷۱

مقامِ شوق سے انکار ۶۷۲

جذبۂ شوق کی ایک اور وجہ ۶۷۲

شوق کی اہمیّت ۶۷۲

مقامِ شوق و مقامِ اشتیاق ۶۷۳

اُنس کیا ہے؟ ۶۷۳

اللہ تعالیٰ سے اُنس ۶۷۴

محبت کی تازگی اور حقیقت توحید ۶۷۵

اُنس کے مشمولات ۶۷۵

اُنس کی حقیقت ۶۷۶

قرب کیا ہے؟ ۶۷۶

سُکر و محویت ۶۷۷

ہوش مندی ۶۷۷

قرب کا معیار کیا ہے؟ ۶۷۷

حیا کیا ہے ۶۷۸

خاص حیا ۶۷۸

حیا اور اُنس کی تعریف ۶۷۹

اتصال کیا ہے؟ ۶۸۰

عالمین کی اقسام ۶۸۰

واصل اور متصل کا فرق ۶۸۰

اتصال و مواصلت ۶۸۱

حق الیقین ۶۸۲

قبض و بسط کیا ہے؟ ۶۸۲

قبض و بسط کا زمانہ ۶۸۲

رنج و نشاط ۶۸۲

قبض و بسط کا ظہور ۶۸۳

قبض و بسط کے اسباب ۶۸۳

قبض و بسط کا ازالہ ۶۸۳

بسط میں بے اعتدالی ۶۸۴

قبض کا علاج ۶۸۴

اہلِ قبض و بسط اور اُمید و بیم ۶۸۴

اسباب سے ناواقفی و کم آگہی ۶۸۵

اہلِ نفس مطمئنہ ۶۸۵

نفس کا قبض و بسط ۶۸۵

فنا کیا ہے؟ ۶۸۵

www.waseemziyai.com

بقا کیا ہے؟ ۶۸۵
فنا و بقا کا صحیح مفہوم ۶۸۶
فنا و بقا کے بارے میں مختلف آراء ۶۸۶
فنائے مطلق کی اقسام ۶۸۷
فنائے ظاہر ۶۸۷
فنائے باطن ۶۸۷
حالت استغراق ۶۸۷
فنا کا ایک اور مفہوم ۶۸۸
بندۂ باقی ۶۸۸
باقی کا مقام ۶۸۸
باب نمبر ۶۲ ۶۸۹
اصطلاحاتِ صوفیاء کی تشریحات
علم میں اضافہ کے ذرائع ۶۸۹
مشائخ صوفیاء کا علم و عمل ۶۸۹
عمل کے فوائد ۶۸۹
علم باطنی ۶۹۰
علم اللہ کا راز ہے ۶۹۰
علمِ لدنی ۶۹۰
جمع و تفرقہ کیا ہے؟ ۶۹۱
جمع و تفرقہ کا اصل مفہوم ۶۹۱
روح و بدن کی ترکیب ۶۹۲
خلاصۂ اقوال ۶۹۲
ہمکلامی میں موسیٰ علیہ السلام کا حال ۶۹۳
تجلی و استتار ۶۹۳
استتار کا فائدہ ۶۹۳
تجلیٔ الٰہی کی علامت ۶۹۴
تجلی کا مفہوم ۶۹۴
استتار کا مفہوم ۶۹۴
تجرید و تفرید ۶۹۴
وجد، تواجد اور وجود ۶۹۵
غلبہ کیا ہے؟ ۶۹۵
مسامرہ کیا ہے؟ ۶۹۵
سکر و صحو ۶۹۶
محو و اثبات ۶۹۶
علم الیقین و عین الیقین ۶۹۷
حق الیقین ۶۹۷
وقت کیا ہے؟ ۶۹۸
غیبت اور شہود کیا ہیں ۶۹۸
ذوق و شرب اور رَیّ ۶۹۸
محاضرہ، مکاشفہ اور مشاہدہ ۶۹۸
طوارق و بوادی ۶۹۹
تلوین کیا ہے؟ ۶۹۹
اہل تمکین ۶۹۹
نفس کیا ہے؟ ۷۰۰
باب نمبر ۶۳ ۷۰۱
صوفیاء کے ابتدائی و انتہائی مراحل
جیسی نیت ویسا پھل ۷۰۱
عمل کا نیت سے آغاز ۷۰۱
خلوص نیت ۷۰۲
منازلِ طریقت ۷۰۲
قطع تعلق ۷۰۲
صدق کی اہمیّت و فضیلت ۷۰۳
معرفت نفس یعنی خود شناسی ۷۰۳
صدق ایک برہنہ تلوار ہے ۷۰۴
ہر کام میں اللہ کے لئے نیت ۷۰۴
نیت کے ثمرات ۷۰۴

www.waseemziyai.com

احوال واعمال اور نیت ۷۰۵
تنہائی کی عادت بنانا ۷۰۶
زُہد وتقویٰ انسانی کمال ہے ۷۰۶
قول وفعل میں حد ضرورت کا لحاظ رکھنا ۷۰۶
دنیا داروں سے پرہیز ۷۰۷
ایسے فقراء کی صحبت سے گریز ۷۰۷
فرائض ونوافل کی پابندی اور جمعہ کا اہتمام ۷۰۷
جمعہ ترقی درجات کا دن ۷۰۸
لباس کا انتخاب ۷۰۸
تلاوتِ قرآن مجید ۷۰۸
ذکر کی غرض وغائت ۷۰۹
زبان ہو دل کی رفیق ۷۰۹
باطنی مراقبہ کی ضرورت ۷۰۹
نیاز مندی خیر وبرکت کا باعث ہے ۷۰۹
فضول بات کا کفارہ ۸۱۰
صداقت کی اثر آفرینی ۸۱۰
صادق کون ہے ۸۱۰
صدیق کون ہے؟ ۸۱۱
اربابِ نہایات ۸۱۱
اللہ کے سپاہی ۸۱۲
عارف باللہ کی علامتیں ۸۱۲
دنیا ایک دلہن ہے ۸۱۲
ایک غلط فہمی کا ازالہ ۸۱۳
عام مومنوں کا طرز حیات ۸۱۳
نفس کی اصلاح ۸۱۳
منتہی سالک کی خود مختاری ۸۱۴
اعتدال کا راستہ ۸۱۴
رسول اکرم ﷺ کے حال سے مشابہت ۸۱۵
اتباعِ سُنّت میں رخصت اور عزیمت ۸۱۵
عمل کا فیض ۸۱۶
ایک عجیب وغریب راز ۸۱۶
اُمت کے لئے فیض ۸۱۶
خلوت وجلوت ۸۱۷
کمالِ معرفت کیا ہے؟ ۸۱۷
عارفوں کو استقامت کی حاجت ۸۱۷
تصوف کے مراحل ۸۱۸
انتہا سے ابتداء کا سفر ۸۱۸
حیرانی ۸۱۸
محبوبِ خلائق ۸۱۹

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

ابتدائیہ

اکابرین نے شریعت کی اتباع کو صوفی کے مسلک کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ اتباعِ سُنّت کے بغیر تصوف کی راہ چلنا ممکن نہیں، —

صوفیاء کرام نے تصوف کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں گراں بہا یادگاریں چھوڑی ہیں۔ — امتدادِ زمانہ سے بہت سارا علمی سرمایہ ضائع ہوگیا — خاص طور سے تاتاریوں کی یلغار نے بیش بہا علمی ذخیرے نذر آتش کردیئے — جس سے تاریخ اور تحقیق کے میدان میں مسلمانوں کی نسل در نسل کاوشات سینۂ ارض سے معدوم ہوگئیں — ان کے ظلم و بربریت سے بچ جانے والی کتب یورپ والے اٹھا کر لے گئے۔ جن کی بنیاد پر آج وہ زندگی کے ہر شعبے میں چھائے ہوئے ہیں۔

آج تصوف کے موضوع پر جو لٹریچر دستیاب ہے، وہ وہی ہے جو مشیّتِ ایزدی سے ان کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رہا۔ یہ علمی ذخیرہ نثر اور نظم ہر دو صورتؓ میں موجود ہے۔

○

تیسری صدی ہجری سے پہلے صوفیاء کرام نے تصوف کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی، — اس کی وجہ ان ادوار کی انارکی تھی، — تیسری صدی سے انہوں نے اس کی ضرورت اور اہمیّت محسوس کی اور اس طرف توجہ فرمائی، اور تصوف کے موضوع پر لٹریچر کا آغاز ہوا۔

پہلے پہل تصّوف کے موضوع پر زیادہ تر کتابیں عربی میں لکھی گئیں، بعد ازاں فارسی زبان کو اپنایا گیا، — تیسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک تصوف کے موضوع پر لکھی گئی کتب آج بھی مخطوطات یا مطبوعات کی شکل میں موجود ہیں۔

○

''عوارف المعارف'' سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردی ابوحفص عمر بن محمد (م-۶۳۲ھ) کی مقبول عام تصنیف ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی ذات صوفیائے کرام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ روحانی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، — تصّوف کی یہ بنیادی کتاب مکہ معظمہ میں لکھی گئی، — چھٹی صدی ہجری میں لکھی گئی یہ گراں قدر کتاب روزِ اوّل کی طرح آج بھی مقبول و معروف ہے، — ۶۳ ابواب پر مشتمل علم تصوف پر یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں طریقت اور معرفت کے حقائق کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ عربی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا انداز بیان نہایت شگفتہ اور پرتاثیر ہے۔ اس کے مختلف زبانوں ترکی، فارسی اور اردو میں تراجم ہوئے، — متعدد شروح لکھی گئیں۔ تلخیصات پر بھی طبع آزمائی کی گئی۔

www.waseemziyai.com

○

روحانی حلقوں میں ''عوارف المعارف'' کی بڑی پذیرائی ہے۔اس کے مقبول عام ہونے کی وجوہ میں سے چند ایک یہ ہیں:

○ — یہ تصوف کی وہ کتاب ہے جس میں تصوف کے بنیادی اور ضروری مسائل تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

○ — تصوف کے اہم مسائل قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں بڑے آسان فہم اور دلکش پیرائے میں پیش کئے گئے ہیں۔

○ — اس کے ذریعے ایک سالک طریقت کو زندگی کے ہر شعبے میں مکمل روحانی رہنمائی مل سکتی ہے۔

○ — یہ پرتاثیر کتاب مرشد کامل کا بہترین نعم البدل ہے۔

○ — اس میں گاہے بگاہے کئی فقہی مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں، — جن کا انداز بیان فقیہانہ نہیں صوفیانہ ہے۔

○ — حضرت شیخ الشیوخ نے بخاری و مسلم اور ترمذی شریف کی طرح تمام احادیث اپنے مشائخ کی مسلسل اسناد کے ساتھ لکھی ہیں۔

○ — اس کی انفرادیت میں ایک بات یہ بھی ہے کہ تصوف کا کوئی بنیادی مسئلہ ایسا نہیں جسے حضرت شیخ المشائخ نے قرآن کریم اور ایسی صحیح احادیث سے ثابت نہ کیا ہو جن کے راویوں اور مشائخ کا سلسلۂ اسناد نام بنام صحابہ کرام اور رسول اکرم ﷺ تک مسلسل نہ ہو۔

○ — الحمدللہ نقشبندی سلسلے کی طرح سہروردی سلسلہ بھی اتباعِ شریعت کا کمال درجے کا حامی ہی نہیں بلکہ مجسم عمل ہے۔

○

صاحب ''عوارف المعارف'' امام سالکین شیخ الشیوخ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۳۲ھ) ثانی اثنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، — اپنے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م-۵۶۳ھ) سے تربیت پائی۔ وہی آپ کے شیخ طریقت بھی ہیں، — شیخ الشیوخ نے محبوب صمدانی غوث یزدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (م-۵۶۱ھ) سے بھی فیض پایا، — ہر دو مقتدر شخصیات کے وصال کے بعد رشد و ہدایت کی ساری ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آپڑی۔ چنانچہ ۵۶۴ھ میں آپ مدرسہ نظامیہ، بغداد شریف کی مسند درس و ہدایت پر فائز ہوئے اور یہ سلسلہ آپ کے یوم وصال تک چلتا رہا۔

○

ملک شبیر حسین عرصۂ دراز سے دینی لٹریچر کی اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔ان کی اشاعتی خدمات کو علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی۔ روز اوّل کی طرح وہ آج بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ مولیٰ کریم انہیں صحت و تندرستی اور استقامت عطا فرمائے۔ جس طرح انہوں نے فتاویٰ کی اشاعت میں تخصص حاصل کیا ہے، اور فتاویٰ کی ایک کثیر تعداد کی اشاعت ان کی ذاتی دلچسپی کی مرہونِ منت ہے، — اسی طرح تصوف کے شعبے میں بھی معروف کتب کی اشاعت ان کی ترجیحات میں شامل ہے، — ''عوارف المعارف'' کے دستیاب تراجم اپنی ثقاہت کے باوجود اغلاط سے مملو ہیں۔ اور عصر حاضر کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتے۔ زیرِ نظر نسخہ کی ترتیب و تہذیب کی سعادت فقیر کے حصے میں آئی۔ الحمدللہ زیرِ نظر نسخہ میں:

www.waseemziyai.com

○ ـــ اندازِ بیان سہل اور آسان کر دیا گیا ہے،

○ ـــ ذیلی سرخیاں لگائی گئی ہیں تا کہ قاری کو نفس مضمون سمجھنے میں سہولت رہے۔

○ ـــ متن میں عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر مزید بہتری لائی گئی ہے۔

اور یہ سب میرے مرشد کریم مجدد عصر، ناشر مجددیات، ماہر رضویات حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نگہ التفات کا صدقہ ہے، ـــ اگر اس میں کوئی کمی یا کہیں کوتاہی نظر آئے تو یہ میری بے بضاعتی اور نالائقی کے باعث ہے ـــ بہر حال زیر نظر نسخے کی ترتیب و تہذیب میں مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ جن کرم فرماؤں کی مساعی اس کی اشاعت میں شامل ہیں، وہ سب لائق تحسین و آفرین ہیں، ـــ مولیٰ کریم کے حضور التجا ہے کہ ''عوارف المعارف'' کو ہم سب کے لئے ذریعہ نجات بنا دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

خاکپائے صاحبدلاں

محمد عبدالستار طاہر مسعودی عفی عنہ

موضع کوڑے۔ والٹن روڈ۔ لاہور کینٹ

۷ر ربیع الغوث ۱۴۳۲ھ

۱۲ر مارچ ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ

www.waseemziyai.com

امام السالکین شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

از: محمد عبدالستار طاہر مسعودی

آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ اہلِ علم وفضل میں آپ کی شخصیت جانی پہچانی ہے۔

نام وجائے ولادت:

امام السالکین شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اواخر رجب یا اوائل شعبان المعظم ۵۳۹ھ میں قصبہ سہرورد میں پیدا ہوئے، — سہرورد، زنجان کے مضافات میں واقع ایک غیر معروف قصبہ تھا جو آپ کے دم قدم سے اکنافِ عالم میں معروف ومقبول ہوگیا — یہ قصبہ عراق وعجم کے پہاڑی علاقے میں ایک ایسی سڑک پر واقع ہے جو ہمدان سے زنجان کی طرف جاتی ہے۔

سلسلۂ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب تیرہ واسطوں سے یارِ غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے:

شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن ابی عبداللہ بن محمد بن عبداللہ البکری (المعروف بہ شیخ عمویہ) بن سعد بن حسین بن قاسم بن سعد بن نصر بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضوان اللہ عنہم۔

یہ سلسلۂ نسب صاحبِ ''تاریخ بغداد'' ابن نجار کا تحریر کردہ ہے، — جبکہ صاحب ''وفیات الاعیان'' ابن خلکان نے حضرت ممدوح کے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں جو سلسلۂ نسب لکھا ہے، اس میں آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک سولہ واسطوں سے پہنچتا ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ اوائل عمری سے ہی تعلیم حاصل کرنے کیلئے اپنے چچا شیخ ابونجیب کے ہاں بغداد آگئے تھے۔ اوران کے زیرسایہ تعلیم وتربیت پانے لگے۔ آپ کی ظاہری وباطنی تعلیم میں آپ کے سب سے بڑے استاد آپ کے چچا تھے، — آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر متداولہ علومِ دینیہ میں تبحر حاصل کیا۔

اساتذہ کرام:

آپ نے گیارہ سال کی عمر سے علم حدیث کی تحصیل شروع کی۔ حدیث وفقہ میں آپ کے اساتذہ میں یہ علمی وروحانی شخصیات قابلِ ذکر ہیں:

www.waseemziyai.com

(۱) —— حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی (م-۵۶۳ھ)

(۲) —— شیخ ابوالقاسم یحیٰ بن فضلان علی البغدادی (م-۵۵۵ھ)

(۳) —— محدث عراق شیخ ابوالمظفر المعروف بہ ہبۃ اللہ بن احمد الشبلی (م-۵۵۷ھ)

(۴) —— محدث اصفہان شیخ ابواحمد معمر بن عبدالواحد بن فاخر القرشی (م-۵۶۴ھ)

(۵) —— محدث بغداد ابوالفتح محمد بن عبدالباقی (م-۵۶۴ھ)

(۶) —— ابوذرعہ طاہر بن محمد المقدسی (م-۵۶۶ھ)

(۷) —— ابوالفتوح الطائی محمد بن محمد الہمدانی (م-۵۵۵ھ) (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

شیخ طریقت:

آپ کے شیخ طریقت آپ کے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، —— آپ نے اپنے بعض ہم عصر شیوخ سے بھی فیض پایا تھا۔

فیض غوثیہ:

آپ کے چچا اور مرشد کریم کو محبوب صمدانی غوث یزدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (م-۵۶۱ھ) سے خاص عقیدت تھی۔ اس لئے گاہے بگاہے ان کی بارگاہ میں آنا جانا رہتا۔ اپنے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی کو بھی اپنے ہمراہ لے جایا کرتے۔ ہمارے ممدوح کو علم الکلام سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک دن آپ کے چچا نے سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے آپ کی اس دلچسپی کا ذکر کیا، —— حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت شہاب الدین سہروردی سے یہ کہتے ہوئے کہ:

"علم الکلام میں کون کون سی کتاب پڑھی ہے"۔

آپ کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ آپ کے ذہن سے اسی وقت علم الکلام اور اس سے متعلقہ کتابوں کے نام محو ہو گئے، —— پھر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم نے تمہارے سینے سے علم الکلام کو محو کر دیا، اور اس کے بدلے میں اسے معرفت الٰہی سے منور کر دیا ہے"۔

اس کے بعد آپ اکثر و بیشتر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے حضور میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت غوث الاعظم اور اپنے چچا کی نیابت:

ایک طویل عرصہ خلق خدا کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر راہ ہدایت پر گامزن کر کے ۵۶۱ھ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے، —— آپ کے بعد بغداد شریف مدرسہ نظامیہ کی مسند درس و ہدایت پر شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فائز ہوئے۔ جو اس دور میں علمی دنیا میں سب سے بڑا منصب سمجھا جاتا تھا۔ رُشد و ہدایت کی خدمات انجام دیتے ہوئے انہیں بمشکل ایک سال ہی گزرا تھا کہ ۵۶۳ھ میں وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

www.waseemziyai.com

ان کے بعد ۵۶۴ھ میں شیخ شہاب الدین سہروردی نے بغداد میں زمام رُشد و ہدایت سنبھالی۔ آپ ہر دو بزرگوں کے نائب ٹھہرے۔ اور اپنے چچا کی خانقاہ میں وعظ اور درس وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ بے شمار لوگ آپ کے وعظ و نصیحت سے راہِ راست پر آ گئے۔

خلفاء کرام:

۵۶۴ھ میں شیخ شہاب الدین سہروردی جب مسند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے تو اہلِ عراق کے ساتھ ساتھ مصر و شام، حجاز اور ایران کے رہنے والوں نے بھی فیض پایا۔ نیز خطہ ہند و پاک میں بھی آپ کے نام کے ڈنکے بج رہے تھے، ـــ قرب و جوار میں آپ کا فیض آپ کے خلفاء و کرام نے پھیلایا۔ آپ کے خلفاء میں درج ذیل نام معروف ہیں:

(۱) ـــ شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۷۸ھ)

بلادِ عجم میں آپ کے ذریعے سلسلہ سہروردیہ کو فروغ حاصل ہوا۔

(۲) ـــ شیخ نورالدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

جن کے ذریعے شمالی ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ پھیلا۔

(۳) ـــ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

جن کے ذریعے اہلِ بنگال سہروردی سلسلے میں داخل ہوئے۔

(۴) ـــ حافظ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

فارسی کے مشہور صوفی شاعر بھی آپ سے شرف ارادت و خلافت رکھتے تھے۔

(۵) ـــ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۶۶ھ)

برصغیر پاک و ہند میں آپ کے دم قدم سے سلسلہ سہروردیہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ بلکہ اس خطے میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی آپ ہیں۔

(۶) ـــ شیخ حمید الدین ناگوری محمد بن عطا البخاری رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۶۴ھ)

(۷) ـــ شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

(۸) ـــ شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

(۹) ـــ شیخ ظہیر الدین محمود بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۷۴ھ)

(۱۰) ـــ شیخ محمد الیمنی رحمۃ اللہ علیہ (م-۶۹۲ھ)

دربارِ خلافت کے سفیرِ خاص:

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ایک درویش صفت ہونے کے ساتھ ساتھ دربارِ خلافت کے سفیرِ خاص تھے۔ آپ نے اسلامی ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا، ـــ اسلامی ممالک میں مصالحت یا کسی خاص سیاسی کام

www.waseemziyai.com

کیلئے جب کسی خاص سفیر کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو آپ کی ذات ہی سرفہرست ہوتی، — اسی طرح سے جب کسی علمی یا روحانی شخصیت کی بغداد میں تشریف آوری ہوتی تو انہیں خوش آمدید کہنے کیلئے آپ ہی کو زحمت دی جاتی تھی، — خلفاء بغداد کی طرف سے آپ نے درج ذیل کیلئے سفارت اختیار کی:

○ — خوارزم شاہ کی سفارت:

جب خوارزم شاہ نے خلیفہ الناصر کی بیعت خلافت ختم کردی، اور تین لاکھ سواروں کے ہمراہ خلیفہ الناصر کو معزول کرنے کیلئے بغداد کا رُخ کیا، —

○ — حلب کی سفارت:

جب خلیفہ الناصر کی طرف سے شاہ حلب کے دیوان قاضی بہاؤالدین سے ملاقات کیلئے اربل تشریف لائے،

○ — روم کی سفارت:

خلفاء بغداد کی طرف سے آپ روم کے سلجوقی حاکم سلطان علاؤالدین کے قباد کے دربار میں تین بار سفیر ہو کر گئے۔

حج کی سعادت:

آپ نے متعدد حج کئے۔ ۶۲۸ھ میں آپ کو آخری حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس مبارک سفر میں اہلِ عراق کی ایک کثیر جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔

اسی سفر کے دوران آپ کی ''قصیدہ تائیہ'' کے شاعر شیخ ابن فارض سے ملاقات ہوئی۔

وصال:

آخری عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی۔ آپ کا وصال یکم محرم ۶۳۲ھ میں بغداد میں ہوا۔

اس وقت عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کا دور تھا، — آپ کی تدفین وردیہ کے قبرستان میں ہوئی۔ یہ قبرستان باب الظفر یہ کے قریب واقع تھا۔ ظفر یہ بغداد کے اس بڑے محلے کا نام تھا جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر شہر کے آخری حصے میں تھا۔

آپ کا مزار مبارک بغداد شریف میں باکو جانے والے راستہ پر واقع ہے، — بغداد میں آپ کو شیخ عمر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ کے مزار کو جانے کیلئے شیخ عمر کے نام سے رہنمائی ملتی ہے، — آپ کا مزار قبرستان کے مشرقی جانب مسجد کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے۔ یہ متوسط درجہ کی مسجد ہے۔ مسجد میں ایک درسگاہ، مکتب اور لائبریری بھی ہے۔

آپ کے تلامذہ:

آپ کے خلفاء کرام میں ان حضرات کے اسماء گرامی شامل ہیں جو آسمانِ روحانیت کے آفتاب و ماہتاب تھے، — اسی طرح سے علم حدیث میں ایسے محدثین اور علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں جن کی علمی فتوحات انفرادیت کی حامل ہیں۔ چند ممتاز تلامذہ کے یہ نام ہیں:

www.waseemziyai.com

(۱) ـــ مؤرخ عراق ابوعبداللہ محمد بن سعید بن یحییٰ الدبیثی (م-۶۳۷ھ)
(۲) ـــ محدث شام ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزانی اشبیلی (م-۶۳۶ھ)
(۳) ـــ مؤرخ عصر محمد بن محمود ابن نجار بغدادی (م-۶۴۳ھ)
(۴) ـــ محدث عصر قطب الدین محمد بن احمد بن علی قسطلانی (م-۶۸۶ھ)
(۵) ـــ محدث عراق ابن نقطہ ابوبکر محمد بن عبدالغنی بغدادی (م-۶۲۹ھ) (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

اولاد امجاد:

آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادہ شیخ عمادی مشہور ہیں۔

تصانیف:

آپ کی کتب میں درج ذیل معروف ہیں:

(۱) جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب
(۲) رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ
(۳) اعلام الہدیٰ وعقیدۃ ارباب التقیٰ
(۴) بغیۃ البیان فی تفسیر القرآن
(۵) کتاب الوصایا
(۶) مقامات العارفین
(۷) الرحیق المختوم لذوی العقول والمفہوم
(۸) رسالہ فی اعتقاد الحکماء
(۹) کتاب الاوراد
(۱۰) اسرار العارفین وسیر الطالبین
(۱۱) صفوۃ الصوفیہ فی آداب المریدین
(۱۲) عوارف المعارف

عوارف المعارف ایک درسی کتاب:

عوارف المعارف نہ صرف علم تصوف کی ایک اہم اور بنیادی کتاب ہے بلکہ اپنی فصاحت وبلاغت، زور بیان، اثر آفرینی اور لطیف انداز بیان کے باعث بڑی اہمیّت کی حامل ہے۔ــــ کئی مشائخ کرام نے صاحبِ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے، صوفیاء کرام نے اسے اپنی تدریس کالازمی جزو قرار دیا:

www.waseemziyai.com

○ — برصغیر پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے معروف بزرگ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد جا کر آپ سے اس کا سبق لیا۔

○ — اسی خطے میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا درس لینے کیلئے بغداد تشریف لے گئے۔

○ — بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یہ کتاب بغداد سے اپنے ہمراہ لے آئے، اور یہاں ان سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے پانچ باب پڑھے۔

○ — سلسلہ سہروردیہ کے معروف بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کتاب کا درس دیتے رہے۔

○ — امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی جن کتب کا درس دیا کرتے تھے ان میں ''عوارف المعارف'' بھی شامل تھی۔

○ — امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے چونکہ متداولہ علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے تھے، اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ آپ نے ان سے ''عوارف المعارف'' کا بھی درس لیا تھا۔

○ — محدث اوچ شریف شیخ جمال الدین اور دیگر مشائخ ''عوارف المعارف'' کا درس دیا کرتے تھے۔

عوارف المعارف کی شروح:

عوارف المعارف کے شارحین میں مندرجہ ذیل نام ملتے ہیں:

○ — حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز سید محمد بن یوسف الحسینی (م-۸۲۵ھ)

○ — مخدوم علاؤالدین ابوالحسن علی بن احمد المہائمی (م-۸۳۵ھ)

○ — شیخ عبدالقدوس بن ابی المکارم اسماعیل الغزنوی (م-۹۴۹ھ)

عوارف المعارف کی تلخیص، تعلیقات و تخریج:

تعلیقات:

○ — علامہ سید شریف زین الدین علی بن محمد الجرجانی (م-۸۱۶ھ)

○ — امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م-۱۰۲۷ھ)

تلخیص:

○ — محدث حجاز محب الدین ابوالعباس احمد بن عبداللہ الطبری (م-۶۹۴ھ)

○ — شیخ عزالدین محمود بن علی الکاشی

تخریج:

○ — شیخ زین الدین قاسم بن عبداللہ المصری (م-۹۸۷ھ)

www.waseemziyai.com

عوارف المعارف کے تراجم:

ترکی:

- مولانا عارف ہروی، ــــ صاحبِ ''مثنوی گوئی چوگان''
- احمد بن سعید بغوی

فارسی:

- ظہیر الدین عبد الرحمٰن بن نجیب الدین علی بن برغش شیرازی (م-۷۱۶ھ)
- شیخ فخر الدین اسماعیل بن عبد المومن (م-۹۱۰ھ)

اُردو:

- مولوی محمد ابو الحسن فرید آبادی (لکھنؤ) ــــ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۱ء)
- پروفیسر سید رشید احمد ارشد (کراچی) ــــ (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء)
- علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (کراچی) ــــ (مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء)

www.waseemziyai.com

باب نمبرا:

تصوف کا نکتۂ آغاز

جیسی زمین، ویسا پھل:

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چچا شیخ الاسلام ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ[1] سے یہ حدیث بیان کی جوان کے چچا نے ۵۶۰ھ میں انہیں لکھوائی تھی اور اپنے اساتذہ کرام کی اسناد اور امام بخاری کے واسطے سے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری اور اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہونیوالی وحی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور اس سے کہا:

''اے میری قوم والو! میں نے اپنی آنکھوں سے (ادھر آتے ہوئے) ایک لشکر کو دیکھا ہے۔ چنانچہ میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں، بھاگ چلو اور جلد نکل چلو'' — کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور شام ہوتے ہی وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ لشکر کی پہنچ سے دور نکل گئے۔ باقی لوگ جو اس کی بات نہ مان کر وہیں ٹھہرے رہے، صبح ہوتے ہی لشکر ان تک پہنچ گیا اور اس نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا'' —

یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری بات مان لی اور میرے کہے پر عمل کیا (وہ لشکر سے محفوظ رہے) اور جنہوں نے میری بات نہ مانی، مجھے جھٹلایا اور میرے کہے پر عمل نہ کیا، ان کی مثال دوسری ہے (اور وہ لشکر کی زد میں آ کر برباد ہو گئے)''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

''اللہ نے مجھ پر جو علم اور ہدایت نازل فرمایا اس کی مثال اس طرح سے ہے جیسے کسی زمین پر موسلا دھار بارش ہوئی۔ زمین کا جو حصہ کھیتی کے لائق تھا اس نے پانی کو جذب کر لیا، اس میں خوب گھاس اور سبزہ ہوا، — زمین کے ایک حصے نے پانی کو روک کر جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے خلقت کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے وہ پانی خود بھی پیا اور اوروں کو بھی پلایا اور اس سے کھیتی باڑی بھی کی، — زمین کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جو بالکل بنجر تھا۔ جس میں نہ پانی ٹھہرا

---

[1] — شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''عوارف المعارف'' کے چچا اور استاد اور پیر و مرشد تھے۔ آپ کا نام ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر ہے۔ آپ بغداد کے مشہور و معروف مدرسہ نظامیہ کے (جو کہ غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد) مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ آپ معروف واعظ و خطیب تھے۔ آپ کی ولادت ۴۹۰ھ میں اور وصال ۵۶۲ھ میں ہوا۔ آپ نے نہ صرف اہلِ سہرورد بلکہ خراسان اور بلاد مشرق کے کئی مشائخ کو فیض یاب کیا۔ زیرِ نظر کتاب ''عوارف المعارف'' میں کئی احادیث اور مشائخ کے اقوال آپ کے سلسلہ اسناد سے بیان ہوئے ہیں۔

www.waseemziyai.com

اور نہ ہی سبزہ پیدا ہوا۔

پہلی دو مثالیں ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کو اچھی طرح سمجھا اور اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے اس سے ان کو نفع ہوا۔ انہوں نے یہ علم خود سیکھا اور اوروں کو بھی سکھایا، ـــ بنجر زمین کی طرح وہ شخص ہے جس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو قبول نہیں کیا''۔

صاف دل پاکباز لوگ:

شیخ ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صاف دل اور پاکباز لوگ پیدا فرمائے تا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تعلیم فرمایا اسے قبول کر سکیں۔ چنانچہ صفائی اور پاکیزگی کا فرق، فائدے اور نفع کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کی وضاحت اس طرح سے سمجھ لیں:

○ ـــ بعض قلوب اس زمین کی طرح ہیں جو کھیتی کیلئے بہت بہتر اور لائق ہیں۔ جس میں سبزہ اور گھاس خوب پیدا ہوتا ہے، ـــ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جس نے علم سے فائدہ اٹھایا اور اسے ہدایت نصیب ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل اس کے علم نے اسے فائدہ پہنچایا اور سیدھی راہ کی طرف اس کی رہنمائی کی۔

○ ـــ بعض قلوب جھیل اور تالاب کی طرح ہیں۔ (کہ ان میں پانی اکٹھا ہوتا رہتا ہے)، صوفیاء و مشائخ کرام میں سے بعض زاہد علماء ہیں جن کے قلوب صاف اور پاکیزہ ہیں۔ وہ تالابوں کی طرح ہیں کیونکہ یہ حضرات مزید نفع پہنچانے کیلئے مخصوص ہیں۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت میں رہا۔ وہ جھیلوں اور تالابوں کی طرح تھے۔ اس لئے کہ ان کے صاف دل (علوم کے) محافظ و نگہبان تھے۔ انہیں پاکیزہ سوچ اور بصیرت حاصل تھی، اس لئے ان کے قلوب علوم و فنون کے ظروف اور مخزن بن گئے تھے۔

حضرت شیخ الامام رضی الدین ابو الخیر احمد بن اسماعیل القزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کی اسناد سے حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ○ (پ ۲۹، الحاقہ ۱۲) ''اسے یاد رکھنے والے کان سنیں''۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''میں نے اللہ سے یہ عرض کی ہے کہ وہ تمہارے کان ایسے بنا دے۔ (جو سنیں اور یاد رکھیں)''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میں کسی چیز کو نہیں بھولا اور نہ مجھے کسی طرح کی بھول ہوئی۔

حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں ایسے کان مراد ہیں جنہوں نے اسرار الٰہی کو سنا اور پھر یاد رکھا''۔

---

۱ ـــ آپ کا نام محمد بن موسیٰ ہے۔ فرغانہ کے رہنے والے ہیں، اسی لئے ابن الفرغانی کے نام سے معروف ہیں۔ عراق سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے خراسان تشریف لائے۔ مرو کے علاقہ کو اپنا مرکز فیض بنایا۔ اصول تصوف کے ماہرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ نہ صرف ظاہری علوم بلکہ باطنی علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت جنید بغدادی اور ابو الحسین النوری کے معاصر تھے۔ ۳۲۰ھ کے قریب آپ کا وصال ہوا۔

www.waseemziyai.com

—— انہوں نے یہ بھی فرمایا:

''ان میں اسرارِ الٰہی کے علاوہ اور کسی چیز کا گزر نہیں ہوتا۔ یہ کان صرف اصلی مقصد کو یاد رکھتے ہیں۔ وہ دوسری چیزوں سے خالی رہتے ہیں، —— اس حالت میں طبیعتوں کی بے چینی ایک طرح کی جہالت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں''۔

اسرارِ الٰہی کے محافظ قلوب:

صوفیائے کرام کے قلوب اسرار الٰہی کے محافظ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تقویٰ کی بنیاد کو تقویت دینے کیلئے دنیا کو ترک کیا ہے۔ تقویٰ کے ذریعہ ان کے نفوس پاکیزہ ہوئے ہیں اور زُہد کے ذریعے ان کے دل صاف ہوئے ہیں۔ زُہد اختیار کرنے کے بعد انہوں نے دنیاوی اشغال کو چھوڑ دیا تو ان کے باطنوں کے مسام کھل گئے۔ ان کے قلوب کے کان سننے لگے۔ اس معاملے میں زُہد نے ان کی بہت مدد کی۔

علمائے تفسیر، محدثین کرام اور فقہاء عظام نے اپنے اپنے علم سے کتابت وسُنّت کے ذریعے مذہبی علوم کا احاطہ کیا، اور ان سے دینی وفقہی احکام کا استنباط کیا (یعنی اپنے اپنے فہم سے احکام اخذ کئے) اور نئے نئے مسائل کو شرعی اصولوں کی روشنی میں حل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دینِ متین کی حفاظت فرمائی۔

علماء کرام کی خدمات:

اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کے ذریعے دینِ متین کی حفاظت فرمائی:

○ —— مفسرین کرام نے تفسیر وتشریح کے اصول وضع کئے۔ علم تاویل سے شناسا کرایا۔ عرب لغت کے طریقے معلوم کئے۔ صرف ونحو کے مفاہیم بیان کئے، قرآنی قصوں کے اصول، قرأت کے مختلف انداز اپنائے۔ مفسرین کرام نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی ان کوششوں سے مسلمانوں میں قرآنی علوم میں بہت وسعت اور کشادگی ہوئی۔

○ —— محدثین کرام نے صحیح اور حسن احادیث میں فرق کیا۔ حدیث کے راویوں کے بارے میں چھان پھٹک کرنے اور ان کے حالات جاننے کیلئے اسماء الرجال کا علم وضع کیا۔ اس فن کی وجہ سے وہ یکتائے زمانہ ہو گئے۔ صحیح اور ضعیف حدیث میں فرق کیا جا سکے۔ کھوٹے کھرے میں امتیاز ہو سکے۔ ان کے اس طریقہ سے روایت اور سند حدیث کا سلسلہ محفوظ ہو گیا اور اس کے ذریعے سے سُنّت کی حفاظت کا سامان ہو گیا۔

○ —— فقہاء عظام نے احکام الٰہی اور رسول اکرم ﷺ کی سُنّت مبارکہ سے احکام کا استنباط (اخذ کرنے) کی کوشش کی۔ مسائل کی فروعات سامنے لائی جائیں، ان کا سبب معلوم کیا جائے اور فروع کو اصول کی طرف لوٹانے کی مساعی کی جائیں، —— ان میں بنیادی وجہ دریافت کر لی۔ انہوں نے نت نئے مسائل کا شریعت کے صاف اور بنیادی اصولوں کے ذریعے حل نکالا۔ اس تشریح وتوضیح کے ذریعے علم فقہ اور اس کے احکام سے اصول فقہ اور علم خلاف ترتیب پائے۔ —— علم خلاف سے علم الجدل[1] سامنے آیا۔ اس

[1] —— مناظرہ کے علم کو علم الجدل کہا جاتا ہے۔ یہ علم اصل میں مسائل کی تنقیح کیلئے وضع کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کی غرض وغایت کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اب اس سے مخواہ مخواہ کی بحث میں وقت کا ضیاع کیا جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

سے یہ معلوم ہوا کہ اصول فقہ کا علم، اصول دین کے علم کے تحت تھا۔اسی طرح علم الفرائض بھی علم فقہ سے نکلا۔علم الفرائض کو سمجھنے کیلئے علوم ریاضی اور جبر و مقابلہ (الجبرا) وغیرہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ان علوم پر (مختلف زاویوں سے) کئی کتابیں لکھی گئیں۔

اس طرح سے شریعت اسلامیہ کی خوب ترویج وتوسیع ہوئی۔دین حنیف کی بنیادیں مستحکم و مضبوط ہوئیں۔ سچے اور سیدھے دین، اسلام کی جڑیں اور مضبوط ہوئیں اور اس کی شاخیں خوب پھلی پھولیں۔

ایک آیت کی تشریح:

علمائے کرام کے قلوب کی سرزمین علم و ہدایت سے خوب سیراب ہوئی تھی، ان سے سرسبز و شاداب میدان اور سبزہ زار پیدا ہوئے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ۝ (پ۱۳،۱۷)

''اس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق وادیاں بہنے لگیں''۔

○ — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پانی سے مراد علم ہے اور وادیوں سے مراد لوگوں کے قلوب ہیں۔

○ — حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے حجم کا ایک صاف وشفاف موتی پیدا کیا۔جب اسے جلال کی نظر سے دیکھا تو مارے شرم کے وہ پانی پانی ہو گیا اور پگھل کر بہنے لگا۔اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ۝ (پ۱۳،۱۷)

''اللہ نے آسمان سے پانی برسایا تو اس کے مطابق ندی نالے بہنے لگے''۔

○ — حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں یہ فرمایا کہ اللہ نے یہ مثال بندے کیلئے بیان فرمائی۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب وادیوں میں سیلاب آ جاتا ہے تو ان کے ندی نالوں میں جس قسم کی جس قدر نجاستیں ہوتی ہیں، سب کو بہا لے جاتا ہے اور انہیں صاف کر دیتا ہے۔اسی طرح سے وہ نور جو اللہ نے بندوں کے اندر تقسیم فرمایا ہے جب چھلکنے لگتا ہے تو اس نور کے بہاؤ سے نہ کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ کسی طرح کی تاریکی۔اس صورت میں اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان سے جب نور کو تقسیم کیا تو اس کی ازلی تقسیم کے مطابق دلوں میں انوار و تجلیات جھلکنے لگے۔اگر دل پر (باطل کا) جھاگ موجود ہے تو وہ مٹ جائے گا۔اور قلوب اس قدر روشن اور منور ہو جاتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا میل کچیل باقی نہیں رہتا۔

اس سے آگے ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۝

''اور جو چیز لوگوں کیلئے مفید ہے وہ زمین میں باقی رہے گی''۔

یعنی باطل چیزیں فنا ہو جائیں گی اور حقیقتیں باقی رہ جائیں گی۔

○ — بعض اہلِ دل نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ یہاں پانی برسانے سے مراد کرامات کی اقسام ہیں۔چنانچہ ہر قلب اکو کا کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔یعنی مفسرین کرام، محدثین وفقہاء عظام کے قلوب کی وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہنے

www.waseemziyai.com

لگیں۔ اور ترک دنیا کرنے والے علماء زاہدین میں جو صوفیاء کرام تقویٰ کے حقائق کے پابند ہیں، ان کے قلوب کی وادیاں بھی اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہنے لگیں، —— چنانچہ جن کے قلوب میں دنیا پرستی کی آلائشیں ہیں، ان میں دنیا کی محبت، مال و جاہ کی تمنا اور منصب کی طلب ہے، اس کے دل کی وادی انہی خطوط پر بہے گی۔ —— ایسے شخص کو علم کا کچھ حصہ مل جائے گا مگر وہ علم کے اصل حقائق سے محروم رہے گا، —— اور جو شخص نے دنیا کی طرف رغبت نہیں کی، اس کے قلب کی وادی وسیع ہو جائے گی اور اس میں مختلف علوم وفنون کا پانی جمع ہو کر ایک بہت بڑا تالاب بن جائے گا۔

فقیہہ کون ہے؟

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ[۱] سے کسی نے کہا: ''فقہاء نے (اس معاملے میں) ایسا کہا ہے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کیا تم نے کبھی کوئی فقیہہ دیکھا ہے؟ —— درحقیقت فقیہہ تو وہ زاہد ہے جو دنیا سے رغبت نہ رکھے''۔

لہٰذا صوفیاء کرام جب ظاہری علم حاصل کرتے ہیں تو یہ علم انہیں عمل کی تلقین کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو اس سے انہیں علم وراثت حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے علماء کے علوم میں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ دوسرے علماء کی نسبت وہ زیادہ علوم رکھتے ہیں۔ اس طرح سے وہ دیگر علماء سے یکساں درجہ رکھتے ہوئے ان سے ممتاز ہوتے ہیں۔ وہ زائد علم، وراثت کا علم ہے۔ اور علم وراثت تفقہ فی الدین کا دوسرا نام ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ○

(پ ۱۱، رکوع ۴)

''ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکلی تاکہ وہ تفقہ (مذہبی بصیرت) حاصل کریں۔ اور بتائیں اور ڈرائیں اپنی قوم کو، جب ان کے پاس جائیں''۔

انذار یعنی ڈرانا فقہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ انذار کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کو ڈر سنایا گیا ہے، علم کے آبِ حیات سے انہیں زندہ کیا جائے۔ اس علمی احیاء یعنی (زندگی عطا کرنا) کا رتبہ و منصب اس شخص کا ہے جو دین کا فقیہہ ہو۔ چنانچہ دینی بصیرت حاصل کرنا اعلیٰ اور کامل ترین مرتبہ ہے جس پر ایک زاہد (دنیا کا ترک کرنے والا) اور متقی عالم ہی فائز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اپنے علم اور عمل کے باعث مرتبۂ انذار (نذیر) کا وہی حقدار ہے۔

ہدایت کا منبع و سرچشمہ:

علم و ہدایت کا منبع و سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی سے جو فیض پایا، آپ کا ظاہر و باطن اس سے بخوبی سیراب ہوئے۔ آپ کے ظاہر کے سیراب ہونے سے دینِ متین کو توانائی ملی۔

---

[۱] —— آپ مشہور تابعی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور خواجہ کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت پائی ۲۱ھ میں بصرہ میں ولادت ہوئی اور ۱۱۰ھ میں وصال ہوا۔ کم و بیش ایک سو تیس صحابہ کرام کی زیارت کی۔ اکثر سلاسلِ طریقت آپ ہی سے جاری ہوئے۔

www.waseemziyai.com

دین، فرماں برداری (اطاعت) اور تواضع کا نام ہے، ـــ یہ "دون" سے نکلا ہے، جس کا مفہوم ہے: "پست ہونا" ـــ یعنی دین کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات کو اپنے رب کے حضور میں پست کر دے (جھک جائے)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ ○

"اس نے تمہارے لئے دین کی وہی راہ نکالی جس کی طرف نوح (علیہ السلام) کی رہنمائی کی تھی، اور وحی کے ذریعے تمہیں وہی راہ دکھائی ہے۔ اور اسی راہ کیلئے ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو ہدایت کی تھی، اور یہ کہ دین کو قائم رکھو اور نئی نئی راہیں نہ نکالو"۔

نئی نئی راہیں نکالنے سے (فرقہ بندی سے) دین کے تمام اعضاء ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں۔ ظاہری شادابی اور ترو تازگی جاتی رہتی ہے۔ ظاہری شادابی کیلئے اعضاء کو اس طرح سے آراستہ کیا جائے کہ نفس بھی مطمئن ہو اور دل بھی شادکام ہو۔ دل کی شادکامی اور آسودگی علم کے ذریعے ہوتی ہے۔ دل کی یہ ترو تازگی دریا کی طرح ہے۔ یعنی دل جب علم کے ذریعے آسودہ ہوتا ہے تو دریا کی طرح رواں دواں ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا قلبِ اطہر علم و ہدایت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ قلب اطہر کے موج در موج سمندر سے علم نے نفس تک رسائی پائی۔ علم و ہدایت کی جو ترو تازگی قلب اطہر پر ظاہر ہوئی وہی ترو تازگی اور سیرابی آپ کے نفس مبارک پر ظاہر ہوئی۔ جس کے باعث نفس کے تمام اوصاف اور اخلاق میں ایک نمایاں تبدیلی آ گئی۔ یہ شادابی نفس سے ہوتے ہوئے دیگر سب اعضاء تک جا پہنچی، اور وہ بھی خوب ترو تازہ، سیراب و شاداب ہو گئے۔ آپ کا قلب اطہر، نفس مبارک اور دیگر سب اعضاء اس علم و ہدایت سے سیرابی کی انتہا کو پہنچ گئے تو ترو تازگی بھی بتمام کمال کو پہنچی۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ امت کے سامنے اس عالم میں جلوہ گر ہوئے کہ آپ کا قلبِ اطہر علومِ الٰہی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ جس سے فہم و فراست کی نہریں جاری ہوئیں۔ ہر نہر میں آپ کے موج در موج قلب اطہر کا جو حصہ اس کے نصیب کا تھا، بہنے لگا۔ یہی آب رواں جس جس کو جس قدر ملا، دینی بصیرت کا حصہ تھا۔ یہی دین کی اصل ہے، یہی فقہ دین ہے۔

دینی بصیرت کا مقام و مرتبہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دین کی بصیرت (فقہ) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، ـــ یقینی طور پر شیطان پر ایک فقیہہ (صاحب بصیرت) ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے، ـــ ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور دین اسلام کا ستون فقہ ہے"۔

ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی بصیرت (فقہ) عطا فرماتا ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا (بانٹنے والا) ہوں، عطا کرنے والا اللہ ہے"۔

www.waseemziyai.com

شیخ ابوالنجیب نے مزید فرمایا:

''علم جب دل تک پہنچتا ہے تو دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ وہ حق و باطل کو دیکھنے لگتا ہے۔ ہدایت اور گمراہی کی پہچان کر لیتا ہے''۔۔۔۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک اعرابی (دیہاتی) کے سامنے جب یہ آیت پڑھی:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (پ ۳۰، سورہ ۹۹)

''جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا تو وہ اس کا صلہ پائیگا۔۔۔۔ اور جو شخص ذرہ برابر برائی کریگا تو وہ اس کا بدلہ پائے گا''۔

یہ آیت سن کر اعرابی کہنے لگا:

''بس بس، میرے لئے یہی کافی ہے'' ۔۔۔۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ شخص فقیہہ ہو گیا'' ۔۔۔۔ یعنی یہ سمجھ گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''دین کی بصیرت اور فقہ بہترین عبادت ہے''۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فقہ (سمجھ) کو دل کی صفت قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۝ ''ان کے دل ایسے ہیں کہ جو سمجھ نہیں رکھتے''۔

جب لوگ سمجھنے لگتے ہیں (یعنی فقیہہ ہو جاتے ہیں) تو وہ علم کی حقیقت جان لیتے ہیں، وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جب وہ عمل کرنے لگتے ہیں تو انہیں معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب انہیں معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو انہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔۔۔۔ چنانچہ جو زیادہ سمجھدار ہوگا (جتنا تفقہ فی الدین پیدا کریگا) وہ دین کے اصولوں کو جلد قبول کر لیتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے۔ اسے نور ایمان کا کثیر حصہ ملے گا۔ لہٰذا علم، قلوب کیلئے ایک خداداد نعمت ہے جسے معرفت امتیاز عطا کرتی ہے۔ جبکہ ہدایت قلوب کے وجدان کا دوسرا نام ہے۔ یعنی قلوب کا ہدایت کو پالینا۔

رسول اکرم ﷺ کے علم کی حقیقت:

رسول اکرم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا:

مثل ما بعثنی اللہ بہ من الهدیٰ والعلم ''اللہ نے مجھے ہدایت اور علم کے ساتھ بھیجا''۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے قلب اطہر نے علم الٰہی کو حاصل کر لیا تھا۔ آپ نہ صرف خود ہدایت یافتہ تھے بلکہ ہدایت دینے والے (ہادی) بھی تھے۔ یہ علم آپ کے خمیر میں تھا جو آپ کو ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وراثت میں ملا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سب چیزوں کے نام (وخواص) سکھا دیئے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے علم کی بدولت انہیں اکرام عطا فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝ ''انسان کو سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پیکر میں جب علم وحکمت ترکیب کئے گئے تو اس کے مزاج میں یہ خصائل پیدا ہوئے:

○ ــــ فہم وفراست، ○ ــــ معرفت ورافت، ○ ــــ لطف ومہربانی،

○ ــــ محبت ونفرت، ○ ــــ شادی وغم، ○ ــــ رضا وغضب اور دانائی

اس کے بعد ان سب قوتوں کو برتنے کی تمنا جاگی۔ ان کے قلب کو نور بصیرت عطا کیا گیا۔ اس نور بصیرت کی بدولت قلب نے اللہ کی راہ کی طرف رہنمائی پائی۔

رسول اکرم ﷺ جب امت کی طرف تشریف لائے تو وراثت میں ملنے والا یہ نور بصیرت اور ایک اور نور جو خاص طور پر آپ کو عطا ہوا، ان دونوروں کے ہمراہ مبعوث ہوئے۔

بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خطاب کر کے حکم دیا:

اُتیاطوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین

''تم دونوں خوشی سے آ ؤ یا مجبور ہو کر، ــــ ان دونوں نے کہا: ہم آئے فرماں بردار ہو کر''۔

اس وقت یہ آواز زمین کی طرف سے خانہ کعبہ کے مقام سے آئی تھی۔ اور خانہ کعبہ کے مقابل آسمانوں پر واقع اس کے سامنے کے حصہ (بیت المعمور) سے یہی آواز آئی تھی۔

کائنات کا سرچشمہ یعنی مقصود کائنات:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کے پیکر مبارک کی مٹی (طینت) کا اصل خمیر زمین کی ناف یعنی مکہ معظّمہ سے لیا گیا تھا۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا کہ ایسا لگتا ہے زمین کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذرہ مبارک نے ندائے الٰہی کا جواب دیا تھا۔ کعبہ کی سرزمین سے ساری زمین کو وسعت دی گئی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ وجود کائنات کا نکتہ آغاز تھے۔ یعنی آپ ہی کے وجود باوجود سے ساری کائنات کو وجود ملا۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ

''میں اس وقت سے نبی تھا جب کہ آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔

ایک اور جگہ اس طرح سے آیا ہے:

بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ ''وہ روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

آپ ﷺ کا لقب مبارک اُمّی اسی لئے پکارا گیا کہ مکہ معظّمہ کا ایک نام ''اُم القریٰ'' بھی ہے (یعنی بستیوں کی ماں)، ــــ اور ... ذرہ مبارک جس نے ندائے الٰہی کا جواب دیا تھا جو کائنات کا نکتہ آغاز ہے، اسے ''ام الخلیقہ'' کہا جاتا ہے۔

کسی کی مٹی کا خمیر عام طور سے اس جگہ کا ہوتا ہے جہاں اس کی تدفین ہوتی ہو۔ اس اعتبار سے آپ کی تدفین کی جگہ مکہ معظّمہ ہونا چاہئے، کیونکہ آپ کے خمیر کی مٹی مکہ کی تھی۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ جب علم کے پانی میں موجیں اٹھنے لگیں تو اس کا جھاگ ارد گرد میں پھیل گیا۔ اس وقت آپ ﷺ کا جوہر مبارک اس جگہ جا پہنچا جہاں آپ کا روضۂ اطہر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ خلقت کے

www.waseemziyai.com

لحاظ سے مکی بھی ہیں مدنی بھی ہیں۔ آپ کی جائے ولادت مکہ معظمہ ہے جبکہ جائے تدفین مدینہ منورہ ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ O (پ ۹، رکوع ۱۲: ۱۱)

''اور یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ —— انہوں نے کہا: ''کیوں نہیں، (تو ہی ہمارا رب ہے)''۔

ازلی عہد والی حدیث کی تشریحات:

O —— ازلی عہد کے بارے میں اس حدیث پاک کی یہ تشریح آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ ان کی اولاد ذرّات کی شکل میں نکلی۔ یہ ذرّات حضرت آدم علیہ السلام کے بالوں کے مساموں سے نکلے اور اس طرح سے نکلے جیسے مساموں سے پسینہ نکلتا ہے۔

O —— بعض کا یہ کہنا ہے کہ یہ مسح فرشتوں کی طرف سے تھا۔ اس طرح فعل کی نسبت سب کی طرف ہوئی۔

O —— بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ مسح سے ہاتھ پھیرنا مراد نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی شمار کرنا ہیں۔ جس طرح سے زمین کی پیمائش کر کے اس کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اس طرح سے انہیں شمار کیا گیا۔

یہ واقعہ بطن نعمان کا ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع عرفہ کے برابر ایک وادی ہے —— جب ذرّات کو مخاطب کیا گیا تو انہوں نے بلٰی کہہ کر اقرار کیا۔ تب یہ اقرار نامہ ایک سفید اور روشن کاغذ پر لکھا گیا۔ فرشتوں نے اس پر گواہی دی۔ یہ اقرار نامہ حجرِ اسود میں رکھ دیا گیا۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ کے ذرۂ وجود مبارک نے ہی زمین کی طرف سے جواب دیا تھا۔ علم و ہدایت آپ کی سرشت میں تھے۔ اللہ نے علم و ہدایت کے ساتھ بھیجا تھا۔ علم و ہدایت آپ کو موروثی عنایت ہوئے، جو کہ وہبی بھی تھے اور نعمتِ خداداد بھی۔

نفوس کائنات کی تخلیق:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کو بھیجا کہ وہ دونوں زمین میں سے خاک کی ایک ایک مٹھی بھر کر لائیں تو زمین نے دونوں سے انکار کیا۔ یہ انکار حکم الٰہی سے نہیں بلکہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہم السلام سے انکار تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک لانے کیلئے بھیجا۔ وہ آئے اور مٹھی بھر کر خاک لے گئے۔ حضرت عزرائیل کی آمد سے پہلے ابلیس نے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے روند ڈالا تھا۔ اس دوران کچھ زمین اس کے دونوں قدموں کے درمیان رہ گئی اور زمین کا کچھ حصہ اس کے قدموں تلے روندا گیا۔ —— جس زمین کو ابلیس کے قدموں نے مس کیا تھا، اس مٹی سے تمام مخلوق کے نفوس تخلیق پائے۔ یہ سب نفوس شرارتوں کا مرکز بن گئے، —— اور ابلیس کے قدموں سے روندے جانے سے محفوظ رہنے والی زمین سے ہی حضرت عزرائیل علیہ السلام خاک کی مٹھی بھر کر لے گئے تھے۔ اسی مٹی سے انبیاء اور اولیاء کے نفوس

www.waseemziyai.com

تخلیق پائے۔ گویا یہی مٹی انبیاء اور اولیاء کی اصل ہے، ـــــ رسول اکرم ﷺ کا ذرۂ وجود اللہ تعالیٰ کا مرکز نگاہ تھا اور عزرائیل علیہ السلام کی پہنچ سے باہر تھا اور ابلیس کے چھونے سے محفوظ رہا تھا، اسی لئے وہ جہل کی آلودگی سے پاک وصاف رہا بلکہ یہ کہ جہل کو وہاں سے مکمل طور سے نکال دیا گیا تھا، اور وہ ذرۂ وجود علم الٰہی سے مالا مال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی علم وہدایت کے ساتھ دنیا میں بھیجا تھا۔ یہی علم وہدایت آپ ﷺ کے قلب اطہر سے دوسرے پاک قلوب کو منتقل ہوئے اور آپ کے نفس مبارک سے دوسروں کے نفوس کو منتقل ہوئے۔

علم وہدایت کا دارومدار طینت کی طہارت پر ہے:

علم وہدایت کا دارومدار فطرت اور طینت کی طہارت و پاکیزگی پر ہے۔ جو شخص جس قدر پاک طینت و پاکیزہ فطرت ہوگا، وہ اسی قدر علم وہدایت قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہوگا۔ صوفیاء کرام کے قلوب چونکہ زیادہ پاک ہیں، اس لئے انہیں علم وہدایت کا کثیر حصہ ملا۔ ان کے باطن علم وہدایت کے جھیل اور تالاب بن گئے۔ انہوں نے خود علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھا دیا۔ جس طرح تالابوں اور جھیلوں سے آب رسانی اور آبپاشی و کھیتی باڑی کی جاتی ہے، اسی طرح ان میں بھی تقویٰ کی بنیاد کی مضبوطی کی بنا پر ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے علوم کے فوائد جمع ہو گئے۔

جب ان کے نفوس پاکیزہ ہو گئے تو تقویٰ کے صیقل سے ان کے دلوں کے آئینے چمک اٹھے۔ ان میں قبول انعکاس کی بھرپور صلاحیت آ گئی۔ ان میں سب چیزوں کا عکس اصل صورت اور ماہئیت میں نظر آنے لگا۔ دنیا کی ماہیت چونکہ قبیح تھی، اس لئے اس کی تمام تر قباحتیں اور برائیاں اس آئینہ قلب پر ظاہر ہو گئیں۔ انہوں نے اس کی قباحتیں دیکھ کر اسے ترک کر دیا۔ اس کے برعکس جب آخرت کا حسن و جمال ان کے آئینہ قلوب پر آشکارا ہوا تو وہ اس کے طلبگار بن گئے۔ جب دنیا سے انہوں نے بے رغبتی ظاہر کی تو ترک دنیا کے باعث انکے قلوب پر مختلف انواع و اقسام کے علوم منکشف ہونے لگے۔ ظاہری علم کے ساتھ ساتھ انہیں دینی اور روحانی بصیرت (علم وراثت) بھی عطا ہوا۔

مقربین سے مراد صوفیاء کرام ہیں:

اس بات کا خیال رہے کہ اس کتاب میں صوفیاء کرام کے جو عمدہ حالات بیان کئے جائیں گے' وہ مقرّبین کے احوال ہوں گے، ــــ صوفی سے مراد مقرّب ہے۔ قرآن کریم میں چونکہ صوفی کا نام کہیں مذکور نہیں ہے بلکہ اسے مقرّب کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جس پر اس سے متعلقہ موقع و مقام پر گفتگو کی جائے گی۔ ـــــ واضح رہے کہ اسلامی ممالک کے مشرقی و مغربی حصوں میں صوفی کا نام مقرّبین کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ان علاقوں میں لفظ صوفی کا اطلاق اہلِ صوف پر ہوتا ہے۔ (یعنی جن لوگوں نے رسمی طور پر صوف کا لباس پہن لیا اور وہ صوفی کہلانے لگے۔) بہت سے مقرّبین (اولیاء اللہ) بلادِ عرب، ترکستان اور ماوراءالنہر میں اس وقت موجود ہیں جو صوفیاء کے نام سے نہیں پکارے جاتے، کیونکہ وہ صوف کا رسمی لباس نہیں پہنتے۔

الفاظ کے استعمال میں چونکہ کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اس لئے لوگ جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔ (یہی معاملہ لفظ صوفی کے ساتھ ہے)۔ بہر حال الفاظ کے استعمال سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ صوفیاء سے ہماری مراد مقربین (الٰہی)

www.waseemziyai.com

ہیں۔ لہٰذا جن صوفیاء و مشائخ کرام کے اسمائے گرامی ''طبقاتِ صوفیاء'' اور دیگر کتابوں میں نظر آتے ہیں وہ سب کے سب مقرّبین (الٰہی) کی راہ اور مسلک پر تھے۔ ان کے علوم انہی مقرّبین الٰہی کے احوال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ابراروں سمیت جو کوئی بھی مقرّبین کے بلند مقام کو جانتا ہوُا اسے یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ بھی مقرّب یا صوفی بن گیا۔

اللہ کے نیک بندوں میں سے جو کوئی مقرّبینِ الٰہی کے مقام تک پہنچنا چاہے وہ اس وقت تک متصوّف کہلائے گا جب تک وہ صاحبِ حال نہیں ہوتا (یعنی ان جیسا بن جائے)۔ جب اس کے صاحبِ حال ہونے کی تصدیق ہو جائے گی، وہ صوفی ہو جائے گا۔ وہ صوفی کہلائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ صوفی بننے کیلئے مقرّبین کے احوال کو جان لینا کافی نہیں' بلکہ یہ لازم ہے کہ مقرّبین کی طرح صاحبِ حال بھی بن جائے۔ (تب وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہوگا۔)

ان دو طرح کے افراد کے علاوہ جو کوئی صوفیاء کے لباس میں ہو، — یا اپنے نسب کی وجہ سے صوفی کہلاتا ہو، یعنی کسی صاحبِ نسبت سے نسبی تعلق ہونے کی وجہ سے صوفی کہلاتا ہو تو حقیقت میں وہ صوفی نہیں بلکہ مشتبہ ہے۔ بہر حال یہ ضرور ہے کہ ایک ذی علم کے اوپر ایک دوسرا اہلِ علم ضرور ہوتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۲:

حُسنِ سماعت اور صوفیاءکرام

حُسنِ سماعت کا مفہوم:

ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کرام اور دیگر راویوں کے حوالے سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنائی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاد آباد رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور اسے خوب یاد رکھا، یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچایا''۔

بہت سے اہلِ فقہ ایسے ہیں کہ انہوں نے سمجھداری سے کام لیا کہ وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار فقیہہ کے مرتبۂ علم تک پہنچ گئے، ــــ اور بعض اہلِ فقہ وہ ہیں کہ جنہوں نے علم تو حاصل کر لیا لیکن وہ سمجھدار فقیہہ نہ بن پائے۔ بہرحال ہر بھلائی کی بنیاد حسنِ سماعت پر ہے یعنی ''خوب اچھی طرح سننا'' ــــ ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ ؀ (پ۹، رکوع ۱۷: ۱۳)

''اور اگر اللہ ان میں بھلائی پاتا تو لازمی انہیں سنواتا''۔

- ــــ بعض صوفیاءکرام کہتے ہیں کہ کوئی بات سننے میں بھلائی کی علامت یہ ہے کہ بندہ اسے پورے اوصاف کے ساتھ سنے اور حق سے حق بات سنے۔
- ــــ بعض صوفیاءکرام کا کہنا ہے کہ اگر اللہ انہیں سننے کا اہل اور جوہر قابل پاتا (جیسا کہ اوپر آیت کریمہ میں مذکور ہوا) تو سننے کیلئے ان کے کان کھول دیتا۔

چنانچہ جس بندے پر وسوسے غالب آگئے اور اسے اپنی دسترس میں لے لیا تو اس کے باطن پر نفس کے حکم غالب آجاتے ہیں اور وہ حسنِ سماعت سے محروم ہو جاتا ہے، ــــ لہٰذا صوفیائے کرام اور مقرّبین بارگاہِ الٰہی کو یہ پتہ چل گیا کہ اللہ کا کلام اور اس کی ارسال کردہ کتب اس کے بندوں کیلئے ہیں اور اس کے مخاطبات اُنہی کے لئے خاص ہیں، تو اس وقت ان پر یہ حقیقت کھلی کہ کلامِ الٰہی کی ہر آیت علم کا ایک وسیع سمندر ہے۔ اس میں اسرار و رموز ہیں، ظاہری و باطنی علوم ہیں، جلی اور خفی علوم ہیں، ــــ اور اس کا کلام خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، جنت کا ایک دروازہ ہے۔ اس لئے کہ وہ آیت اس کی اس طرف رہنمائی کرتی ہے یا عمل کیلئے اس کی طرف بلاتی ہے۔ (کیونکہ وہ اللہ کے حکم کو جان لیتا ہے اور اس پر عمل کر کے اس کا اجر پاتا ہے)۔

www.waseemziyai.com

حُسنِ سماعت کی اہمیت:

وہ اس بات کا بھی علم رکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا کلام بھی خدا ہی کا کلام ہے۔ کیونکہ آپ خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر کلام نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی ہر بات اللہ کی وحی ہوا کرتی تھی، اس لئے انہیں بڑے غور سے اور دھیان سے سننے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

''آپ خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں فرماتے، بس وہی کچھ فرماتے ہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کو بھیجا گیا ہے''۔

لہٰذا حسنِ سماعت کا تعین آپ ﷺ کی ذات سے ہوا۔ جن صفات سے آپ کی ذاتِ عالی متصف ہے، ان سب میں سب سے بڑھ کر حسنِ سماعت کی قابلیت ہے، —— صوفیاء کرام و مقرّبین بارگاہ الٰہی کے نزدیک غور سے سننا، عالم ملکوت کا دروازہ کھٹکھٹانا ہے، —— اس سے خوفِ الٰہی اور رغبت کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ (یعنی بندے میں جس قدر حسنِ سماعت ہوگا، اسی قدر خوف الٰہی اور رغبت کا نزول ہوگا۔)۔ ان کے نزدیک:

''وسوسہ وہ دھواں ہے جو نفسِ امارہ کی آگ سے اٹھتا ہے، —— اور وہ ایسی عفونت اور گندگی ہے جو شیطان کے پھونک مارنے سے پیدا ہوتی ہے''۔

نفسانی لذتیں اور دنیاوی مزے جو ہوا و ہوس کی لپیٹ میں ہوں، تباہی کا باعث ہیں، —— وہ ایسے ایندھن کی طرح ہیں جن سے آگ اور بھڑکتی ہے۔ انسان تنگ دل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور اس سے بے رغبت ہو گئے۔

نفسِ امارہ کی آگ کو بھڑکانے والا ایندھن جب ختم ہو گیا، اس کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے، دھواں کم ہو گیا، تو ان کے قلوب اور باطن علوم کے چشموں پر پہنچ گئے اور صاف و شفاف فہم کے ساتھ تیار ہو گئے۔ انہوں نے توجہ کی، اور خوب غور سے سنتے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ (سورہ ۵۰:۳۷)

''یقیناً اس میں اس کیلئے نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو، یا وہ کان لگا کر سنے، اور متوجہ ہو''۔

قلبِ سلیم کیا ہے؟

قلبِ سلیم کے بارے میں مختلف اہل اللہ نے رائے اظہار فرمایا ہے:

○ —— حضرت خواجہ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ[۱] نے فرمایا:

''قرآن کریم کی نصیحت اس شخص کیلئے ہے جس کا دل اللہ کی حضوری میں ہو۔ اور وہ ایک لمحے کیلئے بھی اس سے غافل نہ رہے''۔

---

[۱] —— حضرت خواجہ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک معروف شیخ طریقت ہیں۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔ فقہ مالکی میں تبحر حاصل کیا۔ موطا کے حافظ تھے۔ ستاسی برس کی عمر میں ۳۳۴ھ میں وصال ہوا۔ بغداد میں آپ کی تدفین ہوئی۔

○ —— حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ[۱] فرماتے ہیں:

''قلب دوقسم کے ہیں:

☆ ایک قلب وہ ہے جو دنیا کے کاموں میں بہت مشغول ہو، یہاں تک کہ جب اطاعت الٰہی کیلئے کوئی کام آ پڑے تو وہ یہ نہ فیصلہ کر پائے کہ اسے کیا کرنا چاہئے، کیونکہ اس کا قلب دنیا کے کاموں میں پھنس کے رہ گیا ہے۔

☆ دوسری قسم قلب کی وہ ہے جو آخرت کے احوال میں مشغول ہے، اور جب کبھی اسے دنیا کا کوئی کام آ پڑے تو اس قلب والے کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ کیا کرے، اس لئے کہ اس کا قلب آخرت کی طرف رجحان رکھتا ہے۔

اس طرح سے قائم رہنے والے ہوش وحواس کی برکتیں اور دنیا کے فانی کاموں کی نحوستیں بیان کی گئی ہیں جو انسان کو اطاعت سے بےبس اور محروم کر دیتے ہیں۔

○ —— بعض حضرات نے قلب سلیم کے بارے میں یہ کہا ہے:

''قلب سلیم سے مراد وہ قلب ہے جو اغراضِ نفسانی اور امراضِ روحانی سے خالی ہو''۔

○ —— حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ[۲] کا قول ہے کہ:

''جو صاحبِ دل ہے اس کے اندر صرف خدا کا جلوہ سما سکتا ہے''۔

پھر ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم اس طرح سے ہے:

''میں تمہیں ان قلوب کے مردہ ہونے کی خبر سناتا ہوں جن پر عرصہ دراز تک وحی کے ایسے بادل برسائے گئے جن میں حکمت کے سمندر بھرے تھے''۔

○ —— حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ[۳] نے فرمایا:

''قلبِ سلیم سے مراد وہ قلب ہے کہ جب اس نے تعظیم کی نظر سے حق کو دیکھا تو اس کیلئے سراپا گداز ہو گیا اور ماسوئ اللہ کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا''۔

○ —— حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مذکورہ بالا آیت میں ذکریٰ کا جو لفظ آیا ہے، اس سے سب لوگوں کو نصیحت مراد نہیں بلکہ اس سے مخصوص افراد مراد ہیں، جو

---

۱ —— حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور واعظ تھے۔ نہایت موثر انداز میں خطاب فرماتے تھے۔ ''واعظ'' کے لقب سے مرجع خلائق تھے۔ کئی کتب آپ کے قلم سے سینۂ قرطاس پر ابھریں۔

۲ —— حسین بن منصور الحلاج رحمۃ اللہ علیہ ایران کے شہر بیضاء کے رہنے والے تھے۔ تعلیم وتربیت واسط اور عراق میں ہوئی۔ حضرت جنید بغدادی، ابوالحسین نوری رحمہم اللہ علیہم کی صحبت پائی۔ انہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا۔ بعض علماء کے فتویٰ کے باعث ۳۰۹ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کا کہنا تھا:

''الٰہی! دنیا کی مصیبتیں مجھے عطا فرما، لوگوں کو اپنی نعمتیں عطا فرما''۔

۳ —— ابن عطاء کا پورا نام ابوالعباس احمد بن سہل بن عطا الادمی ہے۔ مفاہیم قرآن سمجھنے میں کامل بصیر تھے۔ شیخ ابراہیم المارستانی اور حضرت جنید بن محمد وغیرہم کی صحبت میں رہے۔ بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ ۳۰۱ھ یا ۳۱۱ھ میں وصال پایا۔

www.waseemziyai.com

ازل ہی سے قلب سلیم والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ ○ (پارہ ۸: رکوع ۲: ۱)

''کیا یہ وہ شخص ہے جو مردہ تھا اور اسے ہم نے زندہ کیا''۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ مشاہدہ غافل کر دیتا ہے، جبکہ حجاب سے فہم وادراک حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے تو وہ شے اس کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرتی ہے، ـــ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے جو مخصوص ہیں، مگر کچھ لوگوں کیخلاف یہ آیت فیصلہ کرتی ہے، جو اربابِ تمکین وہوش ہیں۔ اربابِ تمکین کے پاس مشاہدہ اور فہم دونوں جمع رہتے ہیں۔ فہم کا مقام بات چیت کا مقام ہے، اور وہ قلب کے سننے کا مقام بھی ہے، ـــ مشاہدہ کا مقام ''قلب کی آنکھیں'' ہیں۔ جس طرح سمع (سننے) میں ایک حکمت اور فائدہ ہے، اسی طرح بصر (مشاہدہ) میں بھی ایک حکمت اور فائدہ ہے۔ لہٰذا:

○ ـــ جو شخص حال کی بیہوشی (سُکر) اور کیف میں ہوگا، اس کی سمع (سننے کی طاقت) اس کی (بصر) بینائی میں غائب ہو جاتی ہے۔

○ ـــ جو شخص ہوش وتمکین (صحو) میں ہوگا، اس کی سماعت (سننے کی طاقت) اس کے بصر (بینائی) میں غائب نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ حال پر قابو پائے ہوئے ہے۔

صاحبِ حال ظروفِ وجودی کے ذریعے (جو کہ کلام سمجھنے کے قابل ہوتا ہے) فہم وادراک کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فہم وادراک، سماع والہام کی منزل ہے۔ الہام وسماع دونوں ظروف وجودی کے محتاج ہیں۔ یہ وجود خداداد ہوتا ہے، ـــ اربابِ ہوش وتمکین کیلئے (جو ہوش کے مقام میں ہو) دوسرا وجود یعنی وجود وہبی پیدا ہوتا ہے۔ وجود وہبی، اس وجود سے الگ ہے جو مشاہدہ کے نور کی جلوہ گری پر اس شخص کیلئے لاشئے اور معدوم ہو جاتا ہے جو فنا کی راہ سے گزر کر قرار گاہ فنا تک پہنچ گیا ہو۔

آدابِ قلب:

ابنِ شمعون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''پند ونصیحت اس شخص کیلئے ہے جس کا قلب آدابِ خدمت اور آدابِ قلب کا علم رکھتا ہو، ـــ اس کی تین صورتیں ہیں:

○ ـــ قلب جب عبادت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ شہوت (نفسانی خواہش) کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے، ـــ اور جس نے شہوت چھوڑ دی اس نے ادب کا ایک تہائی حصہ حاصل کر لیا۔

○ ـــ کچھ حاصل کرنے کے بعد اگر کوئی اس چیز کا طالب ہو جو اسے ادب سے حاصل نہیں ہوتی تو یوں سمجھو کہ گویا اس نے ادب کا دو تہائی حصہ حاصل کر لیا۔

○ ـــ اگر قلب اس چیز سے سیراب ہو جائے (اس کی تسلی ہو جائے) جس سے اس نے پورا کرتے وقت بخشش کا آغاز کیا تھا، تو اس سیرابی سے اس نے مکمل آداب حاصل کر لئے۔

www.waseemziyai.com

قلب کی موت:

امام محمد باقر بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نفس کے خواہشات میں مبتلا ہونے سے قلب کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جو شہوات کو جس قدر ترک کرے، اس کے قلب کو زندگی کا اسی قدر حصہ مل جائے گا''۔

لہٰذا اس مقام پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ سمع زندہ انسانوں کیلئے ہے مُردوں کیلئے نہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۝(پ ٢٠، رکوع ١٠: ١٤)

''درحقیقت تم مردہ انسانوں کو سننے کے قابل نہیں بنا سکتے''۔

ذکرِ الٰہی سے غفلت:

حضرت سہل بن عبداللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ[1] نے ارشاد فرمایا:

''قلب ایک نرم چیز ہے۔ اس پر برے خیالات اور وسوسوں کا اثر ہو سکتا ہے۔ معمولی اثر بھی اس کیلئے بہت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝(پ ٢٥: رکوع ١٠: ١)

''جو کوئی مہربان خدا کے ذکر سے اندھا اور غافل ہو تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اسی کے ساتھ رہتا ہے''۔

قلب ایک نہ تھکنے والا کارکن ہے۔ نفس بھی ہمیشہ بیدار رہتا ہے، وہ سوتا ہی نہیں۔ چنانچہ انسان:

- ○ — یا تو اللہ کی باتوں کی طرف متوجہ ہوگا،
- ○ — یا پھر شیطان اور نفس کی طرف دھیان دے گا۔

چنانچہ اس طرح ہر شے ساعت میں رکاوٹ بنے گی۔ نفس کی حرکتوں سے اور اس کی جنبش سے شیطان کا راستہ کھلتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اگر شیطان اولادِ آدم کے قلوب کے چاروں طرف نہ منڈلاتے پھرتے تو انہیں آسمان میں فرشتوں کے مقامات (عالم ملکوت) ضرور دکھائی دیتے''۔

---

[1] حضرت سہل بن عبداللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماموں محمد بن سوار سے تربیت پائی۔ ابومحمد کنیت تھی۔ روحانیات میں آپ کے اقوال ضرب المثل ہیں۔ آپ کا وصال ٢٨٣ھ میں ہوا۔ آپ طبقہ اول کے صوفیائے کرام سے ہیں۔ ''تفسیر تستری'' آپ ہی کی کاوش ہے۔ آپ پہلے مفسر ہیں جنہوں نے تفسیر میں صوفیاء کا مسلک اختیار کیا۔ لیکن اہلِ ظاہر کی موافقت بھی بالکلیہ ترک نہیں کی۔ اس تفسیر میں الفاظ کے معنی لغت سے یا آثار و اخبار سے نہیں بیان کئے گئے بلکہ معانی کو طریقت اور تصوف کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

www.waseemziyai.com

صاحبِ دل کو سب کچھ حاصل ہے:

حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جو صاحب دل اور صاحبِ سماعت ہے، اسے:

○ — اہلِ بصیرت کی بصارت، ○ — عارفوں کی معرفت،

○ — اہلِ باطن علماء کا نور، ○ — گزشتہ نیک لوگوں کے سیدھے راستے،

○ — ازل اور ابد اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب کچھ حاصل ہے''۔

یعنی کائنات کا سب کچھ اس کیلئے ہے جسے قلب حاصل ہو یا وہ حسنِ سماعت پر عمل پیرا ہو۔

صحیح قلب وہ ہے جو......:

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''صحیح قلب وہ ہے جو حق کا مشاہدہ کرتا ہو اور کسی طرح بھی اس سے غائب نہ ہو۔ وہ نہ صرف اس کے ساتھ سنتا ہے بلکہ اس سے سنتا ہے۔ اس کے ساتھ حاضر ہوتا ہے، اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔ قلب جب چشمِ جلال سے حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو ڈرتا اور لرزتا ہے۔ اور جب نگہ جمال سے دیکھتا ہے تو اسے سکون اور قرار آ جاتا ہے''۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

''جس کا دل صاحبِ بصیرت ہے وہ اسے صرف خدا ہی کیلئے وقف ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ ایسا شخص دنیا، خلقت اور خود اپنے نفس سے بھی کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ خدا کے سوا کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوتا، — ایک صوفی کا دل ساری دنیا سے الگ تھلگ رہتا ہے، — وہ صرف خدا کی باتیں سنتا اور اس کے جلوؤں کے نظارے کرتا ہے، — وہ سننے کے لائق باتیں سنتا ہے، وہ دیکھنے کے لائق چیزیں دیکھتا ہے، صرف اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ ہی کیلئے وقف کر دے اور اس کی حضوری کا شرف حاصل کرے، — چونکہ سب اشیاء اللہ کے پاس ہیں اور وہ اس کی حضوری میں رہتا ہے، اس لئے وہ سب چیزیں اِجمالی طور پر دیکھتا اور سنتا ہے۔ خواہ اس نے تفصیل کے ساتھ نہ انہیں دیکھا ہو اور نہ سنا ہو۔ تفصیلی مشاہدے اور سماعت کیلئے دیکھنے والی آنکھ (چشمِ شہود) کی وسعت چاہئے۔ کیونکہ ظروفِ وجودی کے تنگنائے کی وجہ سے تفصیلات نہیں معلوم ہو سکتیں۔ لیکن اللہ کو تمام اِجمال اور تفصیل کا علم ہے۔ اس سے نہ کوئی اِجمال اوجھل ہے اور نہ کوئی تفصیل حجاب میں ہے۔

لوگوں کے درمیان سماعتی فرق:

بعض اہلِ نظر نے انسانوں میں سماعت کے لحاظ سے مراتب کو اس طرح سے مثالیں دے کر سمجھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک کسان اپنی مٹھی میں بیج بھر کر کاشتکاری کیلئے نکلا، ان میں سے،

○ — کچھ بیج راستے میں گر گئے، جنہیں دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں نے اُچک لیا۔

www.waseemziyai.com

○ — کچھ بیج ایسی پتھریلی زمین پر گرے، جس پر کچھ گیلی مٹی پڑی تھی۔ اس نم دار مٹی کی بدولت چٹان پر کچھ دنوں کے بعد بیج پھوٹ پڑے۔ مگر جب اس کی جڑیں پتھریلی زمین تک پہنچیں تو انہیں مزید آگے بڑھنے کیلئے کوئی راہ نہیں ملی، اس لئے وہ سوکھ گئے۔

○ — ان بیجوں میں سے کچھ حصہ ایک عمدہ قابلِ کاشت زمین پر گرا۔ جس پر پہلے سے کچھ کانٹے اور گھاس بھی اُگے ہوئے تھے۔ یہاں وہ بیج اُگے اور ان کا پودا بڑھا۔ تو کانٹے اس سے الجھ پڑے۔ اور اسے خراب کردیا۔

اس مثال میں بیج والا ایک مرشد حکیم کی طرح ہے اور بیج حکمت وموعظت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ:

○ — جو بیج راستے میں گرے ان سے مراد اس شخص کی ہے جو کلام کو اس حال میں سنتا ہے کہ اس کا اسے سننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جسے شیطان اس کے قلب سے اڑا لے جاتا ہے (یعنی اسے محو کردیتا ہے۔)

○ — جو بیج صاف اور ہموار پتھریلی زمین پر گرے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو حکمت کی باتیں سنتا ہے، انہیں اچھا سمجھتا ہے۔ چونکہ اس کے دل میں عمل کا ارادہ اور حوصلہ نہیں، اس لئے یہ باتیں اس کے قلب سے دور ہوجاتی ہیں۔

○ — جو بیج کانٹوں والی زمین پر گرے ان سے مراد ایسا شخص ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر شہوانی خواہشیں اس کی راہ میں حائل ہوجاتی ہیں جو اسے نیک عمل کرنے سے روک دیتی ہیں۔ وہ اپنے ارادے پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے کیونکہ نفسانی خواہشیں اس پر غالب رہتی ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا مثال میں پودا کانٹوں میں الجھ کے رہ جاتا ہے۔

○ — جو بیج بالکل پاکیزہ اور عمدہ زمین پر گرتے ہیں، انہوں نے نشوونما پائی۔ ان سے مراد ایسے سننے والی کی ہے جو عمل کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ بات کو سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔ اور اپنی نفسانی خواہشیں چھوڑ کر راہِ ہدایت پر چلتا ہے۔ ایسا شخص صحیح معنوں میں صوفی ہے۔ —

نفسانی خواہشوں میں ایسی حلاوت اور لذت ہے کہ انسانی نفس اس کا ذائقہ چکھ لے تو وہ ہر وقت اسی طرف مائل رہتا ہے۔ اور اسی کی لذتوں میں کھویا رہتا ہے، — نفسانی خواہشوں سے جو لطف ولذت آتی ہے اس کی مثال کانٹے دار کی طرح ہے جو دل کے پودے کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔

عشقِ حقیقی کی چاشنی:

ایک صوفی کا دل عشقِ حقیقی کی حلاوت کا مزہ لیتا ہے۔ اس کی یہی پاکیزہ محبت دربارِ الٰہی سے وابستہ کردیتی ہے۔ اس کی روحانی کشش اسے دربارِ الٰہی میں پہنچا دیتی ہے۔ اس کا قلب اور نفس دونوں اسی جذبہ عشق کی اتباع میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے عشقِ حقیقی کی حلاوت نفسانی خواہشوں کی حلاوت اور مزے پر غالب آجاتی ہے، — نفسانی خواہش ایک ناپاک درخت کی طرح ہے جو زمین کی اوپر والی سطح سے جڑ سے اُکھڑ گیا ہو۔ اب اسے برقرار رہنا دشوار ہوگیا۔ کیونکہ وہ نفسانی حدوں سے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ عشق ومحبت الٰہی کی حلاوت ایک ایسے پاکیزہ اور صاف ستھرے درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں دور تک پھیل گئی

www.waseemziyai.com

ہیں۔اوراس کی شاخیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔کیونکہ اس کی جڑیں روح تک اتری ہوئی ہیں۔اور شاخیں اللہ کی ذات تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اوراس کے رگ وریشے نفس کی زمین میں بہت دورتک چلے گئے ہیں۔

ایسا شخص جب قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیث نبوی کا کوئی جملہ سنتا ہے تو دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اس کی روح،اس کا قلب اوراس کا نفس اسے شراب کی طرح پی جاتا ہے۔اوراس پر سراپا نثار ہوکر یہ کہتا ہے:

''میں تجھ سے نسیم کی ایسی خوشبو سونگھتا ہوں جس سے میں ناآشنا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک شیریں دھن کی آستینوں سے اس کا تعلق ہے''۔

پھر وہ کلمہ اس میں رچ بس جاتا ہے۔اس کا ہر بال گوشِ سماعت اور ہر ذرّہ چشمِ بینا بن جاتا ہے۔وہ سراپا سماعت و بصارت (شنید و دید) بن کر عالم کل کا نظارہ کرتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے:

''میرا سارا وجود آنکھ بن جاتا ہے اور تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہوں، —— جب تیری یاد آتی ہے میں سراپا قلب بن جاتا ہوں'' ——

ارشاد باری ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ی الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓـئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (پارہ ۲۳: رکوع ۱۶: ۹)

''آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات کو سنتے ہیں اور اس کی اچھی طرح پیروی کرتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ سمجھ رکھتے ہیں''۔

عقل وحکمت کے اجزاء:

بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عقل وحکمت کے سو حصے ہیں۔—— جن میں سے ننانوے حصے رسول اکرم ﷺ کیلئے ہیں،—— اور ایک حصہ سب مسلمانوں کو عطا ہوا،—— مسلمانوں کو جو ایک حصہ ملا،اس کے مزید اکیس حصے کئے گئے،—— ان اکیس حصوں میں سے ایک حصہ میں سب مسلمان برابر ہیں اور وہ کلمہ طیب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے،—— باقی بیس حصوں میں سب مسلمان برابر نہیں بلکہ وہ اپنے ایمانی حقائق اور ایمان کی مقدار کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی فضیلت کا اظہار:

بعض صوفیاء نے فرمایا کہ آیت مبارکہ فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِيْنَ ...... میں رسول اکرم ﷺ کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ احسن اور بہترین ہے۔کیونکہ تخلیق کائنات سے پہلے آپ کو صحبت تمکین (صحو) اور قربِ استقرار حاصل تھا۔آپ کی ہر حالت میں انوار و تجلیّات کا ظہور ہوا۔آپ سے بہت اچھی طرح خطاب کیا گیا۔تمام مقامات پر آپ کو سبقت حاصل ہوئی۔رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان عالی پر ذرا غور کریں:

www.waseemziyai.com

''ہم وجود اور پیدائش میں سب سے آخر ہیں، مگر بارگاہِ قدسی کے فضل و کرم کے خطاب اول میں سب سے آگے ہیں''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ (پارہ ۹، سورہ انفال: ۲۴)

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول جب تمہیں بلائیں تو انہیں لبیک کہو، اس چیز کیلئے جو تمہاری زندگی کا باعث ہے''۔

اہلِ اللہ کا طریقہ:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (اہلِ اللہ کا طریقہ یہ ہے) کہ:

''انہوں نے ان تعلیمات کو اپنے دل میں بسا لیا جن کی اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت دی تھی۔ پھر انہوں نے بغیر کسی تاخیر کے دنیا کے مشغلوں سے منہ موڑ لیا۔ تقویٰ واحتیاط کے ساتھ اپنے نفسوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ نفس کشی کی تکلیفوں کی تلخیوں کے گھونٹ پیتے رہے اور معاملات میں اللہ سے سچے رہے۔ جن کاموں کی طرف متوجہ ہوئے ان میں حسنِ ادب کا خاص خیال رکھا۔ اس طرح مصیبتیں ان پر آسان ہو گئیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مقاصد کی قدر افزائی کی اور اپنی توجہات کو اپنے مالک وخالق کے سوا کسی اور طرف مبذول نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے غیر فانی ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی پائی جو ہمیشہ رہے گا''۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ان پاکباز لوگوں کی زندگی قول وفعل دونوں اعتبار سے گناہوں سے پاک وصاف ہے''۔

استجابت کی توضیح وتشریح:

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت میں استجابت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی دعوت کو اپنے باطنی اسرار سے قبول کرو، اور رسول اکرم ﷺ کی دعوت کو ظاہری جسم سے قبول کرو، — کیونکہ نفس کی زندگی رسول اکرم ﷺ کی اتباع سے ہے، اور قلب و جاں کی حیات غیبی انوار کے مشاہدہ پر منحصر ہے۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنی کوتاہی کو دیکھ کر اللہ سے خجالت وشرمندگی محسوس کرے۔

حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی توضیح وتشریح میں فرمایا:

''استجابت کی چار صورتیں ہیں:

○ — اجابتِ توحید، ○ — اجابتِ تحقیق

○ — اجابتِ تسلیم ○ — اجابتِ تقریب (قربت)

استجابت اور قبول کرنا ذوقِ سماعت کے مطابق ہے، — اور ذوقِ سماعت اس کے فہم وادراک کی حیثیت کے لحاظ سے ہے، — فہم وادراک، گفتگو کے درجات کو پہچاننے سے حاصل ہوتا ہے، — گفتگو کے درجات بولنے والے کی پہچان کرنے سے

www.waseemziyai.com

معلوم ہوتے ہیں۔کلام وگفتگو کے طریقے غیر محدود ہیں،اس لئے فہم وادراک بھی محدود نہیں ہوسکتے۔جیسا کہ ارشاد باری ہے:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۝(سورہ کہف:۱۰۹)

"(اے پیغمبر!) آپ فرمادیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سارا سمندر روشنائی بن جائے تو رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی روشنائی کے یہ سمندر خشک ہوجائیں"۔

یعنی قرآن کریم کے ہر کلمہ کی وضاحت کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاس ایسی باتیں ہیں جن کے ختم ہونے سے پہلے روشنائی کے سمندر سوکھ جائیں۔اگر اس کی ذات توحید کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سب باتیں ایک کلمہ سمجھی جائیں گی،—لیکن اگر اس کے ازلی علم کی وسعت کو دیکھیں تو اس کا ایک کلمہ بہت سے کلمات (باتوں) کا مجموعہ ہوگا۔

ہر آیت کا ایک ظاہر ہے،ایک باطن ہے:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے،ایک باطن ہے،—اور ہر حرف کی ایک حد اور ہر حد کا ایک مطلع ہوتا ہے"۔

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار کیا:

"اے ابوسعید!مطلع سے کیا مراد ہے"۔—انہوں نے جواب دیا:

"مطلع وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر کوئی جماعت عمل پیرا ہوتی ہے"۔

ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ توجیہہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے حاصل کی ہے۔کیونکہ مجھے اپنے مشائخ سے بالاسناد یہ روایت ملی ہے۔انہوں نے فرمایا:

"کوئی حرف یا کوئی آیت ایسی نہیں جس پر کسی قوم نے عمل نہ کیا ہو،—یا آئندہ کوئی اور جماعت اس پر عمل پیرا نہ ہو،—لہٰذا مطلع ایک ایسا مینارہ ہے جس پر اپنے اپنے علم کی معرفت کی بدولت چڑھا جاسکتا ہے،—مطلع دراصل وہ فہم وادراک ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر اس دل پر کھول دیتا ہے جسے اپنا نور عطا کرنا چاہے"۔

قرآن کے ظاہر وباطن میں اختلاف:

قرآن کریم کے ظاہر وباطن کے حوالے سے لوگوں میں اختلاف ہے۔اس کے ظاہر وباطن کے معنی میں تاویلات کی ہیں:

○ —ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ظاہر سے مراد قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔اور باطن سے مراد اس کی تشریح وتفسیر وتاویل ہے۔

○ — ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ ظاہر سے مراد وہ قصے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر اپنے غیظ وغضب اور اس کو دی جانے والی سزا کا حال بیان کیا ہے۔لہٰذا اس کا ظاہر اس قوم پر جو گزری،اس سے مطلع کرنا ہے،—اس کا باطن اور اندرونی مفہوم ان بندوں کیلئے تنبیہ ونصیحت ہے امت میں سے جو انہیں پڑھے اور سنے۔

www.waseemziyai.com

○ — بعض نے یہ کہا کہ ظاہر سے مراد قرآن کریم کا نازل ہونے والا متن ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے، اور باطن سے مراد اس کی تعلیمات واحکامات پر عمل پیرا ہونا ہے۔

○ — کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ظاہر سے مراد قرآن کریم کی اس طرح تلاوت کرنا ہے جس طرح وہ نازل ہوا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (پارہ ۲۹، سورہ مزمل) ''اور قرآن کو حسین انداز سے پڑھو''۔

اور اس کے باطن سے مراد اس میں غور وفکر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''یہ برکت والی وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا۔ تا کہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کریں''۔

تفسیر اور تاویل میں بڑا فرق ہے:

یہ جو کہا گیا کہ ''ہر حرف کیلئے ایک حد ہے'' — اس کی توضیح وتشریح میں یہ ہے کہ اس سے تلاوت کرتے ہوئے حرف کی حد مراد ہے۔ جس میں امام جو قرآن پڑھنے والا ہے اسے قرآن (کی متعینہ حد) سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، اور اس کی تفسیر میں فقط سنی ہوئی اور منقول روایتیں بیان کی جائیں۔ اس حوالے سے تفسیر اور تاویل میں بڑا فرق ہے:

○ — تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس سے آیات کا شان نزول، اس کے قصہ یا اصل واقعہ اور ان اسباب کی وضاحت کرنا ہے جن کی بنا پر ان کا نزول ہوا، — اس قسم کی تفسیر کا عام لوگوں کو اعراض کے طور پر بیان کرنا سختی سے منع ہے۔ لیکن وہ سماعت اور منقول روایتوں کی مدد کے بغیر بیان نہیں کر سکتے۔

○ — تاویل سے مراد ہے کہ کسی آیت کے معنی کی ایسی توجیہہ کی جائے جو کتاب وسُنّت کے موافق ہو، — تاویل، اس کے بیان کرنے والے کے ان حالات کے اختلاف کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے جنہیں گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی:

○ — فہم وادراک کی صفائی ○ — معرفت کے درجات،

○ — قربِ الٰہی کے مراتب وغیرہ

کامل فقیہہ ہونے کیلئے لازم ہے کہ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہہ نہیں بن سکتا جب تک اسے قرآن کریم کے مختلف معانی پر عبور حاصل نہ ہو، —

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا بھی بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ کوئی آیت ایسی نہیں کہ اس کیلئے عمل کرنے والی آئندہ ایک قوم موجود نہ ہو، — ان کا یہ کہنا ہر ہمت والے طالب علم کو اس بات پر ترغیب وتحریک دیتا ہے کہ وہ کلام کے مقامات کو واضح کرے

www.waseemziyai.com

اوراس کے دقیق معانی اور چھپے اسرار ورموز کوتہہ دل سے سمجھے۔

بات کوسمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا:

اپنے زُہد وتقویٰ اور ماسویٰ اللہ سے بے تعلقی اور کنارہ کشی کے باعث صوفی ہر آیت سے شناسا ہوتا ہے،

○ — ہر بار تلاوت کرنے پر اس پر نئے نئے نکات اور اسرار ورموز کھلتے ہیں،

○ — ہر بار غور وفکر، فہم وادراک پر ایک نئے عمل کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھنے کے بعد عمل بھی کرتے ہیں۔

ان کا عمل ان کے فہم وادراک کو نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ ان کی نظر کو دقت اور فہم کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آئی کہ فہم سے علم ہے، اور علم سے عمل، — علم وعمل ایک ساتھ نہیں، باری باری سے آتے ہیں۔ یہ عمل قلوب کا عمل ہے جو قالب کے عمل سے بالکل مختلف ہوتا ہے، — قلوب کے اعمال اپنی لطافت اور صداقت کی وجہ سے علم کے ہم شکل وہم صورت ہوتے ہیں۔ سب نیتیں اور ہر وابستگی، سُنّت وضمیر، روحانی تعلقات، قلبی وارداتیں اور تمام پوشیدہ اسرار ان اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جب وہ ان میں سے کسی پر عمل کرتے ہیں تو ان کے علم میں نئی نئی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح آیاتِ کریمہ کے فہم وادراک کی نئی فضا سے مطلع ہوتے ہیں۔

انوار وتجلیّات وبرکاتِ الٰہی کا ظہور:

میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ اس فضا اور مطلع سے مراد صرف یہی نہیں کہ فہم وادراک کی صفائی کی بنا پر کسی بھی آیت کے دقیق معنی اور اس کے سربستہ راز معلوم ہوجائیں، — بلکہ مطلع سے یہ مراد ہے کہ صفائے فہم کی بدولت ہر آیت پر اللہ کا شہود اور انوار وتجلیّات حاصل ہوں۔ اس لئے کہ دیگر اوصاف کی طرح صاحبِ فہم میں یہ وصف بھی امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ اور اسی لئے آیاتِ مبارکہ کی تلاوت اور سماعت سے نئی نئی تجلیّاتِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اس کیلئے ایسے آئینے بن جاتے ہیں جو باری تعالیٰ کی عظمت وجلال کو ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ[1] کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اپنی تجلیّات کو ظاہر کرتا ہے مگر لوگ انہیں دیکھ نہیں پاتے"۔

چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ہر آیت "مطلع انوار وتجلیّاتِ الٰہی" ہے، — "حد" سے مراد حدِ کلام ہے، — اور "مطلع" سے مراد حدِ کلام سے ترقی کرکے شہودِ الٰہی تک پہنچنا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایک بار نماز میں غش کھا کر گر پڑے۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

---

[1] — حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ۸۳ ـ ۸۰ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرات اثناء عشریہ کے چھٹے امام ہیں۔ کمال صدق گفتاری کی وجہ سے آپ کو صادق کہا جاتا ہے۔ نہایت نیک سیرت تھے۔ معاصر مشائخ عظام میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ کے محامد وفضائل حدِ تحریر سے باہر ہیں۔

www.waseemziyai.com

''میں تلاوت کے دوران ایک آیت کو بار بار دہراتا رہا۔حتیٰ کہ میں نے اسے خود اس کے متکلم سے سنا''۔

لہٰذا جب صوفی پر ناصیۂ توحید کا نور چمکنے لگتا ہے اور وہ اللہ کی وعدو وعید کو غور سے سننے لگتا ہے۔اس کا قلب ماسوا اللہ سے جان چھڑا کر اللہ کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے۔اس لمحے اس کی، یا کسی دوسرے کی زبان تلاوت کرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مبارک درخت کی طرح ہو جاتی ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر یہ کہا تھا:

اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ ـــــ ''بے شک میں اللہ ہوں''۔

لہٰذا جب وہ اللہ کی باتیں سنتا ہے اور اسے اپنی باتیں سناتا ہے تو اس صورت میں اس کی سماعت اس کی بصارت، اور اس کی بصارت اس کی سماعت ہو جاتی ہے یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت ایک ہو جاتی ہے،ـــــ اس کے علم میں اور عمل میں کوئی فرق نہیں رہتا۔اس طرح اس کا آخر اوّل اور اول آخر ہو جاتا ہے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی غرض وغایت:

اللہ تعالیٰ نے (عالم ارواح میں) ذریات سے یہ ارشاد فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''۔

اس وقت ذریات نے اللہ کی یہ آواز نہایت صاف سنی تھی۔اس کے بعد یہ ذریات مسلسل اصلاب وارحام میں منتقل ہوتی رہی۔جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝ (پارہ ۱۹، رکوع ۱۵: ۷)

''وہ تمہیں دیکھتا ہے حالتِ قیام میں اور تمہیں بدلتا رہتا ہے سجدہ کرنے والوں میں''۔

اس آیت مبارکہ میں تَقَلُّبَ (تبدیل ہونا) سے مراد یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد یعنی انبیاء کرام علیہم السلام ساجدین تھے۔ آپ کا ذرۂ مبارک ان کے اصلاب میں منتقل ہوتا رہتا تھا۔چنانچہ یہ ذریات ہمیشہ اسی طرح منتقل ہوتی رہیں۔یہاں تک کہ وہ عالم اجسام میں نمودار ہو گئیں۔وہ خاص حکمت کی بنا پر قدرت اور عالمِ شہادت (ظاہری دنیا) سے پوشیدہ رہے۔مختلف اور کثیر اطوار میں بدلتے رہنے سے ان پر تاریکیاں چھا گئیں۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو حسنِ سماعت عطا کرنا چاہے اور اسے صوفی صافی بنانے کا ارادہ کرے تو وہ اسے تصفیہ اور تزکیہ نفس کے مرتبہ پر ترقی دیتا ہے۔یہاں تک کہ وہ عالم حکمت کے تنگ دائرے سے نکل کر قدرت کی وسیع فضا میں پہنچ جاتا ہے۔اس کی آر پار ہونے کی قوت رکھنے والی چشم باطن سے حکمت کے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔اس وقت وہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کی آواز کو کشفی طور پر علانیہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔اس کی توحید و معرفت سراپا بنیان اور مجسم حجت و برہان بن جاتی ہے۔تقلیب کے دوران چھانے والی مسافتوں کی تاریکیاں چھٹنے لگتی ہیں اور بتدریج انوار درخشاں میں بدلنے لگتی ہیں۔

کسی اہلِ باطن نے فرمایا:

''مجھے یاد ہے کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا خطاب اس حال کی طرف اشارہ ہے''۔

www.waseemziyai.com

کسی صوفی میں جب اس قسم کے اوصاف پیدا ہو جائیں تو اس کے اوقات ابدی و غیر فانی ہو جاتے ہیں۔ اس پر ہر وقت تجلیاتِ الٰہی کا ظہور و شہود ہوتا رہتا ہے۔ وہ مسلسل کلام الٰہی کی نئی نئی باتیں سنتا ہے۔ پھر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو اچھی طرح سنتا ہے۔ جس طرح کہ اس کے سننے کا حق ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علم کی ابتدا سماعت سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کا فہم و ادراک ہے۔ پھر اسے یاد رکھنا ہے، اس کے بعد اسے یاد رکھنا ہے۔ آخر کار اس پر عمل کرنا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا ہے''۔

سماعت کا سلیقہ اور آداب

بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ توجہ کے ساتھ اچھی طرح سننے کا سلیقہ بھی سیکھنا چاہئے جیسے کہ تم اچھے طریقے سے بات کرنا سیکھتے ہو، ـــ اور یہ کہ حسنِ سماعت میں یہ بھی ہے کہ متکلم کو موقع دیا جائے تا کہ وہ اپنی بات کو پورا کر سکے۔ اور اپنا چہرہ اور نگاہیں سننے والے کی طرف رکھے، اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا:

○ ـــ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (پارہ۱۶، رکوع ۱:۱۵)

''وحی ختم ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کرو''۔

○ ـــ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (پارہ ۲۹، سورہ قیامت:۱۶)

''قرآن کو عجلت سے پڑھنے میں زبان کو حرکت نہ دو''۔

حسنِ سماعت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ تعلیم دی۔ ان آیتوں کی تشریح یہ ہے کہ جب تک رسول اکرم ﷺ قرآن پاک کی آیتوں کے معنی پر خود اچھی طرح غور و فکر نہ کر لیں، تب تک انہیں صحابہ کرام کو نہ لکھوائیں۔ اور یہ کہ سب سے پہلے ان کے عجائب و غرائب کو آپ سمجھ لیں۔ ـــ کہا یہ جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب وحی لے کر حاضر ہوتے تو وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ فوراً صحابہ کرام کے سامنے قرأت فرما دیتے محض اس احتیاط سے کہ کہیں سہو نہ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جبرئیل علیہ السلام جب تک آپ کو مکمل طور پر وحی نہ پہنچا دیں، تب تک آپ اسے پڑھنے میں عجلت نہ کریں۔

آدابِ سماعت میں مطالعہ بھی شامل ہے:

کبھی آثار و اخبار رسول اللہ ﷺ اور علوم و فنون کے مطالعہ کو بھی سماعت کے مطالب میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اخبار رسول اللہ ﷺ اور دوسرے علوم کا مطالعہ بھی سماعت ہے۔ کیونکہ ان علوم و احادیث، اہلِ صلاح کی تاریخ، احکامات و حکایاتِ اولیاء، کے مطالعہ کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ان کی بدولت آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں مطالعہ کرتے وقت بھی حسنِ سماعت کے آداب پیش نظر رہنے چاہئیں۔ اس طرح سے مطالعہ بھی سماعت کی اقسام میں سے ایک ہے، ـــ اور جس طرح زہد و تقویٰ کے ذریعے قلب حسنِ سماعت کے لائق بنتا ہے، اور

www.waseemziyai.com

اس وقت جو کچھ سنتا ہے، اسے سن کر بہترین چیز اخذ کر سکتا ہے۔ اسی طرح مطالعہ کرنے والا بھی انہی آداب اور شرائط کو ملحوظ رکھ کر بہترین نتائج و منافع حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ مطالعہ کے بھی کچھ آداب ہیں۔ جن میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص حدیث نبوی اور دیگر علوم دینی میں سے کسی کے مطالعہ کرنا چاہے تو اسے یہ سمجھنا چاہئے مطالعہ کتب بھی نفسانی خواہش کی وجہ سے یا ذکر الٰہی تلاوت اور عملِ صالح سے بے صبری کے باعث بھی کیا جاتا ہے، —— اور مطالعہ سے بھی دل کو اسی طرح بہلایا جاتا ہے جس طرح لوگوں سے میل ملاقات اور بات چیت کرنے سے راحت محسوس ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک سمجھدار شخص کو چاہئے کہ اپنے دل کو ٹٹولے اور مطالعہ کی جہاں تک اجازت ہے اس حد تک مطالعہ کرے۔ لطف اندوزی کیلئے اس میں اپنا سارا وقت نہ لگا دے کہ حد افراط تک پہنچ جائے۔

جب کبھی کسی کتاب یا علمی مسئلہ کا مطالعہ کرنے کا ارادہ ہو تو مطالعہ میں عجلت نہ کرے بلکہ پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے، اور اس کی رحمت کا طلبگار رہو۔ کیونکہ کبھی کبھی مطالعہ کے ذریعے بھی اسے وہ مراتب و درجات نصیب ہو جاتے ہیں جو اس کی ترقی حال کا سبب بن جاتے ہیں، —— مطالعہ سے پہلے اگر استخارہ کر لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔ ایسا کر لینے سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے افہام و تفہیم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ظاہری علم کے ساتھ ساتھ اسے مزید علم بھی عطا فرمایا جاتا ہے۔

علم کا ظاہری مفہوم بھی ہوتا ہے اور باطنی معانی بھی ہوتے ہیں۔ یہ باطنی معانی ہی حقیقی فہم ہے۔ اسی فہم و فراست کی فضیلت کی طرف باری تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۙ (پارہ ۱۷، رکوع ۶: ۴)

''ہم نے اس کے بارے میں (حضرت) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دیا''۔

اس آیت مبارکہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ فہم و فراست کو حکمت اور علم پر فضیلت دی گئی ہے، اور فہم و فراست کو حکمت و علم پر نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ ''بے شک اللہ جسے چاہتا ہے، سناتا ہے''۔

جب سنانے والی صرف اللہ کی ذات ہے تو وہ:

○ —— کبھی زبان کے ذریعے سے سناتا ہے، اور

○ —— کبھی مطالعہ کے ذریعے اپنی باتوں کی وضاحت کرتا ہے۔

لہٰذا مطالعہ کے ذریعے اللہ علم کے جو دروازے کھولتا ہے وہ بھی انہی عنایات کے برابر ہے جو حسنِ سماعت کی برکات کی بدولت بندوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ تاکہ بندہ اپنے حال کو دیکھ بھال لے اور علم و ادب سیکھ لے۔ کیونکہ یہ رحمت و خیر و برکت کے دروازوں میں سے ایک وسیع و عریض دروازہ ہے۔ اور اللہ کی رحمت کے دروازے کھولنے کیلئے مشائخ کرام، صوفیائے عظام اور علماء و زہاد کے اعمالِ صالح میں سے ایک عمل ہے۔ اور اس چیز سے بڑھ کر اور کیا ہوگا جو آخرت کی راہ میں فائدہ مند ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۳:

علومِ تصوّف کی فضیلت

شریر علماء اور نیک علماء:

ہمارے شیخ، شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد راویوں سے بالاسناد یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا:

''شر کیا چیز ہے؟'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھ سے شر کے بارے میں نہ پوچھو، مجھ سے خیر کے بارے میں پوچھو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے یہ تین بار فرمایا، — اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شریروں کے شریر، علمائے شریر ہیں، — اور نیکوں کے نیک، علمائے نیک ہیں''۔

یعنی سب سے بری چیز، برے علماء ہیں اور سب سے اچھی چیز، اچھے علماء ہیں، — یہی علماء:

- ○ — امت کے رہنما، ○ — دین کے ستون،
- ○ — فطری جہالت کی تاریکیوں کے چراغ،
- ○ — پیروانِ اسلام کے پیش رو، ○ — کتاب وسُنّت کی حکمتوں کے خزانے،
- ○ — خلق خدا میں اللہ کے امین، ○ — بندوں کے طبیب وچارہ ساز،
- ○ — دینِ حنیف کے نقاد، ○ — امانت کا بارِ عظیم اٹھانے والے ہیں۔

لہٰذا وہ:

- ○ — مخلوق میں تقویٰ و پرہیزگاری کے حقائق کے زیادہ حقدار ہیں،
- ○ — دوسروں کی نسبت دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے کی انہیں زیادہ ضرورت ہے،

اس لئے کہ یہ علماء ان باتوں کے نہ صرف اپنے لئے محتاج ہیں بلکہ دوسروں کیلئے بھی محتاج ہیں۔ کیونکہ ان کی خوبی اور خرابی دونوں متعدی (ایک سے دوسرے میں سرایت کرنے والے) ہیں۔

سب سے بڑا جاہل، سب سے بڑا عالم:

حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''سب سے بڑا جاہل وہ ہے جس نے اپنے علم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، —— اور سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے اس پر عمل کیا جو وہ کچھ جانتا ہے، —— اور بہترین انسان وہ ہے جو اللہ کے حضور میں سب سے زیادہ عاجزی اور انکساری کرنے والا ہے''۔

یہ قول صحیح ہے۔ اور اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ عالم اگر اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ عالم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی چرب زبانی، قوتِ بیان، مہارتِ فن اور قوتِ مناظرہ و مجادلہ کے فریب میں نہیں آنا چاہئے۔ کیونکہ وہ جاہل ہے، عالم نہیں، —— سوائے اس کے کہ علم کی برکت سے اللہ اس کی توبہ قبول کرلے، کیونکہ علم کی برکتوں کے ذریعے عالم عمل کی طرف لوٹ سکتا ہے۔

علم فرض بھی ہے اور فضیلت بھی، ——

- —— فرض وہ علم ہے جس کا جاننا (سیکھنا) انسان کیلئے ضروری ہے، تاکہ وہ دین کے حقوق ادا کرسکے۔
- —— فضیلت میں وہ علم ہے جو ضرورت و حاجت سے زائد ہو، اور اس کے ذریعے انسان کو فضیلت حاصل ہو۔ اس میں شرط یہ ہے کہ جو ضرورت یا حاجت سے زائد ہو وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو۔

مگر جو علم کتاب وسُنّت کے مطابق نہ ہو اور اس سے استفادہ نہ کیا جاسکے، —— یا وہ کتاب وسُنّت کے سمجھنے میں مددگار ثابت نہ ہو، —— یا ان کی طرف منسوب نہ ہو، تو خواہ وہ علم کیسا ہی کیوں نہ ہو، ذلالت و برائی کا باعث ہے، فضیلت کا باعث نہیں۔ بلکہ اس سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل وخوار ہوگا۔

فرض علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے:

جو علوم فرض ہے اور انسان کیلئے جس کا جاننا ضروری ہے (ان کے جانے بغیر انسان نہیں رہ سکتا۔) اس کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُطْلُبُوا لْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ فَاِنَّ الْعِلْمَ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ۔

''علم طلب کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

کون سے علوم حاصل کرنا فرض ہے:

اس سلسلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ وہ کون سے علوم ہیں جن کا حاصل کرنا فرض ہے:

- —— بعض کا کہنا ہے کہ علمِ اخلاص اور وہ علم جس کے ذریعے انسان آفات اور خراب اعمال سے بچا رہے، بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اخلاصِ عمل کا اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ ○ (پارہ ۳۰، سورہ بینہ)

''انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ خلوص دل سے اللہ کی عبادت کریں''۔

یہاں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔ نفس کے دھوکے، اس کی فریب کاری، اور پوشیدہ خواہشیں اخلاص کو تباہ و برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کی حفاظت کیلئے علم اخلاص کا جاننا ضروری اور فرض ہوا۔ جیسے اخلاص فرض ہے ویسے ہی اس کا علم بھی فرض ہوگیا، —— کیونکہ

www.waseemziyai.com

اس علم کے ذریعے انسان اخلاص کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

○ — بعض کا یہ خیال ہے کہ نفس کے خطرات اور وسوسات (یعنی نفسیاتی رجحانات) کا علم جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ عمل کی بنیاد اور نشوونما انہی نفسیاتی رجحانات اور خطرات پر منحصر ہے، — اور اسی علم کے ذریعے ملکوتی اور شیطانی وسوسات میں امتیاز ہوسکتا ہے۔ (یعنی نیک بندوں اور شریر بندوں میں فرق کرسکتا ہے)، — جب خیالات اچھے ہوں گے تو عمل بھی اچھا ہوگا۔ — چنانچہ ایسا علم حاصل کرنا فرض ہوگیا جو بندے کے اعمال کو اچھا کرسکے۔

○ — حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم الوقت (ضروری علم) وہ ہے جس کے ذریعے اللہ اور اس کے بندے کے درمیان دنیا اور آخرت کے حال اور تعلقات کا علم ہوسکے"۔

○ — بعض نے کہا ہے کہ علم حلال حاصل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ حلال مال کھانا فرض ہے، اس لئے کہ دینی فرائض کے بعد رزق حلال حاصل کرنا بہت ضروری ہے، — اکلِ حلال کے ضروری ہونے کے باعث اسکا علم بھی ضرور ہوگیا۔

○ — یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم باطن حاصل کرنے کا حکم ہے، اسے حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس علم کے ذریعے بندے کو یقین وایمان حاصل ہوتا ہے، — یہ علم ان زاہد ومقرّب علمائے ربانی اور نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر بتایا ہے۔ وہ حق کے طالبوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں، اور انہیں اپنے طریقے کے مطابق طاقت دے کر ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہی لوگ علم نبوی کے وارث ہیں اور انہی سے علم الیقین حاصل کیا جاسکتا ہے۔

○ — کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خرید وفروخت اور نکاح وطلاق کا علم بھی ضروری ہے۔ ان معاملات سے جب کسی کا تعلق واسطہ ہو تو ان کا شرعی علم حاصل کرنا اس کیلئے ضروری ہوجاتا ہے، — لہٰذا جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے، اور اس کے بارے میں شرعی احکام نہ جانتا ہو تو اسے اپنی رائے سے ایسا کام نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ اس کے نفع ونقصان سے ناواقف ہے۔ اس لئے کسی عالم سے رجوع کرکے اس سے مسئلہ دریافت کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی بصیرت کے مطابق اس کی رہنمائی کرسکے۔ لہٰذا ضرورت پڑنے پر ایسی وقتی ضروریات کا علم سیکھنا واجب ہوجاتا ہے۔

○ — بعض اصحاب نے ارشاد فرمایا کہ علم توحید کا حاصل کرنا فرض اور ضروری ہے، — اس علم کے حاصل کرنے میں بعض غور واستدلال کے طریقے کے قائل ہیں، — اور بعض نقل وروایت (علم منقول) پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

کوئی خلش عقیدے میں خلل کا باعث ہوتو:

بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں جب کسی بندے کا باطن درست ہو اور اس نے اسلامی اصولوں کو اچھی طرح سے تسلیم کرلیا ہو — ان کے بارے میں اس کے سینے میں کوئی خلش نہ ہو تو وہ صحیح مسلمان ہے، —

لیکن اگر:

○ — اس کے سینے میں کوئی خلش ہے، —

www.waseemziyai.com

○ — یا کوئی ایسا وسوسہ پیدا ہو گیا ہے جس سے عقیدہ میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، —

○ — یا وہ کسی ایسے شک وشبہ میں مبتلا ہو، جس کے خطرات اسے کسی بدعت اور گمراہی میں ڈال دیں،

تو ایسی صورت میں اس کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنا شبہ دور کرنے کی کوشش کرے، اور ایسے اہلِ علم کی طرف رجوع کرے جو اسے صحیح بات بتا سکیں اور راہ راست پر ڈال دیں۔

فرائض پنجگانہ کا علم سیکھنا فرض ہے:

حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے فرمایا:

تصوف کی معروف کتاب ''قوت القلوب'' آپ ہی کے قلم کا شاہکار ہے۔ جو تصوف کے حقائق ومعارف پر بلند پایہ کتاب مانی گئی ہے۔

''ان پانچ فرائض کا علم حاصل کرنا ضروری ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اور سب مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا فرض ٹھہرایا گیا ہے، — چنانچہ جب ان پر عمل کرنا فرض ہے تو انکا علم (سیکھنا) بھی فرض ہوگا''۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ علم توحید اس میں شامل ہے، کیونکہ ان پانچ فرائض میں پہلا فرض کلمۂ شہادت ہے۔ علم اخلاص بھی اس میں شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ اور صحیح اسلام کا اسی پر انحصار ہے، — بہرحال جس حدیث مبارک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

''علم (سیکھنا) ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

اس سے مراد ایسا علم ہے جسے حاصل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، — علم کی مذکورہ بالا ضروری قسموں کے بارے میں جو اقوال پیش کئے گئے ہیں مثلاً:

○ — علم الخواطر (نفسیاتی رجحانات اور وسوسات) ○ — علم الحال،

○ — علم الحلال (تمام مالہ وماعلیہ کے ساتھ)،

○ — علم الیقین (جو علمائے آخرت سے حاصل ہو سکتا ہے۔)

ان میں سے اکثر علوم ایسے ہیں جن سے عام مسلمان بے علم ہیں۔ — اگر ایسے تمام علوم ان پر سیکھنا فرض ہوتے تو اکثر لوگ ان کو سیکھنے سے عاجز رہتے، بلکہ ان پر عمل کرنے سے بھی عاجز رہتے، ماسوا ان کے جنہیں اللہ توفیق دیتا۔ — اس لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ ان علوم کا سیکھنا فرض کیا گیا ہے۔

ان مذکورہ بالا اقوال میں سے میرا رجحان شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف ہے، جنہوں نے فرمایا کہ فرائض پنجگانہ کا علم سیکھنا فرض ہے، — میں اس بزرگ کے قول کو بھی ترجیح دیتا ہوں جنہوں نے یہ فرمایا کہ جس شخص کا خرید وفروخت اور نکاح وطلاق سے تعلق واسطہ ہے، اس کیلئے ان معاملات کا علم سیکھنا بہت ضروری ہے۔ بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان کے بارے میں شرعی

[1] — حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد بن عطیہ حارثی ہے۔ مکہ معظمہ میں ولادت ہوئی، بصرہ میں تربیت ہو پائی۔ — بعد ازاں بغداد شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ شیخ ابو الحسن محمد بن ابی عبد اللہ احمد بن سالم بصری کی صحبت پائی۔ ۳۸۶ھ میں بغداد میں وفات ہوئی۔

www.waseemziyai.com

معلومات حاصل کرے اوران فرائض پنجگانہ سے بھی آگاہ ہو جن کا شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

امرونہی کا علم سیکھنا فرض ہے:

ضروری علم کے حصول کے سلسلہ میں، میں نے ایک جامع اور مکمل تعریف وضع کی ہے جسے میں بیان کرتا ہوں:

''جس علم کا سیکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے: جس کے ذریعے شرعی احکام اور دینی محرمات کا علم ہو۔ اور یہ بھی جان سکے کہ کن اعمال کے کرنے پر ثواب ہے اور کن اعمال کے کرنے پر عذاب ہے، — ان شرعی احکام اور ممنوعات میں سے بعض ایسے ہیں جن پر ہمیشہ عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، — بعض ایسے ہیں جن کا اطلاق مخصوص واقعات (امور حادث) کے درپیش آنے پر ہوتا ہے، — لہٰذا جو مستقل اعمال ہیں ان کا علم ہر مسلمان کیلئے ہر وقت ضروری ہے۔ مگر وہ اعمال جو وقتاً فوقتاً (امور حادث) پیش آتے ہیں، ان کا علم ان مخصوص واقعات کے درپیش ہونے پر سیکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ایک مسلمان کو اس عمل کے سیکھے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ تعریف، پہلے بیان کی گئی تعریفوں سے عام ہے۔

استقامت کا حکم:

صوفیاء کے مشائخ کرام اور عابد و زاہد علماء نے علم سیکھنے میں نہایت محنت کی۔ علم سیکھنے کے بعد انہوں نے امرونہی کو قائم کیا اور اللہ کی توفیق سے اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے دین کے معاملہ میں استقامت اختیار کی، ثابت قدم رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا تھا۔ ارشاد باری ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ ○ (پارہ ۱۲: رکوع ۱۰:۳)

''اے پیغمبر! تم بھی ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور وہ بھی جس نے تمہارے ساتھ توبہ کی''۔

ان کی اس استقامت کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیئے۔ جیسا کہ اس بارے میں پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ استقامت کے خطاب کا موضوع وہی شخص بن سکتا ہے جس نے اللہ کی مدد سے انوار و تجلیاتِ الٰہی اور آثار صادقہ کے مشاہداتِ قدسی کر چکا ہو، — اور ان دلائل کی بدولت ثابت قدم رہا ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ (پارہ ۱۵، رکوع ۸) — ''اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے''۔

اس کے بعد مشاہدہ اور بالمشافہ گفتگو کے وقت آپ کی حفاظت کی گئی — قربِ الٰہی کے مقام پر آپ کو سنوارا گیا، آراستہ کیا گیا۔ اور بساطِ انس و محبت پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا، — اس کے بعد یہ کہا گیا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ''تم ویسے ہی ثابت قدم رہو جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے''۔

ارشاداتِ ربانی کے مطابق اگر بلند مقامات پر سرفراز نہ کیا جاتا تو جن امور کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا تھا، ان میں استقامت نہیں ہو سکتی تھی۔

www.waseemziyai.com

استقامت تمام اعمال سے افضل عمل ہے:

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ[1] سے پوچھا گیا:

''کون سا عمل افضل ہے؟'' ___ فرمایا: ''استقامت!'' ___ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ثابت قدم رہو، اگرچہ تم اس کی حفاظت نہیں کر سکو گے''۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے آیت مبارکہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ کی تفسیر میں فرمایا:

''عزم صادق کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو''۔

صالحین کرام میں سے کسی کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا:

''آپ نے (کسی مقام پر) فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں!'' ___ انہوں نے بات کو بڑھاتے ہوئے کہا:

''کیا آپ ان سورتوں میں انبیائے کرام کے قصوں اور قوموں کی ہلاکت کے ذکر کے باعث بوڑھے ہوئے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں، بلکہ ان الفاظ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے''۔

لہٰذا جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشاہدات کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد یہ خطاب کیا گیا ہے اور آپ سے استقامت کے اصولوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح عابد و زاہد علماء اور صوفیاء مقرّبین کو اللہ تعالیٰ نے ان مشاہدات کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا ہے۔ پھر الہام کے ذریعے ان سے استقامت اور ثابت قدمی کے حق کی ادائیگی کیلئے تقاضا کیا گیا۔ اسی لئے وہ استقامت کو افضل و اشرف مقصد اور عظیم حکم سمجھتے ہیں۔

کرامت نہیں، استقامت طلب کر:

حضرت ابو علی جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''استقامت کی طلب کر، کرامت کی طلب نہ کر۔ کیونکہ تیرا نفس تو کرامت کی خواہش رکھتا ہے لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے''۔

حضرت ابو علی جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ایک بڑی بات اور اصل اصول ہے، اور ایک ایسا راز ہے جس کی حقیقت سے بہت سے اہلِ تصوف غافل رہے۔ کرامت کی طلب اور کرامت کی خواہش کی وجہ یہ ہے کہ تصوف میں کوشش و زُہد اور عبادت گزاری کرنے والے طالبانِ حقیقت نے سلف صالحین (سابقہ بزرگوں) کے حالات سن رکھے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان بزرگوں سے بعض کرامات اور خلافِ عادت عجائبات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے نفوس بھی ہمیشہ انہی چیزوں کی تمنا کرتے

---

[1] ابو حفص کا اصل نام عمرو بن مسلم ہے۔ ایک روایت میں عمرو بن سلمہ لکھا ہے۔ ایران کے شہر نیشاپور کے مضافات میں واقع موضع کوروآباد میں ولادت ہوئی۔ عبید اللہ بن مہدی، ابیوردی اور علی نصر آبادی کی صحبت پائی۔ قدیم مشائخ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی حضورِ قلب سے کرتے تھے، ___ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان سے بھی کوئی کرامت اور خرق عادت ظاہر ہو، ـــ اس امر کے خواہاں ہوتے ہیں کہ سلف صالحین کو اس سلسلے میں جو کچھ عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا ہو جائے، ـــ کرامت کی طلب رکھنے والوں میں سے اکثر کو یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔ جس سے وہ شکستہ دل اور غمگین ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنے نفس کو الزام دیتے ہیں کہ شائد ہمارے اعمال میں کوئی خامی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہمیں بھی کرامت کے صدور کی قوت میسر آتی، ـــ اگر ان پر اصل حقیقت کھل جاتی تو معاملہ کو سمجھنا ان کیلئے آسان تھا۔ اسے پتہ چل جاتا کہ اللہ تعالیٰ طالب حقیقت پر کرامت کا دروازہ محض اس لئے کھولتا ہے کہ ان کیخلاف عادت قدرتی کرشمے اس کے یقین و ایمان میں اضافہ کا باعث ہوں۔ یوں ان کا ترکِ دنیا (زہد و تقویٰ) کا عزم مصمم اور قوی ہو جائے اور وہ نفسانی خواہشیں چھوڑ دے۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بعض بندے محض یقینِ محکم کی بدولت یہ مکاشفہ حاصل کر لیتے ہیں، اور ان کے دل سے بیگانے پن کے حجاب ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی محض یقینِ محکم سے مکاشفہ حاصل ہو جائے وہ خلافِ عادت و کرامات کے مطالعہ و مشاہدہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کرامات و خلافِ عادت کا اصل مقصد بھی یقین حاصل کرنا ہے، ـــ اور جب کشف سے ہی کلی یقین حاصل ہو گیا تو پھر خلافِ عادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ ایسے شخص کے سامنے اس قسم کا کشف و کرامت اگر ظاہر بھی ہو جائے تو اس کے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا حکمت و مصلحتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کیلئے خلافِ عادت عجائبات کا ظہور نہ ہو، بلکہ اس کا اظہار صرف ضرورت مند کے سامنے ہو۔

چنانچہ جس شخص کو کلی یقین حاصل ہو چکا ہے، وہ طالبِ حقیقت، کشف و کرامات سے بے نیاز ہے، ـــ اور جو شخص کشفِ قدرت اور خرقِ عادت کا تمنائی ہے، یہ کلی یقین رکھنے والا روحانی قابلیت اور استعداد میں اس سے کامل تر سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اسے کسی کرامت یا قدرتی کرشمے کا مشاہدہ کئے بغیر یقینِ کامل حاصل ہو گیا۔

خرق عادت اور کرامت کی طلب میں خود پسندی اور غرور کی آفت کے سر اٹھانے کا خدشہ بھی ہے۔ اس لئے ایک سچے طالبِ حقیقت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے استقامت کا مطالبہ کرے، کیونکہ اس کی سب سے بڑی کرامت یہی استقامت ہے، ـــ اس کے بعد اگر استقامت کی طلب میں کسی خلافِ عادت یا کرامت کا ظہور ہو گیا تو بہتر اور جائز ہے، ـــ اگر ایسی کسی بات کا ظہور نہ ہو تو وہ مطلق پرواہ نہ کرے۔ اور نہ اس بات کی فکر کرے کہ اس کی استقامتِ نفس کو کچھ نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں، ـــ اصل نقصان یہ ہے کہ اس کے حق استقامت کے فرائض میں کوئی خلل یا نقص واقع ہو۔ لہٰذا اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ طالبین کیلئے استقامتِ نفس، اصل اصول ہے۔

علوم معرفت کی وسیع و عریض کائنات:

علوم معرفت کا دائرہ بہت وسیع و عریض ہے۔ مشائخ صوفیاء کرام نے حق استقامت کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ علوم بھی حاصل کئے جن کا بزرگان سلف نے مشورہ دیا ہے اور جنہیں ضروری علوم کے سلسلے میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان میں:

○ ـــ علم الحال، ○ ـــ علم القیام، ○ ـــ علم الخواطر[1]

---

[1] ـــ علم الخواطر پر علیحدہ سے ایک مستقل باب میں انشاء اللہ گفتگو کی جائے گی۔

www.waseemziyai.com

○ — علم الیقین، ○ — علم الاخلاص، ○ — علم النفس ۱ ○ — دنیا کی انواع واقسام،
○ — نفسانی خواہشوں کی باریکیوں یا ○ — پوشیدہ نفسانی خواہشوں کا علم
○ — توبہ کے حقائق کا علم ○ — پوشیدہ گناہوں کا علم،
○ — ان برائیوں کا علم جو نیک بندوں کے محاسن میں شمار کی جاتی ہیں۔
○ — ضروریات کا علم یعنی لباس پہننے، اتارنے، کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے آداب،
○ — فضول کاموں کو ترک کرنا اور دل سے بیکار اور معصیت کے خیالات کو نکالنا،
○ — علم مراقبہ، نیز مراقبہ کو کن باتوں سے نقصان پہنچتا ہے۔
○ — علم محاسبۂ نفس، ○ — توکل کا علم ۲ ○ — علم رضا اور مقامات رضا کے گناہ،
○ — علم زہد، ضروریات کے لحاظ سے اس کی حد بندی ۳ ○ — گڑگڑا کر دعا کرنا ۴
○ — علم محبت، عام اور خاص محبت میں فرق، ۵ محبت ذات سے محبت صفات تک، — محبت قلب اور محبت روح کا فرق، — محبت عقل اور محبت روح کا فرق، — محبت نفس، مقام محبت و محبوب کا باہمی فرق،

اور یہ سلسلہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، اس کے بعد علوم مشاہدات آتے ہیں۔

○ — علوم مشاہدات میں:
○ — علم محبت وانس، ○ — قبض وبسط، ○ — قبض ہم، ○ — بسط ونشاط کا فرق،
○ — علم فنا وبقا، ○ — احوال فنا کے مابین فرق، ○ — استتار،
○ — تجلی، ○ — جمع وتفریق، ○ — لوامع وطوامع علم بوادی،
○ — صحو وسکر،

یہ تمام علوم، علم معرفت کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس سے ان کی وسعت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر وقت کی گنجائش ہوتی تو ہم ان سب کی تفصیل بیان کرتے۔ جس کی شرح وبسط کئی جلدوں پر محیط ہوتی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ حیات مستعار کی مدت

---

۱ — علم النفس یعنی نفس شناسی اور اخلاق نفس کا علم بھی اہم ہیں۔ علم النفس اور علم نفس شناسی اہل تصوف کے خیال میں بہت اہم ہے۔ جسے اس کا زیادہ علم ہوگا، وہ سیدھی راہ دیکھ سکتا ہے۔

۲ — توکل کی صورت میں متوکل سے کیا کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کون سی چیزیں اس راہ میں خلل کا باعث ہیں اور کون سی خلل کا موجب نہیں، — اس توکل میں فرق، جو ایمان کے لحاظ سے واجب ہے، — اور وہ توکل جو اہل باطن کے ساتھ مخصوص ہے۔

۳ — اور ان باتوں کا ذکر جو زہد کی حقیقت میں خلل نہیں ڈالتیں، — زہد میں دوسرے زہد کی شناخت، — زہد فی الزہد کے بعد زہد ثالث کا ذکر —

۴ — دعا کے اوقات کون سے ہیں، اور دعا سے سکوت کے اوقات کون سے ہیں، —

۵ — عام محبت کی تشریح "تعمیل حکم" میں بیان کی گئی ہے۔ علمائے ظاہر نے علمائے باطن کی خاص محبت کے دعوی سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے رضا سے بھی انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ صبر سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

www.waseemziyai.com

نہایت کم ہے اور وقت عزیز ہے۔ــــ اگر غفلت اس میں شامل نہ ہوتی تو وقت کی مقدار موجودہ وقت سے بھی کہیں کم ہوتی، ــــ بہرحال زیرِ نظر تالیف ''عوارف المعارف'' صوفیاء کرام کے تمام علوم کے عمدہ حصہ کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اللہ کریم سے امیدوار کرم ہوں کہ لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہو، اور اسے میرے فائدہ کیلئے حجت بنائے۔ یہ کتاب ہمارے نقصان کا باعث نہ ہو۔

جن علوم کا میں نے ذکر کیا ہے، انکے علاوہ اور علوم بھی ہیں۔ جن پر علمائے آخرت (عابد و زاہد علماء) نے عمل کر کے کامیابی پائی مگر دنیادار علماء اس سے محروم رہے، ــــ ان علوم کو ''علوم ذوقیہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ علوم ذوقِ سلیم پر مبنی ہیں، ذوقِ سلیم صحیح قلبی وجدان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے شکر کی مٹھاس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، جو اسے چکھتا ہے اس کی حلاوت کا مزہ وہی جانتا ہے۔

علم اور دُنیا کی محبت:

علوم تصوف کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ دیگر تمام علوم دنیا کی محبت اور زہد و تقویٰ کے خلل کے ساتھ ساتھ سیکھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی محبت ان علوم کے سیکھنے میں مدد و معاون بن جاتی ہے۔ ابتدا میں اگرچہ یہ علوم سیکھنا نفس پر بہت شاق گزرتے ہیں۔ لیکن چونکہ انسان کے خمیر میں جاہ پرستی شامل ہے، اس لئے جب انہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ علم سیکھنے کے ساتھ ساتھ جاہ و جلال اور دنیاوی مراتب حاصل ہوں گے، تو علم سیکھنے کیلئے تمام تکلیفیں اٹھائیں، شب بیداری کو برداشت کیا، سفر کی پریشانیاں سہیں، غربت کا غم اٹھایا، لذتوں اور خواہشوں کو ترک کیا، ــــ لیکن صوفیاء کرام کے علوم، دنیا کی محبت کے ساتھ نہیں سیکھے جاسکتے۔ اس کی حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب نفسانی خواہشیں بالکل ختم کردی جائیں۔ ان کی تعلیم دنیا کی کسی درسگاہ میں نہیں، بلکہ زہد و تقویٰ کے زاویہ میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ''اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں علم عطا کرے گا''۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے علم کو تقویٰ کی میراث قرار دیا۔ دیگر علوم تقویٰ کے بغیر بھی سیکھے جاسکتے ہیں، ــــ علم معرفت کی فضیلت یہ ہے کہ آخرت کا فضل و کمال اہلِ حقیقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اہلِ حقیقت (اولوالالباب) صرف زاہدوں کا گروہ ہے جنہیں دنیا کیلئے کوئی رغبت نہیں ہوتی۔

ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند شخص:

کسی فقیہہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ اس کا مال سب سے زیادہ عقلمند شخص کو دیا جائے، یا اس پر خرچ کیا جائے، ــــ تو یہ مال زاہدوں کو دیا جائے گا، یا زاہدوں پر خرچ کیا جائے گا، اس لئے کہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند وہی ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''عقل کے ایک ہزار نام ہیں، ــــ ہر ایک نام کے مزید ہزار نام ہیں، ــــ اور ہر نام کا اہل حصہ ترکِ دنیا ہے''۔

www.waseemziyai.com

دُنیادار علماء کا واقعہ:

شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بیان کی ہے جو حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ[1] کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں ابوعبدالرحمٰن حاتم اصم کے ہمراہ رے شہر میں پہنچا۔ ان کے ساتھ تین سوبیس افراد تھے جو حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلے تھے۔ یہ سب مسافر جبہ پہنے اور کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ نہ توشہ دان پاس تھا نہ کھانے پینے کا کوئی سامان۔ ــــ رے شہر میں ہم ایک سوداگر کے پاس اترے۔ جو ایک عابد درویش تھا اور درویشوں سے محبت کرتا تھا۔ رات کو اس نے ہم سب لوگوں کی دعوت کی، ــــ صبح ہوئی تو اس نے شیخ حاتم اصم سے کہا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو کہو۔ ــــ کیونکہ مجھے اس وقت یہاں کے فقیہہ عالم کی عیادت کیلئے جانا ہے۔ جو عرصہ سے بیمار ہیں''۔

شیخ حاتم اصم نے جواب دیا:

''اگر تمہارا فقیہہ عالم بیمار ہے، میں بھی اس کی عیادت کیلئے تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کیونکہ فقیہہ عالم کی عیادت کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور فقیہہ عالم کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے''۔

وہ بیمار فقیہہ عالم رے شہر کے قاضی محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ چنانچہ ہم سوداگر کے ساتھ ان کے یہاں پہنچے۔ انکا مکان بڑا عالی شان تھا۔ دروازہ بلند و بالا اور خوش نما تھا۔ حاتم اصم دروازہ دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے کہ ایک عالم کا دروازہ ایسا عالی شان ہوسکتا ہے! ــــ جب انہیں مکان کے اندر جانے کی اجازت ملی۔ اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مکان نہایت عمدہ ہے۔ اس میں شاندار نفیس قسم کا فرش بچھا ہے۔ پردے لٹک رہے ہیں۔ خادم خدمت میں مصروف ہیں۔ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر حاتم کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ کچھ لمحے بعد اس کمرے کی طرف بڑھے جہاں قاضی صاحب بیمار پڑے تھے۔ وہاں بھی نفیس فرش بچھا تھا۔ اور قاضی صاحب اس پر آرام فرما تھے۔ ایک لڑکا ان کے سرہانے مورچھل جھل رہا تھا، ــــ وہ سوداگر تو بیٹھ گیا اور قاضی صاحب کی مزاج پرسی کرنے لگا۔ مگر حاتم اصم کھڑے رہے، ــــ قاضی محمد بن مقاتل نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا، مگر حاتم نے بیٹھنے سے انکار کیا۔ اس پر ابنِ مقاتل نے پوچھا:

''کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟''

حاتم اصم نے جواب دیا:

''ہاں! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں''۔

قاضی صاحب نے کہا: ''فرمایئے!'' ــــ اس پر حاتم نے کہا:

''آپ اٹھ کر اچھی طرح بیٹھ جائیں، تب میں آپ سے بات پوچھوں گا''۔

---

[1] ــــ حاتم اصم کا پورا نام حاتم بن عنوان، ــــ یا حاتم بن یوسف اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ بلخ کے رہنے والے تھے۔ حضرت شفیق بن ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی، ــــ شیخ احمد بن خضرویہ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ماوراء النہر کے مضافات میں واقع موضع واشجرد کی ایک خانقاہ میں ۲۳۷ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

اس پر قاضی صاحب اپنے خادموں کی مدد سے سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ان کیلئے تکیہ لگا دیا گیا،— تب حاتم نے کہا:

''آپ نے علم کن سے سیکھا ہے''— انہوں نے جواب دیا:

''ثقہ اور معتبر علماء نے مجھ سے حدیث بیان کی''— حاتم نے پوچھا:

''انہوں نے حدیث کس سے سنی''!— قاضی نے کہا:

''انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی''— حاتم نے پھر پوچھا:

''رسول اللہ ﷺ نے علم کہاں سے سیکھا؟''— قاضی نے جواب دیا:

''جبرئیل (علیہ السلام) سے''— یہ سن کر حاتم نے کہا:

''اے رے شہر کے فقیہہ!— جو چیز جبرئیل اللہ سے لائے اور اسے رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے صحابہ کرام تک پہنچایا،— اور اصحاب رسول نے ثقہ مسلمانوں تک پہنچایا،— ان ثقہ حضرات نے آپ سے بیان کیا۔— کیا تم نے ان حضرات سے کبھی یہ حدیث سنی ہے کہ:

''جو شخص اپنے گھر میں امیر ہو اور اس کے بہت سے خدمتگار ہوں، اللہ کے ہاں بھی اس کی یہی شان وشوکت ہوگی (جس طرح دنیا میں منزلت وشان رکھتا ہو)''۔

ابن مقاتل نے کہا:''میں نے ایسا نہیں سنا''— حاتم نے کہا:''پھر کس طرح سنا ہے''۔

ابنِ مقاتل نے کہا:

''میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ جس شخص نے دنیا کی طرف رغبت نہیں کی، بلکہ آخرت کی طرف رغبت کی،— اور مساکین سے محبت کرتا رہا،— اور آخرت کیلئے ذخیرہ پہلے سے جمع کیا، تو اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ زیادہ ہے''۔

حاتم اصم نے کہا:

''پھر تم نے کس کی پیروی کی ہے،— کیا نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ اور نیک بندوں کی پیروی کی ہے،— یا فرعون اور نمرود کی اقتداء کی ہے، جنہوں نے سب سے پہلے چونے اور اینٹوں سے عالی شان عمارتیں اور محل تعمیر کرائے،—

اے دنیا دار عالمو!،— اے علمائے سُوء!— تمہارے جیسے لوگوں کو دیکھ کر اگر کوئی دنیا دار جاہل انسان یہ کہے گا:

''جب علماء اس حال میں ہیں تو میں ان سے برا نہیں''۔

یہ کہہ کر حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے آئے۔قاضی ابن مقاتل، حاتم اصم کی اس گفتگو سے ہکّا بکّا رہ گئے۔

طنافسی کا قصہ:

رے شہر کے رہنے والوں کو جب حاتم اصم اور ابن مقاتل کے اس مکالمے کا علم ہوا تو انہوں نے کہا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! شہر قزوین میں اس سے بھی بڑی شان وشوکت والا عالم ہے''۔

www.waseemziyai.com

ان کا اشارہ طنافسی کی طرف تھا۔ حاتم اصم قصداً ان سے ملنے کیلئے قزوین گئے۔ اور طنافسی سے کہنے لگے:

''میں ایک عجمی شخص ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دین اسلام کی سب سے پہلی چیز سکھائیں جو نماز کی کنجی ہے ـــ کہ میں نماز کیلئے وضو کیسے کروں''۔

طنافسی نے کہا: ''بہت اچھا!'' ـــ پھر اپنے خادم سے پانی لانے کیلئے کہا۔ خادم ایک برتن میں پانی لے آیا۔ طنافسی نے بیٹھ کر وضو کیا اور اعضاء کو تین تین بار دھویا۔ اس کے بعد انہوں نے حاتم اصم کو وضو کرنے کیلئے کہا کہ ایسے وضو کرو، ـــ چنانچہ حاتم نے وضو کرنا شروع کیا۔ اور اعضاء کو تین تین بار دھویا مگر جب بازوؤں کو دھونے لگے تو انہیں چار بار دھویا۔ اس پر طنافسی نے انہیں ٹوکا اور کہا:

''تم نے ایک چلو پانی کا اسراف کیا ہے'' ـــ حاتم نے پوچھا: وہ کیسے؟'' ـــ

طنافسی نے کہا:

''تم نے اپنے بازوؤں کو چار چار بار دھویا ہے'' ـــ اس پر حاتم نے کہا:

''سبحان اللہ! میں نے ایک چلو پانی کا اسراف کیا، مگر آپ نے ان سب چیزوں میں اسراف نہیں کیا؟'' ـــ

طنافسی ان کے اشارہ کو سمجھ گئے کہ سائل کا مقصد ان سے کچھ سیکھنا نہیں، بلکہ انہیں ٹوکنا ہے۔ وہ شرم کے مارے گھر کے اندر چلے گئے اور چالیس دن تک باہر نہ نکلے، نہ ہی لوگوں سے ملے۔

حاتم اصم کے تین خصائل:

حاتم اصم جب بغداد پہنچے تو اہلِ بغداد ان کے پاس آئے۔ کسی نے ان سے پوچھا:

''اے ابو عبدالرحمٰن! تم ایک عجمی اور غیر فصیح آدمی ہو، ـــ جب کوئی تم سے بات کرتا ہے تو تم اسے عاجز کر دیتے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟''۔

انہوں نے جواب دیا:

''مجھ میں تین خصلتیں ہیں، جن کی بدولت میں اپنے حریف پر غالب آ جاتا ہوں''۔

ان سے پوچھا گیا کہ وہ خصلتیں کون سی ہیں، تو انہوں نے کہا:

- ○ ـــ میرا حریف جب صحیح بات کرتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں،
- ○ ـــ جب وہ خطا کرتا ہے تو مجھے رنج ہوتا ہے۔
- ○ ـــ اپنے نفس پر جہالت کو غالب نہیں آنے دیتا، (یعنی کسی جہالت کا ارتکاب کرنے سے اپنے نفس کو بچاتا ہوں۔)

دُنیا سے امن وسلامتی پانے کا نسخہ:

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں امام وقت حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچیں تو وہ آپ سے ملنے کیلئے تشریف لائے۔ اور کہا:

''سبحان اللہ! یہ شخص کتنا عقل والا ہے!'' ـــ دوران ملاقات ان سے پوچھا:

www.waseemziyai.com

''اے ابوعبدالرحمٰن! دنیا سے سلامتی کا کیا طریقہ ہے؟'' — حاتم اصم نے کہا:

''اے ابوعبداللہ! تمہیں دنیا سے امن و سلامتی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک یہ چار خصلتیں تم میں نہ پائی جائیں''۔

انہوں نے پوچھا: ''وہ کون سی ہیں؟'' — حاتم اصم نے کہا:

- — لوگوں کی جہالت کو معاف کر دو۔ (تمہارے ساتھ جہالت کا سلوک کریں تو تم درگزر کرو۔)
- — اپنی جہالت سے ان کو دور رکھو۔ (اپنی جہالت ان سے نہ برتو۔)
- — لوگوں پر اپنی چیزیں خرچ کرو۔
- — ان سے کسی چیز (احسان وغیرہ) کی توقع نہ رکھو۔

''جب جاہلوں (اہلِ دنیا) کے ساتھ تمہارا برتاؤ ایسا ہو جائے گا، اور تم میں یہ خصائل پیدا ہو جائیں گے تو تم دنیا سے امن و سلامتی کے ساتھ نکل جاؤ گے''۔

اس کے بعد حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

اللہ کا ڈر رکھنے والوں کا علم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۝ (پ ۲۲، رکوع ۱۶ : ۲)

''اللہ کا ڈر وہی رکھتے ہیں جو علم والے ہیں''۔

اس ارشاد باری میں انما کے حکم کے ذریعے علماء کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ جو اللہ کا ڈر نہیں رکھتے ان میں حقیقی علم نہیں پایا جاتا۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے یہ کہا:

انما یدخل الدار بغدادی — ''گھر میں بغدادی ہی داخل ہوتا ہے''۔

اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ غیر بغدادی گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں، — لہٰذا اہلِ باطن علمائے آخرت پر یہ بات واضح ہو گئی کہ علوم و معارف اور قربِ الٰہی کے مقامات کی راہیں سب لوگوں پر بند ہیں۔ جو لوگ زُہد و تقویٰ اختیار کرتے ہیں، یہ راہیں صرف انہی کیلئے کھلی ہیں۔

ایک بار حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احباب سے گزری شب کا حال سناتے ہوئے کہا:

''کل رات میں صبح تک کوشش کرتا رہا کہ زبان سے لاالٰہ الا اللہ کا کلمہ ادا کروں، مگر سعی بلیغ کے باوجود میری زبان سے وہ کلمہ نہ ادا ہو سکا، —''

احباب نے وجہ پوچھی: ''یہ کیسے ہوا؟'' — تو آپ نے فرمایا:

''بچپن میں ایک بات کہی تھی، وہی بات رات کو یاد آ گئی، اور ذہن سے چپک کے رہ گئی، — اسی بات کی وحشت اتنی

www.waseemziyai.com

غالب ہوئی کہ اس نے مجھے کلمۂ توحید کہنے سے روک دیا، — مجھے تو اس شخص پر حیرت ہے جو اللہ کا ذکر کرتا ہے، اور وہ اس قسم کی کسی صفت سے متصف ہے"۔

علم میں راسخ لوگ:

صفائے تقویٰ اور دنیا سے کمال درجہ بے رغبتی کے باعث بندہ علم میں راسخ ہو جاتا ہے۔

○ — شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم میں وہی لوگ راسخ ہیں جو اپنی ارواح کے ساتھ غیب الغیب میں رازوں کے راز سے راسخ ہو گئے، — ہر کوئی انہیں نہیں پہچان سکتا۔ اس کے اہل ہی اس کی پہچان کر سکتے ہیں، — چنانچہ جو انہیں پہچان سکا اس نے پہچان لیا، — وہ فہم و ادراک کے ساتھ علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے تاکہ ترقی پا سکیں، — اس وقت ان کیلئے کلام کے ہر حرف کے نیچے فہم و ادراک اور عجیب و غریب خطاب کے ذریعے جمع شدہ (علم و معرفت کے) خزانے کھل جاتے ہیں، اور وہ فیصلہ کن گفتگو کرنے لگتے ہیں"۔

○ — بعض صوفیاء کا کہنا ہے کہ:

"علم میں راسخ وہ شخص ہے جو گفتگو کے موقع اور محل سے آگاہ ہو"۔

(یعنی خطاب کا محل سے کیا مراد ہے، اور خطاب کی غرض و غایت کیا ہے)

○ — شیخ خزار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"علم میں راسخ وہ شخص ہے جس نے تمام علوم میں کمال معرفت حاصل کر لیا ہو، اور وہ تمام خلائق کی ہمتوں سے واقف ہو"۔

○ — شیخ ابوسعید کا اس بارے میں جو قول ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علم میں راسخ شخص کو علوم و فنون کی تمام جزئیات کا بھی علم ہونا چاہئے۔ خواہ انہوں نے تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا ہو۔ اور وہ تمام خلائق کی ہمتوں کو جان چکے ہوں۔

ابوسعید کے قول کے مطابق راسخ فی العلم کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام علوم کی جزئیات سے بھی آگاہ ہو، اور ان علوم پر پورا کمال اور عبور رکھتا ہو، — حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راسخین فی العلم تھے، — اس کے باوجود انہوں نے اس ارشاد الٰہی: وفاکھۃ وابا کے معنی (طرح طرح کے میوے اور گھاس) میں توقف کیا، اور فرمایا: "اب" کیا چیز ہے؟" — پھر خود ہی فرمایا:

"یہ تکلیف کے سوا اور کچھ نہیں"۔

بعض بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ اب کے معنی میں یہ توقف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ —

بہرحال شیخ ابوسعید کے قول کا آخری حصہ اس کے ابتدائی حصے کی وضاحت کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح سے ہے:

"علم میں راسخ علماء تمام مخلوق کے ارادوں سے آگاہ ہوتے ہیں" — اس کا مطلب یہ ہے کہ متقی پرہیزگار اور عابد و زاہد کا باطن صحیح معنوں میں صاف ہو جاتا ہے، — بلکہ اس کے دل کا آئینہ اس قدر روشن اور مصفا ہو جاتا ہے کہ وہ

www.waseemziyai.com

ایک حدتک ''لوحِ محفوظ'' کے سامنے پہنچ جاتا ہے۔اس لئے اپنی باطنی صفائی کی وجہ سے وہ تمام بنیادی علوم اوران کے اصولوں سے آگاہ ہو جاتا ہے، ــــ یوں وہ علماء کی علوم میں انتہائی معلومات سے باخبر ہوکر ہر علم کے فائدے سے واقف ہو جاتا ہے۔لیکن جزوی علوم، تعلیم اور مشق ہی کے ذریعے دلوں میں راسخ ہوتے ہیں۔اس لئے کلی علم، علم کی علیحدہ علیحدہ شاخوں (جزوی علوم) کے سیکھنے سے انہیں بے نیاز نہیں کرتا جوانکی حاجت رکھتے ہیں۔ ــــ ان لوگوں کے نفوس کے ظروف جزوی علوم سے اس قدر بھر گئے ہیں کہ وہ ان میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ کلی علم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا''۔

اہلِ باطن کا علم:

اہلِ باطن زاہد علماء نے دین کے ضروری اصولوں اور شرع کے بنیادی فرائض کو اخذ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کیا۔اور اشیاء سے قطع تعلق کر کے اسی کے ہو گئے، ــــ ان کی روحیں قربِ الٰہی کے مقام تک پہنچنے کیلئے وقف ہو جاتی ہیں۔اس وقت جو روحیں ان سے پہلے مقامِ قرب تک پہنچ چکی تھیں۔انہوں نے انکے دلوں پر انوار برسائے، جس کے باعث انکے قلوب نے علوم و معارف کو سمجھنے کی لیاقت حاصل کر لی ــــ ان کی ارواح عالم ازلی کی طرف اتنی مائل ہیں کہ ترقی کرتے کرتے علوم کی حد ادراک سے بھی اوپر پہنچ گئی ہیں۔اس موقع پر وہ ایسے وجود سے مجرد ومنفرد آزاد ہوگئی ہیں جو علم کے لئے ظرف بننے کی صلاحیت رکھتا تھا، ــــ نفوس سے نسبت کی وجہ سے ان کے قلوب اسی طرح ''ظروفِ وجودی'' بن گئے ہیں جس طرح علم کا وجود ''نسبتِ وجودی'' سے رابطے میں رہتا ہے، ــــ اور وہ علوم سے بالکل گھل مل گئے ہیں، کیونکہ لوح محفوظ سے ان کے اتصال کی وجہ سے علوم منفصل ہو گئے ہیں۔ان کے انفصال سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ لوح محفوظ ہی میں منقش ومندرج کر دیئے گئے ہیں۔

مقام ارواح سے قلوب کا اتصال کا یہ معنی ہے کہ قلوب کی نفوس کی طرف کشش ہے۔اس طرح دو منفصل اور الگ تھلگ چیزوں (یعنی علوم اور قلوب) میں ایک قدر مشترک پیدا ہوگئی ہے جوایک دوسرے کو رابطے میں رکھتی ہے۔اس طرح انہیں علم حاصل ہوتا ہے اور حق پرست علماء علم میں راسخ ہو جاتے ہیں۔

قلوب علم کا مرکز ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بعض الہامی کتابوں میں بنی اسرائیل کی طرف یہ وحی نازل فرمائی:

''اے بنی اسرائیل! یہ مت کہو کہ:

- ــــ عالم آسمان سے علم کو کون اتارے گا، اور
- ــــ نہ یہ کہو کہ زمین کی اطراف اور کناروں میں اسے کون چڑھائے گا، اور
- ــــ یہ نہ کہو سمندر کے اس پار اتر کر کون جائے اور اسے لے کر آئے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے قلوب علم کا مرکز ہیں۔میرے سامنے تم فرشتوں کی طرح آداب بجالاؤ، ــــ صدیقین کے اخلاق کے ساتھ میرے پاس آؤ، ــــ اس طرح سے علم تمہارے دلوں سے پھوٹ نکلے گا اور وہ تمہیں اپنے دامن

www.waseemziyai.com

میں چھپالے گا''۔

اس عبارت میں فرشتوں کے سے آداب بجالانے کا مفہوم یہ ہے کہ نفس کو اس کی طبعی خواہشوں سے روکا جائے،—— علم کے واضح اصولوں کی روشنی میں ہر قول و فعل سے ان نفسانی خواہشوں کی جڑ کاٹ دی جائے،——

جس نے جان لیا اور قرب پالیا، اس نے اللہ کے حضور حاضر ہونے کا راستہ پالیا،—— وہی حق کی خاطر حق کے ساتھ محفوظ رہے گا۔

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالا سناد حسان بن عطیہ کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ دوران سفر ایک منزل پر اترے اور فرمایا:

''دستر خوان ہمارے سامنے لاؤ تا کہ ہم اس سے چھیڑ خانی کریں''۔

سننے والوں نے یہ سن کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اس وقت حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، میں نے منہ سے کوئی بات نہیں نکالی جب تک کہ اسے لگام نہ لگا لوں،—— ایک کے بعد دوسری لگام لگاتا ہوں۔ اس لئے تم اس بات کا برا نہ مانو''۔

فرشتوں کے سے آداب بجالانے کی یہ ایک مثال ہے۔

علم سیکھو اور اس پر عمل کرو:

○ —— انجیل میں لکھا ہے کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو، اس کا علم اس وقت سیکھو جب تک تم موجودہ علم پر عمل کر کے نہ دکھاؤ،——

○ —— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شیطان علم کے ذریعے تمہیں ٹالتا رہتا ہے''—— صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! وہ ہمیں علم کے ذریعے کیسے ٹالتا ہے''—— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ کہتا ہے: ''علم حاصل کرو، اور جب تک تم علم کی تکمیل نہ کر لو، عمل نہ کرو''—— اس لئے بندہ علم حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے اور عمل کو ٹالتا رہتا ہے، حتیٰ کہ موت آ لیتی ہے مگر وہ کوئی (نیک) عمل نہیں کر پاتا''——

○ —— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''بکثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ علم تو اللہ کا خوف دلاتا ہے''۔

○ —— حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یقیناً اللہ کو صاحب علم اور صاحب روایت کی کوئی پرواہ نہیں،—— اس کے ہاں فقط صاحبِ فہم و بصیرت کی قدر و قیمت ہے''۔

لہٰذا علوم وراثت (باطنی علوم) علوم درایت (تعلیمی اور ظاہری علوم) سے نکلے ہیں۔ یہ تعلیمی اور ظاہری علوم خالص دودھ کی طرح ہیں جو پینے والوں کے حلق سے بآسانی اتر جاتا ہے۔ جبکہ علوم وراثت ایسے مکھن کی طرح ہیں جو خالص دودھ سے نکلتا

www.waseemziyai.com

ہے۔ اگر دودھ نہ ہو تو مکھن بھی نہ ہوگا۔ اصل مقصد تو مکھن کی چکنائی ہے جو دودھ سے نکلتی ہے۔ ایسے میں دودھ کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس سے چکنائی کی روح برقرار رہتی ہے، اور پانی اسے قائم رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ —— وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ○

''اور ہم نے پانی سے ہر شے کو زندہ رکھا''۔

○ —— اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ ○

''وہ شخص مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا''۔

یعنی وہ اپنے کفر کے باعث مردہ تھا، ہم نے اسے اسلام کے ذریعے زندہ کیا۔

علوم اسلامی:

اسلام کے ذریعے زندہ کرنا علم کا پہلا حصہ (قوام اول) اور پہلی بنیاد (اصل اول) ہے۔ تاہم اسلام کے بہت سے علوم ہیں جو اس کے بنیادی اصولوں سے متعلق ہیں۔ اگر تصدیق کی نظر سے دیکھا جائے تو اسلام کا وجود ایمان کے بعد ہے۔ اسلام کے ثبوت کے بعد ایمان کی بہت سی شاخیں اور مراتب قائم ہوتے ہیں۔ جیسے:

○ —— علم الیقین، ○ —— عین الیقین، ○ —— حق الیقین،

کے درجے ہیں۔ جنہیں دوسرے الفاظ میں: توحید، معرفت اور مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایمان کی ہر شاخ سے کئی علوم پھوٹتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ اسلام کے علوم، علوم القلوب ہیں۔ جن کی دو اقسام ہیں:

○ —— ایک قسم خواص کیلئے ہے، اور ○ —— ایک قسم عوام کے لئے۔

عوام کیلئے علم الیقین ہے جو غور و فکر اور استدلال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس خصوص میں دنیا دار علماء اور علماء آخرت برابر کے شریک ہیں۔ جبکہ وصف خاص فقط علمائے آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

سکینہ —— وصفِ خاص:

علمائے آخرت کیلئے مخصوص وصف، وصف خاص ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے قرآن کریم میں لفظ سکینہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو مومنوں کے قلوب پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ انہیں سکون وطمانیت عطا کرتا ہے۔ تاکہ ان کے موجودہ ایمان میں اضافہ ہو۔ چنانچہ اپنے وصفِ خاص کی بنا پر ایمان اپنے سب درجوں پر حاوی ہے۔ مگر وصفِ عام کی بنا پر وہ سب درجات پر حاوی نہیں۔ وصف خاص کے اعتبار سے یقین اور اس کے درجے ایمان میں داخل ہیں۔ —— وصف عام کے اعتبار سے یقین اور اس کے سب درجے ایمان سے زائد ہیں۔ مشاہدہ، یقین کے خاص وصف میں داخل ہے جسے عین الیقین بھی کہا جاتا ہے، —— عین الیقین جب وصف خاص کے ساتھ مختص ہوتا ہے تو وہ حق الیقین بن جاتا ہے، —— حق الیقین، عین الیقین سے ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ —— اس طرح حق الیقین مشاہدہ سے بڑھ کر ہے۔ اس کا اصل وطن اور مقام، آخرت ہے۔ جو اس کے اہل ہیں دنیا میں انہیں اس کی ایک جھلک، ایک کرن دکھائی دیتی ہے۔

www.waseemziyai.com

علوم الٰہی میں حق الیقین سب سے بلند اور افضل ہے، سب سے کمیاب اور نادر قسم ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار وجدان پر ہے۔ وہ دنیادار علماء جنہوں نے یقین وایمان کو فکر واستدلال سے حاصل کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں صوفیاء اور درویشوں کے علوم کا وہی تعلق ہے جسے علم الوراثت اور علم الدرائت (باطنی وظاہری علوم) کے سلسلے میں مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ ان کا علم دودھ کی طرح ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے وہ یقین وایمان حاصل ہوتا ہے جو اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ جبکہ صوفیاء کرام کا علم مشاہدے کی بدولت علم الیقین کے درجے سے بڑھ کر جاتا ہے، —— یہ درجہ عین الیقین اور حق الیقین کا ہے جو دودھ سے نکلے ہوئے مکھن کی طرح ہے۔

علم کی فضیلت:

ایمان کی فضیلت، علم کی فضیلت پر موقوف ہے۔ یعنی علم جتنا افضل واعلیٰ ہوگا، ایمان بھی اپنی فضیلت کے لحاظ سے اتنا بلند ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اس کے اعمال کی قدر وقیمت اس کی علمی حیثیت سے مشروط ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''ایک عالم کو ایک عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے اپنی امت پر فضیلت حاصل ہے''۔

جس علم کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے اس علم سے بیع وشراء، طلاق وعتاق کا علم مراد نہیں، —— بلکہ علم الٰہی مراد ہے جس سے یقین کامل (معرفتِ الٰہی) حاصل ہو جائے ——

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کو علم الٰہی میسر ہے، اسے یقینِ کامل بھی حاصل ہے مگر اس فرض کفایہ کا علم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعی علماء کی نسبت یقین ومعرفت کے حقائق ونکات کا علم زیادہ رکھتے تھے، —— مگر علمائے تابعین میں سے بعض علماء کرام فتاویٰ اور احکام میں بعض صحابہ کرام سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ اس حوالے سے روایت ہے کہ

○ —— حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ فرماتے:

''سعید بن میتب (رضی اللہ عنہ) سے دریافت کرو''۔

○ —— اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ دریافت کیا جاتا تو آپ فرمادیتے:

''جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے معلوم کرو، —— اہلِ بصرہ اگر ان کے فتویٰ پر عمل کریں تو ان کیلئے رخصت ہے''۔

○ —— حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

''حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھو، کیونکہ انہیں مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے ہیں''۔

اس طرح صحابہ کرام علم فتاویٰ اور احکام کیلئے لوگوں کو علماء تابعین کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جبکہ یہ صحابہ کرام ان تابعین کرام کو یقین ومعرفت کے حقائق ونکات سمجھاتے تھے۔ اس معاملے میں تابعین سے بڑھ کر وہ اس کے اہل تھے۔ کیونکہ انہیں وحی الٰہی کی طراوت پہنچی تھی۔ وحی الٰہی کا نزول ان کے سامنے ہوتا تھا۔ علم مجمل ومفصل کی بارشیں ان پر مسلسل برس چکی تھیں، اس لئے:

○ —— ایک جماعت نے ان سے مجمل اور مفصل دونوں علوم سیکھے، اور

www.waseemziyai.com

○ — ایک جماعت نے ان سے فقط مفصل علوم سیکھے، مجمل نہیں سیکھے۔

حالانکہ علم کی اصل بنیاد تو مجمل علوم ہیں، — مفصل علوم تو قلوب کی پاکیزگی، فطری قوت اور کامل استعداد سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ علمی شان خواص کا امتیاز خاص ہے۔

نصیحت وحکمت میں فرق:

اللہ تعالیٰ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں اپنے محبوب اعظم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

○ — اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۝

(پارہ ۱۴: رکوع ۲۲: ۶)

''اے رسول! آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور ان کے ساتھ اس انداز سے بحث کریں جو احسن ہو''۔

○ — قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ ۝ (پ ۱۳: رکوع ۶: ۵)

''آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں تمہیں اللہ کی طرف بصیرت سے بلاتا ہوں''۔

اس راہ پر چلنے والے اور اس دعوت کو قبول کرنے والے قلوب کئی قسم کے ہیں:

○ — کچھ نفوس سرکش اور جامد ہیں، جو اپنی طبیعت اور مزاج کے اکھڑپن پر قائم رہتے ہیں، انہیں اچھی نصیحت اور خوف اور تنبیہ کی حرارت سے نرم کیا جاتا ہے۔

○ — کچھ نفوس پاکیزہ اور پاک طینت (مٹی سے بنے) ہوتے ہیں۔ وہ اپنے قلوب کے موفق اور ہم آہنگ رہتے ہیں۔

لہٰذا جس کا نفس اس کے قلب پر غالب ہوتا ہے، اسے نصیحت کے ذریعے دعوت دی جاتی ہے، — اور جس کا قلب اس کے نفس پر غالب ہوتا ہے، اسے حکمت کے ذریعے بلایا جاتا ہے۔

جو دعوت نصیحت وموعظت کے ذریعے تھی اسے نیک بندوں نے قبول کیا۔ یہ دعوت اسلام وہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، — قبولیت میں جنت کا انعام ہے اور عدم قبولیت کی سزا جہنم ہے، — اور جو دعوت حکمت کے ذریعے تھی اسے مقرّبین بارگاہ الٰہی نے قبول کیا۔ یہ وہ دعوت ہے جس میں قربِ الٰہی کی عطا ہے، صفائے معرفت اور توحید کے اشارے ہیں، — ان حضرات نے جب حقانی اشاروں اور ربّانی تعریفات کو ملاحظہ کیا تو انہوں نے نہ صرف اپنے نفس کے ساتھ بلکہ جان و دل سے اس دعوت کو قبول کیا۔ وہ اس طرح کہ:

○ — ان کے نفس نے زبانی اتباع کر کے اس دعوت کو تسلیم کیا،

○ — ان کے دل نے اعمال کے ذریعے اس کی تائید کی،

○ — ان کی روحوں نے صاحبِ حال بن کر قبولیت کا ثبوت دیا۔

اس طرح صوفیاء کرام نے دعوت اسلام کو مکمل طریقے سے قبول کیا۔ (یعنی انہوں نے اقوال، اعمال اور احوال کی متابعت

www.waseemziyai.com

حاصل کرلی۔) —— غیر صوفیاء کی قبولیت کلّی طور پر نہیں ہے یعنی بعض میں متابعت پائی گئی، —— حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ صہیب (رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائے۔ اگر انہیں اللہ کا خوف نہ ہوتا، اس صورت میں بھی وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرتے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں تحریری طور پر بھی دوزخ کے عذاب سے امان کی سند دے دی جاتی تو اس حالت میں بھی وہ الٰہی عظمت کے عرفانِ کامل کی بدولت حق بندگی کے فرائض ضرور بجالاتے۔ کیونکہ انہوں نے عظمتِ الٰہی کے حقوق کی معرفت کو پالیا تھا۔

لہٰذا صوفیاء کرام نے دعوتِ حق کو اسی طرح قبول کیا جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کی بات تسلیم کرنے میں لذت اور سکون محسوس کرتا ہے۔ —— غیر صوفیاء کیلئے یہ دعوتِ حق زحمت اور مجاہدہ ہے۔ بہر حال استقامت اختیار کرنے اور حق عبودیت کو مکمل طور پر بجالانے کیلئے اثرات اس پر ایک عرصہ کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ (عبودیت کے قیام پر غیر صوفی صرف چند ساعتوں کیلئے ثابت قدم رہ سکتا ہے اسے ہمیشگی نہیں دے سکتا۔)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ○ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ○ (پارہ ۳۰، سورہ اللیل)

''جس نے بخشش کی، تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی، تو ہم اسے آسانی عطا کریں گے''۔

بعض صوفیاء کرام نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ یہ وہ ہے جس نے دونوں جہانوں کو بخشش میں دیا اور (دنیا کی) کسی چیز کی طرف توجہ نہ دی، برائیوں اور بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرتا رہا، اور نیک باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے قربِ الٰہی کی طلب پر اصرار کیا۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، —— اس آیت کی اس طرح سے بھی تاویل کی گئی ہے:

جس نے ہمیشہ اچھے عمل کرتے ہوئے بخشش کی۔ وسوسوں اور نفسانی خیالوں سے پرہیز کیا، نیک بات کی اس طرح تصدیق کی کہ وجود کی آلائشوں کی مزاحمت سے مقام شہود کو پاک وصاف رکھا، اور باطنی طاقت کا ہمیشہ ساتھ دیا، —— اس حال میں اس کی راہ آسان کردیں گے۔ یعنی عملی زندگی گزارنے اور انس ومحبت میں رہنے کیلئے ہم اس پر آسانی کا دروازہ کھول دیں گے۔

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ○ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○ (پارہ ۳۰، سورہ اللیل)

''اور جس نے عمل کرنے میں بخل کیا اور بے پروائی برتی، (کیونکہ وہ احوال سے بھر گیا تھا۔) اور اچھی بات کو جھٹلایا (چونکہ بصیرت نہ ہونے کے باعث اِدھر اُدھر پھر رہا تھا اس لئے وہ ملکوت میں نہیں تھا)''۔

عمل کرنے میں بجائے سہولت دینے کے اس کیلئے دشواریاں کھڑی کردیں گے، کاموں میں آسانی کا دروازہ بند کردیں گے،

www.waseemziyai.com

تساہل اور سستی طاری کر دیں گے۔

کسی صالح کا ارشاد ہے:

"اللہ کسی بندے کے ساتھ جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر (نیک) عمل کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اور سستی کا دروازہ کھول دیتا ہے"۔

بہرحال صوفیاء کرام کے نفوس وقلوب اور ارواح نے دعوت حق کو جب ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے قبول کر لیا تو ان کے حصہ میں علم ومعرفت کثرت سے آئے۔ اس طرح سے ان کا علم کامل ہو گیا۔ اور اس کی بدولت ان کے اعمال بھی سب سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہو گئے۔

قوی یقین اور ضعیف یقین والے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

"مجھے دو ان آدمیوں کے بارے میں اپنی رائے بتائیے کہ جن کے خیالات مختلف ہیں:

○ — پہلا شخص بہت زیادہ عبادت کرتا ہے، اس کے نیک اعمال بہت زیادہ ہیں، — گناہ بہت ہی کم ہیں۔ مگر اس کا ایمان کمزور ہے، یقین ضعیف ہے۔ — اسے اکثر شک وشبہ لاحق رہتا ہے"۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس کا شک اس کے اعمال کو ضائع کر دے گا"۔

اس کے بعد اس آنیوالے نے دوسرے شخص کے بارے میں پوچھا:

○ — "اب آپ اس شخص کے بارے میں بتائیے جس کے نیک اعمال کم ہیں، — گناہوں کا بہت ارتکاب کرتا ہے، اس کے باوجود اس کا ایمان بہت مضبوط اور یقین قوی ہے"۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش رہے، تو سائل نے از خود رائے دیتے ہوئے کہا:

"اگر پہلے آدمی کا شک اس کے نیک اعمال کو ضائع کر سکتا ہے تو اس دوسرے آدمی کا قوی یقین اس کے گناہوں کو بیکار کر سکتا ہے"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا:

"میں نے اس شخص سے بڑھ کر کسی کو فقیہہ (سمجھدار) نہیں دیکھا"۔

یقین عمل سے افضل ہے:

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں، ان میں یہ بھی تھی کہ:

"اے بیٹا! یقین ہی عمل کی بنیاد ہے۔ یعنی عمل کرنے والا اپنے یقین کے مطابق ہی عمل کرتا ہے، — اور کوئی عمل کرنے والا اپنے عمل میں اس وقت تک کوتاہی نہیں کرتا جب تک اس کے یقین میں شک نہ آ جائے"۔

www.waseemziyai.com

چنانچہ یقین عمل سے افضل ہے کہ اس یقین نے اسے عمل کی ترغیب وتحریک دی، لہٰذا:

○ —اگر یقین اسے عمل کی ترغیب وتحریک نہ دیتا تو وہ عبودیت (اللہ کی بندگی) کا ارادہ نہ کرتا (ذریعہ نہ بنتا) اور

○ — اگر یقین اسے عبودیت کی ترغیب وتحریک نہ دیتا تو وہ ربوبیت کا حق ادا کرنے کیلئے قیام نہ کرتا۔

چنانچہ یہ سب باتیں اور کامل یقین اور معرفت صرف صوفیاء کرام اور زاہد علماء ہی کو میسر ہیں، اس لئے اس سے نہ صرف صوفیاء کرام اور زاہد علماء کی فضیلت بلکہ ان کے علم کی برتری بھی ثابت ہوتی ہے۔

ایک زاہد عالم کی غیر زاہد عالم پر فضیلت:

اب ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے ایک زاہد و عارف عالم کی فضیلت غیر زاہد علماء پر ثابت اور واضح ہو جائے گی، — ایک عالم ایک محفل میں آیا۔ اور اس جگہ پر بیٹھ گیا جو اس کی علمی حیثیت کے شایانِ شان تھی، — اس کے بعد اس کے پائے کا ایک اور عالم بھی آیا، اور وہ اس سے اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر پہلے عالم کی حالت بڑی بری ہوئی۔ اسے یہ سب بڑا گراں گزرا۔ دنیا اس پر تاریک ہوگئی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس عالم پر جھپٹ پڑتا۔

اس طرح اس کے ساتھ یہ واقعہ ہوگیا، — اور ایک ایسا پوشیدہ مرض لاحق ہوگیا جس کی اسے ذرہ بھی خبر نہ ہوئی، — جبکہ اس کے خیال میں اسے ایسی کوئی بیماری نہیں جس کیلئے علاج کی ضرورت ہو، — اس نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی کہ اسے لاحق ہونے والے مرض کا سبب کیا ہے، — کاش اسے معلوم ہوتا کہ:

> ''یہ اس کی نفسانیت کا جوش ہے، جس کے باعث وہ اپنی جہالت کا مظاہرہ کر رہا ہے، — یہ جہالت اس کے کبر و غرور کی وجہ سے پیدا ہوئی، — اس کبر و غرور کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں سے بہتر اور اعلیٰ سمجھتا ہے''، —

لہٰذا جب انسان یہ سمجھنے لگے کہ وہ دوسرے سے بڑھ کر ہے تو یہ کبر و غرور کہلاتا ہے۔ اور اس خیال کا عملی مظاہرہ تکبر ہے۔ لہٰذا جب اس نے دوسرے عالم سے دل ونظر میں تنگی محسوس کی تو اس سے عملی طور پر تکبر ظاہر ہوا۔

زاہد عالم کا عمل تواضع سے آراستہ ہے:

صوفی وزاہد عالم کی مثال اور ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابل اپنی کسی امتیازی شان کا اظہار نہیں کرتا۔ نہ کسی محفل میں اپنے آپ کو ممتاز مقام ومرتبہ کے لائق سمجھتا ہے، — اس اعتبار سے صوفی وزاہد عالم اس سے افضل ہے۔

اگر خدانخواستہ وہ اس قسم کے واقعہ سے دوچار ہو جائے اور دوسرے کے مقدم و برتر ہونے پر دل گرفتہ ہو جائے تو یہ غلبۂ نفس کی علامت ہے۔ اور اسے روحانی بیماری تصور کیا جائے گا، — اگر مرض کا سلسلہ دراز ہو جائے، اس کے علاج میں سستی اور کوتاہی کی جائے تو یہ اس کے ''حال'' کا گناہ شمار کیا جائے گا۔ اس کے اس مرض کی اطلاع بلاتاخیر اللہ کے حضور دی جائے گی، — نفس کے غالب آنے کی فریاد لے کر قلب اللہ کے حضور جائے گا۔ اس وقت توفیق الٰہی شامل حال ہوگی اور اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی۔

غلبۂ نفس کے عارضہ کا قلع قمع کیا جائے گا تاکہ آئندہ اسے اپنے سے بلند جگہ پر بیٹھنے والے کے بارے میں کوئی دلی تنگی نہ محسوس ہو،

www.waseemziyai.com

بلکہ وہ موجودہ گناہ (دلی تنگی کا مظاہرہ) کا کفارہ ادا کرے۔ اس روحانی بیماری کیلئے یہ عمل کیا جائے کہ جو شخص اس سے اونچی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا تھا، اس کے ساتھ تواضع وانکساری کے ساتھ پیش آئے۔

اس مثال سے دونوں طرح کے علماء میں فرق واضح ہوگیا، اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے اور اس مقام پر اپنے نفس کا جائزہ لے تو عام لوگوں کے نفوس کی طرح اس کا نفس بھی دنیاوی مناصب کا طالب ہوگا، ـــ ایسی صورت میں اس عالم اور ایک جاہل میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

اس قسم کے مسائل اگر ہم کثیر مثالیں پیش کریں تو زاہد و درویش عالم کی فضیلت اور دنیادار علماء کی خامیاں سامنے آ سکتی ہیں۔ مگر ایسا کرنا لوگوں کیلئے تکلیف کا باعث ہوگا۔

جب تصوف کے ابتدائی اصولوں کا یہ حال ہے تو اس کے نفیس ترین علوم اور ان کے اعلیٰ احوال کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے بلند معیار کے ہوں گے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۴:

صوفیاء کے مختلف طریقے اور ان کے احوال

دل کو کینہ سے پاک رکھنا سُنتِ نبوی ہے:

شیخ ضیاء الدین ابو احمد عبدالوہاب بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف راویوں سے بالا سناد حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے میرے فرزند! اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو صبح و شام زندگی کو ایسے گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کوئی کینہ نہ ہو، تو ایسا کر گزرو" — پھر ارشاد فرمایا: "یہ میری سُنّت ہے۔ جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا، اس نے گویا مجھے زندہ کیا، — اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا" —

یہ سب سے عظیم شرف اور کامل ترین فضل ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو آگاہ فرمایا جو آپ کی سُنّت مبارکہ کو زندہ کرتا ہے۔ — چنانچہ شرف و فضل کی یہ نعمت صرف صوفیاء کرام کو حاصل ہے جنہوں نے اس سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کیا۔ کیونکہ ان کے دل کینہ و کھوٹ اور سے پاک ہیں۔ ان کے عمل کی اساس احسن ہے اور ان کی جوہر شناسی اور پرکھ کا سب سے بڑا معیار یہی سُنّت پر مداومت ہے۔

سنت کو زندہ کرنے میں کامیابی کا راز:

صوفیاء کرام اس سُنّت کو اس لئے زندہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اس کے واجب حقوق ادا کر سکے ہیں کہ انہوں نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی، دنیا کو دنیاداروں اور اس کے چاہنے والوں کیلئے چھوڑ دیا۔ کیونکہ دنیا کی محبت اور جاہ پرستی کے نتیجے میں ہی کینہ اور نفاق پروان چڑھتے ہیں۔ صوفیاء کرام نے ان سے بے رغبتی اور بے پروائی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ بعض صوفیاء نے ارشاد فرمایا:

"ہمارا طریقہ انہی کی اصلاح اور بہتری کیلئے ہے جنہوں نے اپنی روحوں کی غلاظت کو اس کے کوڑے کے ڈھیر سے جھاڑ و دے کر پاک صاف کیا ہو، —

جب ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور جاہ پرستی دور ہوگئی تو ان کے صبح و شام میں ان کے دلوں میں کسی کیلئے بھی کینہ و
۱ بغض نہ رہا" —

یہ جو کہا گیا ہے کہ انہوں نے روح کی غلاظت کو اس کے کوڑے کے ڈھیر سے جھاڑو دے کر پاک و صاف کیا ہو — تو ان

www.waseemziyai.com

الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں میں تواضع وانکساری انتہائی درجے کی ہے، وہ اپنی ذات کو دیگر مسلمانوں سے بلند تر نہیں سمجھتے بلکہ اپنی ذات کو کمتر سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے ان کے دلوں سے کینہ اور نفاق جاتے رہے۔

یہی تزکیۂ نفس ہے:

ایک بار بعض فقراء نے ہمارے ساتھی درویشوں سے کہا کہ یہ جو بات مشہور ہوئی کہ انہوں نے اپنی روحوں کی غلاظت کو کچرا گھر سے پاک صاف کیا، —— اس میں کچرا گھر سے مراد نفوس ہیں۔ کیونکہ وہی ہر گندگی اور نجاست کا ٹھکانہ ہیں جس طرح کہ غلاظت کا ڈھیر ہوتا ہے۔ یہ غلاظت روحانی نور کے ذریعے جھاڑ و دے کر صاف کیا جاتا ہے جو ان کے نفوس تک پہنچتا ہے۔ صوفیاء کی روحیں چونکہ قربِ الٰہی کے مقام پر ہوتی ہیں، انکا نور جب نفوس میں سرایت کرتا ہے تو نور کے روح سے ملنے سے نفس بالکل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اس میں سے کینہ، نفاق، بغض، فریب اور حسد جیسی تمام خراب چیزیں نکل جاتی ہیں۔ گویا اس میں روح کے نور سے جھاڑ و دے دی گئی ہے۔

یہ جو مطالب بیان کئے گئے ہیں بالکل صحیح ہیں، اگر چہ قائل کی مراد یہ نہ ہو۔

اہلِ جنت اور عام لوگ:

اہلِ جنت کے بارے میں ارشاد باری ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ٥ (پارہ ۱۴، رکوع ۴:۲)

"اور ہم نے ان کے سینوں سے کینہ نکال دیا ہے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے بیٹھے ہیں"۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جو قلوب اللہ کی ذات سے مانوس، اس کی محبت پر متفق، اس کی مودت پر متحد اور اس کے ذکر سے محظوظ ہوتے ہیں، ان میں کینہ اور حسد کیسے باقی رہ سکتے ہیں، —— بے شک یہ قلوب نفسانی خواہشات اور طبائع کی تاریکیوں سے پاک ہیں۔ ان کی آنکھیں نورِ توفیق سے چمکتی ہیں۔ اس لیے وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے"۔

ان کے برعکس عام لوگوں کی نفسانی خواہشات سُنّت کے خلاف حجاب بن گئی ہیں۔ اس لیے وہ ربانی اور عملی اور روحانی طریقوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کو زندہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب نفس کی صفات بدل جائیں گی، اس وقت حجاب اُٹھ جائے گا۔

صوفیاء کرام کے نفوس کی صفاتِ قولی اور فعلی طور پر جب سُنّتِ نبوی کو زندہ کرنے کی اہلیت سے ہمکنار ہو گئے تو ان کے نفوس کی صفات بدل گئیں اور ان سے حجاب اُٹھ گیا۔ ایسے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اور ہر قدم پر آپ کی متابعت وقوع پذیر ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرنے لگے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ٥ (پارہ ۳، رکوع ۱۲:۱)

"آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع (پیروی) کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

www.waseemziyai.com

رسول اللہ ﷺ کی اتباع اللہ سے محبت کی نشانی ہے:

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت کی نشانی قرار دیا، بلکہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کے بدلے میں اللہ نے بندے کے لیے اپنی محبت رکھی ہے، جو شخص رسول اللہ ﷺ کی جتنی زیادہ اتباع کرے گا، اسے اللہ کی محبت اسی قدر زیادہ نصیب ہو گی۔

صوفیاء کرام ہی مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو اتباعِ رسول ﷺ میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئی۔ انہوں نے آپ کے فرمودات کی مکمل پیروی کی۔ آپ ﷺ نے جو جو کچھ کرنے کے لیے حکم ارشاد فرمایا، انہوں نے ہر ایک پر ثابت قدمی سے عمل کیا، اور جس جس کام کے کرنے سے منع فرمایا، وہ ان سب کے کرنے سے باز رہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (پارہ ۲۸، رکوع ۴:۹)

''رسول ﷺ جو کرنے کا تمہیں حکم دیں، اس پر عمل کرو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو''۔

چنانچہ صوفیاء کرام نے کثرتِ عبادت، تہجد و دیگر نوافل، نماز، روزہ میں آپ ﷺ کی اتباع کی، — آپ ﷺ کے اقوال و افعال میں اتباع کی برکت سے آپ کے اخلاق سے بھی بہرہ ور ہو گئے، — ان میں حیاء، حلم، عفو و درگزر، شفقت و محبت، نرمی و خیرخواہی اور تواضع جیسے خصائل پیدا ہو گئے، — نیز آپ ﷺ کے احوال و کیفیات کا کثیر حصہ عطا ہوا۔ ان میں خوفِ الٰہی، سکینہ (سکونِ کلی)، ہیبت و تمکنت، تعظیم و تسلیم و رضا، صبر و زہد و توکل جیسے نعائم شامل ہیں۔ اس طرح سے انہوں نے اتباعِ رسول کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا اور آپ ﷺ کی سنّت کو زندہ کر کے اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔

صوفی کون ہے؟:

حضرت شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ [۱] سے کسی نے پوچھا:

''آپ کے خیال میں صوفی کون ہے؟'' — آپ نے ارشاد فرمایا:

''وہ لوگ صوفی ہیں، جو اپنی عقل و فہم کے ذریعے سنّتِ نبوی کو بخوبی سمجھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے کے لیے تہہ دل سے متوجہ ہوں، — نفس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اپنے آقا سے طلب گار ہوں'' —

یہی صوفی کی جامع اور مکمل تعریف ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ بھی اپنے مولیٰ کے نیاز مند تھے اور فرمایا کرتے:

''یا اللہ! تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے نفس کے حوالے نہ کر، بلکہ میری اس طرح سے حفاظت کر جیسے ایک چھوٹے بچے کی حفاظت کی جاتی ہے''۔

اتباع میں نیاز مندی ہی کامیاب کرتی ہے:

اتباعِ رسول میں ایک صوفی کو جو زبردست کامیابی حاصل ہوتی ہے، ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کے حضور میں ہمیشہ نیاز مند

---

[۱] — حضرت شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور انہیں سے خلافت پائی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۷۶ھ میں وصال ہوا اور بصرہ میں تدفین ہوئی۔

www.waseemziyai.com

رہتا ہے۔اور ہمیشہ اس کا سائل رہتا ہے،۔۔۔ اللہ کا مخلص سائل وہی ہوسکتا ہے جس کا باطن معرفت کی صفائی سے صاحب کشف بن گیا ہو،اور جس کا سینہ نورِ یقین سے روشن ہو گیا ہو۔اس کا دل بساطِ قربِ الٰہی تک جا پہنچا ہو۔اس کا باطن اللہ کی ہم کلامی کی لذت سے خلوت نشین ہو گیا ہو،۔۔۔ اس صورت میں اس کے نفس کی حیثیت ان چیزوں کے درمیان ایک محکوم قیدی کی سی رہ جاتی ہے۔ (ہر حال میں حکم الٰہی کی تعمیل کرتا ہے۔)،۔۔۔ اس تمام ربط وضبط (جو کمال اسے حاصل ہو گیا ہے) کے باوجود صوفی اپنے نفس کو ہر آفت و بُرائی کا مرکز سمجھتا ہے۔اس سے آگ کی طرح ڈرتا ہے۔اس لیے کہ اگر اس کی ایک بھی چنگاری باقی رہ جائے تو وہ ساری دنیا کو جلا کر رکھ دے۔ یہ چنگاری (نفس کی بُرائی) بہت جلد پلٹ سکتی ہے، بدل سکتی ہے۔اس میں بڑی سُرعت سے آگ بن جانے کا امکان ہوتا ہے۔

بہر حال یہ اللہ کریم کا خاص لطف وعنایت ہے کہ اس نے ایک صوفی کو ان سب چیزوں کی پہچان کرائی،اور بڑی حد تک ان کا اسی طرح سے انکشاف کرایا جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ پر کشف فرمایا گیا تھا۔یعنی نفس کی شرارتوں سے کسی قدر مطلع کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ صوفی ہمیشہ اپنے مولیٰ کے پاس نفس کی شرارتوں کی فریاد کرتا رہتا ہے۔یوں کہیں کہ نفس بندے کے لیے ایک تازیانہ ہے جس کی شرارت سے تنگ آ کر وہ بارگاہِ الٰہی میں صدق دل سے التجا و دعا کرتا ہے اور معرفت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

اسی طرح صوفی نفس کے مطالعہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں رہتا۔جیسا کہ وہ اپنے رب سے کسی لمحے غافل نہیں ہوتا۔ یعنی وہ ہر وقت اللہ کے پاس موجود رہتا ہے۔یوں اللہ تعالیٰ نے نفس کی معرفت کو اپنی معرفت کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ .

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا،اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

نفس کی معرفت اور رب کی معرفت ایسا ربط وضبط ہے جیسا کہ رات کے پہچان لینے کے بعد دن کی پہچان کی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سُنّت کو صوفی ہی زندہ کرتا ہے:

رسول اکرم ﷺ کی اس سُنّت کو اس صوفی اور درویش کے سوا اور کون زندہ کرسکتا ہے جو راہِ تقویٰ پر مضبوطی کے ساتھ چل رہا ہے،۔۔۔ صوفی کے سوا کون ایسا ہے جو اس کے جذبہ اور اس کی کیفیت کو جان سکے۔ کیونکہ اس کی دائمی نیازمندی اسے بارگاہِ الٰہی سے ہمیشہ وابستہ رکھتی ہے اور اسے پناہ بھی دیتی ہے۔اس کی پناہ میں اس کی روح پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔قلب مقام دعا کا طالب ہوتا ہے۔ایسے میں قلب کی کشش، زبانِ قلب سے مقامِ دعا کی طرف ہوتی ہے۔اس صورت میں نفس اپنے فانی مرکز سے ہٹ جاتا ہے، وہ علمی مدارج میں داخل ہو جاتا ہے۔اللہ کی پشت پناہی اور حفاظت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے،۔۔۔ یہ اللہ کی حسنِ تدبیر کا ثمرہ ہے کہ اس طور سے انسان کا نفس نظم وضبط میں آجاتا ہے، اور وہ کینہ و نفاق، حسد و عداوت اور تمام ہیچ اخلاقی بُرائیوں سے محفوظ رہتا ہے،۔۔۔ ہر صوفی کا ایسا ہی حال ہے۔

www.waseemziyai.com

صوفیاء کرام کی دو جماعتیں:

صوفیاء کرام کے احوال پر دو چیزیں حاوی ہیں، دونوں ہی صوفیاء کے اوصاف ہیں۔ اس ارشادِ باری میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ۝ (پارہ ۲۵، رکوع ۴:۳)

''اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے، اسے ہدایت دیتا ہے''۔

اس آیت مبارک کے مطابق صوفیاء کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں:

○ ـــــ ایک جماعت وہ ہے جسے اللہ نے محض برگزیدہ بنایا ہے، اور

○ ـــــ دوسری جماعت وہ ہے جسے اس شرط پر ہدایت دینے کا وعدہ کیا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

جنہیں اللہ نے برگزیدہ بنایا ہے، اس میں ان کی اپنی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ اس کے محبوب اور پیارے بندے ہیں، جنہیں محض اللہ کی بخشش اور عنایت سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں ان کی کسی سابقہ محنت و مشقت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ انہیں علمی ریاضت سے پہلے ہی کشف حاصل ہو جاتا ہے، ـــــ چنانچہ صوفیاء کی ایک جماعت کا یہی حال ہوا۔ ان کے دلوں سے حجابات اُٹھا دیئے گئے، ـــــ ایمان اور یقین کے نور کی چمک جلوہ گر ہوئی۔ جس نے ان کی علمی قوت کو تیز تر کر دیا، اور ان کی زندگی کو اعمال سے لذت آشنا کیا۔ اس روحانی زندگی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملی۔ جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں کو ایک واقعہ کی بدولت یک دم ایسا عرفانِ الٰہی نصیب ہوا کہ وہ فرعون کے عذاب اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے:

لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ۝ (پارہ ۱۶، رکوع ۱۹:۱۲)

''ہمیں جو کھلے دلائل ملے ہیں، ہم تجھے کبھی ان پر ترجیح نہیں دیں گے''۔

اس بارے میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب فرعونی جادوگروں کو عنایاتِ ازلی کی ہوائیں لگیں تو وہ سجدۂ شکر میں گر پڑے، اور کہنے لگے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔

''ہم سب عالموں کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں''۔

اہلِ خالصہ سے مراد برگزیدہ بندے ہیں:

حضرت ابوزرعہ طاہر بن ابی الفضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت ابوموسیٰ دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے ابوسعید الخزار[۱] سے یہ سنا ہے:

---

[۱] ـــــ شیخ ابوسعید الخزاز کا اسم مبارک احمد بن عیسیٰ ہے۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت ذوالنون مصری، ابوعبید السیری اور سری سقطی رحمہم اللہ علیہم اور کئی معروف مشائخ کی صحبت پائی۔ علم تصوف میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ علم فنا و بقا کا درس سب سے پہلے آپ ہی نے دیا۔

www.waseemziyai.com

''اہلِ خالصہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ ان پر اپنی نعمتیں تمام کردیں۔ ان کے لیے کرامت مہیا کی اوران سے طلبِ حقیقت کی حرکات (خواہشیں) ساقط کردیں۔ ان کی خدمت اوران کا کام اب صرف یہی رہ گیا ہے کہ وہ ذکر وعشق اوراس کی مناجات سے لطف اندوز ہوں، اوراس کے قرب میں رہ کر انفرادیت و یکتائی پائیں''۔

مذکورہ بالا اسناد کے مطابق حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردہ فاطمہ جو جوریہ کی عرفیت سے مشہور ہیں، نے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے شیخ خراز کو یہ فرماتے سنا ہے:

''مرشد کامل زبردست صاحبِ حال ہوتا ہے، اللہ اس کی حرکات وخدمات میں اس کی مدد فرماتا ہے، اوروہ شواہد ونواظر سے محفوظ رہتا ہے''۔

حضرت ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا ہے، صوفیاء کرام کی ایک جماعت پر اس کی حیثیت مشکوک ہوگئی ہے۔ اس لیے وہ کثرتِ نوافل کے قائل نہیں ہوتے۔ انہوں نے مشائخ کی ایک جماعت دیکھی جو نوافل کم پڑھتی تھی۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ان مشائخ کا یہ عام معمول ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ جن مشائخ نے نوافل ترک کردیئے اور فرائض پر اکتفاء کیا ہے، یہ ان کی راہِ طریقت میں ابتدائی حالت تھی جو مریدوں کی طرح ہوتی ہے۔ ترقی کرتے ہوئے جب وہ صاحب حال ہوگئے، اور ریاضت کے بعد انہیں کشف حاصل ہوا تو وہ ''حال'' کی کیفیات سے مالا مال ہوگئے۔ تب انہوں نے اعمال میں نوافل ادا کرنا چھوڑ دیئے۔ جبکہ جو مرشد کامل (یعنی محبوب مراد) ہیں، ان کے نوافل بدستور برقرار رہے، انہی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اوردل کا سرور ہے۔ یہ لوگ دیگر لوگوں سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔

طریقۂ مریدین:

صوفیاء کرام کی دو جماعتوں میں سے ایک کا طریقہ، طریقہ مرشدین کا ہے جو ابھی مذکور ہوا، دوسری جماعت کا طریقہ، طریقہ مریدین کا ہے، جن کے لیے رجوع ہونے کی شرط رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○

''اور اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے''۔

کشف سے پہلے ان سے ریاضت کا مطالبہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط ○

''جو ہماری راہ میں کوشش ومجاہدہ کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنی راہ دکھلائیں گے''۔

یہی کشف سے پہلے کا مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں اور مجاہدے کو کشف کے درجات میں تقسیم کرتا ہے۔ ان مدارج میں ہر طرح کی ریاضت اورمحنت شامل ہے۔ جن کی اللہ ان سے مشق کراتا ہے، ـــــ وہ تاریک راتوں میں بیدار رہتے ہیں۔ دوپہر کی گرمی میں پیاسے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر طلب اور شوق کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ ان کوششوں کی راہ میں کامیابی کے انوار حجاب میں ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ عقیدت وارادت کی گرم ریت میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ ہر عادت اور مانوس سے تعلق ختم

www.waseemziyai.com

کرنا پڑتا ہے۔اسی کا نام انابت ہے۔ان کی کامیابی اسی انابت سے مشروط ہے۔یہی وہ شرط ہے جسے بجالانے پر ہی انہیں ہدایت مل سکتی ہے۔ یہ ہدایت خاص ہے، جس سے خاص افراد ہی فیض یاب ہوتے ہیں، —— یہ خاص ہدایت، اس عام ہدایت سے قطعی مختلف ہے جو امر و نہی کے ذریعے ملتی ہے۔

خاص ہدایت:

یہ خاص ہدایت عاشق صادق اور سالک طریقت مرید کا حال ہے۔اس کی انابت اور توجہ عام ہدایت سے ہٹ کر ہے، جو ہدایت خاص کی صورت میں ملتی ہے۔ یہ ہدایت اسے زبردست ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، —— وہ عسر (مشکلات) کی تنگ وادی سے نکل کر یسر (آسانی) کی وسیع فضا میں پہنچتا ہے۔ ریاضت و مجاہدے کی سوزش سے نجات پا کر احوال کی پُرسکون فضا میں آرام و سکون پاتا ہے۔اس طرح صاحبِ کشف ہونے سے پہلے اسے ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ یہ طریقہ مریدین کا ہے۔مگر جو لوگ مراد (مرشد کامل) ہیں، انہیں ریاضت و مجاہدہ سے پہلے ہی کشف حاصل ہو جاتا ہے۔ (یہی دونوں جماعتوں کا فرق ہے۔)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف:

شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف راویوں سے بالاسناد ابومحمد الجریری رحمۃ اللہ علیہ[۱] کی زبانی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے:

"ہم نے تصوف کا علم قیل و قال کے ذریعے حاصل نہیں کیا، بلکہ دنیا اور اس کی لذتیں اور انسانی مرغوب چیزیں چھوڑ کر اور بھوکے رہ کر تصوف کی تعلیم حاصل کی ہے"۔

مرید کون ہے؟:

حضرت شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ[۲] نے ارشاد فرمایا:

"ارادہ یعنی مرید ہونا مقصد کی طلب کے لیے دلی توجہ کا نام ہے، —— اور ارادے کی حقیقت یہ ہے کہ جدوجہد مسلسل کی جائے اور راحت کو ترک کر دیا جائے"۔

جبکہ شیخ ابوعثمان الجیری رحمۃ اللہ علیہ[۳] کا قول ہے:

---

۱ —— ابومحمد الجریری رحمۃ اللہ علیہ کا نام احمد بن محمد بن الحسین ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ انہی سے خلافت پائی، انہی کے جانشین ہوئے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی فیض پایا۔ ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲ —— شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ شیراز کے رہنے والے تھے، جبکہ آپ کی والدہ کا تعلق نیشاپور سے تھا۔ حضرت شیخ رویم جویری، ابن عطاء اور دیگر کئی مشائخ کی صحبت پائی۔ ظاہری و باطنی علوم کے پائے کے عالم تھے۔ ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

۳ —— شیخ ابوعثمان الجیری کا نام سعید بن اسماعیل ہے۔ نیشاپور سے تعلق تھا، شیخ یحییٰ بن معاذ الرازی اور شاہ شجاع الزمانی کی صحبت پائی۔ بعدازاں شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا۔ یکتائے زمانہ تھے۔ نیشاپور میں تصوف کا فروغ آپ ہی کے دم قدم سے ہوا۔ نیشاپور میں ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

''مرید (صادق) وہ ہے جس کے قلب سے اللہ کے سوا ہر چیز کی خواہش مر چکی ہو، وہ صرف اللہ کو چاہتا ہے، وہ صرف اسی کے قرب کا طالب و مشتاق ہوتا ہے، ــــ اپنے پروردگار سے اس کا دلی تعلق اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ اس کے دل سے دنیا کی ہر خواہش مٹ چکی ہو''۔

○ ــــ دوسرا طریقہ اس عابد و مجتہد کا ہے جو ریاضت و مجاہدہ کرنے کے بعد کشف کے درجہ تک نہیں پہنچا۔

صوفیاء کرام کے نزدیک یہ دونوں طریقے اسی وقت صحیح ہو سکتے ہیں کہ ان میں حسنِ متابعت اُجاگر ہو۔ اسی لیے صوفیاء اس حسن متابعت کے نہ ہونے کی وجہ سے ان طریقوں سے الگ تھلگ ہیں۔ جس نے یہ خیال کیا کہ وہ متابعت کے بغیر کامیاب ہو جائے گا تو وہ فریب کا شکار ہو گیا اور پیچھے رہ گیا۔

سنت کی پابندی:

○ ــــ شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالا سناد شیخ ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان ذکر فرمایا:

''جو باطن ظاہر کے خلاف ہو، ناچیز اور مردود ہے''۔

○ ــــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہمارا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ملا ہوا اور گُتھا ہوا ہے''۔

○ ــــ کسی شیخ کا قول ہے:

''جس نے اپنے قول و فعل میں اپنے نفس پر سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم کیا، اس نے حکمت کے ساتھ بات کی، ــــ اور جس نے اپنے قول و فعل میں نفسانی خواہشوں کو حاکم کیا، اس نے بدعت کے ساتھ بات کی''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ [1] کے بارے میں ایک حکایت مذکور ہے کہ ایک دن انہوں نے اپنے ہم نشینوں سے کہا:

''چلو آج چل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے''۔

اس شخص کے اپنے گردونواح میں زُہد و عبادت کی شہرت تھی۔ اس لیے ہم اس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ اپنے گھر سے مسجد جانے کے لیے نکلا تو اس نے قبلہ رُخ تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''آؤ لوٹ چلیں''۔

کہتے ہوئے آپ لوٹ آئے اور اسے سلام تک نہ کیا۔ پھر فرمانے لگے:

''جب اس شخص پر سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہونے کے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تو اس کا یہ دعویٰ بھی ناقابل اعتبار ہے کہ وہ اولیاء اور صدیقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہے''۔

---

[1] ــــ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا نام طیفور بن عیسیٰ بن سروشان ہے، ــــ آپ کے دادا سروشان مجوسی تھے، مگر اسلام قبول کر لیا تھا، ــــ حضرت بایزید بسطامی کے دو بھائی آدم اور علی رحمہم اللہ بھی بڑے عالم و زاہد تھے۔ قوس کے شہر بسطام سے آپ کا تعلق تھا۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر نزع کا عالم:

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم سے کسی نے پوچھا:

''تم نے شیخ شبلی کی موت کے وقت کیا کچھ دیکھا؟'' ـــ اس نے کہا:

''جب ان کی موت کا وقت قریب آیا، ان کی زبان بند ہوگئی، پیشانی پر پسینہ آ گیا، انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ انہیں وضو کرادوں۔ چنانچہ میں نے انہیں وضو کرایا، لیکن ان کی داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا، ـــ آپ نے اسی وقت میرا ہاتھ پکڑا اور میری انگلیاں خلال کے لیے اپنی داڑھی میں ڈال دیں''۔

(سبحان اللہ! نزع کے عالم میں اللہ کے ان پیاروں کو سُنّتِ نبوی کو کتنا خیال تھا۔)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہر وہ جذبہ اور وجدانی کیفیت کتاب وسُنّت سے جس کی شہادت نہ ملے، باطل ہے''۔

لٰہذا صوفیاء کرام کا طریقہ اور ان کا حال یہی ہے جو بیان کیا گیا۔ اس صورت کے علاوہ کوئی کسی اور حال کا دعویٰ کرے تو یقیناً وہ جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہے اور گمراہ ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵:

تصوف کی اصل حقیقت

مسکینوں اور صابر فقیروں سے محبت:

حضرت شیخ ابوزرعہ طاہر بن ابی الفضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ جنت کی کنجی مسکینوں اور صابر فقیروں سے محبت کرنا ہے۔ قیامت کے دن یہی لوگ اللہ کے ہم نشیں ہوں گے''۔

لہٰذا فقر تصوف کی اصل حقیقت میں داخل ہے۔ یہ اس کی بنیاد اور لازمی جزو ہے۔

تصوف کے تین خصائل:

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تصوف کے تین خصائل ہیں:

- فقر و محتاجی کو اختیار کرنا،
- سخاوت و ایثار کرنا،
- تعرض (مشغولیت) اور اختیار کو چھوڑ دینا۔

تصوف کیا ہے؟:

- حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جب تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''تصوف یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی قسم کے بغیر رہو''۔

- حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تصوف حقائق کو اختیار کرنے اور لوگوں کی ملکیت چیزوں سے کچھ اُمید نہ رکھنا، اور جو شخص صاحبِ فقر نہیں، وہ صاحبِ تصوف نہیں ہے''۔

فقیر کون ہے؟:

- حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فقیر کی اصل حقیقت کیا ہے؟ تو فرمایا:

www.waseemziyai.com

''فقیر وہ ہے جو حق تعالیٰ کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرے''۔

○ ـــ حضرت ابوالحسین النوری رحمۃ اللہ علیہ [۱] نے ارشاد فرمایا:

''فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو (مفلس ہو) تو مطمئن و پُرسکون ہو، ـــ جب مال ہو تو سخاوت وایثار سے کام لے''۔

○ ـــ ایک اور بزرگ نے فرمایا:

''فقیر وہ ہے جو دولت مندی سے پرہیز کرتا ہے اس ڈر سے کہ دولت اس کے پاس آ کر اس کے فقر کو تباہ نہ کر دے، ـــ جس طرح دولت مند کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں فقر آ کر اس کی دولت مندی کو تباہ نہ کر دے''۔

○ ـــ مندرجہ بالا اسناد کے حوالے سے مظفر القرمیسینی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد منقول ہے:

''فقیر وہ ہے جو اللہ کے سامنے کوئی حاجت نہ پیش کرے''۔

○ ـــ اور فرمایا کہ میں نے ابوبکر المصری رحمۃ اللہ علیہ [۲] سے فقیر کی تعریف پوچھی تو فرمانے لگے:

''فقیر وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو اور نہ کوئی اس کا مالک ہو''۔

یہ جو کہا گیا: ''فقیر اللہ کے سامنے کوئی حاجت نہ پیش کرے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر ہمیشہ اپنی بندگی کے فرائض میں مشغول رہتا ہے۔ اسے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اسے خوب جانتا ہے اور اس کی حفاظت اچھی طرح کرتا ہے، اس لیے اسے اپنی حاجت پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کو اس کے حال کا بخوبی علم ہے، اس لیے وہ سوال و حاجت کرنے کو فضول جانتا ہے۔

فقر و تصوف کے معانی میں اشتباہ:

فقر و تصوف کے بارے میں مشائخ کرام نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے، جن کے معانی و مراد بھی مختلف ہیں۔ اپنی اپنی رائے میں انہوں نے جن احوال کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ اشارے کسی ایک وقت اور حالت و کیفیت کے لیے خاص ہیں، جبکہ دوسرے وقت اور کیفیت سے مختلف ہیں۔ لہٰذا مختلف اقوال میں امتیاز کرنے کے لیے اور ان میں فرق کرنے کے لیے چند قواعد وضوابط اختیار کرنا ہوں گے۔ اس لیے کہ:

○ ـــ اتفاق سے تصوف کے معانی بیان کرتے ہوئے بہت سی آراء ایک ساتھ بیان کر دی گئی ہیں، جو کہ فقر کے منافی ہیں۔

○ ـــ اسی طرح فقر کے معانی بیان کرتے ہوئے بہت سی آراء ایسی پیش کی گئی ہیں جو کہ تصوف کے منافی ہیں۔

---

۱ ـــ ابوالحسین النوری کا نام احمد بن محمد ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد خراسان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت اور پرورش بغداد میں ہوئی۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے۔ حضرت سری سقطی اور محمد بن العقاب کی صحبت پائی۔ ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔

۲ ـــ ابوبکر المصری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد بن احمد بن محمد ابوبکر بن الحداد المصری ہے۔ مختلف النوع علوم وفنون کے ماہر تھے۔ ۳۲۴ھ میں مصر میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ اتنے عابد و زاہد تھے کہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے۔ ابوالحسن البیرونی ابوعلی الکاتب جیسے مشائخ نے آپ کی صحبت پائی۔ متعدد کتب آپ سے یادگار ہیں۔ ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

اس طرح ان کی اصل حقیقت جاننے کے لیے لوگوں کو اشتباہ ہوگیا، لہٰذا ایک جامع تعریف کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کیونکہ فقر کبھی زُہد کے مفہوم میں، اور کبھی تصوف کے مفہوم میں بیان ہوا۔ اس لیے ایک طالبِ حقیقت کے لیے ایک معنی سے دوسرے معنی میں امتیاز کرنا دشوار ہوگیا۔ ان میں امتیاز اور فرق کرنے کے لیے تصوف کی جامع تعریف بیان کی جاتی ہے۔

تصوف کی اصل حقیقت:

تصوف اور فقر و زُہد تینوں مختلف چیزیں ہیں۔ تصوف اور زہد، دونوں غیر فقیر ہیں جبکہ تصوف غیر زُہد ہے، چنانچہ تصوف، فقر و زُہد دونوں کے معانی کا جامع ہے۔ تصوف میں فقر و زاہد کے تمام اوصاف واجزاء موجود ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تصوف میں ایسے اضافی اوصاف بھی ہیں جن کے بغیر کوئی بندہ صوفی نہیں ہوسکتا، خواہ وہ فقیر زاہد کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے بارے میں فرمایا:

"تصوف سراپا آداب کا مجموعہ ہے، اس میں ہر وقت کے لیے ایک ادب ہے، اور ہر حال کے لیے ایک ادب ہے اور ہر مقام کے لیے ایک ادب ہے، ـــ جس شخص نے اوقات کے ان آداب کی پابندی کی وہ مردوں کے درجہ کو پہنچ گیا، ـــ اور جس شخص نے ان آداب کا خیال نہ رکھا، انہیں ضائع کردیا، وہ مقامِ قرب سے دور رہا اور اسے قبولیت کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا:

"ظاہری حسنِ ادب، باطنی حسن ادب کی نشانی ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس کے دل میں خشوع وخضوع ہے اس کے اعضاء بھی خشوع وخضوع والے ہوں گے"۔

شیخ رضی الدین احمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف راویوں سے بالا سناد عبداللہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یہ سنا کہ شیخ ابو محمد الجریری رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

"ہر اعلیٰ اخلاق کو اپنا لینا اور ہر پست اخلاق کو چھوڑ دینا تصوف ہے"۔

جب تصوف کا یہ مفہوم متحقق ہوگیا کہ اس میں اخلاق تبدیل ہوکر اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتے ہیں تو اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تصوف، فقر و زُہد دونوں سے بلند تر ہے، ـــ اسی لیے کہا گیا:

"اپنی فضیلتوں کے باوجود فقر کی انتہا، تصوف کی ابتداء ہے"۔

تاہم صوفیاء ومشائخ ملک شام، تصوف اور فقر میں کوئی امتیاز محسوس نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ درج ذیل ارشادِ باری جو صوفیاء کرام کے بارے میں ہے، اللہ نے ان کا نام "فقراء" رکھا ہے:

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ○ (پارہ ۱۳، رکوع ۵:۷)

"یہ اُن فقراء کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں محصور ہوگئے ہیں"۔

www.waseemziyai.com

فقراور تصوف میں فرق:

اب فقراور تصوف کے بارے میں وضاحت کی جاتی ہے۔۔۔فقراختیار کرکے فقیراسے بہت بڑی فضیلت سمجھتا ہے اوراسے ثروت ودولت مندی پر ترجیح دیتا ہے، کیونکہ اسے علم ہے کہ اللہ نے فقر کا کیا اجروصلہ رکھا ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اُمت کے فقراء دولت مندوں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوں گے، وہاں کا نصف یوم اِس دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہوگا''۔

جیسے ہی انہوں نے آخرت کا بدلہ دیکھ لیا یعنی غیرفانی ثواب (عوض باقی) کی توقع میں فانی دنیا کو چھوڑ دیا ہے اور فقروافلاس کو اختیار کرلیا ہے۔انہیں یہ بھی ڈر ہے کہ اگران کا فقر جاتا رہا تو کہیں ہم سے فقر کی فضیلت اوراس کا اجرنہ جاتا رہے۔

صوفیاء میں یہ طریقہ عبن اعلال (یعنی علّت وسبب کو کام میں لانا) کہلاتا ہے،یعنی انہوں نے فقر کواجر کے سبب اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ ان فقراء نے ہمیشہ فقر کے اجر کو پیشِ نظر رکھا ہے اوراسی وجہ سے دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلی ہے۔

طریقِ صوفیاء، طریقِ فقراء سے الگ تھلگ ہے:

فقیر کیونکہ عوض کی توقع رکھتا ہے اوراسی مقصد کے لیے اس نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی ہے۔مگر صوفی کسی متوقع عوض کے بغیراپنے موجودہ حال اور جذبے کے مطابق تمام چیزوں کو ترک کردیتا ہے۔

فقیر، لذتِ فقر کے حصول کے لیے فقر کی طرف ارادے اوراختیار سے لوٹتا ہے۔ یہ لذتِ فقر، فقر کی طرف لوٹنے کا سبب ہے،۔۔۔جبکہ صوفی کے حال میں صوفی کے ارادے اوراختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔اس کے معاملے میں ارادہ واختیار ایک علّت ہے، وہ تمام اشیاء میں اردۂ الٰہی کے تحت قیام پذیر ہوتا ہے،۔۔۔اسے نہ فقر کی صورت میں فضیلت دکھائی دیتی ہے اور نہ غنا کی صورت میں نظر آتی ہے،اس کے لیے فضیلت اس چیز میں ہے جواسے بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئی ہے۔اس کی توفیق بھی اسے حق تعالیٰ نے بخشی ہے، وہ خود کواسی میں شامل رکھتا ہے، اسے یقین ہے کہ اس کی یہ شمولیت اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے۔

کبھی وہ حکم الٰہی سے فقر کے خلاف آسودہ حال ہوجاتا ہے، اوراس آسودگی میں بھی اپنے لیے فضیلت پاتا ہے۔ کیونکہ آسودگی بھی اللہ ہی کے حکم سے ہے، اس کے اپنے ارادہ واختیار کی وجہ سے نہیں۔ جب وہ آسودگی کی وسعت میں آتا ہے تو اس کی مزید کشادگی کے لیے کوئی کوشش نہیں کرتا۔

آسودگی کی زندگی صرف سچے بندوں کو بسر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، وہ بھی اسی صورت میں جب وہ اذنِ الٰہی کے علم میں پختہ ہوجاتے ہیں۔ ورنہ اس وسعت کے حال میں اکثر لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں۔اور بہت سے مدعی قرب کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ حال جب کسی حال میں مبتلا ہوتا ہے تو اس میں اسے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۝ (پارہ۱۰، رکوع ۲:۱)

www.waseemziyai.com

''تاکہ جو ہلاک ہو وہ کھلی نشانی کے مطابق ہلاک ہو جائے، —اور جو زندہ رہے وہ بھی کھلی نشانی کے مطابق زندہ رہے''۔

اس تفصیلی وضاحت کے بعد تصوف اور فقر میں واضح فرق ظاہر ہو گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فقر، تصوف کی اساس اور اس کا لازمی حصہ ہے۔ یعنی فقر کی راہ اختیار کر کے تصوف کے درجات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ فقر کی بدولت مکمل تصوف وجود میں آ جائے گا۔

فنائیت فی اللہ:

○ —حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تصوف یہ ہے کہ وہ تجھے، تجھ ہی سے مارے اور تجھے اسی سے آپ زندہ کرے''۔

یعنی تمہاری نفسانیت مردہ کر دی جائے، تیرے جینے مرنے میں تیرا کچھ اختیار نہ ہو، —اس کا مفہوم یہ ہے کہ صوفی کا وجود اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، وہ اپنے آپ کو کھو چکا ہے، —اس کے برعکس فقیر و زاہد (اپنے نفس کے ساتھ) اپنی مستقل ہستی رکھتے ہیں۔ اپنے ارادے سے آگاہ ہوتے ہیں اور اپنے علم کے مطابق کام کرتے ہیں، —جبکہ صوفی اپنی معلومات (نفس کا علم) کی طرف مائل نہیں ہوتا، وہ اپنے ارادے سے کام نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔

○ —حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ [1] نے فرمایا:

''صوفی وہ ہے جسے کسی چیز کی طلب نہ تھکائے اور نہ کسی چیز کی ضرورت اور اس کی نایابی اسے پریشان کرتی ہے''۔

(یعنی دنیا کی طلب میں خجل و خوار نہ ہوتا پھرے اور فقر کی حالت میں بے چین و بے قرار نہ ہو۔)

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''صوفیاء نے اللہ کی ذات کو ہر شے پر ترجیح دی ہے، اس لیے اللہ نے بھی انہیں ہر شے پر ترجیح دی ہے''۔

ان کے ایثار کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے (نفس کے) ذاتی علم پر اللہ کے علم کو اور اپنے (نفس کے) ارادے پر اللہ کے ارادے کو ترجیح دی ہے۔

بعض صوفیاء سے کسی نے دریافت کیا:

''میں کس جماعت کی صحبت اختیار کروں؟'' —انہوں نے فرمایا:

''صوفیاء کے پاس! —کیونکہ بُرے کام پر وہ معذرت کر لیتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے کام کی ان کے ہاں کوئی وقعت نہیں، جس کی وجہ سے وہ تمہیں بڑے لوگوں کی طرح سمجھیں اور تمہارے نفس میں غرور اور خود پسندی آ جائے''۔

مگر ایسا علم ہے جو نہ فقیر کے پاس ہے اور نہ زاہد کے پاس۔ اس لیے زاہد و فقیر ترکِ دنیا کو بہت اہمیّت دیتے ہیں۔ وہ دنیاداری کو بُرا جانتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا علم محدود ہے اور ظرف چھوٹا ہے۔

---

[1] —حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم اور کنیت ابوالفیض ہے۔ طبقۂ اولیٰ کے مشائخ سے تعلق تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مصر کے مشہور فقیہہ اور محدث لیث بن سعد سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ آپ کے ذریعے مصر میں روحانی علوم کا فروغ ہوا۔ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

مزید کچھ صوفی کے بارے میں:

بعض مشائخ نے فرمایا:

''صوفی وہ ہے کہ جب اس کے سامنے دو اچھے حال آئیں یا دو اچھی عادتیں آئیں تو وہ بہترین چیز کو اختیار کرے گا، — جبکہ زاہد و فقیر دو اچھی عادتوں میں اچھی طرح سے امتیاز نہیں کرتے بلکہ وہ اچھی عادت سے بھی اسی کو اختیار کریں گے جس کا ترک دنیا سے سب سے زیادہ تعلق ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنے ذاتی علم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

جبکہ صوفی ان کے برعکس اللہ سے رجوع کر کے اس سے التجا کرے گا اور اس کا قرب حاصل کر کے اس کے علم کو جانے گا۔ وہ مناجات و مکالمہ کے بعد مذکورہ بالا دونوں چیزوں میں سے بہتر شے معلوم کرنے کی کوشش کرے گا''۔

تصوف اور مشائخ کرام:

○ — حضرت رویم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ [۱] کا ارشاد ہے:

''تصوف یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کی مرضی اور ارادے پر چھوڑ دیا جائے''۔

○ — حضرت عمرو بن عثمان المکی رحمۃ اللہ علیہ [۲] نے ارشاد فرمایا:

''تصوف یہ ہے کہ بندہ اپنے وقت کے مطابق ہمیشہ افضل کام میں مشغول رہے''۔

○ — ایک صوفی بزرگ کا قول ہے:

''تصوف کا آغاز علم ہے، اس کا اوسط درجہ عمل ہے، — اور اس کا آخری درجہ موہبت (عطایاتِ الٰہی) ہے''۔

○ — یہ بھی کہا گیا ہے:

''تصوف یہ ہے کہ ذکر با جماعت ہو، سماعت پر وجدانی کیفیت طاری ہو اور اتباع کے ساتھ عمل ہو''۔

○ — بعض حضرات سے منقول ہے:

''تصوف، تکلفات کو چھوڑ دینے اور روحانی قربانی (بذل روح) کا دوسرا نام ہے''۔

○ — حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف، فکر سے خالی، شوق و مستی سے معمور ہو، — لوگوں سے کٹ کر اللہ سے لَو لگائے ہوئے ہو، — مٹی اور سونا اس کی نظر میں برابر ہوں''۔

○ — بعض اربابِ طریقت سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

---

۱ — حضرت رویم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام رویم بن احمد بن یزید اور کنیت ابومحمد ہے، بغداد کے مشہور مشائخ سے تعلق تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی۔ فقیہہ امام داؤد الظاہری کے پیرو تھے۔ ظاہری طور پر بڑی شان و شوکت کے مالک تھے، مگر باطنی لحاظ سے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

۲ — حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ یمن کے رہنے والے تھے مگر بعد میں مکہ معظمہ میں تشریف لائے، اس لیے مکی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ مکہ میں قیام کے دوران جدہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ شیخ ابوسعید الخراز کی صحبت پائی۔ بغداد میں وصال ہوا۔

www.waseemziyai.com

''تصوف یہ ہے کہ خلقت کی موافقت سے دل صاف ہو، ــــ طبعی اخلاق کوترک کر دیا جائے، ــــ بشری صفات کوفنا کر دیا جائے، ــــ نفسانی خواہشوں کو چھوڑ دیا جائے، ــــ روحانی صفات پیدا کی جائیں، ــــ حقیقی علوم سے تعلق پیدا کر دیا جائے، ــــ اور شریعت کے مسائل میں رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کی جائے''۔

اولیاء اللہ کی صفات:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے کسی ساحل پر ایک خاتون کو دیکھا۔ میں نے اس خاتون سے پوچھا:

''آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟'' ــــ اس نے جواب دیا:

''میں ان لوگوں کے پاس سے آئی ہوں، جن کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ○

''جو خواب گاہوں سے اپنے پہلو جدا رکھتے ہیں''۔

پھر میں نے پوچھا:

''اب کہاں جا رہی ہیں؟'' ــــ اس نے جواب دیا:

''میں ان لوگوں کے پاس جا رہی ہوں، جن کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ○

''جنہیں اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے، نہ خرید و فروخت غافل کرتی ہے''۔

میں نے کہا:

''ان لوگوں کی کچھ صفات بیان کرو'' ــــ اس خاتون نے کچھ اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

○ ــــ ''وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب سے وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔

○ ــــ ان کا ایک ہی مقصد صرف ان کے آقا و مولیٰ کی ذات ہے۔ چنانچہ اس بے نیاز واحد و یکتا خدا کو اصل مقصد بنانا کتنا عمدہ کام ہے۔

○ ــــ انہیں دنیا کے جھگڑوں، اس کی عزت و اولاد، کھانے پینے اور دوسری لذتوں سے کچھ مطلب نہیں۔

○ ــــ نہ انہیں عمدہ لباس پہننے کا شوق ہے اور نہ کسی شہر میں جا کر ان کی روح کوئی خوشی محسوس کرتی ہے۔

○ ــــ روحانی منزلیں طے کرنے میں جلدی کرتے ہیں تا کہ دائمی قربت الٰہی کی مسافت کم ہو سکے۔

○ ــــ وہ تالابوں اور وادیوں کے قریب بسے ہوئے ہیں، بلند و بالا پہاڑوں میں بھی ان کی کافی تعداد ملے گی''۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صوفی زمین کی طرح ہے جس پر ہر بُری چیز پھینک دی جاتی ہے۔ مگر اس میں سے جو چیز نکلتی ہے وہ عمدہ شکل میں

www.waseemziyai.com

نمودار ہوتی ہے'' ـــــ آپ نے یہ بھی فرمایا:

''صوفی زمین کی طرح ہے جسے نیک و بد دونوں روندتے ہیں، ـــــ وہ بادل کی طرح بھی ہے جو ہر ایک پر سایہ کرتا ہے، ـــــ وہ بارش کی طرح ہے جو ہر ایک کو سیراب کرتی ہے''۔

تصوف کی جامع تعریف:

تصوف کے بارے میں صوفیاء کرام کے ہزاروں اقوال ہیں، سب کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ہم ایک ایسا ضابطہ اوراس کی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جو تصوف کے تمام معانی اور تشریحات کا احاطہ کرتی ہے۔ کیونکہ الفاظ خواہ مختلف ہوں مگر سب کا مفہوم قریب ایک سا ہے۔ لہٰذا ہماری تجویز کردہ تصوف کی تعریف یہ ہے:

''صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیۂ نفس کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک وصاف رکھے، ـــــ چونکہ وہ ہر وقت اپنے مولیٰ کے سامنے سر نیاز خم کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس کی یہ نیازمندی اس کا دل صاف کر کے کدورتیں دور کرتی ہے۔ تاہم جب کبھی نفسانی حرکتیں و صفتیں نمودار ہوتی ہیں تو وہ صوفی اپنی بصیرتِ کاملہ سے اُسے بھانپ لیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تصفیۂ قلب سے اس کو ڈھارس و دل جمعی ہوتی ہے، ـــــ اگر وہ اپنے نفس کی حرکتوں سے پریشاں دل ہوتا ہے اور صفا میں کدورت پیدا ہو جائے تو وہ اپنے رب سے قلبی تعلق استوار کرتا ہے جو اس کے قلب کو اس کے نفس پر غالب رکھتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۝ (پارہ ۶، رکوع ۶:۳)

''تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور عدل کے گواہ بنو''۔

اس آیت میں ''قوامین'' سے مراد نفس پر غالب ہونا ہے اور یہی صوفیانہ اخلاق ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے:

''تصوف سراپا اضطراب ہے، اگر اس میں سکون اور ٹھہراؤ آجائے تو تصوف برقرار نہیں رہے گا''۔

اس قول میں یہ راز پنہاں ہے کہ روح ہمیشہ بارگاہِ الٰہی کی طرف کشش کرتی ہے۔ یعنی صوفی کی روح ہمیشہ قربِ الٰہی کے بلند مقامات تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے، مگر اس کا نفس اپنی وضع کے مطابق عالم سفلی میں تہہ نشین ہونا چاہتا ہے اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے۔ اس لیے صوفی کو (نفس و روح کی اس کش مکش میں) مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے، وہ ہمیشہ رب کا محتاج اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے، اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔

اب جو کوئی ہماری تشریح پر غور کرے گا، تصوف کے معنی میں تمام متفرق اشارات اس میں یکجا دکھائی دیں گے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ٦:

صوفی نام رکھنے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ کا صوف کا لباس:

شیخ ابوزرعہ طاہر بن محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف راویوں سے بالاسناد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث بیان کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے، — سواری کے لیے گدھا استعمال کرتے تھے، — صوف (اُون) کا لباس پہنتے تھے''۔

دیگر انبیاء بھی صوف کا لباس پہنتے تھے:

اس حدیث کی رو سے ایک جماعت نے یہ رائے دی ہے کہ انہیں صوفیاء کا نام ان کے ظاہری لباس پر دیا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی صوف (اُون) کا لباس پہننا پسند کیا تھا۔ وہ زیادہ نرم و ملائم ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا پہناوا بھی صوف رہا ہے، — رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روحاء کی چٹان سے ستر انبیاء کرام گزرے جو عبا پہنے ہوئے تھے اور وہ حرم شریف کا ارادہ کیے ہوئے تھے''۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) صوف (اُون) اور بالوں کا لباس پہنا کرتے تھے۔ ان کی غذا درختوں کے پھل تھے۔ جہاں شام ہو جاتی وہیں رات بسر کرنے کے لیے رہ جاتے''۔

اکثر صحابہ کا لباس صوف کا تھا:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر ایسے اصحابِ بدر کو دیکھا ہے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے جنگ بدر میں شریک تھے، — حضرت ابو ہریرہ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم نے ان کی صفت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''بھوک کی شدت سے جب وہ زمین پر گر پڑتے تھے تو عرب بدو انہیں دیوانہ خیال کرتے تھے۔ ان سب حضرات کا لباس صوف (اُون) کا تھا۔ ان حضرات میں سے جب کسی کو بہت زیادہ پسینہ آتا یا ان کے کپڑے بارش میں بھیگ جاتے تو ان سے ایسی بدبو آنے لگتی جیسے کوئی بھیڑ بارش میں بھیگ جائے، — بعض صحابی ایک دوسرے سے کہنے

www.waseemziyai.com

لگتے:

''ان کی بو نے تو سخت پریشان کر دیا ہے، کیا تمہیں ان کی بو ناگوار نہیں گزرتی، ـــ اور کیا یہ لوگ اسی بو کے ساتھ رسول اکرم ﷺ سے بات کرتے ہیں''۔

وہ اُون کا لباس اس لیے پسند کرتے تھے کہ انہوں نے دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں چھوڑ دی تھیں۔ وہ بہت ہی تھوڑی خوراک اور سترِ عورت چھپانے پر قناعت کرتے تھے۔ وہ آخرت کے کاموں میں اس قدر مستغرق تھے کہ اپنے نفس کو لذت و راحت پہنچانے کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہر وقت اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی تمام تر توجہ آخرت کے کاموں کی طرف مبذول رہتی تھی۔

لفظ صوفی، صوف سے نکلا ہے:

اشتقاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صوفی کا لفظ بہت مناسب ہے۔ کیونکہ عرب محاورہ میں تصوف کے معنی ہیں: اُونی لباس پہننا، ـــ یعنی اگر کوئی صوف کا لباس پہنتا تو اسے کہا جاتا: تصوف! (یعنی اس نے صوف پہنا)، ـــ بالکل ایسے ہی کہا جاتا ہے: تقمص (اس نے قمیص پہنی)۔

صوفی نام کے ترجیحی اسباب:

صوفیاء کرام کا حال عالم سیر و طیر کے درمیان رہتا ہے، ان کے احوال بدلتے رہتے ہیں۔ ایک بلندی سے دوسری بلندی کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ کوئی تعریف انہیں مکمل طور پر نہ مقیّد کرتی ہے اور نہ کسی تعریف سے ان کے احوال محدود ہوتے ہیں، ـــ ان کے مزید حال اور علم کے دروازے ان پر ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ ان کا باطن معدنِ حقیقت اور مجمع علوم ہے۔ اس لیے ان کا کسی حال کے ساتھ مقیّد کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان کی وجدانی کیفیات گوناگوں ہیں۔ انہیں کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا، اس لیے انہیں ان کے ظاہری لباس کے ساتھ منسوب کر کے صوفی کہنے لگے۔ لفظ صوفی سے ان کی حالت اور ان کے اوصاف کی زیادہ وضاحت ہوتی ہے۔ کیونکہ اُون کا لباس پہننا زمانہ قدیم سے ہی ان کے اسلاف کا شیوہ رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کو صوفی اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا حال ویسا ہی ہے جیسا بارگاہِ الٰہی کے مقرّبین کا ہے۔

انہیں قربِ الٰہی کی طرف منسوب کرنا اور ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا چونکہ ایک مشکل کام تھا کہ اس میں ان حضرات کا قطعی تعین نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے ان کے حال (قرب) کو چھپانے اور ان کے باعزت مقام کو اشاروں کی کثرت اس کے اور قربِ الٰہی کے تذکرے کو عوام الناس کی زبانوں سے محفوظ رکھنے کے لیے لباس کی مناسبت سے ان کا نام صوفی رکھا گیا۔ یہی ادب کا تقاضا تھا، صوفیاء کرام کا بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

لفظ صوفی میں زُہد کا مفہوم پوشیدہ ہے:

لفظ صوفی سے ایک اور مفہوم کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جب ان کی نسبت صوف سے کی گئی تو لفظ صوفی اس بات کا بھی مظہر بن گیا کہ اس میں زُہد اور دنیا سے بے رغبتی (زہد) کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ اس میں نفسانی خواہش سے پرہیز اور نرم و نازک نفیس پوشاک نہ

www.waseemziyai.com

پہننے کی طرف اشارہ ہے۔ تا کہ ایک مبتدی مرید، جو ان کی صحبت میں آ کے بیٹھتا ہے، اور ان کے طریقے کو اختیار کرتا ہے، وہ بھی انہی کی طرح اپنے نفس کو تھوڑے پر مائل کر لیتا ہے۔ اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ لباس کی طرح اس کے کھانے پینے کا طریقہ بھی انہی کی طرح (سادہ) ہونا چاہیے۔ یہی سب جان کر وہ (صوفی کے نام پر غور کر کے) صحیح بصیرت کے بعد ہی اس حلقے میں شامل ہو گا۔ اس طرح ایک مبتدی اس کے نام ہی سے اصل حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اور نام رکھا تو مبتدی کو اصل حقیقت کے سمجھنے میں دشواری ہوتی، اس لیے یہی نام بہتر ہے۔

صوفی کے نام کو ترجیح دینے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ جب انہیں صوفی کہہ کر پکارا جاتا ہے تو روحانی حیثیت سے یہ ایک زبردست دعویٰ ہے۔ جب لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ ان کا نام صوفی اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ اس معنی سے وہ (بزرگی کے) دعوے سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو (ریاکاری کے) دعوے سے دور ہو، وہ ان کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔

لفظ صوفی میں تواضع کا مفہوم بھی ہے:

صوفی کا اُونی لباس پہننا ان کی ظاہری حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے حال اور دیگر روحانی مقامات کا تعلق ان کے باطن سے ہے، اس لیے ظاہری حالت کے مطابق نام رکھنا زیادہ مناسب ہے، بلکہ صوفی کے نام سے تواضع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

صوفی نام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ صوفیاء کرام نے تواضع، انکساری، گمنامی اور پوشیدہ رہنے کو زیادہ پسند رکھا ہے، چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے جیسے پھٹے پرانے چیتھڑے اور گرے پڑے (صوف) کی طرح ہیں جنہیں کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا، نہ کوئی ان کی طرف دھیان دیتا ہے۔ لہٰذا صوفہ (چیتھڑوں) کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔

لفظ صوفہ سے صوفی اسی طرح سے ہے جیسے کوفہ کی نسبت سے کوفی صفت ہے۔ یہ توجیہہ بعض اہلِ علم کی ہے جن کے خیال میں اس کا مفہوم اس کے لفظی اشتقاق کے لحاظ سے درست ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اونی لباس ہمیشہ سے زاہد و عابد اور متقی بندوں کا لباس رہا ہے۔

لفظ صوفی، صف سے مشتق ہے:

شیخ ابوزرعہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالا سناد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اللہ تعالیٰ سے (طور پر) کلام فرمایا تو وہ صوف کا جُبہ، صوف کی شلوار، چادر اور آستین بھی صوف کی تھی، پہنے ہوئے تھے۔ ان کے جوتے گدھے کے بے رنگے ہوئے چمڑے کے بنے ہوئے تھے''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام صوفی اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اپنی بلند ہمتی، اللہ سے دلی تعلق رکھنے، اور اس کے سامنے باطنی اسرار پیش کرنے کی وجہ سے اللہ کے سامنے صف اوّل میں ہیں، ــــ بعض کا قول ہے کہ اصل میں یہ نام صفوی تھا، جو ثقیل ہونے کی

www.waseemziyai.com

وجہ سے صوفی بن گیا۔

لفظ صوفی کی صُفّہ سے نسبت:

بعض کا خیال ہے کہ صوفی کی نسبت صفہ سے ہے۔ جو رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں غریب اور نادار مہاجروں کے رہنے کے لیے ایک چبوترہ تھا۔ ان مہاجرین کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ○ (پارہ ۳، رکوع ۵: ۱۷)

''یہ ان ناداروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں محصور ہوئے (روکے گئے) اور وہ زمین پر سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے''۔

لفظی اشتقاق کے اعتبار سے اگرچہ صوفی کا نام درست نہیں مگر معنی کے لحاظ سے درست و صحیح ہے۔ کیونکہ صوفیاء کا حال اصحابِ صُفّہ کے حال کی مانند ہے۔ اصحابِ صُفّہ کی طرح وہ بھی آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔

اصحابِ صُفّہ:

اصحابِ صفہ تقریباً چار سو مرد تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی کنبہ تھا نہ خاندان، —— وہ سب مسجد نبوی کے اس چبوترے پر رہتے تھے، جس طرح کہ صوفیاء خانقاہوں اور زاویوں میں رہتے ہیں، —— اصحابِ صفہ نہ تو کھیتی باڑی کرتے تھے، نہ دودھ دینے والے مویشی رکھتے تھے اور نہ وہ تجارت کرتے تھے، —— وہ دن بھر لکڑیاں چنتے اور کھجوروں کی گٹھلیاں توڑتے، —— دن بھر کے تھکے ہوئے رات کو عبادت کرتے اور قرآن مجید سیکھتے اور اس کی تلاوت کرتے، —— رسول اکرم ﷺ ان کی دلداری اور غم خواری فرمایا کرتے تھے، —— اور اپنے صحابہ کو بھی ان کی امداد و غم خواری پر آمادہ فرماتے۔ آپ ﷺ ان کے پاس اُٹھتے بیٹھتے اور انہی کے ساتھ کھانا کھایا کرتے۔

بارگاہِ الٰہی میں اصحابِ صفّہ کا مقام:

شانِ کریمی نے درج ذیل آیات میں اصحابِ صفّہ کا مقام بیان فرمایا ہے:

○ —— وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ○ (پارہ ۷، رکوع ۱۲: ۲)

''اور اے نبی! ان لوگوں کو مت نکالئے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی کے خواہاں ہیں''۔

○ —— وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ○ (پارہ ۱۵، رکوع ۱۶: ۵)

''آپ خود ان لوگوں کے ساتھ صبر اختیار کریں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں''۔

○ —— یہ آیت مبارکہ حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ (پارہ ۳۰، سورہ عبس)

''آپ نے بھی ترش روئی اختیار کی اور منہ پھیر لیا جب آپ کے پاس وہ نابینا آیا''۔

حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کی بے اعتنائی کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اس کا اظہار (سورہ عبس) میں فرمایا۔

www.waseemziyai.com

بارگاہِ نبوی میں اصحابِ صفّہ کا مقام:

رسول اکرم ﷺ کے حضور میں اصحابِ صفّہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان تھی:

- —— آپ ﷺ جب ان سے مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ ازخود نہیں چھڑاتے تھے تاوقتیکہ وہ آپ ﷺ کا دست مبارک ازخود نہ چھوڑ دیں۔
- —— اہلِ صفہ کی معاشی کفالت کے لیے حضور ﷺ انہیں خوشحال صحابہ کے حوالے فرمادیتے، —— ایک ایک صحابی کے ہمراہ تین تین اور چار چار اصحابِ صفّہ کو بھجوادیتے تھے، —— حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفّہ میں سے اَسّی حضرات کو اپنے گھر لے جاتے اور ان سب کو کھانا کھلاتے۔

اہلِ صفّہ کا فقر:

- —— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اصحابِ صفّہ میں سے میں نے ستر ایسے اصحاب کو دیکھا جو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، —— ان میں سے بعض لوگوں کے کپڑے گھٹنوں تک نہیں پہنچتے تھے۔ ان میں سے جب کوئی رکوع میں جاتا تو اس کپڑے کو ہاتھ سے پکڑ لیتا کہ ایسا نہ ہو کہ ستر کھل جائے۔
- —— اہلِ صفّہ میں سے بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک دن ہم میں سے کچھ لوگ مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

  ''یارسول اللہ! کھجوریں کھا کھا کر ہمارے پیٹ میں سوزش پیدا ہوگئی ہے''۔

  رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

  ''ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلا دیا ہے، —— کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کھجور اہلِ مدینہ کی خوراک ہے۔ انہوں نے ہماری اور تمہاری اسی خوراک کے ذریعے غم خواری کی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! دو مہینے ہوگئے محمد ﷺ کے گھر سے (کھانا پکانے کے لیے) دھواں نہیں اُٹھا، اور گھر والوں کے پاس پانی اور کھجوروں کے سوا کچھ نہیں ہے''۔
- —— شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کرام سے بالاسناد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بیان کی ہو فرماتے ہیں:

  ''ایک دن رسول اللہ ﷺ اصحابِ صفّہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے ایک طرف ان کی غربت اور مفلسی ملاحظہ فرمائی اور دوسری طرف یہ دیکھا کہ ان کے قلوب پاکیزہ اور مسرور تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

  ''اے اصحابِ صفّہ! تمہیں بشارت ہو، تم میں سے جو کوئی اس حالت پر قائم رہا جس پر آج تم لوگ قائم ہو، —— اور اس حالت پر خوش وخرم رہا تو وہ قیامت کے دن یقیناً میرے ساتھ ہوگا''۔

خراسان میں اصحابِ صُفّہ 'شگفتیہ' کہلاتے ہیں

منقول ہے کہ خراسان میں انہی حضرات میں سے کچھ لوگ غاروں اور کھوہوں میں رہتے تھے۔ انہوں ل نے بستیوں اور

www.waseemziyai.com

شہروں میں رہنا ترک کر دیا تھا۔خراسان میں یہ لوگ شگفتیہ کے نام سے مشہور تھے،—شگفت ایک غار کا نام ہے جس میں ان میں سے بعض حضرات رہتے تھے،لہٰذا اس غار کی نسبت سے انہیں منسوب کر دیا گیا،—

اہلِ شام انہیں جوعیہ کہتے تھے(کیونکہ وہ بھوکے رہتے تھے،—شام میں اب اس نام کی کوئی جماعت معروف نہیں ہے۔)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جماعتوں کا بار بار ذکر کیا ہے:

○ —ایک جماعت کو ابرار کے نام سے موسوم کیا گیا۔

○ —دوسری جماعت کو مقربین کہا گیا۔

انہی لوگوں کو بعض مقامات پر ○ —صابرین، ○ —صادقین، ○ —ذاکرین، ○ —محبین کے الفاظ سے ذکر کیا گیا۔بہر حال صوفی کا لفظ مذکورہ بالا ان تمام متفرق ناموں کا احاطہ کرتا ہے۔

صوفی کے نام کی ابتداء:

یہ ضرور ہے کہ صوفی کا نام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں رائج نہیں تھا۔(ان مذکورہ بالا حضرات کو صوفی کے نام سے نہیں پکارا گیا۔)،—کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ تابعین کے زمانے میں رائج ہوا،—

○ —حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ایک بار میں نے ایک صوفی کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔میں نے اسے کچھ دینا چاہا،مگر اس نے نہ لیا، اور کہنے لگا:

''میرے پاس چار دانگ (کوڑیاں) ہیں جو میرے لیے کافی ہیں''۔

(اس روایت کے مطابق لفظ صوفی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کے زمانے میں رائج ہوا۔)

○ —اس روایت کی تائید میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے۔انہوں نے فرمایا:

''اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کاری کی باریک باتوں سے نا آشنا رہتا''۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صوفی قدیم زمانے میں مشہور ہے۔

○ —بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ لفظ صوفی دوسری صدی ہجری تک رائج نہ ہو سکا۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں آپ کے اصحاب ایک دوسرے کو صحابی کے نام سے پکارتے تھے۔کیونکہ اسے آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا،اس لیے اس مبارک صحبت کی طرف اشارہ کرنا ہر اشارے سے بہتر تھا۔

○ —رسول اللہ ﷺ کا مبارک عہد ختم ہونے کے بعد جن حضرات نے صحابہ کرام سے علم سیکھا (ان کی مبارک صحبت پائی)، وہ تابعی کہلانے لگے۔

عہد نبوی ﷺ کے بعد زبوں حالی:

نورِ مصطفوی ﷺ کو ظاہری طور پر دنیا سے پردہ فرمائے اور سلسلہ وحی کو منقطع ہوئے ایک زمانہ بیت گیا تو خیالات میں

www.waseemziyai.com

اختلاف ہونے لگا۔ اور لوگوں کی راہیں الگ الگ ہوگئیں۔ ہر صاحب الرائے اپنی رائے میں آزاد ہوگیا، ــــ اس آزادروی اور اختلاف رائے کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ نفسانی خواہشوں نے علمی فضا مکدر کردی۔ حتیٰ کہ متقی اور پرہیزگاروں کی عمارتیں ہلنے لگیں، ــــ زاہدوں کے ارادے بھی اپنی جگہ چھوڑ گئے، جہالت غالب آ گئی، جہالت کی ظلمت نے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عادتیں بگڑ گئیں۔ لوگوں کو دنیا اور اس کی چیزیں خوش نما دکھائی دینے لگیں، ــــ وہ خطاؤں اور لغزشوں میں پڑ گئے، نیک اعمال کو چھوڑ دیا، بداعمالیوں میں گھر گئے، نہ استقامت رہی نہ صلابتِ دینی، ــــ یہ سب دنیا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔

تصوف کی شروعات:

ایسے ناشائستہ اور ناگفتہ بہ حالات میں ایک جماعت نے دنیا سے کنارہ کشی بہتر سمجھی اور الگ بیٹھ کر اعمالِ صالح میں مشغول ہو گئے۔ ان کے عزائم میں پختگی اور حوصلوں میں بلندی تھی۔ دین کی طاقت نے دنیا اور اس کی محبت سے بے رغبت کر دیا۔ تنہائی اور گوشہ نشینی کو اس کا حل جانا اور زاویوں کو اختیار کیا۔ ان کے جماعت کے لوگ ان زاویوں (گوشوں) میں کبھی کبھی اکٹھے ہو جاتے۔ بالعموم اہلِ صفّہ کی طرح تنہا رہتے۔ دنیاوی اسباب کو چھوڑ دیا اور ہمہ تن اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ــــ ان کے نیک اعمال اور پرخلوص ریاضت نے بہترین نتائج پیش کیے۔ ان کے فہم وادراک میں صفا در آئی اور علوم الٰہی کو بخوبی قبول کرنے کی لیاقت حاصل کرلی۔

اس طرح سے انہیں ظاہری زبان کے ساتھ ساتھ باطنی زبان بھی ملی، ــــ پہلے عرفان کے بعد ایک نیا عرفان حاصل ہوا۔ ظاہری ایمان کے ساتھ ساتھ باطنی ایمان سے بھی ثمر بار ہوئے۔ جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب مجھے غیر معمولی ایمان کے مرتبے کا کشف حاصل ہوا تو اس وقت میں صحیح معنوں میں مؤمن بنا''۔

یہ زاویہ نشیں ان مراتب تک پہنچنے کے بعد نئے علوم سے آشنا ہوئے، ان نئے علوم کے لیے انہوں نے نئی نئی اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے حال اور وجدانی و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں، ــــ انہی اصطلاحات اور نئے علوم کو تصوف کے نام سے پکارا گیا، ــــ ان بزرگانِ سلف سے ان کے جانشینوں نے یہ علم حاصل کیا۔ حتیٰ کہ ہر زمانے میں اس نے ایک باقاعدہ علم اور رسوم کی صورت اختیار کرلی۔ تب سے صوفی کا نام بھی رائج ہوگیا۔ انہوں نے اپنا نام بھی صوفی رکھا اور (اپنے حلقے کے) دوسرے لوگوں کو بھی اسی نام سے موسوم کیا۔

یہ نام (صوفی) ان کی نشانی ہے، ــــ علم الٰہی ان کی صفت ہے، ــــ عبادتِ الٰہی ان کا سراپا ہے، ــــ تقویٰ اور پرہیزگاری ان کا شعار ہے، ــــ حقیقتِ الٰہی کے حقائق ان کے اسرار و رموز ہیں، ــــ وہ اپنے کنبوں اور قبیلوں سے الگ ہیں، ــــ غیرت کے گنبد میں بسنے والے اصحابِ فضیلت ہیں، ــــ ملکِ حیرت کے رہنے والے ہیں، ــــ اللہ کے فضل و کرم سے ہر لحظہ بلندیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں، ــــ ان کی آتشِ شوق و مستی ان کے دلوں میں شعلہ زن ہے، ــــ اس سب کے باوجود ان کی طلب اور تشنگی کا یہ عالم ہے کہ **ھل من مزید** (کیا کچھ اور بھی ہے!) کی صدائے محبت بلند کرتے ہیں۔

التجا یہی ہے:

''الٰہی! ہمارا حشر بھی اسی جماعت کے ساتھ کرنا اور ان کی باطنی کیفیات ہمیں بھی نصیب فرما''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۷:

صوفی اور ان کی طرح کے لوگ

تم اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو:

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کرام سے بالا سناد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے کوئی جواب دیئے بغیر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ سائل کہاں ہے؟'' ــــ اس شخص نے کہا:

''یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں'' ــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' ــــ اس نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں نے قیامت کے لیے بہت سی نمازیں نہیں پڑھیں، نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں، ــــ اور عملِ کثیر کی کوئی تیاری میں نے نہیں کی سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں''۔

یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو''۔

حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسلام کے بعد مسلمانوں کو میں نے کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا جس قدر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے خوش ہوئے''۔

صوفی جیسا، حقیقی صوفیاء کرام کے ساتھ ہوگا:

جو شخص صوفیاء کرام کی مشابہت اختیار کرتا ہے، اگرچہ وہ صوفیاء کرام کے سے اوصاف حاصل کرنے سے قاصر ہے تو وہ بھی صوفیاء کے ساتھ ہوگا، ــــ کیونکہ اس مشابہت کا محرک محبت ہی کا جذبہ ہے، اس لیے اس کا شمار بھی صوفیاء میں ہوگا، خواہ وہ ان جیسے

www.waseemziyai.com

کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہو کیونکہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ ایک اور روایت میں اس مفہوم کو زیادہ واضح کیا گیا ہے،—یہ روایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ایک شخص کسی جماعت سے محبت کرتا ہے مگر وہ ان جیسے عمل نہیں کرسکتا''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت کرتے ہو''۔

یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت کرتے ہو''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوبارہ وہی ارشاد فرمایا جو پہلے ارشاد کیا تھا۔

مشابہ کا مقام:

جو لوگ صوفیاء کرام سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں، یہ ان کی اسی روحانی بیداری کے باعث ہے جو روحانی بیداری صوفیاء کرام میں موجود ہے، کیونکہ اللہ اور اللہ والوں کے کاموں سے محبت کرنا روحانی کشش کی بدولت ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مشابہ لوگوں کی راہ میں نفسانی تاریکیاں رکاوٹ ہوتی ہیں۔ صوفی اس روحانی ظلمت سے نکل چکا ہے جبکہ مشابہ بھی صوفی کے مقام تک پہنچنے کی کوشش میں لگا ہے۔ مشابہ افراد کے ساتھ صوفی کی قدر مشترک یہ ہے کہ اس میں کچھ نفسانی خواہشیں باقی رہ گئی ہیں۔

صوفیاء کرام دوسروں سے ممتاز ہیں:

صوفیاء کرام کے طریقہ کا آغاز ایمان سے ہوتا ہے،—اس کے بعد علم کا درجہ ہے، اور آخر میں وجدان اور ذوق کا،—اس لیے مشابہ شخص بھی صاحبِ ایمان ہے،—اس کے ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو صوفیاء کے طریقے کے مطابق ہو، یہی ایمان تصوف کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ہمارے اس طریقہ کے مطابق ایمان لانا ولایت ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام اپنے نادر احوال اور عجیب وغریب آثار کی بدولت کثیر لوگوں میں ممتاز ہو گئے ہیں۔ انہیں اپنے مکاشفہ کے ذریعے قضا وقدر اور عجیب وغریب علوم کا کشف حاصل ہے، انہوں نے اللہ کے بڑے بڑے حکموں اور اس کے

www.waseemziyai.com

قرب کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ان سب باتوں پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے برابر ہے۔

بعض لوگوں نے اولیاء کرام کی کرامات کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے برابر ہے۔ درحقیقت صوفیاء کرام کے پاس اس قسم کے بہت سے علوم ہیں۔ اس لیے ان کے طریقہ پر وہی ایمان لائے گا، جس پر اللہ کا فضل ہوگا۔

مشابہ اور صوفی کا موازنہ:

اس صورت میں مشابہ (متشابہ) صاحبِ ایمان ہے اور متصوّف صاحبِ علم ہے۔ کیونکہ ایمان لانے کے بعد اس نے صوفیاء کے طریقہ کو مطابق مزید علم حاصل کر لیا ہے، جس کے باعث اس کی معلومات اور صلاحیت میں اضافہ ہو گیا، — اور مزید علم سے اس کے اتمام و کمال پر استدلال ہو سکتا ہے۔

جبکہ صوفی صاحبِ ذوق ہے۔ تاہم ایک مخلص متصوّف، صوفی کے حال سے ایک حد تک بہرہ ور ہے۔ اسی طرح مشابہ کو بھی صوفی کے فیوضات سے کچھ حصہ ملا ہے۔ (اس صورت میں مشابہ اور متصوّف دونوں صوفی سے کچھ حصہ ضرور پاتے ہیں۔)

اللہ کی یہ سُنّت جاری ہے کہ ہر صاحب حال جسے ذوقِ سلیم میسر ہے، اسے مکاشفہ کے ذریعے اپنے مقام سے اعلیٰ مقام تک کا علم حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ:

- — وہ اپنے پہلے حال میں صاحبِ ذوق ہوگا،
- — مکاشفہ کے حال میں پہنچ کر صاحبِ علم ہوگا،
- — اس سے بلند درجہ پر پہنچ کر وہ صاحبِ ایمان ہو جائے گا۔

اس طرح وہ راہِ طلب پر ہمیشہ گامزن رہے گا، — چنانچہ:

- — ذوق کے حال میں وہ صاحبِ قدم ہے،
- — علم کے حال میں صاحبِ نظر ہے،
- — اس سے بلند حال میں وہ صاحبِ ایمان ہو جائے گا۔

ارشادِ باری ہے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ○ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ○ (پ۳۰)

"بے شک نیک بندے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے"۔

اس ارشاد باری میں نیک بندوں کی تعریف کی گئی ہے۔ انہیں جو شراب عطا ہوگی اس کا وصف اس طرح سے بیان کیا ہے:

وَ مِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ○ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ○

"اس شراب میں تسنیم کے چشمہ سے آمیزش ہے جسے مقربین پئیں گے"۔

صوفی اور متصوّف:

ابرار کی شراب میں مقرّبین کی شراب کی آمیزش ہے، جو مقرّبین کے لیے خاص ہے، — دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ:

www.waseemziyai.com

○ ـــ صوفی کی شراب، معرفتِ خالص ہے،
○ ـــ متصوّف کی شراب میں اس کی آمیزش ہے،
○ ـــ مشابہ کی شراب میں متصوّف کی شراب ملی ہوئی ہے۔

لہٰذا صوفی بساطِ قرب سے مرکز روح تک پہنچنے میں سبقت حاصل کر گیا۔ (اور متصوّف وہاں تک نہ پہنچ سکا۔)۔ ـــ صوفی کے مقابلے میں ایک متصوّف ایسا ہے جیسا کہ زاہد کے مقابلہ میں متزہد ہے، ـــ متزہد کے عمل میں تکلّف اور کوشش کا دخل ہے۔ تزہد کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ متصوّف، تصوف اور روحانیت کے طریقہ پر گامزن ہے اور اس راہ میں جدو جہد کر رہا ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''چلتے رہو کہ مفردین سبقت لے گئے ہیں''۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا:

''یارسول اللہ! یہ مفردین کون ہیں؟'' ـــ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مفردین وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر میں شوق و مستی کے ساتھ مشغول ہیں۔ ذکر الٰہی نے ان کے سر سے ان کے بوجھ اتار دیئے ہیں۔ قیامت کے دن وہ ہلکے پھلکے آئیں گے''۔

اس حدیث مبارک کے مطابق:

○ ـــ صوفی انہی مفردین کے مقام پر ہیں،
○ ـــ متصوّف سائرین (سیر کرنے والے، سفر کرنے والے) اور سالکین کے مقام پر ہیں۔

اپنی اس روحانی سیر میں وہ اللہ کے ذکر اور قلبی مراقبہ کے ذریعے قلب کے مرکز تک پہنچ جائیں گے۔ اور اپنی درست نگاہی کے ذریعے اللہ کی نگاہوں سے لذت اُٹھائیں گے، ـــ اس طرح:

○ ـــ ایک صوفی، مقام روح میں پہنچ کر صاحب مشاہدہ ہو جاتا ہے،
○ ـــ تصوف، مقامِ قلب میں پہنچ کر صاحبِ مراقبہ بن جاتا ہے،
○ ـــ مشابہ، نفس کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے صاحبِ مجاہدہ و محاسبہ بن جاتا ہے۔

لہٰذا:

○ ـــ صوفی کی تلوین (ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچنا) اس کے قلب کے وجود سے ہے،
○ ـــ متصوّف کی رنگ آمیزی اس کے نفس کے وجود سے ہے۔

مگر ایک مشابہ میں کوئی تلوین اور رنگ آمیزی نہیں۔ کیونکہ یہ روحانی رنگ صاحبِ حال پر چڑھتا ہے، اور مشابہ صاحبِ حال نہیں بلکہ وہ سالک اور طالبِ حقیقت ہیں' اور ابھی تک صاحبِ حال نہیں ہوئے ہیں۔

قرآن کریم میں ان جماعتوں کا ذکر:

بہر حال یہ تمام جماعتیں دائرہ اصطفاء (برگزیدگی) میں شامل ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے:

www.waseemziyai.com

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌ ۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ۝ (پارہ ۲۲، رکوع ۱۶:۶)

''پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے دوسرے بندوں میں سے چن لیا تھا،— ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے،— اور کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے تھے،— اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے''۔

اس آیت کی تشریح میں:

○ — ایک بزرگ نے فرمایا:

''ظالم [۱] سے مراد زاہد،— مقتصد سے مراد عارف،— اور سابق سے مراد عاشقِ الٰہی ہے''۔

○ — ایک صاحب نے یہ کہا:

''ظالم وہ ہے جو مصیبت اور آزمائش کے وقت گھبرا جائے،— مقتصد (میانہ رو) وہ ہے جو مصیبت کے وقت صبر کرے،— سابق (سبقت لے جانے والا) وہ ہے جو مصیبت کو لذت سمجھے''۔

○ — ایک اور صاحب کا قول ہے:

''ظالم وہ ہے جو غفلت کے ساتھ اور عادت کے مطابق عبادت کرے،— مقتصد وہ ہے جو رغبت اور خوف کے ساتھ مصروفِ عبادت ہو،— سابق وہ ہے جو ہیبت اور احسان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے''۔

○ — ایک اور بزرگ نے اس طرح سے توجیہہ کی:

''ظالم وہ ہے جو اللہ کا ذکر محض اپنی زبان سے کرے،— مقتصد وہ ہے جو اللہ کا ذکر اپنے قلب میں کرے،— سابق وہ ہے جو اپنے پروردگار کو کبھی فراموش نہ کرے''۔

○ — حضرت احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ [۲] نے فرمایا:

''ظالم سے مراد صاحبِ اقوال ہے،— مقتصد صاحبِ احوال ہے،— سابق صاحبِ حال ہے''۔

مندرجہ بالا آیت کی توضیح و تشریح میں بیان کردہ یہ سب اقوال، صوفی و متصوّف اور مشابہ کے حالات سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں، اس لیے یہ سب حضرات اہلِ فلاح و نجاح [۳] ہیں اور سبھی دائرہ اصطفا (بزرگی) میں داخل ہیں، بلکہ اللہ کی خاص بخشش میں بھی شریک ہیں۔

---

[۱] — لفظ ظالم کے عام معنی ہیں، یہاں وہ معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

[۲] — حضرت احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ آپ حضرت بشر حافی، حارث محاسبی، سری سقطی اور فضیل بن عیاض رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے ہم عصر تھے۔ احمد بن الحوادی آپ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔

[۳] — نجاح کے معنی ہیں: رہائی، قید و بند کی نجات سے آزاد ہونا۔

www.waseemziyai.com

ظالم ومقتصد وسابق جنتی ہیں:

حضرت شیخ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسماعیل القزوینی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے اپنے مشائخ کرام سے بالا سناد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ارشادِ باری: ''فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ'' میں جو تین طرح کے لوگ:

- —ان میں سے ایک اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے،
- —ایک معتدل (میانہ رو) ہے، اور
- —ایک نیکوں میں سبقت لے جانے والا ہے، یہ سب جنت میں داخل ہوں گے''۔

حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

- —ظالم وہ ہے جو دنیا کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے،
- —مقتصد وہ ہے جو آخرت کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے،
- —سابق وہ ہے جس نے اپنے مقاصد کو اللہ کے مقاصد میں فنا کر دیا۔ یہ آخری مقام صوفی کا ہے۔
- —مشابہ وہ ہے جو صوفیاء کرام کا حال مشاہدہ کر کے ان کے قریب رہنا ضروری خیال کرتا ہے۔ یہی قرب اس کے لیے تمام بھلائیوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

مشابہ یا مبتدی کا طریقۂ ہدایت وتلقین:

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دنیادار حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ اس وقت ہم اصفہان میں مقیم تھے۔ وہ شخص شیخ احمد سے خرقہ حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

حضرت شیخ احمد نے اس سے فرمایا:

''تم فلاں شخص کے پاس جاؤ وہ تمہیں خرقہ کے معنی ومفہوم سے آگاہ کر دے گا، جب تم آؤ گے تو میں تمہیں خرقہ پہناؤں گا''۔

اس گفتگو میں حضرت شیخ احمد غزالی نے اس شخص کو جس کے پاس جانے کے لیے کہا تھا، اس کا اشارہ میری طرف (شیخ ابونجیب سہروردی) تھا۔ چنانچہ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اسے خرقہ کے معنی، حقوق سمجھائے اور اس کے ضروری آداب بھی بتائے، —اسے یہ بھی بتایا کہ اس کے پہننے کا اہل کون ہے، —میری باتیں سن کر اس شخص کو خرقہ کے حقوق بہت دشوار لگے اور اسے پہننے سے گومگو کی کیفیت سے دوچار ہو گیا، —شیخ احمد غزالی کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ میری باتیں سن کر اس شخص کی خرقہ پہننے

---

[1] —احمد غزالی، امام محمد غزالی مصنف کیمیائے سعادت واحیائے علوم کے بھائی تھے۔ شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ کئی کتب ورسائل آپ سے یادگار ہیں۔ آپ کا رسالہ ''سوانح'' بہت معروف ہے۔ حضرت شیخ ابونجیب سہروردی نے ذکر کی تلقین آپ ہی سے پائی۔ ۵۱۷ھ میں وفات ہوئی، ایران کے شہر قزوین میں تدفین ہوئی۔

www.waseemziyai.com

کی خواہش سرد پڑ گئی ہے تو آپ نے مجھے بلایا اور ان باتوں پر ملامت کی، اور فرمانے لگے:

''میں نے اسے تمہارے پاس اس لیے بھیجا تھا تاکہ تم اس سے اس طرح گفتگو کرو کہ جس سے اس کے دل میں خرقہ پہننے کا شوق زیادہ ہو جائے۔ مگر تم نے اس سے اس طرح گفتگو کی کہ اس کا شوق ماند پڑ گیا۔ اس کی ہمت ٹوٹ گئی، ــــ حالانکہ تم نے اس سے جو باتیں کیں وہ سب ٹھیک تھیں۔ خرقہ پوشی کے حقوق وہی ہیں جو تم نے اسے بتائے۔ لیکن اگر ہم مبتدی کے لیے یہ سب چیزیں ضروری قرار دے دیں تو وہ بدک جائے گا۔ وہ تمام فرائض ادا نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا ہم اسے خرقہ پہنائیں گے تاکہ وہ ہماری جماعت کے مشابہ ہو جائے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب وہ صوفیاء کے لباس میں ہوگا تو وہ ان کی مجالس اور محافل میں شریک ہو سکے گا۔ اس طرح ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے، ان کی صحبت کی برکات سے، اور ان کی عادات و اطوار کو دیکھ کر ان کے مسلک پر چلنا پسند کرے گا اور اس طرح اسے ان بزرگوں کا کچھ فیض حاصل ہوگا''۔

حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے، جسے ہمارے شیخ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد بیان کیا ہے، ــــ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب تم کسی درویش سے ملو تو اس سے علمی گفتگو نہ کرو بلکہ نرمی اور ملائمت سے بات کا آغاز کرو۔ کیونکہ علمی بات چیت سے اسے وحشت ہونے لگے گی، مگر نرمی اور ملائمت سے بات کرنے سے وہ تم سے مانوس ہو جائے گا''۔

بہر حال صوفیاء کی مشابہ حضرات سے نرم کلامی ایک مبتدی طالبِ حقیقت کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ جو شخص مرتبہ میں کامل اور علم سے مالا مال ہوگا وہ مبتدی طالب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے گا۔

مبتدی کے لیے ایک عملی نمونہ:

ایک بزرگ کی حکایت منقول ہے کہ ان کے ساتھ ان کا ایک مرید طالب علم رہتا تھا۔ بزرگ اس کی وجہ سے بہت زیادہ ریاضت اور مجاہدات کرتے تھے۔ تاکہ ان مبتدی مرید ان مجاہدات اور ریاضت کو دیکھ لے اور ان کے اعمال و آداب کے نمونہ سے عملی سبق حاصل کرے اور اپنے عمل میں ان کی پیروی کرے۔ یہی وہ نرمی اور خوش اخلاقی ہے جو کسی کام میں شامل ہو کر اس کی رونق بڑھا دیتی ہے۔ (یعنی عملی نمونہ پیش کر کے پیروی کے لیے مائل کیا جاتا ہے، زبردستی آمادہ نہیں کیا جاتا۔)

لہٰذا ایک سچا متشابہ، صوفیاء کے طریقے پر ایمان لاتا ہے، اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ وہ مذکورہ طریقوں پر سلوک و مجاہدے و محاسبے میں مشغول رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ صاحبِ مراقبہ متصوّف ہو جاتا ہے۔ پھر وہ صاحبِ مشاہدہ صوفی بنتا ہے، ــــ جو متشابہ متصوّف اور صوفی کے حال اور اعمال کی تقلید نہیں کرتا، اور نہ وہ ان کے ابتدائی اصولوں پر عمل کرتا بلکہ صرف ظاہری لباس اور شکل و صورت میں ان کی تقلید کرتا ہے اور ان کی سیرت اور عادت نہیں اختیار کرتا، وہ صوفی کے مشابہ نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس کو متشابہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے صوفیاء کے ابتدائی اعمال و احوال کی تقلید نہیں کی بلکہ ظاہری طور پر لباس میں ان کے مشابہ ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود جو کوئی ان کی صحبت میں بیٹھے گا، وہ بے فیض نہیں رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے:

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم سے شمار ہوگا''۔

www.waseemziyai.com

چنانچہ متشابہ کا شمار بھی صوفیاء میں ہوگا۔

صحبت کی برکات وثمرات:

شیخ ابوالفتح محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کرام سے بالا سناد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں کا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ بھی کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایسی مجالس کو تلاش کرتے ہیں کہ جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو، — جب وہ ایسی جماعت کو دیکھتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مصروف ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں:

''آؤ آؤ اپنے مقصد کی طرف، جس محفل کی تلاش تھی وہ محفل مل گئی''۔

یہ کہہ کر وہ جماعت میں شامل لوگوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا علیم وخبیر ہے، فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے:

''میرے بندے کیا کہتے ہیں؟'' — فرشتے کہتے ہیں:

''الٰہی! وہ تیری حمد وثناء بیان کر رہے تھے'' — اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے:

''کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''نہیں!'' — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کریں؟'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''اگر وہ آپ کو دیکھ لیتے تو وہ اس سے زیادہ آپ کی حمد وثناء اور تسبیح کرتے''۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''الٰہی! وہ آپ سے جنت کے طلب گار ہیں'' — ارشادِ باری ہوتا ہے:

''کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''نہیں!'' — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو کیا کرتے'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی طلب اور تمنا اور زیادہ بڑھ جاتی''۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ اور کیا کہتے ہیں؟'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

''وہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگ رہے تھے'' — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے'' — فرشتے عرض کرتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''نہیں!'' ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا کرتے'' ـــــ فرشتے عرض کرتے ہیں:

''اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو وہ اس سے اور زیادہ پناہ مانگتے اور اس سے بھاگتے''۔

اس گفتگو کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کر یہ کہتا ہوں کہ میں نے بلاشک وشبہ ان کو بخش دیا ہے''۔

پھر ان میں سے ایک فرشتہ یہ عرض کرتا ہے:

''رب العالمین! ان میں ایک فلاں آدمی بھی ہے جس کا اس جماعت والوں سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہاں وہ کسی کام کے لیے آیا تھا۔ پھر اُٹھ کر چلا گیا''۔

اس کے جواب میں ارشادِ باری ہوتا ہے:

''وہ سب ہم نشیں و ہم صحبت ہیں۔ اس لیے ان کا ہم نشیں بھی بے نصیب اور نامراد نہیں رہے گا''۔ (یعنی اسے بھی جنت عطا ہوئی۔)

چنانچہ صوفیاء کی صحبت میں بیٹھنے والا، ان سے مشابہت اور محبت رکھنے والا بے نصیب و نامراد نہیں رہ سکتا۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۸:

ملامتی فرقہ اور اس کے احوال

ملامتی کسے کہتے ہیں؟:

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''ملامتی وہ ہے جو نہ نیکی کا اظہار کرتا ہے اور نہ اپنے شر کو چھپا کے رکھتا ہے''۔

اس قول کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ ملامتی کے رگ و پے میں اخلاص کی لذت رچ بس گئی ہے۔ اور وہ سراپا صدق و سچائی بن گیا ہے۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اس کے عمل اور حال سے واقف ہو۔ (یہ بات اخلاص کے منافی ہے)

اخلاص کیا ہے؟:

شیخ ابوزرعہ طاہر بن ابوالفضل المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے بالاسناد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! اخلاص کیا ہے؟'' —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے اخلاص کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اپنے بندوں میں سے اس کے دل میں امانت کے طور پر رکھ دیتا ہوں جسے اپنا محبوب رکھتا ہوں''۔

فرقہ ملامتیہ اور اخلاص:

فرقہ ملامتیہ کے افراد اخلاص کے اُصول پر خصوصی طور پر کاربند ہیں۔ وہ اپنے احوال اور اعمال لوگوں سے چھپانا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کو پوشیدہ رکھنے میں اس قدر لذت محسوس کرتے ہیں۔ کہ خدانخواستہ اگر ان کا کوئی حال اور عمل کسی پر ظاہر ہو جائے تو اس کے ظاہر ہو جانے پر انہیں اتنی وحشت ہوتی ہے جس قدر ایک گناہ گار کو اپنے گناہ کے ظاہر ہو جانے پر حیرانی و پریشانی ہوتی ہے۔

صوفی اور ملامتی میں فرق:

اس طرح ایک ملامتی، اخلاص میں اس قدر فنا ہو گیا ہے کہ اُسے اپنے اخلاص کی کچھ خبر نہیں رہی۔ صوفی کی حالت یہ ہے کہ وہ

www.waseemziyai.com

ملامتی کے اخلاص کو دیکھ کر اپنے اخلاص سے گم ہو جاتا ہے۔ صوفی، ملامتی کے اخلاص کو دیکھ کر اپنے اخلاص کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور پھر اس میں گم ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو یعقوب السوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب وہ اپنے اخلاص میں خلوص کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کا اخلاص دوسرے اخلاص کا محتاج بن جاتا ہے''۔ (اپنے اخلاص کو انہوں نے کامل نہیں بنایا۔)

اخلاص کی علامتیں:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اخلاص کی تین علامتیں ہیں:

- —صاحب اخلاص کے لیے لوگوں کی تعریف اور مذمت برابر ہو،
- —عمل کر کے اس کے مشاہدہ سے بے نیاز ہو جائے، (بھول جائے)
- —آخرت میں اعمال کے اجر کی تمنا نہ رکھے۔

عوام و خواص کا اخلاص:

حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد یہ روایت منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اخلاص یہ ہے کہ نفس کو کسی صورت میں لذت نہ اُٹھانے دی جائے، یہ عوام کا اخلاص ہے، —خواص کا اخلاص یہ ہے کہ حالات چاہے ان کے مخالف ہوں، مگر وہ اپنی طاعت و بندگی میں مگن رہیں، اپنی طاعت و بندگی اپنی نظر میں کچھ نہ ہو، یعنی اسے کچھ اہمیّت نہ دیں اور اجر و صلہ و نمود کے بغیر طاعت میں مشغول رہیں''۔

صوفی اور ملامتی میں فرق، —مزید تشریح:

حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریح کے مطابق ملامتی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ ملامتی مخلوق کو اپنے عمل اور حال سے الگ رکھتا ہے اسے مخلوق کی پرواہ نہیں، مگر اپنے نفس اور ذات کو باقی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مخلص ہے، —صوفی بھی دوسرے کو اپنے عمل اور حال سے ناواقف رکھتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے نفس اور ذات کو بھی اس سے الگ رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی مخلص ہے، مگر ایک مخلص خالص اور محض مخلص میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ ملامتی مخلص محض ہے، اور صوفی مخلص خالص ہے۔

اخلاص کا خالص ہونا:

حضرت ابو بکر الزقاق رحمۃ اللہ علیہ [1] نے فرمایا:

''''ایک مخلص کے اخلاص میں اس وقت خامی پیدا ہو جاتی ہے جب وہ اپنے اخلاص کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ (یعنی خود

---

[1] —حضرت ابو بکر الزقاق رحمۃ اللہ علیہ کا بڑے مشائخ میں شمار ہوتا ہے، آپ مصر کے رہنے والے تھے۔ شیخ ابو سعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر و رفیق تھے۔ آپ مشک بھرنے اور اس کی فروخت کا کام کرتے تھے، اسی لیے زقاق کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ کی کرامات زبانِ زد عام ہیں۔

www.waseemziyai.com

کومخلص سمجھے)، — چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے تو اس کے دل سے اپنے اخلاص کے مشاہدہ ونمود کی خواہش نکال دیتا ہے۔ (اس مخلص کو اپنے اخلاص کو دیکھنے کی تمنا نہیں رہتی۔) اس طرح وہ صرف مخلص نہیں ہوگا بلکہ وہ مخلَص (ریاکاری سے خلاصی پایا ہوا) بن جاتا ہے، — یعنی مخلص تو پہلے ہی تھا، اب خالص بھی بن گیا۔

عارفوں کی نمود اور مریدوں کا اخلاص:

حضرت شیخ ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عارفوں کی نمود و ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر و افضل ہے۔ اس بات کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ مریدوں کے اخلاص میں ریاکاری کا شائبہ ہوتا ہے (یعنی انہیں اپنے اخلاص کا مشاہدہ کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔) مگر عارف اس نمود و ریا سے پاک ہوتا ہے جو عمل کو باطل کرتی ہے۔ تاہم وہ اپنے کچھ عمل اور حال اپنے علم کامل کی بناء پر اس لیے ظاہر کرتا ہے کہ اس میں مرید کے لیے کچھ نہ کچھ کشش ہو، وہ اس طرف مائل ہو۔ یا مرید اس کے ذریعے اپنی کسی خاص نفسانی و اخلاقی عادت کا علاج کرے۔ لیکن یہ طریقہ بھی ریا سے یکسر پاک ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں عارف ایک ایسے دقیق اور خاص علم کے جاننے والے ہیں جو ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ اس لیے ایک ناقص العلم اسے ریاکاری سمجھتا ہے جبکہ یہ ریاکاری نہیں ہے۔ ان کا یہ فعل علمِ الٰہی کے مطابق اللہ ہی کے لیے ہے جس میں کسی نفسانیت اور آفت کا عمل دخل نہیں (یعنی ریا وغیرہ)۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''اخلاص یہ ہے کہ صاحبِ اخلاص دارین (دونوں جہانوں) میں سے کسی معاوضہ یا حصے کا طلب گار نہ ہو''۔

اخلاص اور نمود:

ایک شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''صحیح اخلاص یہ ہے کہ صاحبِ اخلاص ہمیشہ حق کی طرف نظر رکھے اور اللہ کی مخلوق کی نظر کو فراموش کر دے''۔

مگر ایک ملامتی مخلوق کو دیکھ کر اپنے عمل اور حال کو اس سے چھپاتا ہے، بہرحال اس سے پہلے جو کچھ بیان کیا گیا اس میں صوفی کے اخلاص کو بیان کیا گیا تھا۔ (اخلاص، صوفی کا وصف ہے)، — یہی وجہ ہے کہ شیخ زقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''ہر مخلص کو ضرور اپنے اخلاص پر نظر رکھنا پڑتی ہے، مگر یہ کامل اخلاص میں خامی کے باعث ہے، — کامل اخلاص وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرے، یہاں تک کہ اسے مکمل کر دے''۔

صدق اور اخلاص میں فرق:

حضرت شیخ جعفر الخلدی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا:

---

[1] — حضرت شیخ جعفر نوری الخلدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ونسب جعفر بن محمد بن نصیر ابومحمد الخواص ہے۔ بغداد میں ولادت و پرورش ہوئی۔ ایک عرصہ تک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت فیض بار میں رہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ ابوالحسین نوری، حضرت شیخ رویم بغدادی اور حضرت شیخ ابومحمد الجریری رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی صحبت پائی۔ ۳۴۸ھ میں وفات پائی، بغداد میں حضرت سری سقطی اور حضرت جنید بغدادی رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے جوار میں تدفین ہوئی۔

www.waseemziyai.com

''کیا اخلاص اور صدق میں کوئی فرق ہے؟'' —— آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! صدق اصل ہے اور پہلے ہے، —— اور اخلاص اس کی فرع (شاخ) اور اس کی تابع ہے، —— ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ:

''اخلاص عمل میں آئے بغیر نہیں ہوتا، یعنی اخلاص کے لیے عمل ضروری ہے'' —— مزید فرمایا:

''یہی اخلاص ہے، —— یہی مخالصۃ الاخلاص کہلاتا ہے، —— اسی مخالصۃ الاخلاص میں اخلاص کا وجود ہے''۔

ان ارشادات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اخلاص، ملامتی کا حال ہے، —— اور مخالصۃ الاخلاص صوفی کا حال کہا جا سکتا ہے، —— اور مخالصۃ سے جو خالصہ (خلوص) وجود میں آتا ہے، وہ مخالصۃ الاخلاص کا حاصل وثمرہ ہے، —— اس مخالصۃ الاخلاص کی تشریح یہ ہے کہ بندہ سب رسمیں چھوڑ کر ہمیشہ قائم رہنے والے اللہ کی ذات میں فنا ہو جائے، اور آثارِ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر عین ذاتِ الٰہی میں ایسا مستغرق ہو کہ اخفاء واستفسار کے شائبہ سے بھی اسے نجات مل جائے۔ اس مقام پر صوفی اک حال بھی مفقود ہو جاتا ہے، اس کے بعد برعکس ملامتی اپنے اخلاص کے مقام پر برقرار رہتا ہے، لیکن اس طرح سے اسے اخلاص کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی (یعنی اخلاص کا حال تو میسر آ جاتا ہے مگر اخلاص کی حقیقت جاننے سے محروم رہتا ہے)، —— ملامتی اور صوفی کا یہ ایک واضح فرق ہے۔

خراسان اور عراق میں ملامتی فرقہ:

خراسان میں ملامتی فرقہ کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہی ہے۔ ان کے مشائخ بھی ہیں جنہوں نے اس کے بنیادی اصول وضع کیے ہیں۔ وہ ان کی شرائط سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔

عراق میں بھی ہم نے اس مسلک کے کئی پیرو دیکھے مگر وہ اس نام سے مشہور نہیں ہیں۔ اس لیے اہلِ عراق اپنی بات چیت میں اس نام کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ ملامتیوں کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ ایک ملامتی کو کسی نے محفل سماع میں شریک ہونے کے لیے بلایا۔ اس ملامتی نے محفل میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس سے شرکت نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا:

''اگر میں محفل سماع میں شریک ہوں گا تو مجھ پر وجد کی حالت طاری ہو جائے گی۔ اس طرح لوگوں کو میرے حال کا پتہ چل جائے گا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کو میرے حال کی خبر ہو''۔

روایت ہے کہ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ [1] نے حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ [2] سے فرمایا:

---

۱ —— حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابوالحسن کنیت تھی۔ حضرابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ سے فیض پایا۔ شیخ احمد بن عاصم الانطا کی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی۔ آپ کے والد، بھائی اور بیٹے بھی زاہد وعابد تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابی الحواری شام کے باغ کا ممتاز پھول ہیں، —— ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

۲ —— حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ الٰہی ہے۔ دمشق کے مضافات میں واقع موضع داریا کے رہنے والے تھے، یہیں وصال ہوا۔ شام کے قدیم مشائخ سے تعلق تھا۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

www.waseemziyai.com

''جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اپنے معاملات میں ایسی لذت محسوس کرتا ہوں جو لوگوں میں ہوتے ہوئے محسوس نہیں ہوتی''۔

حضرت ابوسلیمان الدارانی نے جواب میں فرمایا:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ابھی (روحانی طور پر) کمزور ہو''۔

ملامتی، اگر چہ اخلاص کے دامن سے وابستہ ہے اور صدق وصفا کی بساط پر متمکن ہے، مگر اس صدق واخلاص کے ساتھ ساتھ اس میں نمود خلق کا شائبہ بھی باقی ہے۔ لیکن صوفی عمل اور ترکِ عمل کے اس نام ونمود سے بالکل پاک وصاف ہے۔ اس کا مخلوق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ انہیں بالکل نیست ونابود سمجھتا ہے۔ اس کے سامنے ہر وقت ناصیۂ توحید نمودار ہے۔ اس ارشادِ باری کے اسرار ہر وقت اس کے سامنے ہیں:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ ○ (پ۲۰)

''اللہ کے سوا ہر شے فانی ہے''۔

ایک شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے روحانی غلبہ میں یہ کہا:

''دونوں جہانوں میں اللہ کے سوا اور کوئی شے موجود نہیں'' ——— وہ مندرجہ بالا آیت کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں۔

ملامتی کا اپنا حال چھپانے کی وجوہات:

ایک ملامتی اپنا حال دو وجوہات کی بناء پر چھپائے رکھتا ہے:

○ ——— ایک وجہ تو یہ ہے کہ صدق واخلاص کی تحقیق وتکمیل ہو۔

○ ——— دوسری وجہ جو قیاس کے قریب تر ہے، وہ یہ کہ ان کا یہ جذبہ ایک طرح سے غیرت کی بناء پر ہے۔ کیونکہ جب کوئی اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی میں بیٹھا ہو، وہ اسے قطعاً پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا اس سے آگاہ ہو، ——— وہ اپنی سچی محبت میں اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ اسے یہ بھی بُرا لگتا ہے کہ کسی اور کو اپنے محبوب سے محبت کا علم بھی ہو، ——— اگر یہ محبت کا اعلیٰ مقام ومرتبہ ہے مگر صوفی کے طریقہ میں اسے کوتاہی اور خامی قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال ملامتی کا مرتبہ تصوف سے بلند ہے، مگر صوفی سے کمتر ہے۔

ملامتی فرقہ کے اذکار:

ملامتی فرقہ کے اصولوں کے مطابق ذکر کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں:

○ ——— زبان سے ذکر،

○ ——— قلب سے ذکر،

○ ——— پوشیدہ ذکر،

○ ——— روح کا ذکر۔

www.waseemziyai.com

○ —— جب روح کا ذکر صحیح ہو جاتا ہے تو قلب سے ذکر اور زبان سے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، —— سرّ (باطن) اور قلب اور زبان خاموش ہو جاتے ہیں، —— اسے ذکر مشاہدہ کہتے ہیں۔

○ —— جب سرّ (باطن) کا ذکر (ذکر خفی) صحیح ہو جاتا ہے تو قلب اور زبان خاموش ہو جاتے ہیں، —— اسے ذکر ہیبت کہتے ہیں (یعنی ذکر سرّ جاری ہو جاتا ہے)۔

○ —— جب قلب کا ذکر صحیح ہو جاتا ہے تو زبان ذکر نہیں کرتی، ذکر سے سست ہو جاتی ہے، —— اس ذکر کو ذکر احسانات ونعمت کہتے ہیں۔

○ —— جب قلب ذکر میں سست ہو جاتا ہے تو زبان ذکر میں مصروف ہو جاتی ہے، —— اس ذکر کو ذکر عادت کہتے ہیں۔

ذکر کی آفات:

ملامتیوں کے خیال میں ان چار قسم کے اذکار میں درج ذیل آفات ومشکلات نازل ہوتی ہیں:

○ —— ذکر روح کی آفت یہ ہے کہ سرّ (باطن) اس سے واقف ہو جائے۔

○ —— ذکر سرّ (باطن) کی آفت یہ ہے کہ قلب اس کے ذکر سے مطلع ہو جائے۔

○ —— ذکر نفس کی آفت اس کی نمود (اظہار وریا) ہے کہ اسے بڑا سمجھے اور اس کا اجر وثواب طلب کرے۔ یا نفس یہ خیال کرنے لگے کہ وہ اس ذکر کی بدولت بلند روحانی مقام تک پہنچ جائے گا۔

ملامتیہ میں کمترین وہ شخص ہے جو اپنے مقام اور ذکر کا اس نیت سے اظہار کرے کہ اس کے ذریعے وہ مخلوق میں مقبول ہو جائے۔ اس اصول کی بنیاد اور اصل اصول یہ ہے کہ ذکر روح، ذکر ذات ہے، —— اور ذکرِ سرّ (باطن)، ذکر صفات ہے، —— قلب جو اللہ کی نعمتوں اور احسانات کا ذکر کرتا ہے، وہ آثارِ صفات کا ذکر ہے، —— اور ذکر نفس خامیوں کو ظاہر کرتا ہے۔

○ —— (سرّ) باطن کا روح سے آگاہ ہو جانا، —— کا مطلب یہ ہے کہ ذکر ذات کے وقت فنا ثابت ہو گئی، —— (جب بندہ ذکر ذات میں مشغول ہوتا ہے، اس کی ذات فنا کے مقام پر ہوتی ہے، ——

○ —— جب ذکر ہیبت ہوتا ہے تو اس وقت ذکر صفات بن جاتا ہے (یعنی صفات کا ذکر ہوتا ہے)، ——

اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہیبت کا وجود ہے، لہٰذا ہیبت کا وجود یہ چاہتا ہے کہ وجود اور بقاء دونوں ہی موجود ہیں، —— یہ صورت حال فنا کے منافی ہے (یعنی جب وجود ہے تو فنا ہونا کسی معنی میں ہے)، ——

○ —— اس طرح ذکر سرّ (باطن) میں ہیبت کا وجود موجود ہے، جو ذکر صفات ہے، —— اس سے قرب کے حصہ کا احساس ہوتا ہے، ——

○ —— ذکر قلب جیسا کہ بیان کیا گیا اس میں احسانات وانعامات کا ذکر ہے، اس سے دوری اور بُعد کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ ذاکر نعمتوں کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے، اور اتنی دیر تک منعم حقیقی کو بھولا رہتا ہے، —— یہی بھول اور فراموشی، دوری اور بُعد سے تعبیر کی گئی ہے۔

www.waseemziyai.com

اور عطا و بخشش پر جب نظر ہو گی تو منعم حقیقی کو دیکھنے میں رکاوٹ ہو گی۔ (یعنی نعمتوں کو دیکھنا منعم کو دیکھنے سے محروم رکھتا ہے) اسی وجہ سے ذاکر کی منزل ایک حد تک دور ہو جاتی ہے، —— اور اگر ذاکر کا نفس اجر و ثواب کی توقع رکھے تو اس سے عمل کا وجود شمار میں آ جاتا ہے، —— اعتدال کی حقیقت یہی ہے۔

الغرض! ملامتی فرقہ کی یہ اقسام ہیں، —— ان میں سب لوگ ایک ہی منزل کے راہی اور ایک ہی مقام کے حامل نہیں ہیں، مختلف مراتب و درجات ہیں، —— جن میں

- —— بعض، بعض سے اعلیٰ ہیں،
- —— بعض، بعض سے پست ہیں، اور
- —— بعض متوسط درجہ پر ہیں۔ (اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے)

www.waseemziyai.com

باب نمبر۹:

نام کے صوفی

قلندریہ فرقہ:

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ طبقہ صوفیاء سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، —— یہ لوگ خود کو:

○ —— کبھی قلندریہ کا نام دیتے ہیں،

○ —— کبھی ملامتیہ فرقہ سے منسوب کرتے ہیں۔

ملامتی فرقے کے بارے میں گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ملامتیہ فرقے کا حال باعث شرف ہے اور باعزت مرتبہ ہے، وہ سُنّتِ نبوی کا پیرو ہے اور اخبار و آثار کی پابندی کرنے والا ہے۔ ان میں صدق و اخلاص موجود ہے۔ ملامتی لوگ ایسے نہیں کہ جن کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ شریعت سے دور ہیں اور گمراہ ہیں۔

لفظ ''قلندریہ'' سے ایسے طبقے کی طرف اشارہ ہے جن کے دلوں پر خوشدلی کا خمار چڑھ گیا ہے۔ (یعنی ان کے دلوں پر خوش دلی چھائی ہوئی ہے۔) ان کی عادتیں خراب ہوگئی ہیں۔ خوش دلی کے نشہ نے انہیں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ انہوں نے محفل اور ہم نشینی کے آداب کو ترک کر دیا ہے۔ لوگوں سے ملنے ملانے کے درست طور طریقے چھوڑ دیئے ہیں۔ ہر وقت لہر میں رہتے ہیں۔

فرقہ قلندریہ کی مزید صفات:

خوش دلی کے سرابوں میں پھرنے کی وجہ سے اپنے فرائض کے علاوہ نماز روزہ سے بھی غفلت کرنے لگے ہیں۔ عام طور پر وہ شرع کی اجازت پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ عزم و ہمت کے حقائق کو طلب نہیں کرتے۔ شریعت نے جس طرح کی دنیاوی لذتیں جائز قرار دی ہیں، ان سے بھی لطف اُٹھانے کی پرواہ نہیں کرتے۔ شرعی جواز اور شرعی رخصت سے کم ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں، —— وہ ذخیرہ اندوزی اور مال جمع نہیں کرتے، نہ انہیں زیادہ کی ہوس ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عام طور پر عابد و زاہد کی راہ پر نہیں چلتے۔ بلکہ اللہ کے ساتھ اپنی خوش دلی اور خوش طبعی میں ہی مگن رہتے ہیں۔ (یعنی نہ مال و دولت کی پرواہ ہے نہ زاہدوں کی طرح رغبت و ترکِ دنیا کی طرف مائل ہیں) اسی کو اپنے لیے بہت سمجھتے ہیں۔ انہیں مزید روحانیت حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں۔

ملامتی اور قلندر میں فرق:

ملامتی اور قلندر میں یہ واضح فرق ہے کہ ملامتی اپنی عبادت و بندگی کو چھپاتا ہے، جبکہ قلندر اپنی عادات کو خراب کرتا

www.waseemziyai.com

ہے، ـــــ ملامتی نیکی اور بھلائی کے اصولوں کا پابند ہے اور انہیں قابلِ ترجیح سمجھتا ہے۔ مگر اپنے اعمال اور وجدانی احوال و کیفیات کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ اپنی وضع قطع، حرکات وسکنات اور لباس میں عوام کی طرح رہتا ہے تاکہ اس کا حال پوشیدہ رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ روحانیت میں اضافے کے طالب بھی رہتا ہے اور اپنی انتہائی کوشش قربِ الٰہی کے حصول میں صرف کرتا ہے۔

قلندر خود کو کسی خاص وضع قطع کا پابند نہیں سمجھتا۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اس کا حال جانے یا نہ جانے۔ وہ تو اپنی خوش دلی میں مگن رہتا ہے اور وہی اس کا کل سرمایہ ہے۔

صوفی کا طریقۂ کار:

ملامتی اور قلندریہ کے برخلاف صوفی ہر چیز کو صحیح طریقہ سے استعمال کرتا ہے اور اپنے وقت اور حال کو موقع ومحل کے لحاظ سے دیکھتا اور عمل کرتا ہے۔ وہ خلق کو اس کے مقام پر رکھتا ہے اور خالق کے کاموں کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ (یعنی مخلوق اور خالق دونوں کا الگ الگ مقام رکھتا ہے)، ـــــ جو کچھ چھپانا چاہیے اسے چھپاتا ہے، جسے ظاہر کرنا مناسب ہے اسے ظاہر کرتا ہے، ـــــ وہ سب کام جو زندگی سے متعلق ہوں یا حق طلبی ومعرفت سے تعلق رکھتے ہوں، انہیں عقل ومعرفت، صحتِ توحید، کمال معرفت اور انتہائی صدق واخلاص کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

نام کے صوفی:

ایک راہ گم کردہ جماعت نے جو فتنہ اور گمراہی میں پڑ گئی ہے، خود کو ملامتی کہتی ہے۔ اس نے صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے تاکہ انہیں بھی صوفی کہا جائے۔ حالانکہ طبقہ صوفیاء سے ان کا کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ بلکہ وہ دھوکے اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر ان کا لباس اختیار کیے ہوئے ہیں۔ صوفیاء کے لباس کی آڑ میں اپنا بچاؤ کرتے ہیں۔ کبھی بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ آزاد منش اور رندوں کی راہ پر چلتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے ضمیر (قلوب) اللہ کے ہاں اخلاص سے ہمکنار ہو گئے اور یہ کہ ہم نے اپنی منزل مقصود کو پالیا ہے۔ لہٰذا شرعی رسومات کی پابندی کرنا عوام اور ان لوگوں کا کام ہے جو کم عقل ہیں۔ اور تقلید واقتداء کی تنگ گھاٹی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ کہنا، ایسا سوچنا سراسر الحاد اور بے دینی ہے۔ اس لیے وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہو، بے دینی اور جہالت ہے۔ یہ فریب میں آئے ہوئے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ شریعت حق بندگی ہے اور بندگی کی اصل حقیقت ہے۔ جو اہلِ حقیقت بننا چاہے وہ ضرور حق بندگی کا پابند ہوگا۔ اس سے اس کے علاوہ کاموں کا بھی مطالبہ کیا جائے گا، ـــــ یہ مطالبہ ان لوگوں کے لیے نہیں جو ابھی حقیقت کے درجے تک نہیں پہنچے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ان کی گردن سے شرعی ذمہ داریوں کا بوجھ اتر جائے گا، اور ان کا باطن تحریف اور گمراہی سے بھر جائے گا۔

ظاہری اعمال پر پکڑ:

حضرت شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے بالاسناد حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے ہوتا تھا۔ وحی کا سلسلہ چونکہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ہم تمہارے ظاہری اعمال سے تمہارا مواخذہ (پکڑ) کرتے ہیں۔

○ ــــ جو ہمارے سامنے اچھائی کا اظہار کرے گا، اسے ہم امن دیں گے، اور اسے اپنے قریب رکھیں گے، اس کے باطن سے ہمارا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس کے باطن کا مواخذہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

○ ــــ جس نے نیکی اور اچھائی کے برخلاف کسی کام کا اظہار کیا تو اسے امان نہیں دیں گے، خواہ وہ کہتا رہے: ''میرا باطن اچھا ہے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جس نے تہمت اور الزام سے بچنے کی کوشش نہیں کی، وہ لوگوں کی بدگمانی پر کسی کو ملامت نہ کرے، ــــ اگر ہم کسی کو دیکھیں گے کہ کوئی شخص شرعی حدود میں سستی کر رہا ہے، اور فرض نماز ادا کرنے سے غافل ہے۔ دوسرے فرائض کی ادائیگی میں بھی تساہل سے کام لے رہا ہے۔ تلاوتِ قرآن کریم اور نماز، روزہ میں اسے حلاوت اور لذت محسوس نہیں ہوتی، اور وہ ناپسندیدہ اور حرام افعال میں مبتلا ہے تو ہم اسے ردّ کر دیں گے، نہ اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا کہ اس کا باطن نیک ہے''۔

شریعت کی پابندی ہر حال میں لازم ہے:

حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے بالاسناد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ آپ ایک شخص سے معرفت کا ذکر فرما رہے تھے۔ وہ شخص کہنے لگا:

''اہلِ تقویٰ اور اہلِ معرفت تو نیکی اور تقویٰ کے کام چھوڑ کر اللہ تک پہنچ جاتے ہیں''۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

''یہ اس جماعت کا قول ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ وہ نیک اعمال کرنے کی پابندی سے آزاد ہیں، ــــ اور میرے نزدیک یہ ایک بڑی مصیبت ہے، ــــ جو شخص چوری اور زنا کرتا ہے، میرے خیال میں وہ اس شخص سے بہتر ہے جو ایسا کہتا ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اہلِ معرفت کو یہ اعمال اللہ ہی سے حاصل ہوئے ہیں۔ یہی اعمال لے کر وہ اللہ کے پاس لوٹیں گے، ــــ میں اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی میں نیک کام کا ایک ذرہ بھی کم نہیں کروں گا۔ سوائے اس کے کہ ان کے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے، ــــ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعمال میری معرفت اور میرے روحانی حال و کیفیات کو اور تقویت پہنچاتے ہیں''۔

عقیدۂ حلول:

انہی گمراہوں میں سے ایک جماعت وہ ہے جو حلول کی قائل ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ ان میں حلول کرتا ہے۔ وہ ہر ایک جسم میں حلول نہیں کرتا، بلکہ وہ جن جسموں کو پسند فرماتا ہے، ان میں حلول کرتا ہے، ــــ انہوں نے یہ عقیدۂ حلول، عیسائیوں کے

www.waseemziyai.com

عقیدۂ لاہوت اور ناسوت سے اخذ کیا ہے، ــــ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو خوبصورت چیزیں دیکھنے کو مباح سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ اشارے (ترغیب) بعض صوفیاء کے ان کلمات سے ملے ہیں جو روحانی جذبے کی شدت کے باعث ان کی زبان سے نکل گئے تھے، جیسا کہ:

○ ــــ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے انا الحق کہا تھا،

○ ــــ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبحانی ما اعظم شانی، کہا تھا۔

ہم حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ انہوں نے یہ کلمات اپنے بارے میں کہے ہوں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کا کوئی قول نقل کیا ہو، ــــ اسی طرح سے منصور حلاج کے قول کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔

اللہ حلول سے پاک و منزہ ہے:

اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ اس قسم کے اقوال کے ذکر کرنے سے یہی مراد ہے کہ اللہ ان میں حلول کر گیا تو ہم منصور حلاج کو بھی قطعی طور پر رد کر دیتے، بلکہ اسی طرح جیسے ہم نے اس فرقہ کا رد کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ایک واضح، صاف اور روشن شریعت لائے ہیں۔ اس شریعت نے ہر غلط کار کو درست کار اور سیدھا کر دیا، ــــ اس کے ساتھ ساتھ ہماری عقل ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ اللہ کی صفات کو کس طرح بیان کرنا جائز ہے اور کس طرح ناجائز ہے۔ بلکہ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس میں حلول کرے، ــــ یا وہ کسی شے میں حلول کرے۔

باطنی الہامات:

ممکن ہے کہ فریب کے مارے لوگ جو راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان میں سے کسی شخص کو قدرتی طور پر ذہانت و ذکاوت حاصل ہو۔ اس نے باطنی طور پر ایسے کلمات گھڑ لیے ہوں اور انہیں اللہ کی ذات سے منسوب کر دیا ہو (یا یوں کہہ لیں کہ اس نے اپنی قوتِ فکر سے ان کلمات کو ترتیب دے کر اللہ کی ذات سے منسوب کر دیا ہو۔) اور انہیں خدائی کلمات کا نام دے کر یہ کہہ دیا ہو:

○ ــــ خدا نے مجھ سے یہ کہا،

○ ــــ اور میں نے خدا سے یہ کہا،

اس صورت میں یہ شخص:

○ ــــ یا تو اپنے نفس اور اس کی باتوں سے ناواقف ہوگا،

○ ــــ یا اپنے پروردگار سے بھی ناواقف ہوگا اور مکالمے کی کیفیت اور حقیقت سے بھی بے خبر ہوگا،

○ ــــ یا یہ کہ اسے پتہ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، غلط ہے مگر اس کی نفسانی خواہش اسے یہ دعویٰ کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

○ ــــ یا وہ اس وہم میں گرفتار ہے کہ وہ اس معاملے میں کامیاب ہو گیا۔

مگر یہ سب گمراہی و ضلالت کی باتیں ہیں، ــــ اس دعویٰ کی جرأت اسے شاید اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے بعض اہلِ حقیقت سے ایسے کلمات سنے ہیں جو انہیں ظاہری اور باطنی طویل واردات کے بعد حاصل ہوئے تھے۔ لیکن اس کی نظر سے یہ پہلو

www.waseemziyai.com

اوجھل رہا کہ یہ اہلِ حقیقت اپنی جماعت کے اصولوں کے مطابق زُہد وتقویٰ کے مطابق ہرطرح سے پابندرہے ہیں۔اس لیے جب ان کا باطن صاف ہوا تو ان کے اندر کتاب وسُنّت کے مطابق الہاماتِ باطنی استغراق کے باعث نازل ہوتے تھے۔وہ کوئی ایسا کلام نہیں بولتے جسے ظاہری سماعت سے سنا جاسکے۔اس کی مثال اس بات کی طرح ہے جونفس میں پیدا ہوا اور فکر اس کو پالے۔یہ کلام ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ دل ہی دل میں باتیں کی جارہی ہیں۔یہ الہامات کتاب وسُنّت کے علم کے موافق ہوتے تھے۔یہ کلام دراصل ان کے سرّ و باطن کی مناجات ہے،اس کلام (الہام والقا) سے وہ اپنے لیے مقامِ بندگی اور اپنے مولیٰ کے لیے مقامِ ربوبیت کو برقرار رکھتے ہیں۔اپنے مقامِ بندگی میں اضافہ کرتے ہیں اور باری تعالیٰ کا مزید عرفان حاصل کرتے ہیں۔

اس طرح سے وہ سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر انہیں الہام اور القا سے جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایک فانی (حادث) علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن میں پیدا فرمایا ہے،—لہٰذا اس راہ میں جو لوگ صحیح فہم رکھتے ہیں اور ہوش مند صوفیاء ہیں وہ اپنے نفسوں کی بیان کردہ باتوں کو اللہ کی طرف سے جانتے ہیں۔آخرکار نفسانی خواہشوں سے ان کا میدان صاف ہو جاتا ہے۔ان کے باطن میں کچھ الہامات ہونے لگتے ہیں۔انہیں وہ اللہ کی طرف اس طور سے منسوب کرتے ہیں کہ ان افعال کا وہ خالق ہے، ایسی نسبت نہیں جو کلام کو متکلم کے ساتھ ہوتی ہے۔اس لیے وہ تحریف اور بے راہ روی سے محفوظ رہتے ہیں۔

جبر کا عقیدہ:

انہی (گمراہ جماعتوں) میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے تئیں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ توحید کے گہرے سمندروں میں غرق ہیں۔اس حال میں انہیں ٹھہراؤ ہے نہ قرار ہے،—ان کا یہ نظریہ ہے کہ وہ کوئی کام یا حرکت اپنے اختیار سے نہیں کرسکتے، کیونکہ وہ مجبورِ محض ہیں۔اللہ کے فعل اور اختیار کے مقابلے میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں۔اس لیے وہ گناہوں اور نفسانی خواہشوں میں خود کو بے بس پاکر ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں۔اس طرح وہ نکمے اور غافل ہوجاتے ہیں۔اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے باہر نکل جاتے ہیں۔ اور شرعی احکام اور حلال وحرام کی پابندی نہیں کرتے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا، جو یہ کہتا تھا:
''میں ایک دروازے کی طرح ہوں، جب تک مجھے ہلایا نہ جائے اس وقت تک میں حرکت نہیں کرسکتا''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:
''یہ بات یا تو ایک صدیق (بہت مخلص اور سچا) کہہ سکتا ہے،—یا ایک زندیق (بے دین) کہہ سکتا ہے،—ایک صدیق یہ بات اس وقت کہے گا جب وہ شریعت کے اصولوں کا پابند ہوا اور اس نے عبودیت کے تمام حقوق ادا کردیئے ہوں،—اس وقت اس کا یہ کہنا اس طرف اشارہ کرے گا کہ سب اشیاء کا دارومدار اللہ پر ہے۔
مگر ایک زندیق یہ بات کہہ کر ساری ذمہ داریاں اللہ پر ڈال دیتا ہے (اور خود کو بری الذمہ سمجھتا ہے) تاکہ اس سے سارے اعمال ساقط ہوجائیں اور وہ دین کے دائرے اور اس کی رسومات سے الگ ہوجائے''۔

مگر جو شخص حلال وحرام اور شرعی حدود واحکام کا معتقد ہے۔جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ اپنے گناہ کا اعتراف

www.waseemziyai.com

کرتا ہے اور اس سے توبہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔تو ایسا شخص صحیح مسلمان ہے، چاہے احکام کی تعمیل میں اس سے سستی اور غفلت ہو جاتی ہو۔اور اپنی نفسانی خواہش کی ترغیب پر ملکوں کا سفر کرتا ہو، ــــ دنیا کی لذتوں سے خوب لطف اُٹھاتا ہو، ــــ یا وہ کسی ایسے شیخ کی صحبت میں نہ اُٹھا بیٹھا ہو جو اسے تہذیب اور ادب سکھائے اور اس کی خامیوں اور کوتاہیوں سے اسے آگاہ کرے۔

بہر حال اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۰:

مشائخ کا مقام و مرتبہ

اللہ کے محبوب بندے:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! — اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کو وہی لوگ محبوب ہیں جو اس کے بندوں میں اللہ کی محبت کا جذبہ بیدار کرتے ہیں، — اور انہیں اللہ کا محبوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں، — بلکہ روئے زمین پر ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی کے لیے سرگرم عمل ہوتے ہیں''۔

اس حدیث شریف میں جن حضرات کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، وہ مشائخ کرام کا مقام و مرتبہ ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ کے بندوں کا اللہ سے محبت کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے صوفیاء کے طریقہ میں شیخ کا مرتبہ ایک افضل اور اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بلکہ دعوت الی اللہ میں وہ پیغمبروں کی نیابت کرتا ہے۔ شیخ اپنے مرید میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ اسے رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ جو صحیح طریقہ سے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرتا ہے، اللہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۝ (پ۳، رکوع ۱۲:۱)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا''۔

شیخ اپنے مرید کو اللہ کا پیارا کیسے بناتا ہے؟:

شیخ بندوں کو اللہ کا پیارا اس طرح بناتا ہے کہ وہ مرید کو تزکیۂ نفس کی راہ پر چلاتا ہے۔ جب اس کا نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے تو اس کے دل کا آئینہ چمکنے لگتا ہے۔ اس پر عظمتِ الٰہی کے انوار و تجلیات کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ بلکہ اس کی بصیرت کی نگاہیں بھی اس کے قدیم جلال کی تجلیات اور ازلی کمال کے مشاہدہ میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ اس تزکیہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے رب سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ (پ۳۰، سورہ شمس)

''جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اس نے فلاح پائی''۔

اس کی فلاح کی صورت یہی ہے کہ وہ اللہ کی معرفت میں کامیاب ہوا، ـــــ فلاح کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب بندے کا آئینہ قلب پاک ہو کر چمک اٹھا تو اس وقت اسے اپنے اندر کی تمام خامیاں اور بُرائیاں نظر آئیں، ـــــ اسے دنیا کی اصل حقیقت دکھائی دی، ـــــ آخرت کی بھی اصل حقیقت اور اس کی سب خوبیاں بھی نظر آئیں، ـــــ اس کی چشم بصیرت پر اسی وقت دونوں جہان کے حقائق اور ان کے نتائج منکشف ہو گئے۔ اس وقت بندۂ خدا (مرید) نے دائمی چیز کو اختیار کر لیا اور اس سے محبت کرتے ہوئے فانی چیز سے منہ موڑ لیا۔

اس طرح تزکیۂ نفس کا یہ وہ فائدہ ہے جس سے مشائخ کے مقام و مرتبہ اور ان کی تربیت کے اثرات واضح ہو جاتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ مشائخ اللہ کا لشکر ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستہ پر لگاتا ہے اور طالبانِ حقیقت کو ہدایت دیتا ہے۔

مشائخ کی ضرورت و اہمیّت:

مشائخ کرام سے بالاسناد یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر کہیں بیس یا اس سے زیادہ افراد موجود ہوں اور ان میں ایک بھی شخص ایسا نہ ہو جو لوگوں کو اللہ کا ڈر دلانے والا ہو، تو پھر ان سب کا معاملہ خطرے میں پڑ جائے گا''۔

چنانچہ مشائخ اللہ کے وقار سے واقفیت کا ذریعہ ہیں۔ وہی لوگوں کو ظاہری اور باطنی ادب سکھاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۝ (پارہ ۷، رکوع ۱۶:۱۸)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، چنانچہ ان کی ہدایت پر چلو''۔

لہٰذا مشائخ کو جب ہدایت ملی تو وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے۔ انہیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنایا گیا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا (حدیثِ قدسی):

''میرے بندے پر جب میرا مشغلہ غالب ہو تو میں اس کی تمام تر توجہ اور لذت اپنے ذکر پر مرتکز کر دیتا ہوں۔ جب میرا ذکر اس کی توجہات اور لذات کا مرکز بن جاتا ہے تو وہ میرا عاشق ہو جاتا ہے، میں بھی اس سے عشق کرتا ہوں۔ میرے اور اس کے درمیان جو حجابات حائل ہیں انہیں ہٹا دیتا ہوں، ـــــ اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب اور لوگ غافل ہو جائیں تو وہ غافل نہیں ہوتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا کلام پیغمبروں کا کلام ہے۔ یہی لوگ اصل میں بطلِ عظیم ہیں، ـــــ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر میں روئے زمین کے باشندوں کو سزا دینا چاہوں یا ان پر کوئی عذاب نازل کروں تو انہیں کی وجہ سے دنیا والوں سے اپنے عذاب کو روک لیتا ہوں''۔

سالکِ طریقت کا مرتبۂ شیخ کو پہنچنا:

ایک سالک طریقت کا مرتبۂ شیخ کو پہنچنے میں یہ راز نہاں ہے کہ سالک ضبط نفس پر مامور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی

www.waseemziyai.com

(نفسانی) صفات میں بھی مبتلا ہوتا ہے۔اس لیے وہ صدق معاملہ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچ کر اس کا نفس سکون محسوس کرتا ہے۔اس وقت سکون کی بدولت اس کی فطری سردی اور خشکی دور ہو جاتی ہے۔ جو اصل پیدائش سے اس کے ساتھ تھی، اور اسی وجہ سے وہ اطاعت اور بندگی بجالانے میں روگردانی کیا کرتا تھا۔لہٰذا نفس کی خشکی اور سردی دونوں زائل ہوگئیں تو سرکشی کی ہمت اور اطاعت سے گریز بھی فنا ہوگئے۔تب روح کی حرارت نفس کو نرم کر دیتی ہے۔اس نرمی سے مانوس ہو کر وہ اطاعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔طبیعت کی اس نرمی اور ملائمت کی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ۝ (پ۲۳، رکوع ۱۷:۲)

''پھر ان کی جلدیں اور قلوب اللہ کے ذکر کے لیے نرم پڑ جاتے ہیں''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے کا قلب، روح اور نفس کے درمیان ہے۔اس کے دو رُخ ہیں:

○ —— ایک رُخ نفس کی طرف ہے،

○ —— دوسرا رُخ روح کی طرف ہے۔

روح کے رُخ کی طرف سے اسے روحانی اثرات پہنچتے ہیں، اور نفس کے رُخ کی سمت سے اس پر نفسانی رجحانات اثر انداز ہوتے ہیں۔اس طرح اس کے باطن میں یہ کشمکش جاری و ساری رہتی ہے۔نفس کو جب سکون حاصل ہوتا ہے اور سالکِ طریقت ضبطِ نفس سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سلوک کی منزل ختم ہو جاتی ہے۔کیونکہ اس کا نفس اس کے قابو میں آ جاتا ہے۔اس وقت وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں رجوع ہو جاتا ہے۔

شیخ و مرید کے درمیان روحانی رشتہ:

نفس سے فارغ ہونے کے بعد سالک پھر قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تا کہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔اس لیے کہ قلب کا نفس کی طرف میلان ہوتا ہے۔اور قلب نفس کی طرف متوجہ ہے، —— اس وقت شیخ اپنے مریدوں اور طالبانِ حقیقت کے نفوس کو بھی اپنے نفس کی مانند سمجھتا ہے۔کیونکہ جنسی وجود کے لحاظ سے ان کے نفوس میں اور شیخ کے نفس میں کوئی فرق نہیں ہوتا (یعنی نفسیت میں وہ اس کے ہم جنس ہیں)، —— ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شیخ و مرید کے درمیان ایک روحانی رشتہ قائم ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اُلفتِ الٰہی دونوں میں موجود ہے۔یہی اُلفت دونوں میں قدر مشترک ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط ۝ (پ۱۰، رکوع ۴:۵)

''اگر تم روئے زمین کی تمام دولت صرف کر دیتے تب بھی تم ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، لیکن یہ اللہ ہی ہے جو ان کے دلوں کو جوڑتا ہے''۔

لہٰذا جس طرح شیخ نے اپنا ضبطِ نفس کیا تھا، اسی طرح وہ اپنے مریدوں کے نفسوں پر بھی نظم و ضبط قائم رکھتا ہے۔اس صورت میں شیخ اخلاقِ الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے۔اس وقت یہ ارشادِ باری ہوتا ہے:

''دیکھو میرے بندوں میں میرے دیدار کا شوق بڑھتا چلا جا رہا ہے۔تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ میں بھی ان سے

www.waseemziyai.com

ملاقات کا بہت اشتیاق رکھتا ہوں''۔ (حدیثِ قدسی)

اللہ تعالیٰ نے چونکہ مرید اور شیخ میں ایک روحانی رشتہ اچھی طرح قائم کر دیا ہے۔ اس لیے مرید شیخ کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔ جیسے جسمانی ولادت میں ایک نومولود اپنے باپ کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اسی طرح مرید کی روحانی ولادت کا آغاز ہوتا ہے۔ (یوں کہیے کہ ولادت تو بیک وقت دو طرح سے ہوئی: ایک ولادتِ روحانی اور ایک ولادتِ طبعی) جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ شخص آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کی ولادت دو طرح سے نہیں ہوئی''۔

○ ــــ ولادت اوّل یعنی ولادت طبعی (جسمانی) میں انسان کا اس ظاہری دنیا سے تعلق قائم ہوتا ہے، اور

○ ــــ ولادت دوم یعنی ولادت روحانی میں انسان کا روحانی دنیا اور ملکوت (سلطنت) سے رشتہ قائم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ملکوت کا لفظ اس طرح سے آیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ○ (پ ۷، رکوع ۱۵:۶)

''اس طرح ہم ابراہیم کو دکھلاتے تھے آسمانوں اور زمین کی ملکوت (سلطنتیں)، تا کہ وہ اہلِ یقین سے ہو جائے''۔

نبیوں کی میراث:

کمال درجے کا یقین اسی روحانی ولادت میں حاصل ہوتا ہے اور اس روحانی ولادت کی بدولت ہی انسان نبیوں کی میراث کا مستحق بنتا ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی ہوشیار اور صاحبِ فہم ہو۔ اگر اسے نبیوں کی میراث سے حصہ نہیں پایا تو یوں سمجھو وہ (روحانی طور پر) پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فہم و ذکا، عقل کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اگر عقل نور شریعت سے خالی ہو کر خشک ہو چکی ہو تو وہ عالم ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اس کا آنا جانا فقط ظاہری دنیا تک ہی محدود رہے گا۔ (وہ تذبذب کے عالم میں رہے گی۔) محض علومِ ریاضی (جو علوم عقلیہ ہیں) ان تک ہی ان کا تصرف رہے گا۔ یعنی علومِ ریاضی کے دلائل سے آگاہ ہو کر صرف دنیاوی علوم میں اپنا تصرف کرتی رہے گی، عالم ملکوت تک پرواز نہ کر سکے گی۔

یہ عالم ہستی اس کا ظاہر ہے، اور عالم ملکوت اس کا باطن ہے، ــــ اسی طرح عقل، روح کی زبان ہے، ــــ وہ بصیرت و دانائی جس سے ہدایت کی کرنیں پھوٹتی ہیں، روح کا دل ہے، ــــ زبان، دل کی ترجمان ہے، ــــ ترجمان جو کچھ بولتا ہے وہ اس شخص کو پتا چلتا ہے جس کی وہ ترجمانی کر رہا ہوتا ہے، ــــ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس عقلیں تو ہیں لیکن نورِ ہدایت سے محروم ہیں۔ یہ نورِ ہدایت عطیہ خداوندی ہے جو ان لوگوں کو عطا کیا گیا ہے جو نبیوں کی صحیح پیروی کرنے والے ہیں، ــــ لہٰذا جن لوگوں کی عقلیں نورِ ہدایت سے محروم ہیں، وہ سیدھی اور صحیح راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ محض ایک ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں، اس کی حیثیت سے محروم اور ناواقف ہیں۔

یوم میثاق سے دلیل:

اس طرح قدرتی اور جسمانی (یعنی طبعی) ولادت میں اولاد کے ذرّات اور جراثیم جو باپ کی پشت (صلب) میں ودیعت کیے

www.waseemziyai.com

گئے تھے، یہ ذرّات اولاد کی تعداد کے مطابق آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ یہی وہ ذرّات ہیں جن سے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے: ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) فرمایا تھا، — اور ان ذرّاتِ نے اس کے جواب میں: ''قَالُوْا بَلٰی'' (ہاں، کیوں نہیں!) کہا تھا، — یہ واقعہ بطنِ نعمان کے مقام پر پیش آیا تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، — اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر مسح فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام کے بدن کے مساموں سے یہ اس طرح بہنے لگے تھے جس طرح پسینہ بہتا ہے، — اولادِ آدم جس قدر تعداد میں تھی، ذرّات بھی اتنی تعداد میں تھے، — اس میثاق کے بعد وہ ذرّات حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پھر واپس بھیج دیئے گئے، — ان آباء میں:

○ — بعض ایسے تھے جن کی پشت میں یہ ذرّات داخل ہو گئے۔

○ — بعض ایسے تھے جن کی پشت میں کوئی ذرہ نہیں پہنچ سکا، اس طرح ان کی نسل منقطع ہو گئی (ان کی اولاد نہیں پیدا ہوئی۔)

ایسا ہی حال کچھ مشائخ کا ہے:

○ — ان میں سے کوئی شیخ تو ایسا ہے کہ جس کی اولاد (معنوی اولاد/مریدین) کثرت سے ہوئی، اس شیخ سے وہ مرید علوم اور روحانی مدارج حاصل کرتے ہیں (یہ سلسلہ آگے چلتا رہتا ہے)، — یہ دوسروں تک بھی اسی طرح فیض پہنچاتے ہیں جس طرح انہیں مشائخ کرام کی صحبت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا تھا۔

○ — بعض مشائخ ایسے ہیں جن کی روحانی اولاد کم ہوتی ہے۔

○ — بعض مشائخ ایسے ہیں جن کی نسل منقطع ہو گئی ہے۔ ان کی کوئی معنوی اولاد نہیں ہے۔

نسل منقطع ہونے کا یہی طعنہ ہے جو کفارِ مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو دیا تھا کہ خدانخواستہ آپ کی نسل منقطع ہو گئی۔ اس پر یہ ارشادِ باری ہوا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (پ۳۰، کوثر)

''بے شک آپ کے دشمن کی نسل منقطع ہو گئی''۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نسل تو تا قیامت باقی رہے گی، اور اس روحانی اور معنوی نسبت کی وجہ سے آپ کے علم کی میراث اہلِ علم تک پہنچتی رہے گی۔

علم کی فضیلت:

شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کرام سے بالاسناد حضرت کثیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت بیان کی ہے۔ حضرت کثیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اے ابو درداء! میں رسول اکرم ﷺ کے شہر مدینہ سے آپ کی خدمت میں وہ حدیث حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں جسے آپ رسول اللہ ﷺ کے واسطے (عن) سے بیان فرماتے ہیں''۔ (یعنی آپ نے رسول اللہ ﷺ سے

براہِ راست سنا ہے)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''آپ یہاں تجارت کے سلسلے میں آئے ہیں یا کسی اور کام سے آئے ہیں؟''

اس شخص نے کہا:

''صرف اسی کام کے لیے!'' ـــــ یہ سن کر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص محض علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے کسی راستے پر لگا دے گا''۔

طالبِ علم کی فضیلت:

حقیقت یہ ہے کہ طالب علم کو خوش کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ آسمان و زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں، وہ سب طالب علم کی بخشش کے لیے دعا کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس دعا میں شریک ہیں، ـــــ یہی وجہ ہے کہ عالم کو ایک عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

(باعمل) علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ نبیوں نے اپنی میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے، ان کا ورثہ صرف علم ہے، ـــــ جس نے علم حاصل کیا، اس نے اس میراث کا ایک بڑا حصہ پایا۔ علم و حکمت کا یہ ذخیرہ سب سے پہلے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد ان سے منتقل ہو کر دوسروں تک پہنچا، ـــــ علم کے ساتھ ساتھ انسان نے نسیان اور خطا اور نفسانی خواہشیں بھی ان سے ورثہ میں پائیں۔

جسدِ آدم علیہ السلام کا مرکب:

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ مٹی کے تمام اجزاء سے ایک مٹھی بھر کر لائیں، ـــــ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک جوہر کو پیدا کیا، پھر اس جوہر سے زمین کے تمام اجزاء کو مرکب کیا۔ ان مرکب اجزاء پر ایک نظر ڈالی تو ان میں کلماتِ الٰہی سننے اور جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اس طرح خطاب فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ (سورہ ۴۱:۱۱)

''تم دونوں آؤ خوشی سے یا مجبور ہو کر، ـــــ ان دونوں (زمین و آسمان) نے کہا: ''ہم اطاعت گزار ہو کر آئے''۔

اس خطاب کے ذریعے زمین کے اجزاء میں ایک خاصیت پیدا ہو گئی۔ پھر ان سے یہ خاصیت اس طرح سے لے لی گئی کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت تیار کی جائے۔ ان اجزائے زمین سے جسم آدم کا مرکب تیار کیا گیا جن میں یہ خاصیت موجود تھی، ـــــ زمین کے اجزاء کے تناسب کے لحاظ سے اس میں آرزو اور نفسانی خواہش بھی شامل ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس نے فنا کے درخت کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ اکثر روایات کے مطابق یہ فنا کا درخت، گیہوں کا پودا تھا۔ اس طرح ان کے قالب (جسم) نے فنا کا راستہ پا لیا، ـــــ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح پھونک کر نئی دنیا سے آشنا کیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

www.waseemziyai.com

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ○

''جب میں نے اسے برابر کیا اور اس پر اپنی روح سے کچھ پھونکا''۔

اس طرح اس نے علم وحکمت کو حاصل کیا،— برابر کرنے سے وہ نفسانی نفس والا ہو گیا،— اور روح کے پھونکنے سے اس میں روحانی روح پیدا ہو گئی،— اس بات کی اگر توضیح وتشریح کی جائے تو وہ بہت طویل ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ آدم علیہ السلام کا قلب علم وحکمت کا خزانہ بن گیا اور اس کا قالب نفسانی خواہش کا مرکز بن گیا۔

انسانوں کا روحانی باپ:

علم اور نفسانی رجحانات حضرت آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر اس کی اولاد کی میراث میں آئے، وہ جسم اپنے فطری اور طبعی رجحانات کی وجہ سے (جو خواہشوں کا مرکز ہیں) حقیقی باپ بنا۔ مگر علم کی وجہ سے اور روحانی ومعنوی ولادت سے اس نے روحانی باپ کا درجہ پایا،—

جہاں تک ظاہری ولادت کا تعلق ہے وہ فنا ہو جائے گی، مگر معنوی ولادت باقی (لافانی) رہے گی۔ کیونکہ معنوی ولادت کا تعلق جنت کے اس درجے سے ہے جو علم کا درخت (شجر) کہلاتا ہے، نہ کہ گیہوں کے درخت (پودے) سے۔ ابلیس نے گیہوں کے پودے (درخت) کا نام شجرۃ الخلد رکھ دیا تھا۔ کیونکہ وہ ہر چیز کو متضاد نقطہ سے دیکھا کرتا ہے۔ اس ساری گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ روحانی اور معنوی باپ ہے۔ اسی لیے ہمارے شیخ الاسلام حضرت ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''میرا فرزند وہ ہے جو میری راہ پر چلے اور میری مثال اور میرے نمونہ سے ہدایت حاصل کرے''۔

سالکانِ طریقت کی اقسام:

وہ شیخ جس کے ذریعے سے روحانی فیض حاصل کیا جاتا ہے، اسے ابتدائی طریقہ میں کبھی محبین کی راہ پر چلایا جاتا ہے،— اور کبھی وہ محبوبین کی راہ پر چلایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سالکانِ طریقت اور نیک بندوں (سالکین وصالحین) کی چار اقسام ہیں:

- ○ — محض سالک، یعنی سالک مجرد
- ○ — محض مجذوب، یعنی مجذوب مجرد
- ○ — سالک مابعد مجذوب (وہ سالک جسے بعد میں جذب کی حالت بھی حاصل ہو جائے۔)
- ○ — مجذوب مابعد سالک (وہ مجذوب جو بعد میں راہِ سلوک پر گامزن ہو)۔

ان میں محض سالک یا سالک مجرد، شیخ بننے کا اہل نہیں، نہ وہ شیخ کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہی مقام پر پہنچ کر رک گیا ہے۔ یہ مقام، مقام معاملات ومقامِ ریاضت ہے۔ وہ اس سے بلند مقام پر نہیں بڑھ سکتا۔ اس لیے کہ اس میں نفسانی صفات باقی ہیں۔ وہ رحمتِ الٰہی سے حصہ پانے کے بعد اپنے مقام پر ٹھہر گیا ہے۔ وہ اس حال سے ترقی کر کے اس حال تک نہیں پہنچ سکتا جس کی بدولت وہ مجاہدے اور ریاضت کی سوزش وتپش سے راحت وآرام پا سکتا ہے۔

اسی طرح محض مجذوب یا مجذوب مجرد کا حال ہے کہ اسے سلوک کے بغیر یقین الٰہی کی نشانیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس کے

www.waseemziyai.com

قلب سے کچھ پردے ہٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا اسے معاملات اور مجاہدات کی سب منزلیں طے کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جبکہ معاملات کامل اثر رکھتے ہیں (اس بات کی وضاحت آگے چل کر کی جائے گی)۔ بہرحال مجذوب مجرد بھی شیخ بننے کا اہل نہیں۔ وہ اللہ کے عطا کردہ درجے پر ٹھہر گیا ہے اور اپنے حال میں مست ہوتا ہے۔ سوائے چند فرائض کے وہ کسی اور عمل پر ماخوذ نہیں ہوتا۔

سالک مابعد مجذوب:

سالک مابعد مجذوب وہ ہے جس کی روحانی زندگی کا آغاز مجاہدات اور ریاضت سے ہوتا ہے۔ اس کے سب معاملات پُرخلوص ہوتے ہیں۔ وہ روحانیت کی تمام شرائط پر پورا اترتا ہے۔ اس کے بعد اسے مجاہدے کی تپش سے نکال کر راحت حال اور روحانی کیفیات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ یہاں آ کر وہ تلخ حنظل کے بعد شیریں شہد سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس پر اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدے کی تنگ وادی سے نکل کر آسانی اور سہولت کے میدان میں پہنچ جاتا ہے، یہاں پہنچ کر وہ قربِ الٰہی کی خوشبوؤں کے مزے اُٹھاتا ہے۔ پھر اس پر مشاہدۂ حق کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ اپنے دکھ درد کی دوا پا سکے۔ اس کا ظرف مشاہدے کی لذت سے فیض بار ہوتا ہے۔ اس کی اپنی زبان سے حکمت کے کلمات ادا ہونے لگتے ہیں۔ لوگوں کے قلوب اس کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ اس پر غیبی فتوحات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اس طرح اس کا ظاہر سمٹ جاتا ہے اور باطن مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جلوۂ الٰہی کا اہل ہو جاتا ہے۔ پھر جلوت میں خلوت کا لطف اُٹھاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ غالب رہتا ہے، کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ دوسروں پر تصرف کرتا ہے، کوئی دوسرا اس پر تصرف نہیں کر سکتا۔

ایسا شخص شیخ بننے کا اہل ہے۔ اس لیے کہ اس محبین کا راستہ اختیار کیا۔ وہ نیک بندوں جیسے عمل کر کے مقرّبین کی جماعت میں داخل ہوا۔ اور اسے مقرّبین بارگاہ کے احوال و کیفیات عطا ہوئے۔ مگر ایسا شخص اپنے حال کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اپنے حال میں ٹھہر کے رہ جاتا ہے۔ وہ روحانیت کے مزید بلند درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اپنے دائرے میں محدود رہتا ہے۔ بہرحال یہ بھی ایک بلند مرتبہ ہے جس طرح کہ اہلِ علم کے درجات ہوتے ہیں۔

مجذوب مابعد سالک:

یہ مشیخت کا بلند ترین اور کامل ترین مقام ہے۔ جو شخص مجذوب ہونے کے بعد سالک بن جائے، اسے اللہ تعالیٰ ابتداء ہی میں کشف و انوارِ یقین سے سرفراز کرتا ہے۔ اس کے قلب سے تمام حجابات اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ مشاہدۂ حق کی تجلیات سے اس کا دل جگمگا اُٹھتا ہے۔ وہ دھوکے کی دنیا سے الگ ہو کر غیر فانی عالم (دارالخلد) کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور روحانی سرمستیوں کے سمندر سے سیراب ہوتا ہے۔ اغلال (پابندیوں) اور اعلال (اسباب) سے آزاد ہو جاتا ہے،—— اس وقت وہ علی الاعلان کہتا ہے:

''میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے نہیں دیکھا''۔

یعنی وہ مشاہدے کی عبادت کرتا ہے۔ اس وقت اس کے باطن سے اس کے ظاہر کو فیض ملتا ہے۔ اس موقع پر اس کے مجاہدات اور معاملات کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ مگر وہ اس حوالے سے کسی قسم کی کوئی تکلیف اور مشقت محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ ان تکالیف میں وہ لذت و سرور محسوس کرتا ہے۔ یہ شدائد اسے خوشگوار لگتے ہیں۔ ایسے میں اس کا قالب بھی اس کے قلب کی طرح محبتِ الٰہی سے لبریز

www.waseemziyai.com

ہو جاتا ہے۔جس طرح کہ اس کا قلب نرم ہے۔اسی طرح اس کی جلد بھی نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔اس کی جلد کے نرم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا قالب (جسم) بھی عمل کے لیے اسی طرح آمادہ ہو جاتا ہے،جس طرح اس کا قلب قبول کرتا ہے،اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے خاص ارادوں کو بڑھاتا ہے،اور اسے بامراد محبوبوں کی سی خاص محبت عنایت کرتا ہے۔ پہلے وہ اس سے محبت کو منقطع کرتا ہے،پھر محبت کرنے لگتا ہے،—— کبھی منہ پھیر لیتا ہے،پھر نامہ و پیام بھیجنے لگتا ہے۔نفس کا جمود اس سے دور کر دیتا ہے اور روح کی گرمی سے اسے گرماتا ہے۔حتیٰ کہ نفس کی رگیں اس کے دل سے سکڑ جاتی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَـقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ○ (پ ۲۳، رکوع ۱۷ : ۲)

”اللہ وہ ہے جس نے بہترین کلام کی کتاب نازل فرمائی۔جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور دہرائے ہوئے ہیں۔اس کلام سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں،پھر ان کی جلدیں اور قلوب اللہ کے ذکر سے پسیج جاتے ہیں“۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح دل نرم پڑ جاتے ہیں،اسی طرح جلدیں بھی نرم پڑ جاتی ہیں۔یہ حال صرف انہی کا ہو سکتا ہے جو محبوب المراد ہیں۔

شیطانی اثرات سے حفاظت:

حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس نے جب قلب تک پہنچنے کا راستہ پوچھا تو اسے بتایا گیا:

”یہ راستہ تیرے لیے ممنوع ہے۔البتہ تجھے نفس کی ان رگوں کے ذریعے راستہ مل سکتا ہے جو نفس کے ذریعے قلب سے ملتی ہیں۔جب تو ان رگوں میں داخل ہو گا تو ان تنگ راستوں کی وجہ سے تو پسینہ پسینہ ہو جائے گا،اور تیرا پسینہ اس راہ میں آبِ رحمت سے مل جائے گا،جو قلب کی طرف سے ایک ہی سمت میں ٹپکتا رہتا ہے۔اس طرح قلب پر تیرا تسلّط ہو جائے گا۔

مگر جسے میں نبی یا ولی بناؤں گا،اس کے قلب کے بطن سے ان رگوں کو ختم کر دوں گا،اس طرح وہ قلب تیری پہنچ سے محفوظ رہے گا،—— اور تو قلب تک نہیں پہنچ سکے گا۔ان (نبی یا ولی) کے قلب پر تیرا تسلّط نہ ہو سکے گا“۔

شیخ کا قلب شیطانی تسلّط سے مامون ہے:

وہ بامراد محبوب جو شیخ بننے کا اہل ہے،اس کا قلب محفوظ رہتا ہے۔اس کا سینہ فراخ ہو جاتا ہے۔اس کی جلد نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔اس طرح اس کا قلب روح کا ہم مزاج بن جاتا ہے۔اس کا نفس قلب کے موافق ہو جاتا ہے۔وہ نفس جو نافرمانی پر اُکساتا تھا،وہ بھی راہ پر آ کر نرم پڑ جاتا ہے۔نفس کی نرمی کے ساتھ ساتھ اس کی جلد بھی نرم پڑ جاتی ہے۔روحانی کیفیات سے ہم کنار ہو کر عمل کی طرف رجوع کرتا ہے۔اس کی روح بارگاہِ الٰہی کی طرف کشش کرتی ہے،اور قلب کو اپنا تابع بناتی ہے۔نفس،قلب کا تابع بن جاتا ہے،اور قلب،نفس کا تابع بن جاتا ہے،اس طرح قلبی اعمال (روحانی) اور قالبی اعمال (مادی) ایک دوسرے میں گھل مل جاتے

www.waseemziyai.com

ہیں۔ظاہر و باطن ہم رنگ و ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا، — قدرت حکمت میں اور حکمت قدرت میں، دنیا آخرت میں اور آخرت دنیا میں سما جاتے ہیں۔ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ایسے مقام پر وہ بامراد محبوب یہ کہنے میں حق بجانب ہوتا ہے:

"اگر تمام پردے اُٹھا دیئے جائیں تب بھی میرے ایمان و یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا"۔

چنانچہ اسے حال کی پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے گا۔وہ حال پر غالب آ جائے گا، حال اس پر حاوی نہیں ہوگا، یعنی وہ ہر طرح سے آزاد ہوگا۔

قلب ونفس کی پابندی سے آزادی:

وہ شیخ جس نے محبوب تک رسائی کے لیے محبین کا راستہ اپنایا تھا، وہ بھی نفس کی پابندی سے آزاد ہوتا ہے مگر قلب کی پابندی سے آزاد نہیں ہوتا۔

لیکن وہ شیخ جو محبین کا راستہ اپنانے کی بجائے محبوبیت کے راستے سے محبت تک پہنچنا چاہتا ہے، وہ نفس اور قلب دونوں کی پابندی سے آزاد ہوتا ہے، — اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس تو ارضی تاریکیوں کا پردہ ہے۔اس لیے پہلی قسم کا شیخ اس سے آزاد ہوتا ہے۔ (یعنی ارضی تاریکیاں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتیں، وہ ان سے آزاد ہوتا ہے)، — قلب ایک آسمانی اور روحانی حجاب ہے جس سے صرف وہ شیخ آزاد ہوتا ہے جو محبوبیب کی راہ اپناتا ہے، — وہ اپنے قلب کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اپنے رب کا ہو جاتا ہے، اس کا اپنے قلب سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔نہ اس کا اپنے وقت اور زمانے سے تعلق ہوتا ہے، — بلکہ وہ اللہ سے رشتہ جوڑتا ہے اور اللہ کی بندگی، بندگی کے حق کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

سراپا اطاعت و بندگی:

وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ ہے، وہ سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے۔اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ خلوصِ دل اور سچے فکر و خیال سے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتا ہے۔یعنی دل سے ایمان لاتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے۔(سراپا اطاعت و بندگی بن جاتا ہے) جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے سجدوں میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔اس کا بال بال بندگی کا اقرار کرتا ہے، اس کی عبادت فرشتوں کی عبادت کے برابر درجہ رکھتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۝

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب چار و ناچار اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ میں رہتے ہیں"۔

سجدہ کرنے والے سائے، عارفوں کے اجسام ہیں:

لہٰذا سجدہ کرنے والے سائے، عارفوں کے قالب ہیں۔یعنی ظاہری دنیا کی مقرب ارواح کے سائے ہیں (اسی لیے وہ ہر آن سجدہ میں رہتے ہیں۔) اس ظاہری دنیا میں اجسام تو کثیف ہوتے ہیں مگر ان کے سائے لطیف ہوتے ہیں، — مگر عالم غیب میں

www.waseemziyai.com

اصل شے لطیف ہے اور اس کا سایہ کثیف، ــــ چنانچہ جو نیک قالب ہیں، ان کے لطیف اور کثیف دونوں سجدہ میں رہتے ہیں، ــــ یہ ان مشائخ کا احوال ہے جو محبوب کی راہ پر چل رہے ہیں۔

جو مشائخ محبین کی راہ پر چل رہے ہیں، اُن کا حال ان سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ظاہری اعمال کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے قلب وجدانی کیفیات سے لبریز نہیں ہوتے۔ یہ محرومی علم و عرفان کی کمی اور لذتِ محبت سے کم نصیبی کے باعث ہے، ــــ اگر وہ کثیر العلم ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اعمال کا احوال کے ساتھ ایسا ہی رابطہ ہے جیسا روح کا جسم کے ساتھ، ــــ انہیں اس بات کی بھی سمجھ آ جاتی کہ اعمال کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح کہ ظاہری دنیا میں اجسام کی ضرورت ہے، ــــ جب تک جسم (قالب) باقی ہے اس وقت تک عمل بھی جاری رہے گا۔

شیخ مطلق و عارفِ محقق:

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اس مقام کو پالیا اور جو کوئی اس حال کے مطابق ہے تو وہ شیخ مطلق، عارفِ محقق، محبوب و ارستہ ہے، ــــ

○ ــــ اس کی ایک نگاہ دوا کا کام دیتی ہے،

○ ــــ اس کے کلام میں شفاء ہے،

○ ــــ اس کی گفتگو اللہ ہی کے لیے ہے، (جو کچھ کہتا ہے اللہ کی طرف سے کہتا ہے۔)

○ ــــ وہ خاموش رہتا ہے تو اللہ ہی کے ساتھ۔

حدیث قدسی ہے:

”بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے، حتیٰ کہ میں بھی اسے چاہنے لگوں۔ اور جب میں اُسے چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان، ہاتھ، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ سنتا، پکڑتا، دیکھتا اور میرے ساتھ بولتا ہے“۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ اللہ کی طرف سے (کچھ) عطاء کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے روکتا ہے، ــــ عطاء کرنے اور منع کرنے میں اس کی اپنی رضا اور رغبت کا کوئی دخل نہیں۔ وہ اللہ کی مرضی کے تابع ہے۔ اللہ اس پر اپنی رضا ظاہر فرما دیتا ہے۔ اس طرح اس کا ہر کام اللہ کی رضا سے ہوتا ہے۔ اس میں اس کی اپنی ذاتی (نفسانی) خواہش کا کوئی دخل نہیں۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کی منشاء یہ ہے کہ وہ صاف ستھری خوبصورت شکل میں نمودار ہو۔ تو وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے ایسی ہی صورت اختیار کرتا ہے جیسی کہ اللہ کی رضا ہے۔ اس لیے نہیں کہ صاف ستھری صورت تعریف کے قابل ہے (اس لیے وَاللّٰهُ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالِ)، ــــ

لیکن جو خادم اللہ کے نیک بندوں کی خدمت میں لگا ہے، اس کا معاملہ اس کے قطعی مختلف ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۱:

صوفیاءِ کرام کے خدّام

اللہ کے طالب کی خدمت کا اعزاز:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے بذریعہ وحی ارشاد فرمایا:

''اے داؤد! جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ''۔

اس طرح کا خدمت گزار بزرگوں کی خدمت اس خیال سے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اجر و ثواب نیک بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے، اسے پا سکے۔ وہ ان بزرگوں کی خدمت، انہیں آرام پہنچانے اور اہل اللہ کو فکرِ معاش سے آزاد و بے نیاز کرنے کے لیے کرتا ہے۔ وہ یہ سب کام نیک نیتی کے ساتھ فقط اللہ کے لیے کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح شیخ کو اللہ تعالیٰ کی منشاء و مراد کا علم ہوتا ہے، اسی طرح خادم کو بھی اپنی نیت کا پتہ ہوتا ہے، —— جس طرح شیخ جو کچھ کرتا ہے فقط اللہ کے لیے کرتا ہے، اسی طرح خادم بھی جو کچھ کرتا ہے، فقط اللہ کے لیے کرتا ہے، ——

شیخ اور خادم میں فرق:

دونوں میں فرق یہ ہے کہ شیخ بارگاہِ الٰہی کے مقرّبین کے مقام پر فائز ہے، جبکہ خادم صوفیاء یعنی مقامِ ابرار پر فائز ہے۔ چنانچہ خادم سخاوت اور ایثار اور خدمت کے کام کو پسند کرتا ہے۔ اپنا سارا وقت اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ وہ اسی معمول کو افضل سمجھتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنی اس خدمت گزاری کو اپنے نوافل اور دیگر نیک اعمال پر بھی فوقیت دیتا ہے۔

بہت سے لوگ جو خادم اور شیخ کے درمیان فرق نہیں جانتے، وہ خادم کو شیخ کے مرتبہ کے برابر سمجھنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ خادم بھی اپنی حیثیت بھول کر اپنے آپ کو شیخ سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں علم کی کمی ہوگئی ہے اور علومِ صوفیہ کا رجحان کم ہو گیا ہے۔ بہت سے مشائخ فقراء نے روحانی کیفیات کو ترک کر کے صرف لقمہ کھلانے کو ہی کافی سمجھ لیا ہے۔ ان کا یہ گمان ہے کہ جو زیادہ کھانا کھلاتا ہے، وہی شیخ بننے کا زیادہ اہل ہے۔ انہیں اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص (کھانا کھلانے والا) خادم (صوفیاء) تو ہوسکتا ہے، شیخ نہیں ہوسکتا۔

مگر اس سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ خادم کی کوئی منزلت نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہاں خادم کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ اور اللہ نے اسے بہرۂ صالح فرمایا ہے، —— خادم کی فضیلت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ رسول

www.waseemziyai.com

اکرم ﷺ مرّ الظہر ان کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس کھانا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''تم بھی کھاؤ'' —— انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم روزے سے ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! اپنے دوساتھیوں کے لیے رک جاؤ، اور اپنے دوساتھیوں کا کام کرو، تم قریب آؤ اور پھر کھاؤ''۔

یعنی تم روزہ رکھنے کے باعث خدمت کرنے سے کمزور ہو گئے ہو۔ اس لیے تمہیں خدمت کرنے والی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تم کھاؤ اور اپنے نفس (اپنی ذات) کی خدمت کرو۔

اس لیے خادم فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے وہ کبھی کسبِ حلال کو اس کا ذریعہ بناتا ہے، اور کبھی وہ دوسروں سے مدد حاصل کرتا ہے، کبھی دریوزہ گری کرتا ہے اور کبھی مال وقف کا خود انتظام کرتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کی بہتر نگرانی کرسکتا ہے۔ اور اس کا فائدہ انہی کو پہنچائے گا، جن کے لیے مال وقف کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر اس جگہ پہنچتا ہے، جس سے شریعت نے منع نہیں کیا تاکہ وہ خدمتِ خلق کا ثواب حاصل کرسکے۔

شیخ کی بصیرت:

شیخ طریقت اپنی کامل بصیرت اور علمی قابلیت سے یہ جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خرچ اور صرف کرنے کے لیے بھی مکمل علم کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے نفسانیت اور پوشیدہ خواہشوں سے بالکل پاک اور صاف ہونا چاہیے، جب نیت میں خلوص ہو تو انسان کسی چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا، کیونکہ رغبت اسی چیز کی طرف ہوتی ہے جس میں انسان کا کوئی اپنا مفاد ہو۔ اس کا اس کام میں رغبت کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پیش نظر فضل کا حصول ہے، —— لیکن شیخ پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں اس کا کوئی اپنا مفاد یا خواہش ہے۔ وہ تو صرف اللہ کی مشیّت ومنشاء کو پورا کرتا ہے۔ (اس کا ذاتی مفاد کوئی نہیں۔)

جنت کے لیے شارٹ کٹ:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے:

''جنت کو جانے کا ایک سیدھا اور مختصر راستہ ہے، جسے میں جانتا ہوں''۔

میں نے عرض کیا:

''وہ کون سا راستہ ہے؟'' —— انہوں نے فرمایا:

''کسی سے نہ کچھ طلب کرے، اور نہ کچھ لے، —— نہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو تم کسی کو دے سکو''۔

مگر خادم کے خیال میں خدمت خلق، سخاوت اور ایثار ہی جنت کے لیے راستہ ہے، اگرچہ اس کا نوافل کے ثواب پر یقین ہے مگر وہ خدمت کو ان نوافل سے افضل سمجھتا ہے، جو ثواب حاصل کرنے کے لیے ادا کیے جاتے ہیں۔ اس سے وہ نوافل مراد نہیں جن کے ذریعے روحانی حال اور کیفیاتِ باطن کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ وعدے سے پہلے نقد ادا کرنا ہے۔

www.waseemziyai.com

خدمتِ خلق کی فضیلت:

یہ جو معروف ہے کہ خدمت خلق کو نوافل پر فضیلت حاصل ہے۔اس کے لیے اس روایت سے دلیل اور ثبوت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک سفر میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ہم میں سے کچھ روزہ دار اور تھے کچھ روزے کے بغیرے تھے۔سخت گرمیوں کے دن تھے۔ہم ایک منزل پر پہنچے۔ہم میں سے کچھ نے اپنے ہاتھوں سے دھوپ کی آڑ لے رکھی تھی۔اور جن کے پاس چادریں تھیں انہوں نے چادروں کی اوٹ بنالی تھی۔جو روزہ دار تھے وہ سائے میں سو گئے لیکن جو بغیر روزے کے تھے،وہ کھڑے ہوگئے۔انہوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا۔(ان کی اس خدمت گزاری پر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آج بغیر روزے والے ثواب لے گئے''۔

اس حدیث سے نفلی اعمال پر خدمت خلق کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔خادم خلق کا مرتبہ بلند ہے،جس کے ساتھ اسے رغبت ہوتی ہے۔

مشابہ یعنی مصنوعی خادم:

جس شخص کی نیت میں نفسانی آلودگی ہو،خدمتِ خلق کے لیے اس کی نیت خالص نہیں ہوتی۔وہ خادم کے مشابہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔اسی مشابہت سے درویشوں کی خدمت کرتا ہے۔اور خدام صوفیاء کی تقلید میں حسنِ عقیدت کے ساتھ انہی کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ایسے شخص کی خدمت نیکی اور بدی سے ملی جلی ہے۔چنانچہ:

- ——کبھی وہ اپنے ایمان اور حسنِ عقیدت کی وجہ سے صوفیاء کی صحیح خدمت کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے،اور
- ——کبھی اپنے نفس کی آمیزش کی وجہ سے اس خدمت میں ناکام رہتا ہے اور وہ ایک شے کو اس کے غیر محل میں استعمال کرتا ہے۔
- ——کبھی یہی خادم اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ان لوگوں کی خدمت کرتا ہے،جو اس خدمت کے مستحق نہ تھے۔

اس خدمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ثواب ملنے اور رضائے حق کی توقع کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا سے تعریف وستائش کی توقع بھی رکھتا ہے۔اکثر اوقات اس کی خدمت کا مقصد محض لوگوں سے تعریف کرانا ہی ہوتا ہے،——کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اسے کسی شخص کی کوئی بات ذاتی طور پر ناگوار معلوم ہوتی ہے،تو وہ اس کی خدمت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اس طرح خوشی و ناخوشی دونوں حالتوں میں خدمتِ خلق کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔کیونکہ ذاتی رنجش کی وجہ سے اس کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔(ایسا شخص خادم تو نہ ہوا،وہ تو خادم کی شباہت اختیار کیے ہوئے ہے۔)،——جو سچا خادم ہوتا ہے وہ خوشی و ناخوشی دونوں حالتوں میں خدمت خلق کرتا ہے،اس میں نفس کی خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔نہ اسے اللہ کی راہ میں ملامت کرنے والے کی پرواہ ہوتی ہے۔بلکہ وہ ہر حالت میں اور ہر مقام پر جو مناسب ہوتا ہے وہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔

چنانچہ یہ شخص جس کے بارے میں ابھی بیان کیا گیا،صحیح اور حقیقی خادم نہیں ہے،بلکہ مشابہ و مصنوعی خادم ہے۔(یعنی متخادم ہے۔) خادم اور متخادم میں وہی شخص فرق کرسکتا ہے جسے لوگوں کی نیتوں کے درست وصحیح ہونے کا علم ہو،اور وہ انہیں نفسانی خواہشوں کی آلودگی سے پاک وصاف رکھ سکے۔

www.waseemziyai.com

کام کا نہیں، نام کا خادم:

ایک نام کے خادم (متخادم) شخص کو بھی بعض کاموں اور خدمتوں کا ثواب مل جاتا ہے، اس کے باوجود وہ خادم کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کا حال نفسانی خواہشوں سے آلودہ ہوتا ہے، ــــ جو شخص فقراء کی خدمت میں لگا ہے اور مال وقف اس کی تحویل میں ہے، یا وہ مال وقف کو بڑھاتا ہے، یا حصولِ جاہ کے لیے، یا فوری طور پر ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لیے خدمتِ خلق میں مصروف رہتا ہے، اس صورت میں وہ حقیقی خدمت نہیں کرتا بلکہ اس طرح وہ اپنی ذات کی خدمت کرتا ہے، ــــ اگر اس کا یہ ذاتی مفاد ختم ہو جائے تو وہ یہ خدمت کرنا بھی چھوڑ دے گا۔ ــــ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خدمت کرنے والا دوسروں سے اپنی خدمت کراتا ہے۔ اس طرح اس کی یہ خدمت فقط اپنے ذاتی مفاد کے لیے ہوتی ہے۔ وہ محفلوں میں ان سے کثیر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اپنے جاہ و منصب میں ان کے ذریعے یہ ظاہر کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے کہ اس کے ماننے والے (خدمت کرنے والے) بہت ہیں، ــــ حقیقت میں وہ شخص اپنی نفسانی خواہش کا غلام ہے اور دنیا کا طالب ہے، ــــ رات دن دنیا کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے۔ اپنی قدر و منزلت قائم کرنے کے لیے دنیاوی اشیاء کی حرص میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کو خوش کرنے کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اس کی دنیا طلبی کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ظاہری شان و شوکت بڑھتی چلی جاتی ہے، ــــ وہ ایسا لباس زیب تن کرتا ہے جو خادم اور درویشوں کے لباس جیسا نہیں ہوتا۔ اس کا نفس، نفسانی خواہشوں سے لطف اُٹھانے کی ترغیب دلاتا ہے، ــــ اس پر ریاست و امارت کی محبت غالب آ جاتی ہے۔ اسے جس قدر زیادہ مفاد حاصل ہوتے ہیں، اسی قدر اس کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے، ــــ پھر وہ درویشوں پر بھی دست درازی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس رویئے سے درویش مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے ظلم و ستم سے بچے رہنے کے لیے اس کی خواہ مخواہ خوشامد کریں۔ وہ اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس کی خوشامد نہ کی تو انہیں وقف سے ملنے والا وظیفہ کہیں بند نہ ہو جائے، ــــ اس طرح وہ شخص خادم رہتا ہے نہ متخادم، بلکہ مخدوم و مستخدم (خدمت لینے والا) بن جاتا ہے۔

چونکہ اس نے لوگوں کی خدمت پر درویشوں کی خدمت کو فوقیت دی ہے اور خود کو ان کی طرف منسوب کر رکھا ہے، ــــ لہٰذا ان سب خرابیوں کے باوجود یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان کی برکات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، جیسا کہ اس بارے میں حدیث مبارک بطور دلیل پیش کی گئی:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشیں، بدنصیب اور محروم نہیں رہتا"۔

کیونکہ اللہ ان کی مدد کرنے والا اور انہیں توفیق دینے والا ہے، ــــ چنانچہ یہ مستخدم خادموں کے ساتھیوں میں شامل ہو کر خادموں کے اجر سے محروم نہیں ہوتے، اس لیے یہ بھی خادموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۲:

صوفیاء و مشائخ کرام کا خرقہ

خرقہ پوشی:

خرقہ پوشی یا خرقہ، شیخ اور مرید کے درمیان ایک طرح کا رابطہ ہے جس کے ذریعے مرید شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے۔ جب دنیاوی معاملات کے لیے شریعت میں حاکم بنانا جائز ہے تو ایک منکر اس خرقہ کا انکار کیسے کر سکتا ہے جو ایک ایسے مخلص طالبِ صادق کو پہنایا جاتا ہے جو حسن ظن اور حسنِ عقیدت کے ساتھ شیخ کے پاس حاضر ہوتا ہے اور اپنے دینی معاملات میں اسے اپنا رہبر بناتا ہے، تاکہ شیخ اسے راہِ ہدایت پر لگائے۔ اسے فلاح کے راستے کی پہچان کرائے اور نفس کی آفات سے آگاہ کرے۔ اور یہ بتائے کہ اعمال کیسے خراب ہو جاتے ہیں اور نفس دشمن کن کن راستوں سے اپنی راہ بناتا ہے۔

اس طرح سے مرید اپنے آپ (نفس) کو شیخ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اپنے سب معاملات میں اس کی رائے اور مشورے پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس لیے شیخ اس پر اپنے باطنی تصرفات کے اظہار کے لیے اسے خرقہ پہناتا ہے۔ خرقہ پوشی، خود سپردگی اور تسلیم و رضا کی علامت ہے، یعنی جب مرید نے خرقہ پہن لیا تو گویا اس نے خود کو شیخ کے سپرد کر دیا، ـــ اور مرید کا شیخ کے حکم کے تابع ہو جانا گویا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع ہو جانا ہے، ـــ اس طرح یعنی خرقہ پوشی کر کے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت کی سُنّت کو تازہ کرتا ہے اور اس کی تجدید کرتا ہے۔

خرقہ پوشی عین بیعت ہے:

شیخ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالا سناد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ:

- ـــ ہم تنگی اور فراخی، خوشی اور غم، ہر حال میں آپ کے احکام بجالائیں گے،
- ـــ ہم حاکموں (اولی الامر) کے احکام بجالانے میں جھگڑا نہیں کریں گے،
- ـــ ہم جہاں کہیں ہوں گے، حق بات کہیں گے،
- ـــ احکامِ الٰہی کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

لہٰذا خرقہ پوشی عین بیعت ہے، اس طرح خرقہ شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی دہلیز ہے، ـــ اصل مقصود شیخ کی صحبت اور اس کی ہم

www.waseemziyai.com

نشینی ہے۔اسی صحبت (شیخ) کے ذریعے کسی مرید سے خیر کی توقع کی جاتی ہے۔

شیخ کی ضرورت:

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جس کا کوئی رہبر نہ ہو، اس کا رہبر شیطان ہوتا ہے''۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ [1] نے اپنے شیخ ابوعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ [2] سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کوئی خودرو پودا جو باغبان کے بغیر نشوونما پائے، اس میں پتے تو نکل آتے ہیں مگر اس میں پھل نہیں آتا۔حقیقت میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں پھل بھی آ جائے، جیسے کہ پہاڑی اور جنگلی درختوں پر پھل آ جاتا ہے۔لیکن اس کا ذائقہ اس پھل کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ باغوں کے پھلوں کا ہوتا ہے۔

اور جب باغبان اس کی پود (پنیری) لگاتا ہے، اور پھر اسے ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگاتا ہے تو اس کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ وہ خوب پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ اس پر خوب پھل آتا ہے۔ کیونکہ اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اس پر تصرف کیا جاتا ہے۔

شریعت نے سدھائے ہوئے (سکھائے ہوئے) کتے کی تعلیم کی اہمیّت تسلیم کی ہے، اور اس کے مارے ہوئے شکار کو حلال مانا ہے۔مگر جو کتا سدھایا ہوا نہ ہو، اس کے شکار کو حلال تسلیم نہیں کیا۔

میں نے (مصنف نے) بہت سے مشائخ سے یہ بات سنی ہے کہ جس نے فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھا، وہ فلاح نہیں پائے گا، —— بہرحال ہمارے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔آپ کے صحابیوں نے آپ سے تمام علوم وآداب کی تعلیم حاصل کی ہے۔جیسا کہ بعض صحابہ کرام نے فرمایا:

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کی تعلیم دی، یہاں تک کہ مکروہات سے بھی ہمیں واقف کرادیا''۔

چنانچہ جب کوئی مرید صادق، شیخ کے حکم کے تابع ہو جاتا ہے، اور اس کی صحبت میں رہتا ہے، اس سے آداب سیکھتا ہے تو شیخ کے باطن کی روحانی طاقت، مرید کے باطن میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے، جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن ہوتا ہے۔(یعنی شیخ اپنے مرید کے باطن کو بھی روشن کر دیتا ہے۔)، —— شیخ کا کلام مرید کے باطن کو روحانیت سے بھر دیتا ہے، شیخ کا کلام وارشادات، روحانی لطائف کا خزانہ ہیں، اپنی تمام ترکیفیات کے ساتھ شیخ سے مرید کی طرف صحبت اور سماعت کے ذریعے منتقل ہوتے رہتے ہیں، —— ایسا تب ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ جب مرید اپنے آپ کو شیخ کے لیے وقف کر دے اور اپنے ذاتی نفسانی ارادے

---

[1] —— حضرت ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام عبدالکریم بن ہوازن تھا، آپ کی تصانیف میں سے الرسالۃ القشیریہ اور تفسیر لطائف الارشادات، شہرۂ آفاق ہیں۔آپ حضرت شیخ ابوعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور خلیفہ تھے۔حضرت ابوعبدالرحمٰن اسلمی رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف ''طبقات الصوفیہ'') کی صحبت پائی۔ شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ (مرشد گرامی حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ماہ ربیع الثانی ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔

[2] —— حضرت شیخ ابوعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک حسن تھا۔نیشاپور (ایران) سے تعلق تھا۔ بہت سے مشائخ کی صحبت پائی۔نہایت فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ معروف صوفی ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے داماد اور خلیفہ تھے۔ماہ ذیقعدہ ۴۰۵ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

www.waseemziyai.com

اور اختیار کو چھوڑ کر قطعی طور پر شیخ میں فنا ہو جائے۔

خرقہ ذاتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ ہے:

اس رابطۂ الٰہی (خرقہ) کے ذریعے شیخ و مرید کے درمیان روحانی نسبت اور پاکیزہ فطرت کی مناسبت سے روحانی ربط وضبط بڑھتا جائے گا۔ جس کے باعث مرید شیخ سے اپنا تعلق منقطع نہیں کرسکتا۔ — اپنے ارادہ و اختیار کو ترک کر کے وہ شیخ کی ہمراہی میں ترک ارادہ و اختیار کی منزل تک پہنچے گا، — اس منزل سے ترقی کر کے اللہ کے ساتھ ترک ارادہ و اختیار کی منزل پر پہنچ جائے گا، — (اس مقام پر اس کا اختیار فنا ہو جائے گا، اب اس کا اختیار نہیں بلکہ اللہ کا اختیار ہوگا۔)، — اس وقت وہ اللہ کا کلام اسی طرح سمجھنے لگے گا جس طرح وہ شیخ کے کلام کو سمجھتا تھا۔

ان تمام روحانی ترقیوں کا سرچشمہ شیخ کی صحبت ہے۔ جس کا ذریعہ اور نقطۂ آغاز خرقہ پوشی ہے۔

خرقہ پوشی، رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہے:

حضرت شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے بلاسناد حضرت اُم خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جس خرقہ پوشی کا ثبوت و دلیل ملتی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ کپڑے (پہننے والے) پیش کیے گئے۔ ان میں ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی کملی بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ کملی کسے پہناؤں، اسے کون پہنے گا؟'' — حاضرین خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُم خالد کو میرے پاس بلاؤ!'' — چنانچہ میں حاضرِ خدمت ہوئی۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے وہ کملی مجھے پہنائی۔ اور دوبارہ ارشاد فرمایا:

''تم اسے پہنو اور پہن کر بوسیدہ اور پرانا کردو''۔

اس کملی کی سرخ اور زرد دھاریوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُم خالد! یہ بہت اچھی اور عمدہ ہے''۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جس طرح کی خرقہ پوشی آج کل کے مشائخ کرتے ہیں، یہ انداز اور یہ طریقہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔ موجودہ صورت اور مسلسل عمل اور اسے لازم سمجھنا اس لیے ہے کہ مشائخ کرام نے اسے پسند فرمایا۔ اصل میں اس کی بنیاد وہی حدیث ہے جو ابھی بیان کی گئی۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت مسئلہ تحکیم (حکم بنانا) ہے۔ جس کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا، — بہر حال اس سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور کیا ہوسکتی ہے کہ خلق کو اللہ کی طرف دعوت دی جائے۔ [1] باری تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام (قرآن کریم) میں ذکر فرمایا ہے کہ ساری مسلم اُمہ، رسول اکرم ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کرے۔ اس لیے کوئی مرید اگر اپنے شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے تو وہ تحکیم نبوی کی سُنّت کو زندہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیتِ تحکیم میں ارشادِ باری ہے:

---

[1] — رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جائے۔ اور شیخ بھی آپ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور مخلوق کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔

www.waseemziyai.com

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (پارہ ۵، سورۂ نساء)

''تمہارے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں آپ (ﷺ) کو حکم اور منصف نہ مان لیں۔ اور آپ جو فیصلہ کریں اس کے بعد اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں، اور وہ اسے (آپ کے فیصلے کو) قطعی طور پر تسلیم کر لیں''۔

اس آیت مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی، رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ سے باہر حرہ میں واقع پانی کی ایک نالی کے بارے میں مقدمہ لے کر آئے۔ دونوں حضرات اس نالی سے اپنی کھجوروں کے درختوں کو پانی دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سارا معاملہ سن کر ارشاد فرمایا:

''اے زبیر! پہلے تم اپنے درختوں کو پانی دو، پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو''۔

یہ فیصلہ سن کر دوسرے صحابی نے جز بز ہو کر کہا:

''رسول اللہ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کیا ہے (یعنی رعایت کی)''۔

اس معاملے پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اہلِ ایمان کو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ادب سے پیش آنے کی تعلیم دی گئی۔ اور ادب کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا۔ یعنی ظاہری اور باطنی اطاعت و رضا ایمان کی شرط ہے۔

خرقہ پوشی کی اہمیّت:

مرید جب شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے لیے ظاہری و باطنی اطاعت اور تسلیم و رضا مرید کے لیے ضروری ہے، —خرقہ پوشی، مشائخ پر اتہامات لگانے اور اعتراض کرنے سے باز رکھتی ہے۔ شیخ پر اعتراض کرنا مرید کے لیے زہر قاتل ہے۔ وہ مرید جو شیخ کے باطنی تصرفات پر اعتراض کرتا ہے، وہ ارادت میں کامیاب نہیں ہوتا، — جب کوئی مرید صادق شیخ کے باطنی تصرفات کو نہ سمجھ پائے تو اس وقت اسے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ یاد کر لینا چاہیے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے باطنی تصرفات پر اعتراضات کیے تھے، لیکن جب ان پر اصل حقیقت کھلی تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صحیح معاملات کا پتہ چلا۔

خرقہ پہنانے میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت ہے:

مرید کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ شیخ کے وہ تمام تصرفات جس کے بارے میں اسے صحیح حالات کا علم نہیں، اس کا ثبوت، حجت اور دلیل شیخ کے پاس موجود ہے، —مرید کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ شیخ کے خرقہ پہنانے میں شیخ کا ہاتھ، رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتا ہے، —اس لیے وہ شیخ کی قیادت کو تسلیم کر کے اللہ و رسول ﷺ کی قیادت کو تسلیم کرتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے (بیعتِ رضوان کے موقع پر) ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ ○

www.waseemziyai.com

''اے پیغمبر! وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں، اصل میں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اس لیے جو کوئی اس بیعت کو توڑے گا تو وہ اپنے نقصان کے لیے بیعت کو توڑے گا''۔

خرقہ پوشی کے فیوضات:

شیخ جب مرید کو خرقہ پہنا تا ہے تو وہ مرید سے خرقہ کی شرائط بجالانے کا وعدہ لیتا ہے۔ اسے خرقہ کے تمام حقوق سے آگاہ کرتا ہے، — چنانچہ مرید کے لیے شیخ ایک ایسی تصویر کی طرح ہے جس کے پیچھے اسے مطالباتِ الٰہی اور مقاصد و مرضیاتِ نبوی دکھائی دیتی ہیں۔[1] یہ سب کچھ اسے اس طرح نظر آتا ہے جیسے تنگ لباس سے بدن کی ساخت دکھائی دیتی ہے، — اس وقت مرید کا یہ اعتقاد اور بھی راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے کہ:

- — شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آستانۂ لطف و کرم کی طرف کھول دیا ہے، — جہاں سے وہ داخل ہوتا ہے اور لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے۔
- — شیخ کے ذریعے ہی اس کی تمام وارداتیں اور سب دینی و دنیاوی مہمات انجام پاتی ہیں۔
- — اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس پر اللہ کا جو فضل و کرم ہو رہا ہے، وہ سب شیخ ہی کی بدولت اور اسی کے واسطہ سے ہو رہا ہے۔
- — جس طرح وہ اپنے شیخ کی طرف رجوع ہوتا ہے، اسی طرح شیخ بھی اس کے لیے اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

شیخ خواہ عالم بیداری میں ہو یا حالتِ خواب میں، اللہ کے لطف و کرم کا دروازہ شیخ کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے، — شیخ اپنے مرید کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق نہیں کرتا۔ مرید، شیخ کے پاس اللہ کی ایک امانت ہے، اس لیے وہ مرید کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح فریاد کرتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی دینی و دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں شیخ کا استغاثہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ○

''اور کسی بندے کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، مگر یہ کہ وہ کلامِ وحی ہو، یا پردے کے پیچھے (الہام کے ذریعے) یا وہ کوئی قاصد (رسول) بھیجے''۔

لہٰذا قاصد یا وحی کے ذریعے کلام کرنا تو پیغمبروں اور رسولوں کے لیے خاص ہے، لیکن پردے کے پیچھے یعنی الہام یا ہاتفِ غیبی یا خوابوں کے ذریعے مشائخ اور جلیل القدر بندوں سے کلام فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہی ذرائع میں سے کسی ذریعے سے (وحی اور قاصد کے بغیر) مشائخ کے استغاثوں کا جواب دیتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے۔

---

[1] — شیخ کی بدولت مرید کو فرائض و احکاماتِ الٰہی اور رسول اکرم ﷺ کے مبارک طریقوں کا علم ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

صحبتِ شیخ کے ادوار:

مریدین کے ساتھ شیخ کی صحبت کے دو دور ہیں:

○ ——ایک شیر خواری کے دور کی طرح ہے،

○ ——دوسرا شیر خواری کے ترک کا دور ہے،

شیر خواری کے پہلے دور، یعنی روحانی اور معنوی ولادت کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ شیر خواری کا دور وہ زمانہ ہے جبکہ مرید ہروقت شیخ کی صحبت میں رہتا ہے۔ شیخ کو اس شیر خواری کی مدت کا پتہ ہوتا ہے، —— لہٰذا مرید کو چاہیے کہ وہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس کی صحبت سے جدا نہ ہو، —— جیسا کہ باری تعالیٰ نے اُمتِ مرحومہ کو ادب سکھانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ۝ (سورۂ نور، پارہ ۱۸)

''سچے مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، اور جب وہ اس کے ساتھ کسی کام میں شریک (جمع) ہوتے ہیں تو وہاں سے اس وقت تک نہیں جاتے جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں، —— لہٰذا جب وہ آپ سے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں''۔

بہر حال دینی کام سے بڑھ کر اور کون سا بڑا کام ہو سکتا ہے، —— لہٰذا شیخ مرید کو اپنے سے جدا ہونے کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب وہ اچھی طرح سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ اب اس کی شیر خواری چھڑانے کا وقت آ گیا ہے۔ اور شیخ کو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس مرید نے اپنے نفس پر قابو پا لیا ہے۔ وہ مستقل مزاجی اور خود مختاری سے کام کر سکتا ہے۔ اور اس کی صورت یہی ہے کہ اس پر اللہ کی باتیں براہِ راست سمجھنے کا دروازہ کھل جائے، —— مرید جب اس مقام پر پہنچ جائے کہ وہ اپنی حاجتیں اور ضرورتیں اور سب اہم کام بغیر کسی واسطے کے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر سکے، اور اللہ اپنے سائل اور محتاج بندے کو جو ہدایات اور تنبیہات کرتا ہے، انہیں سمجھنے کا اہل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی شیر خواری کا دور ختم ہو چلا ہے۔

اگر وہ شیر خواری کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی شیخ کی صحبت سے جدا ہو گیا تو وہ ان اُلجھنوں میں پھنس جائے گا جو دنیا کی طرف رغبت دلانے والی ہیں، اور وہ نفسانی خواہشوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ وہ ایسی تکلیفوں میں گھر جائے گا جیسی اس بچے کو پیش آتی ہیں جس کا دودھ وقت سے پہلے چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو مرید خرقہ پہن لیتا ہے، اسے شیخ کی صحبت میں رہنا اشد ضروری ہے۔

خرقہ کی اقسام:

خرقہ مشائخ دو قسم کی ہیں:

○ ——ایک خرقۂ ارادت، اور

www.waseemziyai.com

○ ——ایک خرقۂ تبرک

مشائخ اپنے مریدوں کو جو خرقہ پہناتے ہیں وہ خرقہ ارادت ہی ہوتا ہے، ——خرقۂ تبرک، خرقۂ ارادت سے ملتا جلتا ہوتا ہے، ——خرقۂ ارادت حقیقی مرید کے لیے مخصوص ہے، جبکہ خرقۂ تبرک ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو حقیقی مرید نہیں مگر ان جیسے (مشابہ) بننا چاہتے ہیں، —— بہر حال جو جس جماعت کے مشابہ ہو جائے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔

خرقہ پوشی ایک ذریعہ تربیت بھی ہے:

خرقہ پوشی کا راز یہ ہے کہ ایک طالب صادق جب شیخ کی صحبت اختیار کرتا ہے اور خود کو شیخ کی سپردگی میں دے دیتا ہے۔ اس وقت وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنے باپ کے پاس اور اس کی نگہداشت میں ہوتا ہے، —— شیخ کو فقر صادق اور حسن استقامت کی بدولت جو علم باطن حاصل ہوتا ہے، اس کے ذریعے وہ اس کی تربیت کرتا ہے، —— اور وہ اسی باطنی علم اور اپنی زبردست بصیرت کے مطابق اپنے اس مرید کے باطن کی نگرانی کرتا ہے، —— چنانچہ:

○ —— اگر مرید زاہدوں کی طرح موٹا اور کھردرا لباس پہنتا ہے، اس وضع قطع میں وہ اپنے آپ کو زاہد سمجھنے لگتا ہے۔ تو شیخ اسے نرم اور لطیف لباس پہنوا دیتا ہے۔

○ —— اگر مرید کا نفس چھوٹی یا لمبی آستین یا کھلے دامن کا مخصوص لباس یا نرم و سخت لباس میں سے کوئی مخصوص لباس کو پسند کرتا ہے تو شیخ اس کی نفسانی خواہش کو توڑنے کے لیے اس کے برخلاف لباس کا حکم دیتا ہے۔

○ —— اگر مرید کو نرم لباس کی یا مخصوص وضع قطع کے لباس کی خواہش ہوتی ہے تو شیخ اس کی عادت اور خواہش کو مٹانے کے لیے کوئی اور لباس استعمال کراتا ہے۔

شیخ جس طرح لباس کے معاملے میں اصلاح کرتا ہے، اسی طرح کھانے پینے، روزہ رکھنے، افطار کرنے یا دوسرے دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں مرید کی بھلائی ہو، —— چنانچہ:

○ —— کبھی وہ اسے ہر وقت ذکر میں مشغول رکھتا ہے،

○ —— کبھی نماز (فرائض) کے ساتھ نوافل پڑھنا ضروری قرار دے دیتا ہے،

○ —— کبھی تلاوتِ قرآنِ کریم میں مصروف رکھتا ہے،

○ —— کبھی اسے دوسروں کی خدمت میں لگا دیتا ہے،

○ —— کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسے کسبِ معاش میں لگا دیتا ہے،

○ —— کبھی نذرانے وغیرہ پر گزر اوقات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے،

غرض کہ شیخ کو انشراحِ باطن ہوتا ہے، جو مرید جیسی اصلاح اور تربیت کا اہل ہوتا ہے، ویسی ہی اس کی اصلاح اور تربیت کی جاتی ہے۔

www.waseemziyai.com

دعوتِ ہدایت کے مراتب:

چونکہ ہر مرید کی اہلیت وصلاحیت مختلف ہوتی ہے، اس لیے ان کی دعوت ہدایت کے درجے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ ○

''اے رسول! آپ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ان سے احسن طریقے سے بحث کرو''۔

اس آیت مبارک سے یہ معلوم ہوا کہ دعوتِ ہدایت کے تین مراتب ہیں:

○ — حکمت، ○ — موعظت، اور ○ — مجادلہ (بحث)، چنانچہ:

○ — جسے حکمت کے ذریعے دعوت دی جائے گی، اسے موعظت اور مجادلہ کے ذریعے دعوت نہیں دی جائے گی،

○ — جسے موعظت اور مجادلہ کے ذریعے دعوت کی ضرورت ہے، اس کے لیے حکمت کا ذریعہ فائدہ مند نہیں ہوگا۔

ہر ایک کا مرتبہ الگ الگ ہے۔ اس لیے شیخ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ مریدوں اور طالبانِ حق میں:

○ — کون ابراروں (نیک بندوں) کے مرتبے پر ہے،

○ — کون مقربین کی وضع پر ہے،

○ — کس کے لیے ہمیشہ ذکر کرنا مناسب ہے،

○ — کس کے لیے ہمیشہ نمازیں پڑھنا درست ہے،

○ — کون موٹا لباس یا نرم لباس پہننا چاہتا ہے۔

اس طرح وہ مرید کی عادتیں چھڑا کر اسے نفسانی خواہشوں کے تنگ دائرے سے نکال لاتا ہے، — وہ اسے اپنی پسند کے مطابق کھلاتا ہے، — اپنی پسند کے مطابق جیسا کہ اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے لباس پہناتا ہے، — اور اس کی وضع قطع، رنگ ڈھنگ متعین کرتا ہے۔ اس طرح مخصوص خرقہ اور مخصوص ہیئت سے اس کی نفسانی خواہشوں کا علاج کرتا ہے۔ اس طرح سے مرید کو اس کے مولیٰ کی رضا کے قریب لاکھڑا کر دیتا ہے۔

مرید صادق سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کی طرح ہے:

وہ مرید صادق جس کا باطن آتش ارادت وعقیدت سے شعلہ زن ہوتا ہے، اپنے ابتدائی مرحلے میں اس کی ارادت وعقیدت مندی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اس کی کیفیت سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کی طرح ہو جاتی ہے۔ جو (زہر کا اثر زائل کرنے کے لیے) دوا دارو اور جھاڑ پھونک کرنے والے معالج کے لیے تڑپتا ہے، جو اسے کامل شفا بخش دے۔ لہٰذا جب اس کا سامنا کسی شیخ کامل سے ہوتا ہے تو شیخ کے باطن سے ایسے مرید کے لیے خود بخود ایک توجہ صادق نمودار ہوتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اس کی سچی ارادت سے آگاہ ہے۔ چنانچہ مرید کا باطن بھی شیخ کی محبت سے معمور ہو جاتا ہے، — دلوں کی یہ باہمی کشش اور ارواح

www.waseemziyai.com

کی باہمی الفت وقربت ازل سے ہی جیسے ایک دوسرے سے مانوس ہوتی ہیں، ان کا ملنا محض اللہ کے لیے، اللہ کی طرف سے، اللہ کے ساتھ ہوتا ہے، اس میں کسی نفسانی خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، —— اس لیے وہ قمیض جو مرید صادق خرقہ کے طور پر زیب تن کرتا ہے بلکہ شیخ اسے پہناتا ہے، وہ ایک ایسا خرقہ ہے جو اسے شیخ کی خصوصی توجہ اور حسن عنایت کی بشارت دیتا ہے۔ چنانچہ یہ خرقہ مرید کے لیے وہی کام کرتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، یعنی یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تھی۔

پیراہنِ یوسف علیہ السلام کی حقیقت:

روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے بدن سے تمام کپڑے اتار لیے گئے تھے اور آپ کو آگ میں برہنہ ڈال دیا گیا تھا، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک ریشمی حلّہ لے کر آئے اور انہیں پہنا دیا۔ یہ جنتی حلّہ (قمیض) کافی عرصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہا، —— پھر ان سے ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ورثہ میں ملا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد یہ حلّہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ترکہ میں آیا، —— حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اس قمیض کا ایک تعویذ بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ تعویذ ہمیشہ پہنے رہتے تھے اور خود سے الگ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائیوں نے برہنہ کر کے کنوئیں میں ڈال دیا تو اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے گلے سے وہ تعویذ اتار کر اس سے وہ ابراہیمی قمیض نکال لی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت بڑے عالم تھے، مگر انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی اس قمیض سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئے گی، کیونکہ یہ قمیض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی، —— اس کے بعد حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ:

"تم اپنی قمیض اپنے باپ کے پاس کنعان بھیج دو، اس لیے کہ اس میں جنت کی خوشبو ہے۔ یہ جس مصیبت کے مارے یا بیمار کو سنگھائی جاتی ہے، وہ تندرست وشفایاب ہو جائے گا"۔

اسی طرح شیخ کا خرقہ بھی مرید صادق کے لیے جنت کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی محبت اور اس کے ذکر کے سلسلہ میں اس تک پہنچا ہے۔ خرقہ کا پہننا اس بات کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل اس مرید کے شاملِ حال ہے۔

خرقۂ تبرک:

خرقۂ تبرک کا مقصود فقط صوفیاء کرام کے اس لباس سے برکت کا حصول ہے۔ اس میں وہ سب شرائط جو خرقۂ ارادت کے لیے لازم ہیں، کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جسے یہ خرقہ دیا جاتا ہے، اسے یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ:

- —— وہ شرعی حدود کی پابندی کرے،
- —— صوفیاء کے ساتھ اُٹھے بیٹھے تاکہ ان کی برکات حاصل ہوں اور ان سے آداب سیکھے جائیں۔

www.waseemziyai.com

اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ خرقۂ تبرک طالب صادق کو خرقۂ ارادت کا اہل بنا سکتا ہے۔ اسی لیے خرقۂ تبرک ہر طالبِ حقیقت کو پہنایا جا سکتا ہے مگر خرقۂ ارادت صرف طالبِ صادق ہی کے لیے خاص ہے۔ باقی لوگوں کے لیے ممنوع ہے۔

خرقہ کے لیے مستحسن رنگ:

نیلے رنگ کا خرقہ مشائخ کی نظر میں مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ اگر شیخ اپنے کسی مرید کو کسی اور رنگ کا خرقہ پہنائے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ مشائخ کی رائے وقت کے تقاضے کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، وقت کے تقاضے کے مطابق کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ایک درویش چھوٹی آستین کا لباس پہنتا تھا تا کہ خدمت کرنے میں چھوٹی آستین سے ہرج نہ ہو''۔

شیخ کے لیے کوئی ممانعت نہیں کہ وہ مرید کو متعدد قسم کے خرقے بار بار پہنائے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ایسا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وہ مختلف قسم کے سادہ یا رنگ دار خرقے کے ذریعے اس کی نفسانی خواہشوں کا علاج کرنا چاہتا ہے، ـــــ عام طور پر نیلا رنگ اس لیے پسند کیا جاتا ہے کہ وہ میل خور ہے اور جلد جلد دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ رنگ درویش کے لیے زیادہ مناسب ہے، بعض اہلِ تصوف نے نیلے رنگ کے بارے میں جو مختلف وجوہات بیان کی ہیں، وہ سب بناوٹ پر مبنی ہیں اور محض قائل کرانے کے لیے ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں، نہ ہی دین سے کوئی واسطہ ہے۔

آلودہ لباس نہ دھونے کی وجہ:

میں نے حضرت شیخ سدید الدین ابوالفخر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی ہے، آپ نے فرمایا:

''میں بغداد میں شیخ ابو بکر الشرطی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک درویش اپنے گوشے سے نکلا، وہ بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ کسی درویش نے اس سے کہا: ''تم اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے؟'' ـــــ اس نے کہا: ''مجھے اتنی فرصت نہیں''۔

شیخ ابوالفخر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں اس درویش کے جواب ''مجھے اتنی فرصت نہیں'' کی حلاوت سے آج بھی لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں، ـــــ اس درویش نے یہ بات درست کہی تھی۔ اس لیے میں اس کی بات کو یاد کر کے اس میں ایک خاص قسم کی لذت اور برکت محسوس کرتا ہوں''۔

اہلِ تصوف نے رنگین لباس اسی لیے پسند کیا ہے کہ وہ ذکر الٰہی (کے شغل) میں اس قدر مشغول رہتے ہیں کہ انہیں لباس دھونے کی فرصت نہیں ملتی، ـــــ لیکن اگر شیخ اپنے مرید کے لیے سفید لباس یا کسی اور رنگ کا لباس تجویز کر دے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے، کیوں کہ اس میں کوئی اچھا مقصد پوشیدہ ہے اور اس کا وسیع علم اس کا حق رکھتا ہے۔

ہم نے بعض ایسے مشائخ کو دیکھا ہے کہ جو خرقہ پوش نہیں۔ وہ خرقہ پوشی کے بغیر اپنے مریدوں کو تعلیم و تلقین کرتے ہیں، ـــــ بہت سے لوگ ان سے اس کے بغیر ہی علومِ معرفت و آدابِ سلوک حاصل کرتے ہیں۔ بزرگانِ سلف میں سے اکثر

www.waseemziyai.com

مشائخ خرقہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو خرقہ نہیں پہناتے تھے، —

○ — جو مشائخ خرقہ پہناتے ہیں، ان کا مقصد بھی نیک ہے، اس کی اصل سُنّت میں موجود ہے اور شریعت سے ثابت ہے، — اور

○ — جو خرقہ پوش نہیں، ان کا طریقہ بھی درست ہے، ان کا مقصد بھی نیک ہے۔

مشائخ خواہ کوئی طریقہ اختیار کریں، ان کے تصرفات صحیح اور ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہر کام میں ان کی نیت نیک و صالح ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اور ان کے آثار سے اپنی خلق کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۳:

خانقاہ والوں کی فضیلت

جن گھروں میں اللہ کا ذکر بلند ہوتا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (پارہ ۱۸، سورۂ نور)

"یہ وہ گھر ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہاں اللہ کا ذکر بلند کیا جائے۔ وہاں وہ لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کا نام لیتے ہیں جنہیں اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت، یہ لوگ اس دن سے خائف ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی"۔

اس کلامِ الٰہی میں: "یہ وہ گھر ہیں" ــــ سے مراد مساجد ہیں، ــــ بعض کے خیال میں اس سے مراد مدینہ منورہ کے گھر ہیں، یا نبی کریم کے گھر مراد ہیں، ــــ کہا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ان گھروں میں علی اور فاطمہ کا گھر بھی شامل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! وہ گھر ان سب سے افضل ہے"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"روئے زمین کے تمام گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سجدہ گاہ قرار دیئے گئے ہیں"۔

اس اعتبار سے اس آیت میں اصل اہمیت اہلِ ذکر کو حاصل ہے، نہ کہ زمین اور مقام کو، ــــ چنانچہ جس جگہ اور جس مقام پر ذکر کرنے والے جمع ہوں گے، وہی مقامات ایسے گھر مراد ہوں گے جن میں اللہ کے حکم سے صبح و شام اس کا ذکر بلند کیا جاتا ہے۔

اہلِ ذکر کی فضیلت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزرتی کہ زمین کے بعض حصے دوسرے حصوں کو پکار کر یہ پوچھتے نہ

www.waseemziyai.com

ہوں:

''کیا تم پر آج کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے تم پر (تمہاری جگہ پر) نماز پڑھی ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو''۔

چنانچہ کچھ مقامات اثبات میں اور بعض نفی میں جواب دیتے ہیں، ۔۔۔ زمین کا جو حصہ ہاں کہتا ہے، اسے زمین کے دوسرے حصوں پر فوقیت وفضیلت حاصل ہوتی ہے، ۔۔۔ اور جو بندہ کسی خطۂ زمین پر اللہ کا ذکر کرتا ہے، یا وہاں نماز پڑھتا ہے تو زمین کا وہ خطہ اللہ کی بارگاہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد روتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

''اور ان (کافروں کے مرنے) پر آسمان اور زمین نہیں روتے''۔

اس آیت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے فرماں برداروں کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آسمان وزمین ان (کی موت) پر گریہ وزاری کرتے ہیں۔ اور جو دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں، ان پر نہیں روتے۔

اصل میں خانقاہ کی اہمیت اس کے رہنے والوں سے ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی طاعت میں وقف کر لیا ہے، اور ہمہ تن اللہ کی طرف مشغول ہیں، اس (اس کے صلہ میں) اللہ نے دنیا کو ان کا خادم بنا دیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو اللہ کا ہو جاتا ہے (یعنی سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے)، اللہ اسے محنت ومشقت سے بچاتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا خیال وگمان بھی نہیں ہوتا، ۔۔۔ مگر جو کوئی دنیا کا ہو جاتا ہے، اللہ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے''۔

خانقاہ، رباط کی مانند ہے:

لغت میں رباط اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں، یعنی اصطبل، ۔۔۔ پھر یہ لفظ ان سرحدوں کے لیے بولا جانے لگا جو مسلمانوں کے ملک اور کفار کے ملک کے بیچ میں فرق کرتی ہیں۔ اور قوم یا محافظ (سپاہی) جن کی حفاظت کرتے ہیں، ۔۔۔ لہٰذا جس طرح سرحد کی حفاظت کرنے والا مجاہد اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح جو شخص خانقاہ نشیں ہے وہ رباط میں رہتا ہے، اور وہاں ذکر الٰہی اور اللہ کی طاعت میں مشغول ہے، وہ بھی دعاؤں اور اطاعت گزاری سے بندوں اور شہروں سے بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

حضرت شیخ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسماعیل قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

○ ۔۔۔ ''اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کے ذریعے اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے سو آدمیوں کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے''۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ ایک اور مقام پر رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

''اگر اللہ کے عبادت گزار بندے، شیر خوار بچے اور چرنے والے مویشی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب نازل فرماتا جو تم سب کو پیس ڈالتا''۔

○ ـــ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے کام سنوار دیتا ہے، ـــ اور جب تک وہ نیک بندہ ان کے ساتھ رہتا ہے، وہ سب کے سب اللہ کی حفظ وامان میں رہتے ہیں''۔

حضرت داؤد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ آیت کس چیز کے حق میں نازل ہوئی:

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ؀

''صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور ثابت قدم رہو''۔

میں نے کہا: ''جی نہیں، مجھے نہیں معلوم!'' ـــ انہوں نے فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسی جگہیں نہیں تھیں جن میں گھوڑے باندھے جائیں۔ (یعنی اصطبل نہیں بنائے گئے تھے۔) بلکہ اس سے مراد ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ہے، ـــ اور ''رَابِطُوْا'' سے مراد جہاد نفس ہے، ـــ اسی لیے جو خانقاہ میں رہتا ہے وہ مجاہد نفس ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؀

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت میں فرمایا:

''یہاں جہاد سے مراد مجاہدۂ نفس اور مجاہدۂ خواہش ہے۔ اس کے ذریعے جہاد کا حق ادا ہوتا ہے، کیونکہ یہ جہادِ اکبر ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لاتے تو آپ فرمایا کرتے:

''ہم جہادِ اصغر سے لوٹ کر جہادِ اکبر کے لیے آ گئے ہیں''۔

نفس کا جہاد (جہاد بالنفس):

روایت ہے کہ کسی نیک بندے کے بھائی نے اسے جنگ کی ترغیب کے بارے میں خط لکھا۔ اس نے اس کے جواب میں لکھا:

''اے میرے بھائی! سب سرحدیں میرے ایک گھر میں جمع ہو گئی ہیں۔ اور مجھ پر گھر کا دروازہ بند ہو گیا ہے''۔

اس کے بھائی نے اسے جواب میں لکھا:

''اگر سبھی لوگ وہی طریقہ اختیار کر لیں جو تم نے اختیار کیا ہے تو مسلمانوں کے سب کام درہم برہم ہو جائیں اور کفار غالب آ جائیں گے، اس لیے جنگ اور جہاد بہت ضروری ہے''۔

اس کے جواب میں اس نے لکھا:

''اے میرے بھائی! اگر سب لوگ وہ کام کرنے لگیں جس میں میں مصروف ہوں، وہ اپنے گھروں میں اور اپنے زاویوں میں اپنے مصلوں پر بیٹھ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں تو قسطنطنیہ کے قلعہ کو گرا دیں''۔

کسی صاحبِ نظر نے کہا ہے کہ عبادت گاہوں میں نیک نیتی اور خلوصِ دل سے ذکرِ الٰہی کی آوازیں بلند کرنے سے وہ سب گرہیں کھل جاتی ہیں جن کو گردشِ افلاک مضبوطی سے باندھ دیتی ہے۔ (یعنی تقدیر کے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔)

چنانچہ خانقاہ والے صحیح طور پر اپنے مقاصد (روحانی) پر عمل پیرا ہوں، ـــ حسنِ معاملات اور رعایت اوقات پر کاربند رہیں، ـــ اور اعمال کو ضائع کرنے والی باتوں سے بچے رہیں، ـــ اور اعمال کو اچھا بنانے والی باتوں پر سختی سے عمل کرتے رہیں، تو وہ ملک وقوم کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح وتشریح:

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد باری: ''اِصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''سلامتی کی توقع رکھتے ہوئے دنیا کی تکالیف پر صبر اختیار کرو، ـــ جہاد کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو، ـــ نفس (لوامہ) کی خواہشوں سے رک جاؤ، ـــ جس سے تمہیں ندامت اور شرمندگی ہو، اس بات سے بچو، ـــ

ان باتوں پر عمل کرو گے تو امید ہے کہ شرافت وعزت کی بساط پر کامیاب ہو سکو''۔

اس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میری مصیبتوں پر صبر کرو، ـــ میری نعمتوں پر اپنے آپ کو قابو میں رکھو، ـــ میرے دشمن کے گھر پہنچ کر جہاد کرو، ـــ میرے غیر کی محبت سے گریز کرو، ـــ کل قیامت کے دن شاید میرے دیدار میں تم کامیاب ہو جاؤ''۔

خانقاہ والوں کے فرائض:

خانقاہ والوں کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ:

- ـــ وہ مخلوق سے قطع تعلق کرلیں،
- ـــ اللہ کی ذات سے اپنا رشتہ جوڑیں،
- ـــ کسبِ معاش کو ترک کر کے مسبب الاسباب کی کفالت میں رہیں،
- ـــ اپنے نفس کو میل جول اور ارتباط سے روکیں،
- ـــ بُرے کاموں سے بچے رہیں،
- ـــ برائی عادتیں چھوڑ کر رات دن عبادت میں لگے رہیں،

www.waseemziyai.com

- اپنے اوقات کی حفاظت کریں،
- اَوراد و وظائف میں مشغول رہیں،
- غفلت کا شعار چھوڑ دیں،
- ایک کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں۔

ان باتوں پر عمل کرنے سے خانقاہ والے زبردست مجاہد (مرابط) بن جائیں گے۔

خطائیں دھو دینے والے اعمال:

حضرت شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- مکروہاتِ دنیا (تکالیف) میں وضو کو مکمل کرنا،
- مسجدوں کی طرف قدم بڑھانا،
- ایک نماز (ادا کرنے) کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا،

یہ اعمال سب خطاؤں کو اچھی طرح دھو ڈالتے ہیں"۔

جہاد کے ثواب والے اعمال:

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کی بدولت اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا ہے اور درجے بلند فرما دیتا ہے"۔

صحابہ کرام نے عرض کیا: "کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ ضرور ارشاد فرمائیے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- مکروہاتِ دنیا (تکالیف) میں وضو کو مکمل کرنا،
- مسجدوں کی طرف بہت سے (شمار میں زیادہ) قدم اٹھانا،
- ایک نماز (ادا کرنے) کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا،

رباط ہے، — یہ رباط ہے، — یہ رباط ہے۔ یعنی اس میں جہاد کا ثواب ہے"۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۱۴:

اہلِ صفہ سے اہلِ خانقاہ کی مشابہت

اہلِ طہارت (صاف ستھرے لوگ) اللہ کے دوست ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ (پارہ ۱۱، سورۂ توبہ)

"بے شک وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر رکھی گئی، پہلے ہی دن سے اس لائق تھی کہ آپ اس میں قیام فرمائیں، — اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جو خوب صاف ستھرے بننا چاہتے ہیں، بے شک اہلِ طہارت اللہ کے دوست ہیں"۔

اس فرمانِ الٰہی میں رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کی شان بیان کی گئی ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا:

"تم لوگ کیا عمل کرتے تھے جس کی وجہ سے اللہ نے تمہاری اتنی شان بیان فرمائی —"

انہوں نے جواب دیا:

"ہم طہارت کے لیے ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے ہیں"۔

آدابِ طہارت صوفیاء کے معمولات میں سے ہے:

یہ ادب اور طہارت کے لیے اس قسم کے جو اور آداب ہیں، یہ سب صوفیاء کرام کے روزانہ کا معمول ہیں۔ وہ ہر وقت خانقاہ میں رہتے ہیں اور اس کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں، — گویا رباط (خانقاہ) ان کا گھر ہے اور وہی ان کا خیمہ ہے، — جس طرح ہر جماعت کا کوئی نہ کوئی گھر ہوتا ہے، اسی طرح صوفیاء کی خانقاہ ان کا گھر ہے، اسی لیے وہ اہلِ صفہ کے مشابہ ہیں۔ اس مشابہت کا مزید ثبوت اس حدیث شریف سے ملتا ہے جو حضرت ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جب کوئی آدمی باہر سے مدینہ منورہ میں آتا، اور یہاں اس کا کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے ہاں قیام کرتا، — اور اگر اس کا جان پہچان والا کوئی نہ ہوتا تو وہ صفہ پر آجاتا اور یہاں قیام کرتا، — مجھے بھی اہلِ صفہ کے ساتھ قیام کرنے کا اتفاق ہوا تھا"۔

www.waseemziyai.com

سب خانقاہ والے ایک ہی رنگ ڈھنگ والے ہوتے ہیں:

چنانچہ خانقاہ والے بھی ایسے لوگ ہیں جن کا آپس میں ربط وضبط ہوتا ہے۔ ان سب کا ایک ہی مقصد، ایک جیسا عزم ہوتا ہے، ــــ سب کا رنگ ڈھنگ ایک سا ہوتا ہے۔ ان کا آپس میں یہ رابطہ اہلِ جنت کی طرح ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ○ (پارہ ۱۴)

''اور ان کے سینوں سے ہم نے رنجش اور کینہ کو نکال دیا، اور وہ بھائی بھائی بن کر تخت پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں''۔

یہ آمنے سامنے بیٹھنا اس لیے ہے کہ اب ان کا ظاہر و باطن ایک سا ہو گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے دل میں اپنے کسی بھائی سے کینہ رکھتا ہو، خواہ وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو، تو اس حالت میں بیٹھنے کے باوجود اسے اس کے مقابل نہیں کہا جائے گا۔

جبکہ اہلِ صفہ اس آیت کے مثل تھے۔ کیونکہ ان کے دل کینے سے یکسر پاک صاف تھے، ــــ کینہ وحسد دنیا کی رغبت اور محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں دل میں دنیا کی رغبت سے پیدا ہوتی ہیں جبکہ اہلِ صفہ نے دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور نہ ہی مویشی پالتے تھے۔ اس لیے ان کے دلوں میں نہ کینہ رہا، نہ حسد رہا۔

اہلِ خانقاہ کا بھی معاملہ ایسا ہی ہے، ان کے ظاہر و باطن میں یک رنگی ہے۔ آپس میں محبت واُلفت ایک سی ہے، اس میں سب اکٹھے ہیں، ایک ساتھ رہتے بستے ہیں۔ ان کا بولنا چالنا ایک ساتھ ہے، ان کا کھانا پینا ایک ساتھ ہے۔ مل جل کر رہنے میں برکت کا انہیں خوب علم ہے۔

مل کر کھانے میں برکت ہے:

وحشی بن حرب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کچھ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ شاید الگ الگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو۔ سب مل کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اللہ تمہارے لیے اس میں برکت ڈال دے گا''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ) آپ نے نہ کبھی خوان (میز، چوکی) پر کھانا کھایا، اور نہ کبھی بڑے پیالے میں کھانا کھایا۔ اور نہ کبھی آپ کے لیے باریک (پتلی) چپاتیاں لگائی گئیں، ــــ ان سے پوچھا گیا:

''آپ ﷺ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟'' ــــ انہوں نے فرمایا:

''آپ ﷺ دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے''۔

www.waseemziyai.com

تنہائی پسندی:

اگر کوئی یہ سوال اُٹھائے کہ عابدوں اور زاہدوں نے تنہائی کیوں اختیار کی؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے آفتوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے تنہائی کو اختیار کیا، کیونکہ عام لوگوں کے ساتھ رہنے سے مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، اور ان کی طبیعت نفسانی خواہشوں میں گھر جاتی ہے، اور ان کا دھیان ان کے مقصود اصل سے ہٹ کر بیکار کی باتوں میں لگ جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے تنہائی میں سلامتی اور عافیت پائی۔ اور صوفیاء و مشائخ کرام نے اپنی روحانی طاقت کے زور سے ان سے یہ برائیاں دور کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے زاویے اور خانقاہ میں اپنے اپنے مصلّے (سجادہ) پر جمع ہونا ہی بہتر سمجھا۔ یوں ان میں سے ہر ایک کا اپنا مصلّٰی (سجادہ) اس کا گوشہ اور زاویہ بن گیا۔ اور اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک اپنے مقصد کے لیے کوشاں ہو گیا، —— اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے اپنے زاویہ/مصلّے سے قدم باہر نکالنے کا ارادہ کیا ہو، یا سجادہ سے نکلنے کے لیے کوئی کوشش بھی کی ہو، —— ان کی یہ سجادہ نشینی رسول اللہ ﷺ کی مبارک سُنّت بھی ہے۔ اس کی دلیل اور ثبوت یہ حدیث ہے، جسے حضرت ابوسلمٰی بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھجور کی چھال کی ایک چٹائی بنائی تھی، جس پر آپ رات کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے''۔

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارک تھی کہ آپ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے اپنے لیے کھجور کی چٹائی کا ایک چھوٹا سا مصلّٰی بچھایا کرتے تھے۔

خانقاہی زندگی:

خانقاہ اور زاویے میں جوان، بوڑھے، خدمت گزار اور تنہائی پسند ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں ضعیف العمر لوگ گوشہ نشینی کو زیادہ پسند کرتے ہیں، کیونکہ ان کی طبیعت (اور عمر کا یہ حصہ) نیند و آرام زیادہ چاہتی ہے، اور اُٹھنے بیٹھنے میں آزادی چاہتے ہیں، اس لیے وہ نوجوانوں کی نسبت تنہائی اور آرام کے زیادہ طلب گار ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت نوجوانوں کی طبیعت گوشہ نشینی سے گریز کرتی ہے اور خانقاہ میں جم کر بیٹھ رہنے سے گھبراتی ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کی نظروں کے سامنے ہوتے ہیں، یوں ایک طرح سے پابند ہو کر رہنا ان کے لیے سخت مشکل ہے۔ لیکن یہ تربیت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ خانقاہ میں رہتے ہوئے وقت کی پابندی نہ کی جائے، ضبطِ نفس اور تربیتِ حواس کا انتظام اور اہتمام نہ کیا جائے۔ یعنی ایسے زاویہ نشیں ہوں جو نوجوانوں کے حفظ اوقات، ضبطِ نفس اور تربیتِ حواس کا اہتمام کر سکیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی نرالی شان تھی، جوان کے لیے کافی تھا۔ صحابہ کو آخرت کی اتنی فکر ہوتی تھی کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی تھی۔

اربابِ حق اور صوفیاء کرام کو چاہیے کہ ان کا مل بیٹھنا وقت کے ضیاع کا باعث نہ ہو۔ اگر نوجوانوں کے معمولات میں ناپسندیدہ کام (لعو ولعب) اور زندگی کی لذتوں کی دخل اندازی کا خدشہ ہو تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ تنہائی کو اختیار کریں اور گوشہ نشینی کو اپنے لیے ضروری جانیں، —— ایسی صورت میں شیخ کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو گوشۂ تنہائی عنایت فرمائے۔ تاکہ وہ اس سے وابستہ ہو کر نفسانی خواہشوں اور فضول باتوں سے بچا رہے۔

www.waseemziyai.com

خود شیخ کو خانقاہ (زاویہ) میں رہنا چاہیے کہ اس سے اس کی روحانیت کو تقویت ملتی ہے۔ وہ لوگوں کے سلوک اور مدارات کو برداشت کر سکتا ہے۔ اور مجلس وصحبت میں رہتے ہوئے زندگی کی برائیوں سے محفوظ و مامون رہنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یوں اپنے وقار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اس حالت میں دوسرے لوگ اس سے ضبطِ نفس کا سبق سیکھ کر خراب نہ ہوں گے۔

خدمتِ خلق عبادت کی مانند ہے:

جو شخص خانقاہ کی دنیا میں نیا نیا آیا ہو اور وہ علم معرفت کی لذت سے نا آشنا ہو، —— اور روحانیت کے کسی بڑے درجے پر فائز نہ ہوا ہو تو اسے خانقاہ والوں کی خدمت پر مامور کر دیا جاتا ہے کہ ان کی خدمت کرے۔ اس کی یہ خدمت، عبادت کی مانند ہے۔ وہ اپنی اچھی خدمات سے اللہ والوں کے دل جیت لے گا۔ ان کی برکتیں اس کے شاملِ حال ہو جائیں گی۔ اس طرح وہ اپنی خدمت کے ذریعے اپنے عبادت گزار ساتھیوں کی مدد کرتا رہے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مؤمن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے (کسی نہ کسی طور) ضرورت مند ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو کوئی دوسرے کی ضرورت پوری کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا''۔

خدمت کے باعث خادم، سستی اور بیکاری سے بچا رہتا ہے۔ یہی کاہلی دلوں کو مردہ کرتی ہے۔ قصہ مختصر صوفیاء کے ہاں خدمت بھی نیک کاموں میں شمار ہوتی ہے۔ اور اوصافِ جمیلہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جس کی بدولت انسان میں اوصافِ حسنہ اور اچھے خصائل پیدا ہو جاتے ہیں، —— جو شخص اہلِ خانقاہ میں سے نہ ہو (ان کا ہم جنس نہ ہو) اور ان سے ہدایت کا طالب نہ ہو تو اس سے خدمت لینا کسی طرح سے مناسب نہیں۔

وثیق رومی کا بیان ہے کہ میں (حضرت) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا:

''تم اسلام لے آؤ، اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر مقرر کر سکتا ہوں، جو مسلمان نہیں ہے میں اسے مسلمانوں کی امانت نہیں سونپ سکتا''۔

ان کی اس پیش کش کے باوجود میں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۝

''دین میں کوئی جبر نہیں''۔

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے فرمایا:

''اب جہاں تمہارا دل چاہے، چلے جاؤ''۔

نا اہلوں سے خدمت لینا ناپسندیدہ ہے:

اہلِ تصوف کے لیے نا اہلوں سے خدمت لینا ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ وہ ان سے میل جول رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ جو شخص ان کے طریقے کو پسند نہیں کرتا، وہ ان کے طور طریقوں سے فائدے کی بجائے نقصان اُٹھاتا ہے، —— صوفیاء بھی آخر انسان ہیں،

www.waseemziyai.com

بشری تقاضوں کی وجہ سے کبھی ان سے بعض ایسے افعال واقع ہو جاتے ہیں، کم علمی کی بناء پر اغیار جنہیں پسند نہیں کرتے، کراہت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے باعث نا اہلوں (اغیار) سے خدمت لینے سے صوفیاء و مشائخ کا گریز کرنا ان پر شفقت ورحم کی بناء پر ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی پر اپنی برتری جتانا چاہ رہے ہیں۔

مخدوم کی عبادات میں خادم کے لیے بھی اجر ہے:

جب کوئی نوجوان ان اللہ والوں کی خدمت کرتا ہے جو اللہ کی طاعت و بندگی میں مصروف ہیں۔ ان کی عبادات میں اس خادم کے لیے بھی اجر ہے۔ وہ بھی ان کے ثواب میں شریک ہو گیا، — اگر کوئی خادم کسی شیخ کے بلند مرتبہ کے باعث اس کی شان کے مطابق خدمت نہ کر سکے تو وہ اس کی خدمت کا ذمہ نہ لے، — بلکہ جو اس کی خدمت کا اہل ہو، وہ اس کی خدمت کرے، — چونکہ وہ ابھی روحانی مراتب کا بلند درجہ حاصل کرنے کا اہل نہیں ہوا، اس لیے وہ ان اہلِ مراتب کی خدمت کرتا ہے، اس لیے کہ بارگاہِ الٰہی کے مقرّبین کی خدمت کرنا، اللہ سے محبت کی نشانی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے جب واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر فرمایا:

"مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو تمہارے سفر کے ہر مقام میں تمہارے ساتھ تھے اور جب تم فراخ راستوں اور وادیوں میں سے گزرے، اس وقت وہ تمہارے ساتھ تھے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

"حضور! وہ تو مدینہ میں رہ گئے تھے" (پھر ہمارا ان کا ساتھ کیونکر ہوا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں وہ کسی عذر کی وجہ سے رک گئے تھے"۔ (مگر تمہارے اجر میں ان کا حصہ ہے)

لہٰذا جو شخص بزرگوں (صوفیاء و مشائخ کرام) کی خدمت کرتا ہے، مگر اپنی کسی نا اہلی یا کسی خامی کی وجہ سے ان کے روحانی مرتبے تک نہیں پہنچ سکا، لیکن اس کے باوجود وہ ان کی خدمت کرنے میں لگا رہا۔ اور ان کی بارگاہ/ خانقاہ/ زاویے کے چکر لگاتا رہا۔ محض اس خیال سے کہ اگر وہ ان کی نگاہِ کرم سے محروم رہا تو ہو سکتا ہے کہ خدمت کے باعث اس کا کچھ ازالہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس خدمت کا بہت اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے اور فقط (اپنی مخلصانہ) خدمت کے باعث اس کے فضلِ عظیم کا اہل بن جاتا ہے۔

اہلِ صفّہ بھی اسی طرح نیکی اور تقویٰ کی بنیادوں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ اور دینی مفادات پر اپنی جان و مال سے اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے مل جل کر کام کرتے تھے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۵:

خانقاہ والوں کے اوصاف

خانقاہ والوں کی خوبیاں:

ان خانقاہوں کی بنیاد ہدایت پانے والی اور ہدایت دینے والی مسلمان قوم کی خوبی اور زینت ہے۔خانقاہ والوں اور زاویہ نشینوں کی خوبیاں ایسی ہیں جو انہیں دوسری جماعتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔یعنی یہ خوبیاں دوسری جماعت والوں میں نہیں پائی جاتیں،—— یہی لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہدایت پا چکے ہیں،—— ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ ○

''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے،اس لیے تم انہی کی پیروی کرو''۔

ہمارے زمانے میں بعض لوگ کوتاہی کرنے لگے ہیں اور اسلاف کے طریقے کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔یہ خامی ان کی ذاتی کمزوری ہے،خانقاہی نظام اور راہِ طریقت کا اس کوتاہی سے کوئی تعلق نہیں۔ان کی کوتاہی سے اور ان کے (موجودہ) طور طریقے سے خانقاہ پر کوئی حرف نہیں آتا،—— اب بھی جو روحانی اثرات باقی دکھائی دیتے ہیں اور خانقاہوں میں اجتماعی صورت میں جو رونق نظر آتی ہے۔موجودہ حال مشائخ کے لیے اللہ نے اپنے لطف و کرم سے جو کچھ عطا فرمادیا ہے،یہ سب کچھ مشائخ سلف کے روحانی فیض کی برکتیں ہیں۔اور عطائے الٰہی کے ثمرات ہیں۔خانقاہوں میں اطاعتِ الٰہی اور ظاہری آداب کی رسوم کی جو اجتماعی حیثیت آج کل دکھائی دے رہی ہے،یہ سب بزرگانِ اسلاف کے باطنی فیض کا عکس ہے اور ان کے مسلک کی اتباع کا نتیجہ ہے۔یعنی ابھی کچھ لوگ ہیں جو اپنے اسلاف کے مسلک اور ان کے طریقہ پر صحیح طرح سے چل رہے ہیں۔

سب خانقاہ والے ایک بدن کی طرح ہیں:

خانقاہ میں رہنے والے،ٹھہرنے والے سب لوگ ایک بدن کی طرح ہیں۔ان کے دلوں میں یگانگت اور پختہ ارادے،اتحاد و اتفاق کا باعث ہیں۔دوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ان میں ایسا اتحاد نہیں۔اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○

''وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط و متفق ہیں''۔

www.waseemziyai.com

ان کے مقابل ان کے دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشادِ باری ہوا:

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ○

''تم انہیں متحد خیال کرتے ہو،مگران کے دل پراگندہ ہیں''۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''بے شک مسلمان ایک بدن کی طرح ہیں، اگر کوئی عضو درد میں مبتلا ہو تو سارے بدن میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مؤمن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سارے مؤمن اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں''۔

قلبی جمعیت کی ضرورت وفوائد:

صوفیاءِ کرام کے لیے یہ لازمی طور پر فرض ہے کہ وہ قلبی جمعیت کو برقرار رکھیں اور دلوں کی پراگندگی دور کریں۔ دلی اور روحانی اتحاد سے اس کا ازالہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سب ایک روحانی رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ مشاہدۂ قلوب کے ساتھ وابستہ ہیں اور تالیفِ الٰہی کے رابطہ سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلوب کے لیے خانقاہوں میں ایک دوسرے سے ربط و ضبط قائم کرتے ہیں۔ (یہ سلسلہ کسی دنیاوی غرض سے نہیں ہے۔) اس لیے ان کے لیے آپس میں اُلفت ومحبت اور خیر خواہی اشد ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مؤمن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اُلفت ومحبت سے پیش آتے ہیں، ـــــ اور اس شخص میں کچھ بھی بھلائی نہیں جو نہ خود دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روحیں ایک لشکر کی طرح ہیں۔ جو ایک جگہ اکٹھی ہوگئی ہیں۔ جان پہچان والی روحیں آپس میں مانوس ہو جاتی ہیں۔ اور جن کی جان پہچان نہیں ہوتی وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتی ہیں''۔

ایسا ہی معاملہ خانقاہ والوں کا ہے کہ جب یہ لوگ ایک مقام پر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان کے قلب اور باطن بھی یکجا ہو جاتے ہیں۔ (اس قلبی جمعیت سے) ان کے نفوس ایک دوسرے کے مقیّد ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کے نگران جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے''۔

جب ان میں (کسی وجہ سے) تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس سے (بچنے کے لیے) نفرت کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر تفرقہ نفسانی خواہش کے باعث ہوتا ہے۔ اور غلبۂ نفس سے وقت کا ضیاع ہوتا ہے، ـــــ لہٰذا جب کسی درویش میں نفسانی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو یہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ قلبی جمعیت سے نکل گیا۔ چنانچہ وہ لوگ یہ فیصلہ کر دیتے ہیں:

''اس نے وقت ضائع کیا، ضبط نفس میں غفلت برتی، اور حسنِ اخلاق کو ترک کر دیا''۔

www.waseemziyai.com

لہٰذا اس سے نفرت کا برتاؤ کر کے پھر دائرہ جمعیت میں کھینچ کر لایا جاتا ہے۔

نفرت کا برتاؤ اور محاسبہ، خیر کا باعث ہے:

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حوالے سے شیخ محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے:

''صوفیاء کی کامیابی اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنا محاسبہ کرتے رہیں گے۔ اور اگر وہ آپس میں مصالحت کر لیں گے تو برباد ہو جائیں گے''۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حالات کی نگرانی کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ نفس غالب آ جائے، —— جب وہ اس طرح کے محاسبہ اور نگرانی کو ترک کر دیں گے تو اس صورت میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ آپس میں درگزر اور چشم پوشی سے کام لینے لگیں گے۔ اور طریقت کے مشکل اور پوشیدہ آداب سے غفلت برتنے لگیں گے۔ ان کا نفس ان پر غالب آ جائے گا۔ اس لیے ایک دوسرے کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے مجھے میرے عیوب سے مطلع کیا''۔

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ ایک مجلس میں مہاجرین اور انصار دونوں موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''اگر میں تمہیں بعض کاموں میں رخصت (سہولت) دے دوں تو میرے ساتھ تمہارا کیا رویہ ہوگا''۔

یہ سن کر حاضرین خاموش رہے، —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ تیسری بار جب آپ نے ہی فرمایا تو بشر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے''۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم اب تم ہو'' —— یعنی اب تم اپنی ایمانی صفات کے ساتھ ٹھیک ہو۔

اَن بَن ہو جائے تو صوفی کیا کرے؟:

نفس سے مغلوب ہو کر جب کسی صوفی کی اپنے کسی بھائی سے اَن بن ہو جائے تو اس بھائی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے۔ نفس کا جب قلب (صافی) سے مقابلہ ہوتا ہے تو اس سے برائی اور شر کا مادہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور اگر نفس کا نفس سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور عصمت جاتی رہتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ

www.waseemziyai.com

صَبَرُوْا ج ○

''تم احسن طریقے سے مدافعت کرو تاکہ جس سے تمہاری اَن بن ہے، وہ تمہارے گہرے دوست کی طرح ہو جائے، اور یہ طریقہ وہی اختیار کرتے ہیں جو صبر کرتے ہیں''۔

اگر شیخ یا خادم کے پاس کوئی درویش اپنے بھائی کی شکایت کرے تو اسے اختیار ہے کہ وہ ان دونوں میں سے جس سے چاہے ناراضی کا اظہار کرے۔

○ — زیادتی کرنے والے کو جھڑکنا ہو تو اسے یہ کہتے ہوئے ڈانٹے:

''تم سے کیا قصور ہو گیا کہ جس پر اس نے تم سے زیادتی کی ہے،

○ — جس سے زیادتی اور ظلم ہوا ہے تو اسے یہ کہتے ہوئے ڈانٹے:

''تم سے کیا قصور ہو گیا ہے کہ جس پر اس نے تم سے زیادتی کی اور وہ تم پر حاوی ہو گیا، — تمہیں چاہیے تھا کہ اس کے نفس کا اپنے قلب سے مقابلہ کرتے۔ تم نے اپنے بھائی سے نرمی کیوں نہیں اختیار کی۔ اور صحبت کا حق کیوں نہیں ادا کیا''۔

اس طرح وہ دونوں قصوروار ہیں اور جمعیت کے دائرے سے خارج ہو گئے۔ اس لیے دونوں کو ملامت کر کے جمعیت کے دائرے کی طرف لایا جائے گا۔ وہ توبہ استغفار کرے گا اور اپنے کیے پر ضد اور اصرار نہیں کرے گا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''الٰہی! تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرما دے جو اچھا کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور جب ان سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو استغفار کرتے ہیں''۔

اس طرح ظاہری طور پر بھائیوں سے استغفار ہو گا اور باطن میں اس کا اللہ سے تعلق ہو گا، — استغفار کرتے وقت وہ اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ مصالحت کرتے وقت تواضع و انکساری سے کام لیتے ہیں۔ اور اس امر میں خاکساری کے نقطۂ کمال پر کھڑے ہوتے ہیں، جہاں جوتیاں اُتاری جاتی ہیں۔

مصالحت کا احسن انداز:

شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مصالحت کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ جب کسی درویش کی اپنے کسی بھائی سے رنجش ہو جاتی تو آپ اسے فرماتے: ''اٹھو اور استغفار پڑھو!'' — اس پر وہ درویش کہتا:

''میرا باطن صاف نہیں ہے، باطن کی صفائی کے بغیر میں استغفار کس طرح پڑھوں''۔

تو آپ ارشاد فرماتے:

''تم کھڑے ہو جاؤ اور استغفار پڑھو۔ تمہاری کوشش اور صلح کی نیت سے قیام کرنے کی برکت سے تمہیں باطنی صفائی حاصل ہو جائے گی''۔

www.waseemziyai.com

اور واقعتاً ایسا ہی ہوتا تھا۔ اس کا باطن صفا ہو جاتا تھا۔ اس کے دل میں نرمی آ جاتی اور جس درویش سے رنجش ہوتی، وہ اس کے دل سے جاتی رہتی۔

صوفیاء کرام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ باطنی کدورت (کسی کی رنجش) کے ساتھ رات نہیں گزارتے، اور نہ ایسی حالت میں وہ کھانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، ــــ جب تک وہ آلائش دور نہ ہو اور سب کی قلبی جمعیت نہ ہو، اس وقت تک وہ کسی کام کے لیے اکٹھے نہیں ہوتے، ــــ لہٰذا شیخ کے لیے لازم ہے کہ جب کوئی درویش معافی تلافی کے لیے کھڑا ہو تو اس کی معافی کو ٹالنا نہیں چاہیے، بلکہ اسے معاف کر دینا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم رحم کرو، تم پر رحم کیا جائے گا، ــــ معاف کر دو، تمہیں بھی معاف کیا جائے گا''۔

شیخ کی دست بوسی:

استغفار کے بعد شیخ کی دست بوسی کی دلیل اور ثبوت احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک لشکر میں شامل تھا۔ اتفاق سے اس لشکر والے دشمن سے مقابلہ میں بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں مَیں بھی تھا۔ دل میں خیال آیا:

''اس طرح جنگ سے بھاگنے سے ہم اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اب کیا کریں''۔

پھر ہم نے یہ طے کیا کہ مدینہ پہنچ کر توبہ کر لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود کو پیش کر دیں، ــــ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری توبہ قبول فرمالی تو بہتر ہے۔ ورنہ پھر دوبارہ لڑنے کے لیے جائیں گے، ــــ چنانچہ مدینہ آ کر ہم لوگ نمازِ فجر سے پہلے ہی درِ نبی پر پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لا کر دریافت فرمایا: ''تم لوگ کون ہو؟'' ــــ ہم نے عرض کیا: ''ہم بھگوڑے حاضر خدمت ہوئے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! تم بھگوڑے نہیں بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ تم مسلمانوں کی جماعت سے ہو''۔

یہ سنتے ہی ہم آپ کے قریب ہوئے اور آپ کے دست مبارک کو چوم لیا۔

○ ــــ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دست بوسی کی۔

○ ــــ اسی طرح حضرت المرثد الفتوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کی۔

ان احادیث سے دست بوسی کا شرعی جواز ملتا ہے، ــــ اگر لوگ صوفی کی دست بوسی کریں، اور اس سے اس کے نفس میں غرور آ جائے اور وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگے۔ تو صوفی کے ادبِ کامل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس معمول کو ترک کر دے، ــــ اور اس

www.waseemziyai.com

قسم کی نفسانیت سے محفوظ ہو تو معذرت کرنے پر دست بوسی کی اجازت دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح رنجش کے بعد باہمی اُلفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ وقتی نا اتفاقی ایک سفرِ فراق ہے۔ جہاں سے لوٹ کر وہ طمانیتِ قلب اور دل جمعی کے ساتھ پھر وطن پہنچ جاتے ہیں۔ غلبۂ نفس کی وجہ سے وہ کچھ مدت کے لیے مسافر بن گئے اور ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ احساس ہونے پر نفس کو ملامت کی اور معافی مانگ کر وہ اپنے اصل مقام پر لوٹ آئے۔

معذرت قبول کر لینی چاہیے:

اگر کوئی اپنے بھائی سے اپنی غلطی پر معافی مانگے اور دوسرا اس کی معافی اور معذرت کو قبول نہ کرے تو وہ سخت غلطی پر ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے معذرت قبول نہ کرنے پر سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، ——

○ —— روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اگر کسی کا بھائی اس کے سامنے معذرت پیش کرے اور وہ اس کی معذرت کو قبول نہ کرے تو وہ ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کوئی شخص چونگی یا ٹیکس لینے یا بیع پر مامور ہے اور وہ اس کی بد دیانتی کرے“۔

○ —— حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اگر کسی نے کسی سے معافی مانگی اور اس نے قبول نہ کی تو وہ حوضِ کوثر پر نہ آ سکے گا“۔

معذرت کے بعد ہدیہ پیش کرنا مسنون ہے:

یہ طریقہ بھی مسنون ہے کہ معافی مانگنے کے بعد اپنے بھائیوں کی خدمت میں کچھ پیش کرے۔ روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

”میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست بردار ہو جاؤں، اور اپنی برادری کے ان گھروں کو چھوڑ دوں جہاں بیٹھے رہنے سے مجھ سے گناہ کا ارتکاب ہوا“۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اس کا تہائی حصہ دینا تمہارے لیے کافی ہے“۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صوفیاء کرام نے بھی یہ معمول بنا لیا ہے کہ وہ استغفار اور معافی کے بعد معافی مانگنے والے کو جرمانہ کرتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کا مقصود ایک تو تالیفِ قلوب ہے، دوسرا یہ کہ آپس میں اُلفت و محبت قائم رہے، —— جس طرح وہ ظاہری طور پر ربط و ضبط سے آراستہ ہے، اسی طرح باطنی طور پر بھی یہ ربط و ضبط قائم رہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو مسلمانوں کے سوا کسی اور جماعت میں نہیں پائی جاتی۔

---

[1] —— حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی سستی کی وجہ سے ایک غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اپنی شرکت کو آج کل، آج کل پر ٹالتے رہے۔ اور محض تساہل کے باعث غزوہ میں شریک ہونے سے رہ گئے۔

www.waseemziyai.com

خانقاہ والوں کی گزراوقات کے ذرائع:

وہ مخلص درویش جو خانقاہ میں ٹھہرا ہوا ہے، وہ خانقاہ کے لیے وقف مال میں سے، یا خانقاہ والوں کے لیے دردر اکٹھا کیے جانے والے مال میں سے کھانے کی تمنا رکھتا ہے۔ تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کے ذکر میں اس طرح مشغول ہو جائے، کہ اگر وہ روزی کما رہا ہوتا تو اس کے لیے اس انداز پر ذکر الٰہی کرنا ممکن نہ ہوتا۔

اور اگر خانقاہ میں رہتے ہوئے فرصت کے باعث وہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا رہتا ہے، اور اہلِ باطن کی طرح ریاضت اور محنت کے تقاضے نہیں پورے کر رہا تو ایسے درویش کو خانقاہ کے مال سے کھانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اسے اپنے لیے روزی کما کر کھانا چاہیے۔ خانقاہ کا کھانا فقط ان کے لیے ہے جو اللہ کے ذکر میں اس طرح مشغول ہیں کہ انہیں کسی اور کام کے لیے فرصت نہیں۔ اور وہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ اس لیے دنیا والے ان کی خدمت کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی شخص پیر طریقت کی صحبت سے فیض یاب ہو رہا ہے، اور اس کے سلسلے پر چل رہا ہے تو ایسی صورت میں شیخ کو اختیار ہے کہ اسے خانقاہ سے کھانا دیا جائے۔ شیخ کا یہ تصرف ضرور کسی بصیرت کے مطابق ہوگا، —— اس میں شیخ کا یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ اس سے درویشوں کی خدمت لی جائے، تو جو وہ کھانا کھا رہا ہے، وہ اس خدمت کا معاوضہ سمجھا جائے گا۔

شیخ ابو عمرو الزجاجی رحمۃ اللہ علیہ[۱] فرماتے ہیں:

''میں حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس بہت عرصہ مقیم رہا۔ اس عرصے میں انہوں نے نہ میری طرف دیکھا، نہ یہ دیکھا کہ میں کسی عبادت میں مصروف ہوں، اور نہ ہی انہوں نے مجھ سے کبھی کوئی بات کی، —— ایک دن خانقاہ بالکل خالی تھی۔ میں اُٹھا اور اپنے کپڑے اتار دیئے۔ خانقا کو جھاڑو دے کر صاف کیا۔ ہر طرف پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ اور طہارت خانے کو بھی دھو ڈالا۔

حضرت جنید جب خانقاہ میں تشریف لائے، انہوں نے ہر طرف صفائی ستھرائی دیکھی۔ اور پھر میری طرف دیکھا کہ میرے کپڑوں پر گرد پڑی ہوئی ہے۔ تو میرے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

''مرحبا! —— جزاك الله! —— رضيت عليك بها''۔

یوں تین بار فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام عام طور سے نوجوانوں کو خدمت پر مامور کرتے ہیں۔ تاکہ وہ بیکاری اور بدکاری سے بچے رہیں۔

اس طرح سے انہیں دوہرا اجر ملتا ہے:

- ○ —— ایک اجر معاملے کا،
- ○ —— دوسرا اجر خدمت کا،

۱۔ شیخ ابو عمرو الزجاجی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد بن ابراہیم بن یوسف ہے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ ابو عثمان، حضرت جنید بغدادی، شیخ رویم اور ابراہیم الخواص کی صحبت پائی۔ آپ کو ساٹھ بار حج کی سعادت حج ہوئی۔ ۳۴۸ھ میں وفات ہوئی۔ مکہ معظمہ میں تدفین ہوئی۔ حل مشکلات کے لئے مشائخ کرام آپ ہی سے رجوع فرمایا کرتے تھے۔

www.waseemziyai.com

یعنی روحانی مرتبہ بھی پائے اور خدمت کا اجر بھی۔

مختلف خدمات پر مامور صحابہ کرام:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

- —— رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے اذان دینے کی خدمت مقرر فرمادی تھی،
- —— بنی ہاشم کے لیے زم زم کے کنوئیں سے پانی کھینچنے اور پلانے کا حکم مقرر تھا،
- —— بنی عبدالدار کے ذمہ دربانی کا فریضہ تھا،

اسی سُنّت کے پیش نظر مشائخ کرام بھی درویشوں کی خدمت پر خادموں کو مامور کر دیتے ہیں۔ خادم کے ذمہ جس قسم کی خدمت لگائی جائے وہ اس کے بجالانے میں کوئی حیل وحجت نہیں کرتا۔ صرف اس شخص کے ذمے کوئی خدمت نہیں لگائی جاتی جو ہر وقت ذکرواذکار میں مشغول رہتا ہے۔ پوری طرح سے مشغول ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ ہاتھ پاؤں سے مشغول ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت نفس کے محاسبہ اور اللہ کی یاد میں مشغول رہتا ہو۔

- —— کبھی وہ قلب اور جسم کے ساتھ مشغول ہو،
- —— کبھی جسم کے بغیر یعنی صرف قلبی طور پر مشغول ہو،

ذکر کی کمی بیشی کا بالکل خیال نہ لائے، کیونکہ درویش کا مکمل شغل ہی یہ ہے کہ وہ وقت کے حقوق صحیح طرح سے ادا کرے، اس کے ساتھ ساتھ فرصت کی نعمت اور صحت کی نعمت کا شکر بجالائے، یہ مشغول رہنے میں دو شکر ہیں، جبکہ اس کے برعکس بیکار رہنا فرصت کی نعمت اور صحت کی نعمت کی ناشکری ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس سے نعمت اس طرح چھین لی جاتی ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی''۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ضعیف آدمی کسب نہیں کر سکتا۔ اس کا بڑھاپا روزی کمانے سے لاچار ہوتا ہے۔ اسے خانقاہ سے کھانا کھانے میں کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جوان کے لیے کسب کمانا کوئی معذوری نہیں، وہ کسب کما کر کھائے۔ صوفیاء میں یہ معمول جاری ہے۔

اس بارے میں شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر خانقاہ کے وقف میں یہ شرط ہے کہ ہر اہلِ تصوف خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان ہو، اور صوفیوں جیسا لباس پہننے والا (متصوّف) اور خرقہ پوش اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، —— اس صورت میں ہر جوان اور بوڑھے کے لیے خانقاہ کا کھانا کھانا شرعی طور پر جائز ہے۔ لیکن یہ صرف جواز کی صورت ہے۔ مگر اہلِ باطن کے بلند ارادے اور بلند ہمتی کے سراسر خلاف ہے۔

اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط رکھی ہے کہ اس سے وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو عملی اور روحانی طریقے سے تصوف کی راہ پر گامزن ہو۔ اس صورت میں بیکار لوگوں اور وقت ضائع کرنے والوں کے لیے وہ جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں صوفیاء ومشائخ کرام

www.waseemziyai.com

کے معمولات اوران کے طریقے مشہور ہیں۔

صاحبِ معرفت مؤمن، گھوڑے کی مثل ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مؤمن کی مثل ایک ایسے گھوڑے کی ہے جو اصطبل سے بدکتا ہے، پھر لوٹ کر وہیں واپس آ جاتا ہے،—— اسی طرح مؤمن بھی خطا کرتا ہے، پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے، اس لیے تم اپنا کھانا پرہیز گاروں اور جو مؤمنین تم میں صاحبِ معرفت ہیں، انہیں کھلاؤ''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۶:

مشائخ کے سفر اور قیام کے احوال و مقاصد

سفر کی نوعیت:

مشائخ کرام کے سفر اور قیام کے احوال اور مقاصد کی نوعیت مختلف ہوتی ہے:

- ○ ــــ بعض ابتداء میں سفر کرتے رہتے ہیں اور آخر میں کسی ایک جگہ قیام کرتے ہیں،
- ○ ــــ بعض ابتداء میں قیام کرتے ہیں اور انتہا میں سفر کرتے ہیں،
- ○ ــــ بعض محض قیام کرتے ہیں سفر نہیں کرتے،
- ○ ــــ بعض ہمیشہ سفر کرتے رہتے ہیں اور کسی جگہ قیام کرنا پسند نہیں کرتے۔

اب ان سب کے حال اور مقصد کی تشریح و توضیح بیان کی جاتی ہے۔ یعنی مختلف احوال کے اختیار کرنے سے ان کے کیا مقاصد ہیں۔

ابتداء میں سفر، بعد میں قیام کرنے والے صوفیاء:

وہ لوگ جو ابتدائے حال میں سفر کرتے ہیں اور انتہائے حال میں قیام کرتے ہیں، ان کے سفر کا مقصد اکتسابِ فیض ہے، یعنی وہ علم سیکھنا چاہتے ہیں، ــــ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو"۔

علم سیکھنے کے بارے میں کسی بزرگ کا ارشاد ہے:

"ہدایت کا ایک کلمہ سیکھنے کے لیے اگر کوئی شام سے یمن تک کا سفر کرتا ہے تو اس کا سفر بیکار نہیں جائے گا"۔

روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے مدینہ سے یمن پہنچے تا کہ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سن سکیں۔

طلبِ علم کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"جو شخص اپنے گھر سے علم سیکھنے کے لیے نکلتا ہے تو جب تک وہ لوٹ کر واپس نہیں آتا، وہ اللہ کی راہ پر گامزن رہتا ہے"۔

www.waseemziyai.com

اسی طرح ارشادِ باری: ''السائحون'' (سیاحت کرنے والے) کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ اس سے مراد علم سیکھنے والے ہیں۔

شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت ابوہارون رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ وہ فرمانے لگے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت کیا خوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگ تمہارے تابع ہیں۔ یہ لوگ روئے زمین کے چاروں طرف سے مذہبی بصیرت حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس آئیں گے، اس وقت تم انہیں نیکی کی تعلیم دو''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے سفر اختیار کرے گا، میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دوں گا''۔

سفر کا ایک مقصد بزرگوں کی زیارت بھی ہے:

جو مشائخ ابتدائے حال میں سفر اختیار کرتے ہیں، ان کے سفر کا ایک مقصد بزرگوں اور مخلص بھائیوں کی زیارت ہے۔ اس طرح ہر مرید اپنے مخلص بھائی کی زیارت سے مزید فوائد حاصل کرتا ہے۔ جس طرح لوگوں سے بات چیت کرنا مفید ہوتا ہے، اسی طرح بزرگوں کے دیدار سے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہا گیا ہے:

''اگر کسی کی زیارت تمہارے لیے فائدہ مند نہیں ہے تو اس کا کلام بھی فائدہ مند نہیں ہوگا''۔

اس قول کے دو اہم پہلو ہیں:

○ —— پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مخلص اور سچا انسان اپنی بات چیت سے زیادہ اپنے کردار کے ذریعے زیادہ متاثر کرتا ہے، زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے، —— جب ایک مخلص شخص کو اُٹھتے بیٹھتے، خلوت و جلوت میں، کلام و سکوت میں، غرض کہ ہر معاملے میں طالب علم دیکھتا ہے، —— ہر حال میں اس پر نظر پڑتی ہے تو اس قسم کا مشاہدہ اس کے لیے بہت مؤثر ہوتا ہے۔

مگر جس کے احوال و افعال میں خلوص نہیں، تو ایسے شخص کی گفتگو بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ ایسے شخص کی تمام تر گفتگو نفسانی خواہشات سے معمور ہوگی، —— اور یہ قاعدہ ہے کہ قلب جس قدر نورانی ہوتا ہے، اس کا کلام بھی اسی قدر نورانی ہوتا ہے، مگر قلب اسی وقت نورانی ہو سکتا ہے جب اس میں استقامت پائی جائے، اور وہ حقِ بندگی کے فرائض اچھی طرح سے ادا کرے۔

○ —— اس قول کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اہلِ باطن اور اہلِ نظر کی ایک نظر تریاق کا اثر رکھتی ہے۔ ان میں سے جب کوئی مخلص انسان کی

www.waseemziyai.com

طرف نگاہ کرتا ہے تو اپنی بصیرت کی بدولت اس سچے انسان کی حسنِ استعداد اور مخصوص خداداد قابلیت کا فوراً انکشاف کر لیتے ہیں۔اس طرح ایسے مخلص اور سچے عقیدت مندوں کی محبت ان کے قلوب میں راسخ ہو جاتی ہے۔اور اپنی بصیرت کی بناء پر وہ انہیں محبت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

یہ حضرات چونکہ اللہ کے لشکر میں سے ہیں، اس لیے ان بزرگوں کی نگاہِ کیمیا اثر کی بدولت مخلصوں کو بلند روحانی مراتب حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کا حال کیا سے کیا ہو جاتا ہے، اسے حیاتِ نو میسر آ جاتی ہے۔

کوئی منکر، اللہ کی قدرت کا کیسے انکار کر سکتا ہے کہ اس نے بعض اژدھوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جب وہ کسی انسان کو نظر بھر کر دیکھ لیتے ہیں تو اسے ایک ہی نگاہ میں ہلاک کر ڈالتے ہیں۔اسی طرح اس نے اپنے مخصوص بندوں کے اندر بھی یہ خاصیت پیدا کر دی ہے کہ وہ جب کسی سچے عقیدت مند کی طرف نظر بھر کر دیکھتے ہیں تو ایک ہی نگاہ میں اسے روحانی زندگی عطا کر دیتے ہیں۔

کیمیا اثر نظر کی تلاش:

حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ منٰی میں واقع مسجد خیف میں چکر لگاتے رہتے اور وہاں لوگوں کے چہرے بڑے غور سے دیکھا کرتے تھے، جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا:

''اللہ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں کہ جب وہ کسی کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو اسے سعادت اور خوش نصیبی عطا کر دیتے ہیں، ـــــ میں ایسی ہی نظر کی تلاش میں پھر رہا ہوں''۔

سفر کا ایک مقصد مجاہدۂ نفس بھی ہے:

ان کے سفر کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس جن چیزوں سے مانوس ہوتا ہے، وہ اُنسیت ختم ہو جائے، اور جن چیزوں میں نفس کی رغبت ہے وہ رغبت ختم ہو جائے، ـــــ تاکہ نفس دوستوں، عزیزوں اور وطن کی جدائی کی تلخی برداشت کر سکے۔لہٰذا جس نے ان تکالیف پر اس نیت سے صبر کر لیا کہ اس سے اللہ کے ہاں اجر پائے گا۔سمجھ لو کہ اس نے بہت بڑی فضیلت حاصل کر لی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جو مدینہ میں ہی پیدا ہوا تھا اور مدینہ ہی میں فوت ہو گیا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔نماز کے بعد فرمایا:

''کاش! یہ شخص اپنی جائے ولادت کی بجائے کہیں اور فوت ہوتا''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! اس کی وجہ کیا ہے؟'' ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی شخص اپنی جائے ولادت کے علاوہ کہیں اور فوت ہوتا ہے تو اس کی جائے ولادت سے لے کر جائے وفات تک (جہاں اس کے آثار ختم ہوئے ہیں) کا درمیانی حصہ جنت میں شمار ہوتا ہے''۔

سفر کا ایک مقصد نفسانی، روحانی بیماری کا علاج بھی ہے:

سفر کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ نفس کی سب پوشیدہ باتیں معلوم ہو جائیں۔اور نفس کا تکبر، اس کی

www.waseemziyai.com

خود پسندی اور شیخیاں بھی نکل جائیں، ـــــ ان حقیقتوں کا علم سفر کے بغیر مشکل ہوتا ہے، ـــــ سفر کو اسی لیے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ سفر میں نفس کی برائیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جب انسان پر اس کے نفس کی برائیاں اور روحانی بیماری ظاہر ہو جاتی ہے، تو وہ اس کے علاج کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج، سفر ہے۔

سفر ایک مبتدی کے نفس پر وہی اثر کرتا ہے جس طرح نماز، روزہ اور تہجد کے نوافل اثر کرتے ہیں۔ جس طرح نفلی عمل کرنے والا غفلت کے مقامات کو چھوڑ کر قربِ الٰہی کے مقام کی طرف سفر کرتا ہے، اسی طرح ایک مسافر فقط اللہ کے لیے حسنِ نیت کے ساتھ مسافتیں طے کرتا ہے، اور جنگل اور ویرانوں میں پھرتا ہے تو وہ اپنی نفسانی خواہشیں اور دنیاوی لذتیں چھوڑ کر صرف اللہ کی منزل (سیر الی اللہ) کا قصد کرتا ہے۔ یعنی اس کا یہ سفر سیر الی اللہ بن جاتا ہے۔

شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کے حوالے سے شیخ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بیان فرمایا:

''تصوف نفس کی لذتیں ترک کر دینے کا نام ہے''۔

مبتدی جب نفس کی لذتیں ترک کر کے سفر اختیار کرتا ہے تو اس کا نفس مطمئن ہو کر نرم پڑ جاتا ہے۔ جس طرح نوافل کی مستقل ادائیگی سے نفس نرم پڑ جاتا ہے۔ اس کی فطری خشکی اور بدبو ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا قدرتی کھرdراپن جاتا رہتا ہے، اور صاف و شفاف نکل آتا ہے، جس طرح چمڑا دباغت اور رنگنے کے بعد صاف و شفاف نکل آتا ہے اور جس طرح چمڑا کھال کی شکل سے تبدیل ہو کر لباس کی صورت اختیار کرتا ہے، اسی طرح مسافر کی نفسانی سرکشی بھی سفر سے دور ہو جاتی ہے۔ اور اس میں حرارتِ ایمانی پیدا ہو جاتی ہے۔

آثار و عبر کا مشاہدہ بھی سفر کا ایک مقصد ہے:

سفر کے مقاصد میں آثارِ قدیمہ اور عبرت کے مقامات کا مشاہدہ کرنا بھی شامل ہے۔ انسان کی نظر و فکر جب مختلف میدانوں میں پھرتی ہے اور وہ روئے زمین کے مختلف حصوں، بلند و بالا پہاڑوں اور بزرگوں کی قدم گاہوں کی زیارت اور سیر کرتا ہے۔ جمادات کے ذرّوں کی تسبیحات سنتا ہے اور گرد و نواح کے مختلف علاقوں کی زبانِ حال کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ زمین کے یہ مختلف حصے اپنی زبانِ حال سے اسے کیا پیغام دے رہے ہیں۔ طرح طرح کی عبرت گاہیں اور پوشیدہ نشانیاں دیکھ کر اس کی روح بیدار ہوتی ہے۔ مختلف مناظر و مقامات کے مشاہدہ سے اسے قدرت کے بہت سے دلائل و آثار دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ ○ (پارہ ۲۴، سورۂ دخان)

''عنقریب ہم انہیں آفاقِ عالم اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، تاکہ ان پر اپنا حق ظاہر ہو جائے''۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ صوفیائے کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے:

''جب موسم سرما نکل جائے اور بہار کا موسم آ جائے، اور درختوں پر نئے پتے نکل آئیں تو اس وقت سیر و سفر خوب ہے''۔

سفر کا ایک مقصد گمنام ہونا اور شہرت سے بھاگنا ہے:

سفر کا ایک مقصد گوشۂ گمنامی اختیار کرنا اور شہرت سے بھاگنا بھی ہے، کیونکہ جب کسی راست باز اور مخلص کی صداقت پوری

www.waseemziyai.com

طرح سے آشکارا ہو جاتی ہے تو خلقت میں اس کی شہرت ہو جاتی ہے۔ ہر وہ شخص جو خلوص کے دامن کو پکڑتا ہے اور اس کا دل اور معرفت سے آباد ہے، وہ بہت جلد اس کی شہرت عام ہو جاتی ہے، — میں نے ایک شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ میرے پاس آئیں یا نہ آئیں، میں شہرتِ عام کو نفسانی خواہش کی وجہ سے پسند نہیں کرتا — بلکہ میرے پسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق کو آنا جانا روحانی صحت کی علامت ہے''۔

اگر کوئی طالبِ حقیقت قبول عام میں مبتلا ہو تو اس میں یہ خدشہ ہے کہ اس قبولیت کی وجہ سے وہ مخلوق کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں نفس مداخلت کرتا ہے اور اس میں نیکی اور خدمتِ خلق کے جذبے کو اُبھار کر اسے سبز باغ دکھاتا ہے، وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ خلقت میرے پاس اس لیے آتی ہے کہ میں ابراروں میں سے ہوں۔ اس وقت نفس اسے بزرگوں کی خدمت کی فضیلت دکھاتا ہے۔ چونکہ نفس اور شیطان دونوں کافی مدت تک اس کے ساتھ رہے ہیں۔ اس لیے یہ دونوں شہرتِ عام کو مستحسن قرار دے دیں گے۔ اور مل کر اسے سکون کی طرف گھسیٹ لائیں گے۔ اور شہرتِ عام سے مزہ اُٹھانے کے لیے مائل کریں گے۔ پرانے ساتھ کی بناء پر نفس و شیطان اس پر غالب آ جاتے ہیں اور اسے بناوٹ اور تکلّف پر مجبور کر دیں گے۔ اس طرح طالبِ حقیقت کی روحانیت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ نے اپنے مرید کو شیطان کے خلافِ معمول طریقِ کار سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اب تم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہو کہ اب تمہارے اندر شیطان بُرائی کے راستے سے داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی ظاہری طور پر تم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ البتہ وہ خیر و بھلائی کے راستے سے داخل ہو سکتا ہے''۔

اس نازک مقام پر قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ لہٰذا جب کوئی مخلص اور راست باز اس قسم کی کسی خرابی میں پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی سابقہ لطف و عنایت اور آئندہ ہونے والی غیبی امداد کے ذریعے اسے سفر کے لیے آمادہ فرما دیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے دوستوں اور آشناؤں اور اپنے اس مقام کو چھوڑ دیتا ہے، جہاں اس پر شہرتِ عام اور قبولِ خلقت کا دروازہ کھلا تھا۔ اب وہ ہر ایک سے قطع تعلق کر کے فقط اللہ کا ہو کر سفر کے لیے نکل پڑتا ہے۔ یہ سفر کا ایک بہترین مقصد ہے جو راست بازوں اور مخلصوں کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کا اللہ کے سوا کسی سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔

سفر کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں، وہ یہ ہیں جو حج، جہاد اور بیت المقدس کی زیارت کے لیے سفروں کے علاوہ مشائخ کے دوسرے سفروں کے ابتدائی مراحل میں درپیش رہتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں آپ صرف پانچ نمازیں ادا کر کے (یعنی پورا دن گزار کر) بہت جلدی سے اگلے روز مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ (یعنی زیادہ قیام کرنا مناسب نہیں خیال کیا)

سفر کے بعد قیام قدر و منزلت کا باعث ہے:

اللہ تعالیٰ جب راست باز اور مخلص انسان پر ابتدائے حال (یعنی ابتدائے سفر) میں ہی احسان فرمائے، سفر میں اس کے قلب کو مستحکم رکھے تو اس مخلص کو سفروں سے عبرت حاصل ہوتی ہے، اور اپنی ضرورت کے مطابق علم سے بہرہ ور ہوتا ہے، نیکوں کی صحبت

www.waseemziyai.com

سے فیض یاب ہوتا ہے، پرہیز گاروں کی عملی زندگی کا مشاہدہ اس کے قلب پر گہرا نقش ثبت کرتا ہے، حتیٰ کہ بارگاہِ الٰہی کے مقرّب کی خوشبوئے معرفت سے اس کا باطن معطر ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ والوں کی نظر کیمیا اثر کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ اور اللہ والوں کے خواص اور ان کے احوالِ نفسانی کے مشاہدے میں آ جاتا ہے۔ سفر اس کی چھپی صلاحیتوں اور اخلاقی قدروں کو نمایاں کر دے گا۔ اس کی پوشیدہ خواہشیں بھی ظاہر ہو جائیں گی۔ لیکن اس کی نظر میں قبولِ عام کو کوئی اہمیت نہ ہوگی۔ وہ ہر مقام پر غالب آتا جائے گا، کسی مرحلے پر مغلوب نہ ہوگا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرعون کو آگاہ کیا:

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (پارہ ۱۹، سورہ شعراء)

"جب مجھے تم سے خوف پیدا ہوا تو تمہارے پاس سے بھاگ گیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے پیغمبر بنایا"۔

یہ سب مراحل طے کرنے پر اس راست باز اور مخلص کو اللہ تعالیٰ اس کے مقام کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اسے بہت انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ اور پرہیز گاروں کا پیشوا بنا دیتا ہے۔ مؤمن اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے ہدایت پاتے ہیں۔

ابتدائے حال میں قیام، انتہاء میں سفر:

جو راسب باز اور مخلص ابتدائے حال میں کسی جگہ قیام کرتے ہیں اور انتہائے حال میں سفر پر نکل پڑتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ابتدائے حال میں ہی صحیح صحبت میسر آ جاتی ہے۔ انہیں ایسا شیخ کامل میسر آ جاتا ہے جس کی نگرانی میں وہ راستہ طے کرتا ہے اور مرحلہ وار روحانیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اپنے شیخ طریقت کے ساتھ ایک ہی مقام پر رہتا ہے۔ جو اس کے معمولات وعادات کی اصلاح کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید حصری رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء میں ہی یہ تنبیہ کر دی تھی:

"اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں اللہ کے سوا کسی اور کا گزر ہو تو تمہارا میرے پاس آنا حرام ہے۔ اس صورت میں تمہارا دل اس لائق نہیں کہ معرفتِ الٰہی سے بہرہ ور ہو سکے"۔

لہٰذا جس طالب کو ایسی صحبت میسر آ جائے تو اس کے لیے سفر حرام ہے۔ اس لیے کہ ایسی صحبت اس کے لیے ہر سفر اور فضیلت سے بڑھ کر ہے، جس کے لیے وہ تمنائی ہے۔

شیخ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حوالوں سے حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"کوئی مرید صحیح معنوں میں اس وقت تک مرید نہیں ہوتا جب تک اس کے بائیں کندھے کا فرشتہ بیس سال تک اس کی کوئی بُرائی اور کوئی گناہ نہ لکھے"۔

جس خوش قسمت کو ایسی شخصیت کی صحبت حاصل ہو، جو اسے روحانی مراتب اور بلند مقاصد کی تعلیم دے اور اس میں عزم مستحکم پیدا کر دے، ایسے شیخ کی صحبت ترک کر کے مرید کے لیے سفر اختیار کرنا حرام ہے۔

قیام کے بعد سفر کب اختیار کیا جائے؟:

جب مبتدی کی روحانی بنیاد مضبوط ہو جائے اور شیخ کی صحبت میں رہ کر اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے، اس روحانی چشمہ سے

www.waseemziyai.com

خوب سیراب ہو جائے، حتیٰ کہ وہ بھی ایسا مرد کامل بن جائے کہ اس کے قلب سے آبِ حیات کے چشمے پھوٹنے لگیں، اس کا نفس نیکی اور سعادتوں کا اہل بن جائے، اور وہ روئے زمین کے دورونزدیک کے رہنے والے بھائیوں کے معرفت سے بھرپور سینوں سے روحانی فیض حاصل کر سکے، تو اس وقت وہ ان سے ملاقات کے لیے سفر اختیار کر سکتا ہے، تاکہ اطراف واکنافِ عالم میں گھوم پھر سکے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو فیض رسانی کے لیے اسے شہر در شہر سفر کے لیے حکم دے گا۔ اس صورت میں وہ اس کے حال کا مقناطیس اپنی کشش سے اس کی پوشیدہ راست بازی کو نکال لائے گا۔ کیونکہ زمین والے بھی ایسے خبر دینے والے سچے کی راہ دیکھ رہے تھے جو ان کے قلوب کی کھیتی میں خیر وفلاح کا بیج بو سکے۔ اس طرح سے اس کے فیضِ صحبت اور پاس انفاس سے بکثرت اہلِ خیر وفلاح تیار ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں خیر وفلاح کی کاشت کرنے والے ایسی ہدایت والی قوم ہیں جن کے متعلق قرآن کے الفاظ میں انجیل میں مذکور یہ مثال بیان کی گئی:

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ ○ (پارہ ۲۶، سورہ فتح)

''وہ ایسے پودے کی طرح ہیں جس کی کونپلیں نکل آئیں، اس کے بعد وہ بڑھیں اور موٹی ہوئیں یہاں تک کہ وہ اپنے تنوں پر قائم ہو گئیں''۔

اس طرح ان مشائخ کی برکتیں ایک سے دوسرے کی طرف پھیلتی بڑھتی ہیں۔ ان کا یہ روحانی فیض سب میں سرایت کرتا ہے۔ اس طرح علم تصوف سب کو فیض پہنچاتا ہے۔

ہدایت کے لیے بلانے والے اور ہدایت پانے والے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلایا، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اجر اس کی پیروی کرنے والے کو ملے گا، — اور جس نے لوگوں کو غلط راہ کی طرف بلایا اسے بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ اس کی پیروی کرنے والے کو ہوگا، بلکہ وہ بھی ان لوگوں کے گناہ میں شریک ہوگا۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں سے یہ گناہ کم نہیں کیا جائے گا''۔

ایک مقام پر مقیم اللہ کی تربیت میں ہوتا ہے:

جو صاحبِ حال اور مخلص شخص اپنے مقام پر مقیم رہا اور اس نے سفر نہیں اختیار کیا، اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جسے [illegible] نے خاص اپنی تربیت اور نگرانی میں لے رکھا ہو، اور اپنے لطف وکرم سے اس پر خیر وفلاح کے سب دروازے کھول دیئے ہوں، — حق کا جذبہ کبھی اس قدر شدید ہوتا ہے جو دونوں جہانوں کے عمل کے برابر ہوتا ہے، بہرحال جب شیخ کو طالب صادق کو راست بازی اور طلب کی سچائی کا علم ہو جاتا ہے تو اسے صدیقین میں سے کسی ایک کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے، جو اپنے لطف وکرم اور اپنے صدق مقال کلام سے اس کی تربیت کرتا ہے۔ اپنی نظر کیمیا اثر اور روحانی طاقت سے اس کی اصلاح کرتا ہے، چونکہ طالب و مطلوب، مرید ومراد دونوں کی روحانی لیاقت درجہ کمال پر ہوتی ہے، اس لیے تھوڑی سی صحبت بھی اصلاحِ حال اور کسبِ فیض کے

www.waseemziyai.com

لیے کافی ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے عالم اسباب کے قانون کا منشاء پورا ہو جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے طالب کے لیے ایک مطلوب پیدا کر دیا اور اسے طالب کی اصلاح و تربیت کا سبب بنا دیا۔

تھوڑی سی صحبت:

جہاں تھوڑی سی صحبت کی ضرورت ہو، ایسی جگہ رہنا حکمت کی علامت ہے، لیکن اس تھوڑی سی صحبت کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ قلیل صحبت، کثیر صحبت اور کثیر مشاہدوں سے بے نیاز کر دیتی ہے، سالک کو معلومات اور عبرت کے حصول کے لیے سفر کی نہ حاجت رہتی ہے نہ ضرورت، —— شیخ کے باطنی انوار کی چند کرنیں یا صحبت کے چند لمحات اور چیزوں کے مطالعہ اور آثارِ قدیمہ کے مشاہدے کا نعم البدل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے:

''اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو''۔ —— مگر میں یہ کہتا ہوں: ''اپنی آنکھیں بند کر و اور دیکھو''۔

جلوۂ طور کا مشاہدہ:

بعض صالحین اور اہلِ باطنِ کاملہ کا یہ کہنا ہے کہ:

''اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو اپنے گھٹنوں پر سر رکھ کر طورِ سینا کا جلوہ دیکھتے ہیں''۔

یعنی جب وہ اپنے گھٹنوں پر اپنا سر رکھتے ہیں تو قربِ الٰہی کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، —— لہٰذا

- —— جن کی تنہائی کی تاریکی میں آبِ حیات کا چشمہ پھوٹ نکلے تو آبِ حیات کی تلاش کے لیے انہیں دنیا کی تاریکیوں میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے۔
- —— جسے مشاہدۂ حق کی جھلک میں آسمانوں کے چودہ طبق روشن دکھائی دیں تو اسے آسمانوں کی طرف نظر دوڑانے کی کیا ضرورت ہے۔
- —— جس کی نگاہِ بصیرت میں ساری کائنات سمٹ کر آ جائے تو اسے جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھاننے کی کیا ضرورت ہے۔

چنانچہ جب کوئی اپنی فطری صلاحیت کی بدولت عالم ارواح میں پہنچ جائے تو اسے عالم صورت یعنی چلتے پھرتے سایوں کے دیکھنے کی نہ حاجت ہے نہ ضرورت۔

کمال درجہ کی روحانیت:

روایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ پیغام بھیجا:

''ان سے کہہ دو کب تک خوابِ راحت میں رہو گے۔ قافلہ تو روانہ ہو گیا''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں یہ کہلا بھیجا:

''مرد وہ ہے جو ساری رات سوئے، اور صبح سویرے قافلے سے پہلے منزل کو جا لے''۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا:

''مرحبا! —— انہیں مبارک ہو! یہ وہ کلام ہے جہاں تک ہماری روحانیت کی رسائی نہیں''۔

www.waseemziyai.com

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ[۱] فرماتے تھے:

''اے قاریو! ___ اے طالبو! ___ سفر کرو، سفر! ___ تاکہ خوش وخرم رہو، ___ اس لیے کہ پانی جب زیادہ دیر تک ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے تو متغیر ہو جاتا ہے، یعنی اس کا رنگ اور مزہ سب کچھ بدل جاتا ہے''۔

یہ ارشاد سن کر ایک اور بزرگ نے فرمایا:

''سمندر بن جاؤ، تاکہ متغیر نہ ہو سکو''۔ [۲]

سفر کی مشکلات اور تکلیفوں کا حاصل:

ایک طالب حقیقت، یعنی مرید اپنا باطنی اور روحانی سفر ہمیشہ جاری رکھتا ہے تو وہ نفس امارہ کی مسافتیں جلد ہی طے کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آفاتِ نفس کی منزلیں بھی طے کر لیتا ہے، اس کے مذموم اخلاق، پسندیدہ اخلاق میں بدل جاتے ہیں۔ صدق و اخلاص سے وہ جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی سب پریشان خیالیاں اور ذہنی انتشار یکسوئی سے بدل جاتے ہیں۔ سفر سے زیادہ حضر (قیام) اس کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سفر میں بہت سی تکلیفیں، مصیبتیں اور پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ ان پر قابو پانا کمزوروں کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ سفر کی نئی نئی مشکلات پر قابو پانا ایک باہمت اور بڑے طاقت ور شخص کا کام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک شخص کے تزکیۂ نفس کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا:

''کیا تم کسی ایسے سفر میں اس کے ساتھ رہے ہو جس کے ذریعے اس کے شریفانہ اخلاق کا پتہ چل سکتا ہو''۔

اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''میرے خیال میں تم اسے اچھی طرح نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ جس بندے کو ابتدائے حال میں سفر کی پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور اپنے وطن (جائے قیام) ہی میں اسے دل جمعی اور خوش نصیبی عطا کرے، اور ایسے حضرات کی صحبت میسر آ جائے، جو اس کے حال کی اصلاح کر دیں اور اس کی روحانی زندگی سدھر جائے تو سمجھ لیں کہ اس پر اللہ کا بہت فضل و احسان ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ (پارہ ۲۸، سورہ طلاق)

''جو اللہ کا ڈر رکھتا ہے، اللہ اس کے لیے (مصائب سے) نجات کی راہ نکالے گا، اور اس کے لیے ایسی جگہ سے رزق فراہم کرے گا جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا''۔

۱___ شیخ بشر بن حارث بن عبدالرحمٰن الحافی رحمۃ اللہ علیہ مرو سے آ کر بغداد میں قیام پذیر ہوئے، ابونصر آپ کی کنیت ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے، اُموی خلیفہ مامون الرشید کا دور پایا، آپ کا شمار طبقہ اولیٰ میں ہوتا ہے، بغداد میں ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

۲___ ظاہری طور پر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن باطنی طور پر دریا کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل ہے۔ دریا کے پانی سے پیاسے سیراب ہوتے ہیں، ___ جبکہ سمندر کا پانی کڑوا ہے، کڑوے پن کی وجہ سے سمندر کا پانی پینے کے قابل نہیں۔ سیراب ہونا تو درکنار، پانی گلے سے نیچے نہیں اترتا، ___ یہاں سمندر کی وسعت اور گہرائی کی طرف اشارہ ہے کہ سمندر کی وسعت و گہرائی کی مانند باطن کو سیراب کرنا مقصود ہے۔

www.waseemziyai.com

اس کی تفسیر و تشریح میں مشائخ کرام نے یہ فرمایا کہ یہ عنایتِ الٰہی اس شخص کے لیے ہو جو اللہ کی ذات سے لَو لگائے ہوئے ہے، جب اسے کسی دینی معاملے میں کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیج دیتا ہے جو اس کی مشکل کو حل کر دیتا ہے، ـــــ چنانچہ طالبِ حق اگر ابتدائی شرطوں پر ثابت قدم رہا تو اسے سفر کیے بغیر ہی وطن (حضر) میں انتہائی مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں، ـــــ اس طرح وہ ابتدائے حال سے انتہائے حال تک ایک ہی مقام پر قیام پذیر رہتا ہے، یہ مقام و مرتبہ اللہ کے گنے چنے بندوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

ہمیشہ سفر میں رہنے والے مشائخ کی فضیلت:

بعض بزرگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، کہیں ایک جگہ مستقل قیام نہیں کرتے، وہ اپنے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ احوال کے لیے سفر کو ہی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انہی بزرگوں میں سے ایک کا یہ ارشاد ہے:

''تم کوشش کرو کہ ہر رات تم ایک نئی مسجد میں مہمان بنو، ـــــ اور تمہاری موت اس حال میں آئے کہ تم دو شہروں کے درمیان سفر کی حالت میں ہو''۔

شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایسے ہی مسافر طبقے سے تھا، یعنی وہ ہمیشہ سفر کی حالت میں رہتے تھے۔ آپ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے، ـــــ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ کسی جگہ چالیس دن سے زیادہ مقیم رہے تو ان کے توکل میں فرق واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ اس عرصے میں لوگ انہیں اچھی طرح جان پہچان لیں گے۔ یعنی ان کا رجوع شروع ہو جائے گا۔ اس طرح ان کی آشنائی توکل کے خلاف ایک دنیاوی سبب بن جائے گی۔

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے ایک جنگل میں قیام کیا، اور گیارہ دن تک کچھ نہیں کھایا۔ آخر میرا نفس اس بات پر مائل ہوا کہ (بھوک مٹانے کے لیے) میں جنگل کی گھاس ہی کھالوں، ـــــ تب میں نے دیکھا کہ جنگل کی سبزی میری طرف بڑھتی ہوئی آ رہی ہے، اسے دیکھتے ہی میں بھاگ نکلا، پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سبزہ واپس ہو گیا تھا، ـــــ کسی نے آپ سے پوچھا:

''آپ اس سبزے سے کیوں بھاگے تھے؟'' ـــــ آپ نے فرمایا:

''میرے نفس کو اس سبزے سے مدد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا''۔

حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کو بچانے کے لیے دنیا میں اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں اور ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔

حضرت شیخ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کو مسافر سب سے زیادہ محبوب ہیں''۔

لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! وہ مسافر کون ہیں؟'' ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کو بچانے کے لیے دنیا میں اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں، وہ سب قیامت کے دن حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے پاس اکٹھے ہوں گے"۔

سفر و قیام کے لحاظ سے روحانی مدارج کے تقاضے:

بہر حال سفر و قیام کے لحاظ سے مختلف روحانی مدارج کا ذکر کیا گیا، ـــــ ان سب حالتوں میں:

○ ـــ پہلے سفر پھر قیام، ○ ـــ پہلے قیام پھر سفر، ○ ـــ ہمیشہ قیام

سب لوگ نیک نیت ہوتے ہیں۔ نیک نیتی کا تقاضا یہ ہے کہ صدق کو اختیار کیا جائے۔ احوال و مدارج میں خواہ کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ ہو جائے۔ صدق کا جذبہ ہر حال میں قابلِ تعریف ہے، ـــــ لہٰذا جو کوئی سفر اختیار کرے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی روحانی حالت کی نگرانی کرے، اور اپنی نیت کو درست رکھے، تاکہ سفر کے ثمرات سمیٹ سکے، تاہم اپنی نیت کو نفسانی خواہشوں سے وہی پاک وصاف رکھ سکتا ہے، جو بہت بڑا عالم اور زبردست پرہیزگار ہو، اور دنیاوی لذتوں کی طرف اس کا بالکل میلان نہ ہو۔

اگر کسی شخص کے اندر کوئی نفسانی خواہش دبی ہوئی ہے اور حسنِ نیت کے لیے درکار زہد و تقویٰ اس میں موجود نہ ہو، اور وہ اسی نفسانی جذبے اور رغبت کے تحت سفر کرے اور یہ خیال کرے کہ میرا یہ جذبہ، جذبۂ حق ہے، ـــــ اور وہ جذبہ حق اور جذبۂ نفسانی میں فرق نہ کر سکے، ـــــ ایسا شخص حسن نیت کی معرفت کا محتاج ہے تاکہ جذبۂ نفسانی کی تمیز کر سکے، ـــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت کی درستی اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ نفسانی وسوسوں کا علم نہ ہو، ـــــ یہ علم اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لیے ایک علیحدہ باب درکار ہے، ـــــ بہر حال یہاں ان لوگوں کے لیے مختصر طور پر کچھ بیان کرتا ہوں جو ان نفسانی وساوس میں مبتلا ہیں، کیونکہ بہت سے درویش اس سے ناآشنا ہیں۔

نفسانی وسوسات و رُجحانات:

جہاں تک طبعی رجحانات کا تعلق ہے، درویش بھی ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی یہ چاہتا ہے کہ جنگلوں اور باغوں میں گھومنے کے لیے نکلے۔ یہ خواہش بظاہر دل کو بہت اچھی لگتی ہے، مگر یہ اس کے لیے بہت زیادہ نقصان دِہ ہے، ـــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی نفسانی خواہش پوری ہو جاتی ہے تو نفس وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ جنگل کی سیر کر کے اس کی نفسانی غرض پوری ہو جاتی ہے، یعنی جنگلوں اور باغوں کی سیر سے نفس پھیل جاتا ہے۔ نفس جب کشادہ ہو کر پھیل جائے تو وہ قلب سے دور ہوتا جائے گا۔ اس سے دور ہو کر اپنی خواہشیں پوری کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قلب کو جنگلوں کی سیر سے سکون کہاں حاصل ہوا۔ یہ تو نفسانی خواہش پوری کرنے کا ذریعہ ہو گیا۔ ظاہری طور پر جو سکون محسوس ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس سے دور ہو گیا، جیسے کسی انسان کا ایسا ساتھی جدا ہو جائے جو ساتھ ہوتے ہوئے اس کے لیے ایک طرح کا بوجھ تھا، تو وہ اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

درویش جب جنگل یا باغ کی سیر سے لوٹ کر اپنے زاویہ یا خانقاہ میں آئے گا، اور اپنے معاملات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لے گا تو وہ اپنے نفس کو اپنے قلب کے قریب پائے گا، مگر اس طرح کہ وہ مزید بوجھ کا باعث ہو گیا ہے، کیونکہ قلب نفس سے بیزار ہو گیا ہے، اب جیسے جیسے نفس کا بوجھ بڑھتا جائے گا، قلب کا تکدر بھی اسی قدر بڑھتا جائے گا۔ قلب کے اس بھاری پن اور بوجھ کی وجہ

www.waseemziyai.com

یہ ہے کہ قلب نے اس کی نفسانی خواہشوں پر پابندی لگا رکھی ہے، اس لیے جنگل اور باغ کی طرف جانا ایک روحانی بیماری ہے، جسے درویش سکون کا باعث اور درد کی دوا سمجھے ہوئے ہے۔

درویش اگر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرتا رہے تو سرکش نفس مطیع ہو کر لطیف اور سبک بن جائے گا اور قلب کا ایک اچھا ساتھی بن جائے گا، اور بوجھ نہ بنے گا، — اس مثال سے سفر کی خواہش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، یعنی اگر سفر سے نفس کی خواہش پوری ہوئی ہے تو اس سے قلب میں بے چینی پیدا ہوگی، سکونِ قلب نہ ہوگا، — کیونکہ بہت سی ایسی نفسانی خواہشیں ہیں جن سے راحت و آرام ملتا ہے، مگر جو شخص اس نکتہ کو سمجھ لے، وہ اس وقتی لطف و سکون کے فریب میں نہیں آ سکتا جس کا انجام اچھا نہ ہو۔ اور اس کے خطرات کو کسی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، — اس لیے جب دل میں سفر کا خیال پیدا ہو تو اس قسم کے وسوسوں اور خدشوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ نفس اور اس کی دل فریبیوں سے ہشیار رہنا چاہیے، —

سفر سے پہلے یہ ضرور غور کر لینا چاہیے کہ سفر کا مقصد کہیں نفسانی خواہشوں کا پورا کرنا تو نہیں — اگر ایسا ہی ہے تو سفر کا ارادہ ترک کر دے، — اور اگر سفر اختیار کرنا پڑ جائے تو بھی نفس کے مکر و فریب کو کسی حال میں بھی فراموش نہ کرے۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارک بھی شاید اسی اصول پر بیان کی گئی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آفتاب، شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے''۔

کیونکہ طلوعِ آفتاب کے وقت ہی نفس کی اُمنگیں اور جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ لوگ اسے مزاج اور طبیعت پر قیاس کرتے ہیں۔ اس بات کی تشریح کی جائے تو وہ بہت طویل اور مشکل ہے، — بہر حال اس کی علامت یہ ہے کہ صبح کے وقت بیمار کی بیماری ہلکی ہو جاتی ہے، اور شام کے وقت اس میں تیزی اور اضافہ ہو جاتا ہے — چنانچہ اس فرق کو اس طرح سے سمجھ لینا چاہیے:

- — نفس کی حرکات عام طور پر قلب کی کشادگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، اور درویش اکثر اس قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
- — وہ قلبی سرور سمجھ کر اکثر نفس کی حرکات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ قلب کی حرکات ہیں، جبکہ وہ نفس کی حرکات ہوتی ہیں۔
- — کبھی وہ یہ بھی خیال کرنے لگتا ہے کہ وہ اللہ تک پہنچ گیا ہے، اور وہ اللہ کی طرف سے کلام کر رہا ہے، اور اللہ کی طرف سے حرکت کر رہا ہے۔

اس قسم کے شبہات عام درویشوں کو نہیں ہوتے بلکہ اربابِ قلوب اور اربابِ حال حضرات کو ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے مقامات پر عوام کے نہیں خواص کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ لہٰذا اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کیونکہ یہ علم نایاب اور گراں قدر ہے۔

سفر کے لیے استخارہ کرنا ضروری ہے:

درویش کو چاہیے کہ سفر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے نماز استخارہ ادا کر لے۔ اس نماز کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ:

www.waseemziyai.com

○ —— درویش پر سفر کی صحیح صورتِ حال واضح کیوں نہ ہو جائے،

○ —— یا اس پر سفر کی مصلحت ظاہر ہو جائے،

پھر بھی نمازِ استخارہ پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ نیک نیتی کے لحاظ سے لوگوں کے الگ الگ مرتبے ہیں، —— کچھ لوگوں پر حقیقت جلد ظاہر ہو جاتی ہے اور کچھ پر دیر میں، —— تاہم سُنّت کی پیروی کرنے کے لیے نمازِ استخارہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں برکت ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے۔

دعائے استخارہ:

شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے چند مشائخ سے بالا سناد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نمازِ استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے، جس طرح قرآن پاک کی کسی سورت کی تعلیم دے رہے ہیں، —— لہٰذا تم میں سے جب کوئی کسی کام یا سفر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نفل نماز پڑھے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ ○ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ (وَیُسَمِّیْهِ بِعَیْنِهٖ) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَمَعَادِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهٗ شَرًّا لِّیْ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ۔

”الٰہی! میں تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں، اور تیری قدرت سے توفیق کا طالب ہوں، —— اور تیرے عظیم فضل کا طلب گار ہوں۔ کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں لاچار ہوں، —— تو جاننے والا ہے، میں انجان ہوں، —— تو ہی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔

الٰہی! اگر تیرے علم میں یہ کام (یہاں اپنے کام کا نام لے) میرے دین، میری معاش، میری آخرت اور میرے انجام کار میں میرے لیے بہتر ہے، —— یا میرے موجودہ اور آئندہ مفاد کے لیے بہتر ہے تو مجھے اس کام (کے سرانجام دینے) کی طاقت عطا فرما، —— پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما!

اور اگر تیرے علم کے مطابق میرا یہ کام میرے لیے بہتر نہیں ہے، —— تو مجھے اس کام سے دور رکھ، —— اور جہاں کہیں میرے لیے بھلائی ہو، مجھے اس کی توفیق عطا فرما!“

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۷:

سفر کے فرائض وفضائل

سفر کے مسائل فقہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ وہ مسائل اس کتاب کا موضوع نہیں، صوفی کو چونکہ سفر میں فرائض و فضائل (نیک کام) انجام دینا ہوتے ہیں، اس لیے سفر سے متعلق جو بنیادی مسائل احکامِ شرعیہ سے ہیں، مختصر طور پر انہیں بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ تصوف کی بنیاد احکامِ شرعیہ پر ہے۔

تیمم کے مسائل:

ایک صوفی مسافر کے لیے تیمم، موزوں پر مسح کرنے، نمازِ قصر کرنے اور جمع فی الصلوٰۃ کے مسائل کا جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ

تیمم:

- ○ ــــ مرض کی حالت میں،
- ○ ــــ ناپاکی کی حالت میں،
- ○ ــــ مسافر کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں،
- ○ ــــ پانی کے استعمال میں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، خواہ اس پر غسلِ جنابت فرض ہو،
- ○ ــــ وضو ٹوٹ گیا ہے اور دوبارہ وضو کرنا ہے اور پانی موجود نہیں ہے،

ان تمام صورتوں میں جائز ہے، ــــ فقہاء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس صورت میں بھی تیمّم جائز ہے:

- ○ ــــ مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو،
- ○ ــــ مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو،
- ○ ــــ پانی پاس ہے لیکن پیاس لگی ہے،
- ○ ــــ کوئی ساتھی پیاسا ہے،
- ○ ــــ جانور کو پانی پلانا ہے،

(مگر طہارت کے لئے زائد پانی نہیں ہے)، ــــ ان تمام صورتوں میں تیمّم کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اس نماز کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے،

www.waseemziyai.com

○ —— پانی کی سردی کا خوف ہے یا

○ —— پانی کے استعمال سے سردی لگ جانے کا خطرہ ہے۔

اس صورت میں بھی تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے،لیکن اس صورت میں نماز لوٹائی جائے گی۔

تیمّم اسی صورت میں جائز ہے جبکہ پانی کو مناسب مقامات پر تلاش کرلیا گیا ہو، —— پانی کی تلاش کے مقامات وہ ہیں جہاں مسافر کسی منزل پر پہنچ کر ایندھن اور گھاس وغیرہ تلاش کرتا ہے، —— پانی کی تلاش اس وقت کرنی چاہیے جب نماز کا وقت ہو جائے، خواہ سفر مختصر ہو یا طویل، دونوں برابر ہیں۔

اگر کسی کو نماز کے آخری وقت میں پانی کے ملنے کا یقین ہو،لیکن اس کے باوجود اس نے تیمّم سے نماز پڑھ لی تو فقہاء کے صحیح قول کے مطابق نماز ہو جائے گی۔اور جتنی نماز تیمّم کے ساتھ پڑھی ہے، وہ لوٹائی نہیں جائے گی،خواہ ابھی نماز کا وقت باقی ہو، —— لیکن اگر پانی کے موجود ہونے کی توقع ہو تو تیمّم باطل ہو جائے گا۔جیسے کہ کوئی قافلہ آ جائے (اور قافلہ والوں سے پانی مل جانے کی توقع ہو تو تیمّم باطل ہو جائے گا۔)، —— یا پھر پانی مل جانے کی کوئی اور صورت متوقع ہو۔وہ اگر نماز پڑھنے کے دوران پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور نہ اس کے لوٹانے کی ضرورت ہے۔تاہم مستحب یہ ہے کہ وہ نماز توڑ دے اور پانی سے وضو کر کے پھر نماز پڑھے۔یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

فرض نماز کے لیے مقررہ وقت سے پہلے تیمّم نہیں کرنا چاہیے، —— ہر فرض نماز کے لیے تیمّم کرنا چاہیے، —— ایک تیمّم سے فرض اور نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔ —— نوافل پڑھنے کے لیے جو تیمّم کیا جائے اس سے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

اگر کسی کو پانی اور مٹی دونوں میں سے کچھ نہ ملے تو وہ نماز پڑھ سکتا ہے، —— لیکن جب ان دونوں میں سے کوئی چیز دستیاب ہو جائے تو نماز کو لوٹا لے، —— جس شخص کو نہ پانی ملا ہے اور نہ مٹی، یعنی وہ نہ وضو کر سکا ہے اور نہ تیمّم، تو ایسا شخص نماز تو پڑھ سکتا ہے تو قرآن مجید کو نہیں چھو سکتا، —— اگر وہ محدث نہیں، ناپاک (جنبی) ہے (یعنی اس پر غسل فرض ہے) تو اسے نماز میں قرآن مجید کی آیتیں پڑھنا بھی منع ہے، —— وہ نماز میں قرأت کی بجائے صرف اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔

تیمّم کا طریقہ:

○ —— تیمّم پاک مٹی سے کرنا چاہیے، —— جس مٹی میں ریت اور چونا ملا ہو، اس سے تیمّم نہیں ہو سکتا، —— کسی جانور کی پشت پر یا کسی کپڑے پر گرد و غبار ہو، اس غبار سے تیمّم کرنا جائز ہے، ——

○ —— تیمّم کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔تیمّم کرنے والے کو چاہیے کہ مٹی پر ہاتھ مارنے سے پہلے نماز کے جائز ہونے کی نیت کرنی چاہیے۔اس کے بعد مٹی پر ہاتھ مارنا چاہیے، ——

○ —— چہرے کا مسح کرتے وقت ہاتھ کی تمام انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔تمام چہرے کا مسح کرنا چاہیے۔اگر کوئی فرض مقام (یعنی پیشانی کے بالوں کے نیچے سے ٹھوڑی کے نیچے لمبائی رُخ اور دونوں کانوں کی چوڑائی تک تمام چہرہ فرض مقام ہے۔) مسح کے بغیر رہ گیا تو تیمّم درست نہیں ہوگا، ——

www.waseemziyai.com

○ —— ہاتھوں کے مسح کے لیے جب دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارا جائے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہونا چاہئیں، —— اور دھونے کے ضروری مقامات پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔ (اگر مسح میں کوئی جگہ اس میں سے باقی رہ گئی تو تیمم درست نہ ہوگا۔)

○ —— مسح پورا کرنے کے لیے اگر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارنے کی ضرورت ہے تو ایسا کیا جا سکتا ہے تاکہ مٹی سے مسح کے تمام ضروری مقامات کا مسح ہو سکے۔

○ —— جب ایک ہتھیلی فارغ ہو جائے تو دوسری ہتھیلی سے اس کا مسح کرے تاکہ ایسا کرنے سے دونوں ہتھیلیوں کا مسح ہو جائے۔

○ —— پھر داڑھی کے نیچے تک ہاتھوں کو پھیرے، البتہ داڑھی کے بالوں کی جڑوں تک مٹی پہنچانے کی ضرورت نہیں۔

موزوں کا مسح:

○ —— سفر میں موزوں کا مسح تین دن اور تین رات تک کام دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس مدت میں محدث نہ ہو، —— مقیم کے لیے صرف ایک دن اور ایک رات تک مسح کافی رہے گا۔

○ —— اس مدت کا آغاز موزے پہننے کے بعد اس وقت سے ہوگا، جبکہ وہ بے وضو ہو جائے، —— نہ کہ اس وقت سے جبکہ اس نے موزے پہنے ہوں۔

○ —— موزہ پہنتے وقت نیت کی ضرورت نہیں، بلکہ مکمل طہارت کی ضرورت ہے۔

○ —— اگر کسی نے ایک موزہ پہن لیا اور دوسرا پاؤں دھونے سے پہلے موزے پر مسح کر لیا تو یہ مسح درست نہیں ہوگا۔ دونوں موزے پہن کر مسح کرے۔

○ —— جس موزے پر مسح درست ہے، وہ ایسا ہونا چاہیے جسے پہن کر چلنا ممکن ہو اور محل فرض اس سے چھپ جائے۔

○ —— موزوں کے اوپر کے تھوڑے سے حصے کا مسح کر لینا کافی ہے، —— مگر اولیٰ یہ ہے کہ تکرار کے بعد موزوں کے اوپر اور نیچے (تلے پر) پورا مسح کیا جائے۔

○ —— جب معینہ مدت گزر جائے۔

○ —— یا (موزے کے پھٹ جانے سے) محلّ فرض کھل جائے تو مسح کا حکم ختم ہو جائے گا، خواہ موزے کی لپیٹ پاؤں پر باقی ہی کیوں نہ ہو، —— اور وہ باطہارت ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ وضو کیے بغیر دونوں پاؤں دھو لیے جائیں۔

○ —— اگر مسح کرنے والا مسافر وطن میں آ جائے، یا مقیم ہو جائے تو اسی طرح مسح کرے جس طرح مقیم (مقام کی حالت میں) کرتا ہے۔

○ —— اسی طرح اگر کوئی مقیم سفر اختیار کرے تو وہ مسافر کی طرح مسح کرے۔

○ —— اگر جرابوں (شرج) پر نمدہ یا سخت کپڑا چڑھا لیا جائے یا چمڑا چڑھا لیا گیا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے محلِ فرض چھپ جائے، —— مگر پھٹے ہوئے موزوں یا بُنی ہوئی جرابوں پر، جس سے پاؤں کا کچھ حصہ پوشیدہ ہو اور باقی پر غلاف چڑھا لیا گیا ہو، مسح جائز نہیں۔

www.waseemziyai.com

نماز کی قصر و جمع:

○ ـــــ سفر کی حالت میں جہاں تک قصر اور ایک وقت میں ظہر و عصر کی نمازوں کا جمع کرنا ہے [1] تو ہر نماز کے لیے الگ الگ تیمّم کرنا ہوگا۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان گفتگو کے ذریعے یا کسی اور طرح سے فاصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

○ ـــــ اسی طرح سے مغرب وعشاء کو مسافر جمع کر سکتا ہے لیکن نمازِ مغرب میں قصر نہیں ہے، اور نہ نمازِ فجر میں قصر ہے، ـــــ ان دونوں نمازوں (مغرب و فجر) کو اسی طرح ادا کرے جس طرح بغیر قصر و جمع کے ادا کیا جاتا ہے۔

○ ـــــ مؤکدہ سنتوں میں سے دو طرح کی سنتوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے، یعنی ظہر و عصر کے فرض ادا کرنے سے پہلے پڑھے، ـــــ جب دونوں فرض ادا کر لے تو نمازِ ظہر کے فرض کے بعد جو دو سنتیں یا چار سنتیں پڑھتا ہے، وہ پڑھے۔

○ ـــــ اسی طرح نماز مغرب وعشاء جمع پڑھنے کے بعد ان کی مؤکدہ سنتیں ادا کرے، ـــــ اور سنتیں ادا کرنے کے بعد عشاء کے وتر ادا کرے۔

سواری پر فرض نماز ادا نہیں ہوتی:

سواری پر سوار رہ کر فرض نماز ادا کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ جنگ میں شریک ہو اور لڑائی مسلسل جاری ہو، ـــــ مؤکدہ سنتیں اور نوافل کا سواری پر پڑھنا جائز ہے۔ اس صورت میں رکوع و سجود اشارے سے ادا کرے لیکن سجدے کے اشارے میں رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکے۔ مگر یہ جھکنا اس وقت ہونا چاہیے جب وہ جھکاؤ پر قادر ہو، یعنی جم کر بیٹھا ہو، جیسے کجاوہ ہو یا کسی اور چیز پر بیٹھا ہو۔

سواری کی حالت میں منہ کا راستے کی طرف ہونا ہی قبلہ رُو ہونے کے قائم مقام ہوگا۔ لہٰذا سواری کو قبلہ رُخ کے علاوہ اور کسی طرف نہ موڑے، ـــــ اگر اس نے اپنی سواری کو اسی جانب سے موڑ لیا جس طرف وہ چل رہی تھی اور جدھر سواری کو موڑا ہے وہ سمت قبلہ کی نہیں ہے تو اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔

مسافر اگر پیدل سفر کر رہا ہے تو اس صورت میں سفر میں اسے نفل بھی پڑھنا چاہئیں، ـــــ

اگر مسافر نے احرام نہیں باندھ رکھا تو راستے کی سمت منہ کر کے نماز ادا کر سکتا ہے، ـــــ لیکن اگر مسافر نے احرام باندھ رکھا ہے تو حالتِ احرام میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، ـــــ رکوع و سجود کے لیے اسے اشارہ کافی ہے، ـــــ سوار کے لیے احرام کے لیے بھی قبلہ رو ہونا ضروری نہیں۔

مسافر کا روزہ:

اگر مسافر مقیم ہو گیا، اور پھر اس نے سفر اختیار کر لیا تو اس کے لیے اس دن کا روزہ پورا کرنا ضروری ہو گیا، ـــــ اسی طرح اگر

[1] ـــــ یہ صاحبِ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ یہ سب مسائل فقہ شافعی کے لحاظ سے ہیں، ـــــ انہوں نے شافعی طریقے کے مطابق دو نمازیں ایک ہی وقت میں سفر میں اجازت دی ہے، ـــــ فقہ حنفی میں فقط حج کے دوران دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں، کسی اور صورت میں نہیں۔ البتہ سفر کے دوران ایک نماز کو، آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ملا کر پڑھا جا سکتا ہے۔

www.waseemziyai.com

مسافر تھا، پھر مقیم ہو گیا، اس وقت بھی یہی صورت ہو گی۔ کیونکہ سفر میں روزہ رکھنا افطار کرنے سے بہتر ہے، ـــــ اسی طرح حالتِ سفر میں نماز قصر کرنا مکمل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

ہمارے خیال میں ایک صوفی کے لیے سفر میں اس قدر شرعی احکام کا جاننا کافی ہے۔

رفیقِ سفر کی ضرورت:

سفر میں یہ مستحب ہے کہ صوفی مسافر کسی رفیقِ سفر کو تلاش کرے، جو دینی معاملات میں اسے مدد دے سکے، جیسا کہ کہا گیا ہے: ''پہلے ساتھی تلاش کرو، پھر سفر کرو'' ـــــ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا ہے، ـــــ البتہ کوئی صوفی اگر اپنے نفس کی آفتوں سے باخبر ہے، اور صحیح بصیرت کے بعد تنہائی کو اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے تنہا سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اجتماعی سفر میں امیر بنالینا چاہیے:

اگر سفر جماعت کے ساتھ کیا جائے تو ان میں سے جو بہتر ہو، اسے امیر بنالیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر سفر میں تم تین آدمی ہو تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالو''۔

یہی وہ امیر ہے جسے صوفیہ ''بشیر'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ـــــ امیر اس شخص کو ہونا چاہیے جو زہد و پرہیزگاری میں سب سے بڑھ کر ہو ـــــ بلکہ تقویٰ میں سب سے زیادہ، مروت و سخاوت میں سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ شفیق ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے ہاں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ بہتر اور نیک ہو''۔

شیخ عبداللہ مروزی کا واقعہ:

رفیقِ سفر کے حوالے سے حضرت شیخ عبداللہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم سفر بنے تو شیخ عبداللہ نے ان سے کہا:

''میں امیر بنوں یا آپ بنیں گے''۔ ـــــ ابو علی رباطی نے فرمایا: ''آپ امیر بنئے''۔

چنانچہ شیخ عبداللہ اپنا اور اپنے رفیقِ سفر حضرت ابو علی رباطی کا سامان اپنی کمر پر اُٹھائے چلتے رہے۔ حالت سفر میں ایک رات بارش ہو گئی۔ شیخ عبداللہ مروزی ساری رات اپنے ساتھی ابو علی رباطی کے سرہانے کھڑے رہے، اور انہیں بارش سے بچانے کے لیے اپنے کمبل سے ڈھانپتے رہے، ـــــ حضرت ابو علی جب انہیں ایسا کرنے سے روکتے تو شیخ عبداللہ مروزی فرماتے:

''کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں، اور کیا تم پر میری اطاعت کرنا فرض نہیں ہے''۔

دنیادار امیر قافلہ:

اگر کوئی امیر بن کر درویشوں کے ساتھ محض ان سے اطاعت کرانے اور ان پر حکم چلانے اور اپنی عزت افزائی کے لیے امیر جماعت بن کر رہے، ـــــ اور اس کی خواہش ہو کہ وہ امیر بن کر خانقاہ والوں پر مسلط ہو جائے، اور پھر ان کی رضامندی چاہے تو یہ

www.waseemziyai.com

ہوس کے بندوں اور جاہلوں کا طریقہ ہے۔ جو صوفیاء کرام کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو دنیادار ساتھی تلاش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ سب مل کر دنیاوی مقاصد حاصل کریں۔ اغراض کی تکمیل کے لیے وہ سفر کے ایسے ساتھی چنتے ہیں جو دنیا کی طرف مائل ہوں، —— پھر یہ سب مل کر نفسانی خواہش کے پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اور دنیاداروں کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں تاکہ اپنے مقاصد کو حاصل کرسکیں۔ ان لوگوں کا یہ اجتماع غیبت اور دوسرے مکروہات سے آلودہ ہوتا ہے۔ اس سفر سے ان کی غرض سیر و تفریح اور مفاد پرستی کے سوا کچھ نہیں، —— جب تک کسی خانقاہ سے ان کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، تب تک یہ لوگ وہاں اپنے قیام کو طول دیتے رہتے ہیں، خواہ وہاں سے دینی فوائد حاصل نہ ہوں مگر دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے ٹھہرے رہتے ہیں، جب وہاں آمدنی کی کمی اور فتوح (نذر نیاز) کی قلت دیکھتے ہیں تو وہاں سے چل دیتے ہیں۔ حالانکہ دینی اسباب کا حصول وہاں آسان اور کثرت سے ہوتا ہے۔ مگر یہ صوفیاء کرام کا طریقہ نہیں۔

سفر پر جانے والوں کو رخصت کرنا مستحب ہے:

کوئی درویش جب سفر پر جانے لگے تو اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو رخصت و وداع کرے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کے لیے دعا کرے، —— ایسا کرنا مستحب ہے، —— ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کے سفر میں رہا۔ جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے مجھے آگے چل کر وداع کیا (یعنی مشایعت کی)۔ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے:

''حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ''اے میرے فرزند! جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد کردی جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے، —— لہٰذا میں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں''۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی سفر اختیار کرے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائیوں کو اللہ کے سپرد کردے، کیونکہ اللہ ان کی دعا میں برکت عطا فرماتا ہے جو وہ اس (مسافر) کے حق میں کرتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ آپ مسافر کو رخصت و وداع فرماتے تو اس کے لیے یوں دعا فرماتے:

''اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ کا زادِ راہ عطا فرمائے اور تمہارے گناہ بخش دے اور تو جس طرف روانہ ہو، اس میں خیر و توفیق عطا فرمائے''۔

مسافر کو اللہ کے سپرد کرنا:

جب ایک بھائی سفر پر جانے کا ارادہ کرنے والے کو رخصت کرے تو جب وقت رخصت اسے اللہ حافظ کہتے ہوئے اللہ کے سپرد کرے اور اس کے لیے دعائے خیر کرے تو یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس مسافر بھائی کے حق میں اس کی دعا قبول فرمائے گا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو وظائف عنایت فرما رہے تھے کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر آیا۔ تاکہ اسے بھی وظیفہ مل جائے، —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

www.waseemziyai.com

''جیسے تیرا بیٹا تیری شکل کا ہے، ایسی مشابہت میں نے کسی اور باپ بیٹے میں نہیں پائی''۔

اس شخص نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں آپ کو اس کی مشابہت کا واقعہ سناتا ہوں۔ ایک بار میں نے سفر پر جانے کا ارادہ کیا تو میرا یہ بیٹا اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ مجھے رخصت کرتے وقت اس کی ماں نے کہا:

''آپ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟'' —— میں نے اسے کہا:

''جو تمہارے پیٹ میں ہے، میں اسے اللہ کے سپرد کرتا ہوں''۔

یہ کہہ کر میں سفر پر چلا گیا۔ جب کچھ مدت کے بعد میں واپس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری بیوی مر چکی ہے۔ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے میری بیوی کی موت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک اس کی قبر پر آگ روشن نظر آئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: ''یہ آگ کیسی ہے؟'' —— انہوں نے بتایا:

''یہ تمہاری بیوی کی قبر ہے۔ اس پر ہم روزانہ رات کو آگ روشن دیکھتے ہیں''۔

میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میری بیوی بہت روزے رکھتی تھی اور راتوں کو اُٹھ کر عبادت کیا کرتی تھی''۔

یہ کہہ کر میں نے لوگوں کو ساتھ لیا اور کدال سے اس کی قبر کو کھود ڈالا۔ قبر کھودتے میں اچانک ایک روشن چراغ نظر آیا۔ چراغ کے ساتھ ہی اس لڑکے کو قبر میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ اس دم غیب سے آواز آئی:

''اسے لے لے! یہ تیری امانت ہے، —— اگر تو اس کی ماں کو بھی (سفر پر جاتے وقت) ہماری امانت میں دے دیتا تو اسے بھی زندہ پاتا''۔

یہ عجیب و غریب واقعہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک وہ تجھ سے اس سے زیادہ مشابہ ہے، جتنا ایک گھوڑا دوسرے گھوڑے کے مشابہ ہوتا ہے''۔

سفر پر روانہ ہونے سے پہلے نفل پڑھے:

جب کوئی مسافر کسی منزل سے رخصت ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر روانہ ہو اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ فِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ ○

''الٰہی! تو مجھے تقویٰ کا توشہ عطا فرما! اور میرے گناہ معاف کر دے، اور میں جس طرف جاؤں، مجھے بھلائی کی طرف متوجہ فرما!''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی منزل پر اُترتے تو وہاں سے رخصت ہوتے وقت دو رکعت نفل ادا فرماتے، —— اس لیے جب کوئی کسی منزل یا خانقاہ سے روانہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر روانہ ہو۔

کسی سواری پر جب سوار ہو تو یہ پڑھے:

جب کسی سواری پر سوار ہو تو یہ دعا پڑھے:

www.waseemziyai.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ○ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَى الظَّهْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى الْاُمُوْرِ○

”پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارا مطیع اور تابع بنایا ہے۔ ورنہ ہم اسے تابع نہیں بنا سکتے تھے، — میں اللہ کے نام سے سفر کو شروع کرتا ہوں، اور اللہ بہت بڑا ہے۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ طاقت اور قدرت صرف اللہ ہی کے لیے ہے جو سر بلند ہے اور عظمت والا ہے، — الٰہی! تو ہی اس جانور (سواری) کی پیٹھ پر مجھے سوار کرانے والا ہے، — اور میں سب کاموں میں تجھ ہی سے مدد کا طلب گار ہوں“۔

منزل سے روانہ ہونے کا مسنون طریقہ:

سفر پر روانہ ہونے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ منزل سے صبح سویرے رخصت ہوا جائے۔ سفر کا آغاز جمعرات کے دن سے کیا جائے، — حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ جمعرات کے دن سفر پر روانہ ہوتے۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ کسی اور دن سفر کا آغاز فرماتے، — آپ ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اسے دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔

منزل کے قریب پہنچ کر یہ دعا پڑھے:

مستحب ہے کہ جب کسی منزل یا پڑاؤ کے قریب پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ وَرَبَّ الْبِحَارِ وَمَاجَرِیْنَ اَسْئَلُكَ خَیْرَ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَیْرَ اَهْلِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَشَرِّ اَهْلِهٖ ۔

”الٰہی! تو سارے آسمانوں کا رب ہے، جن پر ان کا سایہ ہوتا ہے، — اور ساری زمینوں اور ان کی اٹھائی ہوئی چیزوں کا رب ہے، — تو سارے شیطانوں اور گمراہ کیے ہوئے لوگوں کا، — ہواؤں اور ان کے ذریعے اُڑنے والی چیزوں کا، — اور سمندروں کا اور ان پر بہنے والی چیزوں کا رب ہے، — میں تجھ سے اس منزل اور اس منزل کے رہنے والوں کی بھلائی چاہتا ہوں، — اور اس منزل اور منزل کے رہنے والوں کی برائی (شر) سے تیری پناہ چاہتا ہوں“۔

اور جب منزل پر پہنچ جائے تو دو رکعت نفل ادا کرے۔

سفر کے لیے درکار ضروری سامان:

مسافر کے پاس طہارت کا سارا سامان موجود ہونا چاہیے، — کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سفر اور قیام میں یہ چار چیزیں ضرور ہوتی تھیں:

○ — لوٹا، ○ — سوئی دھاگا، ○ — قینچی، ○ — رسّی

رسول اکرم ﷺ کے سفر کے معمول کے بارے میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر فرماتے تو آپ کے پاس یہ پانچ چیزیں (لازمی) ہوتی تھیں:

○ — آئینہ، ○ — سرمہ دانی، ○ — اُسترا، ○ — مسواک، ○ — کنگھا

ایک روایت میں قینچی کا بھی ذکر آیا ہے، — اور صوفیاء کرام تو عصا بھی ساتھ رکھتے ہیں، اور یہ بھی سُنّت ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے منبر کو اختیار کیا ہے تو اس لیے کہ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی اسے اختیار کیا ہے، — اور میں عصا کو اختیار کروں تو اس لیے کہ عصا کو (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) موسیٰ (علیہم السلام) نے بھی اختیار کیا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عصا کا سہارا لینا پیغمبروں کے معمول میں سے ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عصا ہوتا تھا جس سے آپ تکیہ لگایا کرتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی عصا سے تکیہ لگانے کا حکم فرماتے تھے، — اسی طرح لوٹا ساتھ لے جانا بھی مسنون ہے۔

غزوۂ حدیبیہ میں معجزہ رسولِ اکرم ﷺ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ لوٹے سے وضو فرما رہے تھے۔ لوگ بڑی بے تابی سے آپ کی طرف دوڑ کر آئے، جس طرح روتے ہوئے بچے کی طرف ماں لپٹ کر جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

''اس بے تابی اور عجلت سے آنے کی کیا وجہ ہے؟'' — انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہمیں پانی نہیں ملا کہ ہم پئیں اور وضو کریں، — بس یہی پانی موجود ہے جو حضور کے پاس ہے''۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے لوٹے پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی اس طرح اُبل رہا تھا جس طرح چشمے سے اُبلتا ہے، — اس پانی سے سارے لوگوں نے وضو کر لیا۔ (وہ پانی سب کے لیے کافی ہو گیا) — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کتنے لوگ تھے؟ — انہوں نے فرمایا:

''اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا، — اس وقت ہم غزوۂ حدیبیہ میں صرف پندرہ سو افراد تھے''۔

کمر بستہ ہونا بھی صوفیاء کا طریقہ ہے:

کمر باندھنا بھی صوفیاء کرام کی سُنّت ہے، — حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک حج کے لیے پیدل سفر کیا، — حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پٹکوں سے اپنی کمریں کس لو''۔

پس ہم نے اپنی کمریں پٹکوں سے باندھ لیں اور آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے۔

www.waseemziyai.com

صوفیاء کے لیے سفر کے مجوزہ آداب:

سفر کے لیے صوفیاء کرام نے یہ آداب ارشاد فرمائے ہیں:

○ ــــ جب خانقاہ سے سفر کے لیے روانہ ہو، صبح سویرے دو رکعت نفل ادا کرے، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا،

○ ــــ خانقاہ سے روانہ ہوتے وقت موزے اپنے آگے رکھے۔

○ ــــ اس کے بعد عبا کی داہنی آستین پہلے پہنے، اس کے بعد بائیں آستین پہنے۔

○ ــــ پھر پٹکے سے اپنی کمر کو کس لے اور جوتے رکھنے کی تھیلی اُٹھائے، ــــ پہلے تھیلی کو جھاڑے، پھر اس جگہ جائے جہاں موزے پہننا مقصود ہوں، ــــ وہاں پہلے مصلّے کو دوہرا کر کے بچھائے، پھر دونوں جوتوں کے تلوے ایک دوسرے سے رگڑیں تاکہ خشک نجاست دور ہو جائے۔ اب بائیں ہاتھ میں جوتا اور دائیں ہاتھ میں جوتے رکھنے والی تھیلی کو پکڑے۔ تھیلی میں جوتے اس طرح سے رکھے کہ ان کی ایڑیاں تھیلی میں نیچے کی طرف ہوں۔ پھر تھیلی کا منہ بند کر دے، ــــ جوتا تھیلی میں بائیں ہاتھ اور بائیں رُخ پر رکھے، پھر یہ تھیلی کمر کے ساتھ باندھ لے۔ اب مصلے پر بیٹھ جائے، موزے کو اُٹھا کر بائیں ہاتھ سے جھاڑے، پہلے دائیں پاؤں میں پہنے، پھر بائیں پاؤں میں، ــــ موزے پہنتے وقت کمر بند یا جوتے کا کوئی حصہ زمین پر نہ گرے۔ موزے پہننے کے بعد ہاتھ دھوڈالے۔

○ ــــ موزے پہننے کے بعد اس مقام کی طرف رُخ کر کے حاضرین کو الوداع کہے جہاں سے سفر کے لیے روانہ ہو رہا ہے۔

○ ــــ اگر کوئی رفیق از راہِ محبت یا خدمت کے طور پر مسافر کا سامان مثلاً بستر یا عبا یا مشکیزہ، یا عصا (یا بیگ) وغیرہ اُٹھا کر خانقاہ کے باہر تک چلنا چاہے تو اسے منع نہ کرے۔

○ ــــ خانقاہ کے باہر مشائعت کرنے سے روک دے اور اس رفیق کو وداع کر دے،

○ ــــ باہر آ کر جب مشکیزہ باندھے تو صوفیاء کی مانند اپنا بایاں ہاتھ اپنی دائیں بغل کے پیچھے سے نکالے، پھر مشکیزے کو بائیں جانب باندھ لے، ــــ دایاں کندھا خالی رہنا چاہیے۔ مشکیزے کی گرہ دائیں جانب رہنی چاہیے۔

○ ــــ سفر کے دوران اگر کسی اچھے مقام پر پہنچے، یا ــــ اس کے کچھ برادرانِ طریقت کسی جگہ اس کی پیشوائی کریں، یا ــــ قافلے کا امیر کسی جگہ اسے خوش آمدید کہے تو وہاں قیام کرنا چاہیے، ــــ مشکیزہ کندھے سے اتار کر زمین پر رکھ دے، اور ان لوگوں کا خود بھی استقبال کرے اور انہیں رخصت کر دے، ــــ

جب وہ لوگ رخصت ہو جائیں تو مشکیزہ پھر پہلے کی طرح باندھ لے، ــــ اگر ایسی صورت نہ پیش آئے، اور اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ جائے۔ خواہ خانقاہ ہو یا نہ ہو، وہاں مشکیزے کو اتار دے، اور اسے اپنی بائیں بغل کے نیچے رکھ لے ــــ اسی طرح اپنے عصا اور لوٹے کو بائیں ہاتھ میں لے لے۔

مجوزہ آدابِ سفر کی پابندی اور ترک:

یہ وہ آداب اور رسوم ہیں جنہیں خراسان اور کوہستانی ایران کے درویشوں اور صوفیوں نے پسند کیا ہے۔ لیکن عراق و شام و

www.waseemziyai.com

عرب کے اکثر درویش ان آداب و رسوم کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کی پابندی کے سلسلے میں درویشوں میں اختلاف پایا جاتا ہے:

- — جو ان آداب کی پابندی نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ان رسوم کی پابندی کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس پابندی سے فقط دنیاوی رسموں کی پابندی ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔
- — اور جو ان رسوم کی پابندی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ سفر کے آداب ہیں جو ہمارے اسلاف نے وضع کیے ہیں، — جب یہ لوگ ان رسوم کی ادائیگی میں کوئی کمی یا خامی دیکھتے ہیں تو اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یہ صوفی نہیں ہے''۔

سچی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ اس معاملے میں حد اعتدال سے باہر ہیں۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ جو ان رسوم و آداب کی پابندی کرتا ہے، وہ قابلِ مذمت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رسوم و آدابِ شریعت کے خلاف نہیں، بلکہ آداب میں شامل ہیں، — اور جو کوئی ان کی پابندی نہیں کرتا، اس کے لیے بھی کوئی حرج یا قباحت نہیں۔ کیونکہ یہ رسوم و آداب شرعی طور پر نہ واجب ہیں نہ مستحب، نہ ان کے لیے تاکید آئی ہے۔

بہرحال خراسان، عراق و شام اور ایران کے بیشتر فقراء و درویش اس معاملے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں منع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، وہ بری ہے، — اور جو چیز شریعت میں منع نہیں ہے، وہ پسندیدہ ہے اور بری نہیں ہے، — ایسی صورت میں ان برادرانِ تصوف کے معمولات و تصرفات کو قابلِ معافی سمجھنا چاہیے، تاوقتیکہ وہ منکرات (برے کام) میں مبتلا نہ ہوں، — یا وہ کسی مستحب کام میں کوتاہی کریں۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۱۸:

سفر سے واپسی اور خانقاہ میں قیام

سفر سے واپسی پر دعا:

جب سفر سے واپس آئے تو قیام گاہ کی مشکلات و آفات سے اللہ کی پناہ چاہے، جس طرح سفر کی سختیوں اور تکلیفوں سے پناہ طلب کی تھی۔ اس وقت یہ دعائے ماثورہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلِبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ ○

"الٰہی! میں سفر کی تکلیفات اور مسافرت کی آفات اور اہل و مال و اولاد کی بدحالی (بُرے منظر) سے بچ کر تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

شہر منزلِ مقصود کے قریب پہنچنے پر دعا:

اور جب اس شہر کے قریب پہنچے جہاں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا ارادہ ہے تو وہاں کے تمام رہنے والوں (زندہ اور مردہ) سب پر سلام بھیجے۔ اور جس قدر ممکن ہو قرآن مجید پڑھ کر زندوں اور مردوں کو تحفہ کے طور پر پیش کرے اور تکبیریں پڑھے۔۔۔۔ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب جنگ یا حج سے تشریف لاتے تو جب کسی بلندی پر آپ کا گزر ہوتا تو تین بار فرماتے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ اٰئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ○

"ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔۔۔۔ اسی کے لیے حکومت ہے اور سب تعریفیں اُسی کے لیے ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

ہم واپس آ رہے ہیں عبادت کرتے ہوئے اور اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے ہوئے، اور اسی کی تعریف کرتے ہیں۔۔۔۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تن تنہا لشکروں کو شکست دے دی"۔

شہر منزل مقصود کو دیکھنے پر دعا:

جب شہر (منزلِ مقصود) نظر آئے تو یہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِھَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۔

''الٰہی! اس شہر کو ہمارے لیے قرار (ٹھکانہ) اور اچھے رزق کی جگہ بنا دے''۔

سفر سے واپسی پر غسل کرے تو زیادہ بہتر ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے غسل فرمایا تھا۔

ایک یہ بھی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب غزوۂ احزاب سے واپس تشریف لائے اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے بدن مبارک سے زرہ اتاری اور حمام میں تشریف لے گئے اور غسل فرمایا۔

اگر سفر سے واپسی پر شہر میں داخلہ کے وقت کوئی غسل نہ کر سکے تو وضو کرے، کپڑے بدل لے اور خوشبو لگا کر اپنے درویش بھائیوں سے ملاقات کے لیے تیاری کرے۔ وہاں برکت حاصل کرنے کے لیے زندہ اور مردہ افراد کی زیارت کرے۔

محض اللہ کے لیے محبت کی جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اپنے گھر سے اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لیے نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتے نے اس شخص سے دریافت کیا:

''کہاں کا ارادہ ہے؟'' —— اس نے جواب دیا:

''میں فلاں آدمی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں'' —— فرشتے نے پوچھا:

''کیا اس سے کوئی رشتہ داری ہے؟'' —— اس نے جواب دیا: ''نہیں!''

فرشتے نے پوچھا:

''کیا اس کے کسی احسان کا شکریہ ادا کرنے جا رہے ہو''۔

اس نے جواب دیا: ''نہیں!'' —— فرشتے نے پھر استفسار کیا:

''پھر کس مقصد کے لیے اس سے ملنے جا رہے ہو؟'' —— اس نے کہا:

''میں اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں'' —— یہ سن کر فرشتے نے کہا:

''میں تمہیں اللہ کی طرف سے یہ پیغام دیتا ہوں کہ تم دونوں کی باہمی محبت کی وجہ سے اللہ بھی تم دونوں سے محبت کرتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی شخص اپنے بھائی کو یاد کرتا ہے، —— یا فقط اللہ کے لیے اس سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرماتا ہے:

''تم بہت خوش رہے، اور تمہارا سفر بہت اچھا ہے، تم جنت کو اپنا ٹھکانہ بنا لو''۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پہلے میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر اب تم ان کی زیارت کرو کیونکہ ان کی زیارت سے آخرت کی یاد آئے گی''۔

www.waseemziyai.com

اس طرح درویش کو زندوں اور مردوں دونوں سے فیض حاصل ہوگا، —— درویش کے لیے لازم ہے کہ سفر سے واپسی میں جب شہر میں داخل ہوتو پہلے کسی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرے۔ اگر جامع مسجد کا ارادہ کرے تو یہ افضل ہوگا، —— رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے، —— درویش کے لیے خانقاہ گھر کی مانند ہے۔ اس کے لیے خانقاہ کا قصد کرنا بھی گویا سُنت ہے۔ جیسا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''جب کوئی شخص مدینہ منورہ میں داخل ہوتا تو اگر کوئی اس کا جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے ہاں ٹھہرتا تھا، —— اور اگر کوئی جاننے والا نہ ہوتا تو وہ اصحابِ صفّہ کے ہاں ٹھہرتا تھا۔ اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو صفہ میں ٹھہرے تھے''۔

خانقاہ کے آداب:

درویش سفر سے واپسی پر جب خانقاہ میں داخل ہو تو وہ اس جگہ جائے، جہاں موزے اتارتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر کھڑے کھڑے کمر سے پٹکا کھولے، پھر بائیں آستین سے تھیلا اتارے، دائیں ہاتھ سے تھیلے کا منہ کھولے اور بائیں ہاتھ سے جوتا اتار کر زمین پر رکھ دے، اور پٹکا اتار کر تھیلے میں ڈالے۔ اس کے بعد بایاں موزہ اتارے۔

اگر باوضو ہو تو موزہ اتار کر راستے کی مٹی اور پسینہ دور کرنے کے لیے اپنے پاؤں دھوئے، —— جب جاء نماز پر آئے تو جاء نماز کے بائیں کونے کو اُلٹ کر اس سے گیلے پاؤں کو پونچھ ڈالے، —— پھر قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیرے، —— اس بات کا دھیان رکھے کہ جاء نماز کی سجدے کی جگہ پر پاؤں نہ آئے۔

یہ وہ ظاہری رسوم و آداب ہیں جنہیں صوفیاء کرام نے پسند فرمایا ہے۔ جو صوفی ان آداب کا پابند ہو، اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اکثر مشائخ کرام نے انہیں پسند کیا ہے۔ اس پابندی سے بظاہر ان کا مقصد یہ ہے کہ:

- —— مرید ہر امر میں ایک خاص صورت اور انداز کا پابند ہو جائے،
- —— اپنی ہر حرکت اور ہر عمل میں اس مقصد کو پیشِ نظر رکھے،

لیکن اگر کوئی درویش ان رسوم میں سے کسی چیز میں کوتاہی کرے، تو وہ اس وقت تک قابلِ اعتراض نہیں ہے، جب تک کہ وہ کسی واجب یا مستحب کو ترک نہ کردے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، صوفیاء کی طرح بہت سی رسوم کے پابند نہ تھے۔

خانقاہ میں موجود نوجوانوں کو زیب نہیں دیتا کہ خانقاہ میں نئے آنے والوں کو خانقاہ کی ان تمام رسومات کا پابند کریں، —— اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس میں اس کی نیت کو دیکھنا چاہیے۔ اس کی نیک نیتی کا لحاظ کیے بغیر ان رسوم کی پابندی کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ مثلاً:

- —— کوئی درویش اپنی آستین چڑھائے بغیر خانقاہ میں داخل ہوا، جبکہ وہ تمام سفر میں اس نے اپنی آستینیں نہ چڑھائی ہوں، —— تو اسے بتایا جائے کہ وہ دکھاوے کے لیے یہ کام نہ کرے۔ کیونکہ اس نے کسی مستحب کی خلاف ورزی نہیں

www.waseemziyai.com

کی ہے، ——لیکن خانقاہ میں داخل ہونے سے پہلے جس طرح وہ سارے سفر میں رہا ہے، خانقاہ میں داخل ہوتے وقت بھی اسی طرح رہتا تو کوئی حرج نہیں تھا، ——اسے بتایا جائے کہ آستینیں چڑھانے کا یہ فائدہ ہے کہ اس طرح مسافر ہلکا پھلکا رہتا ہے، اسے سفر کرنے اور چلنے میں سہولت ہوتی ہے۔

○ ——اسی طرح پٹکا باندھنے کا حال ہے، پٹکا باندھنا مسنون ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا سفر کمر سے پٹکا باندھ کر کیا تھا، ——لہٰذا جو کوئی سفر میں پٹکا باندھے اور آستینیں چڑھا کر سفر کرے تو اسے اسی انداز میں خانقاہ میں داخل ہونا چاہیے۔

اور اگر کوئی شخص سفر میں کمر بستہ نہ ہو، ——یا سوار ہو، اور اس نے پٹکا نہ باندھا ہو تو صداقت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اسی حالت میں خانقاہ میں داخل ہو، محض دکھاوے کے لیے نہ آستینیں چڑھائے اور نہ پٹکا باندھے، ——ایسا کرنا تکلّف اور ریا کاری ہو گی، ——جبکہ تصوف کی بنیاد صداقت پر ہے اور اس میں دکھاوے کی کوئی گنجائش نہیں۔

خانقاہ میں داخل ہوتے وقت سلام نہ کرنے کی وجوہ:

بعض لوگ صوفیاء کرام کے اس معمول پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ خانقاہ میں جب داخل ہوتے ہیں تو سلام کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں صوفیاء کا یہ طریقہ غیر مستحب ہے، اعتراض کرنے والے کو کسی کی نیت اور ارادے کو جانے بغیر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے سلام نہ کرنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں:

○ ——ایک وجہ یہ ہے کہ "سلام" اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت پیش کی جا سکتی ہے:

"رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا، اس وقت حضور پیشاب کر رہے تھے، گزرنے والے نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ وہ شخص آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس وقت آپ نے دیوار پر ہاتھ مار کر چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا: "میں نے اس کے سلام کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ اس وقت میں پاک نہیں تھا"۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب اس وقت تک نہیں دیا جب تک آپ نے وضو نہیں کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے معذرت کی، اور فرمایا: "مجھے پسند نہیں تھا کہ ناپاکی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں"۔

لہٰذا یہ اتفاق ہو جاتا ہے کہ سفر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی بے وضو ہو۔ اور اگر کوئی باوضو اسے سلام کرے اور بے وضو ہونے کی وجہ سے وہ اس کے سلام کا جواب نہ دے تو اس کی بے وضو حالت ظاہر ہو جائے گی، ——چنانچہ سلام کرنا اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہیے جب تک جو وضو کرنا چاہے وہ وضو کر لے، ——اور جو اپنے پاؤں دھونا چاہے وہ پاؤں دھو لے، ——اس طرح سے بے وضو کا حال بھی پوشیدہ رہے گا اور وہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع میں طہارت کے بعد سلام

www.waseemziyai.com

کریں۔

○ — کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقیم حضرات میں سے کوئی پاک یا باوضو نہیں ہوتا۔ وہ طہارت کے بعد ہی سلام کا جواب دینا کا اہل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ''سلامؓ'' اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے، اب وہ آنے والے کے سلام کا جواب کیسے دے۔

○ — سلام میں پیش قدمی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی سفر سے واپس آتا ہے تو دوسرے بھائی گلے ملتے ہیں۔ اور آنے والا سفر کے گرد و غبار سے آلودہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں وہ نہیں چاہتا کہ دوسرے بھائی اس سے گلے ملیں، — اب اگر وہ سلام کرے تو سننے والے جواب بھی دیں گے اور اس کا استقبال کرتے ہوئے اس سے گلے بھی ملیں گے، — اس لیے وہ وضو کرکے اور گرد و غبار سے پاک وصاف ہو کے سلام کرتا اور گلے ملتا ہے۔

○ — سلام میں پہل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانقاہ والے صاحبِ حال و صاحبِ مراقبہ ہوتے ہیں۔ اگر اچانک آکر کوئی ان سے سلام کریں تو اس کی یکسوئی ٹوٹ جائے گی، وہ چونک کر پریشان ہو جائے گا، — اب اس لیے سلام کرنے سے پہلے انہیں مانوس کرنے کے لیے درویش خانقاہ میں داخل ہو کر پاؤں دھوئے۔ سفر کی گرد پاک کرے۔ وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس دوران خانقاہ والے اس کی آمد سے خبردار ہو کر اس سے ملنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اور وہ خود بھی اس وقت ان سے ملنے کا اہل ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا۟

''یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے مانوس ہو جاؤ''۔

اس طرح سب لوگوں کا آنے والے سے مانوس ہو جانا بھی اس کے حسبِ حال ہوگا۔

○ — سلام میں پہل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سفر سے لوٹنے والا درویش جب خانقاہ میں داخل ہوتا ہے تو یہ جگہ اس کے لیے نئی نہیں کہ وہ وہاں قدم رکھتے ہی سلام کرے، — وہ گویا اپنے گھر میں داخل ہوا۔ یہاں اس کے بھائی رہتے ہیں۔ روحانی محبت انہیں ایک رشتے میں جوڑے ہوئے ہے۔ چونکہ یہ اس کی اپنی جگہ ہے کوئی غیر جگہ نہیں، اس لیے سلام کرکے یہاں کے لوگوں سے رشتہ جوڑنا اتنا اہم نہیں، جتنا کہ پہلے نفل ادا کرکے اللہ سے رشتہ جوڑا جائے۔

روحانی آداب کی اقسام:

جس طرح سفر سے لوٹنے والا درویش سلام میں پہل کرنے سے معذور ہے، اس کی وجوہ ابھی بیان کی گئیں، اسی طرح خانقاہ والوں پر بھی لازم ہے کہ وہ خانقاہ میں آنے والوں پر سلام میں پہل نہ کرنے پر اعتراض نہ کریں، کیونکہ جس طرح سلام نہ کرنے کی وجوہ ہیں، اسی طرح سلام میں پہل کرنے کے سلسلہ میں بھی دلائل اور وجوہ ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے آداب دو طرح کے ہیں:

○ — ایک قسم وہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے، یہ آدابِ شریعت کہلاتے ہیں۔

○ — دوسری قسم وہ ہے جنہیں مشائخ کرام نے پسند فرمایا ہے، یہ آدابِ طریقت کہلاتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

کچھ شرعی آداب وہ ہیں، جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا۔ یعنی:

- ○ — پٹکا باندھنا،
- ○ — عصا،
- ○ — لوٹا،
- ○ — موزے پہنتے وقت دائیں پاؤں سے ابتداء کرنا اور اتارتے وقت بائیں پاؤں سے ابتداء کرنا، —

اس حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم جوتے پہنو تو دائیں پاؤں سے ابتداء کرو، — اور جب اتارو تو بائیں پاؤں سے ابتداء کرو، — یا دونوں کو یکساں پہنو اور یکساں ہی اتارو''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نعلین مبارک بائیں پاؤں سے پہلے اتارتے تھے، اور دائیں پاؤں سے پہننے کی ابتداء فرماتے تھے۔

اسی طرح سے جاء نماز بچھانے کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، — یہ بھی شریعت اور سُنّت سے ثابت ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جاء نماز پر نہ بیٹھے۔ جیسا کہ ایک طویل حدیث میں ہے:

''کوئی شخص کسی دوسرے کے اختیار کی جگہ پر امامت نہ کرے، — اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی عزت کی جگہ (مسند) پر نہ بیٹھے''۔

معانقہ کرنا مسنون ہے:

یہ بھی مسنون طریقہ ہے کہ جب کوئی اپنے بھائیوں کو سلام کرے تو ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ کی سرزمین سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بغل گیر ہوئے''۔

بوسہ لینا مسنون ہے:

اسی طرح بوسہ لینا بھی مسنون ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، — روایت ہے:

''جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور فرمایا:

''مجھے خیبر کی فتح نے اتنا مسرور نہیں کیا جتنا جعفر کی آمد نے مسرور کیا''۔

مصافحہ کرنا مسنون ہے:

اسی طرح مصافحہ کرنا بھی آدابِ شریعت میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مسلمان کا اپنے بھائی سے مصافحہ کرنا بوسہ لینے کے برابر ہے''۔

www.waseemziyai.com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! جب کوئی شخص اپنے دوست یا بھائی سے ملے تو کیا اسے جھک کر ملے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں!'' ——اس نے پھر دریافت کیا:

''کیا اس سے لپٹ جائے اور اس کا بوسہ لے؟'' —— آپ نے فرمایا: ''نہیں!'' ——

پھر عرض کیا: ''کیا وہ اس سے مصافحہ کرے؟'' —— فرمایا: ''ہاں!''۔

خیر مقدم کرنا مسنون ہے:

خانقاہ کے درویشوں کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ آنے والے درویشوں کا مرحبا کہہ کر خیر مقدم کریں، —— حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''میں جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دوبار ''مرحبا بالراکب المهاجر'' ۔ ''ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا'' فرمایا''۔

کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مسنون ہے:

اگر آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مسنون ہے۔ روایت ہے کہ جس دن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم از راہِ محبت و شفقت ان کے لیے کھڑے ہو گئے۔

آنے والے کو کھانا کھلانا مسنون ہے:

خانقاہ کے خادم کے لیے یہ مستحب ہے کہ آنے والے کے لیے کھانا پیش کرے۔ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم وفد کی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ گھر پر تشریف نہ رکھتے تھے۔ مگر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گھر پر موجود تھیں۔ ہم وہاں ٹھہر گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ ہمارے لیے حریرہ تیار کیا جائے، چنانچہ وہ تیار کر کے ایک بڑے پیالے میں ہمیں بھیجا گیا۔ ہم سب نے حریرہ کھایا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم سے دریافت فرمایا:

''کیا تمہیں کچھ (کھانے کو) ملا؟'' —— ہم نے عرض کیا: ''جی ہاں، یارسول اللہ!'' ——

آنے والے کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ اپنی آمد پر وہ بھی درویشوں کو کوئی چیز پیش کرے۔ چنانچہ روایت ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے (مہمانی) کے لیے ایک اونٹ ذبح کیا۔

عصر کے بعد سفر سے واپسی مکروہ ہے:

صوفیاء کرام عصر کے بعد سفر سے واپس آنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کی توجیہہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت سفر سے منع فرمایا ہے، یعنی رات میں سفر سے واپس نہیں آنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام

www.waseemziyai.com

عصر کے بعد پاک وصاف ہوکر رات کے استقبال میں لگ جاتے ہیں۔ اس وقت وہ ذکر واستغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر خانقاہ میں آئے گا تو ان کا حرج ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی سفر سے واپس آئے تو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ جائے''۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ سفر سے دن چڑھے (چاشت کے وقت) تشریف لایا کرتے تھے۔ اور سفر سے دن چڑھے لوٹنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام دن کے ابتدائی حصہ میں واپس آنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ کسی کو ضعف وکمزوری یا کسی اور وجہ سے پیدل چلنے میں تاخیر ہو جائے تو اس قسم کے درویشوں کی عصر تک آمد کو معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ضعیفی یا پیدل چلنے کی وجہ سے دیر میں پہنچنے کا امکان ہے۔

مگر جب عصر کا وقت ختم ہو جائے اور اس وقت درویش پہنچے تو یہ سمجھا جائے گا کہ دن کے ابتدائی حصے میں آنے کی سُنّت میں کوتاہی ہوئی ہے، کیونکہ صوفیاء حضرات عصر کے بعد آنے کو سُنّتِ نبوی کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں۔

صائب یہ ہے کہ جب عصر کا وقت ہو جائے تو اپنی واپسی دوسرے دن پر ملتوی کر دے تاکہ اگلے دن چاشت کے وقت داخل ہونے سے سُنّت کی پیروی ہو جائے، ــــ اس طریقہ میں یہ مصلحت بھی ہے کہ عصر کے بعد نماز (نفل وغیرہ) پڑھنا مکروہ ہے، ــــ جبکہ مسافر کے لیے آدابِ سفر کے مطابق لوٹتے ہی دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ اس وجہ سے وہ عصر کے بعد آنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

ناواقف آداب سے حُسنِ سلوک:

کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے کہ خانقاہ میں آنے والے داخل ہونے کے آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ خانقاہ والے ان کے پاس آکر بیٹھیں۔ ان سے خندہ پیشانی اور محبت سے ملیں تاکہ ان کا خوف اور گھبراہٹ دور ہو۔ اس میں بڑی فضیلت ہے۔

حضرت ابورفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہ مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ وہ اپنے دین کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ دین کیا ہے''۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ ملتوی کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے لیے لوہے کے پایوں والی ایک کرسی لائی گئی۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر آپ نے مجھے دینی اُمور کی تعلیم دی۔ اس کے بعد آپ نے پھر خطبہ شروع فرما دیا اور اسے تکمیل تک پہنچایا۔

www.waseemziyai.com

حُسنِ اخلاق سے پیش آنا چاہیے:

فقراء اور صوفیاء کے حسنِ اخلاق میں یہ شامل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی اختیار کریں، ـــــ اگر کچھ ناپسندیدہ باتیں سننا یا دیکھنا پڑیں تو انہیں برداشت کریں، ـــــ کبھی کوئی ایسا درویش بھی آ جاتا ہے، اس سے صوفیانہ رسم و رواج کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ اسے جھڑک کر اور دھکا کر باہر نکال دینا سخت غلطی ہے، ـــــ کیونکہ اللہ کے نیک بندوں اور اولیائے کرام میں ایسے بھی ہیں جو خانقاہ کے آداب سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے۔ لیکن وہ خانقاہ میں سچے ارادے اور نیک نیتی سے داخل ہوتے ہیں۔ مگر جب ان سے بُرا سلوک کیا جاتا ہے تو ان کے دل پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان سے بدسلوکی دین و دنیا کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ لہٰذا اس رویئے سے گریز کرنا چاہیے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ دوسروں کے ساتھ کس قدر نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آیا کرتے تھے، ـــــ یہ ایک صحیح روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں داخل ہو کر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ کے حکم سے پانی کا ایک بڑا ڈول وہاں بہا دیا گیا۔ آپ نے اس اعرابی کو جھڑکا نہیں بلکہ اسے بڑے پیار اور نرمی سے اس کے فرض اور مسجد کے آداب کے بارے میں بتایا گیا۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ سختی، بدسلوکی اور بدکلامی کی علامت ہے۔ جو صوفیاء کرام کے اخلاق و اطوار کے سراسر منافی ہے، ـــــ اگر خانقاہ میں کوئی ایسا شخص آ جائے جو اس ماحول کے لائق نہ ہو کہ اسے وہاں رکھا جائے تو اسے کھانا کھلا کر خوش اسلوبی سے وہاں سے رخصت کر دیا جائے کیونکہ خانقاہ والوں کا یہی طریقہ ہے۔

مہمان کے بدن کو دبانا مسنون ہے:

خانقاہ میں آنے والے درویش کے جسم کو دبانا اور مساج کرنا بھی اچھا طریقہ ہے۔ سُنّتِ نبوی ﷺ سے اس کا بھی ثبوت دستیاب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ایک غلام آپ کی کمر کو دبا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا:

"آپ کا کیا حال ہے؟" ـــــ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اونٹنی نے مجھے گرا دیا تھا، اس لیے کمر دبوا رہا ہوں"۔

لیکن یہ طریقہ اسی وقت تک لائقِ تحسین ہے کہ فقط تھکان یا سفر سے واپسی پر جسم کو دبوایا جائے۔ تا کہ سفر کی تھکان دور ہو جائے، ـــــ اور اگر کوئی جسم دبوانے کو عادت بنا لے اور ہاتھ پاؤں دبوانے کو اس خیال سے پسند کرنے لگے کہ اس سے نیند آ جاتی ہے، ـــــ اور جب تک نیند نہ آ جائے، ہاتھ پاؤں دبائے جاتے رہیں۔ تو ایسا کرنا درویشوں کے شایانِ شان نہیں۔ گرچہ شریعت میں یہ جائز ہے۔

بہرحال یہ واقعہ ہے کہ بعض فقراء جو ہاتھ پاؤں دبوانے کے عادی ہو گئے تھے، وہ اس سے لذت محسوس کرتے تھے تو انہیں احتلام ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ احتلام کو ہاتھ پاؤں دبوانے کی سزا تصور کرتے تھے۔ کیونکہ ہمت والے لوگ (اہلِ عزیمت) آسانی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

www.waseemziyai.com

سفر سے لوٹنے والا گفتگو کا خود آغاز کرے:

اہلِ طریقت کا یہ طریقہ ہے کہ سفر سے جب لوٹے تو اطمینان سے بیٹھ جائے۔ گفتگو کا سلسلہ خود شروع کرے۔ اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی مجھ سے بات کرے یا کوئی بات پوچھے۔ مستحب یہ ہے کہ جب اپنے مقام پر پہنچ جائے تو تین روز تک کسی نہ ملے جلے، نہ کہیں آئے جائے، نہ کسی مجلس میں شرکت کرے۔ جب تک کہ سفر کی تھکن اچھی طرح سے دور نہ ہو جائے اور طبیعت اپنے معمول پر نہ آ جائے۔ اس لیے کہ سفر سے طبیعت میں بوجھ سا محسوس ہونے لگتا ہے، سفر کی تکلیف کی وجہ سے مزاج میں بھی فرق آ جاتا ہے، اسی حکمت اور مصلحت کے تحت تین دن آرام وسکون کرنے کو روا رکھا گیا ہے۔ تین دن میں طبیعت کا بوجھ دور ہو جاتا ہے۔ باطنی حالت درست ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ اپنے باطنی نور سے مشائخ کی ملاقات اور زیارت کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے شیخ اور برادرانِ طریعت سے باطنی لطف اور فیض اسی وقت اُٹھا سکتا ہے جب اس کا باطن روشن اور منور ہو۔

ہمارے شیخ محترم اپنے مریدوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ''برادرانِ طریقت سے اس وقت بات چیت کیا کرو جب ان کا مزاج خوش گوار ہو۔ اس صورت میں تمہارے لیے زیادہ فائدہ ہے۔ اس لیے کہ اس وقت ان کے کلام کا نورانی فیض قلب کے نورانی فیض کے مطابق جاری ہوگا، اور سماعت کا نور بھی قلب کے نور کے اسی اندازے کے مطابق ہوگا''۔

رخصت ہوتے وقت رخصت کی اجازت حاصل کرے:

جب کوئی اپنے شیخ طریقت یا برادر طریقت کی زیارت کے لیے آئے تو ملاقات ختم ہونے پر رخصت ہونے کی اجازت طلب کرے، اسی بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''تم میں سے جب کوئی اپنے بھائی کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو واپسی کے لیے اس سے اجازت حاصل کرے، خواہ وہ کئی دن رہنے کا ارادہ رکھتا ہو''۔

اگر آنے والے (مہمان) کا کچھ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو اور اس کے پاس فرصت بھی ہو اور یہ بھی خدشہ ہو کہ اس فراغت اور بیکاری سے نفس بے عملی کا شکار نہ ہو جائے تو وہ خدمت کا کوئی کام اپنے ذمہ لے لے، — اور جو شخص ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہنے کا عادی ہے تو اس کے لیے یہ شغل کافی ہے کہ وہ اسی میں مشغول رہے، — اگرچہ خانقاہ والوں کی خدمت کرنا بھی عبادت میں شامل ہے۔

آنے والے کو چاہیے کہ وہ زاویہ کے شیخ یا سجادہ نشین کی اجازت کے بغیر خانقاہ سے باہر نہ نکلے، اور نہ ہی اس کی رائے کے بغیر کوئی کام کرے۔

یہ جو آداب و اعمال بیان کیے گئے، یہ سب خانقاہ والوں کے معمول کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

www.waseemziyai.com

باب نمبر۱۹:

متسبّب صوفیاء کے احوال

مختلف الاحوال صوفیاء کرام:

صوفیاء کرام کے احوال اس حوالے سے مختلف ہیں کہ وہ اسباب کو اختیار کریں یا اسباب سے اعراض کریں، ان میں سے:

- بعض ظاہری اسبابِ معیشت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں،
- بعض ظاہری اسباب سے بے تعلق رہتے ہیں،
- کچھ لوگ فتوح (نذرونیاز) پر گزر اوقات کرتے ہیں، نہ وہ مالِ دنیا کی رغبت رکھتے ہیں، نہ کسی پیشہ سے وابستہ ہوتے ہیں، نہ کسی سے سوال کر کے اپنی روزی کا ذریعہ بناتے ہیں،
- بعض لوگ کسب کے ذریعہ روزی کما کر کھاتے ہیں،
- کچھ وہ ہیں کہ جب فاقہ کی انتہاء ہونے لگتی ہے تو اس وقت سوال کرتے ہیں،

بہر حال ان سب حالتوں میں بھی وہ ایک حد تک بڑھتے ہیں اور اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

سوال کرنے سے گریز کرنا:

کوئی درویش اپنے نفس کو علم کے ذریعے قابو میں رکھے تو اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں اسے فہم وبصیرت عطا فرماتا ہے، چاہے وہ اسباب کو اختیار کرے یا اسباب کو ترک کرے، بہر حال درویش کو جہاں تک ممکن ہو، سوال کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے سوال نہ کرنے کے بارے میں ترغیب وترہیب (تنبیہہ) دونوں طرح سے منع فرمایا ہے۔

- ترغیب کے ذریعے منع فرمانے میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کون ہے جو میری ایک بات قبول کرے تو میں اس کے لیے جنت کا ذمہ دار بن جاؤں"۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! وہ میں ہوں"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ بات یہ ہے کہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگو"۔

اس ترغیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا کوڑا گر جاتا تو وہ کسی کو اُٹھا کر دینے کے لیے نہیں کہتے تھے بلکہ گھوڑے سے

www.waseemziyai.com

اتر کر اسے خود اُٹھا لیتے تھے۔

○ ـــ ترغیب کے سلسلے میں ایک اور روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے اگر کوئی شخص ایک رسّی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھے اور اپنی پیٹھ پر لاد کر اسے فروخت کرے اور اس سے اپنی روزی کمائے اور اسی میں سے صدقہ کرے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آئے اور اس سے سوال کرے، اور جس سے سوال کیا ہے، اس کی مرضی ہے وہ اسے کچھ دے یا نہ دے، ـــ بہر حال اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے''۔

○ ـــ حضرت بلال بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرا۔ ایک جگہ ہم دونوں بیٹھے تھے تو دورانِ گفتگو انہوں نے مجھے یہ بات سنائی کہ ایک دن ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ اس وقت میری بیوی نے مجھ سے کہا:

''تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ، کیونکہ فلاں فلاں صاحب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں کچھ عطا فرمایا تھا۔ لہٰذا تم بھی حضور سے کچھ مانگو، وہ کچھ نہ کچھ ضرور عطا کریں گے''۔

یہ سن کر میں روانہ ہوا۔ اور اپنے دل میں خیال کیا کہ میں آپ سے کچھ مانگوں گا۔ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ خطبہ میں یہ ارشاد فرما رہے تھے:

مَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفُّهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهُ اللّٰهُ وَمَنْ سَأَلَنَا فَوَجَدْنَاهُ اَعْطَيْنَاهُ وَاٰسَيْنَاهُ وَمَنْ اسْتَعَفَّ عَنَّهُ وَاسْتَغْنٰى فَهُوَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِمَّنْ سَأَلَنَا ۔

''جو نہیں مانگے گا اللہ تعالیٰ اُسے محفوظ رکھے گا، ـــ اور جو بے نیاز رہے گا (نہ لینا چاہے گا) اللہ اسے خوشحال کر دے گا، ـــ اور جو ہم سے کچھ مانگے گا ہم اسے دیں گے اور اس کے ساتھ غم خواری کریں گے، ـــ اور جو کوئی اسے چھوڑ دے اور اس سے بے پروائی ظاہر کرے (بے نیاز رہے) تو وہ ہمیں مانگنے والے سے زیادہ محبوب ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں اُلٹے قدموں واپس آ گیا اور آپ سے کچھ نہ مانگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے رزق میں اتنی وسعت عطا فرمائی کہ اب مجھے نہیں معلوم کہ انصار کا کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ مالدار ہے۔

سوال کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ترہیب و تخویف (تنبیہ کرنا اور ڈرانا) فرمائی، اس کے حوالے سے ارشاد ہے:

○ ـــ ''تم میں سے جو کوئی دست سوال دراز کرتا رہے گا، وہ اللہ کے حضور اس حال میں جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا نام و نشان نہ ہوگا''۔

○ ـــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مسکین (غریب) وہ نہیں جسے ایک یا دو لقمے یا ایک یا دو کھجوریں ملیں، ـــ بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں کے سامنے سوال نہ

www.waseemziyai.com

کرے، نہ کوئی اس کا ٹھکانہ جانتا ہو کہ وہاں جا کر اسے کچھ دے''۔

اللہ سے مانگتے ہوئے شرمانے والے:

سچے درویش اور حقیقی صوفی کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا۔ ان میں سے کچھ ادب والے ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بھی دنیا کی کوئی چیز مانگتے ہوئے شرماتے ہیں۔ ان میں اس قدر حیاء اور ادب ہوتا ہے کہ جب ان کا نفس کچھ مانگنے کا ارادہ کرتا ہے تو ہیبت الٰہی سوال کرنے میں آڑے آ جاتی ہے اور وہ مانگنے کے لیے جھولی پھیلانے کو بے ادبی اور گستاخی خیال کرتے ہیں۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ انہیں بن مانگے بہت کچھ عطا فرما دیتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالا گیا، اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام (گوپھن میں) فضا میں تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا:

''اللہ کے خلیل! کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ''مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں''۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ''آپ اپنے رب سے کچھ مانگئے''۔

آپ نے فرمایا: ''وہ میرا حال جانتا ہے''۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہ کھانے پینے سے درویش کمزور ہو جاتا ہے۔ عام لوگوں کی بجائے وہ اللہ تعالیٰ سے بندگی کے لیے قوت طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے مخلوق سے سوال کیے بغیر اس کا حصہ عطا فرما دیتا ہے۔

خواہشِ نفس پر اللہ سے رجوع کرے:

کسی نیک بندے کا یہ کہنا ہے کہ جب درویش کے نفس میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا یہ مطالبہ یا خواہش:

- ــــ تو رزق کے لیے ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے عنقریب ملنے والا ہے، اور اس خواہش کے وقت درویش کو اس کا علم ہو گیا ہو۔ کیونکہ درویشوں کو بعض دفعہ ان باتوں کا پتہ چل جاتا ہے جو واقع ہونے والی ہوتی ہیں، ــــ ایسی صورت میں وہ گویا آنے والے دنوں میں ہونے والی باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔
- ــــ یا دوسری صورت یہ ہے کہ نفس کی یہ خواہش کسی گناہ کی سزا ہوتی ہے جو اس سے واقع ہوا ہو۔

بہر حال جب درویش کے دل میں یہ خلش ہو اور اس کا نفس اپنی طلب پر بار بار تقاضا کرے تو اس وقت اسے چاہیے کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے:

''الٰہی! نفس کی یہ خواہش اگر کسی گناہ سے ہے تو میں تجھ سے بخشش اور معافی کا طلب گار ہوں۔ اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں، ــــ اگر میرے نفس کی یہ طلب اور خواہش اس رزق کے لیے ہے جو تو نے میرے لیے مقدر کر دیا ہے تو پھر وہ مجھے جلد عطا فرما دے''۔

www.waseemziyai.com

اس دعا کے بعد اگر اس کے مقدر میں رزق ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کا رزق اسے جلد ہی عطا فرمادے گا۔ ورنہ اس کے دل سے یہ خواہش و خلش جلد دور ہو جائے گی۔

فقیر کی شان یہ ہے:

فقیر کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی حاجتیں اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے۔ تو اللہ تعالیٰ:

- ○ — یا تو وہ چیزیں اسے عطا فرمادے گا،
- ○ — یا اس کے دل سے ان کی خواہش کو دور کردے گا،
- ○ — یا اسے ان خواہشوں پر صبر عطا فرمادے گا،

اللہ کی حکمت و قدرت کے بے شمار دروازے ہیں۔ وہ ان دروازوں میں سے حکمت و تدبیر کا دروازہ کھول دے گا، یا قدرت کی راہ سے کوئی دروازہ کشادہ کردے گا، اور خلاف عادت اسے کچھ نہ کچھ عطا فرمادے گا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ہے کہ جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس عبادت خانے میں آتے تھے تو ان کے پاس (بے موسم کے پھل اور) رزق موجود پاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے پوچھا:

''اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے پہنچا؟'' —

انہوں نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے''۔

اس بارے میں ایک درویش نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن میں بہت بھوکا تھا۔ اور میرے حالات ایسے تھے کہ میں کسی سے کچھ مانگ لوں، — میں بغداد کے کچھ گھروں کے سامنے سے اس خیال سے گزرا کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ہاتھ سے مجھے کچھ دلوادے۔ لیکن کہیں سے کچھ بھی نہ ملا، اور میں اسی طرح بھوکا سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے کہہ رہا ہے:

''فلاں جگہ پر جاؤ (اور وہ جگہ مجھے خواب میں دکھادی گئی) وہاں ایک نیلے رنگ کے میلے کپڑے میں روٹی کے کچھ ٹکڑے ہیں، انہیں اپنے کام میں لاؤ''۔

لہٰذا جو بندہ مخلوق سے تعلق توڑ کے صرف اللہ کا ہو جاتا ہے تو وہ اس وقت ایسے بے نیاز سے وابستہ ہو جاتا ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔ وہ جس طرح چاہے اس بندے پر اپنی حکمت و قدرت کے دروازے کھول سکتا ہے۔

بہر حال جو کوئی اپنی ذات سے کچھ مطالبہ کرنا چاہے تو وہ اس سے صبر و جمیل کا مطالبہ کرے، کیونکہ مخلص انسان کا نفس اس کی بات مانتا ہے۔

نفس سے قرض کا تقاضا:

ہمارے شیخ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دن میرا بیٹا پاس آیا اور کہنے لگا:

''مجھے ایک حبہ چاہیے'' — میں نے پوچھا: ''بیٹا! حبہ کو کیا کرو گے؟''

اس نے کہا: میں اس سے فلاں چیز خریدوں گا'' — پھر کہنے لگا:

www.waseemziyai.com

''اگر آپ اجازت دیں تو میں کسی سے حبہ قرض لے لوں'' ـــ میں نے کہا:

''ہاں! جاؤ اپنے نفس سے قرض لے لو، ـــ اس لیے کہ اس سے قرض لینا دوسروں سے قرض لینے سے کہیں بہتر ہے''۔

اس بات چیت کو کسی نے اس طرح سے نظم کیا ہے:

''اگر تو چاہتا ہے کہ مال قرض لے اور اسے خرچ کرے
نفس کی خواہشات میں، تنگی کے زمانے میں
تو نفس سے تقاضا کر کہ وہ صبر کے خزانے تیرے لیے
خرچ کردے، اور
خوش حالی کے زمانے تک نرم خوئی اختیار کرے
اگر نفس اس پر عمل کرے تو تو غنی ہے
اور اگر وہ انکار کردے تو ایک مجبور آدمی کے لیے
معذرت کرنے کی گنجائش بہت ہے''

دستِ طلب دراز کرنے کا موقع محل:

درویش جب اس بارے میں اپنی ساری کوششیں بروئے کار لے آئے اور ضعف وناتوانی بڑھتی چلی جائے اور اس کی حاجت وضرورت انتہا تک پہنچ گئی ہو اور وہ اپنے مولیٰ سے سوال کرنے کے بعد بھی کچھ نہ پائے اور اپنے روحانی مشغلہ کے باعث اسے کسبِ معاش کے لیے فرصت ہی نہ ہو تو اس مقام پر ایک درویش عالمِ اسباب کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور اسے دستِ سوال دراز کرنے کی اجازت ہے۔

بعض صالحین نے فاقہ کی اس نوبت پر پہنچ کر ایسا کیا ہے:

○ ـــ حضرت شیخ ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فاقہ کی انتہائی نوبت پر پہنچ کر اپنا ہاتھ پھیلاتے اور فرماتے:

''اللہ کے واسطے کچھ دے دو''۔

○ ـــ اسی طرح شیخ ابوجعفر الحداد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، ان کے بارے میں یہ منقول ہے کہ فاقہ کی حالت میں وہ مغرب وعشاء کے درمیان گھر سے نکلتے تھے، ـــ ایک بار دو دروازوں پر سوال کرتے۔ اور حاجت کے مطابق ایک یا دو دن کے لیے کچھ مل جاتا تو لوٹ آتے، اور جب وہ خرچ ہو جاتا تو پھر نکلتے۔

○ ـــ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہ بصرہ کی جامع مسجد میں عرصہ دراز تک اعتکاف میں رہے۔ آپ تین رات کے بعد افطار کرتے تھے۔ اس رات کی افطاری کے لیے وہ گھروں سے کچھ مانگ لاتے تھے۔

○ ـــ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ حجاز سے صنعاء (یمن) تک کا سفر اختیار کرتے۔ راستے میں لوگوں کی مہمانی پر گزر بسر کرتے تھے۔ لوگوں کے سامنے حدیثِ ضیافت (مہمان نوازی کی حدیث) بیان کرتے۔ لوگ ان کے سامنے کھانا لا

www.waseemziyai.com

کر رکھ دیتے۔ اس میں سے آپ اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتے اور باقی چھوڑ دیتے۔

بھوکا پیاسا مرنے والا جہنمی ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ہے اور اس نے کسی سے نہیں مانگا اور وہ بھوک (پیاس) سے مر گیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اور جو شخص صاحبِ علم و معرفت ہے، اور اللہ سے اس کا روحانی تعلق بھی ہے تو ایسے حالات میں اسے کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ بلکہ علم کی بدولت اسے مانگنے کی نوبت نہیں آئے گی، —— اور اگر سوال کرنا پڑا تو علم ہی کے ساتھ سوال کرے گا۔

اس حوالے سے ایک شخص کا ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ شخص بہت گناہ گار تھا۔ جب اسے غفلت سے نجات ملی تو اس نے سچے دل سے گناہوں سے توبہ کر لی، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق جوڑ لیا۔ وہ اپنی سرگزشت اس طرح سے بیان کرتا ہے:

''میں نے ارادہ کیا کہ جو قافلہ حج کے لیے جا رہا ہے، میں بھی اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں اور حج کرلوں، —— میں نے یہ پکا ارادہ کر لیا کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرا حال جانتا ہے، —— اس لیے اس کے علم ہی کو کافی سمجھوں گا، —— میں قافلہ کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ چند دنوں تک راستے میں یہی معمول رہا کہ اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت مجھے کھانا اور پانی مہیا فرماتا رہا۔ پھر اچانک یہ غیبی سلسلہ رک گیا، اور مجھے کھانے پینے کو کچھ نہ ملا۔ چند دن اسی طرح بھوکے پیاسے گزر گئے، نوبت یہاں تک آ گئی کہ بدن میں چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی۔ طاقت کے جواب دینے سے چلنے پھرنے سے عاجز ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ میں قافلے کے پیچھے رہنے لگا۔ آخر کار قافلہ کافی آگے نکل گیا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا:

> ''اب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے، چونکہ اب مجبوری اور اضطرار کی حالت ہے، اس لیے مجھے سوال کرنا چاہیے''۔

جب میں نے مانگنے کا ارادہ کیا تو میرے ضمیر نے سوال کرنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ تب میں نے خیال کیا:

> ''میں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا کہ کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا، —— میں اس عہد کو ہرگز نہیں توڑوں گا۔ عہد شکنی سے بہتر ہے کہ مجھے موت آجائے''۔

دل میں یہ طے کر کے میں ایک درخت کے سائے میں جا بیٹھا۔ انتہائی ضعف کے باعث میرا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا، جیسے مرنے سے پہلے سر ایک طرف کو ڈھل جاتا ہے، —— قافلہ بہت دور جا چکا تھا، میں اسی حالت میں موت کا منتظر تھا۔ اچانک ایک نوجوان میرے پاس آیا جس کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے مجھے ہلایا تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا مشکیزہ تھا۔ اس نے مجھے کہا: ''لو پانی پیو!'' —— میں نے پانی پیا، پھر اس نے میرے سامنے کھانا رکھا اور کہا: ''کھاؤ!'' —— میں نے کھانا کھایا، پھر اس نے کہا: ''کیا تم قافلہ میں شامل ہونا چاہتے ہو'' —— میں نے کہا: ''قافلہ تو گزر چکا مگر قافلے تک مجھے پہنچائے گا کون؟'' —— اس جوان نے مجھے کہا: ''اٹھو!'' —— اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے ساتھ چند قدم چلا، پھر مجھ سے کہا: ''بیٹھ جاؤ،

www.waseemziyai.com

تمہارا قافلہ یہاں تھوڑی دیر میں پہنچنے ہی والا ہے'' ــــ میں کچھ دیر ہی بیٹھا ہوں گا کہ میں نے دیکھا قافلہ مجھے تلاش کرتا ہوا میری طرف بڑھ رہا ہے، ــــ بس یہ ان لوگوں کی شان ہے جو اپنے مولیٰ کے ساتھ صدقِ دل کے ساتھ معاملہ کر لیتے ہیں۔

حاجت کے وقت اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ:

حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک صوفی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

''مؤمن کے لیے سب سے زیادہ حلال کھانا اس کے ہاتھ کی کمائی ہے''۔

کی اس طرح سے تاویل کی ہے کہ اس سے مراد فاقہ کشی کے وقت سوال کرنا ہے، ــــ مگر شیخ ابو طالب رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو پسند نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ جعفر خلدی نے اس تاویل کو ایک شیخ سے سنا تھا اور اسے نقل کر دیا، ــــ میرے خیال میں مذکورہ صوفی نے ہاتھ کے کسب سے وہ مراد نہیں لی ہے جس کا شیخ ابو طالب مکی نے انکار کیا ہے۔ بلکہ ہاتھ کے کسب سے مراد ضرورت کے موقع پر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اس کے سوال کو پورا کر دے اور اسے رزق عطا فرما دے۔ یہی سب سے زیادہ حلال کھانا ہے جسے مؤمن کھاتا ہے۔ اسی قسم کا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے کیا تھا:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○

''الٰہی! میں اس رزق کا محتاج ہوں جو تو نازل فرمائے''۔

قولِ موسیٰ علیہ السلام کی توضیح:

بارگاہِ الٰہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوال کے بارے میں یہ توضیح و تشریح ملتی ہے:

○ ــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال اس وقت فرمایا تھا، جب لاغری کی وجہ سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔

○ ــــ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا، جبکہ وہ ایک کھجور کی گٹھلی تک کے ضرورت مند تھے۔

○ ــــ حضرت شیخ مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اللہ کی قسم! اللہ کے نبی کے پاس کوئی چیز ہوتی تو وہ اس عورت کے پیچھے نہ جاتے۔ مگر تنگ دستی نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا تھا۔

○ ــــ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نصر آبادی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں مخلوق سے سوال نہیں کیا تھا بلکہ خالق سے سوال کیا تھا، اور انہوں نے نفس کی غذا طلب نہیں کی تھی، بلکہ روحانی غذا یعنی سکونِ قلب چاہا تھا۔

ناز و انداز و نیاز:

حضرت شیخ ابو سعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کا تعلق دو چیزوں سے ہے:

○ ــــ اوّل ان کی ذاتی چیزیں ہیں، یعنی جو کچھ ہے، اس کے لیے ہے۔

www.waseemziyai.com

○ —— دوسری چیز وہ ہے جو ان کا اصل مقصد ہے، یعنی اللہ کی ذات، یعنی جو چیز اس کی طرف ہے۔

یعنی مخلوق مالہم اور ما الیھم کے تردد میں ہے، —— لہٰذا جب کوئی اپنی چیزوں کا خیال کرے گا تو فقر کی زبان سے بات کرے گا، —— اور جب اپنے اصل مقصد کو مشاہدہ کرے گا تو ناز و انداز کی زبان استعمال کرے گا، —— کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ:

○ —— حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان اشیاء کے خواص کو دیکھا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کیا تو کس انداز سے کہنے لگے:

اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ○

''الٰہی مجھے اپنا جلوہ دکھا، تاکہ میں تیرا دیدار کرسکوں''۔

یہ حال اور ما الیھم پر شاہد ہے۔

○ —— اور جب انہوں نے اپنے نفس پر نظر ڈالی تو اپنے فقر و نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○

''الٰہی! میں اس رزق کا محتاج ہوں جو تو نازل فرمائے''۔

حضرت شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بندگی کی نظر سے اللہ کی طرف دیکھا تو خشوع و خضوع پیدا ہوا اور وہ نیازمندانہ انداز میں کلام کرنے لگے، —— اس وقت ان پر انوارِ الٰہی کا ورود ہو رہا تھا، —— یہاں وہ نیازمندی مراد ہے جو ایک غلام کو اپنے مولیٰ سے ہر حال میں ہوتی ہے، —— وہ نیازمندی نہیں جو سوال و طلب کے وقت ایک سائل میں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کا نیازمند ہے۔

○ —— شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ میں اس بات کا محتاج ہوں کہ جب تو نے مجھے علم الیقین تک پہنچایا، تو اب مجھے عین الیقین اور حق الیقین کا درجہ بھی عطا کر، —— کیونکہ مذکورہ بالا قول میں ''نازل کر'' کا جو لفظ آیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ قربِ الٰہی کی حقیقت سے دوری کا تھا۔ اس لیے کہ نازل کرنا تو ہو بہو فقر کی حالت سے ہے، —— اسی لیے انہوں نے صرف نزل پر قناعت نہیں کی، بلکہ انہوں نے اصل منزل یعنی نازل کرنے والے کے قرب کا ارادہ کیا۔

بہرحال جس کا فقر صحیح حالت میں ہو تو ہر حال میں دنیا اور آخرت دونوں جہان کے کاموں میں اس کی نیازمندی یکساں ہو گی۔ اور وہ دونوں جہان کے کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرے گا، اور دونوں منزلوں کی ضروریات صرف اسی مولیٰ سے طلب کرے گا جس کا وہ نیازمند ہے، اور اس کی نظر میں دونوں جہانوں کی ضروریات ایک جیسی ہوں گی، کیونکہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا اور کوئی مشغلہ نہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۲۰:

فتوح پر گزر اوقات والے صوفیاء

تعلق باللہ کے ثمرات:

جب صوفی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق محکم ومضبوط ہو جاتا ہے اور اپنے غایت درجہ تقویٰ کی بدولت وہ زاہد کامل بن جاتا ہے تو اس کے حال کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ذریعۂ معاش کے لیے سب کچھ چھوڑ دے، تب اس پر اصل توحید ظاہر ہوگی۔ اللہ کی ذات کامل طور پر اس کی کفالت کرے گی۔ اس کے دل کو فکر معاش سے بے نیاز کر دے گی،—— اپنے اس مقام کا اسے اس طرح سے علم ہوگا کہ اللہ کے فضل وکرم سے اسے اپنے ہر کام کی سزا و جزا کی خبر ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اگر اس سے کوئی معمولی سی ایسی غلطی بھی ہو جائے جس کی شریعت میں ممانعت ہو تو اسے فوراً اسی وقت یا اسی دن یہ محسوس ہوگا جیسے کوئی کہہ رہا ہو:

''مجھے اپنے اس گناہ اور اس خطا کا علم ہے کہ جو میرے ہاتھوں اپنے غلام سے سرزد ہوئی''۔

منقول ہے کہ کسی صوفی کے موزے کو چوہے نے کتر ڈالا۔ انہوں نے جب وہ موزہ دیکھا تو بہت غمگین ہوئے اور بزبانِ شعر کہنے لگے:

''اگر میں قبیلہ مازن میں سے ہوتا تو قبیلہ ذہل بنی شیبان کی شاخ کے لوگ میرے اونٹ نہ لے جاتے''۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تو اہلِ توکل سے ہوتا تو مجھے اپنے اس نقصان کا اس طرح سے افسوس نہ ہوتا،—— یہ سب تیرے کیے کی سزا ہے۔

شانِ بے نیازی:

اس مقام پر پہنچ کر صوفی کو ہر کام کی جزا حاصل ہوگی اور اس سے خداشناسی کی کیفیات پیدا ہوتی چلی جائیں گی،—— وہ صحیح طرح سے مراقبہ اور نفس کے محاسبہ میں محصور ہو جائے گا۔ اور اس حصار میں بندگی کے حقوق کے ضیاع سے محفوظ رہے گا، ایسے میں اسے فقط احکامِ الٰہی کی بجا آوری کے لیے ہوش رہے گا، غیر اللہ کی طاعت کے اثرات مٹ جائیں گے۔ اس وقت اسے مشاہدہ ہوگا کہ رزق دینے والا اللہ ہے، اور وہی اسے روکتا بھی ہے،—— یہ مشاہدہ جذبہ اور شوق سے حاصل ہوگا، فقط علم و ایمان پر اکتفاء کرنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ پھر اللہ کی مدد اس کے شاملِ حال ہوگی۔ اصل توحید سے آگاہی ہوگی اور اسے ہر طرف اللہ ہی کا فعل دکھائی دے گا۔

www.waseemziyai.com

اسی ضمن میں ایک بزرگ کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک بار انہیں اپنے رزق کے حصول کی فکر لاحق ہوگئی۔ رزق کی تلاش میں انہوں نے جنگل کا رُخ کیا۔ وہاں ایک مولا دیکھا جو اندھا، لنگڑا اور کمزور تھا۔ انہیں اسے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور یہ سوچنے لگے:

"یہ پرندہ جو اُڑنے، چلنے اور دیکھنے سے معذور ہے، اسے رزق کیسے ملتا ہوگا"۔

وہ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک زمین پھٹی اور اس میں سے دو مٹی کے پیالے برآمد ہوئے۔ ایک پیالے میں تل تھے اور دوسرے پیالے میں صاف پانی تھا۔ مولے نے تل کھا کر پانی پیا۔ زمین پھر پھٹ گئی اور دونوں پیالے اس میں غائب ہو گئے۔

یہ ماجرا دیکھ کر ان کے دل سے رزق کی فکر جاتی رہی۔

تجلیّاتِ الٰہی کا نزول:

اللہ اپنے بندے کو جب اس مقام پر سرفراز کرتا ہے تو اس کے دل سے روزی کا خیال جاتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنے اور کسی سے سوال کرنے کو عوام کا شغل سمجھنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ سبب کو بھی چھوڑ دیتا ہے، اور خود بے اختیار ہو جاتا ہے۔ تب وہ کسی غیر پر تکیہ نہیں کرتا بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس کے انعام کا مشاہد بن جاتا ہے۔ قسمت اس پر مہربان ہو جاتی ہے۔ انعام و اکرام کے دروازے اس پر کشادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ فعل الٰہی کی تاثیر دیکھتا ہے اور احکامِ الٰہی کا منتظر رہتا ہے۔ اس لیے اس پر تجلیّاتِ الٰہی کا نزول ہونے لگتا ہے۔

تجلیّات کا نزول قُربِ الٰہی کی نشانی ہے:

افعال کے ذریعے تجلیّات کا نزول قربِ الٰہی کی نشانی ہے۔ اس مقام سے ترقی کر کے صوفی صفات کے ذریعے تجلیّات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ تجلیٰ ذات کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے، — ان سب تجلیّات میں یقین کے مراتب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ حقیقتِ توحید کے مقامات تمام اشیاء سے اعلیٰ اور برتر مقامات ہیں۔

- — افعال کے ذریعہ تجلیّات کا نزول تسلیم و رضا کا اعلیٰ جذبہ پیدا کرتا ہے۔
- — صفاتی تجلیّات سے ہیبت (جلوۂ حقیقی) اور انس و محبت پیدا ہوتی ہے۔
- — تجلّی بالذات سے فنا اور بقا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

مرتبۂ فنا:

ترکِ اختیار و ارادے اور افعالِ الٰہی کے علم کا نام فنا ہے۔ یعنی اپنے ارادے اور خواہشات کو بالکل فنا کر دیا جائے، — خواہش کی لطیف ترین صورت کا نام ارادہ ہے، — یہ فنا، ظاہری فنا ہے، — جلوہ الٰہی کے ظہور سے وجود کے آثار کا مٹ جانا محو ہو جانا فنائے باطن ہے۔ یہ حالت تجلّی ذات کی صورت میں پیدا ہوتی ہے، اور یہ یقین کی اقسام کی سب سے کامل ترین قسم یا صورت ہے جو دنیا میں میسر آ سکتی ہے، — جہاں تک حکم ذات کی تجلّی کا تعلق ہے تو آخرت کے سوا اس کا ہونا کسی اور عالم میں ممکن نہیں ہے، — یہی وہ مقام ہے جس سے معراج کی شب رسول اکرم ﷺ سرفراز ہوئے، — جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "لن ترانی" (تم مجھے نہ دیکھ سکو گے) کہہ کر اس کے مشاہدہ سے منع کر دیا گیا تھا۔

www.waseemziyai.com

تجلی سے مراد کیا ہے؟:

یہ جو کچھ تجلی کے حوالے سے کہا گیا ہے، یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تجلی سے یہاں مراد یقین کے درجات اور بصیرت ہے، —— بندہ جب تجلی کی ابتدائی اقسام کے درجہ پر پہنچے گا، یعنی دوسروں کے افعال سے قطع نظر کر کے صرف فعل الٰہی کا مطالعہ کرتا رہے گا تو اسے ہر قسم کی فتوحات حاصل ہوں گی۔

فتوح کو قبول کر لینا چاہیے:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب کسی کو بن مانگے اور خلافِ توقع رزق مل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے قبول کر لے، —— اور اس سے اپنے رزق میں وسعت پیدا کرے، —— اگر یہ رزق پانے والا غنی ہے (یعنی اسے حاجت نہیں ہے) تب وہ اسے واپس نہ کرے بلکہ اس شخص کو دے دے جو اس سے زیادہ ضرورت مند ہے''۔

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان اپنی ضرورت سے زیادہ بھی قبول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی نیت ان لوگوں پر خرچ کرنے کی ہو، جو اس کی حاجت رکھتے ہوں گے، —— وہ اس رزق کو کیسے قبول نہیں کرے گا جبکہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ رزق کی یہ عطا اللہ کا فعل ہے۔

- —— بعض حضرات کوئی چیز لینے کے بعد اسے ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں،
- —— بعض حضرات اسے صرف کرنے میں اس وقت روکے رکھتے ہیں جب تک کہ انہیں یہ خاص علم نہ ہو جائے کہ انہوں نے جو کچھ لیا ہے، وہ بھی حق (یعنی درست) ہے، اور اس کا صرف کرنا بھی حق ہے۔

ہدایا و عطایا قبول کرنا:

شیخ ابوزرعہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد اپنے شیوخ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجھے کچھ عطا فرماتے تو میں یہ عرض کرتا:

''یارسول اللہ ﷺ! آپ یہ اس شخص کو مرحمت فرمادیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے''۔

اس پر آپ ﷺ یہ ارشاد فرماتے:

''اسے لے لو، —— اور یا تو اپنے خرچ میں لے آؤ، یا دوسروں کو دے دو، —— جب تمہارے پاس کوئی ایسا مال آئے جس کی تمہیں ضرورت نہیں ہے اور نہ تم نے اسے مانگا تھا، تو اسے قبول کر لو، اور جو نہ آئے اس کی طمع نہ کرو''۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہ کسی سے کچھ مانگتے تھے اور نہ کسی عطا کردہ شے کو واپس کرتے تھے، —— رسول اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے صحابہ کرام کی اس طرح تربیت فرمادی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی تدبیر کو چھوڑ کر اللہ کی حسن تدبیر کا مشاہدہ کریں۔

www.waseemziyai.com

علم حال کیا ہے؟

کسی نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''علم حال کیا ہے؟'' — آپ نے ارشاد فرمایا:
''تدبیر کو چھوڑ دینے کا نام علم حال ہے، — اگر یہ بات روئے زمین پر کسی ایک میں بھی پائی جائے تو وہ روئے زمین کا قطب بن جائے''۔

ہدایا وعطایا اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں:

حضرت زید بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''اگر کسی شخص کو اس کے (مسلمان) بھائی سے بنا مانگے کچھ ملے اور وہ احسان بھی نہ جتاتا ہو تو چاہیے کہ اسے قبول کر لے، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے رزق ہے، جو اس نے اپنی طرف سے اس کے پاس پہنچایا ہے''۔
جو شخص اللہ کے بھیجے ہوئے رزق کو قبول کر کے اللہ سے تعلق واسطہ رکھتا ہے تو وہ خطروں سے امن میں ہے۔ خطرہ تو اس کے لیے ہے جو اللہ کے بھیجے ہوئے رزق کو رد کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص آئے ہوئے رزق کو ٹھکرا دیتا ہے تو اس کا نفس اسے بہکا دیتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ:
''اگر یہ رزق قبول کر لیا تو لوگوں کی نظروں سے گر جاؤ گے، اس لیے اسے قبول نہ کرنا ہی بہتر ہے'' —
لیکن جو اسے قبول کر لیتا ہے اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں، نہ اسے ریاکاری کا کوئی اندیشہ ہوگا۔ بلکہ اسے قبول کر لینے سے اس کا صدق واخلاص ظاہر ہوا۔ اور جب وہ لے کر دوسروں کو دے گا تو اس کی حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔ بہرحال وہ دونوں حالتوں میں زاہد ہے۔ دوسرے لوگ اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھیں گے۔ لوگوں کو اس کی حالت (تنگ دستی) کا علم نہیں ہوگا۔ یہی وہ مقام ومرتبہ ہے جہاں زُہد در زُہد ثابت ہوتا ہے۔

اہلِ فتوح کے مختلف احوال وکیفیات:

- — اہلِ فتوح میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں پتہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس فتوحات آئیں گی۔
- — ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ انہیں فتوحات کے آنے کی خبر نہیں ہوتی۔
- — ان میں سے بعض وہ ہیں جو فتوح (نذرانوں) کا مال اس وقت تک نہیں استعمال کرتے، جب تک کہ انہیں اللہ کی طرف سے علم نہ ہو جائے۔
- — بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی طرف سے علم ہونے کا انتظار کیے بغیر ہی فتوح کا استعمال لیتے ہیں، — ان کا ہر فعل اللہ کا فعل ہوتا ہے، — انہیں ان پر فوقیت حاصل ہے جو علم حاصل ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اللہ کے ساتھ کامل معیت حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے ارادے اور ذاتی علم کو فنا کر کے اپنا اختیار بالکل ختم کر لیا ہے، —
- — بعض صوفیہ وہ ہیں جن کے پاس فتوح اس طرح آتی ہے کہ انہیں اس کا پہلے سے علم نہیں ہوتا، — اب وہ فعل کی نسبت یا اللہ کی طرف کریں، یا اس میں فعل الٰہی کا مشاہدہ کریں، — ایسے لوگ شرابِ محبت سے سرشار ہو کر محض مشاہدۂ نعمت ہی کے

www.waseemziyai.com

ذریعے رزق حاصل کر لیتے ہیں۔کبھی کبھار مخصوص نعمت کے تغیر سے یہ شرابِ محبت مکدر بھی ہو جاتی ہے۔بہر حال یہ حالت پہلی دو حالتوں کی نسبت کمزور تر ہے۔کیونکہ صدیقین کے خیال میں اس میں محبت وصداقت کی کمزوری پائی جاتی ہے۔

لین دین میں خودمختار ہی کامل صوفی ہے:

صاحبِ فتوح کبھی فتوح کے صرف کرنے میں بھی اسی طرح علم الٰہی کا انتظار کرتا ہے جس طرح وہ فتوح قبول کرنے میں علم الٰہی کا منتظر تھا، —— کیونکہ جس طرح فتوح قبول کرنے پر نفس ترغیب دلاتا ہے، اسی طرح اس کے خرچ کرنے میں بھی نفسانیت کا خدشہ ہے۔

بہر حال کامل تر صوفی وہ ہے جو فتوح کو قبول کرنے اور اسے خرچ کرنے (لین دین) میں خود مختار ہے۔شرط یہ ہے کہ وہ صحیح طریقے سے تصرف کرنے کا اہل ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ (دونوں صورتوں یعنی فتوح قبول کرنے اور اس کے خرچ کرنے میں) علم کا انتظار اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس میں تہمتِ نفس کا خدشہ ہوتا ہے۔یعنی اس میں ابھی خواہش نفس باقی رہتی ہے۔چنانچہ جب نفسانیت کا الزام دور ہو جائے اور صریح علم حاصل ہو جائے تو پھر بار بار نئے علم کی ضرورت نہیں رہتی۔کیونکہ اس وقت اس کی حالت اس شخص کی طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت بن جاتا ہوں، —— پھر وہ میرے ذریعے سے سنتا ہے، میرے ہی ذریعے سے دیکھتا ہے اور بولتا ہے''۔

صوفی کو جب فتوح کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے تو پھر وہ صحیح تصرف بھی کر سکتا ہے مگر یہ سُنّت بہت ہی نایاب ہے۔

ہمارے شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ حماد الدباس رحمۃ اللہ علیہ[۱] کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ شیخ دباس فرماتے ہیں کہ میں فضل الٰہی کے کھانے کے سوا اور کھانا نہیں کھاتا تھا۔اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ خواب میں کسی کو یہ بتا دیا جاتا تھا کہ میرے (یعنی حماد دباس) کی طرف کوئی چیز بھیجی جائے بلکہ خواب دیکھنے والے کو یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ حماد کے پاس اتنی مقدار میں بھیجی جائے، —— ادھر شیخ حماد دباس رضی اللہ عنہ اپنے مکاشفہ یا خواب میں یہ مشاہدہ کر لیتے تھے کہ ان کے لیے فلاں شخص پر یہ چیزیں اتاری گئی ہیں، اور وہ یہ سب بطور نذرانہ تمہارے حضور میں پیش کر دے، —— شیخ حماد دباس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''جو جسم خدائی رزق سے پرورش پاتا ہے وہ بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے''۔

خدائی رزق یا رزق فضل سے مراد وہ فتوحات ہیں جو اہلِ باطن کو حاصل ہوں۔بہر حال جسے یہ فتوح حاصل ہوں، وہ اللہ کی طرف سے غنی اور دولت مند رہتا ہے، یعنی وہ غنی باللہ ہوتا ہے۔

شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

۱ —— آپ کا نام حماد بن مسلم اور کنیت ابو عبداللہ تھی، —— تازہ کھجور سے نکلنے والا عرق دبس کہلاتا ہے، اس مناسبت سے دباس کے معنی دوشاب فروش کے ہیں۔علوم حقائق کے علمائے راسخین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔آپ کے خوارقِ عادات اَن گنت ہیں۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے صحبت یافتہ تھے۔ماہ رمضان ۵۲۵ھ میں وصال ہوا۔

www.waseemziyai.com

''اللہ کی ذات کا نیاز مند ہونا مریدوں کا اعلیٰ مرتبہ ہے، ـــــ اور اللہ کے لیے مخلوق سے بے نیاز ہونا صدیقین کا اعلیٰ مرتبہ ہے''۔

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عارف کی تدبیر خدا کی تدبیر میں فنا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فتوح حاصل کرنے والا اللہ سے واقف ہے اور ہر وقت اس کا مشاہدہ کرتا ہے''۔

فتوح کے حوالے سے کچھ حکایات:

فتوح کے حوالے سے بہت سے واقعات اور حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے یہ حکایت بہترین ہے کہ کسی نے شیخ نووی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اور سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص کو شیخ نوری کی یہ بات بہت بُری لگی۔ وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا:

''تمہیں شیخ نوری کا سوال کرنا بُرا محسوس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگ رہے ہیں، بلکہ وہ تو لوگوں کی آخرت کی کچھ ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔ لوگوں کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے، بلکہ وہ تو اجر پا رہے ہیں''۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ایسا ہے جیسا کہ کسی نے یہ کہا ہے:

''لینے والے کا ہاتھ سر بلند ہوتا ہے کیونکہ وہ قبول کر کے لوگوں کو اجر و ثواب دلاتا ہے''۔

اس کے بعد حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ترازو لاؤ، ـــــ چنانچہ ترازو لایا گیا۔ آپ نے اس میں سو درہم تولے اور پھر مزید ایک مٹھی بھر کر درہم ان سو درہموں پر ڈال دیئے اور اس شخص سے فرمایا:

''انہیں شیخ نوری کے پاس لے جاؤ'' ـــــ راوی کہتا ہے:

''میں اپنے دل میں بڑے شش و پنج میں تھا اور یہ سوچتا تھا کہ شیخ جنید نے پہلے تو ان کی تعداد معلوم کرنے کے لیے تولا تھا، پھر ان تلے ہوئے درہموں پر بغیر تول کے مزید درہم کیوں ملا دیئے، حالانکہ وہ بہت صاحبِ دانش انسان ہیں۔ اس خیال کے باوجود میں حضرت جنید سے اس کا بھید نہیں جان سکا اور اصل بات پوچھنے میں شرم محسوس ہوئی''۔

میں یہ تھیلی لے کر شیخ نوری کے پاس حاضر ہوا اور انہیں وہ تھیلی پیش کی۔ انہوں نے ترازو منگوا کر سو درہم تول کر الگ کر لیے اور کہنے لگے:

''یہ انہیں لوٹا دو اور کہہ دو کہ میں تمہاری کوئی چیز قبول نہیں کرتا''۔

اور سو درہم میں حضرت جنید نے جو زائد درہم شامل کیے تھے، شیخ نوری نے وہ اپنے پاس رکھ لیے۔ یہ معاملہ دیکھ کر مجھے پہلے کی نسبت زیادہ حیرت ہوئی۔ میں نے شیخ نوری سے اصل بات دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

''شیخ جنید بہت دانا بینا آدمی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ رسّی کو دونوں طرف سے پکڑے رہیں، ـــــ انہوں نے اپنا ثواب حاصل کرنے کے لیے سو درہم تول کر مجھے بھیجے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے بغیر تولے مٹھی بھر درہم اور ملا دیئے، ـــــ لہٰذا جو درہم بغیر تولے رکھے تھے، وہ میں نے لے لیے اور جو انہوں نے تول کر اپنے ثواب کے لیے رکھے

تھے، وہ میں نے لوٹا دیئے''۔

میں یہ سود رہم لے کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس پہنچا۔ اور انہیں سب حال کہہ سنایا۔ ساری بات سن کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور فرمایا:

''انہوں نے اپنا مال لے لیا اور ہمارا مال واپس کر دیا''۔

تیس دائرے، غیبی امداد:

ہم نے اپنے شیخ کے ایک ساتھی سے یہ عجیب وغریب واقعہ سنا ہے۔ ایک دن شیخ محترم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''آج ہمیں ایک چیز کی ضرورت ہے۔ تم اپنی اپنی خلوت گاہوں میں جاؤ اور اللہ سے سوال کرو۔ وہ تم پر جس چیز کا انکشاف فرمائے، وہ مجھے آ کر بتا دو''۔

آپ کے ارشاد کے مطابق ہم سب نے ایسا ہی کیا۔ جب سب ساتھی اپنی اپنی معلوم شدہ چیز بتا چکے تو ان کے بعد ایک صاحب اسماعیل البطائحی نے ایک کاغذ پیش کیا جس پر تیس دائرے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس چیز کا انکشاف کیا ہے''۔

شیخ محترم نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس بات کو کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ایک شخص آیا، اس کے پاس سونا تھا جو اس نے شیخ محترم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شیخ نے اس کے کاغذ کو کھولا تو اس میں تیس اشرفیاں تھیں۔ شیخ محترم نے وہ اشرفیاں صوفی اسماعیل البطائحی کے دائروں والے کاغذ پر رکھیں۔ ہر اشرفی ہر دائرے میں ٹھیک ٹھیک آ گئی۔ اس وقت شیخ محترم نے فرمایا:

''یہ فتوح شیخ اسماعیل البطائحی کی ہے''۔

پھر اس مکاشفہ کا مفہوم سب مریدین کو سمجھایا۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

میرے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو یہ پیغام بھجوایا:

''تمہارے پاس فلاں شخص کا غلہ اور سونا رکھا ہوا ہے۔ اس میں سے مجھے اس قدر غلہ اور سونا پہنچا دو۔

اس شخص نے کہا:

''میں کسی کی امانت میں کیسے تصرف کر سکتا ہوں، ـــــ اگر میں آپ سے فتویٰ لوں تو آپ اس تصرف کے لیے فتویٰ نہیں دیں گے''۔

اس شخص کے اس عذر کے باوجود حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سونا اور غلہ دینے کے لیے اصرار کیا۔ اس شخص نے حضرت شیخ سے حسنِ ظن کی بناء پر ان کا مطلوبہ غلہ اور سونا پیشِ خدمت کر دیا۔ اس کے کچھ دن بعد اس شخص کو امانت رکھوانے والے کی طرف سے ایک خط ملا، جو اسے عراق کے نواح سے لکھا گیا تھا۔ اس خط میں تحریر تھا:

''میری امانت میں سے اتنی اتنی مقدار میں سونا اور غلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دو''۔

www.waseemziyai.com

خط میں تحریر کردہ مطلوبہ اشیاء کی مقدار اسی قدر تھی، جس قدر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے طلب فرمائی تھی۔ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو توقف کرنے پر شرم دلائی اور ارشاد فرمایا:

''کیا تم درویشوں کی فتوح کے بارے میں یہ گمان کرتے ہو کہ ان کے اشارے غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہوتے ہیں''۔

اللہ سے بندے کا معاملہ درست ہونا چاہیے:

اگر اللہ سے بندے کے معاملات درست ہوں اور وہ اپنی خواہشوں کو اللہ کی رضا میں فنا کردے تو اللہ تعالیٰ:

○ — اس کے دل سے دنیا کے غم دور کر دیتا ہے،

○ — اس کے دل کو غنی بنا دیتا ہے،

○ — اس پر سہولت و آسانی کے دروازے کھول دیتا ہے،

بعض درویشوں کے دل پر جو افکار ہجوم کیے رہتے ہیں، اس کا سبب یہی ہے کہ:

○ — اس صوفی کی اللہ کی یاد میں مشغولیت کامل نہیں ہے،

○ — بندگی کے حقوق ادا کرنے میں ابھی کوتاہی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق جس قدر کم ہوگا، وہ دنیا کے فکروں میں اسی قدر مبتلا ہوں گے، — اگر وہ اللہ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جائیں تو دنیا کی فکروں اور تکلیفوں میں مبتلا نہ ہوں گے، ان کی قناعت اور روحانیت میں ترقی ہوگی۔

روایت ہے کہ حضرت عوف بن عبداللہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کے تین سو ساٹھ مخلص دوست تھے، وہ ہر ایک کے پاس ایک دن ٹھہرتے، اس طرح ان کا پورا سال مہمانی میں گزر جاتا، — ایک اور درویش تھے جن کے تیس مخلص دوست تھے، وہ بھی ہر ایک کے پاس ایک دن ٹھہرتے، اس طرح ان کا ایک مہینہ مہمانی میں گزر جاتا، — اسی طرح سے ایک اور بزرگ تھے، ان کے سات بھائی تھے، وہ ہفتہ میں ایک ایک دن ہر ایک کے ہاں ٹھہرتے، اسی طرح ان کا بھی ایک ہفتہ مہمانی میں گزر جاتا، — ان کے یہ دوست اور میزبان بھائی سب جانے پہچانے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو کسی خدا رسیدہ شخص کی خدمت پر لگا دے تو یہ ایک بہت ہی خوش گوار نعمت ثابت ہوتی ہے۔

معلوم رزق منحوس نہیں، مبارک ہوتا ہے:

حضرت شیخ ابومسعود رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خدا رسیدہ، اعلیٰ روحانیت کے مالک اور اشیائے کائنات میں فعل الٰہی کے اسرار آشنا تھے۔ اپنے ارادہ اور اختیار کو ترک کرنے والے تھے، بلکہ اس خصوص میں وہ تمام متقدمین صوفیہ میں ممتاز تھے۔ ان کی اعلیٰ درجہ کی روحانیت اور قوت کا مشاہدہ تو ہم نے بھی کیا ہے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے حضرت شیخ ابومسعود رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کے لیے روزانہ کچھ مقررہ روٹیاں بھیج دیا کروں، مگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ صوفیاء کا کہنا ہے کہ معلوم رزق منحوس (المعلوم شوم) ہوتا ہے''۔

www.waseemziyai.com

یہ سن کر حضرت شیخ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''معلوم شوم'' کو ہمارے لیے پاک وصاف کر کے بھیج دیتا ہے۔ ہم تو معلوم شے کو منحوس نہیں کہتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خود حصہ مقرر کرتا ہے، جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور جو وہ ہماری قسمت میں مقرر کر دے، اسے ہم مبارک سمجھتے ہیں، اسے منحوس نہیں خیال کرتے''۔

منحوس رزق سے انشراحِ صدر نہیں ہوتا:

حضرت شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کے حوالے سے ابوبکر بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ حضرت ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنایا۔ حضرت ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں اور عمرو المکی اور عیاش بن المہدی تیس سال ایک ساتھ رہے۔ ہمارا معمول تھا کہ ہم ظہر کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہم دنیا چھوڑ کر مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس ایک پیسہ بھی مال نہیں تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم کئی دن تک فاقے سے رہتے تھے، مگر کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔ جب بغیر مانگے اور سوال یا اشارہ کیے کچھ مل جاتا (فتوح حاصل ہو جاتی) تو ہم اسے قبول کر لیتے اور کھا لیتے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بھوکے رہتے، — جب بھوک سے ہماری حالت بگڑنے لگتی اور فرائض کے ادا کرنے میں سکت نہ رہتی اور اس میں کوتاہی کا خدشہ ہوتا تو ہم شیخ ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے جاتے۔ وہ ہمیں طرح طرح کے کھانے تیار کر کے کھلاتے۔ ان کے علاوہ ہم کسی اور کے پاس نہیں جاتے تھے۔ ان کے زہد وتقویٰ پر ہمیں بھروسہ تھا۔ انشراحِ صدر ان کے کھانے سے ہی حاصل ہوتا تھا''۔

رازق خدا کی ذات ہے:

○ — کسی نے حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا:

''ہم تمہیں روزی کماتے ہوئے نہیں دیکھتے تمہارا معاش کا ذریعہ کیا ہے''۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''میرا مولیٰ کتے اور سؤر کو رزق پہنچا سکتا ہے تو کیا تمہارے خیال میں ابویزید کو رزق مہیا نہیں کرے گا''۔

○ — شیخ مظفر القرمسینی کا کہنا ہے:

''فقیر وہ ہے جو اللہ کے سامنے اپنی کوئی حاجت نہ بیان کرے''۔

○ — کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ فقر کیا ہے؟ — انہوں نے ارشاد فرمایا:

''حاجت کا دل میں پیدا ہو جانا اور اللہ کے سوا کسی سے اس کا اظہار نہ کرنا، اور اسے دل ہی دل میں پوشیدہ رکھنا فقر ہے''۔

○ — ایک اور بزرگ کا یہ ارشاد ہے:

''فقیر کا خیرات لینا اس ذات کی طرف سے ہے جو اسے دیتا ہے، اس شخص سے (درمیانی واسطے سے) نہیں، جس کے ہاتھ سے خیرات ملی ہے، — اور جس نے درمیانی واسطوں سے قبول کیا، وہ محض نام کا درویش ہے کیونکہ وہ پست ہمت ہے''۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ ہمارے شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حوالے سے شیخ ابوسلیمان الدارانی کا یہ قول بیان فرمایا:

''زاہدوں کا آخری قدم، توکل کرنے والوں کا پہلا قدم ہے''۔

رہبانیت اختیار کرنا ممنوع ہے:

روایت ہے کہ ایک عارف نے دنیا سے اس طرح سے کنارہ کشی اختیار کی کہ وہ سب لوگوں کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔ اور یہ عہد کرلیا:

''میں کسی شخص سے کوئی شے نہیں مانگوں گا، اور یہ کہ میرا رزق میرے پاس خود آئے گا''۔

چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں جا پہنچے، وہاں سات دن تک ٹھہرے رہے۔ لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ حتیٰ کہ وہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت انہوں نے یہ دعا مانگی:

''الٰہی! اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو میرے نصیب کا لکھا رزق مجھے عطا کر! ورنہ مجھے اپنے پاس اُٹھا لے!''

اس وقت اللہ کی طرف سے انہیں یہ الہام ہوا:

''مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں تمہیں اس وقت تک رزق نہیں دوں گا جب تک کہ تم بستی میں نہ جاؤ اور لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا شروع کردو''۔

چنانچہ وہ جنگل سے واپس شہر میں آگئے اور لوگوں کے ساتھ ملے جلے۔ اسی وقت کوئی ان کے لیے کھانا لے آیا، کسی نے پانی پیش کیا، ـــ کھانے پینے کے بعد کچھ خوف زدہ سے ہوگئے۔ اس وقت غیب سے آواز آئی:

''تم چاہتے تھے کہ دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی حکمت اور نظامِ عالم کو باطل کردو، ـــ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ کو اپنی قدرت کے ہاتھوں سے رزق دینے سے زیادہ مرغوب و محبوب یہ ہے کہ بندوں کو بندوں کے ہاتھوں سے رزق پہنچایا جائے''۔

بہر حال جو فتوحات پر تکیہ کیے ہو اور اس کا متمنی ہو، اس کے لیے بندوں کا ہاتھ اور فرشتوں کا ہاتھ دونوں یکساں ہیں۔ اس کے خیال میں قدرت و حکمت میں کچھ فرق نہیں۔ اس کے لیے جنگلوں میں جانا اور تعلقات قطع کرکے بیٹھ جانا اور دنیاوی اسباب کو دیکھ کر ان پر فریفتہ ہوجانا ایک سا ہے، ـــ جب نظریہ توحید صحیح ہو تو انسان کی نظر سے دنیاوی اسباب معدوم ہوجاتے ہیں۔

معاش کا ارادہ کلید قدرت سے کھولنا چاہیے:

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''جس نے معاش کا دروازہ قدرت کی کلید کے بغیر کھولنا چاہا، اسے مخلوق کے سپرد کردیا گیا''۔

ایک زاہد و عابد بزرگ اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بڑا صنعت کار تھا۔ حالات نے اس طرح سے گھیرا کہ میں اس ذریعۂ معاش کو ترک کردوں، میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ پھر میرے رزق کا ذریعہ کیا ہوگا، ـــ اسی وقت غیب سے فرشتے کی آواز آئی:

''تم دنیا کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو۔ لیکن اپنے رزق کے معاملے میں مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ یہ تو میرا ذمہ ہے

www.waseemziyai.com

کہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ولی کو تمہارا خادم کر دوں، ــــ یا اپنے دشمنوں میں سے کسی منافق کو تمہارا تابع کر دوں''۔

دنیا کو مخدوم بننا پسند نہیں:

جب صوفی کی روحانی حالت صحیح ہو، اس کی ساری خواہشیں مٹ جائیں اور اس کی دنیاوی طمع باقی نہ رہے، تب اسے وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا اس کی خدمت کرے۔ گی اور اس کی خادمہ بن کر رہنا پسند کرے گی، مگر وہ اس کا مخدوم بننا پسند نہیں کرے گی۔ صاحبِ فتوح نفس کی ہر خواہش اور ہر جنبش کو گناہ اور جرم خیال کرے گا۔

اربابِ صدق کی روحانی کیفیات:

روایت ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک دن شارع باب الشام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے آٹا خریدا۔ اس وقت وہاں کوئی قلی یا مزدور نہ تھا۔ آخرکار ایوب نام کا ایک حمال (قلی) مل گیا۔ امام احمد اس سے آٹا اُٹھوا کر گھر لے آئے۔ حضرت امام احمد نے ایوب حمال کو اُجرت دی۔ جب اسے اُجرت دے کر گھر میں واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ گھر والوں نے باقی ماندہ آٹے کی روٹیاں پکا لی ہیں۔ روٹیاں چونکہ زیادہ ہو گئی تھیں، اس لیے سکھانے کے لیے تخت پر پھیلا دی تھیں۔ ایوب حمال نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ ہمیشہ روزے سے رہا کرتے تھے۔ امام احمد نے اپنے بیٹے صالح سے کہا:

''تم ایوب کو روٹی دے دو'' ــــ صالح نے ایوب کو دو روٹیاں دیں مگر انہوں نے واپس کر دیں۔ امام احمد نے فرمایا: ''انہیں یہاں رکھ دو'' ــــ جب کچھ دیر گزر گئی تو امام احمد نے اپنے بیٹے صالح سے پھر کہا: ''ایوب کو روٹیاں دے دو'' ــــ اس بار ایوب نے صالح سے روٹیاں لے لیں۔ اس پر صالح کو بہت تعجب ہوا۔ امام احمد بن حنبل نے ان کی حیرت کو بھانپ لیا اور فرمایا:

''تم ایوب کے پہلی بار روٹیاں واپس کرنے اور دوسری بار لے لینے پر حیران ہو''۔

صالح نے کہا: ''جی ہاں!'' ــــ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایوب ایک نیک آدمی ہے۔ پہلی بار جب اس نے روٹیاں دیکھیں تو اس کے نفس میں ان کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس لیے جب ہم نے اس کی نفسانی خواہش کو پورا کرتے ہوئے اسے روٹیاں دیں تو اس نے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے روٹیاں واپس کر دیں، ــــ اور جب وہ ملنے سے مایوس ہو گیا تو ہم نے روٹیاں دوبارہ ان کو دیں تو اس نے انہیں (فتوح خیال کرتے ہوئے) قبول کر لیا''۔

یہ اربابِ صدق کا حال ہے:

- ــــ اگر وہ کبھی سوال کرتے ہیں تو صحیح علم کے ساتھ سوال کرتے ہیں،
- ــــ اگر وہ سوال کرنے سے باز رہتے ہیں تو وہ ایک حال اور روحانی کیفیت ہوتی ہے،
- ــــ اگر وہ کسی چیز کو قبول کرتے ہیں تو علم کے بعد (شک دور ہونے پر) قبول کرتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

ضرورت سے زیادہ لینے والا صوفی نہیں:

جس صوفی کو فتوح کا مقام عطا نہیں ہوا، وہ صحیح علم کی شرط کے تحت سوال یا کسب کر سکتے ہیں۔ مگر جو ضرورت کے بغیر اور حاجت سے زیادہ طلب کرے تو جان لینا چاہیے کہ اس کا صوفیاء کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں، ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کو مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ سائل کو کھانا دے دو''۔

انہوں نے کہا: ''میں نے کھانا دے دیا ہے'' ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غور سے دیکھا تو اس کی بغل کے نیچے روٹیوں سے بھری ہوئی جھولی نظر آئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''کیا تیرے اہل وعیال ہیں؟'' ـــ اس نے کہا: ''نہیں!'' ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تو سائل نہیں سوداگر ہے'' ـــ یہ کہہ کر اس کی جھولی لے لی اور خیرات لینے والوں کے سامنے بکھیر دی اور اسے دُرّے مارے۔

فقر میں ثواب وعذاب دونوں ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے فقر میں ثواب بھی رکھا ہے اور عذاب بھی رکھا ہے''۔

○ ـــ جس فقر میں ثواب ہے، اس کی یہ پہچان ہے کہ درویش کے اخلاق اچھے ہوں، اپنے رب کا اطاعت گزار ہو، اپنے حال کا شکوہ نہ کرے، بلکہ اپنے فقر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے،

○ ـــ اور جس فقر میں عذاب اور سزا ہے، اس کی یہ پہچان ہے کہ اس کے اخلاق بُرے ہوں، اپنے رب کا نافرمان ہو، اپنے حال کی شکوہ شکایت کرے اور تقدیر وحکمِ الٰہی پر نالاں رہے۔

اسی لیے صوفیاء کرام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خواہ انہیں فتوح حاصل ہو، یا وہ علم کے ساتھ سوال کریں، وہ ہر موقع پر حسنِ ادب کا خیال رکھتے ہیں، اور بدلتی ہوئی حالت میں اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۲۱:

صوفیاء کے ازدواجی معاملات

صوفی ہر حالت میں اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے:

صوفی درویش خواہ مجرد (غیر شادی شدہ) ہو یا متاہل (شادی شدہ)، وہ ہر حالت میں اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، یعنی:

○ ــــ صوفی اگر متاہل (شادی شدہ) زندگی اختیار کرتا ہے، یعنی اگر نکاح کرتا ہے تو صرف اللہ کے لیے، بالکل اسی طرح جیسے وہ اب تک صرف اللہ کے لیے مجرد رہا تھا۔

○ ــــ جس طرح اس کے تجرد کا ایک خاص مقصد اور وقت ہے، اسی طرح اس کی متاہل (شادی شدہ) زندگی کا بھی ایک مقصد اور وقت ہے۔

ایک سچا صوفی مجرد رہنے اور شادی کرنے کے مناسب وقت کو خوب جانتا ہے۔ کیونکہ اس کی سرکش طبیعت کے منہ میں علم کی لگام ڈال دی گئی ہے۔ جب تک اس کی زندگی میں تجرد بہتر ہوتا ہے، وہ مجرد رہتا ہے۔ اس کی طبیعت نکاح کے لیے جلد راغب نہیں ہوتی، ــــ اس کے نفس میں جب یہ صلاحیت پیدا ہو جائے، اس وقت وہ شادی کے لیے قدم اُٹھاتا ہے۔ اس کا نفس نرم ہو کر اس کا مطیع وفرماں بردار ہو جائے، اس سے جو چاہا جائے اسے وہ قبول کرے، نفس کی مثال ایک لڑکے کی ہے جو خوش نما کام شوق سے کرتا ہے اور نقصان دینے والی باتوں سے بچ کے رہتا ہے۔

نفس جب مطیع وفرماں بردار ہو جائے تو وہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور قلب سے جنگ کرنے سے بیزار ہو جاتا ہے۔ تب نفس اور قلب دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دی جاتی ہے، پھر دونوں کے معاملات کو بھی انصاف کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

شریکِ زندگی کا انتخاب:

صوفیاء کرام ایک مقررہ وقت (یعنی جب مقدر کا لکھا پورا ہو جائے) تک مجرد کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے لیے شریکِ زندگی کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہو گا اور اس کے لیے ظاہری اسباب بھی مہیا فرما دے گا۔ جن کے ذریعے وہ شریک زندگی سے ہنسی خوشی بسر کرتا ہے اور اللہ ان کے لیے رزق بھی مہیا فرما دیتا ہے۔

اور اگر معاملہ اس طرح سے ہے کہ مرید نکاح کرنے میں جلد بازی سے کام لے، اور اس کی طبیعت نکاح کی ذمہ داریوں سے خوف زدہ نہ ہو، اس میں جہالت غالب ہو جائے، اور شہوتِ نفسانی کا دھواں اُٹھ کر علم کی شمع کو بجھا دے، اور جس بلند مقام پر اس کی

www.waseemziyai.com

روحانیت قائم ہے، اس بلندی سے پستی میں گر جاتا ہے۔ اور اس اعلیٰ مقام کو کھو دیتا ہے، پھر وہ صداقت وعقیدت کی شرائط پر پورا نہیں اتر سکتا۔ بلکہ اس رخصت اور سہولت کی پستی میں گر جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے عام مخلوق کے لیے از راہِ لطف وکرم مقرر فرمادی ہے۔ (یعنی لوگوں کی طرح نکاح سے لطف ولذت اندوز ہوگا۔) لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس طرح سے درویش کی روحانی زندگی کے لیے زبردست خسارہ اور نقصان ہے۔ اس طرح کی جلد بازی مردانِ کار کی پستی کا باعث بن سکتی ہے۔

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرید جب اس حالت میں ہو جہاں ترقی اور زیادتی کی اُمید ہو، اس حالت میں وہ کسی ابتلاء میں داخل ہو جائے، اور اس ابتلاء میں اُسے پست حال کی طرف لوٹنا پڑے تو یہ اس کے لیے زبردست نقصان اور ایک عظیم حادثہ ہے۔

شادی سے بے رغبتی کیوں:

ایک درویش سے کہا گیا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے، ــــ انہوں نے جواب دیا:

''عورت صرف مردوں کے لیے ہوتی ہے اور میں ابھی تک مردوں کے مقام تک نہیں پہنچا، اس لیے میں شادی کیسے کر سکتا ہوں''۔

اس حکایت کا مطلب یہ ہے کہ صادق ومخلص درویش کے بلوغ کا (عوام کے بلوغت سے مختلف والگ تھلگ) خاص وقت ہوتا ہے جب وہ اس بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں، اس وقت وہ نکاح کرتے ہیں۔

تجرد وتزویج کی فضیلت:

مجرد رہنے اور نکاح کرنے کے حوالے سے مختلف احادیث ہیں۔ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی ان میں تجرید کی بھی فضیلت ہے اور تزویج کی بھی، ــــ رسول اللہ ﷺ کے ان فرمانات میں رنگا رنگی کی وجہ یہ ہیں:

- ○ ــــ بعض احادیث لوگوں کے حالات کے اعتبار سے تجرید کی فضیلت میں ہیں، یعنی جن لوگوں کے لیے مجرد رہنا بہتر ہے۔
- ○ ــــ بعض احادیث لوگوں کے احوال کے تقاضے کے باعث تزویج وتاہل کی فضیلت میں ہیں، یعنی جواز دواجی زندگی ہی میں فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

بہر حال آثار واخبار میں یہ تعارض واختلاف صرف ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں نے اپنے انتہائی تقویٰ اور ضبط نفس سے اپنی آتش شہوت کو ٹھنڈا کر لیا ہے، لہٰذا ان کے لیے تجرید ہی وجہ فضیلت ہے۔

اور وہ شخص جس کو مجرد رہنے سے فتنہ کا خدشہ ہو اور اس پر شہوت حد درجہ غالب ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ تزویج ہی ان کے لیے وجہ فضیلت ہے۔

ائمہ کرام میں ایسے شخص کے بارے میں رائے مختلف ہے، جس پر شہوت غالب نہ ہو:

- ○ ــــ بعض مجرد رہنے کے حق میں ہیں،
- ○ ــــ بعض نکاح کرنے کے حق میں ہیں۔

www.waseemziyai.com

بہر حال جب کسی صوفی کی شادی ہو جائے تو اس کے روحانی بھائیوں پر لازم ہے کہ اگر ان کے اس صوفی بھائی کا حال خستہ ہو اور وہ ابھی درجہ کمال پر نہیں پہنچا تو اس کے ساتھ ایثار کریں، اس کی مدد کریں۔ اگر وہ دوسروں سے زیادہ طلب کرے تو (اس کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے اس کا بھرم رکھیں اور) چشم پوشی سے کام لیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس درویش کے صبر کے بارے میں ذکر کیا گیا، جس نے صبر اختیار کر کے اس وقت کامیابی حاصل کی، جب اس کی کامیابی کا مقررہ وقت آ گیا تھا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب مالِ غنیمت آتا تھا تو آپ اسے اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے۔ طریق کار یہ تھا کہ شادی شدہ مسلمانوں کو دو حصے اور مجرد کو ایک حصہ دیا جاتا تھا، ــــ ایک بار مجھے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے پہلے طلب فرمایا (ورنہ عام طور پر پہلے انہیں ہی طلب کیا جاتا تھا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عنایت فرمائے اور انہیں ایک حصہ عطا فرمایا۔ انہوں نے ایک حصہ لے تو لیا مگر وہ اس قدر رنجیدہ خاطر ہوئے کہ ان کے چہرے سے سب نے رنج اور ملال کا اندازہ لگا لیا۔ اس وقت مالِ غنیمت بھی تقسیم ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف سونے کی ایک زنجیر باقی بچی تھی۔ جسے آپ عصا مبارک کی نوک سے اُٹھاتے، لیکن وہ پھسل کر گر جاتی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے ارشاد فرمایا:

”جب تمہارے پاس یہ (سونا) زیادہ ہو جائے گا تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا“۔

اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”یارسول اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے زیادہ مال حاصل ہو“۔

تجرد کی زندگی کے فوائد:

تجرد کی زندگی گزارنا درویش کے لیے فائدہ مند ہے۔

- ــــ اس سے اس کے خیالات میں یکسوئی رہتی ہے،
- ــــ اسے جمعیتِ خاطر حاصل ہوتی ہے،
- ــــ اس طرح اس کی زندگی بڑی خوشگوار گزرتی ہے۔

لہٰذا ابتدائی زمانے میں درویش کے لیے بھی مناسب ہے کہ وہ سب سے قطع تعلقات کر لے اور تمام رکاوٹیں دور کر کے سفر اختیار کرے۔ سفر میں خطرات و تکالیف برداشت کرے۔ اس طرح معرفتِ الٰہی کی راہ میں سب ظاہری اسباب سے کنارہ کشی اختیار کرے اور ان رجحانات و حجابات کو اپنے سامنے سے ہٹا دے جو مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔

ازدواجی زندگی کے نقصانات:

اس کے برعکس اگر وہ ازدواجی زندگی کے جھمیلوں میں گرفتار ہے تو:

- ــــ اس زندگی کی مصروفیات سے روحانی عزم میں بلندی کی بجائے پستی آ جاتی ہے،
- ــــ بے فکری کی زندگی کی بجائے پریشانیٔ روزگار اور پریشان حالی گھیر لیتی ہیں،
- ــــ انسان اہل و عیال کے مسائل میں اُلجھ کے رہ جاتا ہے،

www.waseemziyai.com

○ — ایسی جگہوں پر گھومنے پھرنے لگتا ہے جو شک وشبہہ سے مزین ہوتی ہیں،
○ — ترکِ دنیا کے بعد اس زندگی کے باعث پھر دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے،
○ — اپنی عادات اور مزاج کی وجہ سے نفسانی خواہشوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

تین کا طالب، دنیا کا ہو گیا:

شیخ ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے تین چیزوں کی طلب کی، وہ دنیا کا ہو کے رہ گیا:

○ — طلب معاش، ○ — عورت سے نکاح، ○ — احادیث لکھنا

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ شادی کرنے کے بعد اپنے بلند مقام پر قائم و برقرار رہا ہو۔

سب سے خطرناک فتنہ:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے بعد مردوں کے لیے عورت سے نقصان پہنچانے والا اور کوئی فتنہ نہیں ہوگا"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سختی اور تنگدستی میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر سے کام لیا، — مگر جب ہمیں خوشحالی کے ساتھ آزمایا گیا تو ہم سے صبر نہ ہو سکا اور ہم ثواب کی راہ سے ہٹ گئے، — مجھے جن فتنوں کا ڈر ہے، ان میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عورتوں کا ہے، جب وہ سونے کے کنگن، شام کی ریشمی چادریں اور یمن کے سرخ سنجاف کا لباس پہنے ہوں گی۔ اور دولت والے ان کی اداؤں سے مات کھا جائیں گے۔ اور فقیر اگر ان کے دام میں آ گئے تو وہ فقیروں کو ایسی چیزیں مہیا کرنے پر مجبور کر دیں گی جو ان کی پہنچ سے باہر ہوں گی۔

کس سے کیا بہتر ہے؟:

کسی دانا کا قول ہے کہ مجرد رہنے کا علاج، عورتوں کے نکاح کے علاج سے بہتر ہے، — شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے عورتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"عورتوں کے نہ ہونے پر صبر (کر لینا چاہیے، اس لیے کہ یہ) ان کی باتوں پر صبر کر لینے سے (کہیں) بہتر ہے، — (اسی طرح) عورتوں کے معاملات پر صبر (کر لینا چاہیے، اس لیے کہ یہ) آگ کے عذاب سے (کہیں) بہتر ہے"۔

پورا فضل کیسے حاصل ہو؟:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ (پارہ ۵)

''انسان کو کمزور پیدا کیا گیا''۔
مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں انسان کی یہ کمزوری بیان کی ہے کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۝ (سورۂ بقر) .
''اے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جسے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں''۔
یہاں طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے مراد شہوت کا غلبہ ہے۔
چنانچہ درویش اگر اپنے نفس کے مقابلہ پر قدرت رکھتا ہو اور وہ اس قدر علم رکھتا ہو کہ وہ خوش اسلوبی کے ساتھ نفس کا علاج کر سکے اور وہ عورتوں پر صبر کر لے (یعنی عورتوں کے بغیر رہ سکے) تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے پورا فضل حاصل کیا۔ اور پانی عقل کا صحیح استعمال کیا اور ایک آسان کام کے لیے راستہ پالیا۔

سب سے بہتر شخص کون ہے؟:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''دوسو سال کے بعد تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو سبک دوش ہو''۔
لوگوں نے دریافت کیا: ''سبک دوش کیا چیز ہے؟''
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''سبک دوش وہ شخص ہے جس کے نہ بیوی ہو اور نہ بچے ہوں''۔
جب ایک درویش سے کہا گیا کہ تم نکاح کرلو، تو انہوں نے جواب دیا:
''مجھے نکاح سے زیادہ نفس کشی کی ضرورت ہے''۔

سُنت کے ذریعے فرض کی ادائیگی:

حضرت شیخ بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، —— آپ نے پوچھا: ''کیا کہتے ہیں؟'' —— لوگوں نے کہا:
''وہ کہتے ہیں کہ آپ نکاح نہیں کرتے۔ اس لیے سُنّت کے تارک ہیں''۔
بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
''ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں سُنّت ہی سے فرض میں مشغول ہوں''۔
یعنی رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سُنّت ہی کے ذریعے فرض ادا کر رہا ہوں۔
شیخ بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ارشاد ہے:
''اگر میں ایک مرغی بھی پال لوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں ایک جلاد بن جاؤں گا جو پل پر کھڑا ہو، جہاں سے عافیت سے بچ

www.waseemziyai.com

نکلنا محال ہے''۔

یعنی ایک مرغی کو پالنا بھی توجہ الی اللہ میں خلل کا باعث ہے اور توجہ الی اللہ سے ہٹ جانا سراسر بربادی ہے۔

صوفی ہر وقت نفس کشی میں مشغول ہوتا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ صوفی تجرد نفس اور اس کے مطالبات کی کشمکش میں گھرا ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت نفس کشی کے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ اب اگر وہ نفس کے مطالبات کے ساتھ ساتھ وہ نکاح کرلے، اور اس کی شریکِ زندگی کے مطالبات کا بھی اضافہ ہو جائے تو اس کی جدوجہد کمزور ہو جائے گی۔ اس کی عبادت و زُہد کے عزم وارادے میں خلل آ جائے گا۔ کیونکہ نفس کی تو یہ عادت ہے کہ اگر اسے طمع میں ڈال دیا جائے تو وہ اس کا عادی بن جائے گا، اور اگر اسے قناعت کے راستے پر ڈال دیا جائے تو وہ قانع بن جائے گا۔

روزے رکھنا نفسانی خواہشوں کا علاج ہے:

نکاح کی خواہش کو دبانے کے لیے نوجوان صوفی ہمیشہ روزے رکھتا ہے، اس لیے کہ نفس کو مغلوب کرنے اور اس کی خواہشوں کو کچلنے کے لیے روزے بہت نافع ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوجوانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو پتھر اُٹھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

''اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کرسکتا ہو وہ نکاح کرلے، اور جو نکاح نہ کر سکے وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے شہوت کو ختم کر دیتے ہیں''۔

حدیث میں شہوت ختم کرنے کے معنوں میں لفظ ''وجاء'' آیا ہے، جس کا حقیقی معنی خصی کرنا ہے۔ عربوں کا دستور تھا (برصغیر میں بھی یہی معمول ہے) کہ وہ بکرے کو خصی کر دیتے تھے تا کہ اس کی نرینہ طاقت ختم ہو جائے اور وہ خوب موٹے ہو جائیں۔ اس کے ثبوت میں یہ حدیث مبارک پیش کی جاسکتی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے دو خصی کیے ہوئے موٹے دُنبے قربانی کیے۔

نفس کے خطرات یوں کم ہو سکتے ہیں:

معروف ہے کہ اگر تم نفس کو کسی کام میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تمہیں کسی کام میں مشغول رکھے گا۔ — چنانچہ نوجوان اگر ہمیشہ کام میں مشغول رہے اور عبادت میں مصروف رہ کر نفس کشی کرتا رہے تو اس عمل سے نہ صرف یہ کہ نفس کے خطرات کم ہو جائیں گے بلکہ وہ جو عبادت کرتا رہا ہے، اس کے شیریں ثمرات بھی اسے حاصل ہوں گے۔ کثرتِ عبادت کا شوق پیدا ہوگا۔ اس کی عملی زندگی میں آسانیوں کے دروازے کھل جائیں گے، عمل میں اسے لطف آئے گا۔ اس طرح سے وہ بیوی کی فکروں سے اپنے وقت اور حالات کو مکدر ہونے سے بچا سکے گا۔

مجرد ہونے کی حالت میں حُسنِ ادب:

مجرد ہونے کی حالت میں مرید کا حسنِ ادب یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں عورتوں کی خواہش کو جگہ نہ دے، جب عورت اور شہوت کے خیالات اسے تنگ کریں تو وہ اللہ کے حضور میں توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس خواہش کے مٹانے کے لیے اسے قوتِ عزیمت عطا کرے گا۔ یعنی اس کی قوتِ ارادی کو مستحکم ومضبوط کر کے ضبط نفس کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اس کی برکت سے اس کے قلب کا نور نفس

www.waseemziyai.com

پر منعکس ہوگا۔ جس سے اس کے نفس کو سکون ملے گا اور وہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو جائے گا، ـــــ اس کے بعد شیخ کو چاہیے کہ مرید کو نکاح کے باعث پیدا ہونے والے مسائل اور ان کے بدنتائج سے آگاہ کرے۔ مثلاً:

- ـــــ نکاح کے بعد اسے ضروریاتِ زندگی کے لیے ایسی جگہوں پر بھی جانا پڑے گا جو ذلت وخواری کے مقام ہیں، اور یہ کہ انسان کس طرح ناجائز کاموں کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔
- ـــــ اور یہ کہ عورت کی خاطر اسے کس کس سے قطع تعلق کرنا پڑے گا،
- ـــــ اپنی عدم موجودگی کے باعث عورت کی نگہبانی اور حفاظت بھی درکار ہوگی۔

غرض یہ کہ اس طرح کی بہت سی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

سخت مصیبت کیا ہے؟:

کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''سخت مصیبت کیا ہے؟'' ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا: ''عیال کی کثرت، مال کی قلت''۔

کہا جاتا ہے کہ عیال داری کی کثرت دوہری مفلسی کی ایک قسم ہے، ـــــ اور عیال داری کی قلت، دوہری تونگری کی ایک قسم ہے۔

کس کے لیے فلاح ونجات نہیں:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صوفی عورتوں کی رانوں (صحبت) کا عادی ہو، اس کے لیے فلاح ونجات نہیں، ـــــ اس میں شک نہیں کہ:

- ـــــ عورت آرام طلبی (آسودگی) اور آرائش جسم وتن کی طرف رغبت دلاتی ہے،
- ـــــ کثرت ذکر وشب بیداری اور دن میں روزے رکھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے،
- ـــــ اس کی وجہ سے طبیعت پر مفلسی کا خوف اور مال جمع کرنے کی محبت غالب آجاتی ہے۔

جبکہ مجرد انسان ان سب باتوں سے دور ومحفوظ رہتا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دوسو سال کے بعد تجرد، میری اُمت کے لیے مباح ہوگا''۔

مسلسل خواہشِ نکاح پر خدا سے رجوع کرے:

درویش کے دل میں اگر نکاح کی خواہش مسلسل رہے، یہ خطرہ دل میں لگاتار گزرے، اور اس کی باطنی حالت اس سے متاثر ہو۔ نماز، ذکر اور تلاوت میں بہت سے وسوسے پیدا ہوں تو ایسے صوفی کو چاہیے:

- ـــــ سب سے پہلے اللہ سے مدد طلب کرے،

www.waseemziyai.com

○ ـــ پھر اپنے مشائخ اور برادرانِ طریقت سے تمام حالات بیان کر کے تعاون چاہے۔ ان سے دعا کا طالب ہو۔

○ ـــ مساجد اور مزارات پر جائے۔

○ ـــ اس معاملے کو اہم اور نازک خیال کرے، اسے معمولی بات نہ سمجھے، اس لیے کہ یہ ایک بڑے فتنے اور زبردست خطرے کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ ۝

"بے شک تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہے، ان سے بچتے رہو"۔

ایسی صورت میں وہ اللہ کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر کثرت سے دعا مانگے اور تنہائی میں بہت گریہ وزاری کرے۔ اور بار بار استخارہ کرے، ـــ استخارہ کے ذریعہ اللہ کے فضل و کرم سے کوئی بہتر صورت منکشف ہونے سے پہلے اگر اسے صبر و طاقت میسر آ جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ فضلِ الٰہی اگر شامل ہو تو:

○ ـــ خواہ اجازت ہو یا ممانعت،

○ ـــ خواب کے عالم میں ہو یا بیداری کے عالم میں،

○ ـــ یا کسی بزرگ صاحبِ حال کے بیان میں اصل حقیقت کا انکشاف کراتا ہے، ـــ

ایسا شخص جب کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس کا اشارہ بصیرت پر مبنی ہوتا ہے، ـــ اور اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ حق کے مطابق ہوتا ہے، ایسی صورت میں درویش نے اگر نکاح کیا تو یہ اس کی روحانی زندگی میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

نکاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم:

ہم نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا:

"آپ نے نکاح کس غرض سے کیا ہے؟" ـــ آپ نے فرمایا:

"میں نے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک مجھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا، اور حکم نہیں دیا کہ نکاح کر"۔

یہ سن کر اس شخص نے عرض کیا:

"رسول اللہ ﷺ تو آسان کاموں کا حکم دیتے تھے۔ مگر مشائخ کرام عزم و ہمت کے کاموں کو ضروری قرار دیتے ہیں"۔

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا کیا جواب دیا۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے سہولت اور رخصت کا حکم دیا ہے (یعنی اجازت ہے) اور شریعت نے بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ مگر جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہے اور اس کا نیازمند بن کر اس سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ عالمِ خواب میں یا بذریعۂ کشف اسے تنبیہ کرتا ہے۔ اس وقت اس کا یہ حکم رخصت پر نہیں ہوتا، بلکہ ایسا حکم ہوتا ہے جسے اربابِ ہمت و عزیمت بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکم ظاہری نہیں، بلکہ اس کا تعلق باطنی حالت سے ہے۔

www.waseemziyai.com

جو امر بذریعہ القاء یا کشف دل میں واقع ہو، اس کی تائید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ ایک بار آپ نے فرمایا:

''میں بہت عرصہ سے شادی کا خواہش مند تھا مگر وقت کے خراب ہونے کی وجہ سے شادی کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، چنانچہ میں صبر کرتا رہا، ــــ یہاں تک کہ جب اس کا مقررہ وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیویاں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ہر ایک بیوی میری مرضی اور خواہش کے مطابق نکلی۔ اور یہ میرے صبر جمیل کا ثمرہ ہے جو میں شادی کرنے کے سلسلہ میں کرتا رہا''۔

چنانچہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ درویش جب صبر کرتا ہے اور اللہ سے کشادگی کا طالب ہو تو اسے کشادگی اور مشکلات سے نجات حاصل ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ (سورہ طلاق، پارہ ۲۸)

''جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا تا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے اس کا خیال بھی نہیں ہوتا''۔

زُہد و عبادت کی تکمیل شادی سے ہوتی ہے:

اگر درویش نے بہت گریہ زاری سے اور گڑگڑا کر دعا کے بعد نکاح کر لیا، اور اللہ کی طرف سے (القاء اور کشف کے ذریعے) اسے اجازت حاصل ہوگئی تو اس کی مراد پوری ہوگئی۔ تو پھر کیا بات ہے!، ــــ اور اگر اجازت ملنے سے پہلے ہی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، اور اس نے گریہ زاری کے ساتھ دعا کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر دی (مگر غیبی اشارہ نہ ہوا) تو اس صورت میں بھی اللہ کے فضل سے نوازا جائے گا۔ اس کی نیک نیتی، سچے مقصد اور توکل کی وجہ سے اللہ کی مدد شاملِ حال ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

''نوجوان کے زُہد و عبادت کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب وہ شادی کرے''۔

روحانی مشاغل میں خلل کا ایک حل یہ بھی ہے

مشائخ خراسان میں سے ایک شیخ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ نکاح بہت کیا کرتے تھے، وہ کبھی دو یا تین بیویوں سے خالی نہ رہتے تھے، ان کی اس عادت پر معاصرین نے بہت کچھ کہا سنا، انہوں نے فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اللہ کے سامنے بیٹھا ہو، یا وہ روحانی مراقبہ میں مشغول ہو، اور اس کے دل میں کبھی شہوت کا وسوسہ اور خطرہ نہ پیدا ہوا ہو''۔

انہوں نے کہا:

''ہاں! کبھی کبھی ہمارے دل میں ایسا خیال گزرتا ہے''۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا:

''اگر میری ساری زندگی میں تمہارے جیسی مطمئن صورت حال ایک بار بھی پیش آتی تو میں ہرگز نکاح نہ کرتا۔ مگر میری

www.waseemziyai.com

حالت یہ ہے کہ اگر میرے دل میں کبھی کوئی شہوت کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے جو میری روحانی حالت میں خلل پیدا کرتا ہے تو میں اس وسوسہ کو دور کر کے پھر اپنے روحانی مشغلہ میں مصروف ہو جاتا ہوں، --- (کثرتِ ازواج کی وجہ سے) گزشتہ چالیس سال سے میرے دل میں کبھی کسی گناہ کا وسوسہ پیدا نہیں ہوا''۔

نکاح کی روحانی مصلحت وحکمت:

اللہ کے سچے اور مقبول بندے بڑی سوچ، سمجھ اور بصیرت کے بعد نکاح کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نکاح سے انسانی خواہشات کا قلع قمع کیا جائے، --- ان کے علاوہ زبردست اہلِ باطن اور اہلِ علم حضرات ایسے ماحول اور ایسے وقت میں نکاح کرتے ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مجاہدوں، مراقبوں اور ریاضتوں کے بعد ان کے نفوس مطمئن ہو جاتے ہیں اور قلوب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قلوب ان دو میں سے کسی ایک حالت میں ہوتے ہیں:

○ --- کبھی وہ متوجہ ہوتے ہیں، ○ --- کبھی وہ بے رُخی اختیار کرتے ہیں۔

بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ قلوب جب بے رُخی (اعراض وادبار) کرتے ہیں تو نرمی کے ساتھ راحت پاتے ہیں، ان میں نفسانی شورش برپا نہیں ہوتی، --- اور جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو انہیں وعدۂ ازل (میثاق) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ان کی یہ توجہ (اقبال) تھوڑی دیر کے لیے ہٹتی ہے۔ ورنہ ان کی توجہ دوامی طور پر رہتی ہے۔ یہ دوام نفوس کے مطمئن ہونے پر حاصل ہوتا ہے۔ اور نفس، قلب سے جھگڑا نہیں کرتا ہے، اور قلب کے کاموں میں دخل اندازی چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ نفس جب مطمئن ہو جائے اور اس کا طیش، اس کی سرکشی اور بداخلاقی جاتی رہے تو اس صورت میں قلوب پر اس کے بہت سے حقوق عائد ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان حقوق کے بہت سے حصے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں نکاح کرنے والا درویش ادائے حقوق سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور نفس لطف اُٹھا کر اور کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔

یہ صوفیاء کرام کا ایک بہت ہی دقیق علم ہے، جسے سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ نکاحِ مسنون کے ذریعے یہ حضرات نفس کو اس کا حق ادا کرنے کی گنجائش اور مواقع فراہم کر دیتے ہیں۔

اس سے پہلے صورتِ حال یہ تھی کہ وہ اپنی خواہشوں کی مخالفت کرتا رہا ہے، انہیں دباتا رہا ہے، اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ اس کا دکھ خود اس کا مداوا بن گیا ہے، --- جائز خواہشیں اور لذتیں نہ اس کے لیے نقصان دِہ ہیں اور نہ اس کے عزائم ومقاصد میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ پاک وصاف نفوس جب لذاتِ نفسانی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، تو اس سے قلب میں اور زیادہ کشادگی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح قلب ونفس میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مخالفت کی بجائے موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر ایک دوسرے کے حال پر مہربان ہو جاتا ہے۔ اور باہمی تعاون کا جذبہ مزید قوی ہو جاتا ہے۔ ایک کو جب کوئی حصہ ملتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے کو اس سے زیادہ ملے، --- اسی طرح اللہ کے لطف وکرم سے جب قلب بہرہ ور ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی اطمینان وسکون کا لباس پہناتا ہے۔ قلب کو اس بات سے اور بھی زیادہ اطمینان اس وجہ سے ہوتا ہے کہ نفس کو بھی تسکین حاصل ہوگئی ہے۔ بقول شاعر:

www.waseemziyai.com

''آسمان جب پوشاک بدلتا ہے تو پھر زمین بھی بدلتی ہے، ــــ اور یہ کہ دونوں کے لیے پوشاکیں ابر بہاری نے تیار کی ہیں''۔
جب کبھی نفس لطف اُٹھاتا ہے تو قلب کو بھی اس سے اسی طرح خوشی ہوتی ہے جس طرح ایک شفیق ہمسایہ اپنے پڑوسی کے آرام سے خوشی محسوس کرتا ہے۔

میں نے کسی درویش سے یہ قول سنا ہے:

''نفس قلب سے کہتا ہے: ''تو کھانے میں میرا ساتھ دے، تو میں نماز میں تیرا ساتھ دوں گا''۔

مگر ایسے روحانی معاملات نایاب ہیں۔ عالم ربانی کے سوا اور کسی میں یہ اہلیت وصلاحیت نہیں۔ اس صلاحیت کے دعوے دار تو بہت ہیں مگر ایسا دعویٰ کر کے خود تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

نکاح کے ثمرات:

اللہ کے مقبول بندوں کی روحانیت میں نکاح کرنے سے ترقی ہوتی ہے۔ انہیں ایسا کرنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بندے کا روحانی علم جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں دیگر اشیاء سے فوائد اخذ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، ان اشیاء کی بُری خصلت (نفسانی خواہش) اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے بیوی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کھانے کی ضرورت ہے''۔

یہ صوفیاء کی اچھائی ہے یا بُرائی ہے:

ایک عالم ربانی نے کسی کو صوفیاء کی بُرائی کرتے سنا تو اس سے پوچھا:

''تمہارے نزدیک ان میں کیا بُرائی ہے؟'' ــــ اس شخص نے کہا:

''یہ لوگ کھاتے بہت ہیں'' ــــ انہوں نے فرمایا:

''اگر تم بھی ویسے ہی بھوکے رہو جیسے وہ بھوکے رہتے ہیں، تو تم بھی اتنا ہی کھاؤ گے جتنا وہ کھاتے ہیں''۔

پھر وہ کہنے لگا: ''وہ نکاح بہت کرتے ہیں'' ــــ عالم صاحب نے فرمایا:

اگر تم بھی اپنی شرم گاہوں کی اتنی ہی حفاظت کرو، جتنی کہ وہ کرتے ہیں، تو تم بھی اتنی زیادہ شادیاں کرو''۔

اس سے اس عالم نے مزید اعتراض دریافت کیا تو وہ شخص کہنے لگا:

''وہ گانا بہت سنتے ہیں'' ــــ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا:

''جیسی ان کی نظر ہے اگر تمہاری نظر بھی ویسی ہوتی تو تم بھی انہی کی طرح گانے (سماع) سے لطف اندوز ہوتے''۔

بہت سی بیویاں ہونا دنیا داری نہیں ہے:

شیخ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

www.waseemziyai.com

''بہت سی بیویاں ہونا دنیاداری نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابیوں میں سب سے زیادہ زاہد و عابد تھے۔ آپ کی چار بیویاں اور سترہ لونڈیاں تھیں''۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

''اس امت کا بہترین انسان وہ ہے جس کی بہت سی بیویاں ہوں''۔

سُنتِ نکاح کی فضیلت:

انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دنیا کو ترک کر کے عبادت میں مشغول ہو گیا۔ کثیر ریاضت کے باعث وہ اپنے زمانے کے لوگوں سے سبقت لے گیا۔ اس وقت کے ایک پیغمبر کے سامنے اس عابد کی ریاضت وعبادت کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا:

''وہ بہت اچھا انسان ہے مگر اس نے ایک سُنّت کو چھوڑ دیا ہے''۔

جب عابد کو اس بات کی خبر ہوئی کہ اللہ کے نبی کا اس کے بارے میں یہ خیال ہے تو اسے سخت تشویش ہوئی۔ اس نے اپنے دل میں کہا:

''میرے سے ایک سُنّت ترک ہو گئی، پھر اس عبادت کا کیا فائدہ''۔

یہ اس سوچ میں غلطاں وہ اللہ کے اس نبی کے پاس حاضر ہوا۔ ان سے اصل حقیقت دریافت کی۔ اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا:

''تم نے نکاح کی سُنّت کو ترک کیا ہے''۔ عابد نے کہا:

''میں نے نکاح کی سُنّت کو اس لیے ترک نہیں کیا کہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا ہوں، بلکہ اس کے ترک کی وجہ یہ ہے کہ میں ایک غریب اور نادار شخص ہوں، میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، میں تو خود لوگوں کا محتاج ہوں، کبھی مجھے کوئی ایک کھانا کھلاتا ہے اور کبھی کوئی دوسرا کھانا کھلاتا ہے۔ اس لیے مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں کسی عورت سے نکاح کروں اور اپنی ناداری سے اسے سختی اور مصیبت میں ڈال دوں''۔

عابد کی یہ بات سن کر نبی اللہ نے اس سے پوچھا:

''کیا نکاح کرنے میں صرف یہی وجہ حائل ہے؟'' —

اس نے کہا: ''ہاں!'' — اللہ کے نبی نے فرمایا:

''میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کرتا ہوں'' — انہوں نے اپنی بیٹی کا اس نیک آدمی سے نکاح کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

''اگر میری زندگی کے دس دن بھی باقی رہ جائیں تو اس وقت بھی مجھے یہ بات پسند ہو گی کہ میں نکاح کروں اور اللہ کے ہاں مجرد حالت میں نہ جاؤں''۔

قرآن کریم میں صرف انہی پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے جو شادی شدہ تھے۔ کسی ایسے نبی کا ذکر نہیں ہے جو شادی شدہ نہیں تھا۔

www.waseemziyai.com

منقول ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے محض سُنّتِ انبیاء کی اتباع کے لیے نکاح کیا تھا، مگر انہوں نے بیوی سے کبھی صحبت نہیں کی، —— یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اُتریں گے تو وہ نکاح کریں گے، اور ان کے ہاں اولاد بھی ہوگی۔ یہ بھی مذکور ہے کہ شادی شدہ انسان کی ایک رکعت نماز مجرد انسان کی ستّر رکعتوں سے بہتر ہے۔

سُنّتِ نکاح کی غرض و غایت:

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نکاح میری سُنّت ہے، جس نے میری سُنّت پر عمل نہیں کیا وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے، —— تم نکاح کرو تا کہ میں تم سے امت کو زیادہ کرنے والا بنوں، —— جو صاحبِ حیثیت ہو وہ شادی کرے، اور جس کے وسائل نہ ہوں تو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے شہوت کو دور کر دیتے ہیں"۔

نکاح کے باعث ہونے والے فتنے:

شادی شدہ شخص کو چاہیے کہ بیوی کے ساتھ زیادہ قربت و معاشرت نہ اختیار کرے۔ زیادہ قربت و صحبت سے پرہیز کرے۔ تا کہ اس کے اوراد و وظائف اور نظامِ اوقات میں خلل نہ آئے۔ قربت کی کثرت سے نفس اور اس کا لشکر طاقت ور ہو جاتے ہیں۔ اور مرد کی بندگی و عالی ہمتی میں فرق آتا ہے، —— شادی شدہ اپنی بیوی کی وجہ سے دو فتنوں میں مبتلا ہوتا ہے:

- —— ایک فتنہ عام ہے جو سب کے لیے ہے۔ یعنی شادی کے بعد ذرائع معاش کے حصول کے لیے بڑی تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔
- —— دوسرا فتنہ خاص ہے، وہ اس کے لیے ہے کہ اس کے روحانی مشاغل میں خلل آتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"خدا کی قسم! جس نے اپنی بیوی کی (ناجائز) خواہشیں اور فرمائشیں پوری کرنے کے لیے معصیت کا ارتکاب کیا، اس شخص کی صبح اس حال میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل دوزخ میں گرا دے"۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مرد کی بربادی اس کی بیوی، اس کے والدین اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی، —— وہ اسے مفلسی کا طعنہ دے کر ترغیب دلائیں گے اور اسے ایسی چیزیں فراہم کرنے پر مجبور کریں گے جس کی اسے ہمت نہیں ہوگی، —— اس وجہ سے اسے ایسے ٹھکانوں پر جانا پڑے گا، جہاں اس کا ایمان سلامت نہ رہے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گا"۔

بیوی کی زیادتوں پر صبر شکر کرنا:

روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے پاس کچھ لوگ ملنے آئے۔ آپ نے ان کی مہمان نوازی کی۔ مہمانوں کی خدمت کے لیے گھر میں بار بار آنا جانا رہا۔ اس آنے جانے پر ان کی بیوی انہیں بہت تکلیف دے رہی تھی اور ان پر زیادتی کر رہی تھی۔ آپ خاموشی سے یہ سب برداشت کرتے رہے۔ آپ کے مہمان یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مگر اللہ کے نبی کے ادب کی وجہ سے کچھ دریافت کرتے ہوئے خوفزدہ تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان کی کیفیت کو بھانپ گئے اور ان سے فرمانے لگے:

www.waseemziyai.com

''اس معاملے میں تعجب نہ کرو، کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! تو آخرت میں مجھ پر جو عذاب کرے، وہ دنیا ہی میں مجھ پر نازل کر دے!'' —— اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ اے یونس! تیرے عذاب کا ذریعہ فلاں شخص کی بیٹی ہے، تو اس کے ساتھ شادی کر لے۔ چنانچہ میں نے اس سے شادی کر لی، —— اب اس کے ہاتھوں مجھے جو تکلیفیں آ رہی ہیں، تم نے بھی دیکھیں، میں اس پر صابر ہوں''۔

بیوی کی خاطر مدارت میں حد سے بڑھنا:

اگر کوئی بیوی کی خاطر مدارت میں حد سے بڑھے گا تو وہ اخراجات میں حد اعتدال سے یقینی طور پر بڑھ جائے گا۔ اپنے وسائل سے زیادہ خرچ کرے گا تاکہ بیوی اس سے راضی اور خوش ہو۔ یہ صورتِ حال عام فتنہ ہے، —— بیوی اس کے خاص حال کے لیے بھی فتنہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ کثرت سے ہم نشینی واختلاط رکھے گا۔ مباشرت میں حد سے بڑھے گا۔ اس وقت نفس اعتدال کی قید سے نکل جائے گا۔ اس سے یہ سلسلہ اس قدر بڑھے گا کہ وہ خواہشوں کا مطیع وفرماں بردار ہو جائے گا۔ قلب پر غفلت طاری ہو جائے گی۔ وہ ایسی حالت کو پسند کرنے لگے گا جس سے تن آسانی اور سستی کے مواقع ملیں۔ اس طرح اس کے اوراد واذکار میں کمی ہوگی اور اس سے روحانی واردات میں بھی کمی آئے گی۔ اعمال کی شرائط کی پابندی نہ ہو سکے گی۔ جس سے روحانی فضا مکدر ہو جائے گی۔

ان دونوں فتنوں میں سے شدید تر وہ فتنہ ہے جو صرف مقرّبین بارگاہِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نفسانی تعلقات کے کثیر مواقع ملتے ہیں، اور بکثرت ایسے مواقع ملنے سے نفس امارہ طاقت پکڑ لیتا ہے۔ اس میں سرکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی طبیعت کی افسردگی تر وتازہ اور خواہش کی سرد آگ شعلہ بار ہو جاتی ہے۔ یعنی نفس سرکشی اختیار کر کے مباشرت کی لذتوں سے لطف اُٹھانے لگتا ہے، ——

اس فتنہ کا علاج یہ ہے کہ بیوی کی قربت اور صحبت میں اس کے باطن کی آنکھیں کھلی رہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے مولیٰ کی طرف دیکھتا رہے، جبکہ ظاہری آنکھوں سے بدستور بیوی کی ہم نشینی کی خواہش پوری کرنے میں لگا رہے۔

حضرت رابعہ بصری ﷫ نے اس مضمون کو (اشعار کی صورت) یوں بیان کیا ہے:

''تو میرے دل کا ہم نشیں ہو گیا ہے، اگرچہ کسی یار سے جسم کی دوستی بھی ہے، —— میرا جسم یار کا غم بٹانے والا ہے، مگر میرا یار وہی ہے جو میرے دل کا یار ہے''۔

ایک لطیف تر فتنہ:

ان فتنوں سے بھی زیادہ لطیف تر فتنہ جس سے ایک شادی شدہ خطرہ محسوس کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ حسن وجمال کی رعنائی پر روح اس قدر فریفتہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس ذوق وشوق میں بھی حائل ہو جاتا ہے، جس ذوق وشوق کا بارگاہِ الٰہی سے تعلق ہے، اس طرح اس کی باطنی روح افسردہ ہو جاتی ہے اور پھر مزید فتوحات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ روح کی اس افسردگی کا احساس ہونا بہت مشکل ہے، اس لیے روح کی افسردگی سے ڈرنا اور بچنا چاہیے۔

www.waseemziyai.com

حسنِ مجازی سے مشاہدۂ حق کا فتنہ:

ایک جماعت مشاہدۂ جمال کی لطافت کے فتنہ میں مبتلا ہوگئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حسنِ مجازی سے مشاہدۂ حق کے قائل ہیں۔ جب ایک حلال ذریعہ (یعنی منکوحہ سے محبت اور اس کے حسن سے متاثر ہونے کی وجہ سے) روح افسردہ ہوجاتی ہے۔ اور اس سے عشقِ حقیقی میں مداخلت واقع ہوجاتی ہے۔ اس سے روح اس قابل نہیں رہتی کہ بارگاہِ الٰہی کی محبت کے فرائض ادا کر سکے۔ تو اس بارے میں سوچو جو غیر شرعی طور پر اس کا دعویٰ کرے اور وہ سکون نفس کے فریب میں آ گیا ہو۔

ایسا شخص اس خیال کے دھوکے میں آجاتا ہے کہ اگر اس کی محبت نفسانی ہوتی تو نفس کو سکون حاصل نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر نفس کا سکون عارضی ہوتا ہے دائمی نہیں، بلکہ وہ روح کا سکون سلب کر کے اس پر قابض ہوجاتا ہے۔ اور یہ گمان کرتا ہے کہ میں نفس کی ان برائیوں سے بچ گیا ہو، جن میں اور لوگ حسن ظاہری کے نظارہ و مشاہدہ سے متاثر ہو کر کسی مغالطے میں پڑ جاتے ہیں (یہ مغالطہ بھی ایک خود فریبی ہے)۔

میں نے ''مشاہدے'' کے اس فریب میں مبتلا ہونے والوں کے بارے میں بہت سوچ بچار کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس میں فسق و فجور کا رنگ موجود ہے، —— یہ تو شہوت کی شراب کی جھاگ اور کف ہے۔ اگر اس شراب کا اثر باقی نہ رہے تو یہ جھاگ اور کف بھی باقی نہ رہتے، جس طرح شراب میں مدہوشی اور بے خودی ہے، اسی طرح اس کے جھاگ اور کف میں مدہوشی اور بے خودی ہے۔ لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یعنی حسن مجازی کو عشق حقیقی کا ذریعہ نہ جاننا چاہیے۔

اگر کوئی حسن مجازی کے مشاہدہ میں روحانیت کا دعویٰ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اسی مفہوم میں اطباء نے کہا ہے:

''مباشرت اور جماع سے عشق کے ہیجان میں سکون پیدا ہوتا ہے، خواہ وہ عشق محبوب کے علاوہ کسی اور سے ہو''۔

چنانچہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس دعویٰ کی بنیاد شہوت پر ہے۔ اور جو اس میں روحانیت یا حال کا دعویٰ کرتا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ یہ تمام فتنے اور مشکلات ان کی ہیں جو شادی شدہ (متاہل) زندگی گزار رہے ہیں۔

تجرد کا فتنہ:

تجرد کا فتنہ یہ ہے کہ اس کے خیال میں ہر وقت عورتوں کے تصورات آتے جاتے ہیں۔ مگر جس کا باطن پاک و صاف ہے، وہ ان شہوانی خیالات و نفسانی آفات سے اپنا باطن آلودہ نہیں کرتا۔ اگر کبھی کوئی وسوسہ پیدا ہوجائے تو توبہ اور مشائخ کرام کی محبت اور قربت کی پناہ لیتا ہے، اور ان کے فیض توجہ کے ذریعے اسے ختم کر دیتا ہے، —— اس کی فکر جب اس قسم کے وسوسے پیدا کرتی ہے تو وہ خیال دل سے نکل کر سینے میں پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت اس کے حساس اعضاء کو اس کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسے ان حساس اعضاء کا خیال کرنا چاہیے، —— گویا یہ ایک پوشیدہ عمل ہے اور یہ اس شخص کے لیے برُا ہے جو مخلص و حق پرست انسان ہے۔ اور جو عالم بیداری میں عالم حضوری میں پہنچنے کے لیے کوشاں ہو۔ بہر حال یہ چیز اس کے روحانی حال کو خراب کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ عارفوں کے قلوب میں کسی فحش خیال کا گزرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ عوام ایسے ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب کریں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۲۲:

سماع کی فضیلت

بہترین کلام کون سا ہے؟:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○(۳۹:۱۶:۱۷)

''اے رسول! میرے ان بندوں کو خوش خبری پہنچا دیجئے جو بات کو سن کر اس کے بہترین کلام کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ احسن (بہترین) کلام سے مراد وہ کلام ہے جو سب سے زیادہ رُشد و ہدایت پہنچانے والا ہو۔ــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ ○(پ۷)

''جب وہ کلام سنتے ہیں جو رسول اللہ پر نازل کیا گیا، تو تم ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھو گے کیونکہ انہیں حق بات معلوم ہوئی ہے''۔

سماع کی حقیقت:

یہ سماع (سننا) حق کا سماع ہے جس کے بارے میں اہلِ ایمان میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حق بات سننے والا صاحبِ ہدایت اور عقل والا ہے۔ــــ یہ وہ سماع ہے جس کی حرارت یقین کی ٹھنڈک سے متصادم ہو کر آنکھوں سے اشکباری کا باعث بنتی ہے۔

○ ــــ کبھی یہ حزن و ملال کے آنسو ہوتے ہیں، کہ حزن و ملال میں حرارت ہے۔

○ ــــ کبھی یہ ذوق و شوق کے آنسو ہوتے ہیں، اور شوق کا مزاج بھی گرم ہے۔

جب ان صفات سے متصف سماع صاحب دل پر اثر کرتا ہے جو یقین کی ٹھنڈک سے پُر ہے، تو ان کے تصادم سے آنسو ٹپکنے اور بہنے لگتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

سماع کے اثرات:

جب دل میں سماع کا نزول ہوتا ہے تو نزول دو طرح کا ہوتا ہے:

○ — اگر نزول ہلکا ہے تو اس کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور جسم کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ○ (پارہ ۲۳، سورۂ زمر)

''اس کلام کے اثر سے ان لوگوں کی جلدوں کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں''۔

○ — کبھی اس کا نزول زبردست ہوتا ہے اور اس کے اثرات دماغ تک پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے عقل سے کوئی بات بتائی جائے تو اس صورت میں نئے واقعہ کا اثر بہت ہوتا ہے اور جس کے اثر سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

کبھی اس کا اثر روح تک پہنچتا ہے، اس وقت روح میں ایسی ہلچل برپا ہوتی ہے کہ جسمانی قالب کا دائرہ اس کے لیے تنگ ہو جاتا ہے۔ اس میں سمانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تب وہ چیخنے چلانے لگتی ہے۔ اور اضطراب و بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ وہ تمام کیفیات ہیں جنہیں صاحبِ حال محسوس کرتے ہیں۔ کبھی کبھار نفسانی خواہش کے اُکسانے پر جھوٹے دعویدار بھی اس حالت کی نقل کرتے ہیں۔

سماع رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے:

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر کسی آیت کا اتنا ورد کرتے تھے کہ آنسوؤں سے اُن کا گلا رندھ جاتا۔ اگر وہ کھڑے ہوتے تو گر پڑتے۔ ان پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ ایک یا دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ انہیں بیمار سمجھ کر ان کی عیادت کے لیے آتے۔ ایسی صورت میں سماع اللہ کی رحمت لانے کا باعث بنتا ہے۔

رِقّت کے وقت دعا کو غنیمت جانو:

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی تو سب پر رقت طاری ہوگئی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''رقت کے وقت دعا کو غنیمت جانو، کیونکہ خدا کی رحمت کا وقت ہے''۔

گناہ سوکھے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں:

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب اللہ کے خوف سے بندے کے بدن پر رونگٹھے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کسی درخت سے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں''۔

ایک اور حدیث مبارک میں اس طرح سے آیا ہے:

''اللہ کے خوف سے جب بندے کے جسم پر رونگٹھے کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر دوزخ کی آگ حرام کر

www.waseemziyai.com

دیتا ہے''۔

سماع کے بارے میں حکم کیا ہے؟:

بہر حال یہ سب باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں، ایسی ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہے۔اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ اشعار گا کر سنے جائیں۔اس بارے میں کیا حکم ہے، اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں، بکثرت اقوال ہیں اور مختلف احوال ہیں، ___ بعض لوگ اس کے بالکل منکر ہیں اور اسے فسق و فجور سمجھتے ہیں۔اور کچھ لوگ اس کے اس قدر شیدائی ہیں کہ وہ اسے واضح حقیقت قرار دیتے ہیں۔اس طرح یہ دونوں جماعتیں افراط وتفریط میں پڑی ہیں۔

○ ___ شیخ ابوالحسن بن سالم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''آپ سماع کا انکار کس طرح کرتے ہیں جبکہ حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی اور حضرت ذوالنون مصری (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اسے سنا کرتے تھے''۔

آپ نے جواب میں فرمایا:

''میں سماع کا انکار کس طرح کر سکتا ہوں جب کہ اسے مجھ سے بہترین حضرات نے سنا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی سماع کرتے تھے، میں سماع میں لہو و لعب کا منکر ہوں''۔

○ ___ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے گھر تشریف لائے۔اس وقت دو کنیزیں آپ کے سامنے گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چادر سے منہ لپیٹے ہوئے تھے، ___ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو گاتے اور دف بجاتے دیکھ کر ڈانٹا۔اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا:

''اے ابوبکر! انہیں گانے دو، کیونکہ یہ عید کا دن ہے''۔

○ ___ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر (مبارک) میں چھپائے ہوئے تھے۔میں ان حبشیوں کو دیکھتی رہی جو مسجد میں کھیل رہے تھے۔میں اتنی دیر تک یہ تماشہ دیکھتی رہی کہ بالآخر خود اُکتا گئی۔

○ ___ شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے سماعت کا ذکر کرتے ہوئے ایسی باتیں کہی ہیں جن سے سماع کے جواز پر دلیل ملتی ہے۔اس بارے میں انہوں نے بہت سے صحابہ کرام اور تابعی بزرگوں کے اقوال تحریر کیے ہیں۔شیخ مکی چونکہ بہت بڑے عالم، اہلِ باطن، متقی اور بزرگانِ سلف سے زیادہ آگاہ تھے، اس لیے ان کا قول زیادہ معتبر ہے۔آپ نے فرمایا:

''سماع حرام بھی ہے اور حلال بھی، ___ بعض حالات میں اس کا معاملہ مشتبہ بھی ہے۔

○ ___ جس نے اسے نفسانیت اور شہوت پرستی کے لیے سنا، اس کے لیے حرام ہے،

○ ___ جس نے اسے معقول اور جائز طریقے سے اپنی لونڈی یا بیوی سے سنا تو اس کا معاملہ مشتبہ ہے۔کیونکہ اس میں لہو و لعب کا

www.waseemziyai.com

دخل ہو گیا ہے۔

○ ـــ جس نے اسے دل کی توجہ سے سنا اور اس کے معانی پر غور کیا جو اسے اصلی رہبر کے راستے پر لگا دے تو ایسا سماع مباح ہے۔

شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صحیح ہے۔ لیکن اس قول کے مطابق اس کے سننے والے کے خلاف حرام اور ممانعت اور انکار پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ جس طرح کہ بعض قاری اور سخت مزاج زاہد علماء کا قول ہے۔ نہ ان لوگوں کے حق میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے جو سماع کی شرائط و آداب کو چھوڑ کر سماع کو ہر صورت میں جائز قرار دینے پر اصرار کرتے ہیں۔

سماع کی حلال صورت اور حرام صورت:

اب اس مسئلہ پر قدرے تفصیل کے ساتھ بات کرتے ہیں اور حلال و حرام دونوں صورتوں میں اس کی اصل حقیقت واضح کرتے ہیں:

جہاں تک دف اور شبابہ کا تعلق ہے تو شافعی مذہب میں اس کی کافی گنجائش ہے، یعنی شافعی مذہب میں اس کی ممانعت نہیں لیکن احتیاطاً ان سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ تاکہ اختلافی مسائل زیر بحث نہ آئیں، ـــ ہاں! اگر جنت دوزخ، آخرت کا شوق و ذوق اور خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثناء کی جائے، اس کی نعمتوں کے بارے میں اشعار پڑھے جائیں، عبادات کے ذکر اور نیک کاموں کی ترغیب کے بیان پر مشتمل نظمیں پڑھی جائیں، تو ایسی نظموں کے پڑھنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی ضمن میں وہ قصیدے اور نظمیں بھی شامل ہیں جو مجاہدوں اور حاجیوں کے لیے لکھی جائیں، جن میں جہاد کی خوبیاں اور حج کے فضائل مذکور ہوں، جن کے ذریعے مجاہدوں میں جہاد کے عزم اور حاجیوں کے شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایسے اشعار جن میں محبوب کے بدن کی ساخت، اس کے قدبُت اور عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف ہو، وہاں پڑھے جائیں جس محفل میں اہلِ دین لوگ موجود نہ ہوں۔ ایسی محفلیں قائم کرنا ان کے شایانِ شان نہیں۔

اگر اشعار ایسے ہوں جن میں ہجر و وصال، جدائی اور اعراض اور تمناؤں کا اشارے کنائے میں ذکر ہوتا ہے۔ انہیں اللہ کی ذات پر محمول کیا جاسکتا ہے، ـــ یا ان اشعار میں مریدین اور طالبین حقیقت پر مصائب کا ذکر ہو اور ان کی گونا گوں کیفیات و احوال کی طرف اشارہ ہو، ـــ کہ جو کوئی انہیں سنے تو اپنے کیے پر شرمندہ ہو اور آئندہ کے لیے اپنے عزم اور ارادے میں پختگی کا اظہار کرے، اس قسم کے سماع سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض اہلِ وجد و حال کی روحانی غذا سماع ہے۔ وہ لوگ سماع کے ذریعے قرب و وصال کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ان میں ایسا روحانی ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کے فقر و فاقہ کی سوزش جاتی رہتی ہے، ـــ ایسی صورت میں عموماً اس طرح سے ہوتا ہے کہ ایسے شعر سن کے صاحبِ حال کو حضوریٔ قلب میسر آتی ہے۔ اس وقت اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے جیسے اس نے یہ شعر کسی حدی خواں سے سنا ہے، جس نے اس کی شوق کی آگ کو بھڑکا دیا ہے۔ مثلاً:

"الٰہی! میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، میری خطائیں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہیں، اس کے باوجود عشق لیلیٰ سے باز

www.waseemziyai.com

نہیں آیا، اس سے ملنے ملانے کا شوق قائم دائم ہے"۔

ایسے اشعار سن کر ان کا دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اس طرح امرِ حق پر قائم رہنے کے لیے ان کی قوتِ ارادی میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ ان میں ایک نیا عزم پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے سماع کے اثر سے وہ ذکرِ الٰہی میں مشاغل ہو جاتے ہیں۔

وجدانی کیفیت کی پہچان:

ہمارے ایک ساتھی کا کہنا ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کی وجدانی کیفیت کو تین چیزوں سے پہچان لیتے تھے:

- سوال کے موقع پر،
- غیظ و غضب کے موقع پر،
- سماع کے موقع پر

صوفیاء کرام پر رحمتِ الٰہی کا نزول:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی جماعت پر تین مواقع پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے:

- کھانے کے وقت، کیونکہ وہ فاقہ کشی (کی تکلیف برداشت کرنے) کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔
- جب مل کر اکٹھے ذکرِ الٰہی کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس وقت صدیقین اور انبیاء کرام کے احوال سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔
- سماع کے وقت، اس لیے کہ وہ اسے وجدانی کیفیات کے ساتھ سنتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی کے سامنے حاضر ہوتے ہیں۔

وجدانی احوال و کیفیات:

شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے وقت صوفیاء کے وجدانی احوال و کیفیات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"یہ حضرات ان معانی سے آگاہ ہوتے ہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں، جب وہ ان معانی سے لطف اُٹھانے لگتے ہیں تو یہ معانی انہیں اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اسی دوران اچانک ایک حجاب آ جاتا ہے، یہ خوشی گریہ و زاری میں بدل جاتی ہے۔ پھر یہ حال ہوتا ہے کہ اس غم سے کوئی کپڑے پھاڑتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی چیختا چلاتا ہے"۔

محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع کا سامع حجاب اور تجلی کے درمیان ہوتا ہے،

- حجاب سوز پیدا کرتا ہے، اور تجلی مزید نور بخشتی ہے،
- حجاب سے مریدین کی مخصوص حرکات پیدا ہوتی ہیں، اور یہ ضعف و عجز کا مقام ہے، اور تجلی سے خدا رسیدہ صوفیاء کو سکون ملتا ہے۔

یہ مقام اور درجہ ان لوگوں کا ہے جنہیں تمکین و ہوش و استقامت حاصل ہے۔ اسی طرح یہ حضوری کا مقام ہے۔ اس مقام پر صاحبِ حال ہیبت کی وجہ سے صدمے پر صدمہ اُٹھاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

سامع کے لیے لازم ہے

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ[1] کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جدامجد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''سامع، سماع اس حال میں سنے کہ اس کا دل زندہ ہو اور نفس مردہ ہو، — جس شخص کا دل مردہ ہو اور نفس زندہ ہے، اس کے لیے سماع سننا جائز نہیں ہے''۔

خوش الحانی اثر آفریں ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ

''وہ مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے''۔

اس کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ اس اضافہ میں اچھی آواز بھی شامل ہے، — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ خوش الحان آدمی کی تلاوتِ قرآن کو اس شخص سے زیادہ متوجہ ہو کر سنتا ہے جو اپنی گانے والی لونڈی کے گانے کو کان لگا کر سنتا ہے''۔

شیطان کی صوفیاء کرام پر گھات:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا:

''کیا تو ہمارے ساتھیوں پر غالب آتا ہے یا ان سے کچھ فائدہ حاصل کرتا ہے؟''

شیطان نے جواب دیا:

''میرے لیے ان پر غالب آنا اور قابو پانا بہت دشوار ہے۔ اور ان سے دو مواقع کے سوا کوئی فائدہ حاصل کرنا سخت مشکل ہے''۔

میں نے اس سے پوچھا:

''وہ دو مواقع کون سے ہیں؟'' — اس نے جواب دیا:

''ایک تو سماع کے وقت اور دوسرا دیکھتے وقت، — ان مواقع پر میں ان سے کچھ چرا لیتا ہوں اور اس سے ان پر قابو پالیتا ہوں''۔

میں نے اپنا یہ خواب ایک شیخ سے بیان کیا تو وہ فرمانے لگے:

---

[1] — ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی، نیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ مشہور کتاب ''طبقات الصوفیاء'' آپ کی تصنیف ہے، جو صوفیاء کرام کا قدیم تذکرہ ہے۔ آپ ۳۲۵ھ/۱۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ طلب علم وحدیث کے لیے تمام بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کی تعداد اٹھائیس سے زیادہ ہے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر تصنیف وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ تفسیر وحدیث اور تصوف میں کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کی تفسیر ''حقائق تفسیر'' بھی بہت مشہور ہے۔ ۴۱۲ھ میں وفات پائی اور نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔

www.waseemziyai.com

''اگر میں یہ خواب دیکھتا تو اس سے کہتا: اے بیوقوف! کیا تو ان کے حقیقی سماع اور حقیقی نظر سے کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے یا کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے''۔

یہ سن کر میں نے کہا:

''آپ سچ فرماتے ہیں (حقیقی سماع اور حقیقی نظر شیطان کی پہنچ سے باہر ہیں)۔

خوش گلو مغینائیں:

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے پاس ایک کنیز تھی جو مجھے کچھ سنا رہی تھی۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ وہ کنیز بدستور گاتی رہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کو دیکھ کر وہ کنیز بھاگ گئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ کس بات پر تبسم فرمایا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گانے والی کنیز کا واقعہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں تب تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک میں بھی وہ چیز نہ سن لوں جو اللہ کے رسول نے سماعت فرمائی ہے''۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیز کو حکم دیا تو اس نے انہیں بھی وہی کچھ سنایا۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ شیخ کی دو کنیزیں بڑی خوش گلو تھیں، وہ گانا گایا کرتی تھیں، ان کنیزوں کے بھائی ان کے پاس آتے تھے اور گانا سنتے تھے،——

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ میری قاضی ابو مروان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ہاں کئی کنیزیں تھیں، جو گایا کرتی تھیں۔ انہیں صوفیاء کرام کو سنانے کے لیے تربیت دی گئی تھی۔ وہ انہیں سماع سے محظوظ کرتی تھیں۔

یہ قول جو میں نے شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یہاں پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک اس سے بچنا اور پرہیز کرنا بہتر ہے۔ سماع اسی وقت مناسب ہے جبکہ دل پاک ہو اور آنکھیں بند ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اس شرط کو پورا کیا جائے:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ○

''اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے''۔

بہر حال شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول عجیب وغریب ہے، ایسی باتوں سے بچنا اور پاک رہنا ہی صحیح راہ ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی:

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز اتنی عمدہ اور خوش الحان تھی کہ جب وہ اپنے نفس پر نوحہ کرتے اور زبور کی تلاوت فرماتے تو ان کی حسین آواز سننے کے لیے انسان، جنات اور پرندے جمع ہو جاتے۔ اس کا اتنا اثر ہوتا تھا کہ ان کی

www.waseemziyai.com

مجلس سے ہزاروں جنازے اُٹھائے جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی عمدہ آواز کی تعریف میں ارشاد فرمایا:

''انہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے سازوں میں سے ایک ساز عطا کیا گیا ہے''۔

اشعار میں حکمت ودانائی کی باتیں:

○ — حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

''شعر میں بھی بے شک حکمت ودانائی کی باتیں ہوتی ہیں'' —

○ — رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔اس وقت کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرر ہے تھے اور کچھ اشعار پڑھنے میں مشغول تھے۔اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! قرآن بھی (پڑھا جارہا ہے) اور شعر بھی''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کبھی یہ چیز ہوتی ہے اور کبھی وہ''۔

○ — ایک بار نابغہ الجعدی (مشہور عرب شاعر) نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

(۱) وہ عقل کسی کام کی نہیں جس کے پاس ایسے اصول نہ ہوں جو کھرے اور کھوٹے میں فرق کر سکے۔

(۲) وہ شخص کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اسے کوئی عقل مند رہبر نہ ملے۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے اسے دعا دیتے ہوئے فرمایا:

''اے ابولیلیٰ! تم نے خوب کہا، اللہ تمہارا منہ بند نہ کرے''۔

آپ ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ نابغہ جعدی کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی۔ان کے سامنے کے دانت لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے۔(یعنی رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے اتنی لمبی عمر کے باوجود ان کے سامنے کے دانت بھی نہیں گرے، اور ان کا منہ بھی بند نہیں ہوا۔)

○ — اسی طرح سے رسول اکرم ﷺ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوادیا کرتے تھے۔جس پر کھڑے ہو کر وہ ان کافروں کی ہجو میں اشعار پڑھتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدکلامی و گستاخی کرتے تھے۔ایسے مواقع پر رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) اس وقت تک حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرتے رہیں گے''۔

○ — کسی نیک آدمی نے حضرت ابوالعباس الخضر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا:

''آپ کی سماع کے بارے میں کیا رائے ہے؟ جس میں ہمارے ساتھی اختلاف کررہے ہیں''۔

www.waseemziyai.com

حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"سماع ایک صاف وشفاف پانی ہے۔اس پر علماء کے سوا کسی اور کے قدم نہیں ٹھہر سکتے"۔

سماع کا قرینہ:

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے عرض کی:

"یارسول اللہ! کیا آپ سماع کا انکار فرماتے ہیں"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں سماع کا منکر ہوں مگر انہیں کہہ دو کہ وہ سماع سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت کیا کریں اور سماع کے بعد بھی قرآن کریم پڑھیں"۔

میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! وہ مجھے تکلیف دے کر خوش ہوتے ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے بوعلی! تم ان کی باتوں کو برداشت کرو کہ وہ تمہارے دوست احباب ہیں"۔

اس کے بعد ممشاد دینوری رضی اللہ عنہ فخریہ فرمایا کرتے تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کنیت (ابوعلی) عطا فرمائی"۔

سماع سے انکار کی صورت:

سماع مریدوں کی اس جماعت کے لیے پسندیدہ نہیں جو باطنی طریقت کے مبتدی ہیں، ان کے نفوس نے پر خلوص مجاہدے کی ابھی مشق نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ان پر نفس کی صفات اور قلب کے احوال اچھی طرح سے ظاہر نہیں ہوئے، ــــ

ابتدائے حال میں مریدوں کے معاملات واحوال میں نظم وضبط پیدا نہیں ہوتا۔ احوال ومعاملات میں نظم وضبط علم باطن کے ذریعے ہی آسکتا ہے۔ معاملات وحرکات میں نظم وضبط کے بعد ہی مریدین اپنے مشاغل میں اچھائی بُرائی کو جان سکتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائے حال میں مریدوں سے ایسی حرکات رونما ہوسکتی ہیں، جن سے سماع سے انکار کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے وجد کا حال:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک بار وہ بغداد میں تشریف لائے۔ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ ایک قوال بھی تھا۔ ان لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی کہ وہ قوال آپ کو کچھ سنائے۔ آپ نے اجازت دے دی تو قوال نے یہ اشعار پڑھے۔ (مفہوم یہ ہے:)

○ ــــ تمہاری تھوڑی محبت میرے لیے عذاب بن گئی ہے۔ اگر یہ اپنے کمال کو پہنچے تو میرا کیا حال ہوگا۔

www.waseemziyai.com

○ ——ہر طرف بکھرے ہوئے محبت کے ذروں کو سمیٹ کر میرے غم زدہ دل میں جمع کر دیا ہے۔

○ —— تجھے ایک غم کے مارے انسان پر ذرا ترس نہیں آتا جو تیرے ہنسنے کے خیال میں رو رہا ہے۔

یہ سن کر حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک کیف طاری ہو گیا۔ وہ جوش میں آ کر وجد کرنے لگے۔ اور پیشانی کے بل گر پڑے۔ ان کی پیشانی سے خون رس رہا تھا مگر ٹپک نہیں رہا تھا، —— حضرت ذوالنون کے وجد کا یہ عالم دیکھ کر ان لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا تا کہ وہ بھی وجد کرے۔ حضرت ذوالنون نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"اے شخص! اس ذات سے ڈر اور اس کا خوف کر، جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے"۔

یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔ کیونکہ اس بات میں صداقت تھی اور اسے پتہ تھا کہ اس کی روحانیت کامل نہیں، اس لیے وہ وجد کے لیے کھڑے ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

دکھاوے کا وجد:

بعض اوقات سماع کی محفل میں ایسا شخص بھی وجد کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے جو روحانیت کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ وہ اس وجہ سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ جب وہ ایک موزوں لحن کے ساتھ راگ سنتا ہے تو اس کی طبیعت بھی موزوں ہو جاتی ہے۔ وہ خوشی اور نشاط کے باعث لہرا اُٹھتا ہے۔ اس کے نفس کا حجاب دل کے چہرے پر پڑ جاتا ہے۔ اس کے اندر کا خوف اور طبعی دہشت کم ہو جاتی ہے، —— پھر وہ ایک اور انداز کے ساتھ رقص کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہ رقص، بناوٹ سے خالی نہیں ہوتا، ایسا وجد اہلِ حق کے نزدیک حرام ہے۔ ایسا شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یہ وجد نشاط قلب ہے۔ اس کا یہ انبساط قلب اللہ کے لیے نہیں بلکہ اس کا قلب، نفس کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ وہ نہ صرف نفسانی خواہش کی طرف مائل ہے، بلکہ ہلاکت کی طرف بھی جا رہا ہے۔ اس کی ان حرکات میں نیک نیتی نہیں، نہ ہی وہ علم طریقت کی شرائط سے واقف ہے۔ اس نے اب تک اللہ کے لیے انبساط کا مشاہدہ ہی نہیں کیا، —— ایسے ہی رقص کے لیے کہا گیا ہے کہ رقص ضیاع ہے۔ کیونکہ یہ رقص نفسانیت پر مبنی ہے، اس میں نیک نیتی شامل نہیں۔ بالخصوص جبکہ اس کے رقص کی حرکات میں ناظرین کے بہلانے کے لیے کھلی منافقت ہو۔ وہ نیک نیتی کے بغیر رقص کرتے ہوئے نشاط نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے، پھر کبھی معانقہ کرتا ہے، کبھی ہاتھ چومتا ہے، کبھی پاؤں چومتا ہے، —— اہلِ تصوف ایسی حرکتوں کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے۔ محض لباس اور صورت کے علاوہ اس کا تصوف سے اور کوئی تعلق نہیں ہے۔

اَمرد (یعنی نوخیز) قوال کے فتنے:

قوال اگر نوخیز اور بے ریش ہو تو وہ نفس کے لیے باعث کشش بن جاتا ہے۔ اسے دیکھنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ جس سے بُرے خیالات سر اُٹھاتے ہیں، —— اور اگر عورتیں بھی اس مجلس کے قریب ہوں اور وہ اس طرف متوجہ ہوں۔ جن لوگوں کا باطن نفسانی خواہش سے بھرا ہو، ایسے موقع پر وہ لوگ رقص کی حرکتوں اور وجد کے ذریعے پیغام رسانی کرتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر فسق و فجور ہے۔ جس کے حرام ہونے پر سبھی لوگ متفق ہیں۔ ایسی حرکتیں کرنے والے اپنا ضمیر گندا کرتے ہیں۔ بازاری کسبی لوگ ان سے کہیں اچھے ہیں، اس لیے کہ ان کا فسق و فجور تو سب پر ظاہر ہے، —— مگر ایسے لوگ اپنی غلط کاریوں کو انجان لوگوں کے سامنے عبادت بنا کر

www.waseemziyai.com

پیش کرتے ہیں۔

اخلاق سے گری یہ حرکتیں ایسی ہیں جنہیں کوئی ایماندار آدمی پسند نہیں کرتا۔ایسی گری حرکتوں کی وجہ سے منکرینِ سماع کو انکار کا موقع ملا ہے۔اس صورت میں ان کا انکار کرنا درست ہے۔کیونکہ ایسی حرکتیں قابلِ نفرت ہیں، جو وقت کا ضیاع کرتی ہیں۔لہٰذا اگر کوئی سماع کا منکر کسی نو آموز سالک کے سامنے ان حرکتوں کی بُرائی کرے تو وہ یقیناً ان سے باز آ جائے گا۔اور ایسی مجالس میں شریک ہونے سے گریز کرتا ہے،اس لحاظ سے اس کا سماع سے انکار کرنا درست ہے۔

درویشوں کا رقص:

بعض درویش وجد اور حال کا اظہار کیے بغیر موزوں طریقے سے رقص کرتے ہیں۔اس میں ان کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ بعض فقراء سے رقص کی حرکات میں موافقت کریں۔چنانچہ وہ موزوں حرکات کے ساتھ رقص کرنے لگتے ہیں۔مگر وہ حال اور وجد کا دعویٰ نہیں کرتے۔ان کی یہ حرکتیں شرعی طور پر حرام تو نہیں کہی جا سکتیں مگر لغو ہی شمار کی جائیں گی۔روحانیت کے لحاظ سے بھی جائز نہیں، البتہ یہ حرکتیں مباح کہی جا سکتی ہیں۔جیسے اہل وعیال سے جنسی دل لگی،۔۔۔ان کے ساتھ کھیل کود (چھیڑ چھاڑ)، یہ سب ایک طرح کی ظرافت ہے۔اور اگر نیت نیک ہو تو اسے عبادت بھی کہا جا سکتا ہے۔بشرطیکہ نفس کی تکان دور کرنے کے لیے ہو۔جیسا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''میں اپنے نفس کو کسی بیکار شے سے بہلاتا ہوں تا کہ وہ حق کام کے لیے میرا مددگار رہو''۔

اسی لیے آرام کے لیے بعض مخصوص اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔تا کہ اللہ کے بندے کچھ آرام سکون کر سکیں۔اور عمل کو ترک کر کے نفس کی بعض ضرورتیں پوری کی جائیں اور اس توقف سے اسے راحت وخوشی محسوس ہو،۔۔۔

انسان اپنی خلقت میں مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔اور اپنی تخلیق کے اعتبار سے گوناگوں ہے۔(جیسا کہ اس کی وضاحت کسی باب میں کی جا چکی ہے۔)اس کی جسمانی ساخت فقط حق باتوں پر اکتفاء نہیں کر سکتی۔اسے اس طرح کے تفریحی مباح کاموں میں بھی لگانا پڑتا ہے،جن کی طرف اس کا رجحان ہو۔تا کہ وہ اُمورِ حق کو ادا کرنے کے لیے چوکس و ہشیار ہو سکے۔

مباح کی حیثیت:

مباح کام شرعی طور پر نا جائز نہیں ہے،اس لیے مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس کے دونوں طرفین مساوی اور معتدل ہوں، یعنی جس کا نہ کرنا نہ گناہ ہو اور کرنا ثواب ہو،مگر طریقت کے لحاظ سے باطل ہے۔

میں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مردِ صادق کے بارے میں قول پڑھا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

- ۔۔۔اس کا جہل اس کے علم میں اضافے کا باعث ہو،
- ۔۔۔اس کا ہر باطل کام اس کے حق کاموں میں بڑھاوے کا باعث ہو،
- ۔۔۔اس کی دنیا اس کی آخرت میں زیادتی وکثرت کا باعث ہو۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتیں محبوب تھیں تا کہ یہ امر آپ کے نفسِ شریعت کے لطف اور اس کی طہارت و پاکیزگی کا

سبب بن جائے، ـــ اس لیے آپ کے لیے ازواجِ مطہرات کے حقوق بھی زیادہ ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے جو مباح کام دوسروں کے لیے شرعاً جائز تھے، اور طریقت وحال میں رسول اللہ ﷺ کے حق عبادت کا درجہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ نکاح کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ایک طرح کی عبادت ہے۔ ازروئے قیاس اس میں بہت سی دینی و دنیاوی مصلحتیں بھی ہیں، جن کی تفصیل فقہاء کرام نے نفلی عبادات چھوڑنے کے مسئلہ میں بیان کی ہے۔

اس اصول کے مطابق رقص کرنے والا درویش جو روحانی وجد وحال کا دعویٰ نہ کرے، وہ منکر کے انکار سے محفوظ ہے۔ (یعنی اس سماع سے محفوظ ہے جس کا لوگ انکار کرتے ہیں۔) لہٰذا اس رقص سے درویش کو نہ فائدہ ہوگا نہ نقصان، ـــ اگر نیت اچھی ہو تو ایسا تفریحی کام عبادت میں شمار ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب رقص کرنے والے کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کا لطف وعنایت ہو۔

لیکن ایسا رقص مشائخ طریقت کے شایانِ شان نہیں اور نہ ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں بھی لہو ولعب کا ایک پہلو موجود ہے، جو ان کے بلند منصب اور شان کے لائق نہیں۔

سماع کا مطلق انکار ممنوع ہے:

سماع کا مطلق انکار ممنوع ہے۔ کیونکہ کسی تفصیل کے بغیر سماع کے منکر میں ان تین باتوں میں سے کوئی ایک ضروری پائے جائے گی:

- ـــ یا تو وہ احادیث اور آثارِ صحابہ سے بالکل لاعلم ہے،
- ـــ یا اسے اپنے نیک کاموں پر غرور ہے،
- ـــ یا وہ ایسا مردہ دل یا بدذوق ہے، اور اپنی بدذوقی کی وجہ سے انکار پر اصرار کر رہا ہے۔

اب ہم انکار کی ان تینوں وجوہ کا جواب پیش کرتے ہیں:

حدیثِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استنباط:

اگر منکر سماع حدیث سے ناواقف ہے تو اسے وہ حدیث پڑھنی چاہیے جو گزشتہ سطور میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے پیش کی جا چکی ہے۔ اور صحابہ کے آثار میں وہ اقوال بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض حضرات کو اجازت دی تھی۔ جیسے کہ مسجد نبوی میں حبشی رقص کر رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اس رقص کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ اجازت اس لیے تھی کہ رقص کرنے والوں کی حرکتیں ان مکروہ باتوں سے پاک تھیں، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

آثارِ صحابہ کرام سے سماع کا استنباط:

- ـــ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا:

"تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں"۔

www.waseemziyai.com

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوب اُچھل کود کی۔

○ —— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا:

''تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو''۔

وہ بھی خوشی کے مارے بہت اُچھلے اور کودے۔

○ —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا:

''تم ہمارے بھائی اور مولیٰ (آزاد غلام) ہو''۔

وہ بھی خوشی کے باعث اُچھلنے لگے۔

○ —— اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے معاملے میں [1] فیصلہ ہوا تو وہ خوشی کے مارے اُچھلنے لگے۔ اس معاملے میں حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔

جیسی نیت ویسی مراد:

سماع کے منکر کے انکار کی ایک وجہ اپنے نیک اعمال پر فخر وغرور ہے۔ اس سے یہ کہا جائے گا: اگر عبادات کی وجہ سے تم بارگاہِ الٰہی کے مقرّب ہو تو تمہیں یہ مرتبہ اس لیے حاصل ہوا کہ تمہارے اعضاء عبادت میں مشغول رہے۔ اگر تمہارے قلب کی نیت نیک نہ ہوتی تو تمہارے ہاتھ پاؤں کے اعمال کی بھی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی۔ کیونکہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو ویسا بدلہ ملتا ہے جیسی اس کی نیت ہو۔ اسی نیک نیتی کی وجہ سے ہی تم اللہ کی طرف اُمید وبیم سے دیکھتے ہو، ——

○ —— اسی طرح جب کوئی صوفی یا درویش شعر سنتا ہے تو وہ اس کے مطالب پر غور کر کے اپنے پروردگار کو خوشی یا غم اور عاجزی و نیازمندی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اسی احساس سے اس کا دل اللہ کی یاد سے بے چین ہو جاتا ہے۔

○ —— اسی طرح جب درویش (صوفی) کسی پرندے کی آواز سنتا ہے، اس کی مسحور کن آواز اسے اچھی لگتی ہے۔ اسے فوراً اس کے خالق اور صانع کا خیال آتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی آواز کو کیسی دلکشی عطا کی ہے۔ اس کا گلا کیسے اچھا بنایا ہے۔ اسے اپنی آواز پر کیسا اختیار دیا ہے، اس کے گلے سے آواز کس طرح سے نکل کر کانوں تک پہنچ کر رس گھولتی ہے۔ —— اسی طرح غور وفکر کے ساتھ وہ اللہ کے ذکر اور تسبیح میں مصروف ہو جاتا ہے۔

○ —— اسی طرح جب وہ کسی خوش گلو شخص کی آواز سنتا ہے تو اس وقت بھی اس کے دل میں اسی طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا دل ذکرِ الٰہی میں لگ جاتا ہے۔

ایسے میں سماع کی خوبیوں کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] —— سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ تینوں صحابہ کرام ان کی صاحبزادی کی پرورش کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے طور پر یہ ذمہ داری لینے کے لیے تیار تھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اس بچی کی خالہ تھیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ اور بچی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی کفالت میں دے دی گئی۔

www.waseemziyai.com

رسول اللہ ﷺ کے حضور میں شعر خوانی:

ایک صالح اور خدا رسیدہ شخص کا واقعہ اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں جدہ میں سمندر کنارے ایک مسجد میں معتکف تھا۔ ایک دن میں نے کچھ لوگوں کو مسجد کے ایک گوشے میں شعر خوانی کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے یہ بات کچھ اچھی نہ لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شعر خوانی کر رہے ہیں۔ اسی دن رات کو مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے اسی گوشہ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے پہلو میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ اشعار پڑھ رہے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ بڑے انہماک سے سن رہے ہیں، اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے سینہ اطہر پر ایسے رکھے ہوئے ہیں جیسے کوئی وجد میں ہو، —— یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں غلط خیال نہیں کرنا چاہیے تھا جو دن کے وقت مسجد میں شعر خوانی کر رہے تھے، جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اشعار پڑھ رہے ہوں اور رسول اللہ ﷺ سماعت فرما رہے ہوں۔

اسی خواب کے عالم میں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اشعار سماعت فرما کر ارشاد فرما رہے ہیں:

”یہ حق بحق ہے، —— یا —— حق از حق ہے“۔

سماع کن حالات میں منع ہے؟:

سماع ان صورتوں میں منع ہے، جب:

- —— یہ آواز کسی امرد (بے ریش اور نوخیز) کی ہو جسے دیکھ کر فتنہ پیدا ہونے کا خدشہ ہو،
- —— یا کسی غیر محرم عورت کی آواز ہو، اور اس کی آواز سے بھی ذکر و فکر کی وہی کیفیت پیدا ہوتی ہو جو ابھی ذکر کی گئی۔

اس صورت میں بھی فتنہ کے خوف کی وجہ سے ایسا سماع حرام ہوگا، —— ہر حرام چیز یعنی حرمت کے لیے ایک حد مقرر ہے، جہاں پر حرمت کی حکمت کے لیے لکیر لگا دی جاتی ہے۔

- —— جس طرح نوجوان روزہ دار کے لیے روزہ کی حالت میں بوسہ لینا منع ہے، کیونکہ وہ حرمت، مباشرت و صحبت کی چار دیواری ہے (یعنی بوسہ سے مباشرت کی ترغیب ہوتی ہے اور روزے کی حالت میں مباشرت حرام ہے)۔
- —— اسی طرح تنہائی میں نامحرم عورت سے ملنا بھی منع ہے (اس میں بھی حرام کی طرف جانے کا ڈر ہوتا ہے)۔

بالکل اسی طرح بعض خاص مصلحتوں کی وجہ سے سماع سے منع کیا جاتا ہے جبکہ سامع کے بارے میں یقین ہو کہ اس پر سماع کے اچھے اثرات نہیں ہوں گے۔

دل کا مردہ بھی سماع کا منکر ہوتا ہے:

بعض اوقات ایسا شخص بھی سماع کا انکار کرتا ہے جس کا دل مردہ ہو اور اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہو، —— اس وقت کہا جائے گا:

- —— یہ اس نامرد کی طرح ہے جو مباشرت کی لذت اور جماع کے لطف سے نا آشنا ہے،

www.waseemziyai.com

○ — یا وہ ایک نابینا کی طرح ہے جو حسن و جمال کی رعنائیوں سے ناواقف ہے،

○ — جو رنج و غم سے ناشناسا ہو، وہ رنج و غم اور دکھ درد کو کیا جانے۔

جب یہ صورتِ حال ہو تو پوچھنے کی یہ بات ہے کہ پھر تو اس سچے عاشق کی محبت کا منکر کیوں ہے، جس کا دل محبوب کی محبت اور شوق میں پروان چڑھ رہا ہے۔ اور وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اس کی روح قفسِ عنصری کے تنگ دامن میں گھٹی ہوئی پڑی ہے۔ اس سے آزاد ہونے کے لیے پر پھڑپھڑا رہی ہے، — اس کی روح کو جب وطن کی بادِ نسیم کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے چھوتے ہیں تو وہ ان کے لمس سے لطف اُٹھاتی ہے، — اسے اللہ کی محبت اور اس کے عرفان و معرفت کے لشکر اپنی جھلک دکھا رہے ہیں۔ اس کی روح نفس کی دنیا میں ایک پردیسی کی طرح رہ رہی ہے۔ اور ہجر کے جام سے جدائی کے کڑوے گھونٹ پی رہی ہے۔ ریاضت و مجاہدات کے ناقابلِ برداشت بوجھ تلے سسک رہی ہے، — اور جب اسے مشاہدۂ جلوۂ حق کی کوئی جھلک نظر نہ آئے، اگرچہ کثرتِ اعمال کی بدولت نفس کی منزلیں بھی طے کر رہا ہو مگر کسی طرح سے وصال کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی ہو اور حسن و جمال کے حجاب حائل ہوں تو ایسی بے بسی میں وہ ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے، اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ سختی اور مشکلات میں ایک طرح کی راحت محسوس کرتا ہے۔ محبت کی راہ میں نفس و شیطان جو رکاوٹ بنے ہیں، ان سے اس طرح سے بات کرتا ہے:

"اے نعمان کے پہاڑو! خدا کے لیے راہ سے ہٹ جاؤ، اور مجھ تک بادِ نسیم کے جھونکے آنے دو۔ یہ نسیم اس قدر راحت بخش ہے کہ اس کی بدولت میرے دل سے غم کی بھیڑ چھٹ جاتی ہے۔ گرمیِ عشق کہ جس سے مغز تحلیل ہو جاتے ہیں، اس سے مجھے ٹھنڈک ملتی ہے اور جگر کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

لیلیٰ سے میرے عشق کا مرض بڑا قدیم ہے، جو مرض جتنا پرانا و قدیم ہو، اس کی شہرت بھی اس قدر زیادہ ہوتی ہے"۔

سماع کا منکر یہ سن کر شاید یہ کہے کہ محبت تو حکم کی تعمیل کا دوسرا نام ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ محبت میں اللہ کا خوف ہونا چاہیے، — اس بات سے منکر اُس خاص محبت کا انکار کرتا ہے جو خواص اور اہلِ باطن کی محبت ہے۔ وہ شاید اس حقیقت سے ناآشنا ہے کہ یہ حضرات ایمانی درجات میں عالمِ محسوسات سے بھی بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ اور کشف و مشاہدوں کی کثرت کی وجہ سے، انہوں نے اپنے نفس اور اپنی روح کو بھی قربان کر دیا ہے۔

کثیر مشاہدۂ جلوۂ حق نے حواس کھو دیئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کا واقعہ بیان فرمایا جو اپنی ماں کے ہمراہ ایک پہاڑ پر رہتا تھا۔ ایک روز اس نے اپنی ماں سے پوچھا:

"آسمان کس نے پیدا کیا؟" — ماں نے کہا: "اللہ نے!"۔

پھر اس نے پوچھا: "زمین کو کس نے پیدا کیا؟" — ماں نے کہا: اللہ نے!"

پھر اس نے پوچھا: "پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟" — ماں نے کہا: اللہ نے!"

پھر اس نے پوچھا: "بادلوں کو کس نے پیدا کیا؟" — ماں نے کہا: اللہ نے!"

www.waseemziyai.com

یہ سن کر لڑکا جلوہ حق کے کثیر مشاہدہ سے سخت حیران ہوگیا۔ اور بے ساختہ کہنے لگا:

''اللہ اتنی بلند شان والا ہے''۔

یہ کہتے ہوئے وہ حواس باختہ ہوگیا اور پہاڑ سے کود کر جان، جاں آفریں کے حوالے کردی۔

اللہ کا حسن و جمال، فہم وادراک سے بالا ہے:

اللہ کا حسن ازلی، پاکیزہ روحوں پر اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اللہ کا حسن و جمال، انسان کے فہم وادراک سے بالا ہے، — اس کی تشریح وتفسیر فکر انسانی کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ عقل کا تعلق عالم ظاہری سے ہے۔ اسے فقط اللہ کے وجود کا علم ہوا ہے۔ اس کی جلوہ گاہ اور معرفت کے خزانے تک اس کی پہنچ نہیں۔ وہ غیب کی تجلیات میں چھپا ہے، لیکن پاک ومنزہ روحوں پر وہ جلوہ نما ہوجاتا ہے۔

اللہ کے حسن و جمال کا مشاہدہ ونظارہ:

اللہ کے حسن و جمال کا مشاہدہ ونظارہ ایک بڑا ہی خاص مرتبہ ومقام کا حامل ہے۔ یہ ایک عام بات ہے، — اس سے بلند تر محبت کا وہ خاص مرتبہ ومقام ہے کہ جب جمال کبریائی کے کمال اور مسلسل عطاو بخشش کے جمال کا مشاہدہ کیا جائے، —

- — اس میں وہ صفاتِ الٰہیہ بھی شامل ہیں جو عالمِ دوام میں آشکارا ہوئیں،
- — اور وہ صفاتِ الٰہیہ بھی ہیں جو ازل میں لوازم ذات ہوئیں۔

ان کمالات کے جمال کا مشاہدہ ظاہری حواس نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ڈھونڈ نکالنا عقل و قیاس کے بس کی بات ہے، — خاصانِ خدا کی فقط ایک جماعت ایسی ہے جس نے صفاتِ الٰہیہ کی تجلیوں کے مشاہدہ کے لیے خود کو وقف کر لیا ہے، — چنانچہ اسی مشاہدے کے مطابق ان میں ذوق وشوق اور وجد وسماع کا جذبہ پایا جاتا ہے، — پہلی والی جماعت کو ذاتی تجلّیوں کا ایک حصہ عطا ہوا ہے، اس لیے ان میں پایا جانے والا وجد کا جو ذوق ہے وہ وجود کے مطابق (بقدر وجود) ہے، اسی طرح ان کا سماع بھی شہود کی حد تک ہے۔

اہلِ سماع کی کرامات:

اہلِ سماع کی بعض کرامتیں دیکھنے میں آئیں، چند ایک بیان کی جاتی ہیں:

- — ایک شیخ طریقت نے بیان کیا کہ ہم نے ایک ایسی جماعت دیکھی ہے جو پانی پر چلتی تھی، اور وہ اسی حالت میں سماع پر والہانہ وجد کرتی تھی۔
- — ایک اور بزرگ کا کہنا ہے کہ ایک بار ہم ساحل پر تھے۔ ہمارے ایک ساتھی نے جب سماع سنا تو پانی کے اوپر ہی لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اور پانی کے اوپر ہی اِدھر اُدھر آنے جانے لگا۔ اور جب وجد کی حالت ختم ہوئی تو وہ پھر اپنے مقام پر ساحل پر آ گیا۔
- — ایک اور بزرگ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ سماع کے وقت آگ پر لوٹنے لگے، اور انہیں آگ کی حرارت کا ذرہ بھی

www.waseemziyai.com

احساس نہیں ہوا۔

○ ـــ ایک اور کرامت منقول ہے کہ ایک صوفی درویش پر جب وجد طاری ہوتا تو وہ شمع کی لو کو اپنی آنکھ کے اندر رکھ لیتے، ـــ دیکھنے والے نے بتایا کہ میں اس کا اثر دیکھنے کے لیے ان کے قریب آیا تو ان کی آنکھ سے ایسا نور نکلا جو شمع کی لو کو روکتا تھا، یعنی شمع کے شعلہ سے ان کی آنکھ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

○ ـــ ایک درویش کے بارے میں روایت ہے کہ سماع کے دوران اس پر وجد طاری ہو جاتا تو وہ زمین سے کافی اونچا بلند ہو جاتا اور ہوا میں معلق ہو جاتا، پھر فضا میں چلتا اور پھر اپنے مقام پر لوٹ آتا۔

شیخ ابو طالب مکی اور سماع:

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں سماع کے انکار کے حوالے سے لکھا ہے:

''اگر کوئی شخص مطلق طور پر سماع کا انکار کرتا ہے تو اس انکار سے گویا وہ ستر صدیقوں کا منکر ہو جاتا ہے، ـــ حالانکہ ہمیں اس بات کا پتہ ہے کہ سماع کے انکار سے ہم قاریوں اور عابدوں کے دلوں کے قریب ہو جائیں گے، لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان قاریوں اور عابدوں سے ہمارا علم زیادہ ہے، ـــ ہم نے اپنے اسلاف اور تابعین سے سماع کے بارے جو کچھ سنا ہے، اس کے متعلق یہ نہیں جانتے''۔

یہ رائے ان شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار کا بہت زیادہ علم تھا۔ اسی علم کی بدولت انہوں نے سماع کے معاملہ میں اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ اور انہوں نے اس مسئلہ کی صحیح حقیقت معلوم کی، ـــ ان کی تائید کے باوجود ہم نے سماع کے جواز کے ساتھ ساتھ سماع کے منکرین کے دلائل بھی پیش کر دیئے ہیں۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص کو ایک شعر پڑھتے ہوئے سنا، جس کا مفہوم یہ ہے:

''سلمیٰ کے بارے میں پوچھتا پھرتا ہوں، ہے کوئی اس کی خبر دینے والا، ـــ کسی کو اس کے بارے میں پتہ ہو تو مجھے بتا دے، وہ کہاں مل سکے گی''۔

یہ شعر سن کر شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نعرہ مارا اور فرمایا:

''نہیں، خدا کی قسم! دونوں جہاں میں اس کی خبر دینے والا کوئی نہیں''۔

اہلِ نظر کا کہنا ہے کہ سماع باطنی صفات کے رازوں میں سے ایک راز ہے، ـــ

○ ـــ جس طرح اطاعت، ظاہری صفات کا ایک راز ہے،

○ ـــ جس طرح حرکت و سکون، ظاہری صفات ہیں،

اسی طرح احوال و اخلاق، باطنی صفات ہیں۔

اہلِ سماع کے درجات:

شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہلِ سماع کے تین درجے ہیں:

www.waseemziyai.com

○ — ایک طرح کے وہ لوگ ہیں جو کچھ وہ محفلِ سماع میں سنتے ہیں، اُسے سن کر وہ تجلیاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، —

○ — دوسری طرح کے وہ لوگ ہیں جو کچھ وہ محفل سماع میں سنتے ہیں' اسے سن کر وہ اپنے احوال اور اپنے مقامات اور اوقات کے مخاطبات کی طرف متوجہ نہیں' یہ لوگ علم وفضل کے مالک ہیں جو سماع میں رجوع الی اللہ کے لیے اشارے پاتے ہیں اور ان اشاروں سے صدق وحقیقت کے طالب ہوتے ہیں۔

○ — تیسری طرح کے وہ لوگ ہیں جو مجرد درویش ہیں۔ جنہوں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ جن کے دل دنیا اور اس کا مال سمیٹنے اور مال کو روک کر رکھنے کی آلودگی سے آلودہ نہیں ہوئے۔ وہ دلی مسرت کے لیے سماع کو سنتے ہیں۔ یہ سماع ان کے لیے نہایت نافع ہے۔ وہ اور لوگوں کی نسبت فتنوں سے زیادہ محفوظ ہیں اور سلامتی کے زیادہ قریب ہیں۔

سماع میں تکلّف کے پہلو:

جن لوگوں کے قلوب دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں، ان کے لیے سماع تکلّف اور محض بناوٹ ہے۔

کسی بزرگ سے سماع میں تکلّف کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ — انہوں نے فرمایا:

''سماع میں تکلّف کی دو اقسام ہیں:

○ — سامع دنیا کا فائدہ اور مال حاصل کرنے کے لیے تکلّف اختیار کرے، — یہ فریب اور خیانت ہے۔

○ — حقیقت طلب کرنے کے لیے تکلّف اختیار کیا جائے، — جیسے کوئی بہ تکلّف وجد کی صورت اور کیفیت پیدا کرے تا کہ اس پر وجد طاری ہو، —

یہ کیفیت ہو بہو ایسی ہے جیسے کوئی قرار کی حالت میں بہ تکلّف رونے کی کوشش کرے۔

کیا محفلِ سماع بدعت ہے؟:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سماع کے لیے موجودہ شکل میں محفل کا انعقاد بدعت ہے، — اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بدعت ممنوع ہے جو کسی ایسی سُنّت کے خلاف ہو جس کا حکم دیا گیا ہے، یعنی سُنّتِ مؤکدہ، — اگر ایسی صورت نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی کسی آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑا ہو جائے، — عربوں میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا، — کیا اس معمول کو ترک کر دیا جائے، — کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بھی اگر کہیں تشریف لے جاتے تو آپ کے لیے بھی لوگ کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس لیے کہ عربوں میں اس کا رواج نہیں تھا، — مگر بعض ممالک میں یہ طریقہ جاری ہے، — اس لیے اگر کوئی اس ملک کے رواج کے مطابق کسی کے استقبال کیلئے کھڑا ہو جائے، — یا اس کی خاطر مدارت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس رواج کو ترک کر دے یعنی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو تو لوگوں کو رنج ہو گا۔ اور ان کے دلوں میں ناراضگی پیدا ہو گی، — اس لیے یہ رسم آدابِ مجلس میں شمار ہونے لگی ہے۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جو جائز ہے اور یہ کسی تسلیم شدہ یعنی سُنّتِ ماثورہ کے خلاف نہیں۔ (یہی معاملہ محفل سماع کا ہے کہ وہ کسی سُنّتِ ماثورہ کے خلاف نہیں)

www.waseemziyai.com

باب نمبر۲۳:

سماع کی تردید اور انکار

محفلِ سماع کا انعقاد نفسانی خواہش کے لیے ہے:

گزشتہ سطور میں سماع کے جواز کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اور اس سلسلے میں اہلِ صدق وصفا کے آداب اور انداز بھی بیان کیے ہیں، —— سماع کی وجہ سے اس دور میں بہت سے فتنوں نے سر اٹھالیا ہے۔ جن کے باعث سماع کی پاکیزگی نہیں رہی۔ لوگوں میں سماع کا شوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ نیک اعمال میں ان کی دلچسپی کم ہوگئی ہے۔ لوگوں کی حالتیں اتنی بگڑ گئی ہیں کہ سماع کی محفلیں بڑی کثرت سے قائم ہونے لگی ہیں۔ حتیٰ کہ لوگ ان محافل میں کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اب دلی رغبت کی بناء پر محفل سماع کا انعقاد نہیں ہوتا جیسا کہ مخلص درویشوں کا طریقہ تھا۔ ایسی محافل اب تو فقط نفسانی خواہش اور سیر تماشے کے لیے منعقد ہوتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مریدوں کی روحانی ترقی کا سلسلہ رک گیا ہے۔ اس طرح نہ صرف وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ اس سے عبادات کا لطف بھی جاتا رہا ہے۔

اب ایسی محافل کا مقصد نفسانی خواہشوں کی تکمیل اور عیش وعشرت سے لطف اٹھانا رہ گیا ہے۔ اربابِ صدق وصفا کی نظر میں ایسی محافل سماع کا انعقاد ناجائز ہے۔ ان کی نظر میں سماع صرف خدارسیدہ درویش کے لیے جائز ہے، مبتدی مرید کے لیے جائز نہیں۔

قیود وآداب کے ساتھ سماع خوانی:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ یہ مشاہدہ کرے کہ مرید سماع کا شوق رکھتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ اس میں سستی اور اس کے ذوق عبادت میں نکمے پن کے آثار باقی ہیں، —— کہا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کو چھوڑ دیا تھا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا:

''پہلے تو آپ سماع کا شوق رکھتے تھے، اب آپ نے کیوں چھوڑ دیا''۔

آپ نے فرمایا:

''میں کس کے ساتھ سنتا تھا؟'' —— لوگوں نے کہا:

''آپ اس لیے سنتے تھے'' —— آپ نے فرمایا: ''کن لوگوں سے'' ——

www.waseemziyai.com

پھر خود ہی فرمانے لگے:

''اس کے اہل لوگوں کے ساتھ سنتے تھے۔ پھر جب ایسی صحبت نہ رہی تو چھوڑ دیا''۔

لہٰذا جب ایسی روحانی صحبت نہ رہے تو سماع کو چھوڑ دینا چاہیے۔

چنانچہ مشائخ کرام نے سماع کو اس کی قیود وآداب کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ آخرت کو یاد کر کے جنت کی طرف راغب ہوں اور دوزخ سے محفوظ رہیں۔ اس کے علاوہ ان کی طلب وشوق میں اضافہ ہو اور ان کے احوال میں درستی آ جائے۔ اس کے باوجود سماع کی یہ محفلیں شاذ و نادر ہوتی تھیں۔ انہوں نے اسے عادت اور معمول نہیں بنایا تھا، تاکہ اس کی وجہ سے اَوراد و وظائف نہ چھوٹ جائیں۔

گانا مکروہ اور باطل شے ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القضاء میں لکھا ہے کہ:

''جو گانا لہو کے لیے ہو، وہ مکروہ اور باطل شے ہے، —— اور جو کثرت کے ساتھ سنے وہ بیوقوف ہے۔ اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سب ماننے والے اس بات پر متفق ہیں کہ غیر محرم عورت کا سماع جائز نہیں ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا کنیز ہو، خواہ بے نقاب ہو یا پردے کے پیچھے ہو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''بانسری بجانا مکروہ ہے، اسے بے دینوں اور زندیقوں نے ایجاد کیا تھا تاکہ لوگوں کو اس میں مشغول کر کے قرآن پڑھنے اور سننے سے ہٹا دیں'' —— آپ نے یہ بھی فرمایا: ''خوش الحانی اور اچھی آواز کے ساتھ قرآن خوانی میں کوئی حرج نہیں خواہ کسی طریقہ سے پڑھا جائے''۔

فقہاء کے نزدیک گانا سننا گناہ ہے:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کسی نے کوئی کنیز خریدی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ مغنیہ (گانے والی) ہے تو اسے اختیار ہے کہ اس (عیب کی) بناء پر اسے واپس کر دے''۔

مدینہ منورہ کے تمام علماء اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

چند فقہاء کے سوا سب کے نزدیک گانا سننا گناہ ہے۔ جن فقہاء وعلماء نے اسے سننا جائز قرار دیا ہے، وہ بھی مساجد اور متبرک مقامات میں اسے اعلانیہ سننا جائز نہیں قرار دیتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ○ (سورۂ لقمان:۵)

www.waseemziyai.com

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو لہو ولعب کی باتیں خریدتے ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد راگ اور اس کا سننا ہے۔ ایک اور مقام پر "وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ" آیا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حمیری زبان میں اس کے معنی گانے کے ہیں، — اہلِ یمن جب کہتے ہیں: "سَمَدَ فُلَانٌ" — تو اس کے معنی ہوتے ہیں: "فلاں نے گایا" — ارشادِ باری ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ○ (پ ۱۵، رکوع ۷:۴)

"اے شیطان! تو ان میں سے جسے چاہے اپنی آواز سے پریشان کر"۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ باری میں شیطان کی آواز سے مراد راگ اور ساز ہیں۔

گانے کی مذمت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب سے پہلے ابلیس نے نوحہ کیا، اور ابلیس ہی نے سب سے پہلے گانا گایا"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں نے دو بُری آوازوں سے منع کیا ہے، ایک آواز گانے کی ہے اور دوسری آواز مصیبت کے وقت نوحہ (گریہ و زاری) کی ہے"۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے جب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، تب سے آج تک نہ میں نے گانا گایا، نہ اس کے سننے کی تمنا کی ہے، اور نہ ہی عضوِ مخصوص کو دائیں ہاتھ سے چھوا"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو احرام باندھے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک شخص گانا گا رہا تھا۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"اے لوگو! جان لو کہ اللہ تمہاری نہیں سنے گا"۔ (آپ نے دوبارا ایسا فرمایا۔)

ایک شخص نے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے گانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں اور اسے تمہارے لیے مکروہ سمجھتا ہوں" — اس شخص نے پوچھا: "کیا یہ حرام ہے؟" — آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جب حق و باطل کو الگ الگ کر دیا ہے تو سمجھ لو کہ گانا کس شمار میں ہوگا"۔

www.waseemziyai.com

گانے سے زنا کی ترغیب ہوتی ہے:

○ ـــ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:[۱]

''گانا، زنا کا منتر ہے''۔

○ ـــ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''راگ دل کو فساد میں مبتلا کرنے والا، یعنی دل کو بگاڑنے والا اور پروردگار کو ناراض کرنے والا ہے''۔

○ ـــ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''راگ گانے سے بچو کیونکہ یہ شہوت کو بڑھاتا ہے اور مروت اور آدمیت کو برباد کرنے والا ہے، ـــ راگ شراب کا متبادل ہے اور نشے کی طرح اثر کرتا ہے''۔

ان بزرگ کا یہ کہنا درست ہے کہ موزوں طبع شخص راگ اور اشعار سن کر ہوش میں آتا ہے، لیکن جو نفس کا بندہ ہے وہ سماع سے ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے جو خود اسے بھی پسند نہیں ہوتیں۔ مثلاً انگلیاں چٹخانا، تالیاں بجانا اور رقص کرنا۔ اس موقع پر اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جنہیں بے عقلی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان سے اس کی بیوقوفی ظاہر ہوتی ہے۔

دف بجانا کیسا ہے؟:

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''دف بجانا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ منقول ہے کہ آپ نے اشعار سماعت فرمائے تو اس سے گانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ:

○ ـــ شعر تو منظوم کلام کا نام ہے، اس کے علاوہ جو کلام ہے، وہ منثور کلام ہے۔

○ ـــ جو کلام (خواہ منظوم ہو یا منثور) عمدہ ہے، وہ اچھا ہے، ـــ جو کلام بُرا ہے، وہ بُرا ہے۔

لیکن راگ (غنا) صرف منظوم کلام سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ خوش آوازی (الحان) سے پیدا ہوتا ہے، یعنی سُروں کے ملانے سے راگ راگنیاں پیدا ہوتی ہیں۔

سُنّت کے خلاف عادات و معمولات:

اگر کوئی انصاف پسند شخص انصاف سے کام لے اور اس دور کے گانے والوں کے بارے میں نظر دوڑائے کہ:

○ ـــ گانے والا (مغنّی) اپنی دف لیے بیٹھا ہے،

○ ـــ مجیرے والے کے ہاتھ میں مجیرہ ہے،

اب ذرا سوچئے کہ

---

[۱] ـــ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوعلی تھی، آپ قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے تھے، سمرقند میں ولادت ہوئی، آپ کے خاندان والے اگرچہ کوفہ کے رہنے والے تھے مگر بعد میں خراسان و سمرقند میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ۱۸۷ھ میں وفات پائی، آپ کا شمار طبقہ اولیٰ کے مشائخ میں ہوتا تھا۔

www.waseemziyai.com

○ ــــ رسول اکرم ﷺ کے دور میں کیا اس طرح کی نشست اور اس انداز کی شعر خوانی ہو سکتی تھی،

○ ــــ کیا قوالی گانے کے لیے قوال کو اسی طرح سے لایا جاتا تھا،

○ ــــ اور کیا قوالی سننے کے لیے لوگ اسی طرح سے اکٹھے ہوتے تھے۔

یقیناً اس کے جواب میں ہر شخص یہی کہے گا:

''آپ ﷺ کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں یہ بات نہ تھی، ــــ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اس میں غفلت نہ کرتے''۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ (گانا سننا یا قوالی سننا) ایک فضیلت کا کام ہے اور اس کے لیے اجتماع ضروری ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے مقام و مرتبہ اور ان کے اعلیٰ ذوق و شوق سے نا آشنا ہے، بلکہ وہ متأخرین کی تائید سے مطمئن ہے۔ بعض متأخرین نے چونکہ اس کام کو اچھا کہا، اچھا جانا، اس لیے وہ اسی سے مطمئن رہے۔ جب ان کے سامنے سلف صالحین کے معمولات و روایات پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کے خلاف متأخرین (مشائخ) کی روایات پیش کرتے ہیں، ــــ انہیں اس نکتے کو سمجھنا چاہیے کہ متأخرین کی نسبت اسلاف کرام، رسول اللہ ﷺ کے عہد سے زیادہ قریب تھے، اور ان کا طریقہ آپ ﷺ کے مبارک و مسنون طریقہ سے زیادہ مشابہ تھا۔

تلاوتِ قرآن سن کر وجد کرنا:

بہت سے ایسے درویش بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بعض حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ وجد اور شوق سے خالی ہوتے ہیں، ــــ حضرت عبداللہ بن عمروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی جان حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا:

''آپ ﷺ کے دور میں جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تھی تو صحابہ کرام کی کیا کیفیت ہوتی تھی''۔

انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''جیسا کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور بدن پر رونگٹھے کھڑے ہو جاتے تھے''۔

میں نے عرض کیا:

''آج کل تو یہ حال ہے کہ ان کے سامنے جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی غش کھا کر گر پڑتا ہے''۔

یہ سن کر آپ فرمانے لگیں:

''میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں''۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک عراقی کے پاس سے گزر ہوا۔ جو وجد میں تکلف کے ساتھ گرنے کی کوشش کر

www.waseemziyai.com

رہا تھا۔ آپ نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا:

''وہ ایسی حرکت کیوں کر رہا ہے؟'' —— لوگوں نے کہا:

''جب اس کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ اللہ کے ذکر کو سنتا ہے تو اسی طرح گر پڑتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

''ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کرتے تھے، —— اس کے اندر شیطان گھس گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے''۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب ان لوگوں کا ذکر آیا جو قرآن کریم کی تلاوت سن کر گر پڑتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''ہمارے اور ان کے درمیان یہ فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی آدمی اپنے گھر کی چھت پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جائے، پھر اس کے سامنے شروع سے آخر تک قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ اس تلاوت کے اثر کی بناء پر وہ چھت پر سے گر جائے تو سمجھ لو وہ سچا ہے''۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا مطلق انکار پر مبنی نہیں ہے، کیونکہ کبھی کبھار سچے درویشوں سے بھی ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے یہ بات ان لوگوں کے بارے میں کہی ہے جو بناوٹ اور تکلف سے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ اور آج کل ایسے ہی لوگوں کی کثرت ہے۔ اس میں بھی دو صورتیں ہیں:

- —— بعض لوگوں کی ایسی حرکتیں بناوٹ اور ریاکاری پر مبنی ہوتی ہیں،
- —— بعض لوگوں کی ایسی حرکتیں کم علمی اور جہالت کے باعث سرزد ہوتی ہیں۔ اس میں نفسانی خواہش کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے ان کا یہ فعل وجد پر مبنی ہو، مگر اپنی لاعلمی کی بناء پر اس میں اضافے کرنے لگے ہوں، اور انہیں اس بات کی خبر ہی نہ ہو کہ ایسی حرکتیں دینی طور پر نقصان کا باعث ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں یہ پتہ ہو کہ یہ نفسانی حرکتیں ہیں، —— مگر نفس کی یہ عادت ہے کہ وہ چوری چھپے کچھ باتیں سن لیتا ہے، اسی لیے وہ وجد کی مقررہ حدیں پھلانگ جاتا ہے، —— بہر حال یہ بات صداقت اور حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔

دل میں وسعت پیدا کر:

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کے دوران ایک شخص نے اپنی قمیص پھاڑ دی، —— حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ہدایت فرمائی:

''اپنی قمیض نہ پھاڑو بلکہ اپنے دل میں شرح اور وسعت پیدا کرو''۔

اُمرد (نوخیز جوان) کا سماع فتنے کا باعث ہے:

اگر سماع کسی امرد (بے ریش و نوخیز جوان) سے سنا جائے تو فتنہ برپا ہونے کا امکان ہے۔ اس لیے اہلِ حق نے اسے پسند نہیں کیا ہے۔

www.waseemziyai.com

○ —— یقبہ بن ولید کا کہنا ہے:

''اہلِ حق ایک امرد کی طرف دیکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں''۔

○ —— شیخ عطا رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''جس کے دیکھنے سے دل میں خواہش پیدا ہو، وہ فلاح و خیر سے خالی ہے''۔

○ —— ایک تابعی بزرگ نے فرمایا:

''میں ایک متقی و پرہیزگار نوجوان کے لیے ایک وحشی درندے کو اتنا خطرناک نہیں سمجھتا، جتنا اس امرد کو سمجھتا ہوں جو اس کی صحبت میں رہتا ہے''۔

لوطی کی اقسام:

ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ لوطی تین طرح کے ہوتے ہیں:

○ —— ایک وہ جو صرف دیکھتے ہیں،

○ —— دوسرے وہ جو مصافحہ کرتے ہیں اور بغل گیر ہوتے ہیں (لپٹاتے اور چمٹاتے ہیں)۔

○ —— تیسرے وہ جو اس قبیح فعل کو کر گزرتے ہیں۔

صوفیاء کے لیے لازم ہے کہ:

صوفیاء کرام کے لیے لازم ہے کہ وہ ان باتوں سے بچیں، —— بلکہ وہ مشکوک مقامات سے بھی بچیں۔ کیونکہ:

''تصوف تو سراپا صدق و حقیقت ہے اور سراپا سعی و عمل کا نام ہے''۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''تصوف سراپا جدوجہد کا نام ہے، اس میں کسی غیر معقول بات کو داخل نہ ہونا چاہیے''۔

بہرحال یہ وہ روایات ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ سماع سے گریز کرنا چاہیے، —— گزشتہ باب میں مشروط انداز پر سماع کا جواز ثابت کیا گیا تھا، اور سماع کو مذکورہ بالا آلائشوں سے پاک وصاف رکھنے کے لیے رہنمائی کی گئی تھی، —— ہر بات کی وضاحت کے ساتھ تفصیل بیان کر دی گئی ہے، —— اس کے ساتھ ساتھ اشعار اور راگوں اور گانے کے فرق کو بھی اُجاگر کر دیا ہے، ——

بہرحال یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا کہ صالحین کی ایک جماعت ایسی ہے جو سماع نہیں سنتی، —— لیکن یہ ان لوگوں کو بھی ناپسند نہیں کرتے جو نیک نیتی اور ادب آداب کے ساتھ سماع کا اہتمام کرتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۲۴:

سماع اور وجد کی حقیقت

وجد اور اس کا حاصل:

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ وجد کے ذریعے کسی کھوئی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے اور جس شخص نے کچھ کھویا ہی نہیں، وہ پائے گا کیا! ـــ لہٰذا اگر گمشدگی کی کیفیت نہ ہو تو وجد کی کیفیت بھی پیدا نہ ہو، ـــ گمشدگی کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بندے کا وجود اپنی صفات اور اس کے باقی ماندہ احوال سے ٹکراتا ہے، ـــ چنانچہ جو خالص بندگی اختیار کرتا ہے وہ ہر چیز سے آزاد ہو کر وجد اور حال کے گھیرے سے نکل جاتا ہے۔ وجد اور حال گھیر کر اس کی باقی صفات کا شکار کرتے ہیں جو انعامات و عنایاتِ الٰہی کے پیچھے رہنے سے موجود ہوتی ہیں۔ یعنی وجد میں اسے وہی چیزیں حاصل ہوتی ہیں جو اسے انعاماتِ الٰہی سے حاصل نہیں ہوئی تھیں۔

وجد سے متاثر ہونے والے لوگ:

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''وہ شخص کتنا پست حال ہے جو کسی تحریک و ترغیب کا محتاج ہو''۔

اس لحاظ سے سماع کا وجد ایک حق پرست اور ایک باطل پرست پر ایک جیسا اثر کرتا ہے، یہ دونوں طرح کے لوگ وجد سے باطنی طور پر متاثر ہوتے ہیں، بلکہ ان کی ظاہری حالت پر اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ جس سے ان کی کیفیات و جذبات میں بھی تبدیلی آتی ہے، لیکن دونوں کی کیفیات میں فرق ہوتا ہے:

- ـــ باطل پرست اپنی نفسانی خواہشوں کی وجہ سے وجد میں آتا ہے،
- ـــ حق پرست اپنے دلی ارادے کی بناء پر وجد میں آتا ہے،

اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

''سماع سے خاص طور پر دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ سماع دل میں موجود جذبات و خواہشات کو جنبش دیتا ہے''۔ لہٰذا:

- ـــ جس کا باطن غیر اللہ سے وابستہ ہو، سماع اسے بھی متاثر کرتا ہے، وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی بناء پر وجد میں آتا ہے۔
- ـــ جس کا باطن اللہ کی ذات سے وابستہ ہو، وہ اپنے ارادۂ قلب کے ساتھ وجد کرتا ہے۔

باطل پرست نفس کے حجاب میں چھپا ہوا ہے، جبکہ حق پرست قلب کے حجابات میں چھپا ہوتا ہے، ـــ نفس کا حجاب ارضی اور تاریک ہے جبکہ قلب کا حجاب نورانی اور آسمانی ہے، ـــ جو شخص شہود حق کی دائمی تجلیات کی وجہ سے کھو جانے سے محفوظ رہے، اور

www.waseemziyai.com

وجود کے دامن سے کوئی لغزش نہ کھائے، وہ نہ سماع سنتا ہے اور نہ ہی وجد میں آتا ہے۔

وجد روح کی چیخ و پکار ہے:

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزر ہوا، جن میں ایک قوال بھی موجود تھا۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ کرتے رہو، ــــ اللہ کی قسم! اگر دنیا کے سب تماشے (لہو ولعب) میرے کان میں بھر دیئے جائیں تب بھی وہ میرے معمولات میں حائل نہیں ہو سکتے اور نہ میری بیماری دور کر سکتے ہیں"۔

لہٰذا وجد روح کی چیخ و پکار ہے، ــــ وجد کرنے والا اگر باطل پرست ہے تو گرفتار نفس ہو جاتا ہے، ــــ اگر حق پرست ہے تو گرفتار قلب ہو جاتا ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں وجد اور حال کا روح سے تعلق ہے۔

وجد کیسے طاری ہوتا ہے:

وجد کبھی اشعار کے معانی سمجھ آنے سے طاری ہوتا ہے، ــــ اور کبھی صرف نغموں اور سُروں سے طاری ہوتا ہے، اگر کسی پر معانی کے سمجھ آنے پر وجد طاری ہو تو

○ ــــ باطل پرست سامع کا نفس روح کے ساتھ سماع میں شریک ہوتا ہے،

○ ــــ اور حق پرست سامع کا دل روح کے ساتھ سماع میں شریک ہوتا ہے،

مگر جو سماع فقط نغموں پر مشتمل ہو، اس میں صرف روح شریک ہوتی ہے، ــــ البتہ باطل پرست کا نفس اور حق پرست کا دل اسے چوری چوری سنتا ہے۔

روح اور نغمہ:

روح کی نغموں سے لطف اُٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ عالم روحانی حسن و جمال کا سنگھم ہے۔ کائنات میں تناسب کو قولی اور فعلی دونوں طرح سے پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے شکل وصورت کا تناسب بھی روحانیت کی میراث ہے۔ اس لیے روح جب عمدہ نغمے اور متناسب آوازیں سنتی ہے تو ہم جنس اور مناسب ہونے کی وجہ سے اس کا اثر قبول کرتی ہے۔ لیکن عالم حکمت کی مصلحتوں کے پیشِ نظر اسے شرعی پابندیوں میں باندھ دیا جاتا ہے۔ ان پابندیوں پر عمل کرنے پر ہی انسان کے حال اور مستقبل کی فلاح کا انحصار ہے۔

نغموں سے لطف اُٹھانے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نغموں کے ذریعے نفس روح سے رمز و اشارے میں چوری چوری باتیں کرتا ہے، ــــ جس طرح عاشق و معشوق کے بیچ میں اشارے اور کنایے ہوتے ہیں، اسی طرح نفس اور روح کے بیچ میں اشارے کنایے سے باتیں ہوتی ہیں۔ نفس اور روح کے بیچ میں حقیقی عشق و محبت کا تعلق ہے، اس لیے روح کو مذکر کہا جاتا ہے (اس لیے کہ وہ عاشق ہے) نفس کو مؤنث کہا جاتا ہے (اس لیے کہ وہ معشوق ہے)، ــــ اور مذکر و مؤنث کے درمیان عشق و محبت کا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

www.waseemziyai.com

وَجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ○

''اور ہم نے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ آرام وسکون پائے''۔

اس ارشادِ باری میں ان باہمی تعلقات کا اظہار کیا گیا ہے جو عشق ومحبت کا سبب ہیں۔ لہٰذا روح نغموں کو اس لیے پسند کرتی ہیں کہ یہ دو عاشقوں کے درمیان راز و نیاز کا ذریعہ ہیں۔

جس طرح عالمِ حکمت (عالم ظاہری) میں حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش وتخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اسی طرح سے عالم قدرت میں نفس کو روحانی روح سے پیدا کیا گیا۔ اسی لیے ان میں یہ باہمی تعلق پیدا ہو گیا کہ نفس روحانی روح کے قرب کی وجہ سے اس کا ہم جنس بن گیا ہے، —— تمام حیوانی ارواح میں صرف اسے یہ شرف حاصل ہے کہ وہ روحانی روح کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ ظاہری عالم کے آدم وحوا علیہم السلام کی طرح نفس بھی حوا علیہا السلام کی طرح روحانی روح سے پیدا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے بیچ میں عشق ومحبت کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک مذکر (روح ہے اور عاشق) ہے، اور دوسرا مؤنث (نفس اور معشوق) ہے۔ اس لیے روح کو نغمے اسی لیے پسند ہیں کہ وہ عاشق ومعشوق کے درمیان مراسلت ومکالمت کا کام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

آنکھوں کے ذریعے دل کا بھید کھول رہا ہے
لب بستہ ہیں ہم مگر عشق بول رہا ہے (طاہر مسعودی)

جب روح نغموں سے لطف اُٹھاتی ہے اور محظوظ ہوتی ہے تو نفس پر جو کہ بیمار عشق ہے، وجد طاری ہو جاتا ہے، اس سے متعلقہ ہر شے جھوم اُٹھتی ہے، —— اسی طرح دل جو ارادے کا منتظر ہے، وہ بھی اپنے اندر ہونے والی کشاکش کی وجہ سے جھومنے لگتا ہے۔

مے کشی میں اک گھونٹ دیا زمیں کو بھی
ہمارے کرم سے اسے بھی حصہ مل گیا (طاہر مسعودی)

باطل پرست کا دل اس کے آسمانِ نفس کی زمین ہے، اور حق پرست کا دل اس کے آسمانِ روح کی زمین ہے۔

مردِ کامل کا مقام:

جس شخص نے مردِ کامل کا اعلیٰ مقام پالیا ہے اور مختلف عارضی کیفیات سے آزاد ہو گیا ہے تو وہ ایک جوہر کامل ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے نفس اور اپنے قلب کے پاپوش کو مقدس وادی میں چھوڑ کر باجبروت سلطان کی بارگاہ میں مقام حقیقت کو پالیتا ہے۔ انوار وتجلیاتِ الٰہی کے ذریعے اس نے آوازوں کے اجرام کو جلا دیا ہے۔ اس کی روح اپنے محبت کے راز و نیاز کی طرف متوجہ نہیں، کیونکہ وہ محبوب کے آثار وانوار کے مشاہدے میں مشغول ہے، —— وہ عاشق جو خود اپنے عشق ومحبت میں خود کو فراموش کیے ہوئے ہے، وہ دوسرے عاشقوں کے معاملات کی کیسے فکر کر سکتا ہے، اس لیے جو شخص ایسے مقام پر فائز ہو، اس پر سماع کچھ بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اور جب نغمے اپنی لطافت اور روحانی دل کشی کے باوجود اس کی روح پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تو پھر الفاظ ومعانی جو ان سے

www.waseemziyai.com

زیادہ کثیف ہیں، اس پر کیسے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ جو دل لطیف اشاروں کا بار نہیں اُٹھا سکتا، وہ عبارات کا بھاری بوجھ کیسے اُٹھا سکتا ہے؟

قربِ الٰہی کے مقام پر فائز شخص وجد سے بے نیاز ہے:

وجد ایک وارداتی کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے، ــــ جس شخص کا مقصود خود اللہ کی ذات ہو، وہ اس عطا کردہ وارداتی کیفیت پر نہ اکتفاء کر سکتا ہے نہ قناعت کر سکتا ہے، ــــ اور جو شخص قربِ الٰہی کے مقام پر فائز ہے، اسے یہ کیفیت اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔ ایسا شخص وجد سے بے نیاز ہے، کیونکہ یہ وارداتی کیفیت اللہ کی ذات سے دور لے جانے والی ہے، اور جسے اللہ کی ذات کا قرب حاصل ہو گیا ہے، اسے اس کیفیت سے واسطہ، اسے تو سب کچھ مل گیا۔ من کی مراد پانے کے بعد اور کوئی تمنا نہیں رہتی۔

اور پھر وجد ایک طرح کی آگ ہے۔ قربِ الٰہی پانے والے کا دل سراپا نور ہے، ــــ نور چونکہ نار (آگ) سے لطیف تر ہے، اس لیے کثیف شے کسی لطیف شے پر غالب نہیں آ سکتی۔ ایسا مردِ کامل اور مقرّب شخص جب تک ثابت قدمی سے قربت کی راہ پر چلتا رہے گا، اور اپنے ذاتی رجحانات کی وجہ سے اپنی اس مقررہ راہ سے نہ ہٹے گا، اس پر سماع کے ذریعے وجد طاری نہیں ہو گا۔

روحانی مرتبے میں کمی اور زوال:

اگر وہ خدائے محسن کی طرف سے کسی آزمائش سے دوچار ہو جائے، یا اگر اس سے کوئی کمی کوتاہی ہو جائے اور وہ آزمائش کی مختلف تکالیف برداشت کرنے لگے، اس وقت وہ اپنے وجود کے عالم میں آ جائے گا۔ پھر قلب کا حجاب لوٹ کر آ جائے گا، ــــ اور اگر ایسی حالت میں کسی خدا رسیدہ شخص کے قدم ڈگمگا جائیں تو وہ مقامِ قلب پر گر جائے گا۔ جو شخص مقامِ قلب پر ہو گا، وہ مقامِ نفس کی طرف لوٹ جائے گا۔

ہمارے ایک شیخ نے بیان کیا کہ ایک شخص پر سماع میں وجد طاری ہو گیا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تیرا یہ حال کیسے ہو گیا؟، ــــ اس نے جواب دیا:

"میرے اندر کوئی چیز گھس گئی ہے، جس نے میرا یہ حال کر دیا ہے"۔

شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت سہل کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارا ہے۔ اس دوران میرے دیکھنے میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ قرآن مجید کی تلاوت یا کسی اور قسم کی آواز سے ان کی طبیعت میں کوئی تبدیلی آئی ہو، ــــ مگر جب وہ عمر کے آخری حصے میں تھے تو ایک بار ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی گئی:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ ۝

"آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا"۔

یہ آیت سن کر ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور قریب تھا کہ گر پڑیں۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

"اب میں ضعیف (کمزور) ہو گیا ہوں"۔

www.waseemziyai.com

اس طرح ایک بار انہوں نے یہ آیت سنی:

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ○

''اس دن حکومت اور بادشاہت مہربان خدا کی ہوگی''۔

یہ سنتے ہی وہ بے چین و بیقرار ہوگئے۔ ان کے ساتھی ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

''میں کمزور ہوگیا ہوں''۔

یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا:

''اگر یہ کمزوری ہے تو پھر طاقت کون سی ہے؟'' —— ارشاد فرمایا:

''روحانی طاقت یہ ہے کہ جب شیخ کامل پر کوئی کیفیت طاری ہو تو وہ اسے روحانی طاقت کے ذریعے برداشت کرے، اور یہ عارضی حالت اس میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے''۔

شہودِ حق کی کیفیت ہر حال میں یکساں رہتی ہے:

○ —— دلی کیفیت کے استقلال کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''ہم ایسے تھے مگر تلاوت قرآن کی بدولت کسی کو روتا دیکھ کر ہمارے دل سخت اور مضبوط ہوگئے ہیں''۔

آپ کے اس ارشاد کا یہ مفہوم ہے کہ قرآن کریم کی ساعت سے دل مانوس ہوگئے تھے، اور اس کے انوار و تجلیات سے اس قدر آشنا ہوگئے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی اور عجیب چیز معلوم نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے طبیعت میں کوئی تغیر پیدا ہو۔

○ —— اسی طرح سے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

''میری روحانی کیفیت نماز سے پہلے بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی نماز کے بعد ہوتی ہے''۔

اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہودِ حق کی کیفیت ہر حال میں یکساں رہتی ہے، چنانچہ سماع ہو یا نہ ہو، سامع کی حلات ہر صورت میں ایک سی رہتی ہے۔

○ —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''علم میں اضافہ ہو جائے تو اس کے ساتھ وجد و حال کی کمی نقصان کا باعث نہیں ہے، —— بلکہ وجد و حال کے اضافہ سے علم کا اضافہ زیادہ اہم ہے''۔

○ —— شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گریہ وزاری وجود کا باقی حصہ ہے۔

بہرحال اشاروں کنایوں کو سمجھنے والوں کے لیے پیش کیے گئے تمام اقوال کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے۔ لیکن ایسے لوگ آج کل بہت کم ہیں۔

سماع کے وقت گریہ زاری کے محرکات:

سماع کے وقت گریہ وزاری کرنے والوں پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں، اس گریہ وزاری کے محرکات الگ الگ ہوتے

www.waseemziyai.com

ہیں:

○ — کچھ لوگ اللہ کے خوف سے روتے ہیں،

○ — کچھ لوگ شوق و محبت میں اشکبار ہو جاتے ہیں،

○ — کچھ لوگ خوشی کے مارے آنسو بہانے لگتے ہیں۔

ایک شاعر کا کہنا ہے:

آپ کے پیارے میں جیسے کائنات سمٹ آئی
اپنائیت سے آپ کی، بے ساختہ جی بھر آیا
نس نس میں اتر آئی ہیں رعنائیاں
آپ کے تبسم نے ہر غم کو بھلا دیا (طاہر مسعودی)

اہلِ سماع کے روحانی تصورات اور باطنی کیفیات:

شیخ ابو بکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: طبقات (نوع انسانی) میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک مخصوص مقام ہے۔

○ — عوام کا سماع قدرتی جذبے کا نتیجہ ہے،

○ — جبکہ مریدوں کا سماع شوق اور خوف پر مشتمل ہے،

○ — اولیاء اللہ کے سماع کی بنیاد اللہ کی نعمتوں اور احسانات پر ہے،

○ — عارف کامل کا سماع مشاہدۂ حق پر مبنی ہے،

○ — اہلِ حق کا سماع کشف و مشاہدہ ہے، (یعنی سماع کے دوران ان پر کشف و مشاہدے کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔)

آپ نے مزید فرمایا:

''جب یہ واردات و کیفیت ظاہر ہوتی ہے تو وہ کسی نہ کسی شکل میں متعارف ہوتی ہے اور اسی کا رنگ روپ اپنا لیتی ہے۔
جو ہم خیال اور ہم نوا مل جائے، اسی کے ساتھ ہو جاتی ہے'' —

یہ اہلِ سماع کے روحانی تصورات اور ان کی باطنی کیفیات ہیں، — مگر ابھی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، وہ ان لوگوں کا حال ہے جو سماع کی احتیاج نہیں رکھتے، — گریہ و زاری کی کیفیات کے اختلاف کی نوعیت مختلف ہے، یعنی خوف، شوق اور سرور، — ان میں سے اعلیٰ درجے کا گریہ سرور کا ہے، اس کی مثال یوں کہہ لیں جیسے کوئی شخص طویل سفر کے بعد اپنے اہل و عیال میں لوٹ کر آئے تو اپنے اہل و عیال کو دیکھ کر خوشی کے مارے آنسو بہانے لگے۔

گریۂ ادراک و گریۂ وجدان:

گریہ و زاری کا ایک اور درجہ بھی ہے جو نادر و نایاب ہے، جس کا بیان بھی شاذ و نادر ہے، کیونکہ عوام کے فہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ عام طور پر اس کا ذکر انکار کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اسی لیے اسے غرور و تکبر کے ساتھ پوشیدہ رکھا جاتا ہے، — اسے وہی

www.waseemziyai.com

سمجھ سکتا ہے جو اس مقام تک پہنچ جائے، یا اس پر بہت غور وفکر کرے۔ یہ گریہ سرور سے قطعی مختلف ہے۔ اسے گریۂ ادراک یا گریۂ وجدان کہا جاتا ہے۔ حق الیقین کے درجہ پر پہنچنے والا ہی گریۂ وجدان کو پا سکتا ہے۔ گریہ ادراک وگریہ وجدان کا موجب یہ ہوتا ہے کہ حادث وقدیم میں اختلاف کے باعث جب ٹکراؤ ہوتا ہے تو عظمتِ الٰہی کی سطوت شعلہ زنی کرتی ہے۔ اس رعب وجلال اور سطوت کی وجہ سے حادث کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اس کی مثال یوں کہہ لیں جیسے مختلف اجرام فلکی کے ٹکراؤ سے بادلوں سے بارش کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں۔ گریہ کی یہ قسم بہت نادر الوجود ہے۔ تاہم یہ فنا کا احساس دلاتی ہے۔

اہلِ بقا کا سماع:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے اور ہستی کی قید سے آزاد ہو کر ذاتِ الٰہی کے انوار وتجلیات میں کھو جاتا ہے، — پھر اس مقام سے ترقی کر کے مقامِ بقاء پر پہنچ جاتا ہے۔ اور جب پھر وہ عالم ہستی کی طرف لوٹ آئے تو اس کے ساتھ ساتھ گریہ وزاری بھی اپنی تمام اقسام سمیت وہاں پہنچ جاتی ہے، تب پھر جیسی بھی صورتِ حال ہو، اسی کے مطابق خوف، شوق، سرور اور وجدان کی کیفیات ہوتی ہیں، یہ کیفیات بظاہر ملتی جلتی ہیں، مگر ان میں بہت ہی لطیف سا فرق ہوتا ہے، مگر حقیقت میں ان کے بیچ کافی فرق ہوتا ہے۔ اس فرق کو اہلِ حقیقت ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ بہرحال سماع کی کوئی نہ کوئی کیفیت اس کے ساتھ لوٹ آتی ہے، — لیکن یہ سماع اس کے تابع اور مغلوب ہوتا ہے، اور صاحب سماع اس پر پوری طرح سے غالب ہوتا ہے کہ جب چاہے اسے اختیار کرے اور جب چاہے اسے ترک کر دے۔

اس وقت سماع کی حالت میں اس کا نفس مطمئن اور منور ہو گا لیکن اپنی طبعی حالت سے مختلف ہو گا، کیونکہ اب اس میں بے چینی و بے قراری نہیں رہی، اسے اطمینان وسکون مل گیا ہے، — ایسی صورت میں نفس سماع سے اس طرح لطف اٹھاتا ہے جس طرح کہ وہ جائز اور مباح لذتوں سے لذت محسوس کرتا ہے۔ اب اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ:

- — وہ سماع کی طرف متوجہ ہو یا اس میں اضافہ کرے،
- — اس سے اثر قبول کرے، یا اثر کو ردّ کر دے۔

اس وقت نفس ایک ایسے بچے کی مانند ہو گا جو اپنے باپ کی گود میں ہو، اور باپ اس کی کچھ خواہش پوری کر کے اسے خاموش کر دے۔

کہتے ہیں کہ شیخ ابو محمد الراشی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی حال اور کیفیت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو سماع میں مشغول کرتے اور خود ایک گوشے میں جا کر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ تاہم سماع کے یہ نغمے نمازی کی نماز کی طرح باطن میں سرایت کر جاتے ہیں۔ جب نفس اس سے لطف اُٹھاتا ہے، اس وقت انس ومحبت کی وجہ سے مقامِ روح اور بھی صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ نفس روح سے دور رہتا ہے، خواہ اس صورت میں نفس کو اطمینان ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ مگر وہ اپنی خلقت اور جبلت کی وجہ سے روح سے اجنبی رہے گا۔ نفس کے دور رہنے کی وجہ سے روح کو طرح طرح کی فتوح حاصل ہوتی ہیں، — چنانچہ اگر نماز کے وقت (سماع کے) نغمات کانوں تک پہنچ بھی جائیں تو نمازی کی مناجات اور نماز کے الفاظ کے معانی سمجھنے میں حائل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ نمازی کی نماز بغیر کسی مزاحمت یا

www.waseemziyai.com

مداخلت کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے باعث سے اس کا سینہ کھول کر وسیع کر دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

سماع کے مختلف اثرات:

اسی لیے کہا گیا ہے کہ سماع کے مختلف لوگوں پر مختلف اثرات ہوتے ہیں:

- ○ — سماع ایک جماعت کے لیے دوا کی طرح ہے،
- ○ — ایک جماعت کے لیے روحانی غذا ہے،
- ○ — کچھ لوگوں کے لیے سماع صرف پنکھے کا کام دیتا ہے،

بہر حال گریہ وزاری کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارک ہے کہ آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

"قرآن کریم کی تلاوت کرو"۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کروں، حالانکہ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن کریم سنوں"۔

چنانچہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔ جب انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا○ (سورہ نساء، ص۵)

"اس وقت کیا حال ہوگا، جب ہم ہر قوم سے ایک گواہ بلائیں گے، اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ مقرر کریں گے"۔

یہ آیت سن کر حضور اکرم ﷺ اشکبار ہو گئے۔

اسی طرح سے ایک روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے، اسے چوما اور بہت دیر تک اپنے ہونٹ مبارک اس پر رکھ کر روتے رہے۔ اور فرمایا:

"اے عمر! یہ وہ مقام ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں"۔

ایک صاحب ہوش وخرد بھی مختلف انداز پر آنسو بہاتا ہے، اس اشکباری میں اس کی فضیلت ہے۔ کیونکہ اشکباری کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی ذات کے لیے طلب فرمایا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"الٰہی! مجھے خوب رونے والی آنکھیں عطا فرما!"

یہ اشکباری اللہ کی راہ میں ہے اور اسی کے لیے ہے، اسی لیے ممکن ہے کہ اللہ کریم کی شانِ کریمہ کے عطا کردہ وجود کے ساتھ مقامِ بقا کی طرف لوٹتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۲۵:

محفلِ سماع کے آداب

اس باب میں محفلِ سماع کے آداب، محفل سماع میں خرقہ پھاڑنے کے احکام اور اس حوالے سے مشائخ عظام کی ہدایات بیان کی جائیں گی، یہ بھی مذکور ہوگا کہ کون سی باتیں قبول کیے جانے کے لائق ہیں اور کن باتوں سے بچنا لازم ہے۔

محفلِ سماع میں کیسے حاضر ہو؟:

تصوف کی بنیاد صداقت پر رکھی گئی ہے، خواہ کیسے بھی حالات ہوں، ــــ ایک طالبِ صادق کو خلوصِ نیت کے ساتھ محفلِ سماع میں حاضر ہونا چاہیے، ــــ محفل میں نفسانی خواہشوں سے پرہیز کرے، بلکہ یہاں مزید روحانیت کے حصول کی توقع رکھے، جب محفل منعقد ہو تو سچائی، متانت اور وقار کو اپنائے رکھے۔

وجد سے گریز اور خود پر ضبط کرے:

شیخ ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سامع کے لیے لازم ہے کہ سماع میں ایسی لطف اندوزی اور لذت کی توقع نہ رکھے جس سے وہ وجد و شوق میں آ کر مدہوش بن جائے۔ اس پر جذبات و کیفیات اس قدر غالب آ جائیں کہ متانت و وقار کا معاملہ نہ رہے"۔

لہٰذا ایک طالبِ صادق کو چاہیے کہ وہ ایسی حرکتوں سے جہاں تک ہو سکے، گریز کرے، جو وجد میں لاسکتی ہیں۔ خاص طور پر مشائخ کرام کے سامنے ایسی حرکتوں سے باز رہے۔

ایک نوجوان حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ رہتا تھا۔ جب کبھی اسے سماع سننے کا اتفاق ہوتا تو چیخنے چلانے لگتا۔ اس کی حالت غیر ہو جاتی۔ ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

"آئندہ اگر تم سے سماع کے دوران ایسی حرکت سرزد ہوئی تو میری صحبت کو چھوڑنا ہوگا"۔

آپ کی اس ہدایت کے بعد اس نے خود پر ضبط کرنا شروع کر دیا۔ اس ضبط کے باعث اس کے ہر بال سے پسینہ ٹپکنے لگتا۔ بالآخر ایک دن محفل سماع کے دوران اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور ایک ایسی چیخ ماری کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

سماع کی لغزش کئی گناہوں کا باعث ہے:

یہ سچائی نہیں کہ وجد کی کیفیت کے بغیر وجد کا اظہار کیا جائے یا کسی روحانی کیفیت کے بغیر وجد و حال کا دعویٰ کیا جائے۔ یہ کھلم کھلا منافقت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نصر آبادی[1] سماع کا بہت شوق رکھتے تھے۔ لوگوں نے ان کی رغبت دیکھ کر ان پر اعتراض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ سماع سنا جائے''۔

ان کے روحانی بھائی شیخ ابو عمرو بن مجید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اے ابوالقاسم! سماع سے ہونے والی لغزش، کئی سال تک غیبت کرنے سے بھی بُری ہے''۔

اس میں سماع کی لغزش سے اس طرح اشارہ ہے کہ اس سلسلے میں کئی گناہ واقع ہو جاتے ہیں:

- ــــ ایک گناہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کی ذات پر جھوٹ بولا جاتا ہے کہ اس نے اسے روحانیت عطا کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ بھی عطا نہیں فرمایا۔
- ــــ اس کے ذریعے حاضرینِ محفل کو فریب دیا جاتا ہے کہ لوگ نیک گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ دھوکہ دینا خیانت ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

  ''جو ہمیں فریب دے، وہ ہم میں سے نہیں''۔
- ــــ اگر وہ باطل پرست ہے مگر لوگ اس کے بارے میں اچھی سوچ رکھتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصے بعد اس سے کچھ ایسے کام سرزد ہوں گے جن کی وجہ سے عقیدت رکھنے والوں کی سوچ اور عقیدت میں فرق آ جائے گا، اور لوگ ایسے بزرگوں سے بدظن ہو جائیں گے، اس طرح اس باطل پرست کی کوتاہی کے باعث دوسرے بزرگوں کو نقصان پہنچے گا، جن کے ساتھ لوگ حسن ظن رکھتے ہیں۔ اپنی اس بدعقیدگی کی وجہ سے لوگ نیک بندوں کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا بھی امکان ہے جو غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔
- ــــ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ایسا جھوٹا مدعی حاضرین کو مجبور کر دے گا کہ وہ اُٹھنے بیٹھنے میں اس کی پیروی اور موافقت کریں۔ اس طرح وہ خود بھی بناوٹ اور تکلّف سے کام لیتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی باطل پرستی پر مجبور کرتا ہے۔

اس سب کے باوجود محفل میں کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بصیرت اور نور فراست سے یہ جان لیتے ہیں کہ یہ شخص باطل پرست ہے۔ مگر وہ بھی محفل کے آداب اور رکھ رکھاؤ کا خیال رکھتے ہوئے اور ان کی پابندی کرتے ہوئے اس قسم کے بے جا تکلّفات پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] نصر آبادی سے مراد ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی ہیں جو اپنے اصل نام کی بجائے اپنے وطن کے حوالے سے معروف تھے۔

www.waseemziyai.com

وجد و حال کی حرکتوں پر ضبط کرنا:

اس قسم کے گناہوں کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو بہت کچھ لکھا، کہا جا سکتا ہے، ـــــ ایسے معاملات میں اللہ کی ذات سے ڈرنا چاہیے۔ اور وجد و حال کی حرکتیں نہیں کرنا چاہئیں، سوائے اس کے کہ:

○ ـــــ ایک رعشہ زدہ اپنی حرکت پر قابو نہ پا سکے، یا

○ ـــــ ایک چھینکنے والے کی طرح اپنی چھینک کو نہ روک سکے، یا

○ ـــــ اس حرکت وجد اس سانس کی طرح ہو جائے کہ فطری و قدرتی تقاضے کے باعث (غیر ارادی طور پر) حرکت کرنے پر مجبور ہو جائے۔

حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''وجد کرنے والا اس وقت نعرہ لگا سکتا ہے کہ جب اس کی حالت ایسی (بے خودی کی) ہو جائے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار کا وار بھی کیا جائے تو تکلیف یا درد کا احساس نہ ہو۔ مگر اہلِ وجد میں یہ حالت شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے''۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وجد کرنے والا اس مدہوشی اور بے خودی کی حالت کو نہیں پہنچتا مگر اس کے منہ سے ارادی طور پر اس طرح نعرہ نکل جاتا ہے جیسے سانس لینے کی آواز ہوتی ہے، یہ کیفیت اور نوعیت اضطراری ہوتی ہے، ـــــ جب ایسی حرکتوں اور نعروں کو ضبط کرنا ضروری ہے تو کپڑے پھاڑنے سے گریز کرنا تو اور بھی ضروری ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس میں ایک تو مال کا ضیاع ہے اور دوسرا فضول خرچی بھی۔

اسی طرح گانے والوں کی طرف خرقہ پھینکنا بھی نامناسب ہے۔ البتہ اگر ریاکاری اور تکلف کا شائبہ نہ ہو اور نیک نیتی ہو تو اس صورت میں گانے والوں کی طرف خرقہ پھینکنے میں کوئی قباحت یا ہرج نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ:

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں قبولِ اسلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے وہ قصیدہ[1] پیش کیا، جس کا پہلا مصرع یہ ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم مستول ۔

''میری محبوبہ سعاد مجھ سے جدا ہو گئی، اس لیے میرا دل آج ہوش میں نہیں ہے''۔

جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ شعر پڑھا:

اِنَّ الرَّسُوْلُ بَسَفٌ یَسْتَضَاءُ بِہٖ

مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٗ

''اللہ کے رسول ایک برہنہ تلوار ہیں، جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے......''

---

[1] ـــــ یہ قصیدہ ''قصیدۂ بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہے۔

آپ ﷺ نے شعر سماعت فرما کر دریافت کیا: ''تم کون ہو؟'' ـــــ اس کے جواب میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا، پھر عرض کیا: ''میں کعب بن زہیر ہوں'' ـــــ یعنی پہلے اسلام قبول کیا، پھر اپنا نام بتایا، اس وقت رسول اللہ ﷺ جو چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے، اُتار کر حضرت کعب کی طرف اُچھال دی۔

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا:

''رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک ہمارے ہاتھ میں دس ہزار درہم میں بیچ دو''۔

اس کے جواب میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں رسول اللہ ﷺ کی پوشاک پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا''۔

جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد کے پاس بیس ہزار درہم بھیجے اور وہ چادر حاصل کر لی۔

یہی وہ مبارک چادر ہے جو عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ[۱] کے پاس ابھی تک موجود ہے اور اس کی برکتوں سے ان کا سنہری دور فیض یاب ہو رہا ہے۔

صوفیاء کرام کے آداب:

صوفیاء کرام کے کچھ مخصوص آداب ہیں جن کی اپنی صحبتوں میں پابندی کرنا آدابِ معاشرت سمجھتے ہیں۔ اگرچہ قدیم صوفیاء نے ان آداب کی پابندی نہیں کی لیکن انہوں نے ان آداب کو ناپسند نہیں کیا اور ان پر متفقہ طور پر عمل کرتے آئے ہیں۔ شریعت کو بھی ان آداب سے انکار نہیں ہے، اس لحاظ سے ان آداب کو اب ناپسند کرنے کی وجہ نظر نہیں آتی۔

ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر سماع کے دوران کسی صوفی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، اور وجد کی حالت میں اس کا خرقہ گر جائے، یا وہ اپنا خرقہ/عمامہ قوال (یا گانے والے) کی طرف پھینک دے تو آدابِ صوفیاء کا تقاضا یہ ہے کہ تمام حاضرینِ محفل ننگے سر ہو جائیں، ـــــ شرط یہ ہے کہ یہ فعل میر محفل یا شیخ صحبت کی طرف سے ہو، ـــــ اور اگر شیوخ کی موجودگی میں ایسا فعل کسی نوجوان کی طرف سے سرزد ہو تو شیوخِ محفل کے لیے نوجوانوں کی موافقت کرنا ضروری نہیں، ـــــ ایسی صورت میں حاضرینِ مجلس بھی شیوخ کی اتباع کریں گے، نوجوانوں کی موافقت نہیں کریں گے۔ سماع کے بعد جب وہ وجد سے حالت سکون میں آجائیں تو یہ خرقہ یا عمامہ قوال سے واپس لے لیا جائے گا۔ اس وقت حاضرینِ مجلس بھی اس کی اتباع میں اپنے عمامے اٹھالیں گے اور شیخ کی موافقت میں اپنے اپنے سر پر رکھ لیں گے۔

محفلِ سماع کے دوران پھینکا گیا خرقہ کسے ملے گا؟:

محفلِ سماع کے دوران جب خرقہ قوال کی طرف پھینکا جائے تو وہ قوال کا ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ صاحبِ حال نے اسے دینے کا ارادہ کیا ہو۔ اور اگر اسے دینے کا ارادہ نہیں تو اس صورت میں مشائخ کرام کی دو رائیں ہیں:

---

[۱] ـــــ جو زیر نظر کتاب ''عوارف المعارف'' کے مصنف حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بغداد کے خلیفہ تھے۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ بعض کہتے ہیں کہ وہ قوال ہی کو ملے گا کیونکہ اس کے وجد و حال کا اصل محرک قوال ہے، اور اسی کے گانے کے باعث خرقہ پھینکنے کی کیفیت طاری ہوئی۔

○ ـــ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگرچہ وجد کا اصل محرک قوال کا گانا ہے، لیکن اس وجد و حال میں تمام حاضرینِ محفل کی برکتیں بھی شامل ہیں۔ ان سب کی موجودگی سے وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی۔ فقط قوال کے اشعار یا قول سے وجد کی حالت طاری نہیں ہوئی۔ البتہ قوال کو بھی محفل کے شرکا میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے یہ حدیث شریف بیان کی جاتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جنگِ بدر کے موقع پر ارشاد فرمایا:

"جو شخص آج ایسے مقام پر ٹھہرے تو اس کے لیے اتنا درجہ (ثواب) ہے، ـــ اور جو شہید ہو جائے، اس کے لیے اس قدر اجر ہے، ـــ اور جو قید ہو، اس کے لیے اتنا ثواب ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سن کر نوجوان مجاہدین تیزی سے آگے بڑھ گئے، جبکہ بوڑھے اور لشکر اسلامی کے سردار جھنڈوں کے قریب رہے، ـــ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو نوجوانوں نے مطالبہ کیا کہ یہ فتح ان کے نام سے موسوم ہو۔ یہ سن کر بوڑھے حضرات نے کہا:

"نوجوان ساتھیو! ہم تمہاری پشت و پناہ تھے۔ لہٰذا مالِ غنیمت سے ہمیں الگ نہ رکھو۔ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے"۔

اس پر ارشادِ باری ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (سورۂ انفال، پ ۹)

"وہ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے"۔

اس حکمِ الٰہی کے بعد آپ ﷺ نے مالِ غنیمت سب مجاہدین میں مساوی حصہ سے تقسیم فرما دیا۔

○ ـــ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوال صوفیاء کی اسی جماعت میں شامل ہے تو اس کی حیثیت بھی انہی کے ایک فرد کی ہوگی، ـــ اور اگر وہ صوفیاء کی جماعت سے نہیں ہے، کوئی غیر شخص ہے تو پھر اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں، یہ خرقہ فقط درویشوں میں تقسیم ہو گا۔

○ ـــ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر قوال اُجرت یا معاوضے پر آیا ہے تو اسے خرقہ کے تبرکات میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، ـــ اور اگر وہ بلا اُجرت و معاوضہ خوشی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے رہا ہو تو اسے بھی حصہ ملے گا۔

تقسیم کے یہ احکام اس صورت میں ہوں گے جب محفل میں فیصلہ کرنے والا کوئی شیخ موجود نہ ہو، ـــ اگر محفل میں کوئی ایسا شیخ موجود ہو جس کا سب پر رعب و دبدبہ ہو، اور اس کے حکم کی اطاعت کرنا سب پر واجب ہو، اپنی رائے کے مطابق وہ جو حکم دے گا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے شیخ محفل اپنی حکمت عملی کے مطابق کام کرے گا، اور کوئی اس پر اعتراض بھی نہ کر سکے گا۔

اگر صاحبِ محفل نے یا کسی مخلص شریک محفل نے خرقہ کا فدیہ اور معاوضہ ادا کر دیا، اور قوال اور حاضرینِ محفل اس پر رضامند ہو گئے، اس وقت وہ شخص اپنا خرقہ واپس لے لے گا، ـــ لیکن اگر کسی نے اپنا خرقہ دینے کی نیت سے قوال پر پھینکا تو اس صورت میں

www.waseemziyai.com

وہ خرقہ قوال ہی کو دیا جائے گا۔

پھاڑے ہوئے خرقہ کی تقسیم:

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ وجد کی حالت میں کوئی مخلص درویش روحانی جذبے کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر اپنے خرقہ کو پھاڑ دیتا ہے، ـــ اب ایسے پھٹے ہوئے خرقہ کو اگر کوئی شخص لینا چاہتا ہے تو صوفیاء کرام اس خرقہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ پھر یہ ٹکڑے تبرک کے طور پر بانٹ لیے جاتے ہیں۔ کیونکہ وجد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی علامت ہے، اور خرقہ کو پھاڑنا اسی وجد کا اثر ہے، اس لیے خرقہ اللہ کے فضل سے متاثر ہوا۔ لہٰذا یہ سب لوگوں کا حق ہے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھنا چاہیے۔ جب اس پھاڑے ہوئے خرقہ سے تبرک کا حصہ ملے تو اسے اعزاز و اکرام کے طور پر سر پر رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

جانی پہچانی خوشبو سے مہکی ہوا آ رہی ہے
میرے محبوب کے آنے کی خبر لا رہی ہے (طاہر مسعودی)

رسول اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ بادلوں کا استقبال فرماتے اور ان سے تبرک حاصل کرتے تھے، اور ارشاد فرماتے:

''یہ ابھی اپنے رب سے ہمکلام ہو کر آ رہے ہیں''۔

اسی طرح چاک خرقہ بھی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا درجہ رکھتا ہے، ـــ اس کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے، ـــ اور جو خرقہ پھٹا ہوا نہیں ہے، اس کے بارے میں شیخ محفل ہی کا فیصلہ حتمی ہے۔

- ـــ اگر وہ چاہے تو اسے بعض درویشوں کے لیے مختص کر سکتا ہے، اور
- ـــ اگر چاہے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اسراف ہے اور فضول خرچی ہے۔ بعض اوقات ایک چھوٹا خرقہ بھی ضرورت کے وقت بڑے خرقہ کی مانند فائدہ دے جاتا ہے۔

حدیث شریف سے استنباط:

حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حریر (ریشم) کا لباس رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول فرما کر میری طرف بھیج دیا۔ میں اسے پہن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''جو چیز میں نے اپنی ذات کے لیے پسند نہیں کی، اسے میں تمہارے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں''۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے پھاڑ کے عورتوں کے لیے اوڑھنیاں بنا دیں۔

ایک اور روایت مین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ریشم کا یہ لباس لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

www.waseemziyai.com

''میں اس کا کیا کروں، ـــــ کیا میں اسے پہن لوں؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نہیں! بلکہ فاطمہ نام کی خواتین [۱] کے لیے اوڑھنیاں بنا دو''۔

اس روایت میں ہے کہ ریشم کا یہ لباس دوہرا سلا ہوا تھا، ـــــ بہرحال اس سُنّتِ نبوی ﷺ سے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

پھاڑے ہوئے خرقہ کی تقسیم مال کا ضیاع یا اسراف نہیں:

نیشاپور میں بہت سے فقہاء اور صوفیاء کرام ایک دعوت میں جمع تھے۔ اس دعوت میں شیخ الفقہاء شیخ ابومحمد الجوینی اور شیخ الصوفیاء شیخ ابوالقاسم القشیری بھی موجود تھے۔ وہاں کسی کا خرقہ گر پڑا۔ صوفیاء کرام نے اپنے معمول اور اصول کے مطابق خرقہ کے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیے، ـــــ اس وقت شیخ الفقہاء شیخ ابومحمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ بعض فقہاء کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے چپکے سے کہا:

''یہ اسراف ہے اور مال کا ضیاع ہے''۔

شیخ الصوفیاء شیخ ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سن لی مگر خاموش رہے، ـــــ لوگ خرقہ کی تقسیم سے جب فارغ ہو گئے تو شیخ القشیری نے خادم کو بلایا اور اسے کہا:

''دیکھو یہاں اگر کوئی پھٹا پرانا جائے نماز مل جائے تو لے آؤ''۔

خادم مطلوبہ حالت والا ایک جائے نماز تلاش کر کے لے آیا۔ تب کپڑے کا کاروبار کرنے والے ایک شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا:

''یہ جائے نماز زیادہ سے زیادہ کتنے میں خریدو گے؟''

اس نے کہا: ''ایک دینار میں'' ـــــ آپ نے فرمایا:

''اگر یہ صرف ایک ٹکڑا ہوتا، تب اسے کتنے میں خرید کرتے؟''

اس نے کہا: ''نصف دینار میں''۔

اس کے بعد شیخ القشیری نے شیخ الفقہاء شیخ ابومحمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''یہ مال کا ضیاع نہیں ہے، کیونکہ ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا خرقہ سب حاضرینِ مجلس میں تقسیم کیا جائے گا خواہ وہ ہم سلسلہ ہوں یا غیر سلسلہ کے، ـــــ ہاں جن لوگوں کو صوفیاء کرام سے نیک گمان نہ ہو، انہیں نہ دیا جائے''۔

طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اہلِ بصرہ نے نہاوند والوں سے جنگ کی۔ اہلِ کوفہ نے اہلِ بصرہ کی مدد کی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کے سردار تھے۔ اہلِ بصرہ اس جنگ میں کامیاب ہوئے۔ جنگ میں کامیابی کے بعد اہلِ بصرہ نے چاہا کہ اہلِ کوفہ کو مالِ غنیمت میں سے کچھ نہ دیا جائے۔ بنی تمیم کے ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا:

---

[۱] ـــــ اس سے آپ کی مراد فاطمہ بنت اسد، فاطمہ الزہرا بنتِ رسول اور فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

www.waseemziyai.com

''اے سردار! کیا تم ہمارے مالِ غنیمت میں شریک ہونا چاہتے ہو''۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا، مگر خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب میں تحریر فرمایا:

''مالِ غنیمت میں ہر اس آدمی کا حصہ ہے جو جنگ میں شریک ہو''۔

قوال کو خرقہ دینے کا حدیث سے استدلال:

بعض مشائخ کی یہ رائے ہے کہ پھاڑا ہوا خرقہ حاضرینِ محفل میں تقسیم کر دیا جائے، مگر جو خرقہ اپنی سلامت حالت میں ہو (یعنی جسے وجد کے عالم میں پھاڑا نہ گیا ہو) وہ قوال کو دیا جائے گا، — انہوں نے اپنی اس رائے کا استدلال حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''جب حنین کی جنگ ختم ہوئی اور ہم اس سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی شخص کو قتل کیا ہے، اس مقتول کا ساز و سامان اسی کو ملے گا''۔

یہ استدلال صحیح سالم خرقہ کے لیے تو مناسب ہے، مگر پھاڑے ہوئے خرقہ کو حاضرین میں تقسیم کیا جائے گا، — تقسیم کے دوران اگر کوئی شخص باہر سے بھی آ گیا تو اسے بھی حصہ ملے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''فتح خیبر کے تین دن بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ہمیں اس کا حصہ دیا۔ (یہ رعایت خاص ہمارے لیے تھی۔) ہمارے علاوہ جو کوئی فتح (خیبر) میں موجود نہیں تھا، اسے مالِ غنیمت سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا''۔

محفلِ سماع میں مختلف خیال لوگوں کا شریک ہونا:

محفلِ سماع میں مختلف خیال اور ذوق کے لوگوں کا شریک ہونا مکروہ ہے، جیسے:

- — کوئی زاہد خشک ہو جسے سماع کا ذوق ہی نہ ہو، اور اسے سماع سے انکار بھی ہے،
- — کوئی ایسا شخص جو سماع کا انکار کرنے والا نہیں لیکن دنیا دار ہے، جو اس محفل میں اپنی خاطر تواضع کی طلب رکھتا ہے،
- — یا کوئی ایسا شخص آ جائے جو بہ تکلّف وجد کی حالت طاری کر کے حاضرینِ محفل کا وقت خراب کرے۔

فقراء و مساکین کی فضیلت:

شیخ ابوزرعہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے چند حوالوں سے بالاسناد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے:

''یا رسول اللہ! آپ کی اُمت کے فقراء (و مساکین) آپ کی امت کے دولت مندوں سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے، — اور وہاں کا (روزِ محشر کا) نصف دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا''۔

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com

رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا:

''کیا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو ہمیں شعر پڑھ کر سنائے''۔

ایک اعرابی نے عرض کیا: ''جی ہاں، یا رسول اللہ!''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھا سناؤ!'' —— اس وقت اعرابی نے چند اشعار پڑھے۔

(جن کا مفہوم اس طرح سے ہے:)

''عشق کے چھپے ہوئے سانپ نے مجھے ڈس لیا،
جس کا علاج اور درماں کسی کے پاس نہیں
ہاں اس کا چارہ ہے میرے چارہ گر کے پاس
جس نے درد دیا، اسی کے پاس تریاق ہے''۔

یہ اشعار سن کر رسول اکرم ﷺ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ کے صحابہ پر بھی وجد و حال کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وجد کی حالت میں آپ ﷺ کے شانہ مبارک سے آپ کی چادر مبارک ڈھلک گئی، —— کچھ دیر میں کیفیت ختم ہوگئی تو سبھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ کا یہ کمبل کتنا پیارا ہے!''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے معاویہ! خاموش رہو، کیونکہ وہ شخص صاحبِ دل نہیں جو اپنے حبیب کا ذکر سن کر نہ جھومنے لگے!''

پھر رسول اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک کے سو ٹکڑے کیے اور اسے حاضرین میں تقسیم فرما دیا۔

اس حدیث شریف کو ہم نے بالا سناد جیسا کہ سنا ہے، نقل کر دیا۔ مگر محدثین کرام نے اس کی صحت پر اتفاق نہیں کیا۔ ہم نے بھی اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہیں سنی جس میں رسول اکرم ﷺ کا وجد فرمانا اور آپ کی کسی ایسی محفل کا ذکر ہو، جو موجودہ زمانے کے وجد اور محفل سماع کے مشابہ ہو، —— بہر حال یہ حدیث موجودہ زمانے کے صوفیاء کے سماع اور خرقہ پھاڑ کر بانٹنے کے بارے میں بہترین ثبوت اور دلیل ہے۔

میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ صحیح حدیث نہیں، کیونکہ ایسے اجتماعات و محافل رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک اور طبع اطہر کے مطابق نہیں، —— جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے ساتھ اس قسم کی نشست و برخاست کو نہیں اپنایا، اس لیے میرا دل اس کی صحت کو ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔

باب نمبر ۲۶:

صوفیاءکرام کی چلّہ کشی

چلّہ کشی کا مقصد:

صوفیاءکرام کا اس چالیس دن تک گوشہ تنہائی میں رہنے کا کوئی ایسا خاص مقصد نہیں جسے بعد میں نہ پورا کیا جا سکے، ——اور یہ ایک معین وقت ہے جس کا ادا کرنا لازم ہے۔ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے چونکہ مریدین (لوگ) وقت کی پابندی کرنے کے عادی نہیں ہوتے، اس لیے چلہ کشی کے ذریعے انہیں وقت کی پابندی کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے اس کی عادت بنا لیں۔

چلّہ کشی کی اصل اور تخصیص:

ذکر کے ساتھ ان چالیس دن کی تخصیص اس لیے رکھی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو کوئی چالیس صبحوں تک اللہ کی طرف خلوصِ دل کے ساتھ متوجہ رہا، تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر آجاتے ہیں''۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی چالیس راتوں (چلّہ) کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقٰتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ ○ (پارہ۹، سورۂ اعراف)

''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا، اور ہم نے دس راتیں اور پوری کیں، اس طرح وہ اپنے پروردگار کے پاس چالیس رات رہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چلّہ کی تفصیل:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں قیام کے دوران بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور انہیں اس کے چنگل سے نجات مل جائے گی، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ایک کتاب لائیں گے، جس میں حلال و حرام اور دیگر قوانین و احکام کا ذکر ہو گا، —— اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو ہلاک کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کتاب نازل کرنے کے لیے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تیس روزے رکھیں۔ یہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا،

www.waseemziyai.com

جب یہ تیس دن ختم ہو گئے، یعنی تیس راتیں پوری ہو گئیں تو روزے کے باعث موسیٰ علیہ السلام کو اپنے منہ کی بو ناگوار محسوس ہوئی۔ انہوں نے خرنوب کی لکڑی سے مسواک کی۔ اس وقت فرشتے کہنے لگے:

''ہمیں تمہارے منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ تم نے مسواک کر کے اس خوشبو کو ختم کر ڈالا''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مزید ذوالحجہ کے دس روزے رکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا:

''اے موسیٰ! کیا تم نہیں جانتے کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روزہ کی کیفیت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روزے اس طرح نہیں ہوتے تھے کہ دن کے وقت کھانا چھوڑ دیں اور رات کے وقت (افطاری کے وقت) کھا پی لیں، ــــ بلکہ انہوں نے بغیر کچھ کھائے پئے چالیس دن تک مسلسل روزے رکھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معدے کا کھانے سے خالی ہونا چلہ کی اصل بنیاد ہے۔ حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرنے کے اہل اس وقت ہوئے جبکہ ان کا معدہ غذا سے خالی تھا۔

چنانچہ خدا رسیدہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جو روحانی علوم (علومِ لدنی) عطا ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایک طرح کا مکالمہ ہے، ــــ لہٰذا جو بندہ خالی معدہ سے اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر علومِ لدنی کے دروازے کھول دیتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا۔ آپ نے اس کام کے لیے چالیس دن کی مدت مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کے لیے پابند کیا، یعنی چالیس دن کی مدت مقرر کی' اس میں خاص حکمت تھی۔ اس حکمت کی حقیقت کو یا تو انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں یا اللہ کے کچھ مخصوص بندے جانتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس راز سے آگاہ فرمایا۔

چالیس دن کی حکمت:

میرے خیال میں چالیس دن کی پابندی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب مٹی سے بنانا چاہا تو اس مٹی کو خمیر کرنے کے لیے بھی چالیس دن مقرر کیے گئے۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی مٹی کو چالیس دن تک خمیر کیا''۔

حضرت آدم علیہ السلام دونوں جہانوں کی آبادی کے معمار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء بھی یہی تھی کہ آدم علیہ السلام کے ذریعے دنیا کی تعمیر اور آبادکاری ہو۔ اور ان سے جنت کو بھی آباد کیا جائے۔ اس لیے ان کو مٹی سے اس ترکیب کے ساتھ پیدا کیا جو اس ظاہری دنیا اور عالم حکمت وشہادت کے مطابق تھی، ان کے خمیر میں اگر سفلی اجزاء شامل نہ کیے جاتے تو قانونِ حکمت کے مطابق وہ دنیا کو آباد نہیں کر سکتے تھے۔

لہٰذا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور چالیس دن تک ان کی مٹی کا خمیر ہوتا رہا، تاکہ خمیر ہونے کے متعینہ چالیس دن سے اللہ کی ذات اور ان کے درمیان چالیس حجاب آجائیں۔ یہ چالیس رجحانات رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ:

○ ــــ انہیں بارگاہِ الٰہی اور مقامِ قرب سے روکا جائے،

www.waseemziyai.com

○ —— تاکہ وہ دنیا کی آبادکاری اور تعمیر کر سکیں،

اگر ان حجابات کے ذریعے انہیں نہ روکا جاتا تو دنیا کی تعمیر اور آبادکاری نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے اس عالمِ رنگ و بو کی تعمیر او زمین پر اللہ کی نیابت و خلافت کا فریضہ انجام دینے کے لیے انہیں مقامِ قرب سے دور رکھا گیا۔

چالیس حجابات کا اُٹھانا کیوں کر ممکن ہے:

انسان اللہ کی اطاعت کے لیے متوجہ ہو کر اور فکر معاش سے منہ موڑ کر ہر روز ایک حجاب کو دور کرتا ہے۔ جیسے جیسے ایک ایک کر کے یہ حجابات اُٹھتے جائیں گے، ویسے ہی بندہ، اسی قدر قربِ الٰہی میں اپنا ٹھکانہ بناتا جائے گا۔ قربِ الٰہی تمام علوم کا سرچشمہ اور مرکز ہے۔ روزانہ اطاعتِ الٰہی میں مگن ہو کر اور حصولِ معاش سے آزاد رہ کر جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو یہ چالیس حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ پھر اس پر علوم و معارف کی بارش ہونے لگتی ہے۔ پھر عظمت الٰہی کے نورانی اثر سے یہ علوم و معارف انوار و تجلیاتِ الٰہی بن جاتے ہیں۔ نفس کی باتیں الہامی علوم بن جائیں گی اور عظمتِ الٰہی کے انوار و تجلیات قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے گی، —— اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس کا وجود اور اس کی باتیں نہ ہوتیں تو علومِ الٰہیہ کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ انوارِ الٰہی کا ظہور نفس کی باتوں اور نفس کے وجود کی بدولت ہوا ہے، اس لیے نفس انوارِ الٰہی کو قبول کرنے کے لیے ظرفِ وجودی ہے۔ جبکہ قلب کا بذاتِ خود (اپنے طور پر) علم کے حصول کے لیے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حکمت کے چشمے اس کے قلب پر پھوٹ کر اس کی زبان کے ذریعے جاری ہوں گے"۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قلب کے دو رُخ ہیں۔ اس کا ایک رُخ نفس کی طرف ہے جس کے ذریعے اس کی توجہ عالمِ غیب کی طرف ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو علوم نفس میں پیدا کیے گئے ہیں، قلب انہیں حاصل کر کے زبان کے حوالے کر دیتا ہے، جو قلب کی ترجمان ہے۔ اس طرح علوم کا ظہور قلب سے براہِ راست نہیں ہوتا بلکہ زبان کے واسطے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم کی جڑ تو قلب میں ہے، —— چنانچہ قلب اور روح کو قربِ الٰہی سے وہ مقامات حاصل ہوتے ہیں، جو الہام کے مرتبہ اور درجہ سے بھی بلند تر ہیں، —— اس طرح بندہ اللہ سے لَو لگا کر اور دنیا سے منہ موڑ کر اپنی ہستی کی بعید مسافت کو طے کرتا ہے، اور اپنے نفس کی مدد سے علوم کے جواہر نکال لاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ جو لوگ دورِ جاہلیت میں بہترین ہیں، وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ وہ سمجھ بوجھ رکھتے ہوں"۔

چنانچہ ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے عمل میں اللہ کی ذات کے لیے خلوص پیدا کر کے ان ارضی طبقات (حجابات) کو دور کرتا ہے جو اسے اللہ کی ذات سے دور رکھتے ہیں، حتیٰ کہ چالیس دن پورے ہونے پر (روزانہ ایک طبقہ یا حجاب دور ہونے سے) حجاب کے چالیس طبقات دور ہو جاتے ہیں۔

چلّہ کے بعد اگر طالبِ حق کی دنیا سے رغبت کم ہو جائے اور اس فریب کی دنیا سے منہ موڑ کر اس لافانی عالم کی طرف متوجہ ہو جائے تو جان لینا چاہیے کہ اس پر چلّہ کے اثرات صحیح مرتب ہوئے ہیں اور اس کی بندگی میں اخلاص ہے۔ کیونکہ حکمت کے ظہور کے

www.waseemziyai.com

لیے زہد وتقویٰ لازم ہے، ــــ اور اگر اس نے دنیا سے کنارہ کشی نہیں کی تو اس کے لیے حکمت کا حصول ناممکن ہے۔

چلّے میں اخلاص کی اہمیّت:

چلّہ کشی کے بعد بھی اگر کوئی شخص حکمت کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکے تو سمجھ لو کہ اس نے چلّہ کشی میں عائد ہونے والے فرائض کو صحیح طرح سے ادا نہیں کیا۔ اور خلوت میں بھی وہ اللہ کے ساتھ اخلاص سے متوجہ نہیں ہوا، ــــ جس شخص میں اخلاص نہ ہو وہ صحیح طرح سے اللہ کی بندگی نہیں کر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمیں عمل کا حکم دیا ہے، اسی طرح اس نے ہمیں اخلاص کا حکم بھی دیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۝

''انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی خلوص کے ساتھ کریں''۔

شیخ ظاہر بن ابی الفضل بالا سناد حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن اخلاص اور شرک دوزانو ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، اللہ تعالیٰ اخلاص کو حکم دے گا: تو اخلاص والوں کے ساتھ جنت میں جا، ــــ اور شرک سے فرمائے گا: تو شرک والوں کے ساتھ جہنم میں جا''۔

مذکورہ بالا اسناد کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''اخلاص کیا چیز ہے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا، انہوں نے رب العزت سے اخلاص کے بارے میں پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اخلاص میرا ایک راز ہے، جسے میں نے اپنے محبوب بندوں کے دلوں میں امانت کے طور پر رکھا ہے''۔

نفس کی مخالفت اور خلوت نشینی:

کچھ لوگ اپنے نفس کی مخالفت کر کے خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں کیونکہ طبعی طور پر نفس خلوت نشینی کو پسند نہیں کرتا۔ خلقت کے ساتھ میل جول رکھنے کو پسند کرتا ہے، لہٰذا جب اسے اس کی مانوس جگہ سے ہٹایا جائے اور اطاعتِ الٰہی کی عادت ڈالی جائے تو ایسی ہر تلخی کے بعد قلب کو حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

خلوت نشینی اور مشائخ کرام:

خلوت نشینی کے بارے میں مشائخ کرام نے ارشاد فرمایا:

○ ــــ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے خلوت سے زیادہ اخلاص پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں دیکھی، ــــ لہٰذا جس نے خلوت کو اختیار کیا، اس نے گویا اخلاص کے ستون کو تھام لیا، اور صدق وحقیقت کے ایک بڑے رکن کو حاصل کر لیا۔

○ ــــ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایت کے طالب ایک شخص کو اس طرح نصیحت فرمائی:

www.waseemziyai.com

''خلوت کو اپنے لیے لازم کر لے اور لوگوں سے اپنا نام مٹا دے۔ ہر وقت چار دیواری میں رہو، حتیٰ کہ تیرا آخری وقت آ جائے''۔

○ — حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خلوت نشینی صدیقین کی دلی تمنا ہے، — جس شخص کا باطن خلوت نشینی کو پسند کرتا ہے اور اس کے نفس کی اس طرف رغبت ہو تو یہ اس کی روحانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے''۔

غارِ حرا میں خلوت نشینی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلوت نشینی میں یہی حال تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا آغاز اس طرح ہوا کہ:

○ — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند میں سچے خواب دیکھتے تھے۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے، وہ صبح صادق کی طرح صحیح ہوتا۔

○ — اس کے بعد آپ تنہائی کو پسند فرمانے لگے، اور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔ وہاں مسلسل کئی کئی دن اور رات عبادت میں مشغول رہتے، — آپ اپنا کھانا خود ساتھ لے جاتے تھے، جب وہ ختم ہو جاتا تو وہاں سے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لاتے، اور کھانے کا سامان لے کر پہلے کی طرح غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔

○ — یہاں تک کہ غارِ حرا میں آپ پر حق کا نزول ہوا، یعنی ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا۔ اس نے کہا: ''پڑھیے!'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا جواب سن کر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ میں ہلکان ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ کر کہنے لگا: ''اقراء'' (پڑھو) — میں نے پھر کہا: ''میں پڑھنا نہیں جانتا — فرشتے نے مجھے پھر پکڑ کر بھینچا، اس طرح اس نے تین بار مجھے بھینچا حتیٰ کہ میں تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ کر کہنے لگا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝

''اپنے اس رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا ○ جس نے انسان کو پیدا کیا جمے ہوئے خون سے ○ تم پڑھو تمہارا رب بڑا اکرم والا ہے ○''

نزولِ وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کے اچانک آ جانے سے کچھ خوف زدہ سے ہو گئے۔ اس گھبرائی ہوئی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس تشریف لے آئے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''مجھے کمبل اوڑھا دو''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ کیفیت جاتی رہی، آپ کی حالت بحال ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا۔ اور فرمایا:

''مجھے اپنی عقل کے بارے میں خوف پیدا ہو گیا ہے، اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

www.waseemziyai.com

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''ہرگز نہیں! ـــ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ:

○ ـــ صلۂ رحمی کرتے ہیں،

○ ـــ سچ بولتے ہیں،

○ ـــ بے کسوں کا بار اُٹھاتے ہیں،

○ ـــ تہی دستوں کی مدد کرتے ہیں،

○ ـــ یتیموں کو کھانا کھلاتے ہیں،

○ ـــ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں''۔

ورقہ بن نوفل سے ملاقات:

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ [1] کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ عبرانی زبان پر دسترس حاصل تھی۔ اس لیے انجیل کو بھی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:

''اے چچا! ذرا اپنے بھتیجے کی باتیں سنئے!''

ورقہ بن نوفل نے کہا:

''اے میرے بھتیجے! مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ واقعہ ہوا تھا، اس کا سب ماجرا بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا:

''یہی وہ ناموس (وحی کا فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام) ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا کرتا تھا، ـــ کاش! میں اس وقت تک زندہ اور جوان ہوتا جب تمہاری قوم تمہیں شہر (مکہ) سے نکال دے گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا وہ لوگ مجھے (مکہ سے) نکال دیں گے؟''

ورقہ بن نوفل نے کہا:

''ہاں! جو کوئی بھی اس قسم کا پیغام لے کر آیا ہے جیسا کہ تم پیغام لے کر آئے ہو تو اس کی قوم نے اس کے ساتھ دشمنی کی ہے، ـــ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا''۔

---

[1] ـــ اکثر مفسرین و محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ورقہ بن نوفل، اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ صاحب ''عوارف المعارف'' حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ورقہ بن نوفل کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا چچا لکھا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ بھتیجا بولا گیا ہے۔

www.waseemziyai.com

دوسری بار وحی کا نزول:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا ذکر فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایک دن میں جا رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اوپر کی طرف دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا، وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر اس کا رعب طاری ہو گیا، — میں گھر واپس آ گیا، اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا:

زملونی زملونی۔

''مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو''۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

''اے کمبل اوڑھنے والے! ۝ اُٹھو اور لوگوں کو ڈر سناؤ ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو''۔

یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے (فترتِ وحی) کے زمانے میں کئی بار میں ارادہ کیا کہ خود کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرا کر ہلاک کر لوں، — چنانچہ جب کبھی اس ارادے سے میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتا کہ خود کو گرا کر ہلاک کر ڈالوں، اس اثناء میں حضرت جبریل (علیہ السلام) نمودار ہو کر کہتے:

''اے محمد! درحقیقت آپ اللہ کے رسول ہیں''۔

یہ سن کر میرے دل کو اطمینان ہو جاتا، — اور جب کبھی وحی آنے میں بہت زیادہ وقت ہو جاتا تو میرے دل میں پھر اسی طرح کے خیالات آنے لگے۔ اس وقت بھی حضرت جبریل (علیہ السلام) نے نمودار ہو کر اسی قسم کے الفاظ کہے''۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز کے یہ حالات ہی چلّہ کشی اور خلوت نشینی کی اصل اور بنیاد ہیں، جن کے بارے میں مشائخ کرام اپنے مریدوں اور طالبانِ حقیقت کو خلوت نشینی کے سلسلہ میں تلقین و تعلیم کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب یہ خلوت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوگئی تو وہ خلوت نشین ہو کر ذکر الٰہی میں خلوص کے ساتھ مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر وہ باتیں ظاہر کر دے گا جس سے وہ اپنی خلوت نشینی میں مانوس ہوں۔ یعنی جن باتوں سے ان کے دلوں کو تسکین حاصل ہو۔ یہ فیض الٰہی اس بات کا صلہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لیے دنیا (جلوت) سے کنارہ کشی اختیار کی۔

خلوت نشینی تو ہمیشہ کرنے والا عمل ہے۔ چلّہ پورا کرنے سے تو اللہ تعالیٰ کی عنایات اور روحانی برکات کا محض آغاز ہوتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۲۷:

چلّہ کشی کے کشف وکرامات

چلّہ کشی میں غلط راہ اپنانے والے:

صوفیاء میں سے کچھ حضرات نے خلوت نشینی اور چلّہ کشی میں غلط راہ اپنالی ہے۔ انہوں نے اس بارے میں الفاظ کا غلط مطلب سمجھا ہے۔ گویا شیطان نے ان کے نفس کو غرور میں مبتلا کر دیا ہے، — اخلاص کے بغیر خلوت نشینی اختیار کر لی ہے، اخلاص جو کہ خلوت نشینی کا لازمہ ہے، انہوں نے کہیں سے سن لیا ہے کہ خلوت نشینی کے دوران مشائخ کرام سے خلافِ عادت عجیب وغریب واقعات کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے خلوت نشین ہوتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک روحانی بیماری ہے اور سراسر گمراہی وضلالت ہے۔

خلوت نشینی کی فضیلت واہمیّت:

صوفیاء کرام نے خلوت نشینی اور تنہائی کو محض اپنے دین کی حفاظت، نفس کے احوال کی جستجو اور اللہ کی بندگی کے لیے اختیار کیا ہے۔

○ — شیخ ابو عمرو الاغاطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان پر اپنے انجام کی باتوں کا سمجھنا اس وقت تک آسان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ابتدائی حالات میں ان باتوں پر مضبوطی سے عمل پیرا نہ ہو جو اس کے لیے لازم ہیں، — اور ان باطنی درجات کی اصلاح نہ کر لے، جن کا جاننا ضروری ہے۔ اور جن کے ذریعے یہ پتہ چل سکے کہ وہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور تنزلی کا شکار ہو رہا ہے''۔

لہٰذا ایک طالبِ معرفت کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلوت کے مواقع تلاش کرے، تاکہ دوسرے مشاغل اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اور اس کے اصل مقصد کو برباد نہ کریں۔ یعنی خلوت نشینی سے جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اس سے محروم رہے گا۔

○ — شیخ ظاہر بن ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد شیخ ابو تمیم مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بیان کیا ہے:

''جس شخص نے خلوت نشینی کو صحبت پر ترجیح دی ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ ذکر الٰہی کے علاوہ اس کا دھیان کسی اور طرف نہ جائے۔ اور اپنے رب کے سوا کوئی بھی چیز اس کی مطلوب ومقصود نہ ہو۔ جن ظاہری اسباب کا نفس تمنائی ہے، ان سے کوئی واسطہ نہ رکھے، — اگر اس کی خلوت نشینی ان باتوں کے مطابق نہیں ہے تو اس کی خلوت نشینی اسے کسی مصیبت میں فتنے میں ڈال دے گی''۔

www.waseemziyai.com

دنیاوآخرت کی بھلائی اور بُرائی:

محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور وہ کہنے لگا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔انہوں نے ارشادفرمایا:

''میں نے دنیاوآخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں پائی ہے، ـــــ اوردونوں جہاں کی بُرائی میل جول اور کثرت میں پائی ہے''۔

چنانچہ اگرکوئی شخص کسی بہانے سے یا کسی سبب سے خلوت نشین ہوا ہے تو شیطان اس کے اندر گھس کر طرح طرح کی خرابیاں بنا سنوار کراس کے سامنے پیش کرے گا۔اور وہ اس کے دھوکے اور فریب میں آکر یہ گمان کرنے لگے گا کہ وہ اچھے روحانی مقام پر پہنچ گیا ہے، کیونکہ جولوگ مناسب آداب وشرائط کی پابندی کیے بغیر خلوت نشین ہوئے، اور اسی حالت میں ذکر وافکار میں مصروف ہوئے تو وہ ایک بڑے فتنے کا شکار ہو گئے۔اس طرح وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر عیسائی راہبوں اور برہمنوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

خلوت نشینی کا حاصل خیالات کی یکسوئی ہے:

یہ کہنے کی بات نہیں کہ تنہائی میں خیالات کی یکسوئی سے بندے کا باطن صاف ہوجاتا ہے۔اب:

- ـــــ اگر باطن کی یہ صفائی دین پر عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کی بدولت حاصل ہوئی ہے تو اس صفائی سے روشن ضمیری، ذکرالٰہی کی حلاوت، اوراخلاص سے معمور عبادت کاظہور ہوگا۔
- ـــــ اوراگر باطن کی یہ صفائی دین پر عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نتیجہ نہیں ہے تو اس سے فقط نفس کی صفائی ہوگی۔اس کے ذریعے علوم ریاضیہ کا حصول ہوسکتا ہے۔جوفلسفیوں اور دہریوں کا مقصود ومطلوب ہے۔

چنانچہ جسے ان چیزوں سے جس قدر انہماک ہوگا، اسی قدر اس کی خدا سے دوری بڑھتی جائے گی۔جوان چیزوں کی طرف متوجہ ہوگا شیطان اسے بہکاتا رہے گا، خواہ وہ خانقاہ کے علوم ہی کیوں نہ حاصل کرلیں۔یہ فریب اور بہکاوااس حدتک بڑھ جائے گا کہ انہیں یہ گمان ہونے لگے گا کہ وہ اپنے (باطل) خیالات اور تصورات میں سچے ہیں، اورانہوں نے منزلِ مقصود کو پالیا ہے۔حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی خلوت نشینی سے تو عیسائی راہب اور برہمن بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔مگر یہ خلوت نشینی کا اصل مقصد نہیں۔کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم سے استقامت چاہتا ہے مگر تم اس سے کرامت چاہتے ہو''۔

کشف وکرامات اور سچی فراست:

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ مخلص بندوں کو خلاف عادت کشف وکرامات اور سچی فراست عطا ہوتی ہے۔اور مستقبل کی بعض باتیں ان پر ظاہر ہوجاتی ہیں۔اور کبھی ایسا بھی نہیں ہوتا، ـــــ تاہم کشف وکرامات کا نہ ہونا ان کی شان کے خلاف نہیں۔بلکہ قابلِ اعتراض بات یہ ہے کہ وہ استقامت کا دامن چھوڑ دیں'' ـــــ بہر حال اگر انہیں کشف عطا ہوجائے تو اس سے ان کے ایمان اور

یقین میں مزید مضبوطی آجاتی ہے۔ وہ خلوص دل سے مجاہدات وریاضات، زُہد وتقویٰ اور اعمالِ حسنہ میں لگ جاتے ہیں۔

شریعت کی عدم پیروی اور کشف:

اگر کشف ایسے لوگوں کو حاصل ہو جو شریعت کی پابندی نہیں کرتے تو وہ راہِ حق سے دور ہو کر گمراہی وحماقت میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ خلق خدا پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں، زیادتی کرتے ہیں۔ مخلوق کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسلام کے دائرے سے بالکل نکل جاتے ہیں۔ شرعی قوانین اور حلال وحرام کے منکر ہو جاتے ہیں۔ ان نادان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ عبادت کا مقصد فقط ذکرِ الٰہی ہے (اور کچھ نہیں)۔ اس طرح وہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ الحاد اور بے دینی میں پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گمراہی سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین!

مشاہدۂ حق کا وقوع:

کبھی کبھار بعض سالکانِ طریقت کے دلوں میں ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں، جنہیں وہ روحانی واقعات سمجھنے لگتے ہیں۔ اصل حقیقت جانے بغیر ان خیالات و واقعات کو مشائخ کرام کے واقعات کی مانند سمجھنے لگتے ہیں۔

اگر کوئی اس معاملہ میں چھان بین کرنے کا خواہاں ہے تو اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا مخلص بندہ ہے اور وہ نیک نیتی سے چالیس دن تک خلوت نشین رہا ہے۔ تو اس صورت میں مختلف لوگوں کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں:

- بعض حضرات کا باطن یقینِ کامل سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ ان کے دل سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ ایک بزرگ کا کہنا ہے:

  ''میرے قلب نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ کیا''۔

  یعنی باطن کی صفائی سے وہ مشاہدۂ حق کرتے ہیں۔
- بعض حضرات خلوت نشینی کی بجائے نیک اعمال، نفس کو منکرات سے روک کر، نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن کریم اور وقت مقررہ پر اذکار و اوراد کی بدولت اس مقام تک پہنچتے ہیں۔
- بعض لوگوں کو صرف ایک ذکر ہی کے ذریعے مشاہدۂ حق حاصل ہو جاتا ہے۔
- کبھی مسلسل ذکر و اذکار، نماز پنج گانہ کا اہتمام اور سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی وقت میں ذکر ہی میں مشغول رہتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ وضو کرتے اور کھانا کھاتے ہوئے بھی ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر مشاہدۂ حق کا وقوع ہوتا ہے، ــــ یہ اس کریم کی عطا ہے جسے چاہے سرفراز کرے۔

کیا ذکر میں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنا کافی ہے:

مشائخ کی اکثریت نے ذکر کے لیے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو پسند کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کلمہ باطن کو منور کرنے اور خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے میں زبردست خاصیت رکھتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ایک مخلص اور حق پرست اس پر ہمیشگی کرے۔ اس کے لیے یہ عطیۂ الٰہی ہے۔

www.waseemziyai.com

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

''الٰہی! مجھ سے اس اُمت مرحومہ (اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال بیان فرما!''

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے گوشہ نشین، پرہیزگار، حلیم طبیعت اور برگزیدہ علماء ہیں جو پیغمبروں کی طرح ہیں، وہ میری تھوڑی سی بخشش پر خوش ہو جاتے ہیں، ـــ اور میں بھی ان کے قلیل عمل کو قبول کر لیتا ہوں، میں ان کے ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنے پر انہیں جنت میں داخل کروں گا، ـــ

اے عیسیٰ! جنت میں انہی لوگوں کی کثرت ہوگی، کیونکہ کسی قوم کے لوگوں کی زبانوں پر ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا ورد اتنا جاری نہیں ہوا جتنا ان کی زبانوں پر جاری ہے، اور کسی قوم کی گردنیں مسجدوں میں اس قدر نہیں جھکیں، جس قدر ان کی گردنیں جھکی ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ توریت میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تمہیں شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، جو مومنوں کی پناہ گاہ اور اُمی عربوں کے لیے خزانہ ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو، ـــ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ تم نہ بد اخلاق ہو اور نہ سخت دل ہو۔ نہ کڑوی بات کہنے والے ہو، نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے ہے۔ نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے ہو، بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہو۔ میں تمہاری روح اس وقت تک قبض نہیں کروں گا، جب تک کہ تمہاری بدولت ٹیڑھی چلنے والی اُمت سیدھی نہ ہو جائے۔ اس طرح کہ آپ ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ'' کہہ کر اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دیں''۔

ذکر ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے ثمرات:

بندہ اگر خلوت میں دل کی ہم آہنگی کے ساتھ اس کلمہ کا ورد کرتا ہے۔ تو یہ کلمہ اس کے دل میں اپنی جڑیں بنا لیتا ہے۔ اور اس کے دل سے نفس کی باتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کے دل میں اس کلمہ کا مفہوم کلمۂ نفس کا قائم مقام ہو جائے گا، ـــ جب یہ کلمہ دل پر چھا جائے اور زبان کو اس کی عادت ہو جائے تو اس وقت دل اس کلمہ کو اپنے اندر اس طرح سے جذب کر لیتا ہے کہ اگر کسی وقت یہ کلمہ زبان اور قلب سے دور بھی ہو جائے تو اس صورت میں بھی اس کا نور قائم رہے گا۔ تب یہ ذکر مشاہدۂ حق کے ساتھ قائم ہو کر ذکر ذات بن جائے گا، ـــ یہی وہ ذکر ذات ہے جو ذکر نور کے ساتھ ایک جوہر بن جاتا ہے، یعنی قائم بالذات ہو جائے گا، ـــ اسی کا نام مکاشفہ، مشاہدہ اور معائنہ کہلاتا ہے اور یہی خلوت نشینی کا انتہائی مقصود و مطلوب ہے۔

کثرت سے تلاوتِ قرآن کریم کے ثمرات:

اللہ کریم کے نیک بندوں میں سے بعض ایسے بھی صدق و صفا والے حضرات ہیں جنہیں مکاشفہ و مشاہدۂ حق کا مقام حاصل نہیں

www.waseemziyai.com

ہوتا، بلکہ یہ مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے۔شرط یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرتا رہے۔اس کے ساتھ ساتھ زبان کی تلاوت کے لیے کی جانے والی جدو جہد قلب سے ہم آہنگ ہو۔تا کہ اس طرح سے زبان سے تلاوت تو جاری رہے اور کلام کا مفہوم نفسانی باتوں کا قائم مقام ہو جائے، ـــــ اس طرح تلاوت سے باطن منور ہو جاتا ہے، اور کلامِ ربانی کا نور قلب کو جوہر بن جاتا ہے۔یوں وہ ذکر ذات بن جاتا ہے۔کلام کے اس نور سے عظمتِ الٰہی کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

حقائق کی تجلیات کا تخیّل میں ظہور:

بہر حال اس سے پہلے کہ ذکر و تلاوت کی حقیقت تک پہنچے، بندۂ حق پر کمال انس و محبت اور حلاوتِ ذکر سے خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔اس عالم میں حق کی تجلیات سوئے ہوئے انسان کی طرح تخیل کے لباس میں دکھائی دیتی ہیں، جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ اس نے سانپ کو مارا ہے تو خواب کی تعبیر میں کہا جائے گا کہ وہ دشمن پر غالب آ جائے گا، ـــــ دشمن پر غالب آنا ایک قسم کا مکاشفہ ہے۔جس کا کشف اللہ تعالیٰ نے کرا دیا۔یہ غالب آنا یا فتح یاب ہونا، ایک روح مجرد کی طرح ہے جسے خواب میں فرشتہ نے سانپ کے روپ میں مجسم کر دیا تھا۔لہٰذا روح جو غلبہ کی صورت میں منکشف ہوئی، وہ خبر حق ہے۔

تخیّل کی حقیقت:

یہ تخیل ایک مثالی صورت (تمثیل) ہے، جو بدن کی مانند ہے، وہ دیکھنے والے کے نفس سے ظاہر ہوئی۔عالم بیداری میں قوتِ واہمہ اور قوتِ خیالیہ چونکہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اس لیے روح کے غالب آنے یا فتح یاب ہونے کا مکاشفہ سانپ کے مثالی (تمثیلی) بدن سے مرکب ہو گیا تھا، اس وجہ سے اس کی تعبیر و تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی۔اور اگر تمثیل کے بغیر حقیقت کا انکشاف ہو جاتا تو تعبیر کی ضرورت نہ ہوتی۔اور عالم خواب میں جو کچھ دیکھا جاتا، وہی اصل حقیقت میں رونما ہوتا۔یعنی سانپ کی بجائے مجرد فتح کو دیکھتا۔

پریشان حالی:

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ وہم و خیال بیداری کے عالم میں گڈ مڈ ہو کر نظر آنے لگتے ہیں۔اس اختلاط سے بغیر حقیقت کے خیالی تصویر ابھر آتی ہے۔اسے خوابِ پریشاں یا پریشاں خیالی کہتے ہیں۔اس کی کوئی تعبیر نہیں بیان کی جا سکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خلوت نشین اس حال سے گزرتا ہے کہ اسے تصور میں اپنی ذات سے خیال ہی خیال نظر آتا ہے جو کسی حقیقت کا ظرف نہیں بن سکتا۔اس لیے اس پر کسی واقعہ یا حقیقت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اور نہ ہی وہ اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، کیونکہ وہ محض ایک خیال ہے کوئی واقعہ نہیں۔

واقعہ کا رونما ہونا:

اگر کوئی حق پرست اللہ کے ذکر میں اس طرح کھو جائے کہ اسے عالمِ محسوسات کی بالکل خبر نہ ہو، حتیٰ کہ اگر کوئی اس کے پاس آئے تو ذکر الٰہی میں گم ہونے کی وجہ سے اسے پتہ نہ چلے۔ایسی حالت میں شروع میں اس کے نفس سے ایک مثال اور خیال رونما

www.waseemziyai.com

ہوتا ہے۔جس میں کشف کی روح پھونکی جاتی ہے۔یعنی خیال اور تمثیل کشف میں تبدیل ہو جاتی ہے۔چنانچہ ذکر میں گم ہونے والا جب ہوش میں آتا ہے تو اللہ کے فضل سے اس کا باطن اس تمثیل یا خیال کی تشریح خود کرتا ہے، یا جیسے کہ تعبیر بیان کرنے والا خواب کی تعبیر بیان کرتا ہے۔اسی طرح سے اس کا مرشد یا شیخ اس کی تشریح کرتا ہے۔تصوف میں اسے ''واقعہ'' کہا جاتا ہے۔کیونکہ یہ تمثیل کے لباس میں کشف حقیقت ہے۔

واقعہ کا صحیح ہونا مشروط ہے:

واقعہ کا صحیح ہونا مشروط ہے، اس کی:

- پہلی شرط یہ ہے کہ ذکر میں خلوص ہو،
- دوسری شرط یہ ہے کہ ذکر میں محویت واستغراق ہو،

اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور تقویٰ پر ہمیشگی ہو، کیونکہ واقعہ کے کشف کا سبب حکمت ہے، زُہد وتقویٰ حکمت کے لیے لازم ہیں۔یعنی اگر زہد وتقویٰ نہیں تو حکمت نہیں، اور اگر حکمت نہ ہوگی تو کشف کا اظہار ممکن نہ ہوگا۔

کشف اور خبر الٰہی:

بعض اوقات ذکر کرنے والے کو لباسِ تمثیل کے بغیر حقائق معلوم ہو جاتے ہیں۔اسے کشف اور خبر الٰہی کہا جاتا ہے۔

- کبھی یہ مشاہدہ کی صورت میں ہوتا ہے،
- کبھی محض سماع کی صورت میں،
- کبھی اسے باطن سے آواز آتی ہے،
- کبھی ہوا میں حرکت محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی غیب سے پکارنے والا فرشتہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں کبھی اس کے بارے میں کچھ پتہ چل جاتا ہے، اور کبھی کسی دوسرے کے بارے میں کوئی ایسی بات جان لیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہو۔تاکہ ذکر کرنے والے کے ایمان اور یقین میں برکت ہو، ـــ کشف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خواب میں کسی چیز کی حقیقت کا مشاہدہ کرے۔

کشف کے بارے میں واقعات:

- کسی بزرگ کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ایک پیالے میں شربت پیش کیا گیا، انہوں نے بجائے پینے کے پیالہ زمین پر رکھ دیا۔اور کہنے لگے:

''دنیا میں ایک بڑا حادثہ رونما ہو گیا، جب تک مجھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل جائے، تب تک میں شربت نہیں پیوں گا''۔
آخر کار انہیں کشف ہوا کہ مکہ معظمہ میں ایک جماعت داخل ہوئی تھی، اسے ہلاک کر دیا گیا۔

- حضرت ابو سلیمان الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ میں اپنے گدھے پر سوار کہیں جا رہا تھا، اسے مکھیاں پریشان کر رہی

www.waseemziyai.com

تھیں۔ان کی وجہ سے وہ اپنے سر جھکائے ہوئے تھا۔ میں نے اس کے سر پر ڈنڈا مارا تاکہ مکھیاں اس کی جان چھوڑ دیں۔

گدھا سر اٹھا کر مجھے کہنے لگا:

''یہ تم مجھے نہیں مار رہے بلکہ اپنے سر پر مار رہے ہو''۔

یہ سن کر لوگوں نے بڑی حیرت سے کہا:

''کیا حقیقت میں یہ واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا ہے یا آپ نے کسی سے سنا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! جس طرح تم نے مجھ سے گدھے کی باتیں سنی ہیں، میں نے بالکل اسی طرح سے سنی ہیں''۔

○ ـــ شیخ احمد بن عطار درباری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں طہارت کے معاملے میں بہت احتیاط کرتا تھا۔ایک رات میں استنجاء کر رہا تھا، حتیٰ کہ رات کا تہائی حصہ اسی طرح گزر گیا، لیکن دل مطمئن نہ ہوا۔اس صورتِ حال سے میں بڑا پریشان ہوا اور رونے لگا، اللہ کی بارگاہ میں عرض کی:

''یا مولیٰ! مجھے معاف کر دے!''

اس وقت ایک غیبی آواز آئی۔ میں نے بولنے والے کو نہیں دیکھا:

''اے ابو عبداللہ! علم میں معافی ہے''۔

○ ـــ اپنے بندے کی تربیت اور اس کے ایمان و یقین کی تقویت کے لیے اللہ تعالیٰ کبھی کبھار آیات و کرامات کا یوں بھی انکشاف فرماتا ہے جیسے کہ شیخ جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا۔وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک قیمتی نگینہ تھا۔ایک دن میں کشتی کے ذریعے دریائے دجلہ کو عبور کر رہا تھا، جب میں نے ملاح کو کرائے کے پیسے دینے کے لیے خرقہ کو کھولا، اس وقت وہ نگینہ دجلہ میں گر پڑا، مجھے کھوئی چیز مل جانے کے لیے ایک دعا یاد تھی۔ میں نے وہ دعا پڑھنا شروع کی، اس وقت وہ نگینہ ان کاغذوں میں ہی مل گیا، جنہیں میں کرایہ دیتے وقت اُلٹ پلٹ کر رہا تھا، وہ دعا برائے گم شدگی یہ ہے:

يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِجْمَعْ ضَآلَّتِي ۝

''اے لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں، میری گم شدہ چیز مجھے لوٹا دے''۔

○ ـــ ہمارے ایک شیخ ہمدان میں تھے، انہیں کسی نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ خلوت نشینی کی حالت میں اسے اپنے بیٹے کے بارے میں یہ کشف ہوا کہ وہ اپنی کشتی سے بے خبری کے عالم میں دریائے جیحون میں گرنے والا ہے۔ یہ علم ہونے پر اس نے اپنی خلوت نشینی کی جگہ سے لڑکے کو جھڑکا۔اس طرح وہ سنبھل گیا اور دریا میں گرنے سے بچ گیا، ـــ یہ شیخ ہمدان کے نواح میں تھا اور اس کا لڑکا دریائے جیحوں میں، کچھ مدت کے بعد جب لڑکا واپس آیا تو اس نے بتایا کہ وہ پانی میں گرنے ہی والا تھا کہ اس نے اپنے باپ کی آواز سنی، اور وہ سنبھل گیا اور گرنے سے بچ گیا۔

○ ـــ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہے، آپ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے

www.waseemziyai.com

تھے، خطبہ کے دوران آپ نے دو بار فرمایا:

يَا سَارِيَةَ الْجَبَلْ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلْ ○

''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ''۔

اس وقت حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ نہاوند (فارس) میں تھے۔ یہ آواز سن کر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا لشکر پہاڑ کی آڑ میں ہو گیا اور وہ دشمن پر غالب آ گئے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا:

''آپ اچانک پہاڑ کی آڑ میں کیوں ہو گئے؟'' ـــــ انہوں نے فرمایا:

''میں نے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، آپ فرما رہے تھے: ساریہ! پہاڑ کی آڑ میں ہو جاؤ''۔

ایمان کے چار ارکان:

حضرت شیخ ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے چار ارکان ہیں:

○ ـــ ایک رکن ایمان بالقدرت، یعنی قدرت پر ایمان ہے،

○ ـــ دوسرا رکن ایمان بالحکمت، یعنی حکمت پر ایمان ہے،

○ ـــ تیسرا رکن اپنی طاقت و اختیار سے بَری ہونے کا اظہار کرنا،

○ ـــ چوتھا رکن ہر کام میں اللہ کی ذات سے مدد کا طلب گار رہنا۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ اپنی طاقت و اختیار سے بری ہونے کے اظہار کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس بات پر ایمان لانا اور انکار نہ کرنا کہ اللہ کا ایک بندہ مشرق میں دائیں پہلو پر سو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے ایسی قوت عطا فرما دے گا کہ جب وہ دائیں پہلو سے بائیں طرف پہلو بدلے تو وہ مشرق کی بجائے مغرب میں ہو، ـــــ اور تمہیں اس بات پر کوئی حیرت نہ ہو اور نہ ایسا ہونے پر کوئی شک ہو، بلکہ اس پر ایمان رکھو کہ اللہ کی قدرت سے ایسا ہونا ممکن ہے''۔

کشف کا ایک واقعہ:

حضرت شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک درویش کے بارے میں اسی طرح کا واقعہ بیان کیا گیا کہ وہ مکہ معظمہ میں تھے اور ایک شخص کے بغداد میں مرنے کی خبر مکہ میں ملی۔ اللہ تعالیٰ نے مکاشفہ (کشف) میں انہیں بتایا:

''بغداد میں مرنے والا شخص زندہ ہے اور بازار میں ایک سوار کے ساتھ چل پھر رہا ہے''۔

اس وقت انہوں نے اس بغدادی کے ملنے والوں کو بتایا کہ تمہارا دوست مرا نہیں، زندہ ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اس درویش نے خود مجھے بتایا:

''میں نے اسے بازار میں دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے بغداد کے بازار کے ایک لوہار کے ہتھوڑے کی آواز سنی ہے''۔

www.waseemziyai.com

یہ سب خداداد باتیں ہیں:

اللہ کبھی کسی ایک جماعت کو کشف عطا فرماتا ہے، ـــــ اور جسے یقین کامل کی دولت مل چکی ہے انہیں ایسی کسی چیز کشف وغیرہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ تمام چیزیں ایمان ویقین کی تقویت کے لیے ہیں۔ یہ سب کرامات دل میں ذکر کے جاگزیں ہونے اور ذکر کے ذات ہونے (یعنی قلب کے ذاکر بن جانے) سے کم درجے کی ہیں، یعنی کبھی بعض حضرات کو ایسے واقعات کا مکاشفہ کرا کے مرتبہ کشف عطا کردیا جاتا ہے۔ یہ سب چیزیں تقویت یقین کے لیے ہیں۔ لیکن صاحبِ یقین کامل کو ان مکاشفات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مکاشفات کی حکمت میں:

- ـــــ مریدوں کے لیے تقویت کا سامان موجود ہے،
- ـــــ سائلوں کے لیے تربیت کا سامان موجود ہے،

تاکہ ان کے یقین میں اضافہ ہو اور وہ نفس کشی کی طرف مائل ہو کر دنیا کی لذتیں چھوڑ دیں، ان کے پُرسکون عزم میں ہل چل مچ جائے اور اپنا وقت ان کاموں میں گزاریں، جن سے اللہ کا قرب حاصل ہو اور انہیں وہ مقام حاصل ہو جائے کہ ان لوگوں کے طریقے کو پسند کرنے لگیں جنہیں یقینِ کامل سے کشف حاصل ہوا۔ اس لیے کہ ایسے مریدوں میں کامل استعداد موجود ہے۔ اسی لیے ان پر پیچیدہ مقامات نرم اور آسان کردیئے گئے ہیں اور پوشیدہ باتیں ظاہر کردی گئی ہیں۔

گمراہ اور بارگاہِ الٰہی سے دور لوگ:

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ عیسائی راہب اور ہندو برہمن بھی (خلوت نشینی) کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر وہ ہدایت کی راہ پر نہیں چلتے بلکہ گمراہی اور ضلالت کے راستے پر گامزن ہیں۔ اس لیے ان کے یہ کام مکروہ استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی کم فہمی کی بناء پر اپنی اسی حالت کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ بارگاہِ الٰہی سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس میں مشیّت ایزدی یہ ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت میں پڑے رہیں، یعنی ہندو یوگیوں، برہمنوں اور عیسائی راہبوں کی خلوت نشینی کے باعث ان سے جو کشف و کرامات ظاہر ہوتی ہیں، وہ کسی شرف کا موجب نہیں، بلکہ بارگاہِ الٰہی سے دوری اور محرومی کی وجہ سے ہے اور ایک طرح کا مکروہ استدراج ہے۔

سالک کو خود فریبی سے بچنا چاہیے:

سالک طریقت کے لیے لازم ہے کہ اگر اسے کشف وکرامات میں سے کچھ حاصل ہو جائے تو وہ اس پر ناز نہ کرے یعنی اپنے کشف سے دھوکا نہ کھائے۔ فرضِ محال وہ پانی پر چلنے لگے یا ہوا میں اُڑنے لگے، تب بھی اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ زہد وتقویٰ کا پورا پورا حق ادا نہ کرے۔

اگر وہ زُہد وتقویٰ کا حق ادا کر رہا ہے تو یہ کرامت اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنے گی، ـــــ اور جو سالک اس خیال میں اُلجھ کر رہ گیا کہ اب مجھ سے کرامتیں ظاہر ہونے لگی ہیں اور وہ اسی کو کمال سمجھ کر قناعت کر بیٹھا، اور اپنی خلوت نشینی کو اخلاص کے ذریعے مستحکم

www.waseemziyai.com

نہیں کیا (یعنی اس کی خلوت نشینی اللہ کے ساتھ اخلاص پر مبنی نہیں)۔اس کی خلوت نشینی باطل پر ہے۔ جب وہ دھوکے اور فریب کے ساتھ خلوت سے نکلتا ہے تو عبادت کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اسے روحانی لذت سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے دل سے شریعت کی قدر و قیمت جاتی رہتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا و آخرت میں رسوا ہو جاتا ہے۔

خلوت نشینی کا اصل مقصود:

ایک طالبِ صادق کو اچھی طرح سے جان لینا چاہیے کہ خلوت نشینی کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس کا سارا وقت اچھے کاموں میں بسر ہو، اپنے اعضاء و جوارح کو مکروہ کاموں سے باز رکھے۔

خلوت نشینوں کے لیے تقسیم اوقات، اَوراد و اذکار پر ہمیشگی ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہے:

- ـــ بعض حضرات کے لیے صرف ایک ذکر کا ورد مناسب ہوتا ہے،
- ـــ کچھ لوگوں کے حسب حال ہر وقت مراقبہ کرنا ہے،
- ـــ کچھ افراد ذکر سے اَوراد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔
- ـــ کچھ حضرات کے لیے اَوراد کے بعد اذکار کو ضروری سمجھا جاتا ہے،

ایک شیخ کامل کو ان مراتب میں فرق کا علم ہوتا ہے۔ یعنی مریدوں کی استعداد اور ان کے احوال کا پتہ ہوتا ہے۔ عام طور پر شیخ کے دل میں سب کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی ہوتی ہے۔ وہ انہیں اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مرید (تابع فرماں) بنانا چاہتا ہے۔ اس کی اس خواہش میں نفس کو کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اتباع کو پسند کرتا ہے۔ اس میں کوئی بگاڑ کی بات نہیں، بلکہ اس سے اور اصلاح ہو جاتی ہے۔

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

باب نمبر ۲۸:

چلّہ کشی کے آداب

گوشہ نشینی اہلِ صدق وصفا کا طریقہ ہے:

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک غلطی ہوگئی (سورہ ص، پ ۲۳ کے مطابق) تو آپ چالیس دن رات سجدہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں رہنا اور گوشہ نشینی اختیار کرنا اہلِ صدق وصفا کا طریقہ ہے، وہ ہمیشہ سے اس کو اپناتے چلے آئے ہیں، — جو بندہ بھی گوشہ نشینی پر ہیشگی اختیار کرتا ہے تو اس کی ساری عمر اسی میں گزر جاتی ہے۔ دین داری کا محفوظ راستہ یہی ہے، — اور اگر کوئی اہل وعیال اور نفس میں گھرا زندگی گزار رہا ہے تو اسے بھی کسی حد تک خلوت نشینی اختیار کرنی چاہیے۔

چلّہ کشی، حکمت کی کنجی ہے:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ خلوصِ دل کے ساتھ چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، تو اللہ تعالیٰ:

- — اس کے دل پر حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے،
- — اسے دنیا سے رغبت کم ہو جاتی ہے،
- — آخرت سے لگاؤ بڑھ جاتا ہے،
- — دنیا کے امراض اور ان کے علاج کا علم ہو جاتا ہے،

اس طرح اللہ کا وہ بندہ سال میں کم از کم ایک بار اپنے نفس پر ضرور قابو پالیتا ہے۔

چلّہ کشی کا اصول یہ ہے کہ:

جب کوئی مرید خلوت نشینی کا ارادہ کرے تو اس کے لیے سب سے اہم اور اصل اصول یہ ہے کہ وہ:

- — دنیا سے بے تعلق ہو جائے اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے اسے چھوڑ دے،
- — پھر اپنے لباس، مصلّے کی طہارت و پاکیزگی میں پوری احتیاط کرے،
- — اس کے بعد غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھے،
- — نماز کے بعد خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

www.waseemziyai.com

○ — اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھے، یعنی اپنے دل سے مکروفریب، بغض وحسد اور خیانت جیسی بُرائیوں کو دور کردے۔

اس کے بعد وہ اپنی خلوت گاہ میں بیٹھ جائے۔

خلوت سے فقط نماز باجماعت کے لیے نکلے:

اپنی خلوت گاہ سے نمازِ جمعہ اور نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کے لیے نکلے۔ کیونکہ باجماعت نماز کی پابندی کو چھوڑنا نامناسب ہے۔ اگر اس کے خیال میں نماز باجماعت کے لیے خلوت گاہ سے نکلنا کسی خرابی کا باعث ہوسکتا ہے تو اپنے ساتھ ایک ایسا ساتھی رکھے جس کے ساتھ وہ اپنی خلوت گاہ میں نماز باجماعت ادا کرسکے۔ (مگر خلوت گاہ میں ساتھی رکھنے سے خلوت ہی نہ رہے گی)، — بہرحال یہ کسی طور سے مناسب نہیں کہ وہ تنہا نماز پڑھے۔ کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ خلوت نشینی میں بعض لوگوں کے عقل و فہم میں فتور آجاتا ہے۔ ایسا شاید جماعت چھوڑنے کی نحوست سے ہوتا ہے۔ چنانچہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے خلوت گاہ سے باہر آنا چاہیے۔ نماز باجماعت بھی ایک ایسا ذکر ہے جس سے اس کے خلوت نشینی کے معمول کے اذکار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نماز باجماعت کے لیے نکلنے پر احتیاط:

نماز باجماعت کے لیے جب خلوت گاہ سے نکلے تو یہ احتیاط کرے:

○ — راستے میں بار بار ادھر ادھر نہ دیکھے اور نہ ہی آوازوں کی طرف کوئی دھیان دے۔ اس سے وسوسے اور نفسانی تصورات اور پریشان کن خیالات پیدا ہوں گے۔

○ — کوشش کرے کہ جماعت میں وقت پر شامل ہو جائے، تاکہ امام کے ساتھ اس کی تکبیرِ تحریمہ فوت نہ ہو۔

○ — جب امام سلام پھیرے اور نماز ختم کر کے چلا جائے، وہ بھی اپنی خلوت گاہ میں واپس چلا جائے۔

○ — اس بات کا خیال رکھے کہ مخلوقِ خدا کی اس پر نظر نہ پڑے۔ اور اسے اس کی خلوت نشینی کا پتہ نہ چلے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

لَا تَطْمَعْ فِی الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَنْتَ تُرِیْدُ الْمَنْزِلَةَ عِنْدَ النَّاسِ ○

''اگر تو لوگوں سے اپنی قدر و منزلت چاہتا ہے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں اپنی قدر و منزلت کی اُمید نہ رکھ''۔

خرابی کی یہی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے بہت سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، اگر اس سے بچا نہ جائے، — اور اگر اس کا خیال رکھا جائے تو بہت سے باطنی احوال سنور جاتے ہیں۔

خلوت نشیں کو چاہیے کہ......:

○ — جہاں تک ممکن ہو اپنی خلوت نشینی کو چھپائے اور لوگوں پر اپنی بزرگی اور بڑائی کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔

www.waseemziyai.com

○ — اپنا سارا وقت اللہ کی رضا حاصل کرنے میں صرف کرے۔

○ — قرآن کریم کی تلاوت کرے، یا نماز پڑھے، یا مراقبہ میں مشغول رہے۔

○ — جب ان چیزوں سے تھک جائے تو سو جائے۔

○ — اگر اس کا ارادہ ہو کہ نماز کی رکعتوں کی معینہ تعداد کو پورا کرے، — یا تلاوت یا ذکر کی مقررہ تعداد پوری کرے تو اسے یہ سب باری باری کرنا چاہیے، یعنی ایک کے بعد دوسری عبادت میں مشغول ہو۔

○ — اگر وقت کی شرط پورا کرنا پیشِ نظر ہو تو مذکورہ عبادات میں سے جو اسے زیادہ آسان لگے، اسے اختیار کرے۔ خواہ تلاوت و ذکر کرے، خواہ ایک ہی رکوع یا ایک ہی رکعت میں وقت گزارے۔

○ — خلوت میں ہمیشہ باوضو رہنا لازم ہے۔

○ — جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو، اس وقت تک نہ سوئے، بلکہ اس سے پہلے نیند کو ٹالنے کی کوشش کرے۔

بہر حال دن رات اس کا یہی معمول رہنا چاہیے۔

○ — اگر وہ کلمہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ذاکر ہو، اور ذکر کرتے کرتے زبان تھک جائے تو پھر زبان ہلائے بغیر اپنے قلب سے ہی اس کا ذکر کرتا رہے۔

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کلمہ کے ذکر کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جب تم "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہو تو کلمہ کو زور سے کھینچو اور قدم حق پر نظر رکھتے ہوئے اسے دل میں قائم کرو، اور حق کے ماسوا کو باطل کر دو"۔

○ — خلوت نشین کو یہ بھی پتہ ہونا چاہیے کہ چلہ کشی زنجیر کی مانند ہے جو مختلف کڑیوں کے ملنے سے مکمل ہوتا ہے، — اس لیے ہر کام میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھنا چاہیے۔

روحانی معاملے کی بنیادی باتیں:

اہلِ تصوف اس بات پر متفق ہیں کہ روحانی معاملے کی بنیاد ان چار چیزوں پر ہے:

○ — قلیل طعام (یعنی کم کھانا)،

○ — قلیل منام (یعنی کم سونا)،

○ — قلیل کلام (یعنی کم بولنا)،

○ — عزلت گزینی (تنہائی اختیار کرنا)۔

چلہ کشی میں غذا:

چلہ کشی اور خلوت نشینی کی بہترین غذا یہ ہے کہ نمک اور روٹی پر قناعت کی جائے، — شدید بھوک کے یہ دو وقت تجویز کیے گئے ہیں:

www.waseemziyai.com

○ —— پہلا وقت چوبیس گھنٹے کے بعد ہوتا ہے، اس حساب سے ہر دو گھنٹے کی غذا ایک بغدادی رطل [۱] (پونڈ) کے حساب سے دو اوقیہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں غذا عشاء کے بعد ایک بار کھائی جائے، —— اگر روٹی کے دو حصے کر لیے جائیں، یعنی نصف پونڈ ابتدائی شب میں تناول کر لی جائے اور نصف آخر شب کھائی جائے تو یہ طریقہ معدہ کے لیے ہلکا رہے گا، اور اس سے شب بیدار ہو کر ذکر اور نماز میں زیادہ مدد ملے گی۔ اگر وہ سحر کے وقت سحری کھائے تو اسے اس کا اختیار ہے۔

○ —— بھوک کا دوسرا انتہائی وقت بہترویں گھنٹہ کی ابتداء کے وقت ہے۔ اس صورت میں دو راتیں "طے" [۲] کی ہیں اور تیسری رات افطار کی، —— اس طرح ایک دن اور ایک رات کی غذا ۱/۳ (ایک تہائی) رطل ہوئی۔

○ —— ان دو وقتوں کے علاوہ ایک درمیانی درجہ بھی ہے، وہ یہ کہ ہر دو دن اور دو راتوں میں سے ایک رات کو افطار کرے، اس طریقے سے روزانہ کی خوراک کا اوسط آدھ رطل ہوگا۔

یہ طریقہ (مسلسل روزے رکھنا) اسی وقت مناسب اور بہتر ہے کہ خلوت نشیں اس کے باعث اپنے اندر کمزوری اور تنگ دلی نہ محسوس کرے۔ اور اس کے معمولات میں کوئی تھکن، گھٹن اور افسردگی پیدا نہ ہو، —— اگر ان باتوں میں سے کسی وجہ سے ذرا بھی خلل پیدا ہو تو ہر رات روزہ افطار کر لیا جائے، اور ایک وقت یا دو وقت میں ایک رطل کی خوراک تناول کی جائے۔

اگر خلوت نشین سالن کے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ سالن بھی استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ سالن روٹی کے قائم مقام ہے تو اتنی مقدار میں روٹی کم کر لی جائے، تاکہ یہ مقدار چلّہ کے آخری دس دن میں نصف رطل رہ جائے، —— اگر وہ طاقت ور ہو تو چلّہ کشی کی پہلی ہی رات میں روٹی کی مقدار نصف رطل کر دے، اور ہر رات رفتہ رفتہ کم کرتا جائے۔ حتیٰ کہ آخری دس دنوں میں اس کی مقدار چوتھائی رطل رہ جائے۔

نفس کشی:

چلّہ کے شروع میں نفس کو ہر دو راتوں پر ایک رات افطار کرنے کا عادی بنایا جائے، —— نفس اگر ہر رات افطار کرنے کا تمنائی ہو تو قناعت کا راستہ اختیار کرے، —— اور اگر نفس ہر رات افطار کرنے کا عادی ہو گیا ہے، —— یا اسے ہر رات افطار کرنے کی چھوٹ دے دی ہے تو وہ ایک رطل خوراک پر گزارا نہیں کرے گا، بلکہ سالن اور دیگر لوازمات کی بھی آرزو کرنے لگے گا۔ اسی بات پر دوسری باتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نفس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسے طمع اور حرص کا عادی بنایا جائے تو وہ یقیناً لالچی بن جاتا ہے، —— اور اگر اسے قناعت کی راہ پر ڈال دیا جائے تو وہ قانع بن جاتا ہے۔

---

[۱] —— بغدادی رطل کا وزن آدھ سیر کے قریب یعنی ایک انگریزی پونڈ ہے۔ ایک رطل، بارہ اوقیہ کے برابر ہوتا ہے، —— اور ایک اوقیہ، چالیس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے، —— اور ایک درہم کا وزن اٹھائیس جَو کے دانوں کے برابر ہے۔ اس حساب سے ایک رطل چار سو درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

[۲] —— ایسا عمل شرعی روزے کی تعریف کے مطابق نہیں، —— صوفیاء کی اصطلاح میں اسے روزے یا صوم کی بجائے "طے" کہا جاتا ہے۔ "طے" کے لغوی معنی بھوک اور اشتہاء کے ہیں۔

www.waseemziyai.com

○ — کچھ بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ روزانہ اپنی غذا کو کم کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ نفس قلیل مقدار غذا کا عادی بن جاتا ہے،

○ — اللہ کے بعض نیک بندے شماروں (کھجوروں کی گٹھلیوں) سے خوراک کا اندازہ یا حساب لگاتے تھے، وہ روزانہ ایک گٹھلی کے برابر خوراک کم کر دیتے۔

○ — بعض حضرات کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ گیلی لکڑی کے وزن سے اس کا حساب رکھتے، روانہ جس قدر وہ سوکھ جاتی اور اس کا وزن کم ہو جاتا، اسی قدر وہ اپنی غذا کم کر دیتے۔

○ — بعض مشائخ کرام روٹی کا اٹھائیس واں حصہ روزانہ کم کرتے، یہاں تک کہ ایک مہینے میں ایک روٹی کم ہو جاتی۔

○ — بعض کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ خوراک میں تو کمی نہیں کرتے تھے مگر رفتہ رفتہ کھانے/ افطار کی مدت بڑھاتے جاتے، یعنی کئی کئی رات کھانا نہیں کھاتے تھے۔

○ — ایک جماعت کا یہ طرزِ عمل تھا کہ وہ سات سات دن، دس دس دن اور پندرہ پندرہ دن، یہاں تک کہ چالیس چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔

نورِ مشاہدہ سے بھوک مٹ جاتی ہے:

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے دریافت کیا:

"جو شخص چالیس دن اور اس سے زیادہ دن تک بھوکا رہنے کے بعد صرف ایک بار کھاتا ہے تو اس عرصہ میں اس کی بھوک کی آگ کہاں چلی جاتی ہے"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"نورِ مشاہدہ سے بھوک کی آگ مٹ جاتی ہے"۔

جب میں نے ایک اور بزرگ سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس کا جو جواب دیا، جس کا مفہوم یہ تھا:

"وہ جلوۂ ذاتِ حق سے ایسی فرحت محسوس کرتے ہیں جس سے بھوک کا احساس ہی مٹ جاتا ہے"۔

اس سے ملتے جلتے واقعات مخلوقِ خدا کی روزمرہ کی زندگی میں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھوکا ہو اور اچانک اس نے کوئی خوش خبری سنی تو خوشی کے مارے اس کی بھوک جاتی رہتی ہے۔ ایسی حالت خوف کے مارے بھی ہو جاتی ہے۔

بہر حال جو کوئی مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقے پر صدق و اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے تو اس سے نہ تو عقل میں کوئی فتور پیدا ہوتا ہے اور نہ جسمانی طور پر کوئی نقصان ہوتا ہے، — ان باتوں کا خدشہ اس وقت ہوتا ہے جب خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ وگرنہ ایسی حالت میں بھوک بھی ستاتی ہے، عقل بھی متاثر ہوتی ہے اور جسمانی کمزوری بھی لاحق ہوتی ہے۔

بھوک کی شدت کی حد کیا ہے؟:

بھوک کی شدت اس وقت کمال کو پہنچ جاتی ہے جب روٹی اور کھانے کی دوسری چیزوں میں تمیز نہ رہے۔ اس کے سامنے کھانے

www.waseemziyai.com

کی جو چیز رکھ دی جائے تو وہ کھالے۔ اور جب کوئی روٹی کو ہی معین کرلے تو سمجھ لیں کہ وہ بھوکا نہیں ہے۔ تین دن بھوکا رہنے کے بعد بھوک کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، یہ بھوک صدیقین کی بھوک ہے۔ اس وقت کچھ نہ کچھ کھانا بقائے جسم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے تاکہ بندگی کے فرائض ادا کیے جاسکیں۔ یہ ضرورت بھی ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی غذا کو رفتہ رفتہ کم نہیں کرتے، ـــ لیکن جو حضرات اپنی غذا کو رفتہ رفتہ کم کرتے ہیں، وہ تین دن سے زیادہ چالیس دن تک صبر کرسکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

بعض صوفیاء کرام کا یہ کہنا ہے کہ بھوک کی حد یہ ہے کہ اگر کسی کے تھوک پر مکھیاں نہ بیٹھیں تو یہ معدہ کے چکنائی سے خالی ہونے کی دلیل ہے۔ جس تھوک میں چکنائی شامل نہ ہو، وہ صاف پانی کی طرح ہوتا ہے۔ جس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔

صحابہ کرام ومشائخ عظام کی فاقہ کشی:

○ ـــ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہم تین تین دن بھوکے رہتے تھے۔

○ ـــ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ دن تک بھوکے رہے۔

○ ـــ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سات دن تک بھوکے رہے۔

○ ـــ ہمارے دادا محمد بن عبداللہ المعروف بہ شیخ عمویہ رحمۃ اللہ علیہ جو احمد الاسود الدینوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے تھے، چالیس دن تک بھوکے رہے تھے۔

بھوکے رہنے کا انتہائی درجہ (طے) ہمارے دور کے ایک بزرگ نے حاصل کیا ہے جو زاہد خلیفہ کے نام سے معروف ہیں۔ ابہر کے رہنے والے ہیں۔ میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی، ـــ ان کی بھوک اور خوراک کی کمی کا یہ حال ہے کہ وہ مہینے بھر میں صرف ایک بادام کھاتے ہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ طے اور خوراک میں رفتہ رفتہ کمی کرنے (فاقہ کشی) میں شیخ زاہد خلیفہ کے سوا کوئی اور کمال کی اس حد تک پہنچا ہو، ـــ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کا آغاز اس طرح سے کیا کہ وہ گیلی لکڑی کے خشک ہونے کی مقدار کے مطابق خوراک کو کم کرتے رہے، اس طرح رفتہ رفتہ خوراک کو کم کرتے کرتے وہ چالیس دن میں ایک بادام تک پہنچ گئے۔

صادقین اور ریاکار کی ایک راہ:

یہ وہ طریقہ ہے جس پر صادقین اور حق پرستوں کی جماعت عمل پیرا ہے۔ کبھی کبھی غیر مخلص لوگ بھی (اپنی مصلحتوں کی بناء پر) یہی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے باطن میں جو خواہشیں چھپی ہیں، غذا کی کمی ان پر آسانی کردیتی ہے۔ اس عمل سے وہ خلقت کی توجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سراسر منافقت ہے۔ اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

مگر جو صحیح معنوں میں مخلص انسان ہے، وہ طے (فاقہ کشی) اور بھوک کو اس صورت میں برداشت کرتا ہے جبکہ کوئی شخص اس کے حال کو جانتا نہ ہو۔ اگر لوگوں کو اس کی بھوک اور فاقہ کشی کی خبر ہو جائے تو اس صورت میں اس کے عزم وہمت میں کمی آجاتی ہے۔ اسے فاقہ کشی کی تکلیف اس لیے آسان معلوم ہوتی ہے کہ اس میں خلوص پایا جاتا ہے۔ اس کی نظریں اللہ کی طرف لگی ہوتی ہیں جس کی رضا کے لیے وہ فاقہ کشی کررہا ہے۔ لیکن جب لوگوں کو اس کی حالت کا پتہ چل جاتا ہے تو اس کی استقامت میں کمی آجاتی ہے۔

www.waseemziyai.com

ایک مخلص انسان کی یہی نشانی ہے۔ چنانچہ جب کوئی سالک یہ محسوس کرے کہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اسے کمتری کی نظر سے دیکھیں۔ اسے چاہیے کہ خود کو ملزم جانے کیونکہ اس کے طے میں منافقت کی ملاوٹ ہوگئی ہے۔

مخلص فاقہ کش پر عنایاتِ الٰہی:

جو شخص محض اللہ کے لیے بھوک برداشت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسی باطنی مسرت وفرحت عطا کرتا ہے کہ اس فرحت ومسرت سے وہ کھانا بھول جاتا ہے، اور اگر کھانے کا خیال آ بھی جائے تو اس کا دل کھانا نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ اس کا باطن انوار وتجلیات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کا روحانی جذبہ قوی ہو کر اسے عالم روحانی کے مرکز اور فقر کی طرف کھینچنے لگتا ہے۔ جس کے باعث اس کا دل خواہشات اور نفسانی شہوتوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس کا میلان روحانیت کے ملاء اعلیٰ کی طرف ہو جاتا ہے۔

روح ونفس کی کشش:

اگر نفس کو کمال کا سکون واطمینان ہو اور قلبِ روشن کے ذریعے اس پر روحانی انوار وتجلیات کا عکس پڑ رہا ہو، اور روحانی جذبہ سے نفسانی جذبہ الگ ہو جائے تو یہ روحانی کشش مقناطیسی کشش سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ مقناطیس لوہے کو اس لیے جذب کرتا ہے کہ لوہے میں ایسا مادہ پایا جاتا ہے جو مقناطیس کا ہم جنس ہے۔ قلب کے واسطہ سے اس میں ایسی روح پیدا ہو جاتی ہے جو اصلی روح کی ہم جنس ہو کر اس کی کشش کو قبول کرتی ہے، جس کے نتیجے میں نفس دنیاوی کھانوں اور حیوانی خواہشوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس کے لیے حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے:

''میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے''۔

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے، اس معیار پر وہی پورا اُتر سکتا ہے جس کے تمام افعال واقوال اور اس کی ساری زندگی کے سب احوال لازم اور اہم بن جائیں۔ اس لیے کہ اس کا کھانا بھی ایک ضرورت ہوگا، ـــــ اور اگر وہ ضرورت کے بغیر ایک کلمہ بھی بول دے تو اس کی بھوک کی آگ یوں بھڑک اُٹھتی ہے جیسے لکڑیاں آگ سے بھڑک اُٹھتی ہیں۔ کیونکہ خوابیدہ نفس ہر شے سے جاگ اُٹھتا ہے جو اسے جگا دے، ـــــ اور نفس جب جاگ اُٹھتا ہے تو اپنی خواہشوں کی طرف لگتا ہے۔ بہر حال جو سالک ضبطِ نفس سے آگاہ ہو اور علم بھی حاصل کر چکا ہو، اس کے لیے طے اور فاقہ کشی کی منزل آسان ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے، جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے اسے کسی چیز کا کشف بھی ہو گیا ہو۔

قدرتِ الٰہی کا ایک مظہر:

ایک درویش نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک بار مجھے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ مگر میں نے کسی کے سامنے سوال نہ کیا، اور نہ میرا کوئی کسب وہنر تھا کہ میں اس کی بدولت کچھ کما کر کھا لیتا۔ چند دن گزرنے پر بھوک کی جب انتہا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے (افطار کے لیے) مجھے ایک سیب عنایت فرمایا۔ کھانے کے ارادے سے جب میں نے سیب کو توڑا تو اس میں سے ایک حور نکلی، جب میں نے اسے دیکھا تو مجھے اس قدر سرور حاصل ہوا کہ مجھے کئی دن تک کھانے کی طلب نہ ہوئی۔

www.waseemziyai.com

درویش کا یہ کہنا کہ سیب کے اندر سے حور نکلی چونکہ اللہ کی قدرت پر ایمان لانا، ایمان کا ایک رکن ہے، اس لیے یہ واقعہ تسلیم کرلیا گیا اور اس سے انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسا کرسکتا ہے۔

عالمِ ملکوت کی قدرت کا نمودار ہونا:

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے چالیس دن تک فاقہ کشی کی، اس کے لیے عالم ملکوت کی قدرت نمودار ہوگی''۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بندہ اس وقت تک ایسا حقیقی زُہد جس میں کسی قسم کا شائبہ نہ ہو، اختیار نہیں کرتا، جب تک ملکوت کی قدرت کا مشاہدہ نہ کرلے۔

حضرت شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے شخص کو جانتا ہوں، جس نے اپنی غذا میں رفتہ رفتہ کمی کر کے اپنے نفس کو چالیس دن تک بھوکے رہنے کا عادی بنایا۔ وہ چالیس دن میں ایک بار کھاتا، اس نے اپنے نفس کو اس طرح سے عادی بنایا کہ وہ کھانے کو ہر رات کے آخری پہر تک مؤخر کردیتا۔ اس طرح وہ ہر پندرہ دن میں ایک پوری رات بھوکا رہتا تھا۔ اس طریقے پر وہ ایک سال اور چار مہینے میں چالیس دن فاقہ کشی کرتا تھا۔ ایک بعد بتدریج شب و روز یہی عمل کرتا رہا۔ حتیٰ کہ چالیس دن کی بھوک اس کے لیے ایک دن کی بھوک بن گئی۔

مشائخ کرام نے مجھے بتایا کہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے، اس پر عالم ملکوت کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں اور عالم جبروت کی قدرت کا مفہوم منکشف ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات کو جس طرح چاہتا ہے، نمودار کرتا ہے۔

فضلِ الٰہی کیا فاقہ کشی سے مشروط ہے:

اس بات کو پیش نظر رہنا چاہیے کہ اگر فاقہ کشی اور کم کھانا ہی خاص فضیلت کا باعث ہوتا تو سبھی پیغمبر فضیلت کے اس کام کو ضرور کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر اسے بلندی کی انتہاء تک پہنچا دیتے، اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ چیز بھی فضیلت میں داخل ہے، مگر فضل الٰہی و عنایاتِ خداوندی کا ایک یہی طریقہ نہیں، — عین ممکن ہے کہ روزانہ کھانے والا اس فاقہ کش سے افضل ہو جو چالیس دن تک فاقے سے رہتا ہے، — اور یہ بھی ممکن ہے کہ جسے قدرت کے کسی مفہوم کا کشف نہ ہو، وہ اس شخص سے بدرجہا افضل ہے جسے قدرت کا کشف حاصل ہو۔

واضح رہے کہ قدرت، قادر مطلق کا ایک اثر ہے۔ جو شخص قادر مطلق کی قربت کا اہل بن گیا ہو، اسے نہ تو اس کی قدرت پر کوئی تعجب ہوتا ہے اور نہ ہی کسی طور انکار ہوتا ہے، بلکہ وہ یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اس کی قدرت عالم حکمت کے اجزاء کے پردوں سے نمودار ہورہی ہے۔

بہرحال فاقہ کشی ایک پسندیدہ طریقہ ہے:

بہرحال جو بندہ خلوصِ دل کے ساتھ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اور مندرجہ بالا تمام اعمال و اطوار کے مطابق اپنی روحانیت کے قائم رکھنے کے لیے کوشاں رہتا ہے، تو اس چلّہ کی برکتیں اس کے تمام اوقات اور ساعات پر نزول ہوتی رہیں

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com

گی، — چلّہ کشی، بہرحال ایک پسندیدہ طریقہ ہے، جس پر صالحین کی ایک جماعت نے اعتماد کیا ہے۔ بزرگانِ سلف میں سے ایک جماعت نے چلّہ کشی کے لیے پورا ماہ ذیقعدہ اور ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن مختص کر لیے تھے، — حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چلّہ کے بھی یہی چالیس دن تھے، — حضرت مکحول رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے چالیس دن تک خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی عبادت کی، اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان سے جاری ہوتے ہیں''۔

باب نمبر۲۹:

صوفیاء کرام کے اخلاق

صوفیاء کرام سُنّت کا احیاء کرنے والے ہیں:

صوفیاء کرام کو رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے کا اور لوگوں کی نسبت زیادہ حصہ ملا ہے۔ اس لیے وہ سُنّت مبارک کو زندہ کرنے والے ہیں۔ احسن طور پر اتباع اور سُنّت کے زندہ کرنے کا نام ہی اخلاقِ نبوی ﷺ سے متصف ہونا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی:

''اے میرے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے تو صبح و شام ایسی زندگی بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف میل اور نفرت نہ ہو''۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے میرے بیٹے! یہی میری سُنّت ہے اور جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا، گویا اس نے مجھے زندہ کیا، اور جس نے مجھے اس طرح زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا''۔

یہ صوفیاء کرام ہی ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی سُنّت کو زندہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے شروع ہی سے آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کیا، اور اپنی روحانی زندگی کے درمیانی حصے میں آپ کے اعمال مبارک کی اطاعت کی، جس کے نتیجے میں ان کی زندگی میں اخلاقِ نبوی ﷺ راسخ ہو گئے۔ —— چنانچہ جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو، تب تک اخلاق میں حسن نہیں آ سکتا، —— اور تزکیۂ نفس اسی وقت ممکن ہے جبکہ شریعت کی قیادت کو تسلیم کر لیا جائے۔

اخلاقِ نبوی ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کے اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○

''اور بے شک آپ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ چونکہ خلق خدا میں افضل اور سب سے پاکیزہ نفس والے تھے۔ اس لیے آپ کے اخلاق بھی سب سے بڑھ کر اور اعلیٰ تھے۔ شیخ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' سے مراد ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کا دین رکھتے ہیں، ــــ اور دین نیک اعمال اور اخلاقِ حسنہ کا مجموعہ ہے''۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق، قرآن کریم ہے''۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

''اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے احکام پر عمل کرتے تھے، جن کاموں سے اس میں منع کیا گیا ہے، انہیں نہیں کرتے تھے''۔

بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد میں ایک بہت بڑا راز (پوشیدہ) ہے، اور یہ ایک بڑے گہرے علم کی بات ہے جس کی آپ نے وضاحت نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و مبارک صحبت کی بدولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دین کا مخصوص علم عطا فرمایا تھا، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم ان (حمیرا) سے دین کا ایک حصہ سیکھو''۔

مختلف مزاج اور طبع کے نفوس:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کی تشریح و توضیح یہ ہے کہ نفوس کی سرشت میں مختلف قسم کی طبیعتیں اور مزاج رکھے گئے ہیں۔ یہ اختلاف ان کے لوازم اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ہے۔[1]

- ــــ جن نفوس کو مٹی سے پیدا کیا گیا، ان کی طبیعتیں اسی کے مطابق ہیں۔[2]
- ــــ جن نفوس کی پانی سے تخلیق کی گئی ہے، ان کی طبیعتیں اسی کی خصوصیت رکھتی ہیں،
- ــــ بعض کو سڑی ہوئی مٹی کے گارے سے،
- ــــ بعض کو کھنکھناتی ہوئی پختہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

چنانچہ ان کی پیدائش کے آغاز پر ان میں حیوانیت اور درندگی اور شیطانی اوصاف رکھ دیئے گئے ہیں۔ انسانی طبیعت کی شیطانی صفت کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (پ ۲۷، سورۂ رحمن)

''اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے، اور جن کو آگ کے صاف شعلے سے پیدا کیا''۔

ٹھیکرے میں چونکہ آگ کا دخل ہے، اس لیے اس میں شیطان کی آگ کا اثر موجود ہے۔

---

[1] ــــ طبیعتوں کا یہ اختلاف (عناصر اربعہ یعنی) چار عناصر یعنی (آب) پانی، (آتش) آگ، (خاک) مٹی اور (باد) ہوا کی ترکیب کے لحاظ سے ہے۔ اور انہی سے اخلاط اربعہ یعنی بلغم، سودا، صفرا اور بادی ہے، ــــ اب وجود کی ترکیب میں اور ہیولیٰ کے شکل اختیار کرنے میں جو عنصر غالب ہوتا ہے یا زیادہ ہوتا ہے، انسانی طبیعت بھی اسی کے مطابق اور تابع ہوتی ہے۔

[2] ــــ یعنی مزاج پر جو عنصر غالب ہوتا ہے، طبیعت میں بھی اسی کا غلبہ ہوتا ہے۔

www.waseemziyai.com

رسول اکرم ﷺ کا شقِ صدر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت درجہ لطف و کرم اور عنایتِ عظمیٰ سے رسول اکرم ﷺ کے وجودِ اطہر سے شیطانی اثر کو زائل فرما دیا تھا۔ اس بارے میں حضرت حلیمہ بنت حارث (حلیمہ سعدیہ) رضی اللہ عنہا کی ایک طویل روایت موجود ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

''ہم اپنے گھر میں تھے، اور رسول اللہ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہماری بھیڑ بکریوں کے ساتھ چراگاہ میں تھے، اچانک ان کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا:

''ہمارے قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جنہوں نے سفید لباس پہن رکھے تھے، انہوں نے قریشی بھائی کو لٹا دیا اور ان کا پیٹ چاک کیا''۔

یہ سن کر میں اور ان کا رضاعی باپ (یعنی میرا شوہر) دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے تو ہم نے انہیں کھڑا ہوا پایا۔ لیکن خوف سے ان کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ میرے شوہر نے اسے گلے لگا کر کہا:

''اے میرے بیٹے! تمہیں کیا ہوا؟''

اس وقت آپ ﷺ نے بتلایا:

''دو آدمی آئے جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی، پھر پیٹ کو ویسا ہی کر دیا، جیسا وہ پہلے تھا''۔

یہ سن کر ہم اسے چراگاہ سے اپنے ساتھ لے آئے، پھر ان کے (رضاعی) باپ نے کہا:

''اے حلیمہ! مجھے خوف ہے کہ میرے اس بیٹے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس سے پہلے کہ ایسا کچھ ہو، جس کا ہمیں اندیشہ ہے، ہم اسے لے جا کر اس کے گھر والوں کو پہنچا دیں''۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے آپ ﷺ کو بٹھا لیا اور آپ کی والدہ محترمہ کے پاس لے آئی۔ وہ تعجب سے کہنے لگیں:

''تم ان کو کیوں واپس لے آئیں۔ جبکہ تمہیں ان سے محبت تھی اور تم بڑے شوق کے ساتھ ان کو لے گئی تھیں''۔

ہم نے کہا:

''واللہ! ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے ہم سے ان کا کچھ نہ کچھ حق ادا کرا دیا ہے۔ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہے، مگر اس بات کا ڈر ہے کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، یا یہ کسی ہلاکت میں نہ پڑ جائیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم انہیں ان کے گھر والوں تک پہنچا دیں''۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا:

''مجھے بتاؤ دراصل بات کیا ہے؟ جس کی وجہ سے تم اس قدر خوفزدہ ہو''۔

ہم بتانا نہیں چاہتے تھے لیکن ان کے بے حد اصرار پر ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا، سارا ماجرا سن کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''تمہیں ان کے بارے میں شیطان کا خدشہ ہے، اللہ کی قسم! شیطان ان کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے بیٹے کی شانِ عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتاؤں!''

ہم نے کہا: ''ضرور بتائیں'' —— تب وہ کہنے لگیں:

''جب میں ان کے حمل سے تھی تو اس سے ہلکا کوئی حمل نہ تھا۔ حمل کے دنوں میں مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ مجھ سے ایک ایسا نور پیدا ہوا ہے جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اس کے بعد جب آپ کی پیدائش ہوئی تو اس طرح ہوئی کہ آج تک پیدا ہونے والا کوئی اس طرح پیدا نہیں ہوا، جب آپ پیدا ہوئے تو اپنے ہاتھوں کے سہارے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے، —— خیر تم انہیں یہاں چھوڑ جاؤ''۔

نفسِ نبی اور نفسِ اُمتی میں فرق:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو شیطان کے اثر سے پاک وصاف کر دیا تو آپ ﷺ کا پاکیزہ نفس، بشری نفس کی حد پر قائم رہا، جو اپنے اخلاق اور صفاتِ حسنہ سے وجود میں آیا تھا، —— ان صفاتِ حسنہ سے مراد وہ رحمت ہے جو مخلوق کے لیے آپ کی ذاتِ والا صفات میں موجود تھی۔ بشری نفوس کی صفات کی بنیاد ظلمت و تاریکی پر تھی، —— اس لیے آپ ﷺ اور اُمت کے حال میں بہت بڑا فرق ہو گیا، —— آپ کی ذاتِ مبارکہ میں جو بشری صفات رہ گئی تھیں، ان کے ظاہر ہونے کے لیے وحی کے ذریعے ان کی مدد کی گئی تاکہ جو تاریک صفات باقی رہ گئی ہیں وہ بھی ملیامیٹ ہو جائیں۔ یہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے خاص رحمت تھی اور آپ کی اُمت کے لیے عام رحمت تھی۔ حضور ﷺ کی مختلف صفات کے ظہور کے موقع پر مختلف آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (پ۱۹، سورۂ فرقان: ۳۲)

''اور (منکر) کہنے لگے: ان پر قرآن یکمشت کیوں نازل نہیں کیا گیا'' —— ہم نے اسے اس طرح اس لیے نازل کیا کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھیں اور تم سے آہستہ آہستہ خوش آوازی کے ساتھ پڑھوائیں''۔

چونکہ قلب اور نفس کا باہمی تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے بشری صفات نمودار ہوتی ہیں اور نفس کی حرکت سے اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے دل کو مضبوط کیا گیا۔

ہر اضطراب پر اخلاقِ عالیہ کا سبق:

چنانچہ دل کے ہر اضطراب پر ایک آیت (وحی) نازل ہوئی، جس میں اخلاق کا ایک اعلیٰ درس موجود تھا، خواہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ ہوتا یا اشارۃً، —— مثال کے طور پر جنگِ اُحد میں جب آپ کے دو دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کے رُخِ انور پر خون بہنے لگا تو آپ ﷺ کے نفس میں ایک اضطراب اور حرکت پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ نے خون پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون آلودہ کر دیا۔ فقط اس لیے کہ وہ انہیں ان کے

www.waseemziyai.com

پروردگار کی طرف بلاتا ہے''۔

اس وقت آپ کے تسکینِ قلب کے لیے یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۝ (پ۴)

''آپ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں''۔

اس وحی کے آنے سے آپ ﷺ کو قرار آ گیا اور اس زیادتی پر صبر آ گیا۔ چونکہ قرآنی آیات ان مختلف صفات کے ظاہر ہونے پر مختلف اوقات میں نازل ہوئیں، اسی لیے اخلاقِ نبوی ﷺ کا قرآن پاک سے تعلق قائم کیا گیا۔ تاکہ قرآن پاک سے آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا پتہ چل سکے۔ یہ صفات آپ کے نفس مبارک میں اس لیے باقی رکھی گئیں، تاکہ آپ ﷺ کے اس ارشادِ عالی کی توضیح ہو سکے۔

''میں اس لیے بھول جاتا ہوں تاکہ یہ بھی اُمت کے لیے میری سُنّت بن جائے''۔

لہٰذا قرآنی آیات کے نزول کے وقت آپ کی صفاتِ نفس کا ظہور اس لیے ہوتا تھا کہ اُمت کی اصلاح ہو سکے۔ اور ان کے نفوس ادب سیکھ جائیں، وہ پاک وصاف بن جائیں، ان کے اخلاق اچھے ہو جائیں، —— اس کا موجب آپ ﷺ کی وہ رحمت ہے جو ان کے حق میں آپ کی زحمت میں موجود تھی، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے پاس اخلاق کا خزانہ جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اسے یہ عنایت فرماتا ہے''۔

اسی لیے آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں''۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ایک سو سے زیادہ اخلاق ہیں، —— ان میں سے وہ کسی کو ایک بھی عطا فرما دے تو وہ جنت میں داخل ہو گا''۔

اس کا شمار صرف کسی نبی و رسول پر نازل ہونے والی وحی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے صفاتی نام مخلوق پر اس لیے ظاہر فرمائے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کی طرف بلاتا ہے۔ اگر وہ قوائے انسانی میں اخلاقِ الٰہی سے متصف ہونے کی صلاحیت اور اہلیت نہ رکھتا تو پھر بندوں کو اس کی دعوت نہ دی جاتی۔ کیونکہ یہ وہ دعوتِ خداوندی ہے جو اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

اس توضیح وتشریح کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جو فرمایا ہے:

''قرآن کریم آپ ﷺ کے اخلاق کا آئینہ ہے''۔

اس میں ایک خاص راز پوشیدہ ہے۔ اس میں اخلاقِ ربانی کی طرف بھی ایک مخفی اشارہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہِ الٰہی سے یہ بات کہنے میں حجاب محسوس ہوا کہ آپ ﷺ اخلاقِ الٰہی سے متصف ہیں، چنانچہ آپ نے رمز کے انداز میں یہ فرمایا:

www.waseemziyai.com

''قرآن کریم آپ ﷺ کے اخلاق کا آئینہ ہے''۔

اور انوارِ الٰہیہ کے اجلال سے حجاب محسوس کرتے ہوئے اپنی لطافت بیان سے اس حقیقت کو پوشیدہ رکھا،—— یہ حکمت و مصلحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وسعتِ علم اور کمال ادب کی دلیل ہے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد اور اس کی تشریح کی روشنی میں قرآن کریم کی ان آیات میں باہمی ربط سامنے آجاتا ہے:

○ —— وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمِ ۝ (پ۱۴، سورۂ حجر)

''بے شک ہم نے تمہیں دوہرائی ہوئی سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے''۔

○ —— وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (پ۲۹)

''بے شک آپ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہیں''۔

''خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' کی توضیح:

○ —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''آپ ﷺ کے اخلاق اعلیٰ اور عظیم اس لیے تھے کہ آپ ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہے''۔

○ —— حضرت شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ نے دونوں جہانوں کو اللہ کے لیے قربان کر دیا تھا اور ان سے کچھ تعلق یا واسطہ نہ رکھا''۔

○ —— بعض حضرات نے یہ کہا ہے:

''آپ ﷺ کا مخلوق کے ساتھ خوش اخلاقی کا رویّہ تھا۔ اور اپنے خالق کے ساتھ قلبی تعلق تھا''۔

○ —— بعض صوفیاء نے تصوف کی حقیقت اور اس کے معنی میں یہ فرمایا:

''مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق اور خالق کے ساتھ خلوص کا تعلق ہو''۔

○ —— بعض حضرات کا یہ کہنا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے خلق کو اس لیے عظیم کہا گیا ہے کہ ساری کائنات، خالق کائنات کے مشاہدہ کے باعث آپ کی نظر میں ہیچ اور حقیر ہوگئی''۔

○ —— ایک اور قول یہ بھی ہے:

''آپ ﷺ کا خلق اس لیے عظیم ہے کہ اس میں تمام شریفانہ اخلاق اور جلیل خصائل جمع ہو گئے تھے''۔

○ —— شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خلقِ عظیم کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو کسی سے جھگڑا کیا جائے اور نہ کوئی اس سے جھگڑا کرے،—— آپ ﷺ کے لیے جو **خُلقِ عظیم** کا لفظ قرآن میں آیا ہے، وہ اس لیے ہے کہ آپ اپنے پاک باطن میں مشاہدۂ حق کی حلاوت محسوس کرتے تھے''۔

www.waseemziyai.com

○ —— یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے دوسرے نبیوں اور پیغمبروں سے زیادہ استفادہ فرمایا"۔

○ —— شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ کے اخلاق اس لیے عظیم تھے کہ مشاہدۂ حق کی وجہ سے مخلوق کی بدسلوکی نے کچھ اثر نہیں کیا"۔

○ —— بعض صالحین کا کہنا ہے:

"تقویٰ کا لباس پہننا اور اللہ کے اخلاق کو اپنانا خلقِ عظیم ہے، جبکہ من میں کسی بدلے کا خطرہ باقی نہ رہے"۔

اُمت کو حسنِ خلق کی دعوت:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی خوش اخلاقی کی دعوت و تعلیم دی تھی، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن مجھے تم میں سے وہی محبوب ہوگا اور میری مجلس سے قریب تر ہوگا، جس کے اخلاق بہترین ہوں گے، —— اور تم میں سے وہ لوگ مجھے ناپسند ہیں اور وہی قیامت کے دن میری مجلس سے زیادہ دور ہوں گے جو بہت زیادہ باتیں بناتے ہیں اور چلا چلا کر باتیں کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ متکبر بھی ہیں"۔

فنا اور بقا کا معاملہ:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خلقِ عظیم کے سلسلہ میں یہ ارشادِ باری زیادہ جامع اور مکمل ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ (پ ۲۷)

"اگر وہ (رسول اللہ ﷺ) ہم پر باتیں بناتے تو ہم (مواخذہ کے لیے) ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" فرمایا تو اس میں آپ ﷺ کو حاضر کر کے آپ کو غافل کر دیا گیا اور وجود کا حجاب ڈال دیا گیا، —— جبکہ مذکورہ بالا آیت خلقِ عظیم والی آیت سے زیادہ مکمل ہے۔ اس لیے کہ اس میں فنا ہے۔

لیکن یہ قول غور طلب ہے۔ ان صاحب کو یہ کہنا چاہیے تھا:

"اگر "وَلَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت میں فنا ہے تو "خُلُقٍ عَظِيْمٍ" والی آیت میں بقا ہے"۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ فنا کے بعد بقا، فنا سے زیادہ اکمل ہے، اور منصبِ رسالت کے زیادہ شایانِ شان ہے، —— فنا کو یہ اعزاز اس لیے حاصل ہے کہ وہ مذموم وجود کی مزاحمت کرتی ہے۔ اور جب:

○ —— وجود سے مذموم صفات نکال دی گئی ہوں،

○ —— وجود کے اوصاف وصفات بدل گئی ہوں،

تو وجود مذموم نہیں رہتا، اور جب وجود مذموم نہ رہے تو پھر فنا میں فضیلت کیسے باقی رہتی۔ اس وقت تو صرف اللہ کے ساتھ

www.waseemziyai.com

حضوری ہوتی ہے، اپنی ذات کے ساتھ نہیں، اس صورت میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ثابت یہ ہوا کہ ایسی بقا، فنا سے افضل ہے۔

اکثر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جسے خلقِ عظیم عطا ہو، اسے اعلیٰ مقامات عنایت ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقامات کا تعلق عام ہے اور اخلاق کا تعلق عادات وصفات سے ہے۔

شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"خلقِ عظیم کا مطلب یہ ہے کہ اس کے صاحب کو کوئی اختیار نہ ہو، یعنی اس نے اپنی خواہشوں اور نفس کو قربان کر دیا ہو، ـــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہشوں اور نفس کو فنا کر دیا تھا، آپ کو اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ تھا۔ آپ کلی طور پر اللہ کی مرضی کے تابع تھے"۔

خلقِ عظیم میں چار صفات:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلقِ عظیم میں چار صفات ہیں:

○ ـــ سخاوت، ○ ـــ اُلفت، ○ ـــ نصیحت، ○ ـــ شفقت،

اخلاقِ الٰہیہ:

شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عظیم خدا کی ذات ہے، ـــ اور اس کے اخلاق میں سخاوت، کرم، درگزر، معافی اور احسان کے اوصاف شامل ہیں، ـــ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے ایک سو سے زیادہ اخلاق ہیں، جس نے کسی ایک اخلاق پر عمل کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ الٰہی سے متصف ہوگئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے "وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کہہ کر تعریف فرمائی۔

○ ـــ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو "عظیم" اس لیے کہا گیا کہ آپ نے صرف اخلاق کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی منازل طے کرتے رہے، حتیٰ کہ ذاتِ حق تک پہنچ گئے"۔

○ ـــ بعض بزرگوں کا یہ کہنا ہے:

"جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین حجاز میں مبعوث کیا گیا تو آپ کو دنیاوی لذتوں اور خواہشوں سے روک دیا گیا۔ بلکہ آپ کو غربت اور تکالیف میں مبتلا کیا گیا، ـــ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آزمائشوں سے گزر کر پاک وصاف ہوگئے تو اس وقت آپ کے خلقِ عظیم کا اعلان کیا گیا"۔

مکارمِ اخلاق دس ہیں:

شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''مکارمِ اخلاق دس ہیں، ممکن ہے کہ یہ اخلاق:

○ — باپ میں موجود ہوں اور بیٹے میں نہ ہوں،

○ — بیٹے میں موجود ہوں اور باپ میں نہ ہوں،

○ — غلام میں موجود ہوں اور اس کے آقا میں نہ ہوں،

کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، اسے یہ سعادت عطا فرماتا ہے۔ وہ دس اخلاق یہ ہیں:

○ — سچ بولنا،

○ — دنیا سے بالکل نا اُمید ہونا،

○ — سوال کرنے والے کو دینا،

○ — اس کا پڑوسی اگر بھوکا ہو تو خود پیٹ بھر کر نہ کھائے،

○ — احسانات کا بدلہ دینا،

○ — امانت میں دیانت،

○ — صلۂ رحمی (رشتہ داروں سے سلوک)،

○ — دوست کے حقوق ادا کرنا،

○ — مہمان نوازی،

○ — حیاء (جو ان سب کی بنیاد ہے)۔

جنت میں لے جانے والے اوصاف:

رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا:

''وہ کون سے اوصاف ہیں جن کی بدولت زیادہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

○ — حسنِ اخلاق، اور

○ — تقویٰ''۔

دوزخ میں لے جانے والی باتیں:

پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کن چیزوں کی وجہ سے لوگ کثرت سے دوزخ میں داخل ہوں گے؟ — آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خوشی اور غم''۔

اس سے مراد فانی لذتوں کے ضائع ہونے پر غم کرنا، — یا اچھے موقعوں کے ضائع ہونے پر غم کرنا، جن کے باعث انسان

www.waseemziyai.com

پریشان اور ناراض ہوتا ہے۔ ـــ قدرت پر اعتراض کرتا ہے اور قسمت پر شاکر و صابر نہیں رہتا، ـــ خوشی سے مراد دنیاوی کامرانیوں اور کامیابیوں پر خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے، ارشادِ باری ہے:

لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ ؏

''تم کسی چیز کے ضیاع پر غم نہ کرو، اور جو تمہیں حاصل ہو اس پر خوش نہ ہو جاؤ''۔

اور یہ اس قسم کی خوشی ہے جس کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ؏ (پ۲۰، سورۂ قصص)

''جب اس (قارون) سے اس کی قوم نے کہا: تو خوش مت ہو (نہ اِتراؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

پسندیدہ خوشی کون سی ہے:

جو خوشی آخرت سے تعلق رکھتی ہے، وہ پسندیدہ اور محمود فعل ہے۔ (اس سے نہیں روکا گیا) کہ اس خوشی میں اللہ کے احسان کا ذکر ہوتا ہے، اور اس کی حمد و ثناء کی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؏ (پ۱۱، سورۂ یونس)

''اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے، اس پر انہیں خوش ہونا چاہیے''۔

شیخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حسنِ اخلاق کی تفسیر و تشریح اس طرح کی ہے:

''حسنِ خلق کا مفہوم یہ ہے کہ خوش مزاجی اور خندہ پیشانی کے ساتھ بھلائی کا کام کیا جائے اور لوگوں کو اذیت نہ دی جائے''۔

تصوف سراپا اخلاق ہے:

صوفیاء کرام اپنے نفسوں کی ریاضت و مجاہدوں کے ذریعے اس طرح اصلاح کرتے ہیں کہ ان کے اخلاق سدھر جاتے ہیں۔

ان میں:

○ ـــ بعض افراد ایسے ہیں جو عمل کرتے ہیں (ریاضت اور مجاہدے میں مشغول ہوتے ہیں۔) لیکن اپنے اخلاق کو نہیں سنوارتے۔

○ ـــ کچھ زاہد ایسے ہیں جو حسن اخلاق کے پابند ہیں،

○ ـــ کچھ ایسے بھی ہیں جو حسنِ اخلاق پر عمل پیرا نہیں،

مگر حقیقی صوفیاء کی جماعت تمام حسن اخلاق کی پابندی کرتی ہے، ـــ حضرت شیخ ابو بکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تصوف سراپا اخلاق ہے، جس نے کسی اخلاق کا اضافہ کیا، اس نے تصوف میں اضافہ کیا''۔ ـــ بہر حال:

○ ـــ جو لوگ عابد ہیں (عام مسلمان) وہ نیک کام کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اسلام کے نور کی روشنی میں چلتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

○ ــــ جو زاہد ہیں، انہوں نے بعض اخلاقِ حسنہ کو قبول کیا ہے، کیونکہ وہ ایمان کے نور کی روشنی میں گامزن ہیں، اور

○ ــــ صوفیاء چونکہ بارگاہِ الٰہی کے مقرّب ہیں، وہ احسان کے نور کے مطابق عمل پیرا ہیں،

چنانچہ جب اہلِ قرب اور صوفیاء کرام کے باطن میں نورِ یقین سرایت کر جاتا ہے، اور وہ ان کے باطنوں میں جڑ پکڑ لیتا ہے۔ پھر ہر قلب میں طرفوں اور سمتوں سے نورِ یقین حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ قلب کا گوشہ گوشہ جگمگا اُٹھتا ہے۔ اس طرح قلب کا کوئی گوشہ نورِ اسلام سے، اور کوئی گوشہ نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ مگر نورِ احسان وایقان سے قلب کے تمام گوشے روشن ہو جاتے ہیں۔

اصلاحِ نفس:

قلب جب سراپا نور بن جاتا ہے تو اس کے نور کا عکس نفس پر پڑتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ:

○ ــــ قلب کا ایک رُخ نفس کی طرف ہوتا ہے، اور

○ ــــ دوسرا رُخ روح کی طرف ہوتا ہے، ــــ اسی طرح نفس کے بھی دو رُخ ہوتے ہیں:

○ ــــ اس کا ایک رُخ قلب کی طرف ہے، اور

○ ــــ دوسرا رخ طبیعت اور جبلت کی طرف ہے۔

جب تک قلب روشن نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ مکمل طور پر روح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اس کے دو رُخ ہو جاتے ہیں:

○ ــــ اس کا ایک رُخ روح کی طرف ہوتا ہے، اور

○ ــــ دوسرا رُخ نفس کی طرف ہوتا ہے۔

جب قلب مکمل طور پر روشن ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کی پوری توجہ روح کی طرف ہو جاتی ہے، اور روحانی امداد سے اس کے اشراق و نور میں اضافہ ہو جاتا ہے، ــــ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر قلب کی کشش روح کی طرف ہوتی جاتی ہے، اسی قدر نفس کی کشش بھی قلب کی طرف بڑھتی جاتی ہے، ــــ اس کی کشش کی بدولت قلب کی توجہ سے نفس کا وہ رُخ نورانی بن جاتا ہے جو قلب کے قریب ہوتا ہے۔ اس کے نورانی ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اس وقت نفس کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

يَـٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○

''اے نفسِ مطمئن! تو خوش ہو کر اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، وہ بھی تجھ سے خوش ہے''۔

نفس کا جو رُخ قلب کے قریب ہے، اس کی چمک ایسی ہے جیسے صدف کے اس رُخ میں ہوتی ہے جو موتی کی چمک سے روشن ہو جائے۔ اسی طرح نفس میں جو تاریکی وظلمت رہ جاتی ہے، وہ اس رُخ کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبیعت اور جبلت کے قریب اور قلب کی چمک اور نورانیت سے دور ہوتی ہے۔ جس طرح صدف کے بیرونی رُخ پر کدورت اور ظلمت باقی رہتی ہے، جو اس کی

www.waseemziyai.com

اندرونی چمک اور نورانیت کے برخلاف ہے۔

جب نفس کے دو رُخوں میں سے ایک رُخ نورانی ہو گیا تو وہ اخلاق کو بہتر بنانے اور صفات کی تبدیلی کی کوشش کرتا ہے۔اسی وجہ سے ابدال کا نام ابدال ہوا، ــــ ابدال کے معنی ہیں: ''بدلنا''، ــــ اس میں یہ راز چھپا ہے کہ صوفی کا دل جو ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ ہمیشہ زبان و دل سے ذکر میں مصروف رہتا ہے، اور ذکر ذات کے درجہ کی طرف ترقی کرتا ہے، اس وقت وہ عرش الٰہی کی مانند ہو جاتا ہے، ــــ یعنی جس طرح عرش اس عالمِ خلق وحکمت کے قلب کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ذاکر کا قلب عالمِ امر وقدرت کا عرش بن جاتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قلب عرش کی مانند ہے اور سینہ کرسی کی مانند ہے''۔

حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

''زمین وآسمان مجھے اپنے اندر نہیں سما سکتے، لیکن بندۂ مؤمن کے دل میں میری گنجائش ہے، اس کا دل مجھے اپنے اندر سما سکتا ہے''۔

جب قلب ذکرِ ذات کے نور سے آراستہ ہو جاتا ہے، اور قربِ الٰہی کی بادِ نسیم سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جاتا ہے تو اخلاق کی اچھی صفات نفس کی نہروں میں بہنے لگتی ہیں۔یعنی نفس کی صفات اچھے اخلاق میں بدل جاتی ہیں۔اس وقت اس میں اخلاقِ الٰہیہ ثابت وراسخ ہو جاتے ہیں۔

اسمائے حسنہ، مسالکِ طریقت کے اوصاف:

حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنہ مسالکِ طریقت کے اوصاف بن جاتے ہیں، اگرچہ سلوک کی منازل طے کر رہا ہو اور واصل بالحق نہ ہوا ہو''۔

حضرت شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ سالک ہر اسم الٰہی سے ایک صفت اختیار کر لیتا ہے، جو بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے مناسبِ حال ہوتی ہے۔مثلاً وہ اللہ کے صفاتی نام رحیم سے رحم کا وصف اس قدر اختیار کرتا ہے جو بشری کوتاہی کے لیے مناسب ہو، ــــ

مشائخ کرام اور صوفیاء کرام نے اسماء وصفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ ارشادات علوم وتصوف میں سب سے اعلیٰ اور اہم ہیں، اور ان کے نادر علوم کا ایک حصہ ہیں، ــــ اس کی تشریح وتوضیح جو صوفیاء کرام نے کی ہے، وہی ہے جو ہم نے بیان کی، ــــ اگر کوئی حلولِ الٰہی کا ذرّہ برابر بھی خیال کرتا ہے تو وہ زندیق ہے، ملحد ہے۔

محاسنِ اخلاق کا جامع ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک وصیت فرمائی جو مکارم اخلاق کی جامع ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے

www.waseemziyai.com

معاذ! میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں:

○ — اللہ سے ڈرو، ○ — سچ بولو، ○ — ایفائے عہد کرو،
○ — امانت ادا کرو، ○ — خیانت چھوڑ دو، ○ — ہمسایوں کی خبر گیری کرو،
○ — یتیموں پر رحم کرو، ○ — گفتگو میں نرمی اختیار کرو،
○ — سلام میں پہل کرو، ○ — اچھے کام کرو، ○ — امیدیں کم رکھو،
○ — ایمان کو ضروری سمجھو، ○ — قرآن کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو،
○ — آخرت سے محبت رکھو، ○ — حسابِ آخرت سے ڈرو،
○ — تواضع اختیار کرو، ○ — کسی بُردبار آدمی کو گالی نہ دو،
○ — سچے انسان کو جھٹلانے سے بچو، ○ — کسی گناہ گار سے توقع نہ رکھو،
○ — انصاف پسند حاکم کی نافرمانی نہ کرو، ○ — زمین پر فساد نہ پھیلاؤ،
○ — میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر پتھر، شجر یا مٹی سے گزرتے ہوئے اللہ سے ڈرو،
○ — ہر گناہ سے توبہ کرو، — اگر گناہ پوشیدہ کیا ہے تو توبہ پوشیدہ طور پر کرو، — اگر گناہ کھلے عام کیا ہے تو توبہ بھی کھلے عام کرو"۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب سکھایا ہے اور انہیں شریفانہ اخلاق و آداب کی دعوت دی ہے، — حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسلام شریفانہ اخلاق اور محاسنِ آداب سے گھرا ہوا ہے"۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کوئی چیز میزانِ عمل میں رکھی جانے والی چیزوں میں حسنِ عمل سے زیادہ بھائی کوئی چیز نہیں، — ایک خوش اخلاق انسان خوش اخلاقی کی بدولت نماز روزے والے کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کے مکارم اخلاق:

رسول اللہ ﷺ کے مکارمِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ:

○ — آپ سب سے زیادہ سخی تھے، آپ کے پاس کوئی درہم و دینار رات تک باقی نہ رہتا تھا، — اگر آپ کو ایسا کوئی مستحق آدمی نہ ملتا جسے آپ وہ رقم دے سکیں، تو اس وقت تک گھر جا کر آرام فرما نہ ہوتے جب تک اسے خرچ نہ کر لیں،

○ — دنیا آپ ﷺ کا مقصود و مطلوب نہ تھی،

○ — عام طور پر آپ کی غذا جَو اور چھوہارے تھی، جو بہت ہلکی اور کم قیمت غذا ہے،

○ — اس کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ ہوتا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے،

www.waseemziyai.com

○ ــــ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آپ ﷺ سے سوال کیا ہو اور آپ نے اسے کچھ عطا نہ فرمایا ہو،

○ ــــ اس کے بعد آپ ﷺ عام غذا پر قناعت کرتے تھے۔ کھجور اور جَو کی اتنی ہی مقدار ہوتی کہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ختم ہو جاتی۔

○ ــــ آپ ﷺ اپنے پھٹے ہوئے جوتے خود ہی مرمت فرمالیا کرتے۔

○ ــــ کپڑوں میں پیوند خود ہی لگالیتے۔

○ ــــ گھر والوں کا کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، ان کے ساتھ گوشت کاٹا کرتے تھے۔

○ ــــ آپ ﷺ سب سے زیادہ حیاء دار اور سب سے زیادہ متواضع تھے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۳۰:

صوفیاء کرام کے اخلاق کی تفصیل

تواضع سب سے بہتر خُلق ہے:

صوفیاء کرام کے اخلاق میں سب سے بہتر اخلاق تواضع ہے۔ انسان کے لیے تواضع سے بڑھ کر اور کوئی لباس نہیں، — جو شخص تواضع کا خزانہ حاصل کر لیتا ہے وہ ہر شخص کے سامنے اپنی اس حیثیت کو ایک اندازے پر قائم رکھتا ہے، اسی طرح وہ خود بھی ہر ایک کو اس کے صحیح مقام اور رتبے پر برقرار رکھتا ہے، — جسے تواضع حاصل ہوگئی، وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے آرام پہنچاتا ہے، — اس نکتہ کو سمجھنے والے ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

تواضع کے بارے میں احادیثِ نبوی ﷺ:

○ — حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی نازل فرمائی:

''تم تواضع اختیار کرو، اور کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے''۔

○ — جب یہ آیت مبارکہ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ۝''

(یعنی کہہ دیجئے اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

''اس آیت میں جس اتباع کا حکم دیا گیا ہے، وہ اتباع، نیکی، تقویٰ، خوف اور تواضع کے ساتھ ہو''۔

آپ ﷺ کی تواضع یہ تھی کہ آپ آزاد و غلام سب کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ خواہ وہ دودھ کا گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہی کیوں نہ ہوتی، — آپ حسبِ موقع اس کا صلہ بھی دیتے تھے اور خود بھی اسے استعمال میں لاتے تھے، — اسی طرح آپ ﷺ نیز یا غلام کو جواب دینے میں بھی کبھی غرور نہ فرماتے تھے، بلکہ اسی تواضع سے جواب ارشاد فرماتے۔

○ — سلیمان بن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تواضع کی سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ:

○ — جس سے تم ملو، اسے پہلے سلام کرو، — اور جو تمہیں سلام کرے، اس کا جواب دو۔

○ — مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھنے میں عار محسوس نہ کرو،

www.waseemziyai.com

○ ــــ یہ نہ چاہو کہ کوئی تمہاری تعریف کرے یا تم پر احسان کرے،

○ ــــ مبارک ہے وہ شخص جو پانی کوتاہی یا بُرائی کے بغیر تواضع اختیار کرے، اور محتاجی نہ ہونے کے باوجود خود کو محتاج سمجھے۔

اولیاءِ کرام اور تواضع:

○ ــــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے تواضع کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"تواضع، عاجزی اور نرم رویہ رکھنا ہے"۔

○ ــــ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے تواضع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور حق بات کو کہنا تواضع ہے، اور جس نے اپنے نفس کی قدر و قیمت کو محسوس کیا، اس کا تواضع سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

○ ــــ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب میں نے آدم (علیہ السلام) کی پشت سے ذرّوں کو برآمد کیا، اس وقت میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کے دل سے زیادہ کسی کو متواضع نہیں پایا، اس لیے کہ میں نے ان کو چن کر ان سے کلام کیا"۔

○ ــــ بزرگوں کا یہ ارشاد ہے:

"جو شخص اپنے نفس کی پوشیدہ باتیں پہچان لیتا ہے، وہ کبھی تکبر و غرور نہیں کرتا۔ بلکہ تواضع کی راہ اپنا لیتا ہے، ــــ اگر کوئی اس کی مذمت کرے تو وہ اس سے نہیں جھگڑتا، ــــ اور جب کوئی اس کی تعریف کرتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے"۔

○ ــــ حضرت شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا دل تواضع کو اپنا لے تو اسے چاہیے کہ نیک بندوں کی صحبت اختیار کرے اور ان کا ادب و احترام کرے، ــــ اس طرح ان کی بے حد تواضع کے باعث ان کی اتباع کرے، یوں تکبر سے بھی محفوظ رہے گا"۔

○ ــــ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا:

"ہر چیز کی سواری ہوتی ہے اور عمل کی سواری تواضع ہے"۔

○ ــــ شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"دنیا میں پانچ قسم کے لوگ سب سے زیادہ عزت والے ہیں:

○ ــــ زاہد عالم،
○ ــــ فقیہہ صوفی،
○ ــــ تواضع سے پیش آنے والا غنی،
○ ــــ شاکر و صابر درویش،
○ ــــ روشن ضمیر شریف

○ ــــ حضرت شیخ جلا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''اگر تواضع کی قدر نہ ہوتی تو ہمیں راہ چلتے ہوئے خطرہ رہتا''۔

○ — شیخ یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''تواضع کی حد کیا ہے؟'' — آپ نے فرمایا: ''جب اپنے گھر سے نکلو اور راہ میں جس کسی سے بھی ملو، اسے خود سے بہتر سمجھو''۔

قیدیوں سے حسنِ سلوک:

ایک دفعہ میں اپنے شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شام کا سفر کر رہا تھا۔ سفر کے دوران بعض دنیاداروں نے فرنگی قیدیوں کو (جو صلیبی جنگ میں قید ہو گئے تھے) جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، ان کے سروں پر ہمارے لیے کھانا رکھوا کر بھیجا۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو قیدی برتنوں کے خالی ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اس وقت شیخ محترم نے ایک خادم سے کہا:

''وہ سب قیدی بلا لاؤ، تاکہ وہ بھی ہم درویشوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں''۔

چنانچہ انہیں بلا کر ایک ہی صف میں دسترخوان پر بٹھا دیا گیا۔ اس وقت شیخ اپنے مصلے سے اُٹھے اور آ کر ان قیدیوں کے درمیان میں بیٹھ گئے، جیسے وہ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ پھر انہی کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس وقت ہمیں ان کے چہرے پر ان کے باطنی خلوص، اللہ کے لیے تواضع، عاجزی اور انکساری کی وہ جھلک دکھائی دی جس سے ان کے ایمان اور علم و عمل کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

ظاہری و باطنی اصول اسلام کا سرمایہ ہیں:

شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ معرفت کا یہ خیال درست ہے کہ دینِ اسلام کا سرمایہ پانچ ظاہری اصول ہیں اور پانچ باطنی اصول ہیں۔

ظاہری اصول یہ ہیں:

○ — سچ بولنا،

○ — سخاوت کرنا،

○ — جسمانی طور پر تواضع کرنا،

○ — دوسروں کو تکلیف و اذیت سے بچانا،

○ — کسی انکار کے بغیر خود تکلیف برداشت کرنا،

باطنی اصول یہ ہیں:

○ — اپنے آقا و سردار سے محبت کرنا،

○ — اپنے آقا سے جدائی کا خوف کرنا،

○ — اپنے آقا سے وصال کی اُمید رکھنا،

www.waseemziyai.com

○ —— اپنے فعل پر شرمندہ ہونا،

○ —— اپنے رب سے حیاء کرنا۔

تواضع کے درجات:

حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تواضع کا اگر ساری مخلوق سے اظہار ہو تو اچھی ہے، مگر دولت والوں سے ظاہر ہو تو بہت ہی اچھی ہے، —— اسی طرح تکبر کا اگر عام لوگوں سے اظہار ہو تو برا ہے لیکن اگر کسی درویش سے تکبر کا اظہار ہو تو بدترین ہے''۔

تواضع کی نشانیاں:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع کی تین نشانیاں ہیں:

○ —— نفس کا عیب معلوم کرنے کے لیے اسے حقیر سمجھنا،

○ —— توحید کی حرمت کے لیے لوگوں کی تعظیم و تکریم کرنا،

○ —— حق بات اور نصیحت کو ہر ایک سے قبول کرنا۔

انسان متواضع کب ہوتا ہے؟:

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے، —— آپ نے فرمایا:

''جب اپنی ذات پر اپنے نفس کا کوئی حق نہ سمجھے، —— کیونکہ وہ اس کی شرارت اور عیب سے واقف ہے، اور خود کو مخلوق میں سب سے بدتر سمجھے''۔

تواضع اور تکبر:

بعض اہلِ حکمت کا کہنا ہے کہ ہم جہالت اور بخل کے ساتھ تواضع کو، —— ادب و سخاوت کے ساتھ تکبر کرنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔

کسی صاحبِ دانش سے پوچھا گیا:

''کیا تم کسی ایسی نعمت کے بارے میں جانتے ہو جس پر حسد نہ کیا جائے، —— اور کیا ایسی کسی مصیبت کے بارے میں جانتے ہو کہ جس میں کوئی مبتلا ہو اور اس پر رحم نہ کیا جائے''۔

اس نے کہا:

''ہاں! وہ نعمت تواضع ہے، —— اور وہ مصیبت غرور و تکبر ہے''۔

تواضع اور تکبر کی اصل:

تواضع کی اصل یہ ہے کہ وہ ذلت اور تکبر میں اعتدال کو قائم کرتا ہے، —— یعنی تکبر یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبے سے

www.waseemziyai.com

بلند سمجھے۔ ــــ اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو اس قدر گرا دے گا کہ اسے ذلیل و حقیر سمجھا جائے۔ اور اس کی حق تلفی کی جائے۔

بعض مشائخ کرام نے تواضع کی تشریح و توضیح میں بہت سے ایسے اشارات کیے ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

○ ــــ وہ ذلت کو تواضع کا قائم مقام سمجھتے ہیں، یا

○ ــــ انہوں نے خواہشاتِ انسانی کو افراط کی بلندی سے تفریط کی پستی پر پہنچا دیا ہے، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حدِ اعتدال کا مطلق خیال نہیں کیا گیا۔

اس سے ایسا لگتا ہے کہ انہیں اپنے مریدوں سے غرور و تکبر کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ ان کی نفسانیت کو کچلنے کے لیے مبالغہ سے کام لیتے ہیں، اور انہیں حد تفریط تک پہنچا دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ روحانی حالت کے غلبہ کے ظہور کے شروع میں شاذ و نادر ہی کوئی خود پسندی اور تکبر سے خالی ہوتا ہے۔ اکابر صوفیاء کے بھی بہت سے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے خود پسندی جھلکتی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اقوال ان کی حالت سکر کے باقی ماندہ آثار ہوں۔ کیونکہ سکر حال کا ایک تنگ دائرہ ہے۔ وہ اپنی ابتدائی حالت میں صحو (ہوش) کی وسیع فضا سے نکلے نہیں تھے۔

اگر کوئی صاحبِ بصیرت گہری نظر سے دیکھے تو اسے علم ہو جائے گا کہ یہ روحانی واردات کے نزول کے وقت نفس کی چوری چھپے سنی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ وارداتِ قلبی کے وقت نفس جب چوری چھپے باتیں سنتا ہے تو اس وقت روحانی بلندی کی وجہ سے چوری چھپے سنی ہوئی باتیں گراں معلوم نہیں ہوتیں۔ اس وقت نفس کے اُکسانے پر اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن سے خود پسندی یا تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسا کہ:

○ ــــ ایک بزرگ نے حالتِ سکر میں فرمایا:

''اس نیلگوں آسماں کے نیچے میرے جیسا کون ہے''۔

○ ــــ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

''میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے''۔

○ ــــ اسی طرح ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

''میں نے زین کسی اور لگام کو کھینچا اور تمام روئے زمین کو چکر لگایا، اور مد مقابل کو طلب کیا، مگر کوئی میرے مقابلے پر نہیں آیا''۔

اگر کسی کو نفس کی چوری کا اشکال ہو:

اگر کسی سالک کو کوئی اشکال پیش آجائے اور اسے یہ پتہ نہ ہو کہ اس کے نفس نے چوری سے کچھ سنا ہے اور وہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہو جس سے تکبر اور خود پسندی کا شائبہ ہوسکتا ہے۔ تو وہ اس قسم کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی ترازو میں تولے، اور ان کی تواضع کا خیال کرے کہ وہ اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالنے سے پرہیز کرتے تھے اور نہ کسی بندۂ حق کے لیے یہ پسند کرتے تھے کہ وہ ایسے الفاظ ادا کرے۔

www.waseemziyai.com

بہر حال ایسے مخلص حضرات کے کلام کی تاویل کا ایک پہلو یہ ہے، یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ کلام یا ان کے یہ الفاظ مستی کے عالم میں منہ سے نکل گئے ہیں اور ایسے متوالوں کا کلام برداشت ہی کیا جاتا ہے۔

نفس کی سرکشی کا علاج تواضع ہے:

ہوش مند مشائخ کو پتہ ہے کہ نفوسِ انسانی میں یہ مرض پوشیدہ طور پر پایا جاتا ہے۔ اس لیے تواضع کی تشریح و توضیح میں وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ اسے ذلت کی حد تک پہنچا دیا۔ تا کہ اس طرح سے مریدوں کے نفوس کی سرکشی کا علاج ہو سکے۔ اور رفتہ رفتہ انہیں تواضع کی حد اعتدال تک لے آیا جا سکے۔ یوں وہ اپنے اصلی مقام سے ذرا کم درجے پر رہیں گے۔ نفس جب سرکشی سے محفوظ ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی کمی بیشی کے بغیر اپنے اصل مقام پر برقرار رہتا ہے۔ نفس انسانی میں چونکہ آگ کا اثر پایا جاتا ہے، اور وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا ہوا ہے، اس لیے اس کی سرشت میں سرکشی پائی جاتی ہے، آگ چونکہ علوی جوہر ہے، اس لیے نفس بھی آگ کی طرح سربلندی کی طرف مائل ہے۔ چنانچہ مشائخ کرام نے اس کا علاج تواضع کے ذریعے تجویز کیا۔ اسے اس کے اصل مقام سے کم درجہ پر گرایا جاتا ہے تا کہ وہ کبر وغرور کا اثر نہ لے۔

کبر کیا ہے؟:

کبر وغرور کے معنی ہیں ''خود کو دوسروں سے بڑا گمان کرنا، برتر خیال کرنا''۔ اس کے اظہار کو تکبر کہا جاتا ہے، —— کبر ایک ایسی صفت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے، —— مخلوق میں سے اگر کوئی کبر کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔

کبر کی مذمت:

کبر وغرور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے۔ خود پسندی محاسن کو ترک کرنے کا دوسرا نام ہے۔ ایسی جہالت، انسانیت کے مخالف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متکبروں کو پسند نہیں فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

○ —— اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

''اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

○ —— اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

''کیا جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے''۔

○ —— حدیث قدسی میں ارشادِ باری ہے:

''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا لباس ہے، جس نے ان دونوں میں سے کوئی چیز لینے کی تمنا کی، میں اسے پاش پاش کر دوں گا''۔

○ —— ایک اور روایت میں اس حدیث قدسی کے آخری الفاظ یوں آئے ہیں:

''میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا''۔

www.waseemziyai.com

انسان کی سرکشی اور اس کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقام پر انسان کی سرکشی کا رد فرماتے ہوئے اس کی حقیقت بھی دکھلائی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

○ ــــ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ○

''زمین پر اکڑ کر اِتراتے ہوئے مت چلو، کیونکہ تم اس طرح چل کر زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی طرف بلند ہو سکو گے''۔

○ ــــ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ○

''انسان ذرا اپنی تخلیق پر غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، (محض) ایک اُچھلنے والے پانی (مادۂ تولید) سے''۔

○ ــــ یہ ارشادِ باری بھی کس قدر مؤثر اور بلیغ ہے:

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ○ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ○ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ○ (پ۳۰،سورۂ عبس)

''انسان غارت ہو، وہ کس قدر ناشکرا ہے۔اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا (جانتے ہو)، اسے فقط ایک نطفے سے پیدا کیا ہے، اور اس کے بعد اس کا اندازہ لگایا ہے''۔

○ ــــ ایک بزرگ نے ایک متکبر کو (آئینہ دکھلاتے ہوئے) فرمایا:

''تمہاری تخلیق ناپاک نطفہ سے ہوئی ہے، اور تمہارا انجام ایک گندی لاش ہے، اور تم ان دونوں حالتوں کے درمیان گندگی اُٹھائے پھرتے ہو''۔

اسی مفہوم کو ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

اتراتا پھرتا ہے حضرت انسان کیونکر گندگی پر
تیرا آغاز بھی یہی، تیرا انجام بھی یہی

لہٰذا قلب سے جب تواضع نکل جائے اور اس کی جگہ غرور وتکبر آجائیں تو اس سے دیگر اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں۔اور یہ بات طے ہے کہ جو کچھ ظرف میں ہوتا ہے، اس سے وہی ٹپکتا ہے۔چنانچہ دل تواضع کی صفت کو کھو دے اور اس کی جگہ کبر وغرور کو اپنا لے تو پھر اس کے اثر سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔کبھی منہ بگڑ جاتا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ ○ ''تم لوگوں کے سامنے منہ نہ بگاڑو''۔

اور کبھی اُس کا اثر سروں پر بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ○ (پ۲۸،سورۂ منافقون)

''پھر انہوں نے اپنے سروں کو پھیرا، اور تم نے دیکھا کہ وہ غرور وتکبر سے منہ موڑتے ہیں''۔

www.waseemziyai.com

غرور، شیخی اور خودداری:

تکبر وغرور کے اعضاء و جوارح پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات کی بہت سی اقسام ہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ کثیف ہیں۔ جیسے شیخی، گھمنڈ، اور عزت وخودداری، — خودنگاہی اور خودداری صورت کے لحاظ سے کبر وغرور سے مشابہ ہیں، لیکن حقیقت کے لحاظ سے ان میں فرق ہے، جس طرح کبھی کبھار تواضع ذلت کے ساتھ مشابہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تواضع ایک پسندیدہ فعل ہے اور ذلت ایک ناپسندیدہ فعل، — اسی طرح کبر وغرور قابلِ مذمت ہے اور عزت وخودنگاہی اچھی صفت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

''عزت فقط اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے''۔

معلوم ہوا کہ عزت، کبر وغرور سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ خود کو ذلیل سمجھے (یعنی اپنے نفس کو ذلیل کرے)۔

عزت اور کبر:

عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے، اور نفس کی حقیقت کو جان کر اس کی یوں توقیر کرے کہ دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے اسے خوار نہ کرے، —

کبر یہ ہے کہ انسان اپنی پہچان سے بے خبر ہو، اور نفس کو اس کے مرتبہ و اصلیت سے کہیں بلند سمجھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا:

''آپ کا نفس کتنا عظیم ہے!'' — آپ نے فرمایا:

''میں عظیم نہیں مگر عزیز ضرور ہوں (یعنی صاحبِ عزت ہوں)''۔

چونکہ عزت قابلِ مذمت نہیں، قابلِ اکرام ہے مگر اس کی کبر کے ساتھ مشابہت ہے۔ اسی لیے ارشادِ باری ہوا:

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ○ ''تم زمین پر ناحق تکبر کرتے ہو۔

اس میں یہ نکتہ مخفی ہے کہ عزت حق کے ساتھ ہے، اور اگر ناحق ہو تو وہ تکبر ہے، — چنانچہ جو شخص ذلت کی طرف انحراف کیے بغیر تواضع کی حد پر قائم رہتا ہے، وہ گویا عزت کی راہ پر ہے جو کبر کی آگ کی پشت پر بنائی گئی، — چنانچہ اس راہ پر فقط راسخ علماء، مقربین بارگاہِ الٰہی، ابدال اور صدیقین ہی ثابت قدم رہتے ہیں۔

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا:

''جو تکبر کرتا ہے وہ اپنے نفس کی پستی کا ثبوت دیتا ہے، — اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنی طبیعت کے شریف ہونے کا ثبوت دیتا ہے''۔

www.waseemziyai.com

تواضع کے دو پہلو:

حضرت ابوداؤد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع کے دو پہلو ہیں:

- ــــ ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی میں تواضع کرے کیونکہ آرام طلبی کی وجہ سے نفس اس کے حکم سے غفلت کا اظہار کرتا ہے۔ اور خود میں پائی جانے والی شہوت کے باعث ممنوعہ شے کی تمنا کرتا ہے۔
- ــــ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ کی عظمت کے تابع کردے، چنانچہ اگر اس کا نفس کسی جائز چیز کی تمنا کرے تو وہ نفس کو ایسا کرنے سے منع کردے، یعنی اپنی خواہشوں کو مشیتِ الٰہی کے تابع کردے۔

تواضع کی حقیقت کو پانا:

اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ بندہ تواضع کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں جان سکتا ہے جب تک کہ اس کے دل میں مشاہدۂ حق کے نور کی چمک نہ ہو، ــــ نورِ مشاہدہ کی چمک نفس میں گداز پیدا کرتی ہے۔ اس گداز کی وجہ سے نفس میں کبر وخود پسندی کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ اس میں نرمی پیدا ہو جانے سے وہ مخلوق اور خالق کا اطاعت گزار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس گداز کے سبب اس کے وجود کے آثار باقی نہیں رہتے۔ اور اس کی فطری آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے، اور اَنا کا غبار بھی نہیں رہتا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا سب سے زیادہ حصہ ملا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مقاماتِ قرب میں بھی اختیار فرماتے تھے۔ جیسا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث بیان فرماتی ہیں:

> ''ایک شب میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو مجھے نسوانی جذبہ کے تحت خیال آیا کہ آپ اپنی کسی اور زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُٹھ کر تمام ازواجِ مطہرات کے حجروں میں آپ کو تلاش کیا، لیکن آپ کہیں نہ ملے۔ اس کے بعد میں نے آپ کو مسجد میں جاکر دیکھا۔ میں نے آپ کو بوسیدہ کپڑے کی طرح سجدہ میں سر رکھے ہوئے دیکھا۔ سجدے کی حالت میں آپ یہ فرما رہے تھے:
>
> ''یا الٰہی! میرا دل اور میرا خیال بھی تیری بارگاہ میں سربسجود ہے، میرا دل تجھ پر ایمان لایا ہے، اور میری زبان اس کا اقرار کر رہی ہے، اب میں تیرے حضور میں حاضر ہوں، ــــ اے عظمت والے رب! اے بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنے والے! میں تیرے سامنے حاضر ہوں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا: ''میرا دل اور میرا خیال بھی تیری بارگاہ میں سربسجود ہے''۔ یہ قول تواضع کی انتہاء ہے، ــــ یہ ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجود کے آثار اس طرح سے مٹا دیئے کہ ظاہر و باطن میں ایک لحظہ کو بھی سجدے سے جدا نہیں۔

بساطِ قرب میں پہنچ کر بھی صوفی کو جب تواضع خاص کا موقع میسر نہ آئے تو مخلوق کے ساتھ تواضع کرنے کا اسے موقع نہیں مل سکتا۔ اصل میں یہ ایک ایسی سعادت ہے جو کسی کو نصیب ہوتی تو کامل طور پر نصیب ہوتی ہے، ــــ الحاصل، تواضع صوفیاء کے فضائل

www.waseemziyai.com

اخلاق میں ایک شریف خلق ہے، اور ان کے اخلاق کا ایک اہم جزو ہے۔

تحمل و مدارات:

صوفیاء کرام کا دوسرا اہم اخلاقی فعل تحمل و مدارات ہے، جس کے باعث وہ مخلوق کی اذیت کو بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے تحمل و مدارات کی اہم مثال یہ واقعہ ہے کہ آپ نے یہودیوں کے درمیان ایک صحابی کو مقتول پایا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان نہ ان پر دباؤ ڈالا اور نہ ہی کوئی زیادتی کی، بلکہ اس قتل کی دیت بھی اپنے پاس سے سو اونٹ دیئے۔ حالانکہ اس دور میں آپ کے صحابہ کے لیے ایک اونٹ بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

آپ کے حسن مدارات کا یہ حال تھا کہ آپ نے کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا اور نہ کبھی کسی خادم کو ڈانٹا، —— حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی، —— اس دوران کبھی آپ نے مجھے اُف تک نہیں کہا، —— اور اگر (آپ کی اجازت کے بغیر) میں نے کوئی کام کر لیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا: "تم نے یہ کام کیوں کیا" —— اور اگر میں نے کوئی کام نہیں کیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا: "تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا" —— آپ ﷺ سب سے زیادہ بلند اخلاق والے تھے۔ میں نے آپ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ریشم یا حریر کو بھی نہیں پایا، —— اسی طرح آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبودار کسی عطر یا مشک کو نہیں پایا"۔

چنانچہ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آنا، خواہ وہ دوست ہو یا ہمسایہ ہو، اپنے اہل و عیال ہوں یا عام لوگ، یہ صوفیاء کرام کے اخلاق کا اہم جزو ہے۔ دوسروں کی اذیت برداشت کرنے سے نفس کا جوہر کھلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر شے کا ایک جوہر ہے، —— چنانچہ انسان کا جوہر عقل ہے، اور عقل کا جوہر صبر و تحمل ہے۔

تحمل اور دوسروں کی اذیت برداشت کرنا:

دوسروں کی اذیت برداشت کرنا اور اس پر تحمل کا مظاہرہ کرنا، اس سلسلہ میں کئی احادیث مذکور ہوئی ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

○ —— حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مؤمن وہ ہے جس کا لوگوں کے ساتھ رہن سہن ہو اور ان کی اذیت رسانی پر صبر کرتا ہو، —— یہ شخص ان لوگوں سے بہتر ہے جو کسی سے میل جول نہیں رکھتے، —— کیونکہ پہلا شخص لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کی دی جانے والی اذیت پر صبر کرتا ہے جبکہ دوسرے کو کسی سے واسطہ ہی نہیں پڑتا"۔

○ —— ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم میں سے کوئی ابو ضمضم جیسا نہیں ہو سکتا"۔

عرض کیا گیا: "ابو ضمضم کیا کرتا تھا؟" —— آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''وہ روزانہ صبح کے وقت کہا کرتا تھا: ___ بارالٰہ! آج میں نے اپنی آبرو اس شخص پر قربان کردی جو مجھ پر ظلم کرے، ___ اگر کوئی مجھے مارے گا تو میں اسے نہیں ماروں گا، ___ اور جو مجھے گالی دے گا، میں اسے گالی نہیں دوں گا، ___ اور جو مجھ پر ظلم کرے گا، میں اس پر ظلم نہیں کروں گا''۔

○ ___ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاشانۂ نبوت کے اندر آنے کی اجازت چاہی، اس وقت گھر میں آپ کے پاس تھی، اس وقت آپ نے فرمایا: ''کنبہ، بھائی یا بیٹا بھی کیا بُرا ہوتا ہے؟'' ___ یہ فرما کر آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اور اس سے نرمی سے بات چیت کی۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''پہلے تو آپ نے اس کے بارے میں جو بھی فرمایا، وہ اپنی جگہ مگر بعد میں اس کے ساتھ بڑی نرمی اور مدارات سے بات چیت فرمائی'' ___ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! وہ شخص بدترین ہے جسے لوگ اس کی سخت کلامی کی وجہ سے چھوڑ دیں''۔

○ ___ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ___ تم جہاں کہیں بھی رہو، اللہ سے ڈرتے رہو،

○ ___ بُرائی کا بدلہ نیکی سے دو، وہ نیکی اس بُرائی کو مٹا دے گی،

○ ___ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ''۔

حسن سلوک کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں جس سے انسان کی وسعت علم، بُردباری اور عقل مندی کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ نفس کی یہ عادت ہے کہ جو اس کی مرضی کے خلاف کام کرے، وہ اسے پسند نہیں کرتا۔ اس وقت اس میں غصہ کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ چنانچہ حسن مدارات سے اس کے غصے کی آگ، اور نفرت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

○ ___ روایت ہے کہ جو غصے کو اس حال میں ضبط کرلے جب کہ وہ اسے نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سب کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کرلے۔

○ ___ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخ کی آگ کس پر حرام ہے؟ ___ سنو! یہ آگ نرم مزاج اور خوش اخلاق وقریب پر حرام ہے''۔

○ ___ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلام فرمایا تو (رعبِ نبوت سے) وہ شخص کانپنے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حوصلہ دلایا اور فرمایا:

''ڈرو نہیں! میں بادشاہ نہیں ہوں، ___ میں تو قریش کی ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی''۔

بعض صوفیاء کرام نے صوفیاء کی نرم خوئی اور حسن سلوک کے بارے میں فرمایا ہے:

www.waseemziyai.com

''یہ بندے آسانی ونرمی سے مالا مال ہیں۔ یہی بندے حقیقت میں کرامت کے خزانے ہیں، ــــ فحش وسخت کلام انہیں گوارا نہیں۔ کوئی ان سے لڑے جھگڑے، وہ اپنے طریقے پر قائم رہتے ہیں۔ ہر ایک کا انداز رہبروں کی طرح ہے، اگر کوئی ان سے مل جائے، اگر راہ سے کوئی بھٹک جائے تو وہ ستاروں کی طرح رہنمائی کرتے ہیں''۔

○ ــــ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جسے نرم خوئی عطا فرمائی، گویا اسے بھلائی عطا فرمائی، ــــ اور جسے نرم مزاجی سے کوئی حصہ نہیں ملا، سمجھو وہ بھلائی سے محروم رہا''۔

عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مثال:

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے ایک عرب نے واقعہ بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ حنین میں تکلیف پہنچی۔ ہوا یہ کہ میں بھاری جوتے پہنے ہوئے تھا۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک میرے جوتے کے نیچے دب گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا، آپ نے مجھے ایک کوڑا مارا اور فرمایا:

''تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلیف پہنچنے پر میں ساری رات اپنے نفس کو ملامت کرتا رہا۔ میں ساری رات سخت بے چین رہا۔ صبح ہوئی تو ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ میں نے کہا:

''میں ہی وہ ہوں، جس سے یہ خطاء ہوئی''۔

میں اس کے ساتھ ہولیا، اور ڈرتے ڈرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے جوتے سے میرا پاؤں دبا کر مجھے تکلیف پہنچائی، اور میں نے تمہیں ایک کوڑا مارا تھا، ــــ اس کے بدلے میں یہ اسّی بھیڑیں ہیں، انہیں لے جاؤ (یہ تمہاری ہیں)''۔

ایثار و ہمدردی:

صوفیاء کرام کا ایک اخلاقی وصف ایثار و ہمدردی بھی ہے، اسے قوتِ ایمانی، رحم اور شفقت اس جذبے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے، اسے قربان کر دیتے ہیں، اور جو کچھ نہیں ہوتا، اس پر صبر کرتے ہیں۔

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلخ کا ایک نوجوان مجھے لاجواب کر گیا۔ وہ نوجوان حج کے سفر کے دوران ہمیں ملا تھا، وہ مجھ سے پوچھنے لگا:

''زُہد کسے کہتے ہیں؟'' ــــ میں نے کہا:

''ہمیں اگر کچھ مل جائے تو کھا لیتے ہیں، ــــ اگر کچھ نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں''۔

میری بات سن کر وہ کہنے لگا:

''ہمارے بلخ کے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں''۔

www.waseemziyai.com

یہ سن کر میں نے اس سے پوچھا: تمہارے خیال میں زُہد کیا ہے؟''

وہ کہنے لگا:

''جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں، ـــ اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اسے ایثار کر دیتے ہیں (دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں)''۔

اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔

فراخ دل زاہد کی پہچان:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فراخدل زاہد کی پہچان کے لیے تین علامتیں ہیں:

- ـــ جمع کی ہوئی چیز کو خرچ کرتا ہے،
- ـــ کچھ کھو جائے تو اسے تلاش نہیں کرتا،
- ـــ اپنی خوراک دوسروں کو کھلا دیتا ہے۔

انصار کا مہاجرین کے لیے ایثار:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنونضیر کی جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے ارشاد فرمایا:

- ـــ اگر تم چاہو تو اپنے مال اور گھروں میں مہاجرین کو شریک کر لو، پھر تم اس مالِ غنیمت میں بھی ان کے شریک ہو جاؤ، اور
- ـــ اگر تم چاہو تو تمہارا مال اور تمہارے گھر تمہارے پاس رہیں، مگر تمہیں اس مالِ غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا''۔ (اس لیے کہ اس وقت مہاجرین کے پاس نہ گھر ہیں نہ مال۔)

اس کے جواب میں انصار نے عرض کیا:

''اپنے مہاجر بھائیوں کو ہم اپنے اموال اور گھروں میں برابر کا شریک کریں گے، اس کے علاوہ مالِ غنیمت بھی صرف انہی کا حق ہے، ہم اپنا حق ان کے حق میں ایثار کرتے ہیں۔ ہم اس میں ان کے شریک نہیں ہوں گے''۔

ان کے اس ایثار پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (پ۲۸، سورۂ حشر)

''اور وہ ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں پر خواہ انہیں کس قدر تنگی ہو''۔

کمال ایثار کی ایک مثال:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ جس کی ظاہری حالت بہت خستہ تھی۔ مجبوری کے باعث اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں سخت بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلائیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہات المومنین کے ہاں پیغام بھیج کر دریافت کرایا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو ہے، ـــ ان سب نے یہ

www.waseemziyai.com

کہلا بھیجا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے! ہمارے ہاں پانی کے علاوہ کوئی چیز نہیں''۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آج ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں جو ہم تمہیں کھلا سکیں''۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''کون ہے جو اس شخص کو آج رات مہمان رکھے، اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے''۔

انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! آج رات انہیں میں مہمان رکھوں گا''۔

یہ کہہ کر وہ اس شخص کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی بیوی سے کہا:

''یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے، اس کی خوب خاطر تواضع کرو، اور مہمان نوازی میں کوئی دریغ نہ رکھنا''۔

انصاری کی بیوی کہنے لگی:

''ہمارے گھر میں تو بچوں کے کھانے کے سوا اور کچھ بھی موجود نہیں''۔

انصاری نے کہا:

''بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ پھر چراغ جلا دینا۔ جب مہمان کھانا کھانے لگے تو چراغ کو درست کرنے کے بہانے اُٹھنا اور چراغ بجھا دینا۔ پھر ہم دونوں اس کے پاس بیٹھ کر اور کچھ کھائے بغیر منہ چلاتے رہیں گے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان پیٹ بھر کر کھالے''۔

یہ تجویز سن کر انصاری کی بیوی کھڑی ہوگئی۔ اس نے بچوں کو بہلا پھسلا کر بھوکا سلا دیا۔ پھر اس نے ثرید تیار کیا۔ اس کے بعد چراغ روشن کیا۔ جب مہمان نے کھانا شروع کیا تو میاں بیوی اس کے پاس بیٹھ گئے۔ بیوی چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے سے اُٹھی، اور چراغ کو بجھا دیا۔ پھر دونوں میاں بیوی مہمان کے پاس بیٹھ کر یوں منہ چلانے لگے جیسے وہ بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔ اس ترکیب سے مہمان نے خوب سیر ہو کر کھانا کھالیا۔ اور یہ دونوں بھوکے سو رہے۔

صبح ہوئی تو وہ انصاری، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے جیسے ہی انہیں دیکھا تو آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آج رات فلاں مرد اور اس کی بیوی (کے حسن عمل) کو بہت پسند کیا اور یہ آیت (ان کے تعریف میں) نازل فرمائی ہے:

''وہ ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں پر، خواہ انہیں کتنی ہی تنگی ہو''۔

ایثار در ایثار کی روشن مثالیں:

○ ــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو تحفہ میں بکری کی بھنی ہوئی سری بھیجی گئی۔ وہ بہت تنگ

حال تھے۔اس کے باوجود انہوں نے یہ تحفہ اپنے پڑوسی کو بھیج دیا۔انہوں نے آگے اپنے پڑوسی کو بھجوادیا۔اس طرح یہ تحفہ سات آدمیوں میں گردش کرتا رہا۔اورآخرکار پہلے صحابی کے پاس آ گیا۔ان کے اس ایثار پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

○ ــــ روایت ہے کہ شیخ ابوالحسن انطاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شہرِ رے کے قریبی ایک گاؤں میں تیس سے زیادہ آدمی جمع ہو گئے۔اس وقت ان کے پاس گنتی کی چند روٹیاں تھیں۔جن سے چار پانچ آدمیوں کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتا تھا۔چنانچہ انہوں نے ساری روٹیاں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔جب کھانے کے لیے بیٹھے تو چراغ بجھا دیا گیا۔کچھ دیر بعد چراغ روشن کیا گیا تو دیکھا کہ سارا کھانا ویسے کا ویسا ہی پڑا ہے۔ہر ایک نے دوسرے پر ایثار کیا اور کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔

○ ــــ حضرت حذیفہ العدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ یرموک میں اپنے بھتیجے کی تلاش میں میدانِ جنگ میں نکلا۔اس وقت میری چھاگل میں تھوڑا سا پانی تھا۔میں اس گمان میں تھا کہ اگر اس میں زندگی کی تھوڑی بہت رمق ہوئی تو یہ پانی میں اسے پلادوں گا۔اور اس کے منہ کو بھی پونچھ دوں گا،ــــ بالآخر وہ مجھے مل گیا۔میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تمہیں پانی پلاؤں'' ــــ اس نے اشارے سے کہا کہ ہاں! مجھے پانی پلادو،ــــ اتنے میں اس کے قریب پڑے زخمی شخص کے منہ سے آہ نکلی تو میرے بھتیجے نے کہا کہ یہ پانی اسے پلادو،ــــ یہ زخمی ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ تھے،جب میں پانی لے کر ان کے پاس پہنچا اور انہیں پانی پلانا چاہا۔ان کے برابر میں پڑے ہشام نامی ایک اور شخص نے پانی دیکھ کر آہ بھری۔تو ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میری بجائے اس زخمی کو پانی پلادو،ــــ جب میں پانی لے کر اس ہشام کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔اب میں ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔اس کے بعد میں اپنے بھتیجے کے پاس آیا،تو وہ بھی اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔یوں ہر ایک نے اپنی جان پر دوسرے کے لیے ایثار کیا اور کوئی بھی پانی نہ پی سکا۔

○ ــــ شیخ ابوالحسن بوشجی رحمۃ اللہ علیہ سے جواں مردی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''میرے خیال میں جواں مردی وہ ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے انصار کے بارے میں یوں فرمایا:

وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيمَانَ (پ۲۸،سورہ حشر)

''یہ وہ لوگ ہیں جو گھروں کو اور ایمان کو (مضبوطی سے) پکڑے ہوئے ہیں''۔

○ ــــ شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی سخاوت اور کرم کی وجہ سے ایثار کرتے ہیں،خواہ وہ خود بھوک اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں''۔

ایثار کی حقیقت کیا ہے؟:

(ایثار کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کئی بزرگانِ سلف نے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔)

○ ــــ حضرت شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ایثار یہ ہے کہ اپنے روحانی بھائیوں کے حصوں کو دنیا اور آخرت کے کاموں میں اپنے حصوں پر مقدم رکھا جائے''۔

○ ــــ ایک اور بزرگ کا فرمان ہے:

www.waseemziyai.com

''ایثار میں کسی کو ترجیح و فوقیت حاصل نہیں، اس میں ساری خلقت کے حقوق، ذاتی و نجی حقوق پر مقدم ہوتے ہیں، یعنی ایثار کے لیے کسی بھائی، دوست اور شناسا کا فرق پیش نظر نہیں رکھا جاتا''۔

○ ــــ شیخ یوسف بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''جو شخص خود کو کسی چیز کا مالک سمجھے، وہ صحیح طرح سے ایثار نہیں کر سکتا، اس لیے کہ وہ اپنی ملکیّت کا گمان کر کے اپنے آپ کو اس چیز کا زیادہ حق دار سمجھے گا، ــــ ایثار وہی شخص کر سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ سب چیزوں کا اللہ مالک ہے۔ جس کی دسترس میں جو کچھ ہے، وہ بس اتنے ہی کا حق دار ہے، ــــ لہٰذا اگر کسی کو کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ لازم ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے حاجت مند تک پہنچا دے''۔

حقیقی ایثار یہ ہے:

ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

''حقیقی ایثار یہ ہے کہ تم اپنا آخرت کا حصہ اپنے بھائیوں پر قربان کر دو، کیونکہ دنیا اس قدر معمولی چیز ہے کہ وہ نہ تو ایثار کی جگہ لے سکتی ہے اور نہ ہی وہ اس لائق ہے کہ ایثار کا لفظ اس کے ساتھ ذکر کیا جائے''۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک بزرگ اپنے کسی روحانی بھائی سے ملنے کے لیے گئے۔ اس کے ساتھ ملاقات میں شگفتہ مزاجی کا اظہار نہیں کیا۔ اس روحانی بھائی کو ان کا یہ خشک رویہ ناگوار گزرا۔ بزرگ اس بات کو بھانپ گئے اور اس سے فرمایا:

''اے میرے روحانی بھائی! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اس رحمت کے سو حصے ہوتے ہیں، جس میں سے نوے حصے اسے نصیب ہوتے ہیں جو زیادہ خوش مزاج ہوتا ہے، اور دس حصے اسے ملتے ہیں جو کم شگفتہ مزاج ہوتا ہے، ــــ میں نے چاہا کہ ہماری اس ملاقات کی بدولت رحمت کا کثیر حصہ تجھے مل جائے، اس لیے میں نے کم شگفتگی کا اظہار کیا ہے''۔

صوفیاء کرام کی صحبت کا فیض:

شیخ ابوبکر بن سعدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صوفیاء کرام کی صحبت اختیار کرے، اسے چاہیے کہ وہ بے نفس، بے دل اور بغیر ملکیّت کے ان کے ساتھ رہے، ــــ کیونکہ اگر وہ بنیادی اسباب کی طرف دھیان رکھے گا تو ان کی صحبت میں رہتے ہوئے بھی اپنا مقصد نہ پا سکے گا۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو حلال اور اپنی ملکیّت کو دوسروں کے لیے مباح تصور کرے''۔

تصوف کی بنیاد:

شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد تین خصلتوں پر ہے:

○ ــــ فقر اختیار کرنا،

www.waseemziyai.com

○ — سخاوت وایثار کرنا،

○ — اپنی کوشش اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا۔

ایک گھڑی زندگی کا ایثار:

صوفیاء کرام کے (معمولات اور نظریات کے) حوالے سے عباسی حکومت سے شکایت کی گئی اور صوفیاء کرام پر اتہامات لگائے گئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی فقاہت کی بدولت شاہی عتاب سے محفوظ رہے، مگر دیگر مشائخ کرام میں سے شیخ شمام، شیخ رقام اور شیخ ابوالحسن نوری کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کی گردن اُڑانے کا حکم دے دیا اور چمڑا بچھا دیا گیا۔ سب سے پہلے شیخ ابوالحسن نوری آگے بڑھے، ان سے اس سبقت کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے بھائیوں کے لیے ایک گھڑی کی زندگی کا ایثار کیا ہے''۔

سامانِ دنیا سالک کے لیے روا نہیں:

شیخ رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بار اپنے کسی ساتھی کے ہاں جانا ہوا۔ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا:

''وہ صوفی ہے اور اس کا دروزہ بند ہے، اس کا دروازہ توڑ دو''۔

لوگوں نے دروازہ توڑ دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''گھر کی سب چیزوں کو بیچ دیا جائے''۔

آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور سب چیزیں بازار میں لے جا کر کم قیمت پر بیچ دی گئیں۔ پھر سب لوگ آ کر گھر میں بیٹھ گئے۔ صاحب خانہ جب آئے تو انہوں نے گھر کا بدلا ہوا نقشہ دیکھا، یہ حال دیکھ کر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ دیر میں صاحبِ خانہ کی بیوی بھی آ گئی۔ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اس نے وہ چادر اتار کر پھینک دی اور کہنے لگی:

''گھر کے سامان میں سے یہ باقی رہ گئی ہے، اسے بھی بیچ دیا جائے''۔

اس کے شوہر نے کہا:

''تم نے اپنی خوشی سے یہ تکلیف کیوں اُٹھائی؟'' — اس نے کہا:

''چپ رہو، جب حضرت شیخ جیسے بزرگ ایسا حکم دے رہے ہیں تو پھر کسی طرح سے یہ مناسب نہیں کہ ہمارے پاس کوئی چیز بچ رہے''۔

مالِ دنیا ملاقات میں حائل ہو گیا:

ایک مرتبہ قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے تو ان کے بھائی ان کی عیادت کے لیے نہ آئے، جان بوجھ کر آنے میں تاخیر کر دی، — جب وہ حاضر نہ ہوئے تو لوگوں سے ان کے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتلایا:

''چونکہ انہوں نے آپ کا قرض دینا ہے، اس لیے وہ آنے میں خفت محسوس کر رہے ہیں''۔

یہ حقیقت حال سن کر آپ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''خدا غارت کرے اس مال کو جس نے بھائیوں کو بھائی سے ملنے سے روک دیا ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے یہ اعلان کرا دیا:

''جس شخص نے بھی قیس کا قرض دینا ہے، اس پر سے قیس کا قرض معاف کیا جاتا ہے''۔

یہ اعلان سننے کی دیر تھی کہ شام کو ان کی عیادت کے لیے اتنے لوگ آئے کہ ان کے گھر کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

سفید پوشی کا بھرم نہ رہا:

مذکور ہے کہ ایک صاحب نے اپنے دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ صاحب خانہ باہر آئے، علیک سلیک کے بعد پوچھا: ''کیسے آنا ہوا؟'' ـــ انہوں نے بتایا: ''میں چار سو درہم کا مقروض ہو گیا ہوں'' ـــ یہ سن کر صاحب خانہ گھر کے اندر چلے گئے۔ چار سو درہم کا وزن کر کے اپنے دوست کو پیش کر دیئے۔ جب وہ صاحب چار سو درہم لے کر چلے گئے تو صاحب خانہ کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ روتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ بیوی کو بڑی حیرت ہوئی۔ کہنے لگی:

''اگر تمہیں اتنی رقم دینا دشوار تھا تو اسے انکار کر دیتے، اب رونے کا کیا فائدہ!''

صاحبِ خانہ نے جواب دیا:

''یہ بات نہیں، مجھے اس لیے رونا آیا ہے کہ میں نے خود پہلے اس کا حال کیوں نہیں معلوم کیا، اسے اپنا حال کہنے کے لیے میرے پاس خود آنا پڑا''۔

قبیلہ اشعر کی ایک اچھی روایت:

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ اشعر کے لوگ جب جنگ میں تنگ دست ہو جاتے، اور ان کے اہل و عیال کے لیے کھانے پینے کے لیے تنگی آ جاتی، تو ان لوگوں کے پاس جو کچھ بھی کھانے پینے کا سامان ہوتا، اسے ایک چادر میں اکٹھا کر لیتے۔ اس کے بعد وہ ایک پیمانے سے سب میں برابر بانٹ دیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں''۔

جہاد کے دوران صحابہ کرام کا ایثار:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد پر تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو ارشاد فرماتے:

''اے مہاجرین و انصار! تمہارے کچھ بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ ہی کوئی ساز و سامان۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک دو یا تین ساتھی شامل کر لے تاکہ تمہیں بھی اونٹ کی سواری اسی طرح باری سے ملے جس طرح انہیں اپنی باری میں سواری ملتی ہے''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق میں نے اپنے ساتھ دو یا تین ساتھی سواری میں شریک کر لئے تھے۔ پھر ہم مساوی طور پر باری باری اونٹ پر سواری کرتے تھے۔

www.waseemziyai.com

انصار و مہاجرین کا بھائی چارہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن الربیع انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''میرا آدھا مال تمہارا ہے، اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو اس سے نکاح کر لینا''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور اہل وعیال میں برکت عطا فرمائے!''

سخی فطرت والا ہی صوفی ہوسکتا ہے:

پاک طینت اور طبعی شرافت ہی صوفی کو ایثار کے لیے مائل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صوفی تب ہی بناتا ہے کہ سخی جب اس کی فطرت میں سخاوت کا جذبہ ہو۔ اور اس کی سرشت میں سخاوت کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہو جائے، یعنی جو فطری طور پر سخی ہے، وہی صوفی بن سکتا ہے، کیونکہ سخاوت ایک فطری خوبی ہے۔ اور بخل اس کی مخالف صفت ہے۔ یہ نفسانی خوبی، نفسانی لوازم میں سے ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''جو نفس بخل اور خودغرضی سے محفوظ رہے، وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

یہاں فلاح کا حکم ان کے لیے دیا گیا جو بخل سے محفوظ رہیں۔ ارشادِ باری ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (پ۱، سورۂ بقرہ)

''جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے سیدھی راہ پر ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

''فلاح'' دونوں جہان کی سعادت کے لیے ایک جامع ترین لفظ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو ہلاک کرنے والا اور تین چیزوں کو نجات دینے والا قرار دیا۔ ہلاک کرنے والی چیزوں میں اس بخل کو بھی شمار کیا گیا جو عادت بن جائے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ نفس انسانی کے لوازم میں بخل اور خودغرضی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ نفس کی عنصری اصل مٹی ہے۔ جس کی خاصیت قبض و امساک یعنی سکڑنا اور روکنا ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص میں یہ خاصیت موجود ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے، مگر کسی کی فطرت میں سخاوت کا شامل ہونا ضرور تعجب کی بات ہے۔

جود و سخاوت میں فرق:

صوفیاءِ کرام کی فطرت میں وہ جذبہ پایا جاتا ہے جو انہیں سخاوت اور ایثار کی تحریک دیتا ہے، — سخاوت جود سے افضل و اعلیٰ صفت ہے، اس لیے کہ بخل جود کا متضاد ہے اور شح (خودغرضی و بخل) سخاوت کا متضاد ہے۔ جود و بخل دونوں ایسی صفات ہیں جو

www.waseemziyai.com

انسانی افعال کے بار بار واقع ہونے سے اس میں پختہ ہو جاتے ہیں اور انسان کو اپنا عادی بنا لیتے ہیں۔ جبکہ سخاوت اور شح (خود غرضی وبخل) فطری خصائل ہیں، ــــ اس لحاظ سے ہر سخی جواد ہو گا مگر ہر جواد سخی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سخاوت کو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ سخاوت طبعی وفطری وصف ہے، جبکہ اللہ کی ذات طبیعت وسرشت سے پاک ومنزہ ہے۔ جود میں ریا کاری اور دکھاوا ہے۔ اس کی بدولت انسان مخلوق سے معاوضے یا کسی حق کی توقع رکھتا ہے۔ یا پھر مخلوق سے تعریف اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کا خواہش مند ہوتا ہے۔

سخا میں ریا کاری اور دکھاوا نہیں:

سخا میں ریا کاری اور دکھاوے کا عمل دخل نہیں، کیونکہ وہ پاک نفس والوں اور بلند سرشت والوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ایسے بلند ہمت والے سخا کے بدلے میں نہ دنیا سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ آخرت میں کوئی صلہ۔ کیونکہ معاوضہ طلبی سے بخل جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ بخل کی بنیاد ہی معاوضہ چاہنا ہے۔

چنانچہ سخا فقط ایک خالص شے ہے اور وہ اہلِ صفا ہی کے لیے خاص ہے۔ اور اہلِ انوار کے لیے جائز ہے۔ اس ارشادِ باری میں انہی کی طرف اشارہ ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (پ۲۹، سورۂ دھر)

”درحقیقت ہم تمہیں فقط اللہ کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم میں سے کوئی بدلہ اور شکر گزاری نہیں چاہتے“۔

اس آیت میں کسی معاوضہ کی تمنا کیے بغیر کھانا کھلانے کی تردید کی گئی ہے۔ لہٰذا جو کام محض اللہ کے لیے کیا جاتا ہے، اس میں کسی بدلے کی خواہش نہیں ہوتی۔ ایسی فطرت اپنی پاک طینت ہونے کے باعث مقصدِ حق کی طرف کشش رکھتی ہے اور اس کا کوئی بدلہ نہیں چاہتی۔ یہی مکمل ترین سخا ہے، جو پاک فطرت لوگوں کا خاصہ اور شیوہ ہے۔

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس بس وہی ہوتا ہے جو مجھے (حضرت) زبیر رضی اللہ عنہ دیتے ہیں، میں اسی میں سے لوگوں کو دیتی ہوں“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”یہ درست ہے، تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنا بند نہ کرو، ورنہ جو رزق تمہیں ملتا ہے، وہ بند ہو جائے گا“۔

عفو ودرگزر:

عفو و درگزر بھی صوفیاء کرام کے اخلاق میں سے ہے، اس خصوصیت کے باعث وہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، ــــ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”احسان یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے، اس کا بدلہ بھلائی سے دو، کیونکہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا ایک طرح سے تجارت ہے اور بازار کا لین دین ہے کہ ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے ہاتھ سے لے لیا“۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احسان کو مخصوص نہیں رکھنا چاہیے بلکہ عام ہونا چاہیے۔ جس طرح کہ سورج کی روشنی، ہوا اور بارش ہر ایک کے لیے (عام) ہے، کسی کے لیے مختص نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شبِ معراج) میں نے جنت میں اونچے اور شاندار محل دیکھے تو جبریل سے پوچھا:

''یہ محل کن لوگوں کے لیے ہیں؟'' ـــــ جبریل نے کہا:

''یہ محل ان لوگوں کے لیے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں''۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسلمانو! تم ہرجائی نہ بن جاؤ اور یہ کہنے لگو:

○ ـــ اگر لوگ ہم پر احسان کریں گے تو ہم بھی ان پر احسان کریں گے،

○ ـــ اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے،

بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو، اور اگر وہ تم پر ظلم کریں تو اس کے بدلے میں تم ظلم نہ کرو''۔

کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جب بھی ایک شخص سے ملنے جاتا ہوں تو وہ نہ مجھے اپنا مہمان بناتا ہو اور نہ ہی مجھے کھانا کھلاتا ہے، اگر وہ میرے پاس آئے تو کیا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ اختیار کروں، ـــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نہیں، بلکہ تم اسے کھانا کھلاؤ''۔

تین باتیں برحق ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ایک شخص آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ وہ خاموش رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکراتے رہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتیں پلٹ کر اسے کہہ دیں۔ یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی نہ لگی۔ اور آپ ناگواری سے وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب اس نے مجھے بُرا بھلا کہا تو آپ مسکراتے رہے، ـــ اور جب میں نے اس کی کہی باتیں اس پر پلٹ دیں تو آپ ناخوش ہو کر مجلس سے تشریف لے آئے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تک تم خاموش رہے تو تمہاری بجائے فرشتہ اس کا جواب دیتا رہا، لیکن جب تم بولنے لگے تو شیطان آ گیا۔ چنانچہ میں اس مجلس میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں، جہاں شیطان موجود ہو، ـــ اے ابوبکر! تین باتیں برحق ہیں:

www.waseemziyai.com

○ — اگر کسی پر ظلم کیا جائے اور وہ ظالم کو معاف فرمادے تو اللہ اس کی مدد فرماتا ہے،

○ — اگر کوئی شخص مال کی کثرت کے لیے (مال بڑھانے کے لیے) لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کی قلت کو بڑھاتا ہے۔

○ — اگر کوئی اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لیے بخشش اور سخاوت کرتا ہے یا صلۂ رحمی کا معاملہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کثرت عطا فرماتا ہے''۔

جواں مردی کیا ہے؟:

حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جواں مردی یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کی لغزشوں کو معاف کر دیا جائے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صلۂ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی کے بدلے میں ایسا کرے، بلکہ صلۂ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ اگر تم اس سے قطع تعلق کر لو تو بھی وہ صلۂ رحمی کو برقرار رکھے''۔

مکارم اخلاق یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مکارم اخلاق اس کا نام ہے:

○ — اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو اسے معاف کر دو،

○ — جو تم سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ تعلق کو باقی رکھو،

○ — جو تمہیں محروم کرے، تم اسے عطا کرو''۔

خندہ روئی اور خندہ پیشانی:

خندہ روئی اور خندہ پیشانی بھی صوفیاءِ کرام کے اخلاق میں سے ہے، صوفی اگر تنہائی میں روتا ہے تو لوگوں کے سامنے خوش باش اور ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے دل کے انوار و تجلیات اس کے چہرے پر شگفتگی بن کر جھلکتے ہیں۔ اس کا باطن روحانی منازل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ کی طرف سے ایسے انعامات اترتے ہیں جن کی بدولت اس کا قلب سرور و مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ (شگفتہ مزاجی اسی کی جھلک ہوتی ہے۔) جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۔ (پ۳۰، سورۂ عبس)

''اس دن (بہت سے) چہرے روشن، ہنستے ہوئے خوش باش ہوں گے''۔

مشائخ کرام کا کہنا ہے کہ اس دن چہرے اس لیے روشن ہوں گے کہ وہ اللہ کی راہ میں طویل عرصے تک غبار آلود رہے ہیں۔ چہرے پر قلب کے نور کا ایسا ہی عکس پڑتا ہے جیسے چراغ سے شیشے اور چراغ جگمگا اٹھتے ہیں۔ گویا:

www.waseemziyai.com

چہرے چراغ دان ہیں، ـــ اور دل شیشہ ہے، ـــ اور روح چراغ ہے

یعنی روح کے نور سے جب دل کا شیشہ جگمگا اٹھتا ہے تو چہرے کے چراغ دان بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ پھر جب دل روحانی مکالمے کی لذت سے لطف اٹھاتا ہے تو چہرے پر شگفتگی آ جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

○ ـــ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِیۡمِ ○ (پ ۳۰، سورۂ تطفیف)

''تم ان کے چہروں پر نعمتوں کی تروتازگی کو پہچان لوگے''۔

○ ـــ وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (پ ۲۹، سورۂ قیامت)

''اس دن (یعنی قیامت کے دن) چہرے تروتازہ ہو کر اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

یعنی قیامت کے دن جب پروردگار کی طرف نظریں اُٹھیں گی تو چہرے تروتازہ ہو جائیں گے۔ اربابِ مشاہدہ یعنی صوفیاء کرام کی نگاہیں مشاہدہ کے نور سے منور ہو چکی ہوں گی اور ان کے قلوب کے آئینے آبدار ہو جائیں گے۔ آبدار قلوب پر جب عکس پڑے گا تو وہ جگمگا اُٹھیں گے، جس طرح صیقل کیے ہوئے آئینے پر سورج کا عکس پڑتا ہے تو اس کی پرچھائیں سے دیواریں بھی روشن ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ۔

''ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار ہیں''۔

اور جب چہرہ جو جسمانی قالب ہے، وہ پرچھائیوں سے متاثر ہو سکتا ہے تو وہ جمالِ الٰہی کے مشاہدہ سے کیونکر متاثر نہ ہو گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نیکی اور معروف صدقہ ہے، اور معروف شے یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملو، ـــ اور یہ بھی نیکی ہے کہ تم ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈالو''۔

شیخ سعد بن عبدالرحمٰن زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

''مجھے فقراء میں سے وہ پسند ہے جو ہنس مکھ ہو، نرم خو اور شگفتہ مزاج ہو، ـــ لیکن ایسا شخص کہ جسے تم شگفتہ مزاجی اور خندہ پیشانی سے ملو، مگر وہ تم سے ایسی ترش روئی سے پیش آئے، گویا وہ تم پر احسان کر رہا ہے، تو اللہ ایسے فقراء میں کوئی اضافہ نہ کرے''۔

نرم مزاجی و ملنساری:

لوگوں کے ساتھ نرم مزاجی، تواضع، ملنساری اور بے تکلفی کے ساتھ میل جول بھی صوفیاء کرام کا اخلاقی وصف ہے۔ اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش مزاجی کے چند واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ صوفیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کے پیروکار ہیں۔ لہٰذا ان میں اس خوبی کا پایا جانا ضروری ہے، ـــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''ہاں! میں مزاح کرتا ہوں مگر حق بات کہتا ہوں''۔

اس حوالے سے ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک بدوی زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو ہمیشہ ایک نئی چیز تحفہ کے طور پر پیش کرتے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ کے بازار میں کچھ خریداری کرتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کمر کی طرف سے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا۔ انہوں نے پیچھے کی طرف دیکھا تو خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بانہوں میں پایا۔ انہوں نے فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہے کوئی جو اس غلام کو خریدے''۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! اس صورت میں آپ مجھے کھوٹا پائیں گے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مگر اللہ کے ہاں تم بہت نفع دینے والے ہو'' ـــــ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

''ہر شہری کا ایک بادیہ نشیں ہے، اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بادیہ نشیں زاہر بن حرام ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شگفتہ مزاجی:

○ ـــ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض گزار ہوا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اونٹ کی سوار کرادیجیے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا''۔

اس نے عرض کیا:

''حضور میں نے تو آپ سے اونٹ کی سواری کے لیے عرض کیا ہے، اور آپ مجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کرا رہے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اونٹ بھی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے''۔

○ ـــ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھجوریں پڑی تھیں، آپ ان میں سے تناول فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آؤ، تم بھی کھاؤ!'' ـــ حسب الارشاد میں بھی کھانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم کھجوریں کھا رہے ہو، حالانکہ تمہاری آنکھیں دُکھ رہی ہیں''۔

میں نے عرض کیا: ''حضور! اب میں دوسری طرف سے چبالوں گا''۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

www.waseemziyai.com

○ —— حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھے فرمایا:

''اے دو کان والے!''

○ —— اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تنہا ہوتے تھے تو کیا اسی طرح (شگفتہ مزاج) رہتے تھے؟ —— آپ نے فرمایا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نرم خو اور ہنس مکھ تھے، ہر وقت ہنستے مسکراتے رہتے''۔

○ —— اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور موقع پر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ دوڑ لگائی۔ پہلی بار دوڑ میں، میں آپ سے آگے نکل گئی۔ دوسری بار کی دوڑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے''۔

○ —— حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کیا کرتے تھے، آپ خوش طبعی سے میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے:

یَا اَبَا عمیر! مَا فَعَلَ النُّغَیر۔

''اے ابو عمیر! ننھی چڑیا نے کیا کیا'' —— (رعایت لفظی سے مزاح کی یہ احسن مثال ہے۔)

○ —— اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حریرہ پکایا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''تم بھی کھاؤ'' —— انہوں نے انکار کیا۔ میں نے پھر کہا کہ کھاؤ —— انہوں نے پھر انکار کیا۔ تب میں نے کہا:

''تمہیں کھانا پڑے گا، اگر نہیں کھاؤ گی تو میں حریرہ تمہارے چہرے پر مل دوں گی''۔

انہوں نے تیسری بار بھی کھانے سے انکار کیا تو میں نے حریرے میں ہاتھ ڈال کر ہاتھ بھر لیا، اور ان کے چہرے پر حریرہ مل دیا، —— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، اور اشارے سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے منہ پر حریرہ مل دو، —— چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے میرے منہ پر بھی حریرہ مل دیا۔ اتنے میں دروازہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آواز دی: ''اے عبداللہ! —— اے عبداللہ!!'' —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دونوں کھڑی ہو جاؤ اور اپنے منہ دھولو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اس وقت سے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرنے لگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا لحاظ فرماتے تھے''۔ (ورنہ آپ ہم دونوں سے جلدی جلدی منہ دھونے کے لیے نہ فرماتے اور اس حالت سے مزید لطف اُٹھاتے۔)

www.waseemziyai.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوش مزاجی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ پُر لطف گفتگو اور آپس میں مذاق کرتے تھے۔ حضرت بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک دوسرے پر خربوزے پھینکتے تھے، مگر جس وقت حقائق کی باتیں ہوتی تھیں تو مرد میدان بن جاتے تھے۔

○ ـــ ایک روایت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم میں دوڑ ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیت گئے تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"رب کعبہ کی قسم! میں تم سے آگے بڑھ گیا"۔

اس کے بعد جب دوبارہ مقابلہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے، اور انھوں نے فرمایا:

"رب کعبہ کی قسم! میں تم سے آگے بڑھ گیا"۔

○ ـــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا:

"آؤ تیراکی میں مقابلہ ہو جائے کہ ہم میں سے کس کا سانس لمبا ہے"۔

حالانکہ اس وقت ہم احرام باندھے ہوئے تھے۔

تابعین کرام کی خوش مزاجی:

○ ـــ کسی نے ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں بیان کیا کہ وہ بچوں کے ساتھ بچے اور بوڑھوں کے ساتھ بوڑھے بن جاتے تھے، اور جب اکیلے ہوتے، تب بھی خوش مزاج ہوتے۔

○ ـــ معاویہ بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے کہ ہم محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے شاعری کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی ہم ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے، کبھی وہ ہم سے مذاق کرتے تھے۔ ہم عموماً ان کی مجلس سے ہنستے ہوئے نکلتے تھے۔ مگر جب ہم حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں جاتے تو وہاں سے روتے ہوئے نکلتے تھے۔

بہر حال جو احادیث اور روایات پیش کی گئیں، ان سے صوفیاء کرام کی خوش مزاجی اور نرم خوئی کا پتہ چلتا ہے، وہ اپنی خانقاہ میں بھی شگفتہ مزاج رہتے تھے اور زائرین سے ان کی طبیعتوں کے مطابق سلوک کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی رحمت وسیع و عریض ہے، ـــ مگر جب یہ حضرات گوشہ نشین ہوتے تو ایک مدبر اور بہادر آدمی کا رویہ اپنا لیتے، اور اعمال و احوال کا لبادہ اوڑھ لیتے۔

اسی طرح ایک صوفی بھی اگر چاہے تو اعتدال کی راہ اپنا سکتا ہے، لیکن وہی:

○ ـــ جسے اپنے نفس پر قابو ہو،

○ ـــ جسے نفس کے رجحانات اور اس کی جبلتوں کا علم ہو،

○ ـــ جو نفس کی نگہداشت کر سکتا ہو،

www.waseemziyai.com

○ ـــ وسعتِ علمی کے ذریعے افراط وتفریط سے دامن کو پاک رکھ سکتا ہو۔

مبتدی مرید مزاح سے گریز کریں:

جو مرید تربیت کے ابتدائی مراحل میں ہیں، انہیں بکثرت مزاح کے رویے سے گریز کرنا چاہیے، بلکہ اس طرف توجہ نہیں دینی چاہیے۔ اس لیے کہ:

○ ـــ ان میں علم کی کمی ہے،

○ ـــ نفس کی معرفت سے بخوبی واقف نہیں۔

اس لیے خدشہ ہے کہ وہ اعتدال کی راہ سے آگے نہ بڑھ جائیں، ـــ وجہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر نفس، بہت زیادہ ہیجان کا شکار ہو جاتا ہے، جس سے اس میں سرکشی اور بدمستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے:

○ ـــ عوام کے مزاج کی موافقت کرنا،

○ ـــ ان کے مزاج کے مطابق ان سے پیش آنا،

○ ـــ ان سے گفتگو کرنا یا ان کے ساتھ مزاح میں شریک ہونا،

ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ایسا صرف انہی کے لیے موزوں ہے جو روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہوں، ـــ چنانچہ ایسے موقع پر جب عوام کے مزاج کی موافقت کرنے کے لیے وہ اپنے بلند مقام سے نیچے آتے ہیں تو اپنے علم کی روشنی میں اترتے ہیں۔ اور جو صفائے حال کے ساتھ بلند مقام تک نہیں پہنچے، ان کی طبیعتوں میں مزاح کا مادہ پایا جاتا ہے، نفس کی سرکشی اور طبعی رجحانات کا کچھ حصہ موجود ہے، جو بُرائی کی طرف لے جا سکتا ہے، ـــ تو ایسے لوگ جب عوام کی محفلوں اور صحبتوں میں شریک ہوں گے تو ان کا نفس:

○ ـــ ان لذتوں سے لطف اندوز ہوگا،

○ ـــ اپنی مطلب براری کو غنیمت سمجھے گا،

○ ـــ شریعت کے جائز کردہ کاموں سے راحت وتسکین حاصل کرے گا،

حالانکہ اس قسم کی رخصت اور سہولت ان کے لیے پسندیدہ ہے جنہوں نے اپنے وقت کا کثیر حصہ مہمات کو سر کرنے میں صرف کیا، مگر یہ بات مبتدی کے حسبِ حال ہے نہ موزوں ومناسب۔

الحاصل: صوفیاء کرام میں جو اہلِ علم حضرات ہیں وہ مذکورہ بالا صفات واوصاف کے ذریعے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں دل کی ضرورتوں اور تقاضوں کے بارے میں اچھی طرح پتہ ہے۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے جب کوئی چیز استعمال کی جائے تو سب سے پہلے اپنی ضرورت کا اچھی طرح سے اندازہ کر لینا چاہیے تاکہ افراط وتفریط کا خدشہ نہ رہے۔ ضرورت کا اندازہ لگانا ایک نہایت باریک بینی کا کام ہے، جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

www.waseemziyai.com

ظرافت میں اعتدال:

(یوں تو زندگی کے لیے میانہ روی اور اعتدال و توازن حسن کا درجہ رکھتے ہیں، اسی طرح ظرافت میں بھی اعتدال کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔) حضرت سعد بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ظرافت و مزاح میں افراط سے بچو اور اعتدال رکھو کیونکہ اس کے افراط سے رعب قائم نہیں رہتا۔ یوں بے وقوف افراد تم پر دلیر ہو جاتے ہیں، ــــ ظرافت اور خوش مزاجی کو بالکل ترک کر دینا بھی ٹھیک نہیں۔ اس کے ترک کرنے سے:

- ــــ دوست ناراض ہو جاتے ہیں،
- ــــ مصاحبوں کو بیزاری اور وحشت ہونے لگتی ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

''مزاح سے رعب باقی نہیں رہتا اور بھائی چارہ ختم ہو جاتا ہے'' ــــ

جس طرح مزاح میں اعتدال کی پہچان ذرا مشکل ہے، اسی طرح مزاح کے اعتدال کو قائم رکھنا بھی دشوار ہے، ــــ مزاح انسانی خصائص کا حصہ ہے جو اسے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ہنسی ہمیشہ کسی عجیب بات پر آتی ہے جبکہ تعجب غور و فکر کے باعث ہوتا ہے۔ غور و فکر:

- ــــ وہ کیفیت و حالت ہے جو انسان کے لیے شرافت و بزرگی کا موجب ہے،
- ــــ انسان کی ایک ممتاز خصوصیت ہے،

مزاح کے اعتدال سے وہی لوگ بخوبی واقف ہو سکتے ہیں، جو علم میں راسخ اور ثابت قدم ہوں۔ اسی لیے یہ بات معروف ہے:

- ــــ بہت زیادہ ہنسنے سے بچو کہ اس سے دل مردہ ہو جاتے ہیں،
- ــــ کثرت سے ہنسنا، رعونت کی نشانی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس سے نفرت کرتا ہے جو:

- ــــ خود پسندی کے بغیر بہت زیادہ ہنسنے والا ہو،
- ــــ بغیر کسی وجہ کے بہت زیادہ چغل خوری کرنے والا ہو،

ظرافت اور مزاح میں فرق:

ظرافت اور مزاح میں بڑا باریک فرق ہے۔ اگر ظرافت اور لطیفہ گوئی کو سنجیدگی کے ساتھ اپنایا جائے تو اس سے سننے والے کو غصہ نہیں آتا، ــــ مزاح کو اگر سنجیدگی کے انداز میں بیان کیا جائے تو اس سے غصہ آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

www.waseemziyai.com

نے نماز میں قہقہہ لگانے کو گناہ قرار دیا ہے، اور یہ کہ:

○ — قہقہہ لگانے سے وضو باطل ہو جاتا ہے،

○ — کسی چیز سے (مثلاً وضو یا نماز سے) خارج ہونا گناہ کا قائم مقام ہے۔

مزاح اور ہنسی میں اعتدال:

مزاح اور ہنسی میں اعتدال اس صورت میں قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس میں خوف، تنگ دلی اور ہیبت کے تنگ مقامات سے خارج ہو کر ظاہر ہو۔ اس طرح کے تنگ مقامات پر اس کا توازن اور اعتدال قائم رہتا ہے (کیونکہ جہاں کوئی رکاوٹ نہ ہو، وہاں پر وہ یا تو افراط کی حد میں داخل ہو جائے گا یا پھر تفریط کی حد کو چھو لے گا۔) — کیونکہ:

○ — خوشی اور اُمید، یہ دونوں مزاح اور ہنسی پیدا کرتے ہیں،

○ — خوف اور ہیبت، یہ دونوں اسے اعتدال پر رکھتے ہیں۔

سادگی اور بے تکلّفی:

صوفیاء کرام کے اخلاق کی دیگر خصوصیات میں سادگی اور بے تکلّفی بھی شامل ہیں، تصنّع اور بناوٹ کا دوسرا نام تکلّف ہے۔ یعنی دوسروں کی خاطر نفس پر دباؤ ڈالنا، — تکلّف، صوفیاء کرام کے پاکیزہ حالات کے بالکل منافی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تقدیر سے تصادم کرنے اور قسّامِ ازل کی رضا کے خلاف چلنے کا شبہ ہوتا ہے۔

حالانکہ تصوف کا دوسرا نام ترکِ تکلّف ہے۔ کیونکہ تکلّف سراسر تخلف یعنی تنزل ہے۔ تکلّف ہی کے باعث انسان صادقین یعنی مخلص بندوں کی راہ سے ہٹ جاتا ہے۔

عہدِ رسالت میں سادگی کے مظاہر:

○ — حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعوتِ ولیمہ[1] میں شریک ہوا۔ جس میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت تھا۔

○ — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے کچھ احباب آئے۔ آپ نے ان کی ضیافت کے لیے ان کے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا۔ اور فرمایا:

''کھاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ سرکہ بہت اچھا سالن ہے''۔

○ — حضرت سفیان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے نمک اور روٹی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہمیں تکلّف کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں یقیناً تمہارے لیے (کھانے میں) تکلّف کرتا (یعنی اچھے اچھے کھانے کھلاتا)''۔

---

[1] — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس موقع پر منعقدہ ولیمہ میں حاضرین کی محض کھجوروں سے ضیافت کی گئی تھی۔

www.waseemziyai.com

تکلّف کرنا ہر کام میں ناپسندیدہ ہے۔ جیسے کہ:

○ —— لوگوں کے سامنے لباس میں تکلّف کرنا خواہ تکلّف کی نیت نہ بھی ہو،

○ —— گفتگو میں تکلّف کرنا،

○ —— بہت زیادہ خوشامد کرنا بھی تکلّف کی شکل ہے، جو زمانہ حال کے لوگوں کا چلن بن گیا ہے،[1]

چنانچہ اس دور میں چند افراد کے علاوہ کوئی بھی خوشامد سے محفوظ نہیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ بہت سے خوشامدی بھی یہ نہیں جانتے کہ وہ خوشامد کر رہے ہیں۔ بعض لوگ خوشامد میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ وہ سراسر منافقت بن جاتی ہے۔ یہ معاملہ ایک صوفی کے احوال کے خلاف ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حیا اور عاجزانہ گفتگو ایمان کی علامت ہے، —— اور فحش کلامی اور چرب زبانی (کثرتِ کلامی) نفاق کی علامت ہے''۔

یہاں بیان سے مراد کثرت سے بولنا، لوگوں کی بے جا خوشامد و بے جا تعریف کرنا اور اپنی زبان دانی کا اظہار ہے جو اہلِ صدق وصفا کی شان کے لائق نہیں۔

○ —— حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے دوست کے ہمراہ ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے گیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے جَو کی روٹی اور جَو کا نمکین دلیا پیش کیا۔ میرا دوست کہنے لگا:

''اگر اس دلیہ کے ساتھ پودینہ بھی ہوتا تو اور زیادہ لذیذ (اور خوشبودار) ہو جاتا''۔

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے اور اپنا لوٹا رہن رکھ کر پودینہ خرید لائے، جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے دوست نے کہا:

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے رزق پر قناعت بخشی''۔

یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر تم اپنے رزق پر قناعت کرتے تو میرا لوٹا گروی نہ ہوتا''۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ:

حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک بار ان کے بھائی ان سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کی مہمان نوازی کے لیے ان کے سامنے جَو کی روٹی کے کچھ ٹکڑے پیش کیے۔ اس کے ساتھ وہ ساگ بھی رکھا جو خود کاشت کیا تھا۔ پھر بھائی سے کہنے لگے:

''اللہ تعالیٰ نے اگر تکلّف کرنے والوں پر لعنت نہ کی ہوتی تو میں تمہارے لیے ضرور تکلّف کرنا''۔

---

[1] —— صاحب کتاب یہ چھٹی صدی ہجری کا حال بیان فرما رہے ہیں، تو اب پندرھویں صدی میں خوشامدیوں کو جو حال ہے، وہ کسی سے اوجھل نہیں ہے۔

www.waseemziyai.com

مہمان نوازی میں تکلّف نہ کرو:

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی تمہارے پاس ملنے کے لیے آئے تو جو کچھ حاضر ہو، وہ مہمان کے لیے پیش کر دو، — اور جب تم کسی سے ملنے کے لیے جاؤ تو کچھ باقی نہ چھوڑو۔

رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

"یا اللہ! تو میری امت کے ان لوگوں کی مغفرت فرما جو میری اُمت کے مرحومین کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں، — اور (معاشرتی اُمور میں) تکلّف نہیں کرتے۔ کیونکہ میں اور میری اُمت کے نیک بندے تکلّف سے بیزار ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکلّف سے بیزاری:

روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّاۙ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًاۙ وَّ زَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًاۙ وَّ حَدَآىِٕقَ غُلْبًاۙ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّاۙ (پ ۳۰، سورۂ عبس)

"ہم نے اس زمین میں غلہ اور انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت، گھنے باغات، میوے اور چارہ پیدا کیا"۔

یہ آیت پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ ہمیں ان سب الفاظ کے معانی معلوم ہیں مگر ابّا کے کیا معنی ہیں، اس کا علم نہیں، — اس وقت آپ کے ہاتھ میں عصا تھا، اسے زمین پر مارتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم! یہ تکلّف ہے، — چنانچہ اے لوگو! جو تم سے بیان کیا جائے اسے قبول کرو، — جو تمہیں معلوم ہے اس پر عمل کرو، — اور جو تمہیں معلوم نہ ہو اس کا علم اللہ کے حوالے کر دو"۔

کھلے ہاتھ خرچ کرنا، ذخیرہ نہ کرنا:

صوفیاء کرام کی اخلاقی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کھلا خرچ کیا جائے اور (مال و منال) جمع نہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے خزانوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے کوئی سمندر کنارے کھڑا ہو اور اپنے مشکیزے اور پکھال میں پانی نہ بھرے، — (صوفیاء کرام کے سامنے مال و متاع کے ڈھیر لگے ہیں، لیکن وہ جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ دو فرشتے پکار نہ رہے ہوں:

- — ایک فرشتہ کہتا ہے کہ الٰہی! تو سخاوت کرنے والے کو اجر عطا فرما،
- — دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ الٰہی! تو بخیل کو ہلاکت میں ڈال دے"۔

www.waseemziyai.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کے لیے ذخیرہ نہیں فرماتے تھے، — ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین پرندے تحفے کے طور پر بھیجے گئے، آپ کے خادم نے ان میں سے ایک پکا کر آپ ﷺ کے حضور پیش کیا۔ اگلے دن خادم دوسرا پرندہ پکا کر لایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آنے والے دن کا رزق عطا فرماتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''بلال یہ کیا ہے!'' — عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میں نے انہیں ذخیرہ کیا ہے''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے بلال! اس سے ڈرو جس نے تمہیں رزق دیا ہے، اسے خرچ کرو اور عرش والے رب سے قلت کا اندیشہ نہ رکھو''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گزر اوقات:

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی گزر اوقات کے معاملات اس طرح سے تھے کہ آپ درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھایا کرتے تھے اور بالوں سے بُنا ہوا کپڑا پہنتے تھے، — جہاں کہیں رات ہو جاتی، اسی جگہ رات بسر کر لیتے تھے،

- — نہ ان کے کوئی اولاد تھی کہ جس کی موت کا خدشہ ہو،
- — نہ کوئی گھر تھا کہ ویران ہو جاتا،
- — نہ ہی وہ آئندہ کے لیے کچھ بچا کر رکھتے تھے۔

اور صوفی کی حالت یہ ہے کہ اس کا کل سرمایہ اللہ کے خزانے ہیں، اس لیے اسے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ اور مکمل توکل ہے، — دنیا صوفی کے لیے ایک سرائے کی طرح ہے کہ اسے: نہ اس میں رہنا ہے، نہ اس کے لیے مال بڑھانا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم اللہ پر ویسا ہی توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے۔ تو وہ تمہیں بھی اسی طرح رزق دیتا جس طرح کہ ان پرندوں کو رزق دیتا ہے جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے اور شام کے وقت سیر ہو کر لوٹتے ہیں''۔

نبی پاک ﷺ کی سخاوت:

- — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، آپ نے سائل کو کبھی ''نہ'' نہیں فرمایا۔
- — ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سوال کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو بھی آپ سائل کا سوال پورا کرنے کا وعدہ فرماتے تھے۔
- — امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے کی روایت مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''روئے زمین پر کوئی قبیلہ، کوئی خاندان یا کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میں نہ گیا ہوں، مگر میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا نہیں پایا''۔

صوفیاء کا ایک وصف قناعت بھی ہے:

صوفیاء کرام کے اخلاقی اوصاف میں سے ایک وصف قناعت بھی ہے، یعنی دنیا کی تھوڑی چیز پر گزر کرنا، اسے کافی سمجھنا،۔۔۔

- حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
  ''جو قناعت اختیار کرتا ہے وہ اپنے زمانے والوں سے آرام پاتا ہے اور اپنے ساتھیوں پر غالب رہتا ہے''۔
- حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
  ''قناعت کے باعث اگر خودداری اور عزت قائم رہ سکے تو ایک قناعت پسند کے لیے یہ بھی بہت ہے''۔
- بنان الحمال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے:
  ''طمع آزاد شخص کو بھی اسیر کر ڈالتی ہے، جبکہ قناعت اسیر کو بھی آزاد کر ڈالتی ہے''۔
- کسی صوفی کا ارشاد ہے:
  ''جس طرح تو قصاص کے ذریعے اپنے دشمن سے بدلہ لیتا ہے، اسی طرح قناعت کے ذریعے اپنی حرص سے بدلہ لے''۔
- حضرت شیخ ابوبکر فراغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
  ''سمجھ دار وہ ہے جو قناعت اور سوچ بچار سے اپنے دنیا کے کام سرانجام دے، اور حرص اور عُجلت سے آخرت کے کام سرانجام دے''۔
- حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
  ''جو اپنے رزق میں قناعت اختیار کرتا ہے، وہ آخرت کو پالیتا ہے، اس کی دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہو جاتی ہے''۔
- امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:
  ''قناعت ایسی تلوار ہے جس کا وار خالی نہیں جاتا''۔

قناعت اور فرمانِ نبوی ﷺ:

- عبدالرحمٰن بن ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
  ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے جبکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے:
  ''قلیل مگر کفالت کرنے والی چیز اس چیز سے بہتر ہے جو کثیر ہو اور اللہ کی یاد سے غافل کر دے''۔
- ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:
  ''جس شخص نے اسلام قبول کیا اور اس کا رزق اس کے لیے کافی ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو وہ انسان کامیاب ہے''۔

www.waseemziyai.com

○ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"یا اللہ! آلِ محمد ﷺ کو اتنا رزق عطا فرما جو گزارے لائق ہو"۔

○ — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"قناعت ایسا مال ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے"۔

○ — حضرت عبداللہ بن محصن رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس کی امن و امان کے ساتھ اپنے گھر میں صبح ہوئی اور وہ تندرست ہے، اور اس کے پاس ایک دن کا رزق موجود ہو تو یوں سمجھو ساری دنیا اس کی جیب میں ہے"۔

○ — قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ○

"ہم اسے پاکیزہ اور عمدہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے"۔

○ — حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! تم کتاب اللہ کے ظروف اور حکمت کے سرچشمے بن جاؤ، اور خود کو مرحومین میں شمار کرو، — اللہ سے اپنے رزق روز کے روز مانگا کرو، — اور اگر تمہیں رزق کثرت سے نہ ملے تو تمہیں اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا"۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں: اس آیت میں قناعت کی زندگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ صوفی عمل کے ذریعے اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے۔ نفس کے رجحانات کے بارے میں جانتا ہے۔ قناعت کے فوائد سے بخوبی واقف ہے۔ اور نفس کی اصلاح کے طریقوں سے آگاہ ہے، اسے معلوم ہو کہ نفس کا مرض کیا ہے اور اس مرض کا علاج کیا ہے۔

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس طرح زُہد سے ورع اور پرہیزگاری حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح رضا کے ذریعے قناعت حاصل ہوتی ہے"۔

حلم اور بُردباری:

صوفیاء کرام کی ایک اخلاقی خصوصیت حلم اور بُردباری بھی ہے، — یعنی نہ وہ جھگڑا کرتے ہیں اور نہ خواہ مخواہ غصہ کرتے ہیں، جبکہ وہ معاملہ حق کے لیے ہو، دنیا کے لیے نہ ہو، — وہ نرمی اور تحمل کو اختیار کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جھگڑا کرنے والے کے نفس میں بالعموم ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔

صوفی اپنے کسی مخلص اور دوست کے نفس میں جب ہیجان کو ظاہر ہوئے دیکھتا ہے تو اپنے حلیم قلب کے ذریعے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ قلب حلیم جب نفس کے مقابل ہو تو اس کی وحشت دور ہو جاتی ہے۔ اس کا فتنہ مٹ جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○

"تم بہترین طریقے سے مدافعت کرو تا کہ جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے، وہ جلد ایسے ہو جائے جیسے وہ ایک

گہرا دوست ہے''۔

جن پاک نفسوں میں کینہ نہیں رہا، ان کی جبلت بھی کینہ سے پاک ہو جاتی ہے۔ اگر نفس میں کینہ موجود ہے تو اس کی جبلت سے کینہ کا نکلنا ممکن نہیں۔ جب باطن سے لڑائی جھگڑے کی کشمکش دور ہو جائے تو ظاہری طور پر بھی لڑائی جھگڑا دور ہو جاتا ہے، — کینہ پیدا ہونے کی کوئی ایک وجوہ ہیں۔ کینہ ایک دوسرے سے حسد کرنے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن زُہد وتقویٰ کی آگ سے جس کا نفس نرم وگداز ہو چکا ہے، اور یہ گداز انتہائی درجہ کو چھونے لگے تو دل سے کینہ دور کر دیتا ہے۔ اس کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔ پھر فانی لذات والطاف کے لیے دنیاوی جاہ ومال کے لحاظ سے حسد مٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پرہیز گاروں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ ۝

''اور ہم نے ان کے دلوں سے کینہ دور کر دیا''۔

دو طرح کے لوگ:

دنیا کے لوگ دو طرح کے ہیں:

○ — ایک طرح کے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس موجود چیزوں کے طالب ہیں۔ یہ اپنے نفس کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی ان چیزوں کی طرف بلاتے ہیں۔ (یعنی اللہ سے رجوع کرنے کی طرف بلاتے ہیں۔) ایسے لوگوں کے خلاف اہلِ حق صوفیاء کے دل میں کینہ اور حسد اور رنجش کیونکر ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اس کے ہمراہ ایک ہی راہ پر اور ایک سمت میں چل رہے ہیں، بلکہ اس کے بھائی اور اس کے مددگار ہیں، — یہ سب مؤمن ہیں جو دیوار کی اینٹوں کی طرح ایک دوسرے کو تقویٰ اور مدد پہنچاتے ہیں۔

○ — دوسری طرح کے وہ لوگ ہیں کہ جو مال کی محبت میں گرفتار ہیں، اور اپنی امارت اور روپئے کو محبوب جانتے ہیں۔ ایسے کم ہمت اور ناکارہ کے ساتھ ایک صوفی کا کیا مقابلہ! کیونکہ جو چیزیں انہیں مرغوب ہیں، صوفی کو ان میں کوئی رغبت نہیں۔ وہ تو ان سے کنارہ کش ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ ایسے لوگوں کو رحمت اور شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ یہ لوگ فریب کھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے کہنے پر نہ پیچ وتاب کھاتا ہے اور نہ ان سے کسی چیز پر جھگڑا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح سے یہ بات جانتا ہے کہ لڑائی جھگڑے سے نفس امارہ غالب آ جاتا ہے۔

اہلِ حق کی صاف دلی:

○ — شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان قلوب میں کینہ کیسے باقی رہ سکتا ہے جن میں اللہ کی محبت پائی جاتی ہے۔ جو اس کی اُلفت میں قدم جمائے ہوئے ہیں، اللہ کی محبت میں جو ڈگمگانے والے نہیں۔ اس کے ذکر سے مانوس ہیں۔ ان کے دل نفسانی وسوسوں اور طبعی تاریکیوں سے پاک وصاف ہیں۔ بلکہ ان کے دل کی آنکھیں نورِ یقین کے سرمہ سے سجی ہیں۔ اس لیے وہ آپس میں

www.waseemziyai.com

بھائی بھائی ہوگئے ہیں‘‘۔

چنانچہ اہلِ تصوف ایسے پاک وصاف قلوب کے مالک ہیں اور جو ایک کلمہ پر جمع و متفق ہیں، وہ طریقت کی شرائط بجالاتے ہیں اور تحقیق کے ساتھ کامرانی حاصل کررہے ہیں۔

○ —حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرا ور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جو پورا نہ کرسکو‘‘۔

○ —ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جس شخص نے باطل پر ہوتے ہوئے جھگڑا کرنا چھوڑ دیا تو اس کے لیے جنت کے کنارے پر ایک گھر بنایا جائے گا، —اور جس شخص نے حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا کرنا چھوڑ دیا تو ایسے شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر بنایا جائے گا، —اور جو خوش اخلاق بھی ہوگا تو ایسے شخص کے لیے جنت میں بہت بلندی پر مکان بنایا جائے گا‘‘۔

○ —حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جس شخص نے اس لیے علم حاصل کیا کہ وہ اس کے ذریعے:

○ —علماء پر فخر ومباہات کرے، یا

○ —اس کے ذریعے نادانوں سے جھگڑا کرے، یا

○ —اس کی بدولت معززین اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے پاس آئیں، تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈال دے گا‘‘۔

اس حدیث مبارک سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ نادانوں کے ساتھ جھگڑے کا نتیجہ جہنم میں ڈال دیا جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قہر و غلبہ پانے کی خاطر ان کی نفسانی قوتیں ظہور میں آتی ہیں۔ قہر و غلبہ انسان میں پائی جانے والی شیطانی صفات میں سے ایک ہے۔

بعض صوفیاء فرماتے ہیں:

’’لڑائی جھگڑا کرنے والا دل میں یہ ٹھان لیتا ہے کہ نہ وہ کسی کی بات مانے گا اور نہ کسی چیز سے مطمئن ہوگا۔ اس لیے وہ قناعت کی طرف راہ نہیں پا سکتا‘‘۔

ضبطِ نفس:

صوفی کے نفس کی پست صفات بدل جاتی ہیں۔ اس میں شیطانیت اور درندگی کے رذائل باقی نہیں رہتے بلکہ اس میں نرمی، بُردباری کے خصائل پیدا ہوجاتے ہیں، —

○ —رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، —کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان درست نہ ہوں، —اور نہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن سمجھا جاسکتا ہے جب تک اس کے

www.waseemziyai.com

پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں"۔

کیسی غور طلب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کی زبان اور دل کے درست ہونے کو اسلام کی شرط قرار دیا ہے۔

○ — ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو ایک بھاری پتھر کو اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" — انہوں نے عرض کیا: "یہ بہت بھاری پتھر ہے" — آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اس سے بھی بھاری اور سخت چیز کے بارے میں بتلاتا ہوں، — اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے بھائی سے ناراض ہو، مگر وہ اپنے شیطان اور اپنے بھائی کے شیطان کو زیر کر کے اس سے بولنا شروع کر دے" — (یعنی یہ کام اس سے بھی اہم اور بڑا کام ہے جو تم لوگ کر رہے ہو۔)

○ — حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے غلام نے جو ان کی بکریاں چراتا تھا، ان کی ایک بکری کی ٹانگ توڑ دی۔ چرنے کے بعد بکریاں جب واپس آئیں تو انہوں نے ایک بکری کو لنگڑاتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے غلام سے پوچھا:

"اس بکری کی ٹانگ کس نے توڑی ہے؟"

غلام نے کہا: "میں نے توڑی ہے اور جان بوجھ کر توڑی ہے"۔

اس کے جواب پر آپ کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھا: "کیوں توڑی ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"اس لیے کہ میری اس حرکت سے آپ کو غصہ آئے، غصے میں آ کر مجھے ماریں اور مجھے مار کر آپ گناہ گار ہوں"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تیرے غصہ دلانے سے میں نہیں بھڑکوں گا، — بے شک جب تو مجھے غصہ دلائے گا تو میں ضرور غصہ کروں گا، — جا! تو آزاد ہے"۔

○ — عرب کے مشہور لکھنے والے اصمعی کو ایک اعرابی نے ہدایت کی:

"اگر تجھے ایک ساتھ دو مشکلات آ پڑیں اور تجھے یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون سی بات درست ہے تو اس وقت اپنی مرضی کے خلاف جو بات ہو اس پر عمل کر، — کیونکہ عام طور پر خواہش کی پیروی کرنے سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں"۔

ہلاک کرنے والی اور نجات دلانے والی باتیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں۔

نجات دلانے والی یہ چیزیں ہیں:

○ — ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اللہ سے ڈرنا،

○ — رضامندی کی کیفیت ہو یا غصہ کی حالت، دونوں حالتوں میں انصاف کرنا،

www.waseemziyai.com

○ ـــ مفلس اور تونگری دونوں صورتوں میں کفایت شعاری اختیار کرنا،

ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں:

○ ـــ طبعی بخل کی پیروی کرنا،

○ ـــ خواہش کی پیروی کرنا،

○ ـــ خود پسندی اختیار کرنا،

بہر حال غصے اور رضامندی دونوں حالتوں میں وہی انصاف کر سکتا ہے جو عالم ربانی، اور اسے اپنے نفس پر ایسا قابو ہو کہ وہ دل بیدار اور حاضر دماغی سے کام لے اور فیصلہ کرتے وقت اللہ کی ذات سے اچھے محاسبے کی اُمید رکھے۔

روایت ہے کہ صوفیاء کرام کسی مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے، ـــ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''اگر میں ایک بُری بات کہنے سے بچ جاؤں تو یہ عمل عمدہ کھانا کھانے سے بہتر ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''حدث (وضو کا ٹوٹنا) دو طرح سے ہے:

○ ـــ ایک حدث' پوشیدہ جگہ سے برآمد ہونے پر (یعنی پاخانہ' پیشاب وغیرہ)

○ ـــ دوسرا حدث' وہ ہے جو تمہارے منہ سے نکلے (گالی یا کوئی فحش بات)

غیظ و غضب کی حقیقت:

غیظ و غضب سے وقار اور حلم برباد ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بندہ عدل و انصاف کی حدیں توڑ کر ظلم و ستم تک پہنچ جاتا ہے۔ غضب کے مارے دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔ اگر اپنے سے بالاتر انسان پر غصہ کیا جائے تو انسان پر بس نہیں چلتا کہ جس کے سامنے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔ تو غیظ و غضب سے جوش مارنے والا جوش بدن کی باہر والی جلد سے آ کر دل میں جمع ہو جاتا ہے، اس سے غم اور رنج کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ غم کی گھٹن میں مبتلا ہو جاتا ہے، ـــ مگر جو صوفی ہے وہ اس طرح سے پیچ و تاب نہیں کھاتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ سب حوادث و واقعات اللہ کی جانب سے رونما ہوتے ہیں، اس لیے وہ رنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ تسلیم و رضا کا پیکر ہے۔ اسے اطمینان و یقین حاصل ہے، ـــ اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رنج و غم، شک اور ناراضگی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غیظ و غضب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''دونوں کا سرچشمہ ایک ہے، مگر مفہوم و تعبیر مختلف ہے۔ یعنی:

○ ـــ اگر طاقت ور کمزور سے جھگڑا کرے تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے،

○ ـــ اگر اپنے سے زیادہ طاقت والے سے جھگڑا ہو تو اپنے غضب کو غم کی صورت میں چھپا لیتا ہے''۔

حُزن بھی ایک طرح کا غضب ہے، مگر یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب کوئی دوسرا اس پر غیظ و غضب کرے۔ یعنی یہ معتوب و

www.waseemziyai.com

مغضوب ہو، ـــ اگر کسی اپنے برابر والے ایسے شخص پر غصہ آئے جسؓ سے انتقام لینے میں تردد ہو تو اس صورت میں جذبہ انتقام کینہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، ـــ جبکہ صوفی کا قلب کینہ سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ○

''اور ہم نے ان کے سینوں سے کینے کو نکال دیا ہے''۔

صوفی کے دل کی سلامتی اور اس کے حال کی درستی اس کے سینے سے کینہ اور دشمنی کے جھاگوں کو اس طرح باہر نکال کرتی ہے جس طرح سمندر اپنے جھاگوں کو باہر نکال کرتا ہے، ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی کے دل میں انس الٰہی اور اس کی ہیبت کی موجیں متلاطم ہیں۔ یعنی جس دل میں انس اور ہیبت موجزن ہوں، وہاں کینہ اور بغض کے جھاگ باقی نہیں رہتے۔

اگر صورتِ حال ایسی ہو کہ غیظ وغضب کا اظہار کسی ایسے کمتر پر ہو جس سے انتقام لینا ممکن ہو تو اس وقت دل کا خون جوش مارتا ہے۔ جب دل کا خون جوش مارے تو وہ سرخ اور سخت ہو جاتا ہے۔ اس کی رقت اور سفیدی برقرار نہیں رہتی۔ اس وقت انسان کے رخسار سرخ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ دل کا خون جوش کھا کر جب اوپر کی طرف آتا ہے تو رگیں پھول جاتی ہیں۔ اور اس کا اثر رخساروں پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک عام شخص اعتدال کی حد سے گزر کر مار پیٹ اور گالی گلوچ کرنے لگتا ہے، ـــ لیکن صوفی ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کرتا۔ وہ صرف شرعی حدود توڑنے والے پر فقط اللہ کے لیے غضب ناک ہوتا ہے، دیگر معاملات میں وہ غیظ وغضب کی بجائے صرف اللہ کی طرف دیکھتا ہے، اپنے زُہد وتقویٰ کی بدولت وہ حرکات واقوال میں شریعت اور انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر توازن کو برقرار رکھتا ہے، ـــ ایسی صورت میں وہ انتہائی تواضع سے اپنے نفس کو ہی الزام دیتا ہے کہ قسمت پر شاکر نہ رہنے کی وجہ سے ایسی صورت پیش آئی۔

ضبط نفس کون کر سکتا ہے؟:

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ ضبط نفس کون کر سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا:

''جو شخص اپنی قسمت پر سب سے زیادہ شاکر ہے''۔

○ ـــ ایک اور بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے لیے صرف قضاء وقدر کے معاملات میں خوشی حاصل ہوتی ہے''۔

غصے کے موقع پر جب صوفی اپنے نفس کو الزام دیتا ہے تو اس وقت علم اس کا تدارک کرتا ہے۔ عِلم کا علم بلند ہونے سے قلب کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور نفس کو سکون محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ خون کے اپنے اصلی مقام دل میں پہنچ جانے پر صوفی کی حالت معتدل ہو جاتی ہے۔ رخساروں میں غیظ وغضب سے اُبھرنے والی سرخی بھی جاتی رہتی ہے۔

○ ـــ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی ہے:

''نیک چلنی، بُردباری ہے، ـــ اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے''۔

www.waseemziyai.com

○ — حضرت حارث بن قدامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''حضور! مجھے مختصر نصیحت فرمائیں تا کہ میں اسے یاد رکھ سکوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَغْضَبْ'' غصہ نہ کر، — ایسا آپ نے کئی بار فرمایا۔

○ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''غضب دوزخ کی آگ کا انگارا ہے، — کیا تم نہیں دیکھتے کہ غضب کے وقت دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، رگیں پھول جاتی ہیں، — لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے:

○ — اگر اس وقت وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے،

○ — اگر غصہ کے وقت بیٹھا ہو تو لیٹ جائے،

دو خصلتیں اللہ کو پسند ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا:

''تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں: حلم اور صبر''۔

باہمی اُلفت ومحبت:

صوفیاء کرام کے اخلاق میں سے ایک خوبی باہمی اُلفت ومحبت بھی ہے۔ یعنی برادرانہ اتحاد و موافقت اور ترکِ اُلفت، — اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف میں فرمایا:

○ — اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (پ۲۶، سورۂ فتح: ۱۴)

''یہ لوگ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں رحم دل ہیں''۔

○ — لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ

''اگر آپ روئے زمین کی سب چیزیں خرچ کر ڈالتے تو بھی آپ ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے۔ یہ تو اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان اُلفت ومحبت پیدا کر دی''۔

یہ باہمی اُلفت ومحبت روحوں کے باہمی اتحاد اور ان کے مانوس ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ایک حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے:

''روحیں جن سے واقف ہوتی ہیں، ان سے مانوس ہو جاتی ہیں''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

○ — فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۝

''اس کی مہربانی سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے''۔

○ — نیز فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝ (پ۴:۲)

www.waseemziyai.com

''تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''۔

یہ احادیث مبارکہ بھی اسی حوالے سے مذکور ہیں:

○ —مؤمن دوسروں سے محبت کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، —مگر اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ خود محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں''۔

○ —دو مؤمن بندے جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ ایسے ہاتھوں کی مانند ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو دھو کر صاف کرتے ہیں، —اور جب دو مؤمن ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایک دوسرے سے بھلائی حاصل کریں گے''۔

○ —حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میں تم سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں'' —انہوں نے جواب میں فرمایا:

''تمہیں بشارت ہو، اور مزید بشارت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کے دن عرش کے چاروں طرف ایسے لوگوں کے لیے کرسیاں بچھائی جائیں گی جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے، اس وقت

○ —لوگ گھبرا رہے ہوں گے، وہ نہیں گھبرائیں گے،

○ —لوگ خوفزدہ ہوں گے، وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے،

وہ اولیاء اللہ ہیں، جنہیں نہ خوف ہوگا، نہ رنج ہوگا'' —لوگوں نے عرض کیا: ''حضور! وہ کون لوگ ہیں؟'' —آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں''۔

محبت کے اثرات وثمرات:

○ —رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی روش اختیار کریں تو پھر انہیں انصاف وعدالت کی ضرورت ہی نہ رہے''۔ (یعنی آپس میں جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔)

○ —رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''عدالت، محبت کی قائم مقام ہے۔ عدالت کا استعمال تو وہاں ہوتا ہے جہاں محبت نہ ہو''۔

○ —رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے:

''محبت سے کی جانے والی اطاعت، خوف سے کی جانے والی اطاعت سے بہتر ہے، کیونکہ محبت سے کی جانے والی اطاعت کا تعلق اندرونی ہے اور داخلی ہے، —جبکہ خوف سے کی جانے والی اطاعت کا تعلق بیرونی ہے اور خارجی ہے''۔

www.waseemziyai.com

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کی محبت کا ایک دوسرے پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے محض اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اور آپس میں محاسنِ اخلاق کی نصیحت کرتے ہیں۔ اور اس محبت کے باعث ایک دوسرے کی بات کو مانتے ہیں۔ چنانچہ مرید اپنے شیخ سے، اور ایک روحانی بھائی، دوسرے بھائی سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔

دینی فرائض کی باہمی ادائیگی میں حکمت:

یہی وہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے حکم دیا ہے:

- ○ — مسجدوں میں ایک محلہ کے سبھی لوگ روزانہ پانچوں وقت نماز کے لیے جمع ہوں،
- ○ — ہر شہر کے لوگ ہفتہ میں ایک بار جامع مسجد میں اکھٹے ہوں (یعنی نمازِ جمعہ ادا کریں۔)
- ○ — شہر کے گرد و نواح میں رہنے والے سال میں دو بار عیدین کے موقع پر جمع ہوں۔
- ○ — مختلف ملکوں اور شہروں کے رہنے والے عمر بھر میں ایک بار حج کے موقع پر جمع ہوں۔

ان تمام احکام میں یہی حکمت ہے کہ اس طرح مسلمانوں کے درمیان محبت و اُلفت کے تعلقات استوار ہوں، —— رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے دیوار کی مانند ہے کہ ایک سے دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے"۔

صحبت کے اثرات:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے:

"جان لو کہ مؤمن باہمی اُلفت اور ہمدردی میں ایک بدن کی طرح ہیں۔ بدن کا ایک حصہ (کوئی عضو) بیمار ہو جائے تو باقی سب اعضاء بھی بیمار ہو کر جاگتے رہتے ہیں (یعنی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔)"

باہمی ربط و ضبط سے محبت کے ذرائع اختیار کرنے میں تقویت پہنچتی ہے۔ چنانچہ نیک لوگوں کی صحبت بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بھائیوں کی ملاقات بھی ثمر بار اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی بات نہیں کہ باطنی فیوض سے باطن فیض پاتے ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے تقویت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اہلِ تقویٰ کو صرف ایک نظر دیکھنا بھی فائدے کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مختلف صورتیں دیکھنے سے دیکھنے والے میں بھی وہی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے مشاہدے میں آتے ہیں، جیسے کہ:

- ○ — ہمیشہ غمگین چہرے دیکھتے رہنے سے انسان رنجیدہ ہوتا ہے،
- ○ — ہنستے مسکراتے چہرے دیکھنے سے خوشی و شادمانی محسوس ہوتی ہے،

اسی مناسبت سے یہ بات معروف ہے:

"جس کا دیکھنا تمہارے لیے فائدہ مند نہیں، اس کی گفتگو بھی تمہارے لیے فائدہ مند نہ ہوگی"۔

یہ بھی عام مشاہدے کی بات ہے کہ اگر بِدکے ہوئے اونٹ کو سِدھائے ہوئے اونٹ کے ساتھ رکھا جائے تو اس کی وحشت

www.waseemziyai.com

جاتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات، نباتات اور جمادات پر بھی صحبت کا بڑا اثر پڑتا ہے، چنانچہ:

○ ــــ پانی اور ہوا مردار چیزوں کی فضا میں خراب ہو جاتے ہیں۔

○ ــــ اسی طرح کھیتی کی پیداوار کو مختلف قسم کی گھاس اور نباتات اور ان کی جڑوں سے الگ رکھا جاتا ہے کہ کہیں ان کی صحبت سے خراب نہ ہو جائیں۔

جب ان چیزوں میں صحبت اور ہم نشینی اس قدر مؤثر ہے تو انسانی طبیعتیں جو افضل و اشرف المخلوقات ہیں، صحبت سے کہیں زیادہ متاثر ہوں گی۔ بلکہ انسان کو انسان ہی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خیر و شر کو دیکھ کر اس سے جلد مانوس ہو جاتا ہے۔ اُلفت و محبت اس میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ یہاں یہ بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ گوشہ نشینی اور تنہائی کو اسی لیے پسند کیا جاتا ہے اور اس کی تعریف کی جاتی ہے کہ اس کی بدولت انسان بُرے اور کمینے لوگوں کی صحبت سے محفوظ رہتا ہے۔

اہلِ صدق وصفا کی صحبت غنیمت ہے:

جو اہلِ صدق وصفا اور پاکیزہ اخلاق حضرات ہیں، ان کی صحبت کو غنیمت سمجھا جائے۔ ان سے مانوس ہونا اور ان سے محبت کرنا، اللہ سے محبت و انس کی مانند ہے۔ اس طرح ان کی محبت سے ایک خدائی تعلق پیدا ہو جاتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ انس و محبت سے صرف طبعی تعلق قائم ہوتا ہے، ــــ ناجنسوں کے ساتھ صوفیاء کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ہم جنسوں کے ساتھ دائمی ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ جب وہ اپنے مؤمن بھائی کے بارے میں غور کرتا ہے تو اسے اس کے اقوال و اعمال و احوال کے آئینہ میں تجلیّاتِ الٰہی کے وہ اسرار و رموز جلوہ گر ہوتے ہیں جو اوروں کی نظروں سے اوجھل ہیں، فقط صاحبانِ انوار و تجلی ان سے واقف ہوتے ہیں۔

شکر گزاری:

صوفیاء کرام کے اخلاق میں سے ایک وصف شکر گزاری بھی ہے۔ وہ اپنے محسن کے احسانات پر شکر گزاری اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ انہیں اپنے رب پر بھرپور اعتماد اور اس کی قدرت پر کامل توکل ہوتا ہے۔ ان کا عقیدۂ توحید بھی بڑا واضح اور صاف ہے۔ وہ اوروں کی طرف نظر نہیں کرتے۔ یعنی صوفیاء کرام کو نہ کسی سے امداد کی طلب ہوتی ہے نہ کوئی اُمید۔ اس لیے کہ ایسا کرنا عقیدہ توحید کے خلاف اور توکل کے برعکس ہے۔ وہ سب نعمتوں کا سرچشمہ عطائے الٰہی کو سمجھتے ہیں۔ اسی سے رسول اکرم ﷺ کی اتباع بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''انسانوں میں سے ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ پر کسی کے احسانات اور حقوق صحبت نہیں ہیں۔ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکر کو ضرور دوست بناتا''۔

اسی حوالے سے آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''(حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے زیادہ کسی اور کے مال سے مجھے نفع نہیں پہنچا''۔

کچھ لوگ خلق خدا کے ساتھ احسان کرنے اور نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے حجاب میں رہتے ہیں، ــــ مگر صوفی کا معمول

www.waseemziyai.com

یہ ہے کہ ابتدائے حال میں وہ مخلوق سے قطع تعلق کر لیتا ہے، اور ہر چیز کا تعلق اللہ کی ذات سے جوڑے رکھتا ہے، کیونکہ جو نور توحید اس کی پیشانی پر چمک رہا ہے وہ اس حجاب کو دور کر دیتا ہے، جو مخلوق کو خالص توحید سے روکتا ہے، — یعنی نہ وہ خود مخلوق کے ساتھ بخشش و کرم کرتا ہے اور نہ خود منع کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں عطا اور منع کا تعلق بھی غیر اللہ کے ساتھ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

جب وہ توحید کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے بعد مخلوق کا بھی شکر ادا کرتا ہے۔ اس وقت وہ منع و عطا کی حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ صرف مسببِ حقیقی کا مشاہدہ کیا کرتا تھا، مگر اب اپنی وسعتِ علمی اور لیاقت کے ذریعے دیگر ذرائع کو بھی جان لیا۔ تاہم عام لوگوں کی طرح دیگر مخلوق اس کے لیے اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی، نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے صاحبانِ ارادہ اور مبتدی سالک کی طرح مخلوق سے حجاب میں رکھتا ہے۔[1] اس طرح وہ اللہ کا شکر بھی ادا کرتا ہے کیونکہ وہی نعمتوں کا حقیقی سرچشمہ اور اسباب کا پیدا کرنے والا ہے، — اور مخلوق کا شکر بھی ادا کرتا ہے، اس لیے وہ اس کے لیے خالق کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔

ثنائے الٰہی کی فضیلت:

○ — رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جنت میں سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو اللہ کی ثناء بیان کرنے والے ہیں۔ خواہ وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہوں یا راحت کے عالم میں''۔

○ — رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جو شخص چھینکتا ہے یا ڈکار لیتا ہے، اس کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ'' (ہر حالت میں اللہ کی تعریف ہے) کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریاں دور کر دیتا ہے، جن میں سب سے کم درجہ میں جذام ہے''۔

○ — حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کسی بندے کو جب کوئی نعمت عطا ہو، اور وہ اس نعمت پر اللہ کی ذات کی حمد بیان کرنے تو یہ حمد اس کے لیے افضل ہے''۔

اس فرمانِ نبوی ﷺ میں حمد کو جو افضل کہا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شکر کو زیادہ پسند فرمائے گا، — اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ شکر اس نعمت سے افضل ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے، — لہٰذا صوفیاء جب نعمتوں پر اپنے منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں تو اس وقت وہ اس محسن شخص کا بھی شکر ادا کرتے ہیں جو اس نعمت کے لیے واسطہ ہے، اور اس کے لیے دعا بھی

---

[1] — صاحب کتاب کا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عطائے نعمت کے حوالے سے جب یہ سمجھا جائے کہ:

○ — عطاء کرنے والا مخلوق میں سے کوئی شخص ہے تو ایسے میں اللہ کی ذات اس سے حجاب میں ہو جاتی ہے،

○ — اگر عطا کرنے والا اللہ کی ذات کو مانا جائے تو ایسے وہ ذرائع اس سے ترک ہو جاتے ہیں اور وہ مخلوق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

لیکن یہ حال غیر صوفی کا ہے۔ صاحب طریقت اپنی وسعتِ علمی کی بناء پر پہلے اپنی نعمتوں کے حقیقی سرچشمہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس کے بعد مخلوق کا، کہ وہ اس تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔

www.waseemziyai.com

کرتے ہیں۔

○ ـــ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے ہاں روزہ افطار فرماتے تو ارشاد فرماتے:

''تمہارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا اور نیک بندوں نے تمہارا کھانا کھایا، اور اللہ کی طرف سے تم پُرسکون و اطمینان کا نزول ہوا''۔

○ ـــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی اپنے بھائی سے ''جزاك الله خيرًا'' (اللہ تمہیں اچھا صلہ دے) کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی بہت تعریف کرتا ہے''۔

حاجت روائی:

صوفیاء کے اخلاق میں سے حاجت روائی بھی ایک وصف ہے۔ وہ اپنے برادرانِ طریقت اور دیگر مسلمان بھائیوں کی حاجت روائی کے لیے مالی امداد ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے لیے اپنے اثر و رسوخ کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ اگر اس جماعت میں کوئی وسیع علم رکھتا ہو اور نفس کے عیوب، اس کی آفات اور خواہشوں کے بارے میں جانتا ہو تو وہ اپنے اثر و رسوخ سے مسلمانوں کی حاجت روائی کرے۔ ان کی ضرورتیں پوری کرے اور اصلاحِ حال میں ان کی مدد کرے، ـــ اس معاملے میں صوفی کے لیے وسعتِ علمی درکار ہے۔ چونکہ ان کاموں کا مخلوق کی معاشرتی زندگی سے تعلق ہے، اس لیے اس مقصد میں ایک بلند پائے کا صوفی اور عالم ربّانی ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔

○ ـــ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ایک نبی بادشاہ کے رکاب دار تھے۔ ان کا یہ فعل خلقِ خدا کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے تھا۔

○ ـــ شیخ عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص عرصہ دراز تک غیر مخلصانہ اعمال کی بدولت ایسا مقام حاصل کرلے جس کے ذریعے ایک مسلمان خوشگوار زندگی بسر کر سکے، تو یہ اس سے کہیں افضل ہے کہ اپنی نجات کے لیے مخلصانہ اعمال کیے جائیں''۔

لیکن بڑا ہی نازک مسئلہ ہے، جس میں جاہلوں اور نام و نمود چاہنے والوں کے بہک جانے کا خدشہ ہے۔ اصل میں یہ کام وہی کرسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے باطن اور نفیس کو علم سے نوازا ہو۔ جس کی بدولت اسے یہ پتہ لگ جائے کہ جاہ و مال سے رغبت کرنا کسی طرح مناسب نہیں، اور ایسا کرنا احوال کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسے شخص کی خدمت کے لیے تمام روئے زمین کے بادشاہ بھی ٹھان لیں تو بھی وہ کسی قسم کی سرکشی نہ کرے گا، اور نہ کسی طرح کی زیادتی کرے گا اور نہ کسی بے راہ روی کا اظہار کرے گا، یعنی صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر اسے جلتی ہوئی بھٹی میں ڈال دیا جائے تو بھی اس کی استقامت میں فرق نہیں آئے گا۔

ایسے اہل اور مخلص حضرات گِنے چُنے ہی ہیں، جو اپنے ارادوں اور اختیارات کو ختم کر چکے ہیں، اس مقام پر اللہ ان پر واضح کر

www.waseemziyai.com

دیتا ہے کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے۔ وہ فقط اللہ کی رضا اور مشیّت کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اگر انہیں یہ علم ہو جائے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ:

''وہ لوگوں سے میل جول رکھیں اور اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لائیں''۔

تا کہ دوسروں کے مسائل حل ہو سکیں تو وہ اپنی نفسانی صفات کو پس پشت ڈال کر لوگوں کی حاجت روائی کے لیے مصروف ہو جاتے ہیں، — بہر حال یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی ہستی فنا کر لی ہو، اور فنا کے بعد انہیں مقامِ بقا مل گیا ہو۔ اس طرح وہ اللہ کے حکم سے مکمل دلیل اور ثبوت کے ساتھ ہر مقام پر داخل ہوتے ہیں، اور پھر اسی طرح سے وہاں سے خارج و برآمد بھی ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ کی طرف سے مکمل بصیرت حاصل ہے۔ چنانچہ جس صاحب دل کو مکاشفہ اور چھپی گفتگو سے اللہ کی مشیّت اور مقصد کا علم ہو جاتا ہے، اس وقت کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا، — لہٰذا اس وقت امراء وسلاطین کے ذریعے مخلوق کے مقاصد کی تکمیل کے لیے پوری طرح سے حاوی ہوتے ہیں۔ اس کے لیے ان میں کسی طرح کی جھجک یا تردد نہیں ہوتا۔ وہ اشیاء سے تو ان کا وقت لے لیتا ہے مگر اشیاء اس کے وقت سے کچھ نہیں لے سکتیں۔ لیکن ایسے اوصاف کے مالک افراد نہایت قلیل ہیں۔ ہر ملک میں ایسے صاحبِ حال ایک دو ہی ہوتے ہیں۔

انسان کا کامل ہونا:

شیخ ابو عثمان الحمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی انسان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں ان چار چیزوں کا تناسب نہ ہو جائے:

- منع،
- عطا،
- عزت،
- ذلّت

ایسا شخص ہی امراء وسلاطین سے دوسروں کی حاجت روائی کرا سکتا ہے، اور ایسے کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امارت کی اہلیت:

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص امارت کا اس وقت تک اہل نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے اندر تین اوصاف موجود نہ ہوں:

- لوگوں کی جہالت برداشت کرے اور انہیں اپنی جہالت سے بچائے۔
- جو کچھ (مال ومتاع) لوگوں کے پاس ہو، وہ ان کے پاس رہنے دے۔

○ ـــ جو کچھ اپنے پاس ہو، وہ دوسروں کے لیے خرچ (صرف) کردے۔

یہ وہ امارت و ریاست نہیں جو زُہد کے خلاف ہے، اور صدق وسلوک کے لیے جس کا چھوڑ دینا ضروری ہے، ـــ بلکہ یہ وہ ریاست ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھلائی کے لیے قائم کی ہے۔ اس لیے صاحبِ طریقت اور صوفی اس صورت میں بھی اللہ کے ساتھ رہ کر اس کا ضروری حق ادا کرتا ہے، اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۱:

تصوف کے آداب اور ان کی اہمیّت

ادب کی تعلیم:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی طرح ادب سکھایا ہے''۔

ادب کیا ہے؟:

ادب کیا ہے، ادب ظاہر و باطن کو آراستہ کرنے اور تہذیبِ خلق کا نام ہے۔ جب کسی شخص کا ظاہر و باطن ادب سے آراستہ ہو جائے تو وہ صوفی بن جاتا ہے، ـــ دستر خوان کو ''مادبہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بہت سی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص اس وقت تک مکمل ادب نہیں سیکھ سکتا، جب تک اس میں تمام اخلاقِ حسنہ مکمل طور پر نہ پائے جائیں۔ نفس کے مہذب ہونے پر ہی اس میں اخلاقِ حسنہ مکمل طور پر اکٹھے ہوں گے، ـــ

انسان کی شکل و صورت اگر اس کی خلقت ہے، تو اخلاق اس کی معنوی و باطنی صورت ہے، ـــ جس طرح انسان کی خلقت نہیں بدل سکتی، اسی طرح اس کے اخلاق بھی نہیں بدل سکتے۔

حدیثِ قدسی ہے:

''تمہارا رب تمہاری خلقت سے، اخلاق سے، رزق اور اجل سے فارغ ہو گیا ہے۔ (یعنی اس نے تمہارے لیے یہ چیزیں مقدر فرما دی ہیں اور تمہیں ان سے آراستہ کر دیا۔)

ارشادِ باری ہے:

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ۔ ''اللہ کے پیدا کردہ میں کوئی تبدیلی نہیں''۔

صحیح تر بات یہ ہے کہ انسانی خلقت میں تو تبدیلی ممکن نہیں مگر اخلاق و اطوار کا تبدیل ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے اخلاق درست کرو''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس میں اصلاح و فساد قبول کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اسی طرح اسے ادب اور مکارمِ اخلاق کا اہل بنا دیا۔ اس کی یہ صلاحیت ایسی ہے جیسے چقماق میں آگ اور کھجور کی گٹھلی میں کھجور کا درخت بننے

www.waseemziyai.com

کی صلاحیت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت سے انسان کو یہ صلاحیت اور اہلیت دی ہے کہ تربیت کے ذریعے اپنی اصلاح کر سکے۔ جس طرح تربیت سے کھجور کی گٹھلی درخت بن جائے، اور چقماق کو رگڑنے سے آگ پیدا ہو جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اصلاح کی شکل میں نیکی کی صلاحیت رکھی ہے، اسی طرح شر کی شکل میں بُرائی کی اہلیت رکھی ہے، یعنی اس میں بننے سنورنے اور بگڑنے دونوں طرح کی لیاقت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا○

(پ۳۰، سورۂ شمس)

''اس نفس کی قسم! جسے اس (رب) نے ہموار کیا۔ بدی اور پرہیز گاری دونوں اس میں پیدا کیں۔ پس جس نے نفس کو پاکیزہ بنایا، وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اسے آلودہ کیا، وہ ناکام ہوا''۔

مذکورہ بالا آیت میں نفس کو ہموار اور برابر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں نیکی و بدی دونوں طرح کی صلاحیتوں کو مساوی اور یکساں رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ سے واضح ہے، — نفس جب پاکیزہ ہوتا ہے تو وہ عقل کی رہنمائی میں اپنے ظاہری اور باطنی حالات کو درست کر لیتا ہے۔ اس کے اخلاق شائستہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ تہذیب وادب سے آراستہ ہو جاتا ہو، — پس ادب ان چیزوں کو عمل میں لاتا ہے جو تخلیقی طور پر اس میں پوشیدہ ہیں۔ یہ اسی کے لیے ہے جس میں نیکی کی صلاحیت پہلے سے موجود ہے، — نیکی کی صلاحیت انسان میں اللہ کی ذات ہی پیدا کر سکتی ہے، انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ کوشش اور طاقت سے ایسی صلاحیت پیدا کر سکے۔ جس طرح چقماق سے انسان اپنی حکمت اور فعل سے تو آگ نکال سکتا ہے مگر چقماق میں آگ کو پوشیدہ رکھنا محض اللہ کے فضل سے ہے۔ (ہر پتھر کو چقماق بنا لینا انسان کے اختیار میں نہیں۔) اسی طرح ادب وآداب کا منبع وسرچشمہ صلاحیت پسند طبیعتوں اور اللہ کے فضل سے ہے۔

ادب کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے صوفیاء کرام کی اچھی عادتوں کی تکمیل کر کے ان کے باطن میں یہ لیاقت رکھی ہے کہ وہ ریاضت اور اچھی تربیت سے نفس کی اصلاح کر سکیں۔ چنانچہ وہ مہذب ومؤدب ہیں، — ان میں سے بعض حضرات کو مزید ریاضت اور تربیت کے بغیر فطری طور پر تہذیب وادب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے ادب دیا اور اچھی طرح ادب سکھایا''۔

مگر یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے خاص ہے، — مگر بعض لوگوں کی فطرت میں اس کی بڑی کمی ہوتی ہے۔ اور انہیں زیادہ مدت کے لیے تربیت کی ضرورت ہے، اسی لیے مرید شیخ کی صحبت کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ ان کی صحبت اور تعلیم سے ان میں پوشیدہ نیکی کو اجاگر کیا جا سکے۔ چنانچہ شیخ کی صحبت اور تعلیم مریدین کی پوشیدہ صلاحیتوں کو عملی صورت میں لانے میں بڑی معاون ہے۔ ارشادِ باری ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ○ (پ۲۸، سورۂ تحریم)

www.waseemziyai.com

''اے لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا:

''تم انہیں دین کی تعلیم دو اور ادب سکھاؤ''۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے رب نے مجھے ۲۷ ادب سکھائے، پھر مجھے اخلاق پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا اور فرمایا: درگزر کیا کرو، نیک کام کرنے کا حکم دو، اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو''۔

○ — شیخ یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ادب سے علم کی سمجھ آتی ہے، — علم کے ذریعے عمل میں درستی ہوتی ہے، — عمل کے ذریعے حکمت ملتی ہے، — حکمت سے زُہد اور ترکِ دنیا حاصل ہوتے ہیں، — زُہد سے آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے، — آخرت کے شوق سے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا مقام عطا فرماتا ہے''۔

○ — مذکور ہے کہ شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کا عراق جانا ہوا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کے لیے آئے تو دیکھا کہ شیخ ابو حفص کے مریدین بڑے ادب کے ساتھ کھڑے ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی کسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو رہا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے شیخ ابو حفص! تم نے اپنے مریدین کو بادشاہوں کے دربار جیسا ادب سکھایا ہے''۔

شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے ابو القاسم! ظاہری ادب، باطنی ادب کی پہچان ہے''۔

○ — شیخ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے بندے کے لیے کوئی ایسا مقام، روحانی حالت یا کیفیت یا کوئی علم ایسا نہیں جو شریعت کے آداب کو ساقط کر دے۔ اس کے برعکس شرعی آداب انسان کی ظاہری حالت کا زیور ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ کسی انسان کے اعضاء آداب کے حسن سے محروم ہوں''۔

○ — شیخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خدمت کے آداب، اس خدمت سے بڑھ کر ہیں''۔

○ — شیخ ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا:

''میں جب مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو میں کبھی خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھ جاتا، اور کبھی لیٹ کر اپنے پاؤں پھیلا لیتا، — عائشہ مکیہ (رحمۃ اللہ علیہا) جو اللہ کی ایک نیک بندی اور ولیہ تھیں، میرے پاس تشریف لائیں اور مجھے فرمایا:

''سنا ہے کہ تم اہلِ علم ہو، — اس لیے میری یہ بات مانو کہ یہاں ادب کے ساتھ بیٹھو، ورنہ تمہارا نام بارگاہِ الٰہی کے دفتر سے کاٹ دیا جائے گا''۔

www.waseemziyai.com

○ ــــ شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بے ادبی نفس کی فطرت اور عادت ہے۔ مگر بندۂ حق کے لیے حکم ہے کہ وہ ادب اختیار کرے۔ نفس اپنے خمیر اور تخلیق کے باعث ادب کے خلاف چلتا ہے۔ مگر بندہ اپنی کوشش سے اسے حسن ادب کی طرف لوٹاتا ہے، ــــ اور کوشش اور جدو جہد سے نفس کا رُخ نہیں پھیرتا، (یہ تساہل) اس کے نفس کو مطلق العنان بنا دیتا ہے، ــــ اس کی نگرانی سے غفلت برتتا ہے تو یہ نفس کو سرکش اور مطلق العنان بنانے میں مدد دینے کے برابر ہے۔ اور جس نے نفس کی مدد کی، گویا وہ اس کا شریک کار رہا''۔

○ ــــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو نفس کی خواہش پوری کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے، وہ اس کے فعل میں شریک ہے، ــــ کیونکہ بندگی کے لیے ادب لازم ہے اور سرکشی بے ادبی میں شمار ہوتی ہے''۔

○ ــــ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''باپ کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع کے برابر صدقہ دینے سے بہتر ہے'' ــــ مزید فرمایا:

''ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں دے سکتا''۔

○ ــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیٹے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کرے''۔

○ ــــ شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندۂ حق اپنی طاعت و بندگی کے ذریعے جنت میں داخل ہوتا ہے، اور طاعت میں ادب اختیار کر کے خدا تک پہنچتا ہے''۔

○ ــــ شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کسی چیز کا سہارا لے کر نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ میں نے ان کی کمر کے ساتھ تکیہ رکھنا چاہا تا کہ اس کے ساتھ ٹیک لگا لیں۔ مگر انہوں نے تکیہ ہٹا دیا۔ میں نے یہ سمجھا کہ تکیہ پر چونکہ کوئی خرقہ یا سجادہ بچھا ہوا نہیں ہے، اس لیے آپ نے تکیہ نہیں لگایا۔ بلکہ آپ نے فرمایا: ''میں سہارا نہیں لینا چاہتا'' ــــ تب میں نے ان کی بات پر غور کیا کہ وہ بالعموم سہارا نہیں لیتے ہیں۔

ادب کی اہمیّت و فضیلت:

○ ــــ شیخ جلال بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایمان کے لیے توحید ضروری ہے، جس میں توحید نہیں اس میں ایمان نہیں، ــــ شریعت کے لیے ایمان ضروری ہے، جہاں شریعت نہیں وہاں نہ ایمان ہے نہ توحید، ــــ شریعت کے لیے ادب ضروری ہے، اس لیے جہاں ادب نہیں، وہاں نہ شریعت ہے نہ ایمان ہے نہ توحید ہے''۔

www.waseemziyai.com

○ —ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"ادب کو ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں اختیار کرو، — اگر کسی نے ظاہری طور پر بے ادبی کی تو اسے ظاہری طور پر سزا ملے گی، — اگر کسی نے باطنی طور پر بے ادبی کی تو اسے باطنی طور پر سزا ملے گی"۔

○ —شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے خادم سے مذکور ہے کہ ایک دن میں ایک امرد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی دوران شیخ دقاق کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

"تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی، خواہ وہ کئی سال بعد ملے" — چنانچہ دس سال مجھے یہ سزا ملی کہ میں قرآن کریم بھول گیا"۔

○ —حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اوراد و وظائف میں مصروف تھا۔ میں نے اپنے پاؤں محراب کی طرف پھیلا رکھے تھے۔ مجھے ایک غیبی آواز آئی:

"کیا اس طرح تم کسی بادشاہ کے سامنے بیٹھ سکتے ہو؟" — میں نے اسی وقت اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور کہا:

"الٰہی! تیری عزت و جلال کی قسم! میں اب کبھی پیر نہیں پھیلاؤں گا"۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد وہ ساٹھ سال زندہ رہے، لیکن اس دوران انہوں نے رات یا دن میں کبھی اپنے پاؤں نہیں پھیلائے"۔

○ —حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو ادب سے غفلت کرتا ہے اسے یہ سزا ملتی ہے کہ وہ سنتوں سے محروم ہو جاتا ہے، — جو سنتوں سے غفلت کرتا ہے، اسے سزا کے طور پر فرض سے محروم کر دیا جاتا ہے، — جو فرائض سے سستی و غفلت کرتا ہے وہ معرفتِ الٰہی سے محروم کر دیا جاتا ہے"۔

○ —حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا۔ آپ اسے بیان فرمانے لگے۔ اسی دوران ایک بچھو آپ کے پاؤں پر ڈنک مارنے لگا۔ لوگوں نے کہا: "اسے مار کر ہٹا دیں" — آپ نے فرمایا:

"میں جس مسئلے کے بارے میں بتا رہا ہوں، اسی کے خلاف کام کروں"۔

○ —رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا کیا مقام تھا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

"مجھے زمین کے مشرق و مغرب کے حصے دکھائے گئے" — مگر ادب کے لحاظ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں عرض کیا: "میں نے مشرق و مغرب کو دیکھا"۔

○ —حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کسی عمل میں ادب کا خیال رکھنا، عمل قبول ہونے کی نشانی ہے"۔

○ —حضرت شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ادب یہ ہے کہ تم پسندیدہ کاموں کی حد تک رہو" — پھر اس وضاحت پوچھنے پر آپ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''ظاہری و باطنی طور پر اللہ کے ساتھ ادب کا معاملہ رکھو۔ اگر تم اس پر عمل کرو تو تم صاحبِ ادب ہو، خواہ تم عجمی ہی کیوں نہ ہو'' — پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

''تو بولتی ہے تو مٹھاس گھولتی ہے — چپ رہے تو بھی شیریں لگتی ہے''

○ — شیخ حریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''گزشتہ بیس سال سے میں نے اکیلے میں بھی پاؤں نہیں پھیلائے، اس لیے کہ اللہ کے ساتھ ادب اختیار کرنا افضل و اولیٰ ہے''۔

○ — شیخ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بے ادبی دھتکارے جانے کا باعث بنتی ہے، — جس سے فرش پر بے ادبی ہوئی، اسے دروازے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے، — جس نے دروازے پر بے ادبی کی، اسے جانوروں کی طرح سزا ملتی ہے''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۲:

بارگاہِ الٰہی کے آداب

سرچشمۂ آداب:

اسلام میں تمام آداب رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک سے حاصل ہوئے ہیں۔ کیونکہ ظاہری و باطنی طور پر آپ ﷺ ہی آداب کا مخزن و سرچشمہ ہیں۔ آپ کے حسنِ ادب کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○

''آپ کی نگاہ نہ بہکی اور نہ حدِ ادب سے آگے بڑھی''۔

ادب کے جن کمالات سے آپ ﷺ متصف تھے، وہ آداب کے رازوں میں سے خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے التفات اور بے التفاتی دونوں معاملات میں آپ کے قلبِ اطہر کا اعتدال بیان فرمایا ہے کہ آپ نے بیک جنبش ماسوا اللہ سے نظر پھیر لی، اور اللہ کی طرف نظر کی، ــــ آپ نے سب زمینوں یعنی اس دارِ فانی کی لذات کو ترک فرما دیا، ــــ اس کے ساتھ ساتھ آسمانوں اور آخرت کے فوائد سے بھی منہ پھیر لیا، ــــ اور جن چیزوں سے آپ نے رُخ پھیر لیا، پھر کبھی ان کی طرف رُخ نہیں فرمایا، ــــ ان چیزوں سے منہ پھیرتے وقت آپ کو ان کے ضیاع کا خیال تک نہ آیا۔ اور نہ ہی کبھی یہ گمان ہوا کہ وہ آپ کے ہاتھ سے جاتی ہیں، ــــ ارشادِ باری ہے:

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ ○ (پ ۲۷، سورہ الحدید)

''تاکہ تم ان چیزوں سے نا اُمید نہ ہو جو تم سے فوت ہو گئیں''۔

التفات واعتراض میں شانِ رسول ﷺ:

یہ خطاب تو عام ہے مگر ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ'' میں آپ کے حال کا خصوصی ذکر ہے، جو ایک خاص وصف ہے۔ یعنی عام خطاب کے لحاظ سے خاص ہے۔ ان الفاظ میں آپ کی شانِ اعراض کا ذکر ہے، اور آپ کی شانِ التفات کا ذکر اس کیفیت سے ظاہر ہے جو آپ کی روح لطیف اور قلب اطہر کو مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جلال الٰہی اور ہیبت سے حیاء فرماتے ہوئے اس مقام سے اعراض کیا۔ جو آپ کی تواضع وانکساری کی دلیل ومظہر ہے۔ تاکہ اس مقام پر نفس آپے سے باہر ہو کر سرکش نہ ہو جائے۔ کیونکہ بے نیازی کے عالم میں سرکش ہو جانا نفس کا وصف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے استغناء کے حوالے سے

www.waseemziyai.com

ارشاد فرمایا:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ (پ۳۰، سورہ علق)

''ہرگز نہیں! انسان ضرور سرکشی کرتا ہے جبکہ وہ خود کو بے نیاز دیکھے''۔

نفس کی سرکشی:

یہ نفس کا خاصہ ہے کہ جب روح اور قلب پر عطایاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو چوری چھپے سن لیتا ہے، —— اس طرح فیوضات کا کچھ حصہ وہ بھی پالیتا ہے۔ تب اس کی بے نیازی اور سرکشی سے انبساط تو بڑھ جاتی ہے مگر مزید برکات کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے۔ نفس کی سرکشی اس لیے ہے کہ فیوضات وعطایات کے لیے اس کا ظرف تنگ اور چھوٹا ہے، —— اسی لیے بارگاہِ الٰہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ ما زاغ کا اعراض ایک حد تک درست تھا، وہ معیار پر پوری رہی، انہوں نے ضیاع کی طرف التفات نہ کیا۔ حسنِ ادب کے باعث ان کا نفس سرکش نہ ہوا، کیونکہ آپ فیضِ الٰہی سے معمور تھے۔ نفس نے عطایاتِ الٰہی کے نزول بارے چوری چھپے سن لیا تھا، اور اس سے بہرہ یاب ہو کر وہ بے نیاز ہو گیا۔ اور جو کچھ اسے حاصل ہوا، وہ اس کے ظرف سے باہر چھلکنے لگا اور اس کا دائرہ تنگ پڑنے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرط انبساط میں حد سے آگے بڑھ گئے اور کہہ اُٹھے:

اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ۝

''الٰہی! مجھے اپنا جلوہ دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں''۔

تب انہیں روک دیا گیا اور وہ روحانی فضا میں آگے نہ بڑھ سکے، —— یہیں وہ فرق واضح ہو گیا جو حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ) اور کلیم (حضرت موسیٰ علیہ السلام) میں ہے۔

بہرحال بارگاہِ الٰہی کے مقربین اور صاحبانِ حال کے لیے یہ ایک بڑے نکتے کی بات ہے۔ کیونکہ ہر قبض (روحانی تنگی) کے لیے سزا لازم ہے۔ وہ اس طرح ہوتی ہے کہ:

○ —— قبض کے موقع پر فتوحات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے،

○ —— ہر قبض پر سزا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لازمی طور پر بسط (روحانی کشادگی) کی افراط ہو جاتی ہے۔

اگر بسط میں اعتدال ہو تو قبض کی سزا واجب نہ ہو، —— بسط میں اعتدال تبھی ہوتا ہے جب روح وقلب کے لیے نازل ہونے والے فیوضات میں ٹھہراؤ آ جائے، —— یہ ٹھہراؤ اور توقف رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا کہ آپ کا نفس مبارک تواضع وانکسار کی لپیٹوں میں اوجھل ہو گیا تھا۔ اس طرح اللہ سے حیا کے باعث اعراض فرماتے ہوئے آپ واپس ہو گئے، کمال ادب کا یہ وہ انتہائی مقام ہے جو صرف آپ ﷺ کو عطا کیا گیا، اور آپ قَابَ قَوْسَیْنِ یا اس سے کچھ زیادہ مقام پر ٹھہرے رہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ کی مزید تشریح:

مذکورہ بالا تشریح سے ملتی جلتی مزید تشریحات وتوضیحات یہ ہیں:

○ —— شیخ ابوالعباس ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آپ ﷺ نے کسی طرف بڑھتی ہوئی سرکشی کے ساتھ مشاہدہ نہیں فرمایا بلکہ قویٰ کے اعتدال کی شرط کے ساتھ مشاہدہ فرمایا''۔

○ —حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے مشاہدہ کے ساتھ رجوع نہیں کیا، بلکہ اپنے پروردگار کا ہمہ تن مشاہدہ فرماتے رہے، اور اس موقع پر ثبوت کے لیے جو صفات درکار تھیں، انہی کے ساتھ آپ نے ان کا مشاہدہ فرمایا''۔

یہ اقوال ہماری تشریح کی تائید کرتے ہیں۔ بلکہ شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اسی طرف رمز و اشارہ ہے۔ ہماری تشریح کی واضح تائید شیخ ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جو ہمارے شیوخ سے بالا سناد ہم تک پہنچا ہے، —وہ فرماتے ہیں:

''علم انقطاع کو حاصل کرنے کے لیے عجلت سے کام لینا ایک وسیلہ ہے، —اور درماندگی کی حد پر توقف کرنا نجات ہے، —اور قرب کے علم سے گریز اور اعراض میں پناہ حاصل کرنا وصال ہے، —اور ترکِ جواب کو اچھا نہ سمجھنا ذخیرہ ہے، —خطاب کی سماعت کے محرکات کو قبول کرنے پر قائم رہنا تکلف ہے، —وہ علم جو توجہ کے مقام میں فہم کی فصاحت سے لپٹا ہوا، اندیشہ کرنا بُرائی ہے، —اور جو بات اصل مقام سے ہٹ گئی ہو، اسے حاصل کرنے کے لیے سعی کرنا بُعد اور دوری ہے، —اور ملاقات کے وقت تسلیم و رضا اختیار کرنا جرأت ہے، —انس و محبت کے موقع پر انبساط، فریفتگی اور غرور ہے، —''

یہ سب کلمات بارگاہِ الٰہی کی حضوری کے آداب کے بارے میں ہیں۔

زیرِ بحث آیت کی گزشتہ تشریح و توضیح سے لطیف تر توضیح یہ ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ سے مراد یہ ہے کہ وہ مشاہدۂ بصیرت سے الگ تھلگ نہیں تھا نہ ہی اس میں کوئی کوتاہی ہوئی، —اور وَمَا طَغٰی سے مراد یہ ہے کہ نگاہ، بصیرت سے سبقت نہ لے جا سکی اور اپنی حد و انتہاء سے آگے نہیں بڑھی بلکہ نگاہِ بصیرت کے ساتھ بصر کا مقام تھا، —اور ظاہر کے ساتھ باطن، قالب کے ساتھ قلب اور نگاہِ پاک بیں قدم کے ساتھ قائم رہی۔ کیونکہ قدم اگر نظر پر مقدم ہو جاتا تو یہ بھی سرکشی ہوتی، —یہاں:

○ —نظر سے مراد علم ہے،

○ —قدم سے مراد قالب یعنی جسم کا حال ہے۔

لہٰذا نظر قدم سے آگے نہیں بڑھی ورنہ سرکشی ہوتی، —اگر قدم نظر سے پیچھے نہیں رہا، اس لیے کہ یہ کوتاہی شمار ہوتی، —چنانچہ سبھی احوال معتدل رہے۔ اس موقع پر:

○ —آپ کا قلب، قالب بن گیا اور قالب، قلب کی مانند،

○ —آپ کا ظاہر، باطن بن گیا اور باطن، ظاہر کی مانند،

○ —آپ کا بصر، بصیرت بن گیا اور بصیرت، بصر کی صورت،

www.waseemziyai.com

چنانچہ جہاں تک آپ کی نظر اور علم پہنچتا، وہاں ساتھ ساتھ آپ کا قدم و حال بھی پہنچتا، ــــ اسی لیے معنوی اور نورانی کیفیت آپ کے ظاہر پر بھی منعکس ہوئی۔ آپ ﷺ کی سواری براق کے قدم وہاں تک پہنچے جہاں تک اس کی نظر کی رسائی تھی۔ براق کے قدم اس کی نظر کے انتہائی مقام سے پیچھے نہیں رہے۔ جیسے کہ حدیث معراج میں مذکور ہے۔ لہٰذا براق اپنے قالب (وجود) میں اپنی معنوی خصوصیات و حالات کے مطابق بن گیا تھا اور اس کی قوتِ حال اس کی معنوی قوت سے متصف ہو گئی تھی۔

انتہائی ادب:

واقعہ معراج شریف سے متعلقہ حدیث میں پیغمبروں کے مقامات کا بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ہر آسمان پر کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا تھا۔ اور بات کا بھی اشارہ کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ سے پیچھے رہ گئے۔ یعنی آپ انہیں ان کے مقام پر چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ آپ نے ایک آسمان پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا کسی آسمان پر موجود ہونا اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مجھے اپنا جلوہ دکھا! ــــ اس وقت ان کی نظر حد قدم سے آگے بڑھ گئی تھی اور قدم نظر سے پیچھے رہ گیا تھا، اس طرح مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے دو اوصاف میں سے ایک میں خلل واقع ہو گیا۔ مگر رسول اکرم ﷺ کی نظر انور اور قدم مبارک دونوں حیاء اور تواضع کے ساتھ متوازن اور معتدل رہے۔ آپ اپنے قدموں کو دیکھتے ہوئے اپنی نظر کے مطابق آگے بڑھتے چلے گئے۔ اگر آپ ﷺ:

- ــــ حیاء اور تواضع کے دائرے سے باہر آ جاتے،
- ــــ قدوم کی حد سے آگے بڑھ کر نظر کو دراز کر دیتے، تو یقیناً قدم پیچھے رہ جاتے۔

جس طرح دوسرے پیغمبر آسمانوں پر محدود رہ گئے، اسی طرح آپ کو بھی کسی آسمان پر رکنا پڑ جاتا۔ مگر آپ ﷺ ادب کے محفوظ دائرے میں تشریف فرما رہے، یہاں تک کہ آپ نے آسمانوں کے تمام حجابات کو شق کر دیا۔ چنانچہ قربِ الٰہی کی تمام کیفیات آپ ﷺ کو مہیا ہو گئیں، اور حجابات کے سب بادل آپ کی راہ سے ہٹ گئے۔ حتیٰ کہ آپ مَا زَاغَ الْبَصَرُ کی راہ پر گامزن ہو گئے، اور برقِ خاطف کی طرح آپ وصل و لطائف کی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس طرح آپ نے انتہائی ادب اور نہایت فہم و ہوش مندی کا ثبوت دیا۔

- ــــ شیخ ابو محمد بن رویم رحمۃ اللہ علیہ سے جب مسافر کے ادب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کے قدم اس کی ہمت سے آگے نہ بڑھنے پائیں، یعنی جہاں اس کا دل ٹھہر جائے، وہیں اس کا ٹھکانہ ہے"۔

- ــــ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ○

"اے میرے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا مشاہدہ کر سکوں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آرزو پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

"زندہ شخص مجھے دیکھ کر فوت ہو جائے گا، ـــ خشک چیز تباہ ہو جائے گی، ـــ اور تر و تازہ شے جل کر راکھ ہو جائے گی، ـــ مجھے صرف اہلِ جنت ہی دیکھ سکتے ہیں جن کی نہ آنکھیں مردہ ہوتی ہیں اور نہ ان کے اجسام بوسیدہ ہوتے ہیں"۔

بارگاہِ الٰہی میں حضوری کے آداب:

بارگاہِ الٰہی میں حضوری کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے جس کے بارے میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حق کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے انبساط کا ہونا بے ادبی ہے، ـــ مگر یہ بات بعض حالات اور بعض اشیاء کے ساتھ خاص ہے، ہر موقع و محل پر اس کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کا بھی حکم دیا ہے۔ انبساط کے ساتھ گفتگو نہ کرنے کا طریقہ وہی ہونا چاہیے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ ذاتی اور دنیاوی حاجتوں کے لیے انبساط کے ساتھ گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقامِ قرب پر سرفراز فرمایا، اور انہیں انبساط کے ساتھ گفتگو کی اجازت دی اور فرمایا:

"مجھ سے مانگو، خواہ وہ تمہارے آٹے کے لیے نمک ہی کیوں نہ ہو"۔

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے بھرپور انبساط کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ (پارہ ۲۰، سورۂ قصص)

"اے میرے پروردگار! میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نازل فرمائے"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے پہلے آخرت کی ضرورتیں طلب فرماتے تھے، اور دنیا کی حقیر حاجتوں کو طلب کرنے سے شرم محسوس کرتے تھے۔ اس کی مثال بالکل اس طرح سے ہے کہ جیسے بڑے بادشاہ سے (اس کے شایانِ شان) بڑی بڑی چیزیں طلب کی جاتی ہیں۔ اور معمولی چیزیں طلب کرنے سے جھجک اور تکلف محسوس ہوتا ہے، لیکن جب تکلفات کے حجابات اُٹھ گئے اور انہیں مقامِ قرب حاصل ہو گیا، پھر وہ بڑی اور خطیر چیزوں کی طرح چھوٹی موٹی اور حقیر چیزیں بھی طلب کرنے لگے۔

عارف کا ادب تمام آداب سے بالا ہے:

○ ـــ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عارف کا ادب ہر ادب سے بالاتر ہے کیونکہ اس کی نیکی خود اس کے قلب کو ادب سکھاتی ہے"۔

○ ـــ ایک اور بزرگ کا قول ہے:

"حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کے لیے میں اپنے اسماء و صفات کے مطابق عمل کرنا ضروری قرار دیتا ہوں، اس کے لیے ادب بھی ضروری قرار دیتا ہوں، ـــ مگر جس پر میری ذات کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اسے میں ہلاکت میں ڈال دیتا ہوں، ـــ لہٰذا ان دونوں میں سے جسے چاہو انتخاب کر لو"۔

www.waseemziyai.com

اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسماء وصفات لازمی طور پر ادب کے محتاج کے ساتھ ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں بشریت کی نشانیاں اور نفسانی لذات پائی جاتی ہیں۔ جب ذاتِ الٰہی کی عظمت کا نور چمکتا ہے تو انوارِ الٰہی سے آداب کے محتاج آثار فنا ہو جاتے ہیں — واضح رہے کہ اس قول کے معنی ہلاکت میں ڈالنے کے ہیں: فنافی اللہ ہو جانا، جو ہر عارف کا مقصود ہے۔

انبیاء کرام کے آداب:

○ — حضرت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قول، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ (پ۱۷، سورۂ انبیاء)

"اور جب ایوب نے اپنے رب کو پکار کر کہا: "اے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ مجھے بہت تکلیف ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے"۔

کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ "تو مجھ پر رحم فرما" — بلکہ یہ کہا: "تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" — کیونکہ انہوں نے کلام کے آداب کی پوری پوری پابندی فرمائی"۔

○ — اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے الوہیت کے دعوے کے بارے میں استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ○ (پ۷، سورۂ مائدہ)

"یہ بات میں نے کہی ہوتی تو الٰہی! تجھے اس کا علم (ضرور) ہوتا"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام کے آداب اور بارگاہِ الٰہی کے آداب کو ملحوظ رکھا اور یہ نہیں فرمایا: "میں نے یہ بات نہیں کہی" — بلکہ یہ کہا: "یہ بات میں نے کہی ہوتی تو تجھے (ضرور) اس کا علم ہوتا"۔

خواص کے آداب:

جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام بارگاہِ الٰہی کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں، اسی طرح اس کے خواص اور دین دار بندے بھی اس کی بارگاہ میں ان آداب کا خیال رکھتے ہیں۔ شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خواص دیندار حضرات کے آداب یہ ہیں:

○ — ان کے دل پاکیزہ ہوتے ہیں،

○ — اسرار کی نگہداشت کرتے ہیں،

○ — ایفائے عہد کے پابند ہیں،

○ — وقت کی حفاظت کرتے ہیں،

○ — وسوسوں اور عارضی تصورات وخیالات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے،

○ — پوشیدہ اور علانیہ ہر حالت میں یکساں رہتے ہیں،

www.waseemziyai.com

○ — طلب کے مواقع، مقاماتِ قرب اور حضوری کے اوقات میں نہایت مؤدب ہوتے ہیں۔

ادب کی دو اقسام ہیں:

○ — ادب بالقول ○ — ادب بالفعل

جو شخص ادب بالفعل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دلوں کی محبت عطا فرماتا ہے۔

○ — شیخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم کثیر علم کے اس قدر محتاج نہیں، جس قدر قلیل ادب کے محتاج نہیں۔ عارف کے لیے ادب ایسا ہی ہے جیسا کہ اس شخص کے لیے توبہ ضروری ہے جو از سرِ نو نیکی کا کام کرے''۔

○ — شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس نے اپنے وقت کے لیے ادب اختیار نہیں کیا، اس کا وقت اس کا دشمن ہو گیا''۔

○ — حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرید جب ادب کی حد سے باہر نکل جاتا ہے تو یقیناً وہ اسی طرف کو لوٹ جاتا ہے، جس طرح سے وہ آیا تھا، یعنی ابتدائے حال پر پہنچ جاتا ہے۔

○ — شیخ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ادب کے بارے میں لوگ بہت کچھ کہہ چکے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ:

''ادب نفس کی معرفت اور واقفیت (خود شناسی) کا نام ہے''۔

آپ کے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس تمام جہالتوں کا سرچشمہ ہے۔ اور بے ادبی، جہالت ہی کے باعث واقع ہوتی ہے۔ تو جب نفس کی پہچان ہو گئی اور اس کی معرفت حاصل ہو گئی تو اسے نورِ عرفان حاصل ہو گیا، — یعنی نفس کو پہچان لینے سے نورِ عرفان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ۔

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

یہ اسی نورِ عرفان کا کرشمہ ہے کہ جب نفس کسی جہالت کی طرف مائل ہوتا ہے تو علم کے ذریعے اس کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے، اور وہ باادب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص بارگاہِ الٰہی کے آداب کا خیال رکھتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے آداب کا بھی بدرجۂ اولیٰ خیال رکھتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۳۴:

طہارت کے آداب

اصحابِ صُفّہ کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ صفّہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○(پ ۱۱، سورة توبه)

''ان میں وہ مرد ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ بھی بہت پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

بعض مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو بے وضو یا ناپاک ہونے کی صورت میں اپنی نجاست اور گندگی کو پانی سے دور کرتے ہیں۔

○ — کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس سے مراد پانی سے پیچھے کا حصہ (مقعد) دھونا ہے''۔

○ — شیخ عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے اور جنابت کی حالت میں رات کو نہیں سوتے تھے''۔

○ — جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا سے دریافت فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمہاری جو تعریف کی ہے، وہ کیا بات ہے''۔

انہوں نے عرض کیا: ''ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں'' — اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

''جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کرے تو وہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرے''۔

ابتداء میں استنجاء کا یہی طریقہ تھا، حتیٰ کہ اہلِ قباء کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رفع حاجت کے آداب:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا:

''تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ہر چیز سکھا دی ہے۔ حتیٰ کہ رفع حاجت کرنے کے آداب بھی سکھا دیئے ہیں''۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں! انہوں نے حکم دیا ہے کہ:

www.waseemziyai.com

○ — پاخانہ اور پیشاب کرتے وقت ہم قبلہ رُخ نہ ہوں،

○ — سیدھے ہاتھ سے استنجاء نہ کریں،

○ — کوئی استنجاء کرے تو تین پتھروں سے کم نہ لیں،

○ — استنجاء کے لیے گوبر اور ہڈی نہ استعمال کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہارے لیے تمہارے باپ کی طرح ہوں اور تمہیں یہ تعلیم دیتا ہوں کہ:

○ — جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو نہ تو قبلہ رو بیٹھے اور نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے،

○ — نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم فرمایا۔ لید (گوبر) اور بوسیدہ ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔

استنجاء کے فرائض:

استنجاء میں دو چیزیں فرض ہیں:

○ — گندگی کو دور کرنا،

○ — گندگی دور کرنے والی چیز کا پاک ہونا،

یعنی استنجاء کے لیے استعمال ہونے والی چیز لید یا کوئی اور دوسری گندگی نہ ہو، — اور پاک کرنے والی چیز پہلے استعمال نہ کی گئی ہو، — کسی مردار (مردے) کی ہڈی نہ ہو، — استنجاء میں ڈھیلے طاق عدد میں ہوں، یعنی تین، پانچ یا سات، — پتھروں (ڈھیلوں) کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال سُنّت ہے۔

جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئی تھیں تو ان لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا گیا کہ تم طہارت کس طرح کرتے ہو، — تو انہوں نے کہا تھا: ''ہم ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں''۔

استنجاء کی سُنّتیں:

○ — بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا سُنّت ہے،

○ — اسی طرح استنجاء کے بعد مٹی سے ہاتھ رگڑنا (صاف کرنا) بھی سُنّت ہے، — یہ اسی صورت میں ہے کہ استنجاء کرنے والا صحرا میں ہے، — اور وہاں کی زمین اور مٹی پاک ہو۔

استنجاء کا طریقہ:

استنجاء کرتے وقت بائیں ہاتھ میں ڈھیلا لے کر اسے نجاست لگنے سے پہلے مقعد کے منہ پر رکھ دے۔ اور مسح کی طرف سے ڈھیلے کو گزارے، تاکہ نجاست ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو۔ یہ عمل اس وقت تک کرے کہ مخرج کے آخر تک پہنچ

www.waseemziyai.com

جائے، ـــ اب دوسرا ڈھیلا لے اور مقعد کے آخری حصے سے لے کر ابتدائی حصہ تک مس کرتا ہوا لائے، ـــ پھر تیسرا ڈھیلا لے کر مقعد پر یا برز کے کناروں پر چاروں طرف پھرائے تاکہ اطراف سے بھی نجاست صاف ہو جائے، ـــ اگر تکونے ڈھیلے یا پتھر سے بھی استنجاء کیا جائے تو بھی درست ہے۔

پیشاب سے استنجاء اور اس کی طہارت میں احتیاط سے کام لے۔ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ذکر کو حشفہ تک آہستہ آہستہ تین بار کھینچے، تاکہ پیشاب کا اگر کوئی قطرہ اندر باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی باہر آ جائے۔ پھر ذکر کو تین بار ہلائے، ـــ پیشاب کے استنجاء میں احتیاط کی صورت یہ ہے کہ ذکر کو جھاڑنے سے پہلے تین بار کھنکارے، پھر ذکر کو ہلائے اور جھاڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حلق سے عضو تک رگیں گئی ہوئی ہیں، کھنکارنے سے رگوں میں حرکت ہوتی ہے۔ پیشاب کی نالی میں اگر کوئی قطرے رہ گئے ہوں تو وہ اس جھٹکنے اور کھنکارنے سے نکل آتے ہیں، ـــ مزید احتیاط یہ کہ اس وقت اگر چند قدم ٹہلے اور چلے اور مزید کھنکارے تو جائز ہے، مگر علم کی حد کا لحاظ رکھے اور وسوسہ کر کے شیطان کو راستہ نہ دے۔ اس سے وقت کا ضیاع ہوگا، پھر تین بار یا اس سے زیادہ اس وقت تک عضو کی مالش کرے، تاکہ نمی یا تری کا اثر نہ رہے، ـــ بعض صوفیاء نے ذکر کو پستان کی مثل کہا ہے کہ جیسے پستان سے کچھ نہ کچھ دودھ نکلتا رہتا ہے، اسی طرح ذکر میں بھی ہمیشہ پیشاب کی تری ظاہر رہتی ہے، ـــ بہرحال اس کے لیے مناسب حد طاق رکھی جائے۔

ذکر کا مسح بھی پاک مٹی یا ڈھیلے سے ہوتا ہے۔ اگر عضو کے چھوٹا ہونے کے باعث ڈھیلا پکڑنے کی ضرورت محسوس ہو تو اسے دائیں ہاتھ سے پکڑے۔ اور عضو کو بائیں ہاتھ میں پکڑ کر اس پر رگڑے۔ اس میں یہ دھیان رہے کہ حرکت بائیں ہاتھ کو ہو، دائیں ہاتھ کو نہیں۔ کیونکہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا درست نہیں۔

اگر پانی سے استنجاء کرنا مقصود ہو تو جگہ بدل لینا چاہیے۔ ڈھیلے یا پتھر سے استنجاء اس وقت تک کرتا رہے کہ حشفہ کے سرے پر پیشاب کے قطرے ختم ہو جائیں۔

پیشاب کی طہارت کے حوالے سے وعید:

پیشاب کے سلسلہ میں طہارت کا خیال نہ رکھنے پر سخت وعید آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو فرمایا:

"ان دونوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان میں سے:

- ـــ ایک شخص پیشاب کے بعد اچھی طرح استنجاء نہیں کرتا تھا،
- ـــ دوسرا شخص سخن چینی (لگائی بجھائی، چغل خوری) کیا کرتا تھا"۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر و تازہ شاخ منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کیے، اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، اور فرمایا:

"جب تک یہ لکڑیاں خشک نہ ہوں گی، اس وقت تک شاید وہ ان کے عذاب میں کمی کر دیں"۔

''تیری بخشش کا طالب ہوں، سب تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے تکلیف دینے والی چیز مجھ سے دور کی، اور جو میرے لیے فائدہ مند ہے، اس چیز کو باقی رکھا''۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے شرم کیا کرو، — میں جب بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو اپنے رب سے شرم کرتے ہوئے اپنی پیٹھ کو جھکا لیتا ہوں اور اپنا سر ڈھانپ لیتا ہوں''۔

رفع حاجت کے آداب:

- — رفع حاجت کے لیے بیٹھتے وقت بائیں پاؤں کے بل بیٹھے،
- — ہاتھ سے کچھ شغل نہ کرے،
- — بیت الخلاء کی زمین یا دیواروں پر لکیریں نہ کھینچے،
- — اپنی شرم گاہ کو بار بار نہ دیکھے، البتہ اگر ضرورت ہو تو دیکھ سکتا ہے،
- — اس وقت بار کرنے سے باز رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''دو شخص قضائے حاجت کے لیے اس حال میں نہ نکلیں کہ انہوں نے اپنی شرم گاہیں کھولی ہوئی ہوں اور باتیں کر رہے ہوں، — یہ بات اللہ کو پسند نہیں''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۴:

وضو کے آداب

مسواک کی فضیلت:

جب وضو کا ارادہ ہو تو اس کا آغاز مسواک سے کرے۔ ــــ ہمارے شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالا سناد حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر میں اپنی اُمت پر دشوار تر نہ سمجھتا تو عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر دیتا، ــــ اور اسے حکم دیتا کہ ہر فرض نماز ادا کرنے سے پہلے مسواک کیا کرے''۔

○ ــــ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسواک منہ کو پاک کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہے''۔

○ ــــ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بیدار ہوتے تو مسواک سے منہ مبارک کو پاک اور صاف فرماتے۔

مسواک کے آداب:

○ ــــ ہر نماز اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے:

○ ــــ منہ بند رہنے سے جب منہ کا ذائقہ بدل جائے، اس وقت بھی مسواک کرنا چاہیے۔ (چاہے وضو نہ کرنا ہو) ــــ جب دانت اوپر تلے چڑھے ہوں تو منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔

○ ــــ روزہ دار کے لیے زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے، زوال سے پہلے مستحب ہے۔

○ ــــ غسل جمعہ کے لیے اور شب کو تہجد کے لیے بیدار ہونے پر مسواک کرنا مستحب ہے۔

مسواک کرنے کا طریقہ:

مسواک کرنے سے پہلے خشک مسواک کو پانی سے تر کرے۔ تر ہونے کے بعد اسے دانتوں پر لمبائی رُخ اور چوڑائی رُخ پر ملے یا رگڑے، اگر مسواک کو مختصر طور پر کرنا ہو تو چوڑائی رُخ میں کرے۔ مسواک کرنے کا آغاز دائیں جانب سے کرے۔

مسواک سے فارغ ہو جائے تو اسے دھو لے اور وضو کرنے کے لیے بیٹھ جائے۔

www.waseemziyai.com

وضو کا طریقہ اور اس کی دعائیں [1]:

وضو کے لیے جب بیٹھے تو بہتر ہے کہ قبلہ رُخ بیٹھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کر کے یہ پڑھے:

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنَ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ○

''اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے حاضر ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔

○ — جب ہاتھ دھونے لگے تو یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهَلَكَةِ ○

''الٰہی! میں تجھ سے یمن و برکت کا طالب ہوں اور نحوست و ہلاکت سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔

○ — کلی کرتے وقت یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَةِ كِتَابِكَ وَكَثْرَةِ الذِّكْرِ لَكَ ○

''الٰہی! تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج اور اپنی کتاب کی تلاوت اور کثرت سے ذکر کرنے پر میری مدد فرما''۔

○ — ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاَوْجِدْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ ○

''الٰہی! تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور مجھ سے خوش ہو کر مجھے جنت کی خوشبو سنگھا دے''۔

○ — ناک صاف کرتے وقت یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَسُوْءِ الدَّارِ ○

''الٰہی! تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور میں دوزخ کی بدبو اور بُرے گھر سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

○ — جب منہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَيِّضْ وَجْهِیْ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَائِكَ وَلَا تَسْوَدِّ وُجُوْهُ اَعْدَائِكَ ○

''الٰہی! تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور میرے منہ کو روشن فرما، اس دن کہ جب تو اپنے دوستوں کو چہرے روشن فرمائے گا، — الٰہی! میرا چہرہ سیاہ نہ کرنا جس دن تو اپنے دشمنوں کے چہرے سیاہ کرے گا''۔

○ — جب دایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاٰتِنِیْ كِتَابِیْ بِيَمِيْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○

---

[1] — نوٹ: یہ سب دعائیں ماثورہ نہیں ہیں، — ہو سکتا ہے سلسلہ سہروردیہ میں رائج ہوں۔ لیکن اگر یہ پڑھ لی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، پڑھ لینا باعث ثواب ہے، — رسول اللہ ﷺ کا وضو کا یہ معمول تھا کہ آپ وضو کی ابتداء تسمیہ سے فرماتے اور کلمۂ شہادت پر ختم فرما دیتے۔

www.waseemziyai.com

''الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دینا اور مجھ سے آسان حساب لینا''۔

○ — جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُؤْتِیَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ ○

''الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس وقت سے کہ جب تو میرا اعمال نامہ میرے بائیں ہاتھ میں دے یا میری پیٹھ کے پیچھے سے''۔

○ — سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَغَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِكَ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ ○

''الٰہی! محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور مجھے اپنی رحمت میں چھپالے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما، اور مجھے اپنے عرش کے سایہ میں سایہ عطا فرما، جس دن تیرے عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا''۔

○ — کانوں کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّسْمَعُ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُ اَحْسَنَهٗ ○ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ ○

○ — گردن کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ فُكَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ ○

''الٰہی! میری گردن کو آگ کے عذاب سے چھڑادے، اور میں (جہنم کی) بیڑیوں اور زنجیروں سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

○ — دایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ مَعَ الْاَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

''الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور میرے قدم کو پل صراط پر مؤمنوں کے قدموں کے ساتھ قائم رکھنا''۔

○ — بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَنِ الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ ○

''الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیج، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ پل صراط پر میرے قدم لڑکھڑائیں کہ جس دن اس پر منافقوں کے قدم ڈگمگائیں گے''۔

www.waseemziyai.com

○ — جب وضو سے فارغ ہو تو آسمان کی طرف اپنا رُخ کر کے یہ دعا پڑھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِىْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ فَاغْفِرْلِىْ وَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ صَبُوْرًا وَشَكُوْرًا وَّجْعَلْنِىْ اَذْكُرُكَ كَثِيْرًا وَاُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

وضو کے فرائض:

وضو کے مندرجہ ذیل فرائض ہیں:

○ — منہ دھوتے وقت نیت کرنا، [۱]

○ — منہ دھونا، — منہ یا چہرے کی دھونے کی حد میں یہ چیزیں شامل ہیں:

چہرے کی ابتدائی سطح یعنی پیشانی سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا تمام حصہ جس میں لٹکتی ہوئی داڑھی شامل ہے۔ [۲] جو دونوں کانوں اور داڑھی کے درمیان ہے، — پیشانی کی جگہ جہاں بال نہ ہوں، اور جہاں بالوں سے کھلی ہوئی جگہ ہو، یعنی سر کی دونوں کنپٹیوں کو بھی چہرہ کے ساتھ دھونا مستحب ہے، — چہرے کے بالوں، بچّی داڑھی، مونچھوں، بھوؤں اور دونوں طرف کے گل مچھوں تک پانی پہنچانا لازم ہے، — ان کے علاوہ اور جگہ پانی پہنچانا واجب نہیں، — اگر داڑھی ہلکی ہو تو اس کی کھال تک پانی پہنچنا ضروری ہے۔ ہلکی ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نیچے کی کھال نظر آئے، — ادرا گر داڑھی گھنی ہو تو پہنچانا ضروری نہیں، — آنکھ کے گوشے میں اگر سرمہ جمع ہو تو اسے بھی صاف کرنا چاہیے۔

○ — دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔

دونوں ہاتھوں کے دھونے میں دونوں کہنیاں بھی شامل ہیں، — ہاتھوں کو اگر بازوؤں کے نصف حصے تک دھویا جائے تو یہ مستحب ہے، — اگر ناخن اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ وہ انگلیوں کے سروں سے باہر ہوں تو اس صورت میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ ناخنوں کا اندرونی رُخ بھی دھونا لازم ہے۔

○ — سر کا مسح کرنا۔

سر کا اتنا مسح کافی ہے جہاں تک مسح کا اطلاق ہوتا ہے [۳] یعنی جسے مسح کہا جا سکے۔ پورے سر کا مسح کرنا سُنّت ہے، مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ملا لیں۔ پھر انہیں سر کے اگلے حصے سے شروع کرے اور گدی تک کھینچتا ہوا لائے، پھر گدی سے واپس سر کے اگلے حصہ پر لے آئے، یعنی جہاں سے مسح شروع کیا گیا تھا، — انگلیوں کے آگے لے جاتے اور پھر پیچھے لاتے وقت دونوں حصوں کی تری آدھی آدھی استعمال میں لائے، یعنی

---

[۱] — فقہ حنفی میں نیت فرض نہیں، فقہ شافعی میں فرض ہے۔

[۲] — فقہ حنفی میں داڑھی کی جو مقدار چہرے کا حصہ ہے، اس کا دھونا فرض ہے، ٹھوڑی سے نیچے لٹکا ہوا حصہ دھونا فرض نہیں، لیکن افضل ہے۔

[۳] — فقہ حنفی میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔

www.waseemziyai.com

آگے اور پیچھے دونوں جگہ۔

○ — دونوں پاؤں دھونا۔

یہ وضو کا پانچواں فرض ہے۔ پاؤں دھونے میں دونوں ٹخنے بھی شامل ہیں، — اور اگر دونوں پنڈلیاں آدھی آدھی دھولی جائیں تو یہ مستحب ہے، — اور اگر صرف ٹخنوں تک پاؤں دھوئے تو یہ بھی کافی ہے، — دونوں پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ضروری ہے، — خلال کا طریقہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پاؤں کے اندرونی حصے کا اس طرح خلال کریں کہ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کیا جائے اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے، — اگر پاؤں پھٹے ہوئے ہوں تو اس پھٹے ہوئے حصے میں بھی پانی پہنچانا ضروری ہے، — اگر اس پر کوئی چیز مثلاً چربی یا آٹا وغیرہ لگا ہو تو اسے دور کرنا بھی لازم ہے۔

○ — وضو اس ترتیب سے کیا جائے جس طرح سے قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔[۱]

○ — ساتواں فرض یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم قول کے مطابق سب مذکورہ اعضاء کو لگاتار کسی وقفہ کے بغیر دھویا جائے۔[۲] جس کی حد یہ ہے کہ معمولی ہوا میں ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا فوراً دھولیا جائے۔

وضو کی سنتیں:

وضو کی تیرہ سنتیں ہیں، جو یہ ہیں:

○ — وضو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا جائے،

○ — دونوں ہاتھوں کو کلائی تک پہلے دھولیا جائے،

○ — کلی کرنا، اس طرح کہ پانی حلق تک پہنچ جائے،[۳]

○ — ناک میں پانی ڈالتے وقت اس کی اچھی طرح صفائی کرنا، سانس کے ذریعے ناک میں پانی اس طرح چڑھانا کہ وہ نتھنوں تک پہنچ جائے۔

○ — گھنی داڑھی کا خلال کرنا،

○ — انگلیاں کھول کر خلال کرنا،

○ — خلال کی دائیں جانب سے ابتداء کرنا،

○ — کہنیوں اور ٹخنوں کا (ان کی حد سے زیادہ) آگے تک دھونا،

---

[۱] — فقہ حنفی میں ترتیب رکھنا فرض نہیں، سُنّت ہے۔ قرآنی ترتیب میں یہ ہے کہ پہلے چہرہ دھویا جائے، پھر ہاتھ، اس کے بعد سر کا مسح اور آخر میں پاؤں دھونا شامل ہے۔

[۲] — فقہ حنفی میں لگاتار دھونا فرض نہیں۔

[۳] — اگر روزے کی حالت میں ہو تو غرغرہ کرنے میں احتیاط کرے۔

www.waseemziyai.com

○ — پورے سر کا مسح کرنا،

○ — کانوں کا مسح کرنا،

○ — ہر عضو کو تین بار دھونا،

○ — امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اعضائے وضو کا لگاتار دھونا،

○ — اعضائے وضو کا تین بار سے زیادہ نہ دھونا۔

وضو کے مستحبات:

وضو کے مستحبات میں سے یہ ہے:

○ — ہاتھوں کو جھٹکا نہ جائے،

○ — وضو کے دوران گفتگو نہ کی جائے،

○ — پانی طمانچے کی طرح نہ مارا جائے،

○ — وضو کا تازہ کر لینا بھی مستحب ہے، — پہلے وضو سے جس قدر نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں، پڑھ لی جائیں، ورنہ یہ مکروہ ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۵:

صوفیاء کے آدابِ وضو

وضو میں حضوریٔ قلب:

وضو کے احکام کا علم ہونے کے بعد صوفیاء کے آدابِ وضو جاننا ضروری ہے۔ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اعضائے وضو دھوتے وقت حضوریٔ قلب کو بھی برقرار رکھنا چاہیے، ـــــ اس سلسلے میں ایک بزرگ کا یہ ارشاد قابلِ توجہ ہے:

''اگر وضو کے دوران حضوریٔ قلب میسر ہوگی تو نماز میں بھی حضوریٔ قلب میسر ہوگی، ـــــ اگر اس میں کوئی سہو ہوگا تو نماز میں وسوسے پیدا ہوں گے''۔

وضو کی فضیلت:

ہر وقت باوضو رہنا بھی صوفیاء کے آداب میں سے ہے، ـــــ وضو مؤمن کا ہتھیار ہے۔اعضاء و جوارح جب وضو کے حصار اور حفاظت میں آجاتے ہیں تو صاحبِ وضو شیطان کے وار سے محفوظ رہتا ہے۔

صوفیاء ہر وقت باوضو رہتے ہیں:

- ـــــ حضرت عدی بن حاتم طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، تب سے ہر نماز کے وقت باوضو ہوتا ہوں''۔

- ـــــ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''اے میرے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے تو ہر وقت باوضو رہا کرو۔کیونکہ اگر کسی کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ باوضو ہو تو اسے شہادت کا درجہ حاصل ہوگا''۔

- ـــــ ایک (صاحبِ ایمان) اور دانا کا شیوہ ہے کہ وہ موت کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، ـــــ موت کی تیاری میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہر وقت باوضو رہے۔

- ـــــ حضرت شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں جب بھی رات کو بیدار ہوتا ہوں تو اسی وقت اُٹھ کر تازہ وضو کرتا ہوں۔جب دوبارہ نیند آئے تو میں وضو سے

www.waseemziyai.com

ہوں"۔

○ ـــ میں نے شیخ ابو علی الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی سے یہ سنا ہے کہ شیخ موصوف ساری رات بیٹھے رہتے تھے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا، اس وقت بھی اسی طرح بیٹھے رہتے، بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ جب آنکھ کھلتی تو فرماتے: "میں بے ادبی نہیں کروں گا" ـــ یہ کہتے ہوئے اُٹھتے اور تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے۔

○ ـــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے مسلمان ہو کر سب سے اچھا کیا کام کیا ہے' کیونکہ شب معراج میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتے کی آواز سنی تھی"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دائرۂ اسلام میں آ کر میں نے جو کام کیے ہیں، ان میں سب سے زیادہ تسکین واطمینان کا باعث یہ کام ہو سکتا ہے کہ رات یا دن کے کسی حصہ میں، میں نے جب بھی وضو کیا تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا، میں نے نمازیں ادا کی ہیں"۔[1]

طہارت میں پانی کا کم استعمال:

صوفیاء کرام کے طہارت کے سلسلہ میں ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ پانی کے استعمال میں فضول خرچی نہیں کرتے، اور اپنے علم کی حد پر قائم رہتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وضو کا بھی ایک شیطان ہوتا ہے جس کا نام "ولہان" ہے، لہٰذا تم پانی کے وسوسوں سے بچا کرو"۔

شیخ عبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اولادِ آدم کے ہر کام میں شریک ہو کر اپنا حصہ وصول کر لے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اسے یہ حصہ کس طرح سے ملتا ہے، احکامِ الٰہی میں لوگوں کے زیادتی کرنے سے یا کمی کر دینے سے۔

نفس کشی کی نادر روزگار مثال:

○ ـــ حضرت شیخ ابن الکرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک رات انہیں غسلِ جنابت کی حاجت ہوئی۔ اس وقت وہ ایک بہت ہی موٹا پیوند لگا خرقہ پہنے ہوئے تھے۔ دریائے دجلہ پر غسل کے لیے آئے تو سخت سردی تھی۔ اس وقت وہ پانی میں داخل ہونے سے ہچکچائے۔ سخت سردی کے باعث طبیعت غسل کے لیے مائل نہ ہوئی۔ دفعتاً خرقہ سمیت پانی میں کود پڑے۔ پھر جب پانی سے نکلے تو فرمایا:

"میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس وقت تک یہ خرقہ (گدڑی) نہیں اتاروں گا، جب تک یہ میرے بدن پر ہی سوکھ نہ جائے"۔

---

[1] یعنی جب بھی وضو کیا' وضو کرنے کے بعد وضو کے دو نوافل (تحیۃ الوضو) ادا کرنے کو اپنا شعار بنا لیا۔

www.waseemziyai.com

وہ خرقہ چونکہ کافی موٹا تھا، اس لیے اسے سوکھنے میں ایک مہینہ لگ گیا، اور وہ یونہی ایک ماہ گیلا خرقہ پہنے رہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے نفس کو اس کی سرکشی پر سزا دی۔

○ —— منقول ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے:

''وہ پانی زیادہ پیا کریں اور اسے زمین پر نہ پھینکیں، —— اس سے یہ ہے کہ زیادہ پانی پینے سے نفس کمزور ہو جاتا ہے، نہ صرف اس کی خواہش مردہ ہو جاتی ہے بلکہ اس کی طاقت بھی کم ہو جاتی ہے''۔

وضو کے لیے پانی بچا کے رکھنا:

صوفیاء کرام اس بات کی بہت احتیاط کرتے تھے کہ وضو کے لیے پانی بچا کے رکھا جائے۔

○ —— مذکور ہے کہ حضرت شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جنگل کے سفر پر جب نکلتے تو اپنے ہمراہ پانی کا ایک مشکیزہ رکھتے۔ اس میں سے بہت کم پانی پیتے، تاکہ وضو کے لیے پانی بچا کر رکھا جا سکے، —— اور جب مکہ معظمہ سے کوفہ جانے کا اتفاق ہوتا تو انہیں تیمّم کی حاجت نہ رہتی تھی۔ بلکہ وضو کے لیے پانی بچا کر رکھتے تھے اور پینے میں پانی بہت کم استعمال کرتے تھے۔

○ —— اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ جب تم کسی صوفی کو مشکیزے یا چھاگل کے بغیر سفر میں دیکھو تو سمجھ لو کہ اس نے نماز چھوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے، خواہ وہ مانے یا نہ مانے۔

آدابِ طہارت کی سختی سے پابندی:

○ —— ایک بزرگ نے خود کو طہارت کا اس قدر پابند بنا لیا تھا کہ وہ ایک جگہ پر کئی کئی دن تک بیٹھے رہتے تھے۔ مگر کوئی یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ کسی وقت بیت الخلاء گئے ہوں، —— ان کا معمول یہ تھا کہ جب سب درویش اُٹھ جاتے تب وہ رفع حاجت کے لیے جاتے تھے، —— اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ آدابِ طہارت کے سخت سے پابند رہیں۔

○ —— حضرت شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے رے کی جامع مسجد کے حوض کے اندر وفات پائی۔ انہیں پیٹ کی کوئی تکلیف تھی۔ جب اُٹھتے تو غسل کی حاجت ہو جاتی۔ ایک دن حسبِ معمول وہ غسل کے لیے گئے۔ ابھی حوض میں ہی تھے کہ ان کا وصال ہو گیا، —— اس طرح انہوں نے زندگی کے آخری لمحوں تک طہارت کی سختی سے پابندی کی۔

○ —— مذکور ہے ایک رات حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ستّر بار سے زیادہ اُٹھنے کی حاجت ہوئی۔ اس کے باوجود انہوں نے ہر مرتبہ تازہ وضو کیا، اور ہر وضو پر دو رکعت نماز (تحیۃ الوضو) ادا فرمائی۔

○ —— ایک بزرگ نے خود کو آدابِ طہارت کا اتنی سختی سے پابند کر لیا تھا کہ ان کی ریح صرف رفع حاجت کے موقع پر ہی خارج ہوتی تھی۔ وہ مجلس و تنہائی میں طہارت کے آداب کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔

وضو کے بعد اعضاء کا خشک کرنا:

وضو کے بعد رومال یا تولیہ سے اعضاء کا خشک کرنا، بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اعمال کی طرح وضو کا بھی وزن ہوگا، —— کچھ حضرات نے ایسا کرنا جائز سمجھا ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں دلیل کے طور پر وہ اُم المؤمنین حضرت

www.waseemziyai.com

عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا، جس سے وضو کے بعد آپ اپنے اعضاء مبارک کو پونچھتے تھے''۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ وضو کے بعد اپنے چہرۂ مبارک کو اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھا کرتے تھے''۔

ظاہری و باطنی طہارت:

صوفیاء کرام اپنے باطن کو مذموم صفات و اخلاق سے پاک کرنے میں انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ظاہری طہارت میں اس قدر مبالغہ نہیں کرتے تھے کہ علم شریعت کی حد سے آگے بڑھ جائیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک عیسائی کے مٹکے سے وضو کیا۔ حالانکہ آپ کو یہ علم تھا کہ یہ لوگ شراب سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن آپ نے ظاہری حالت اور طہارت کی غرض سے وضو کیا۔

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمین پر جا نماز کے بغیر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور راستوں پر ننگے پاؤں چلا کرتے تھے، —— اسی طرح سوتے وقت (کسی بستر وغیرہ کے بغیر) زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے، —— استنجاء کے وقت صرف ڈھیلوں پر اکتفاء کرتے تھے۔ اس طرح وہ ظاہری طہارت کے لیے آسانی، نرمی اختیار کرتے تھے، مگر باطنی طہارت میں انتہائی کوشش کیا کرتے۔

صوفیاء کرام کا بھی یونہی معمول رہا ہے۔ بعض حضرات تو طہارت کے معاملے میں شدت اور سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کا ایسا کرنا نفس کی رعونت اور سرکشی کی وجہ سے ہے۔ اگر کپڑے میلے ہو جائیں تو نفس کو تنگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ (یعنی پریشان ہو جاتا ہے) لیکن اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے باطن میں کس قدر بغض، کینہ، حسد، غرور، خود پسندی، ریا اور نفاق بھرا ہوا ہے، —— یعنی میلے کپڑوں (ظاہری حالت کی) کی پرواہ تو ہے لیکن باطن کے میل کچیل کی کوئی پرواہ نہیں، —— اسی طرح اگر کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہے تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے، حالانکہ شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، اجازت دی ہے، —— لیکن اسے کوئی منع نہیں کرتا جو غیبت کے بُرا نہیں سمجھتا اور اس کے ذریعے اپنے دین کو خراب اور تباہ و برباد کر رہا ہے، ——

یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے:

- —— ان کے پاس علم دین کی کمی ہے،
- —— انہوں نے مخلص حضرات اور سچے علماء کی صحبت سے ادب نہیں دیکھا۔

رخصت نہیں عزیمت:

طہارت میں صوفیاء کرام جو انتہائی کوشش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں استنجاء کے دوران وہ عضو مخصوص کو زیادہ ملنا پسند نہیں فرماتے، کیونکہ اس سے:

- —— ایک تو رگیں کمزور پڑ جاتی ہیں،

www.waseemziyai.com

○ ــــ دوسرا یہ کہ پیشاب بار بار آتا ہے، اور ''قطرے'' گرنے کا عارضہ ہو جاتا ہے۔

وضو اور طہارت کے سلسلے میں صوفیاء کرام نے رخصت نہیں عزیمت پر عمل کیا:

○ ــــ شیخ ابو عمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ میں تیس سال تک قیام پذیر رہے، اس دوران انہوں نے حرم کی حدود میں رفع حاجت نہیں کی، بلکہ حدود حرم سے باہر جاتے تھے، جس کی کم از کم حد ایک فرسخ (تین میل) ہے۔

○ ــــ ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے چہرے پر بارہ سال تک زخم رہا۔ وہ زخم اس وجہ سے مندمل نہیں ہو سکا کہ پانی اس کے لیے نقصان دہ تھا، اس کے باوجود وہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔

○ ــــ ایک بزرگ کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ لوگوں نے ان کے معالجے کے لیے کثیر رقم خرچ کی۔ طبیب نے کہا:

''علاج کے لیے انہیں وضو چھوڑنا پڑے گا، اور پیٹ کے بل لیٹنا پڑے گا''۔

انہوں نے اس کی بات نہ مانی اور وضو چھوڑنے کے مقابلے میں نابینا ہونے ترجیح دی۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۶:

نماز کی فضیلت

مؤمنوں کی کامیابی کا راز:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو جب پیدا فرمایا تو اس میں ایسی چیزیں پیدا فرمائیں، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا، ــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے جنتِ عدن! بات کر!''

اس پر اس نے تین بار یہ کہا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ (پ۱۸:۱)

''وہی مؤمن فلاح پانے والے ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کرتے ہیں''۔

منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایک دن جبریل (علیہ السلام) زوالِ آفتاب کے وقت میرے پاس آئے اور انہوں نے میرے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی''۔

نماز نفس کی کجی درست کرنے کے لیے ہے:

مذکور ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ ''صلی'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں: ''آگ!'' ــــ جب کسی ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسے آگ کے پاس لے جاتے ہیں۔ آگ کی تپش سے وہ ٹیڑھی لکڑی سیدھی ہو جاتی ہے، ــــ اسی طرح انسان میں نفس امارہ کی وجہ سے کجی پائی جاتی ہے، جو بُرائی کی راہ پر چلاتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کے انوار و تجلیات ایسے ہیں کہ اگر ان کے حجابات دور ہو جائیں تو جہاں تک وہ پہنچیں گے، انہیں جلا ڈالیں گے، ــــ چنانچہ جب نمازی کو سطوتِ الٰہی اور عظمتِ ربانی کے شعلے کی تپش پہنچتی ہے تو اس سے نفس کی کجی درست ہو جاتی ہے۔ بلکہ اسے روحانی معراج کی دولت حاصل ہو جاتی ہے، ــــ لہٰذا نمازی بھی اس شخص کی طرح ہوا، جو آگ تاپ رہا ہو، ــــ چنانچہ جس نے صلوٰۃ کی آگ سے تپش پائی، اس کے ذریعے اس کی کجی درست ہوگئی۔ ایسا شخص جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا، اسے فقط رسم (قسم) پوری کرنے کے لیے پل صراط پر سے گزرنا پڑے گا۔

www.waseemziyai.com

نماز اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے، چنانچہ:

○ — جب میرا بندہ کہتا ہے: ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم'' — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری تعظیم کی'' — اور

○ — جب وہ کہتا ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o'' — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری حمد کی'' — اور

○ — جب وہ کہتا ہے: ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o'' — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری تعریف کی'' — اور

○ — جب وہ کہتا ہے: ''مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ o'' — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیئے'' — اور

○ — جب میرا بندہ کہتا ہے: ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o'' — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان (معاملہ) ہے'' — اور

○ — جب وہ کہتا ہے: ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ o ○ — تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ سب میرے بندے کے لیے ہے، اور جو کچھ اس نے مانگا وہ پورا ہوگا''۔ (اسے عطا کیا جائے گا۔)

پس نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان ایک پیوند اور تعلق ہے۔

خشوع وخضوع کی اہمیت:

نماز چونکہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کو جوڑتی ہے، اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ خشوع وخضوع اختیار کرے۔ تاکہ اس کے جذبہ بندگی وعبودیت پر رب کی ربوبیت کا رعب ودبدبہ قائم رہے۔

مذکور ہے کہ جب کسی چیز پر انوار وتجلیاتِ الٰہی کا نزول ہو تو وہ خشوع وخضوع اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے جس بندے کا نماز میں اللہ سے تعلق قائم ہو جائے تو اس کے لیے اس پر انوار وتجلیات کا نزول ہوتا ہے اور وہ خشوع وخضوع اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ فلاح وکامرانی صرف انہی لوگوں کے لیے ہے، جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں، — اگر دل میں خشوع وخضوع نہیں ہوگا تو فلاح وکامرانی بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے:

''میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو'' —

چنانچہ نماز جب اللہ کے ذکر کے لیے ہوگی تو اس میں نسیان اور فراموشی کیسے ممکن ہے۔ ارشادِ باری ہے:

''نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو''۔ [1]

---

[1] — یہ آیت شراب حرام ہونے کا حکم آنے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ شراب حرام ہونے کا حکم آجانے کے بعد نشہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

www.waseemziyai.com

یعنی جسے یہ پتا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، وہ نماز کیسے پڑھ سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اسے اس بات سے منع فرمایا ہے،

○ — جس طرح ایک مے خوار ہوش وحواس کی درستی کے بغیر باتیں کرتا ہے،

○ — اسی طرح ایک غافل شخص جو نماز پڑھ رہا ہے، اس کی عقل بھی حاضر نہیں،

دونوں غفلت کے اعتبار سے ایک ہوئے، — اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○

''اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم ایک مقدس وادی طویٰ میں ہو''۔

''غریب التفاسیر'' میں ''نَـعْـلَـيْكَ'' کی یہ توضیح کی گئی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اے موسیٰ! تمہارا ارادہ اپنی بیوی اور بھیڑ بکریوں کے چرانے کے کام میں مشغول رہنا ہے۔ لہٰذا نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف خیال کرنا نشہ (سُکر) کی مانند ہے۔

مذکور ہے کہ (ابتدائے حال میں) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں کبھی آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی دائیں بائیں دیکھا کرتے تھے۔ اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○

''وہ جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرتے''۔

تو انہوں نے اپنی نظریں اور اپنے رُخ اسی طرف کر لیے، جس طرف وہ سجدہ کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ آسمان کی طرف یا دائیں بائیں دیکھتے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے ہوتا ہے، جب وہ کسی اور طرف دھیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے ابن آدم! جس کی طرف تو دیکھ رہا ہے کیا وہ مجھ سے بہتر ہے؟ — میری طرف منہ کر، میں تیرے لیے اس سے کہیں بہتر ہوں، جس کی طرف تو رُخ کر رہا ہے''۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، — آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر اس شخص کے دل میں خشوع وخضوع ہوتا تو اس کے اعضاء وجوارح بھی خشوع وخضوع کرتے''۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے تاکید فرمائی:

''جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو کہ جیسے کوئی رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے۔ کیونکہ نمازی اللہ کی طرف دل سے رواں دواں ہے۔ یعنی وہ اس وقت اپنی خواہشوں، اپنی دنیا اور اس کی سب چیزیں چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہے''۔

www.waseemziyai.com

صلوٰۃ کے معنی ہیں: دعا کرنا:

صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: پکارنا، دعا کرنا، — جب کوئی بیمار پڑھتا ہے تو وہ اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ کو پکارتا ہے۔ اس کے سب اعضاء (سراپا) زبان بن جاتے ہیں، جن کے ذریعے بندہ ظاہر و باطن میں اللہ کو پکارتا ہے، — اس کی ظاہری حالت گریہ وزاری اور خضوع اور نیازمند سائلوں کی طرح گڑگڑا کر لجا کر مانگنے میں اپنے بیان کی شریک ہے۔ چنانچہ جب وہ سراپا دعا بن کر اپنے رب کو پکارے گا تو اس کا رب اپنے بندے کی دعاؤں کو ضرور سنے گا۔ کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا ہے:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ○

''تم مجھے پکارو! میں تمہاری دعا کو ضرور قبول کروں گا''۔

حضرت خالد الربعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مجھے مذکورہ بالا آیت بہت ہی پسند ہے کیونکہ اس میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دے کر اس نے اس کے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں رکھی''۔

استجابت اور اجابت کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی دعا اثر کرے، یعنی قبول ہو، کیونکہ مخلص دعا مانگنے والا جو اپنے نور یقین کی بدولت پکارے جانے والے کو جانتا ہے، کی دعا سب حجابات کو چاک کرتی ہوئی اللہ کی بارگاہ میں پہنچتی ہے اور اس کی حاجت کو پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

سبع مثانی یعنی سورۂ فاتحہ:

اللہ نے اُمتِ (مرحومہ) پر سورۂ فاتحہ نازل فرما کر خاص احسان فرمایا ہے۔ کیونکہ اس میں ثناء کو دعا پر فوقیت دی گئی ہے۔ تاکہ ثناء کے بعد جو دعا کی جائے وہ جلد قبول ہو جائے، — اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سورہ فاتحہ کے ذریعے دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی یعنی دہرائی ہوئی سات آیتیں بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمِ ○

''اور ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا''۔

بعض محققین نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کا نام سبع مثانی اس لیے رکھا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر دو بار نازل ہوئی:

○ — ایک بار مکہ معظمہ میں،

○ — ایک بار مدینہ منورہ میں،

جس بار بھی نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کے لیے اس میں اور ہی فہم و مدعا تھا۔ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ کو جتنی بار بھی تلاوت فرماتے، ہر بار ایک نیا معنی و مفہوم سامنے آتا، — یہی حال آپ کی امت کے نمازیوں کا ہے۔ اس سورت سے ان پر عجیب و غریب اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ہر وقت تلاوت، سے معانی کے دریا سے نت نئے موتی ہاتھ آتے ہیں۔

یہ بھی مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ کو مثانی اس۔ لیے کہا گیا ہے کہ یہ دوسرے رسولوں کو عطا نہیں ہوئی اور یہ سات آیتیں ہیں۔

www.waseemziyai.com

نماز میں جھومنا اور جھولنا:

حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے نماز میں جھومتے ہوئے دیکھا تو مجھے بہت ڈانٹا۔ قریب تھا کہ میری نماز ٹوٹ جائے، —— پھر آپ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اس کے سب اعضاء پُرسکون ہوں۔ وہ یہودیوں کی طرح جھومنے نہ لگ جائے۔ اعضاء کے پُرسکون ہونے سے ہی نماز کی تکمیل ہوتی ہے''۔

ایک اور حدیث مبارک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''منافقانہ خشوع وخضوع سے اللہ کی پناہ مانگو'' —— آپ سے دریافت کیا گیا:

''یہ منافقانہ خشوع وخضوع کیا ہے؟'' —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بدن پر خشوع طاری ہو مگر قلب بدستور منافق ہو، —— جسم کا جھکنا اور جھومنا لیکن قلب کی حضوری نہ ہونا''۔

نماز میں یہودیوں کے جھومنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی باطنی کوتاہیوں کی بناء پر ان کی ظاہری حالت اور ظاہری معاملات پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کے ہاں ظاہری کاموں کو بڑی اہمیّت حاصل تھی۔ اسی لیے ان پر وحی نازل ہوئی تھی کہ وہ تورات کو سونے سے آراستہ کریں۔

اس حوالے سے میری سمجھ میں توضیح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نماز اور دعا اور مناجات کے موقع پر روحانی واردات نازل ہوتی تھی۔ اس سے ان کا باطن اس طرح جھومنے لگتا تھا جس طرح پُرسکون سمندر میں ہوا چلنے سے لہروں میں تلاطم آتا ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جھومنا ایسا تھا جیسے قلب کے سمندر کی لہروں میں تلاطم آ جائے، کیونکہ اس پر فضل الٰہی کی بادِ نسیم اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ روح بارگاہِ الٰہی کے نظارے کے لیے بلند ہونے کا ارادہ کرتی ہے۔ روح کا اس وقت قلب کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے بدن بھی روح کے ساتھ لہر میں آ جاتا ہے، —— یہودیوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ظاہری حالت دیکھی تو باطنی اسرار کو بغیر سمجھے وہ بھی جھومنے لگے۔ ان کی اس حالت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بنی اسرائیل کے دل سے یوں اللہ کی عظمت جاتی رہی۔ یعنی ان کے بدن تو اس بات کی شہادت دے رہے تھے مگر دل عظمت واحترام سے خالی تھے''۔

غافل دل کی نماز قبول نہیں:

اس بندے کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا قلب اللہ کی ذات کو اسی طرح نہ تسلیم کرے، جس طرح کہ اس کے بدن نے اسے تسلیم کیا ہے، —— اگر کسی کا دل غافل ہو، خواہ وہ ہمیشہ نماز پڑھنے میں لگا رہے تو اس کے نامۂ اعمال میں قبولیت نہیں لکھی جائے گی۔

www.waseemziyai.com

فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے:

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''انسان کو فرائض کی تکمیل کے لیے مؤکدہ سنتوں کی ضرورت ہوتی ہے، — جبکہ سُنتوں کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے، — نوافل کی تکمیل کے لیے آداب کا علم ہونا ضروری ہے، — ان آداب میں ترکِ دنیا بھی شامل ہے''۔

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تشریح و توضیح ہوتی ہے۔

ایک دن آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے بندہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ (خالصاً) اللہ کے لیے نماز کی تکمیل نہیں کر پاتا''۔

لوگوں نے عرض کیا: ''ایسا کس لیے ہے؟'' — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ نماز تو پڑھتا ہے لیکن نماز میں اللہ کی ذات کے لیے مطلوبہ خشوع و خضوع نہیں ہوتا، نہ ہی نماز میں اس کا اللہ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔

نماز میں فرشتوں کی معیت:

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے درمیان حجاب کو اُٹھا دیتا ہے، — پھر اس کی ذات بندے کے سامنے ہوتی ہے۔ فرشتے بھی اس کے شانوں سے ہوا میں پہنچ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، — جب وہ دعا مانگتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں، — اس وقت آسمان سے اس پر قبولیت اور رضائے الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے:

اگر نمازی کو پتہ چل جائے کہ وہ کس کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہے تو وہ کسی اور کی طرف خیال نہ کرے اور نہ ہی سلام پھیر کر نماز ختم کرے''۔

آسمان والوں کی ساری عبادتیں ایک رکعت میں:

اللہ تعالیٰ نے نمازی کی ایک رکعت میں سب آسمان والوں کی عبادتیں یکجا کر دی ہیں۔ جو ان کے لیے علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائی ہیں، ان میں:

- — کچھ فرشتے جب سے وہ پیدا ہوئے، رکوع کی حالت میں ہیں، قیامت تک وہ رکوع میں ہی رہیں گے،
- — کچھ فرشتے سجدے کی حالت میں ہیں،
- — کچھ قیام کی حالت میں ہیں، اور کچھ قعدے کی حالت میں ہیں۔

چنانچہ:

www.waseemziyai.com

○ — جب بندہ رکوع کرتا ہے تو وہ ''ملائکہ راکعین'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے،

○ — جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو وہ ''ملائکہ ساجدین'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے،

○ — جب قیام کرتا ہے تو ''ملائکہ قیامین'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے،

غرض کہ نماز کی ہر حالت میں ملائکہ کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

رکوع طویل کرنا:

نمازی کو چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دوسری نمازوں، سُنتوں اور نفلوں میں رکوع طویل کرے، تاکہ رکوع کی لذت سے لطف پائے، — جتنی دیر تک دل لگے، رکوع میں رہے، — اگر بوجوہ تکان، ضعف، بڑھاپے کے باعث طویل نہ کر سکے تو استغفار پڑھے اور رکوع کی حالت کو برقرار رکھے۔ تاکہ اس ہیئت میں خشوع و خضوع کی لذت اُٹھائے۔ اور اس کا قلب بھی اس کے قالب کی طرح اس رنگ میں رنگ جائے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مخلصانہ رکوع کرنے والے نمازی یہ محسوس کرتے ہیں کہ رکوع یا سجدے سے اُٹھ کر حقیقی رکوع یا سجدے کا حق نہیں ادا کر رہے۔ اس وقت ان کی مکمل توجہ اس طرف ہونی چاہیے کہ وہ رکوع کی حالت میں مستغرق رہے۔ اور دوسری ہیئت میں جانے کی جلدی نہ کرے، — اس طرح اسے ہر ہیئت میں لطف محسوس ہوگا اور بہت زیادہ برکت حاصل ہوگی، جلد بازی فطرت کا خاصہ ہے، اس سے غیبی فتوحات کا در بند ہو جاتا ہے، — ایسا شخص نسیم فیض کے جھونکوں کے سامنے تب تک کھڑا رہے گا، جب تک کہ وہ مکمل طور پر فیض یاب نہ ہو جائے۔ جب اس اُنس اور قرب سے وجود کے آثار نہ رہیں گے تو وہ مقامِ وصال سے سرفراز ہو سکے گا۔

نماز کی حالتیں اور اذکار:

مذکور ہے کہ نماز میں چار حالتیں اور چھ اذکار ہیں، — وہ چار حالتیں یہ ہیں:

○ — قیام، ○ — قعود، ○ — رکوع، ○ — سجود

اور چھ اذکار یہ ہیں:

○ — تلاوتِ قرآن، ○ — تسبیح، ○ — حمد

○ — استغفار ○ — دعا، ○ — رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا۔

اس طرح یہ پوری دس عبادتوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ یہ دس عبادتیں فرشتوں کی دس جماعتوں میں بانٹ دی گئی ہیں۔ ہر جماعت دس ہزار فرشتوں کی ہے، — اس طرح نمازی کی دو رکعتوں میں وہ تمام عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں جو ایک لاکھ فرشتوں پر بانٹی گئی ہیں، — چنانچہ خشوع و خضوع اور نماز میں استغراق سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۷:

مقربین بارگاہِ الٰہی کی نماز

اس باب میں ہم اپنی عقل‘ سمجھ اور معلومات کے مطابق نماز کی کیفیت‘ اس کی ہیئت اور ظاہری و باطنی آداب بیان کریں گے۔ اگلے ابواب کی مانند تفصیل سے بچنے کیلئے اہلِ صدق و صفا اور بزرگانِ دین کے اقوال نہیں پیش کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ اقوال بہت زیادہ ہیں‘ اور اس طرح اختصار باقی نہ رہے گا‘ اور بات بھی لمبی ہو جانے کا امکان ہے۔

نماز کیلئے تیاری:

نماز کیلئے لازم ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے نماز کی تیاری کرے۔ وضو کو نماز کا وقت آ جانے پر مؤخر نہ کرے۔ تاکہ وقت سے پہلے وضو کر کے نماز کے آداب کی پوری پوری پابندی ہو سکے۔

نماز کا وقت معلوم کرنا:

نماز کا وقت معلوم کرنے کیلئے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے:

○ ــــ وقتِ زوال کی پہچان ہونا‘ ○ ــــ قدموں کے فرق کا علم ہونا

کیونکہ دن چھوٹا بڑا ہوتا رہتا ہے۔ زوال کے سلسلہ یہ سمجھنا لازم ہے کہ:

○ ــــ جب تک اجسام کا سایہ گھٹتا رہے وہ دن کا پہلا پہر یا حصہ ہے‘

○ ــــ جب سایہ بڑھنے لگے تو وہ دن کا دوسرا پہر یا حصہ ہے جسے دوپہر کہتے ہیں۔

اس وقت سے زوال شروع ہوتا ہے۔

جب زوال شروع ہو جائے اور یہ علم ہو جائے کہ آفتاب کتنے قدموں پر ڈھلتا ہے‘ تو اس طرح وقت کا اول اور آخری پہر اور عصر کا وقت معلوم ہو جاتا ہے۔[1]

اس کے علاوہ چاند کی منزلیں پہچاننے کی بھی ضرورت ہے تاکہ طلوع فجر کا علم ہو سکے‘ اور رات کے اوقات کا بھی پتہ چل

---

[1] ــــ وقت کے اول پہر سے مراد ظہر کے وقت کی ابتداء اور آخر پہر سے مراد ظہر کے وقت کی انتہا ہے۔

نوٹ: پانچویں چھٹی صدی ہجری میں گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ وقت صرف سائے کے ذریعے معلوم کیا جاتا تھا۔ اس کا طریق کار یہ تھا کہ کھلی جگہ پر ایک لکڑی گاڑ دی جاتی تھی۔ اس کے سایہ کی مثل و دو مثل ہونے کا صحیح اندازہ لگایا جاتا تھا‘ ــــ البتہ دمشق کے شاہی محل میں ایک مسلمان ہیئت دان نے گھڑی تیار کر کے نصب کی تھی‘ جس سے عام بندہ استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔

www.waseemziyai.com

سکے۔[1] لیکن یہ سب باتیں وضاحت طلب ہیں۔

نماز کس طرح ادا کی جائے:

جب نماز کا وقت ہو جائے تو سب سے پہلے سُنّت مؤکدہ ادا کی جائیں' ــــ سُنّت مؤکدہ پہلے ادا کرنے میں خاص حکمت و مصلحت یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں پراگندگی اور انتشار ہوتا ہے۔ یعنی لوگوں سے میل جول' معاش کے حوالے سے بھاگ دوڑ' بھول چوک' کھانے پینے کی طلب اور سونے کا معمول و عادت' یہ سب انسان کے خیالات میں یکسوئی نہیں رہنے دیتے' خیالات کا بکھرنا اور پریشان ہونا قدرتی و فطری امر ہے ــــ فرائض کے ادا کرنے سے پہلے سنّتیں ادا کرنے سے طبیعت نماز کی طرف راغب ہوگی' اور باطن مناجات الٰہی ادا کرنے کی طرف مائل و آمادہ ہو جاتا ہے۔ سُنّت مؤکدہ ادا کرنے سے باطن کی کدورت اور ظلمت دور ہو جاتی ہے' ــــ مناجات کی صلاحیت اجاگر ہو جاتی ہے۔ باطن درست ہو کر فرض ادا کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اس طرح سُنّت کا ادا کرنا ایک نیک آغاز ہے۔ جس سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور بندے کو فیض کیلئے راہ ملتی ہے۔

مؤکدہ سُنّتیں ادا کرنے کے بعد فرض ادا کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں چھوٹے بڑے سب گناہوں سے توبہ کرے۔ واضح رہے کہ جن صغیرہ کبیرہ گناہوں کی طرف شریعت نے اشارہ فرمایا ہے' اور قرآن کریم اور احادیث میں جن کی صراحت کی گئی ہے' وہ گناہ عام شمار کئے جاتے ہیں ــــ جبکہ خاص گناہ وہ ہیں جو کسی شخص کی خاص روحانی حالت سے متعلق ہوں ــــ چنانچہ کوئی بھی شخص ہو اس کی باطنی حالت کے لحاظ سے کچھ ایسے گناہ ہوتے ہیں جن کی ہر کسی کو پہچان نہیں ہوتی۔ صرف صاحبِ حال ہی ان کی پہچان کر سکتا ہے ــــ یہی وہ بات ہے جس سے متعلق یہ مذکور ہے:

''نیک (ابرار) لوگوں کی نیکیاں' مقرّبین بارگاہِ الٰہی کے گناہوں میں شمار ہوتی ہیں''۔

باجماعت نماز کی تاکید:

ہر شخص کو باجماعت نماز ادا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''باجماعت نماز کو اکیلے (منفرد) نماز پڑھنے پر ستائیس گنا زیادہ فضیلت ہے''۔

نماز کس طرح ادا کرے:

جب نماز شروع کرے تو قبلہ رو ہو اور اللہ کی بارگاہ میں باطنی طور پر حاضر ہو' ــــ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ پڑھے اور دل میں آیت توجہ: اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○[2] یہ آیت توجہ نماز سے پہلے پڑھی جائے۔ تاکہ بظاہر قبلہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے اللہ کی مدد شامل حال ہو۔ نماز کی قبلہ سمت کے علاوہ رُخ کی جہت بھی خاص ہے۔

---

[1] ــــ تاکہ عشاء' تہجد اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا کی جاسکیں۔

[2] ــــ فقہ حنفی میں اس طور پر نماز کیا بتداء کرنا مروج نہیں ــــ واضح رہے کہ صاحبِ کتاب شافعی فقہ کے مقلد ہونے کے باعث شافعی فقہ کے مطابق لکھ رہے ہیں۔

www.waseemziyai.com

آیت توجہ پڑھ کر قبلہ رو ہونے کے بعد دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیاں اس کے کندھے کے برابر ہوں[۱] اور دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے پاس ہوں اور انگلیوں کے سرے بھی کانوں کے قریب ہوں۔ اس وقت انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں۔[۲] اگر کوئی کھلی رکھے تو بھی جائز ہے مگر ملائے رکھنا اولیٰ ہے۔ بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ صرف ہتھیلیاں کھولی جائیں انگلیاں نہ کھولی جائیں۔

اس کے بعد تکبیر کہے اور یہ خیال رکھے کہ اکبر کی "ب" اور "ر" کے درمیان "الف" کو کھینچ کر نہ لائے یعنی "اکبر" "اکبار" نہ بن جائے ــــ پس اکبر کو جزم کے ساتھ پڑھے ــــ اور اللہ کہتے وقت اللہ کو کھینچ کر پڑھے' لیکن ھا پر جو پیش ہے اسے زیادہ نہ کھینچے۔

تکبیر اس وقت کہے جب دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر آ جائیں۔ تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ جھٹکا دیئے بغیر چھوڑ دے' ــــ تمکنت اور وقار کا تقاضا ہے کہ جب دل کو سکون وقرار میسر ہو تو بدن کے دیگر اعضاء و جوارح بھی اس کی طرح سکون و قرار سے ہوں' ــــ نماز کی نیت اور تکبیر میں زیادہ وقفہ نہ ہونا چاہئے' دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔ تکبیر کہتے ہوئے دل میں یہ بات ٹھہر جائے کہ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا ہے' ــــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر چیز کی ایک امتیازی شان ہوتی ہے۔ تکبیر تحریمہ نماز کی امتیازی شان ہے' ــــ تکبیر اولیٰ کی امتیازی شان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے نیت اور نماز کی ابتدا کی جاتی ہے"۔

شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سالم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے:

"نیت اللہ کے ساتھ' ــــ اللہ کیلئے' ــــ اور اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' ــــ چنانچہ نیت کے بعد بندے کی نماز میں جو آفتیں داخل ہوتی ہیں وہ سب شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں ــــ دشمن کی آفتیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ اس نیت کے برابر نہیں ہو سکتیں جو اللہ کیلئے اور اللہ کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ نیکیاں شمار میں کم ہوں"۔

نماز بندے اور رب کی براہِ راست گفتگو ہے:

شیخ ابوسعید خزار رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کس طرح ادا کی جائے۔ انہوں نے فرمایا:

"نماز میں تم اللہ کے حضور میں اس طرح کھڑے ہو جس طرح قیامت کے دن اس کے حضور میں کھڑے ہوگے' ــــ اللہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو' ــــ اللہ کی ذات تمہارے سامنے ہو اور تم (براہِ راست) اس سے مناجات کر رہے ہو' ــــ لیکن اس وقت یہ بات تمہارے پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ تم اس کے سامنے کھڑے ہو جو ایک عظیم الشان بادشاہ ہے"۔

پہلی تکبیر کس طرح کہی جائے:

مذکور ہے کہ بعض عارفانِ حق سے دریافت کیا گیا کہ پہلی تکبیر کس طرح کہنی چاہئے؟ ــــ انہوں نے فرمایا:

۱ــــ فقہ حنفی میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے جاتے ہیں۔

۲ــــ فقہ حنفی میں انگلیاں ان کی عام حالت میں چھوڑ دی جائیں' پھیلائی نہ جائیں۔

www.waseemziyai.com

''جب تم اللہ اکبر کہو تو ان باتوں کا تصور دل میں لاؤ:

○ ــــ الف کو ادا کرتے وقت اللہ کی عظمت'

○ ــــ لام کے ساتھ اس کی سطوت و ہیبت'

○ ــــ ہا کے ساتھ اس کا قرب''۔

بعض حضرات صوفیاء کرام جب تکبیر کہتے ہیں' وہ اسی لمحے عظمتِ الٰہی اور اس کی کبریائی کے مطالعہ میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ ان کا باطن انوار الٰہی سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس وقت سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں یوں سمٹ آتا ہے جیسے وسیع و فراخ میدان میں رائی کا کوئی دانہ ہو' ــــ جس کی نظر میں دنیا رائی کے دانے کی مثل ہوگئی' اس صاحب باطن کو نفسانی وسواس سے کیا خوف ڈر ہو سکتا ہے' ــــ اسی لئے وسوسے اور نفسانی خواہشیں اس بندۂ حق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ وہ اپنی روحانی لطافت اور پاکیزگی کے باعث اللہ کی عظمت و جبروت کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے۔ روح بھی عظمتِ الٰہی کے مطالعہ میں مصروف ہوتی ہے۔ دل نیت میں مشغول ہوتا ہے۔ اس وقت نماز کی نیت اپنی بہترین صفات سمیت عظمتِ الٰہی کے نور میں اس طرح پوشیدہ طور پر موجود ہوتی ہے' جس طرح آفتاب کی روشنی میں ستارے پوشیدہ طور پر موجود ہوتے ہیں۔

اس کے بعد اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے۔ اور دونوں ہاتھوں کو سینے اور ناف کے درمیان رکھے۔[1] دایاں ہاتھ اس کی فضیلت کی وجہ سے اوپر رکھا جاتا ہے۔ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو کھنچا ہوا کلائی پر رکھے۔ بقیہ تین انگلیوں سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آیت مبارکہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ کی تفسیر میں فرمایا:

''دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے سے نیچے رکھے۔ سینے کے نیچے ایک رگ ہے جسے ناحر کہا جاتا ہے' ــــ چنانچہ وَانْحَرْ کے معنی یہ ہوئے: ''اپنا ہاتھ ناحر کے اوپر رکھو''۔

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا:

''وَانْحَرْ کے معنی ہیں: اپنے سینے کو قبلہ کے رُخ پر رکھو'' ــــ

اس میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے' جس کا انکشاف پردۂ غیب سے ہی ممکن ہے۔

ہاتھ باندھنے میں پوشیدہ نکتہ:

نماز میں ہاتھ باندھنے میں جو نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے:

○ ــــ انسان کو اپنی لطیف حکمت کے ساتھ پیدا کیا'

○ ــــ اپنے شرف و بزرگی عطا کی'

○ ــــ اسے اپنی توجہ اور وحی کا اہل بنایا'

---

[1] ــــ فقہ حنفی میں نماز کے دوران دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جاتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ اسے زمین و آسمان میں اس طرح برگزیدہ بنایا کہ اس کی یہ بزرگی:

○ ـــ روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی

○ ـــ ارضی بھی ہے اور سماوی بھی

○ ـــ اسے اپنی حکمت سے راست قد اور بلند و بالا بنایا۔

دل کی حد سے لے کر اوپر کا حصہ آسمانی اسرار کا مخزن ہے' ـــ اس کا نچلا نصف حصہ زمینی اسرار کا مرکز ہے' ـــ چنانچہ نفس کا مرکزی مقام نچلا نصف حصہ ہے' اور روحانی روح کا مقام اور قلب' اس کا بالا نصف حصہ ہے' ـــ اس طرح روحانی جذبات کی نفسانی جذبات سے تصادم اور جنگ جاری رہتی ہے' ـــ اسی تصادم اور جنگ کی وجہ سے فرشتوں اور شیطان کے اثرات کی کشمکش جاری و ساری رہتی ہے' ـــ نماز کے وقت یہ کشمکش اور شدید ہو جاتی ہے۔ اس وقت ایمان اور طبیعت میں کشاکش پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت نمازی کا قلب' آسمانی حصہ بن کر فنا اور بقا کے درمیان آمدورفت کرتا ہے' ـــ اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ:

''نفسانی جذبات اپنے مرکز سے اوپر کی طرف چڑھنا چاہتے ہیں''۔

چونکہ اعضاء و جوارح کا باطن کی ان کیفیات و تصرفات سے ایک طرح کا تعلق ہے' اس لئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر نفس کو مقید کیا جاتا ہے اور نفسانی جذبات کو اوپر جانے سے روک دیا جاتا ہے' ـــ اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعد نماز میں وسوسے اور نفسانی تصورات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

روحانی جذبات جب غلبہ حاصل کر لیں' اور کمال انس و محبت کے مواقع سر تا پا چھا جائیں' ـــ آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے اور مشاہدے کا تسلط مکمل ہو جائے تو:

○ ـــ نفس مغلوب اور عاجز ہو جائے گا' اس کا مرکز روح کے نور سے روشن ہوگا۔

○ ـــ اس وقت نفسانی جذبات منقطع ہو جائیں گے۔

نفسانی مرکز جس قدر روشن ہوتا جائے گا' عبادت کی تھکان اسی قدر زائل ہوتی جائے گی۔ تا آنکہ نفس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی' ـــ کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر نفسانی جذبات کو روک دیا جائے' بلکہ ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں گے۔

اس نکتہ کی تائید رسول اللہ ﷺ سے نقل کردہ روایت سے ہوتی ہے:

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی''۔

یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

دل کے رُخ کی صفائی کیلئے دُعا:

اس کے بعد آیت توجہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ (مکمل) پڑھے' ـــ نماز شروع کرنے سے پہلے جس توجہ کی ضرورت تھی وہ بدن کے رُخ کی صفائی کیلئے تھی۔ مندرجہ ذیل دعا دل کے رُخ کی صفائی کیلئے ہے:

اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآ اِلٰـهَ غَيْرُكَ ○ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ

www.waseemziyai.com

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا ۝ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ فَاِنَّهٗ لَایَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا فَاِنَّهٗ لَایَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ فَالْخَیْرُ كُلُّهٗ بِیَدِكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ ۝

قیام کے آداب:

- ○ —— قیام کے وقت سر جھکا ہوا ہو' نظر سجدے کے مقام پر لگی ہو۔
- ○ —— قیام میں ضروری ہے کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو۔ دونوں گھٹنوں' کمر اور بدن کے دوسرے جوڑوں کی خفیف سی لچک اور جھکاؤ بھی نہ رہے۔ یعنی نماز میں اس طرح کھڑا ہو کہ جیسے وہ اپنے سارے بدن کے ساتھ زمین کو دیکھ رہا ہے۔ اس طرح سے تمام اعضاء خشوع وخضوع اختیار کر سکیں گے کیونکہ قلب کے خشوع کے ساتھ ساتھ بدن بھی خشوع اختیار کرتا ہے۔
- ○ —— قیام کے دوران دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کے برابر فاصلہ ہونا چاہئے کیونکہ دونوں ٹخنوں کو ملانا منع ہے۔
- ○ —— اسی طرح ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ سے اونچا نہ کیا جائے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔
- ○ —— اسی طرح ایک پاؤں پر زور دینا اور ایک پر کم زور دینا بھی مناسب ہے بلکہ دونوں پاؤں پر برابر زور ہونا چاہئے۔
- ○ —— سینے کی طرف ہاتھ نکالنا بھی مکروہ ہے۔
- ○ —— لباس کے کناروں کو زمین کی طرف لٹکانے (سدل) سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ اس سے غرور وتکبر جھلکتا ہے۔
- ○ —— اسی حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو کپڑے کو اپنے چاروں طرف لپیٹ کر اور کپڑوں کے اندر ہاتھ کر کے رکوع اور سجدہ کرے' —— اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اپنی قمیض اور کرتے کے نیچے کرے' —— یا سجدے کے وقت اپنے لباس کو اٹھائے۔
- ○ —— اسی طرح کولہوں پر ایک یا دونوں ہاتھ رکھنا' —— اور دونوں بازوؤں کو پسلیوں سے الگ کرنا بھی منع ہے۔

ان شرائط کے مطابق مکروہات سے پرہیز کرے تو قیام مکمل ہوگا' —— اس کے بعد آیتِ توجہ اور مذکورہ بالا دعا پڑھے۔ اس کے بعد تعوذ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ پڑھے' —— پھر ہر رکعت کے شروع میں قرأت سے پہلے تعوذ پڑھا کرے' —— پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد قرأت کرے' —— سورہ فاتحہ اور قرأت' دل کی حضوری' دلی اطمینان' یکسوئی' زبان وقلب کی ہم آہنگی' وصل وقرب' ہیبت' خشوع وخضوع' تقویٰ' تعظیم ووقار' ان تمام کیفیات کے ساتھ پڑھے —— ان میں مشاہدہ ومناجات کے سب آداب موجود ہیں' —— اگر امام ہو تو سورۂ فاتحہ اور قرأت کے درمیان دوسرے وقفے میں یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَنَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ ۝ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ۝

اگر یہ دعا پہلے وقفے میں پڑھے تو یہ بھی درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

''اگر نمازی اکیلا (منفرد) ہے تو اس دعا کو قرأت سے پہلے پڑھے''۔

حضوریٔ قلب:

بندۂ حق کو یہ علم ہونا چاہئے کہ اس کی تلاوت اس کی زبان کا بولنا ہے' اور اس کے مفہوم کا ادا ہونا اس کے دل کا بولنا ہے' —— جس طرح کوئی شخص کسی سے مخاطب ہوتو وہ اس کے ساتھ اپنی زبان میں بات کرتا ہے اور اپنے دلی خیالات کا اظہار کرتا ہے' —— اور جہاں زبان سے بولے بغیر ہی کسی کو کچھ سمجھایا جاسکتا ہے تو ایسا بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں بات کئے بغیر کچھ سمجھانا ممکن نہ ہوتو اس وقت زبان ہی سے ترجمانی کا کام لیا جاتا ہے' —— اور اگر قلب کی موافقت و ہم آہنگی کے بغیر زبان سے کچھ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت زبان اس کی ترجمانی نہیں کررہی۔ اور نہ ہی تلاوت کرنے والا صحیح معنوں اپنی ضرورت کا اللہ کی ذات کے سامنے اظہار کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس صورت میں وہ اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہوکر اس کی باتیں سمجھتا ہے۔ بلکہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس کا قلب اس بات سے لاعلم ہے۔ وہ محض زبان کو حرکت دیتا ہے۔ حالانکہ مناسب یہی تھا کہ اس کی بات دل سے نکلے یا وہ توجہ سے سنے۔

خاصانِ بارگاہِ الٰہی کا کمترین درجہ یہ ہے کہ نماز میں تلاوت کرتے وقت ان کی زبان ان کے دل کا ساتھ دے —— خاصانِ بارگاہِ الٰہی کے مقامات واحوال اور بھی ہیں جن کی تفصیل خاصی طویل ہے۔

خاصانِ خدا کی حضوریٔ قلب:

○ —— ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو جو کچھ میں پڑھتا ہوں میری توجہ صرف اسی کی طرف مبذول رہتی ہے۔

○ —— شیخ عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں آپ کو دنیا کے کسی کام کا خیال آتا ہے؟ —— انہوں نے فرمایا:

''نوکیلے نیزوں سے زخمی کئے جانا مجھے اس بات سے بڑھ کر منظور ہے کہ نماز کے دوران مجھے ان چیزوں کا خیال آئے جن کا نماز میں تمہیں خیال آتا ہے''۔

○ —— ایک اور بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں آپ کے دل میں دنیا کے بارے میں کوئی خیال آتا ہے؟ —— انہوں نے فرمایا:

''نہ نماز میں اور نہ نماز کے علاوہ کسی اور وقت میں دنیا کے کاموں کے بارے میں سوچتا ہوں''۔

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نماز میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ اور رجوع کرنے کو مقدم رکھا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؁

''تم اس کی طرف رجوع کرو' اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو''۔

چنانچہ ایک بندۂ حق اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے۔ اس کے ماسوا چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرکے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اور

www.waseemziyai.com

○ ــــ ایسے سینے کے ساتھ جو اسلام کی بدولت کشادہ ہے' اور

○ ــــ ایسے دل کے ساتھ جو نورِ ایمان سے روشن ہے'

نماز پڑھتا ہے ــــ اس کی زبان سے قرآن کریم کا جو کلمہ نکلتا ہے' اس کا دل اسے سنتا ہے۔ وہ کلمات اس کے دل کی فضا میں اس طرح سے گونجتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی اور آواز فضا میں سنائی ہی نہیں دیتی۔ تب حسن فہم اور توجہ کی لذیذ نعمت کے باعث وہ کلمات اس کے دل پر چھا جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا دل سماعت کی حلاوت اور اور کامل یادداشت کے ساتھ اسے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ بلکہ وہ ان کے لطیف معنی اور اعلیٰ مضامین کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ حاصل ہونے والے ان معانی کی تفصیل ناقابلِ بیان ہے۔ وہ فقط مخفی غور و فکر کا حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ:

○ ــــ قرآن کے ظاہری معنی نفس کی غذا ہیں۔ جن کا تعلق عالم حکمت و شہادت سے ہے۔ اس لئے یہ معانی نفس سے بہت قریب ہیں۔ جو حکمت کے قواعد قائم کرنے کیلئے بنایا گیا ہے' جنہیں نفس مطمئنہ حاصل کر لیتا ہے۔

○ ــــ قرآن کے جو باطنی معنی ہیں ان کا انکشاف عالم ملکوت کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ نفس کی بجائے قلب کی غذا ہیں۔ جن کی بدولت روح' جبروتِ الٰہی کی عظمت کا مشاہدہ کر کے اس کے مقدس پردوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اسے عالم جبروت کے مشاہدہ اور مطالعہ کے ذریعے شوق و محبت کے بھنور میں رہ کر ہی کامل استغراق نصیب ہوتا ہے۔

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے بصرہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے دوران مسجد کا ایک ستون گر پڑا۔ جس کے گرنے کی آواز بازار والوں تک پہنچ گئی۔ لیکن استغراق کے باعث انہیں اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔

رکوع کے آداب:

قیام کے بعد جب رکوع کا مرحلہ آئے تو قرأت کے ختم ہونے اور رکوع میں جانے کے درمیان قدرے وقفہ کرے' ــــ

○ ــــ رکوع اس طرح کرے کہ بدن کا اوپر کا حصہ جھک جائے مگر نیچے کا حصہ اسی طرح سیدھا رہے۔ جس طرح کہ قیام کی حالت میں سیدھا ہوتا ہے' ــــ

○ ــــ دونوں گھٹنے جھکے ہوئے نہ ہوں اور نہ ہی کہنیاں پہلوؤں سے الگ ہوں۔

○ ــــ جس طرح کمر کو جھکایا ہے گردن کو بھی اسی طرح جھکائے۔

○ ــــ دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوئی ہوں۔

حضرت مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھی' ــــ رکوع کرتے ہوئے میں نے اپنے دونوں ہاتھ زانوں اور گھٹنوں کے درمیان رکھے' اور دونوں گھٹنے ملا لئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا:

"اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھو' ــــ اور میرے فرزند! ہم بھی پہلے ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھیں"۔

www.waseemziyai.com

○ — رکوع میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم کم از کم تین بار پڑھی جائے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ بار — یہ تعداد رکوع میں اچھی طرح جھکنے کے بعد شمار کی جائے۔ سر اٹھانے سے پہلے یہ تسبیح ختم کر لی جائے۔ سر اٹھانے کے بعد تسبیح کہنا شمار میں شامل نہ ہوگا۔

○ — رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ا

○ — رکوع کی حالت میں نگاہ پاؤں کی طرف ہو — ایسا کرنے سے سجدہ کی جگہ پر نگاہ کرنے کی نسبت زیادہ خشوع پیدا ہوتا ہے — البتہ قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر نگاہ کرنی چاہئے۔

○ — رکوع کی تسبیح کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعتُ وَلَکَ خَشَعتُ وَبِکَ اَحسَنتُ وَلَکَ اَسلَمتُ خَشَعَ لَکَ سَمعِی وَبَصرِی وَعَظمِی وَ مَخِی وَ عَصَبِی٥

رکوع کے وقت چاہئے کہ نمازی کا دل رکوع کے حقیقی مفہوم یعنی عاجزی اور تواضع کے مطابق ہو۔

قومہ کے آداب:

رکوع سے سر اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہٗ کہے — یہ الفاظ دل کے ساتھ ادا کرے۔ رکوع سے جب اچھی طرح کھڑا ہو جائے تو بلند آواز سے پڑھے:

رَبَّنَا لَکَ مِلءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلءَ الاَرضِ وَ مِلءَ شِئتَ مِن شَیءٍ ٥ اَھلَ الثَّنَآءِ وَالمَجدِ اَحَقَّ مَا قَالَ العَبدُ وَ کُلُّنَا لَکَ عَبدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعطَیتَ وَلَا مُعطِیَ لِمَا مَنَعتَ وَلَا یَنفَعُ وَالجَدِّ مِنکَ الجَدُّ٥

اگر نفل نمازوں میں رکوع کے بعد قومہ کو طول دے تو دو تین بار یہ کہے:

لِرَبِّیَ الحَمدُ — لیکن فرض نماز میں قومہ کو طول نہ دے — رکوع سے سر اٹھانے میں اتنا توقف کرے کہ پیٹھ کو آہستگی کے ساتھ ساتھ سیدھا کر لے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود کے درمیان اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے''۔

سجود کے آداب:

قومہ کے بعد تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے۔ سجدے میں جاتے ہوئے حضوری قلب ہو، حاضر و بیدار ہو اور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز ہو — سجدے میں جاتے ہوئے اسے یہ علم ہو کہ وہ سجدہ کیوں اور کس لئے کر رہا ہے۔

○ — بعض سجدہ کرنے والوں کو یہ کشف حاصل ہوتا ہے کہ وہ سجدے میں زمین کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کے دل حیا سے معمور ہیں، روحیں اللہ کی عظمت اور کبریائی کو محسوس کرتی ہیں، جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے خود کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ سجدہ کرنے والوں کو بعض اوقات یہ کشف ہوتا ہے کہ وہ سجدے میں کون ومکان کی بساط کو لپیٹ رہا ہے۔ اس کا قلب کشف و مشاہدہ کی فضا میں سیر کررہا ہے' ـــ چنانچہ جب وہ دل سے سجدے میں گرتا ہے تو:

○ ـــ اس کے ساتھ آسمان کے طبق بھی گر جاتے ہیں'

○ ـــ اس وقت اس کی قوت مشہود کے سامنے کائنات کے نقوش مٹ جاتے ہیں'

○ ـــ اس دم وہ عظمت الٰہی کی چادر کے ایک گوشہ پر سجدہ ریز ہوتا ہے'

یہی وہ انتہائی کمال کا مقام ہے جہاں تک ہمت انسانی کے طائر کی پرواز ہے۔ بہر حال مراتبِ عظمت میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کے درمیان فرق موجود ہے۔ چنانچہ ہر ایک کو اس حقیقت کی بنا پر اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ اس لئے کہ ایک اہلِ علم کا درجہ دوسرے اہلِ علم سے بلند ہوتا ہے۔

○ ـــ بعض سجدہ کرنیوالے ایسے ہیں جن کا ظرف وسیع ہوتا ہے۔ جب عظمتِ الٰہی کی روشنی پھیلتی ہے تو مذکورہ بالا دو قسموں سے فیض یاب ہوتا ہے اور دونوں بازوؤں کو کھولتا ہے:

○ ـــ ایک طرف وہ اللہ کی تعظیم کیلئے قلب کے ذریعے تواضع اختیار کرتا ہے'

○ ـــ دوسری طرف اس کی روح فضل وکرم کی بدولت بلندی تک پہنچ جاتی ہے'

اس طرح جن لوگوں کے ظرف وسیع ہیں' انہیں سجدے کے دوران انس ومحبت' ہیبت' حضوری وغیوبت' گریز وقرار' اسرار و اظہار کے تمام مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ ـــ اس وقت وہ سجدے میں دریائے شہود میں شناوری کرتا ہے۔ اس کا رویاں رویاں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے۔ ـــ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے سجدہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

سُجَدَ لَكَ سَوَادِيْ وَ خِيَالِيْ○ ''میرا سارا بدن اور خیال بھی تیرے لئے سجدہ کرتا ہے''۔

قرآن کریم میں ہے:

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا○

''جو آسمانوں اور زمین میں ہیں' وہ سب چارونا چار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں''۔

اس آیت کے مطابق روح وقلب فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں اس کی اہلیت و لیاقت پائی جاتی ہے۔ جبکہ نفس میں اجنبیت اور بیگانگی پائی جاتی ہے' اس لئے وہ زبردستی' ناخوشی وناگواری سے سجدہ کرتا ہے۔

○ ـــ سجدہ میں اس کی تسبیح سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کم از کم تین بار اور زیادہ سے زیادہ دس بار پڑھی جائے۔

○ ـــ سجدہ کے دوران آنکھیں بند نہ کرے' بلکہ کھلی رکھے کہ آنکھیں بھی سجدہ کرتی ہیں۔

○ ـــ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے' پھر دونوں ہاتھ ٹکائے۔ اس کے بعد پیشانی اور ناک رکھی جائے۔

○ ـــ سجدہ کے دوران اپنی ناک کی چوٹی کی طرف نگاہ رکھے۔ اس میں سجدہ کرنے والے کیلئے خشوع وخضوع زیادہ ہے۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ اپنی ہتھیلیاں کپڑے کے اندر نہ لپیٹے' بلکہ کپڑے چادر وغیرہ سے نکال کر جائے نماز پر رکھے۔
○ ـــ سر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں رکھے۔
○ ـــ دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل ہونا چاہئیں' نہ دائیں طرف ہوں نہ بائیں طرف
○ ـــ سجدے کی تسبیح کے بعد یہ تسبیح پڑھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ الَّذِىْ خَلَقَهٗ وَصُوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ○

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہی دعا پڑھا کرتے تھے ـــ اگر یہ پڑھے تو بھی اچھا ہے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ○

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہی دعا پڑھتے تھے۔[1]

○ ـــ سجدے میں اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے الگ رکھے۔[2]
○ ـــ انگلیوں کو قبلہ رُخ رکھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں انگوٹھے کے ساتھ ملائے رکھے' اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر نہ بچھائے۔
○ ـــ سجدہ کرنے کے بعد تکبیر کہتا ہوا سر کو اٹھائے اور بائیں پاؤں کے بل بیٹھے۔ اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ اس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوں۔
○ ـــ ہاتھوں کو اپنی رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کو نہ ملانے اور کھولنے کیلئے کوئی تکلف کرے' ـــ پھر یہ دعا پڑھے:

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَجْبُرْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاعْفُ عَنِّيْ

○ ـــ فرض نمازوں میں جلسۂ استراحت کو طول نہ دے' البتہ نفلی نمازوں میں جس قدر چاہے طویل کر سکتا ہے۔ ـــ نفلی نمازوں کے جلسۂ استراحت میں **رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْ** بار بار پڑھتا رہے۔
○ ـــ خفیف جلسۂ استراحت کے بعد تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کرے' ـــ اس موقع پر اس طرح اکڑوں بیٹھنا کہ دونوں سرین ایڑھیاں سرین پر رکھے رہیں۔ مکروہ ہے۔
○ ـــ اس کے بعد اگر دوسری رکعت کیلئے اٹھنا ہے تو خفیف جلسۂ استراحت کرے۔ اسی طرح باقی رکعتیں پوری کرے۔

تشہد کے آداب:

اس کے بعد تشہد میں بیٹھے' ـــ اگر نماز معراج کا راز ہے اور وہ معراج القلوب ہے تو تشہد قرب کی قرارگاہ ہے' ـــ آسمانی

---

[1] ـــ یہ سب دعائیں احناف میں رائج نہیں ہیں' البتہ انہیں مستحب قرار دیا جا سکتا ہے۔

[2] ـــ ایسا اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں ہے۔ باجماعت نماز میں کہنیاں پہلوؤں کے ساتھ لگا کے رکھے تاکہ ساتھ والے نمازی تنگ نہ ہوں' اور نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا مقصد فوت نہ ہو۔

www.waseemziyai.com

طبقوں کی درجہ بندی کی طرح تشہد بھی نماز کی مختلف ہیئتوں کے مرحلوں سے گزرنے کے بعد اس کی منزلِ مقصود ہے۔

تشہد میں التحیات کے الفاظ پروردگار عالم پر سلام ہیں ــــ چنانچہ نمازی کو یہ ذہن نشین ہونا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور جس سے گفتگو کر رہا ہے' اس کے آداب اختیار کرے' اور بارگاہِ الٰہی میں عرضِ حال کی کیفیت کو سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجے' آپ کی ذات والا کو دل کی آنکھوں کے سامنے رکھے' پھر اللہ کے نیک بندوں پر سلام بھیجے۔ چنانچہ آسمان اور زمین میں اللہ کے نیک بندوں میں سے کوئی نیک بندہ ایسا باقی نہ رہے مگر اس کی طرف روحانی تعلق اور فطری خاصیت کی بنا پر سلام ضرور پہنچائے۔

اس وقت نمازی اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھے۔ شہادت کی انگلی کے سوا اس کی سب انگلیاں ملی ہوئی ہوں' ــــ جب التحیات پڑھتے ہوئے لا الٰہ کے الفاظ کہے تو اس وقت شہادت کی انگلی اٹھائے' ــــ کلمۂ نفی لا پر نہ اٹھائے' ــــ یہ انگلی بالکل سیدھی نہ اٹھائے بلکہ اس کا سر ان کی طرف جھکا ہو۔ یہ طریقہ خشوع کا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قلب کا خشوع انگلیوں تک سرائت کر گیا ہے۔

نماز کا اختتام:

(التحیات اور درود پڑھ کر) نماز کے آخر میں اپنے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا مانگے۔ نماز پڑھنے والا اگر امام ہے تو صرف اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ اپنے اور تمام مقتدیوں کیلئے بھی دعا مانگے۔ ــــ بیمار مغز امام ایک دربان کی مانند ہے جس کے ذمہ سلطان کی خدمت ہے' اس کے پیچھے سب ضرورت مند موجود ہیں۔ وہ دربان' سلطان سے ان کیلئے سوال کرتا ہے اور ان کی ضرورتیں پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مقتدی مسلمان دیوار کی مانند ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یوں تعریف فرمائی ہے:

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ ''گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی (مضبوط) دیوار کی طرح ہیں''۔

گزشتہ کتابوں میں اس امتِ محمدیہ (ﷺ) کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

''ان کی قطاریں نماز میں ایسی ہوتی ہیں جیسے لوگ میدان جنگ میں صفیں باندھے ہوں''۔

توریت میں ذکر رسول اکرم ﷺ:

ہمارے شیوخ کرام نے بالاسناد بیان فرمایا ہے کہ معن بن عیسیٰ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''آپ نے توریت میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کس طرح پائی ہے؟''

انہوں نے بتایا کہ ہم نے آپ (ﷺ) کے بارے میں پڑھا ہے:

''حضرت محمد (ﷺ) بن عبد اللہ مکہ میں پیدا ہوں گے' اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے' ــــ ان کی سلطنت شام تک ہوگی۔ وہ نہ تو فحش گو ہوں گے' اور نہ بازاروں میں شور و غل کرنیوالے ہوں گے' ــــ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے' بلکہ درگزر اور معافی سے کام لیں گے۔

ان کی امت اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد و ثناء کریگی' ہر خوشی کے موقع پر اللہ کی تعریف کرے گی۔ اور بلند مقام پر تکبیر کہے

www.waseemziyai.com

گی'—وہ وضو میں اپنے اعضاء کو دھوئیں گے۔اپنے کمر پر تہہ بند باندھیں گے'—وہ نمازوں میں اس طرح صفیں باندھیں گے جس طرح میدانِ جنگ میں (سپاہی) صفیں باندھتے ہیں'—مسجدوں میں ان کی ہلکی اور باریک آوازیں اس طرح گونجیں گی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونجتی ہے'اور فضائے آسمانی میں ان کے پکارنے والے (مؤذنوں) کی آواز گونجے گی"۔

شیطان سے جنگ:

امام شیطان سے جنگ کرنے میں تمام صفوں سے آگے ہوتا ہے۔اس لئے اسے چاہئے کہ وہ دیگر نمازیوں کی نسبت زیادہ خشوع و خضوع کرے۔نماز کے ضروری آداب کی ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے زیادہ پابندی کرتا رہے' بلکہ ہوشیار نمازی بھی جس قدر ظاہری امور کو انجام دینے میں باہم متفق ہوں گے'اسی قدر وہ باطنی امور کو ادا کرنے میں اتفاق کریں گے۔اس باہمی تائید اور تعاون سے ایک کی تجلیّات و برکات دوسرے میں سرائت کر جاتی ہیں،—اس طرح روئے زمین کے سب مسلمانوں میں اسلام کے رشتے کی بدولت تعاون اور دلی اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس رشتہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعہ ان کی مدد فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے (غزوۂ بدر میں) نشانی والے فرشتوں سے مومنوں کی مدد فرمائی تھی'—اسی طرح جنگِ شیطان میں جنگِ کفار سے زیادہ ان فرشتوں کی امداد کی ضرورت ہے۔اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہم جہادِ اصغر سے فارغ ہو کر جہادِ اکبر کی طرف واپس آئے ہیں"۔

ان پاک نفسوں کے ساتھ نہ صرف فرشتے ہیں بلکہ انہی پاک نفسوں کی بدولت یہ آسمان بھی قائم ہیں۔

نماز کی تکمیل:

جب کوئی نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرے یعنی جب نماز ختم کرے تو پہلے دائیں طرف سلام پھیرے۔سلام پھیرنے کے ساتھ نماز سے فارغ ہونے کی نیت بھی کرے۔سلام پھیرتے ہوئے تمام فرشتوں' تمام مسلمانوں اور جنت پر بھی سلام بھیجے۔سلام کے وقت اپنی گردن کو اس قدر موڑے کہ دائیں جانب کے نمازیوں کا چہرہ نظر آجائے،—مگر دائیں اور بائیں جانب سلام کرتے وقت کسی قدر فاصلہ رکھے' دونوں کو ملانے سے منع کیا گیا ہے۔

مواصلت سے نہی:

مواصلت (ملانے) کی ممانعت پانچ مواقع پر ہے۔ان میں سے دو کا امام سے تعلق ہے' اور دو کا صرف مقتدی سے' اور ایک کا امام و مقتدی دونوں میں مشترک ہے۔

امام کے لئے ان کی دو مواصلت ممنوع ہے:

○—امام قرأت کے ساتھ تکبیر کو نہ ملائے'

○ — نہ قرأت کے ساتھ رکوع کو ملائے۔

مقتدیوں کو ان دو کی مواصلت سے منع کیا گیا ہے:

○ — اپنی تکبیر تحریمہ کو امام کی تکبیر تحریمہ سے نہ ملائیں'

○ — اپنے سلام کو امام کے سلام کے ساتھ نہ ملائیں'

امام اور مقتدی دونوں میں اس مشترک مواصلت سے نہی آئی ہے کہ فرض کے سلام کو نفل کے سلام کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

سلام کے دیگر آداب:

○ — سلام کے آخری حرف اللّٰہ کو ساکن پڑھا جائے' یعنی اللّٰہ نہ کہے بلکہ ھا کو ساکن پڑھے۔ زیر کے ساتھ (متحرک) نہ پڑھے۔

○ — لفظ ''سلام'' کو بہت نہ کھینچے۔

اس کے بعد دینی یا دنیاوی کام کے لئے جیسی دل چاہے دعا مانگے۔ نماز کے اندر سلام سے پہلے بھی دعا پڑھے کیونکہ یہ دعا مقبول ہوتی ہے۔

باجماعت نماز کی فضیلت:

بہر حال جس کسی نے نماز پنجگانہ باجماعت ادا کی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے بحر و بر کو اپنی عبادت سے معمور کر دیا۔ اس لئے کہ پنج وقتہ نماز کی باجماعت ادائیگی تمام روحانی مقامات اور روحانی احوال کا خلاصہ ہے جو دین کی اصل روح اور مومن کے لئے کفارہ کی مانند ہے۔ اس کے ذریعے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔

ہمارے شیوخ نے بالاسناد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نماز پنجگانہ گناہوں کا کفارہ ہے''۔

اس موقع پر یہ آیت بھی پڑھنی چاہیے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۝ (پارہ ۱۲' سورہ ہود)

''درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ اس میں نصیحت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۸:

نماز کے آداب واسرار

نمازی کے بہترین آداب:

نمازی کے بہترین آداب میں یہ باتیں شامل ہیں:

○ ــــ نماز کے وقت نمازی کے دل میں کسی چیز کا خیال نہ ہو، خواہ وہ چیز معمولی ہو یا اہم ہو۔ اہلِ دانش وخرد نے دنیا کو ترک کر کے نماز کو اختیار کیا ہے، ورنہ دنیا اوراس کے کام تو دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے دینی غیرت کے باعث دنیا کو چھوڑ دیا۔ تاکہ:

○ ــــ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے مقام یعنی کی حفاظت کی جاسکے،

○ ــــ قربِ الٰہی کی طرف رغبت کی جاسکے،

○ ــــ پروردگارِ عالم کے باطنی طور پر مطیع رہیں۔

○ ــــ نماز میں بظاہر حاضر ہونے سے نہ صرف ظاہری اطاعت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس سے دل ماسوا اللہ سے فارغ ہوجاتا ہے اور اس کی باطنی اطاعت کا ثبوت بھی ملتا ہے،ــــ یہی وجہ ہے کہ خاصانِ خدا اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے کہ نماز میں محض ظاہری طور پر حاضر ہوا جائے اور باطنی طور پر حاضر نہ ہو۔ اس طرح سے ان کے ایمان اور اطاعت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور عبودیت کی شان بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس بات سے ہمیشہ اجتناب کرتے ہیں کہ ان کا دل کسی کام میں اٹکا ہو اور اُن کی نماز میں خلل آرہا ہو۔

○ ــــ مذکور ہے کہ نماز سے پہلے پیشاب، پاخانے کی اگر حاجت ہو تو انسان رفع حاجت کرلے۔

○ ــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رات کا کھانا تیار ہو اور عشاء کی نماز کا وقت ہوجائے تو نماز سے پہلے کھانا کھالے۔

○ ــــ اسی طرح اگر تنگ موزہ پہنے ہوئے ہو تو اسے اُتار کر نماز پڑھے، کیونکہ اس کا دل اس میں لگا رہے گا اور دل کو حضوری میسر نہ آئے گی۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو پریشان حال و پریشان خیال ہو، اس کی کوئی رائے صائب نہیں ہوتی۔

نماز کے آداب کا تقاضا:

نماز کے آداب کے تقاضوں میں یہ باتیں شامل ہیں:

www.waseemziyai.com

○ —انسان ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس کی طبیعت ومزاج معتدل نہ ہو جیسا کہ ابھی ہم نے ابھی ذکر کیا کہ باطنی ودلی طور پر منتشر ہونے پر نماز نہ پڑھے۔

○ —حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی ترش روی کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔—اسی طرح غیظ کو غضب کے عالم میں بھی نماز نہ پڑھے۔

○ —کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص مکمل ہیئت اختیار کیے بغیر نماز پڑھنے لگے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز کے دوران سب اعضاء سکون سے ہوں۔

○ —نماز کے دوران اِدھر اُدھر نہ دیکھے، اس کی نظر کسی اور طرف نہ ہو۔

○ —نماز کے لیے کھڑا ہو تو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے۔ ایک صاحب عزت بادشاہ کے حضور ایک ذلیل وناچیز بندے کے کھڑے ہونے کا یہی ایک بہترین طریقہ ہے۔

نماز کے دوران حرکتیں کرنا:

شریعت نے نماز کے دوران لگاتار تین بار حرکت کرنے کی اجازت دی ہے۔[1] مگر اہلِ ہمت وعزیمت نماز میں ایک بھی حرکت کے روادار نہیں۔ ایک مرتبہ نماز کے دوران میں نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک بزرگ نے میری اس حرکت پر ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:

"ہمارے مسلک میں نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی بندہ نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ بالکل منجمد ہو اور ذرا بھی حرکت نہ کرے"۔

نماز میں شیطانی حرکات:

حدیث شریف میں ہے کہ نماز میں سات چیزیں شیطانی حرکات ہیں:

○ —نکسیر پھوٹنا،

○ —اونگھنا،

○ —وسوسے،

○ —جمائی لینا،

○ —کھجلانا،

○ —اِدھر اُدھر دیکھنا،

○ —کسی چیز سے کھیلنا،

بعض کے نزدیک سہو اور شک بھی شیطانی کاموں میں شامل ہیں۔

---

[1] فقہ حنفی میں بامر مجبوری دو بار حرکت کرنے کی اجازت ہے، تیسری حرکت پر نماز جاتی رہتی ہے۔

www.waseemziyai.com

خشوع کیا ہے؟:

○ — حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
''نماز میں خشوع اس امر کا نام ہے کہ نمازی کو اپنے دائیں بائیں کی کچھ خبر نہ ہو''۔

○ — حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:
''جو نماز میں خشوع اختیار نہیں کرتا، اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے''۔

○ — حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی سخت الفاظ ارشاد فرمائے ہیں:
''جو کوئی نماز میں ارادتاً یہ معلوم کرے کہ اس کے دائیں بائیں کیا ہے، اس کی نماز نہیں ہوئی''۔

○ — بعض علماء نے یہ فرمایا:
''جو شخص نماز کی حالت میں دیوار یا فرش پر لکھا ہوا کچھ پڑھ لے تو اس کی نماز بھی جاتی رہتی ہے'' — (اس لیے کہ یہ عمل نماز کے خلاف ہے)

ارشادِ باری ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝

''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز میں دوام (ہمیشگی) اختیار کرتے ہیں''۔

اس کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اعضاء کا مطمئن اور پُرسکون رہنا ہے، — مذکور ہے:
''جب نماز میں تم پہلی تکبیر کہو تو سمجھ لو کہ اللہ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے، اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اسے جانتا ہے، — تم اپنی نماز میں جنت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو بائیں طرف خیال کرو''۔
یہ بات اس لیے بیان کی ہے کہ جب تمہارا دل آخرت کے ذکر میں مشغول ہو گا تو اس سے سب وسوسے دور ہو جائیں گے۔
یہ سوچ اور خیال دل سے وسوسے دور کرنے کی ایک تدبیر ہے۔

ہمارے شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:
''جس کا دل آخرت کے ذکر سے خالی ہو، وہ شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، لیکن جس کا دل صفائے باطن اور نورِ معرفت سے معمور ہو، اسے کسی مشاہدے اور تصور کی ضرورت نہیں''۔

رکوع کے آداب کا تقاضا:

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جب کوئی رکوع کرے تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ:

○ — وہ رکوع میں اس طرح جھکے کہ اس کا ایک ایک عضو رکوع کی حالت میں ہو، گویا کہ وہ عرش عظیم کی طرف جھکا ہوا ہے، — اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدر تعظیم کرے کہ اس کے دل میں اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز عظمت والی نہ ہو۔

○ — اپنے آپ کو اس قدر ادنیٰ اور حقیر سمجھے کہ اس سے کم تر کسی چیز کا تصور ہی نہ کیا جا سکے۔

www.waseemziyai.com

○ —— جب رکوع سے سر اٹھائے اور "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہے تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تسبیح کو سن رہا ہے، —— اس وقت اس پر اللہ کا ڈر اور خوف اس قدر طاری ہو کہ اس کی بدولت وہ سراپا سوز و گداز بن جائے۔

تلاوت کے آداب:

شیخ سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازی جب تلاوت شروع کرے تو اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس کا دل اس بات کا مشاہدہ کرے اور اس تلاوت کو اس طرح سنے، گویا وہ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سن رہا ہے، —— یا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قرآن پڑھ رہا ہے۔

نماز سے پہلے کے آداب:

شیخ سراج رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے کے آداب میں یہ ہے کہ اپنے دل کو وسوسوں اور دوسرے خیالوں سے پاک کرے، اور ماسوا اللہ ہر شے کو دل سے مٹا دے، —— حضوریٔ قلب سے وہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوگا تو اسے ایسا لگے گا کہ جیسے وہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ تب وہ نماز میں اپنے نفس اور عقل کے ساتھ گریہ زاری کرتا ہے، اور جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو حضوریٔ قلب کی ابتدائی حالت پر آ جاتا ہے، جس کے ساتھ نماز کی ابتداء کی تھی، —— یہی نماز کا ادب ہے۔

مذکور ہے کہ آدابِ نماز میں سے یہ بھی ہے کہ نماز کو کمال استغراق کی بدولت رکعتوں کے شمار کا ہوش نہ رہے، ان کا کوئی ساتھی شمار کرتا رہے کہ کتنی رکعتیں ادا کر لی گئی ہیں۔

نماز کے شعبے:

نماز کے مندرجہ ذیل چار شعبے بیان کیے گئے ہیں:

○ —— محراب میں بدن کا حاضر و موجود ہونا،

○ —— بارگاہِ الٰہی میں ہوش و حواس قائم رکھ کر حاضر ہونا،

○ —— دل میں خشوع و خضوع کا ہونا،

○ —— نماز کے ارکان میں خضوع کا ہونا۔

حضوریٔ قلب:

حضوریٔ قلب سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں، اور عقل و ہوش کے حاضر ہونے میں عتاب سے نجات مل جاتی ہے، —— حضوریٔ نفس سے رحمت و کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ارکانِ نماز میں خضوع کی بدولت اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

نمازیوں کی اقسام:

○ —— جو نمازی حضوریٔ قلب کے بغیر نماز ادا کرتا ہے، وہ غفلت کا شکار ہے،

www.waseemziyai.com

○ ـــ اور جو نمازی حضوری و شہودِ عقل کے بغیر نماز ادا کرتا ہے، وہ لاپرواہی میں مبتلا ہے،

○ ـــ جو خضوعِ نفس کے بغیر نماز ادا کرتا ہے، وہ خطاکار نمازی ہے،

○ ـــ جو ارکانِ نماز کے خضوع کے بغیر نماز ادا کرتا ہے وہ غلط کار و بدتمیز نمازی ہے،

○ ـــ اور جو ان سب مذکورہ بالا اوصاف کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، وہ کامل نمازی ہے۔

گناہوں سے برأت وطہارت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بندہ جب اللہ کی طرف دل سے متوجہ ہوکر اور سراپا چشم و گوش بن کر (فرض) نماز ادا کرتا ہے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے، جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا، ـــ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے فقط ہاتھ پاؤں دھونے سے ہی اس کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے، ـــ اور جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو اس وقت وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے''۔

سب سے بُری چوری:

ایک بار رسول اللہ ﷺ کے سامنے چوری کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

''چوریوں میں سب سے بُری چوری کون سی ہے؟'' ـــ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں'' ـــ

حضور ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بُری چوری نماز کی چوری ہے''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: ''نماز میں کوئی چوری کیسے کرسکتا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نماز میں وہ شخص چوری کرتا ہے، جو:

○ ـــ اپنے رکوع و سجود کو مکمل نہیں کرتا،

○ ـــ جو قرأت کی تکمیل نہیں کرتا،

○ ـــ جس کی نماز میں خشوع نہ ہو''۔

امانت اک بارِ گراں ہے:

حضرت ابو عمر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار امامت کرنے کے لیے گزارش کی گئی تو فرمایا: ''میں اس لائق نہیں ہوں'' ـــ لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ امامت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لیکن جب آپ نے تکبیر کہی تو غش کھا کر گر پڑے، ـــ بادل نخواستہ دوسرا امام کھڑا کیا گیا اور نماز پڑھی گئی۔ جب حضرت ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ ہوش میں آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ انہیں کیا ہوا تھا، ـــ انہوں نے کہا:

www.waseemziyai.com

''جب میں نے نمازیوں سے کہا: ''سیدھے کھڑے ہو جاؤ'' ——تو ہاتف غیبی نے پکارا:
''کیا تم بھی اللہ کے ساتھ سیدھے کھڑے ہوئے ہو'' ——اس استفسار پر مجھے غش آ گیا۔

نمازی کے لیے دعا اور بددعا:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بندہ جب اچھی طرح وضو کر کے نماز کو اس کے وقت پر ادا کرتا ہے، ——اور رکوع وسجود کو ان کے اوقات میں ادا کرتا ہے، تو نماز اپنے نمازی کو دعا دیتی ہے:

''اللہ تعالیٰ تیری اسی طرح حفاظت فرمائے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے''۔

اس کے بعد وہ نماز اپنے نور کے ساتھ بلند ہوتی ہے، اور آسمان پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے نمازی کی سفارش کرتی ہے۔

اور جب نمازی اسے صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا تو وہ بددعا دیتی ہے اور کہتی ہے:

''اللہ تعالیٰ تجھے اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے''۔

اس کے بعد وہ نمازی کے لیے تاریکی لے کر اوپر چڑھتی ہے اور آسمان کے دروازوں کے پاس پہنچ کر ان دروازوں میں بند ہو جاتی ہے، —— پھر اس نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دیا جاتا ہے''۔

اللہ اور بندے کے درمیان حجاب:

شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندۂ حق جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''میرے اور میرے بندے کے درمیان جو حجاب ہے، اسے اٹھا دو''۔

جب وہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اس حجاب کو میرے اور اس کے درمیان میں گرا دو، اور اسے اس کی پسندیدہ چیز کے لیے کھلا چھوڑ دو''۔

غایت درجے کی حیاء:

شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعض اوقات میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں، اور جب اس سے فارغ ہوتا ہوں تو اس وقت اپنے رب سے یوں شرم محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی زنا سے فارغ ہوا ہو''۔

ان کی اس بات سے انتہائی ادب کا علم ہوتا ہے، حقیقت بھی یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کا جس قدر قرب حاصل ہوگا، وہ نماز کے آداب کا اسی قدر خیال رکھے گا۔

قربِ الٰہی پر یقینِ کامل:

حضرت موسیٰ کاظم بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا:

www.waseemziyai.com

’’کچھ بندوں نے نماز میں آپ کے سامنے گزر کر آپ کی نماز خراب کر دی‘‘۔

آپ نے فرمایا:

’’میں جس ذات کے لیے نماز پڑھ رہا ہوں، وہ اس شخص سے زیادہ قریب ہے جو میرے سامنے سے گزرا ہے‘‘۔

نماز میں خشیتِ الٰہی:

مذکور ہے کہ حضرت زین العابدین علی بن امام حسین رضی اللہ عنہما جب نماز کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو اس وقت ان کے چہرے کا رنگ اتنا بدل جاتا کہ انہیں پہچاننا مشکل ہو جاتا، —— اُن سے اس تغیر کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

’’کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس ذات کے سامنے کھڑا ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں‘‘۔

حساب میں شمار ہونے والی نماز:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’نمازی کے حساب میں وہی نماز لکھی جاتی ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے‘‘۔

ایک اور مقام پر اس حدیث شریف میں یہ بھی مذکور ہے:

’’تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پوری نماز پڑھتے ہیں اور کچھ آدھی، اور کچھ تہائی، اور کچھ چوتھائی، اور کچھ اس کا پانچواں حصہ ادا کرتے ہیں، —— حتیٰ کہ بعض لوگوں کی نماز ان کی نماز کا دسواں حصہ ادا ہوتی ہے‘‘۔

نوافل کو معمولی نہ جانو:

حضرت شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’انسان کو چاہیے کہ وہ نوافل کی نیت کرے تاکہ اس کے فرائض کی کمی پوری ہو سکے، —— اور اگر اس نے ایسی نیت نہیں کی تو پھر اس کے حساب میں اس کی نماز سے کچھ شامل نہ ہو گا، —— اور جب تک فرائض ادا نہ کر لیے جائیں، نوافل قبول نہیں کیے جاتے‘‘۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

’’تمہاری مثال اس بُرے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ (تحفہ) پیش کرتا ہے‘‘۔

اللہ سے دوری کی وجوہ:

حضرت شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ دو وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دور ہو گئے ہیں:

- —— پہلی وجہ تو یہ ہے کہ نوافل ادا کرتے ہیں اور فرائض کو چھوڑ دیتے ہیں،
- —— دوسری وجہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر عمل کرتے ہیں مگر ان میں خلوص اور سچائی پیدا نہیں ہوتے، حالانکہ حق و صداقت کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں فرماتا‘‘۔

www.waseemziyai.com

نماز میں خشوع وخضوع:

○ ——نماز میں آنکھیں بند رکھنے کی بجائے کھلی رکھنا بہتر ہے۔——لیکن اگر آنکھیں کھلی رکھنے سے نظر کے منتشر ہونے کے باعث خیالات بھی منتشر ہونے لگیں تو خشوع وخضوع کے لیے آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں۔

○ ——اگر نماز میں جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو، ہونٹ بند کرلے،

○ ——ٹھوڑی کو سینے کے ساتھ نہ ملائے،

○ ——نماز میں کسی دوسرے نمازی کے ساتھ مزاحمت نہ کی جائے، اس کے لیے کسی طرح کی تنگی نہ پیدا کی جائے، مذکور ہے کہ مزاحمت کرنے والی نماز اس مزاحمت سے ضائع ہو جاتی ہے۔——اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ اگر کوئی پہلی صف کو اس لیے چھوڑ دے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اور دوسری صف میں کھڑا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار پر اُس کے لیے پہلی صف کا ثواب کم کیے بغیر اسے بھی پہلی صف کا ثواب عطا فرمائے گا۔

○ ——مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان کے دل کی دھڑکن ایک میل کے فاصلے سے سنائی دیتی تھی۔

○ ——اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ایسی آواز نکلتی تھی کہ جیسے کوئی ہنڈیا جوش مار رہی ہو۔حتیٰ کہ یہ آواز مدینہ منورہ کی بعض گلیوں تک پہنچ جاتی تھی۔

○ ——حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کے فرائض کیا ہیں،——آپ نے فرمایا:

○ ——ماسوا اللہ سے قطع تعلق،

○ ——ہمت کو جمع کرنا یعنی یکسوئی،

○ ——اللہ کی بارگاہ میں دل وجان کے ساتھ حاضر ہونا۔

○ ——حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہاری نظر میں جب نماز کی کوئی قدر نہیں تو پھر تمہیں دین کی اور کون سی چیز عزیز ہوسکتی ہے؟

○ ——مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر علیہ السلام پر یہ وحی ارسال فرمائی:

"جب تم نماز پڑھو تو مجھے نذر میں اپنے قلب کا خشوع وخضوع، اپنے بدن کی نیازمندی اور اپنی آنکھوں کے آنسو پیش کرو،——اس وقت تم مجھے اپنے قریب پاؤ گے"۔

نماز کی پابندی کا حاصل:

حضرت ابوالخیر الاقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے کچھ ہدایت فرمائیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نماز کی پابندی کیا کرو،——کیونکہ میں نے جب بھی اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے لیے التماس کی تو اس نے مجھے نماز کی

www.waseemziyai.com

ہدایت فرمائی اور فرمایا: ''میں نماز کی حالت میں تم سے قریب تر ہوں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

''سوچ سمجھ کر دو رکعت نماز ادا کرنا رات بھر جاگنے سے بہتر ہے''۔

شیخ حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ کی مثالی نماز:

ایک مرتبہ محمد بن یوسف الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ شیخ حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو وعظ فرما رہے ہیں۔ انہوں نے شیخ حاتم الاصم سے دریافت کیا:

''اے حاتم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے ہو، کیا تم نماز بھی اچھی طرح پڑھ سکتے ہو؟''

شیخ حاتم الاصم نے جواب دیا: ''ہاں پڑھ لیتا ہوں'' — شیخ فرغانی نے پھر پوچھا: ''تم کیسے نماز پڑھتے ہو''۔ شیخ حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''میں اس کے حکم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں اور خشیتِ الٰہی کے ساتھ چلتا ہوں، — نماز میں ہیبت کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور عظمتِ الٰہی کو سامنے رکھتے ہوئے تکبیر کہتا ہوں، — خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن کریم پڑھتا ہوں، — خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، — عاجزی و تواضع کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں، — تشہد کے لیے مکمل طریقے سے بیٹھتا ہوں، اور سُنّت کے مطابق سلام پھیرتا ہوں، — اس کے بعد اپنی نماز کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں۔

زندگی بھر اس کی حفاظت کرتا ہوں اور اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوں کہ میں نے اپنے فرض میں کوتاہی کی، — اور ڈرتا رہتا ہوں کہ شاید میری نماز قبول نہ ہو، مگر پھر بھی یہ توقع رکھتا ہوں کہ (شاید) قبول ہو ہی جائے، — اس طرح خوف اور اُمید کے بیچ میں رہتا ہوں، — اس رب کا شکر گزار رہتا ہوں جس نے مجھے نماز سکھائی، — اور جو مجھ سے نماز سیکھنا چاہتا ہے، اُسے میں سکھاتا ہوں، — اور جب میرا پروردگار مجھے توفیق عطا فرماتا ہے تو میں اس کی حمد میں لگ جاتا ہوں''۔

یہ سب کچھ سن کر محمد بن یوسف الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تمہارے جیسا شخص ہی واعظ بننے کا اہل ہے''۔

نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت:

ارشادِ باری ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى ۔

''نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو''۔

مشائخ کرام نے فرمایا: ''نشہ سے مراد حُبِ دُنیا ہے، — بعض کے خیال میں اس سے مراد دنیا کی فکر ہے، — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''جس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ نماز کے دوران کسی دنیاوی بات کا خیال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

نماز سراپا مسکینی، تواضع وانکساری، گریہ وزاری، ندامت اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ کو یاد کرنا ہے، ــــ اور جو شخص ایسا نہ کرے، اس کی نماز ناقص ہے''۔

مؤمن کی نماز:

مذکور ہے کہ جب مؤمن نماز کے لیے وضو کرتا ہے تو شیطان اس کے ڈر سے دوڑ کر دور بھاگ جاتا ہے۔ اس وقت بندہ خداوند عالم کے پاس جانے کی تیاری میں لگا ہوتا ہے، ــــ اور جب وہ تکبیر کہتا ہے تو شیطان اس سے چھپ جاتا ہے، ــــ مؤمن اور ابلیس کے درمیان پردے ڈال دیئے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے ابلیس اس سے چھپ جاتا ہے، مگر جب خداوند قدوس اس کی طرف دیکھتا ہے اور جب بندہ اللہ اکبر کہتا ہے تو فرشتہ اس کے دل میں جھانکتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ سے بڑی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تو وہ فرشتہ کہتا ہے:

''تو سچ کہتا ہے، تیرے کہنے کے مطابق اللہ تیرے دل میں موجود ہے''۔

اس وقت اس کے قلب سے نورانی شعاعیں نکل کر عرشِ الٰہی تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس نور کے ذریعے اس پر زمین وآسمان کے سب ملکوت روشن ومنور ہو جاتے ہیں۔ اور اس نور کے اندر اس کے لیے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

جاہل وغافل کی نماز:

اگر نمازی جہالت اور غفلت کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیاطین اس پر اس طرح اُمنڈ پڑتے ہیں جس طرح مکھیاں شہد کے قطرے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ جب وہ تکبیر کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے اندر جھانکتا ہے۔ اگر اس کے دل میں اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز جاگزیں ہوتی ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے:

''تو جھوٹ کہتا ہے، تیرے کہنے کے مطابق تیرے دل میں اللہ سے بڑھ کر کوئی اور ہے''۔

اس وقت اس کے قلب سے وسوسے کا دھواں اُٹھتا ہے۔ جو آسمان تک پہنچ کر اس کے قلب کے لیے عالم ملکوت کی راہ میں ایک حجاب بن جاتا ہے۔ اس حجاب کی سطح موٹی ہوتی جاتی ہے۔ شیطان اس کے قلب کا گھیراؤ کر کے اس میں برابر پھونکتا اور دم کرتا رہتا ہے۔ اس کے دل میں وسوسے پیدا کر کے انہیں خوشنما دکھاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ نماز میں کیا کچھ تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر شیاطین اولادِ آدم کے دلوں پر نہ چھائے ہوتے تو وہ آسمان کے عالم ملکوت کو ضرور دیکھ لیتے۔

صافی قلوب ہی آسمانی قلوب ہیں:

جو قلب کمال ادب سے آراستہ ہیں، یعنی جسم کی اصلاح کے باعث جن کی تکمیل ہو چکی ہے۔ وہی قلوب صافی ہیں، اور آسمانی ہیں۔ جب وہ تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں تو اس وقت وہ آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان کو

www.waseemziyai.com

شیاطین کے تصرف سے محفوظ کر رکھا ہے، اسی طرح آسمانی قلب بھی شیطان کی پہنچ سے محفوظ رہتا ہے، —— البتہ نفسانی وسوسے اس میں باقی رہتے ہیں جو آسمانی قلعہ بندی کے باوجود منقطع نہیں ہوتے۔

بارگاہِ الٰہی کے مقرّبین کے قلوب مرحلہ وار قرب کی منزل کی طرف بڑھتے ہیں اور آسمان کے مختلف طبقوں میں بلند ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جس جس آسمانی طبقہ میں پہنچتے جاتے ہیں، ہر آسمانی طبقے میں نفس کی کچھ نہ کچھ ظلمت چھوڑتے جاتے ہیں، اور اسی قدر نفسانی وسوسے بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب وہ سب آسمانوں سے گزر کر عرش کے سامنے پہنچتے ہیں تو عرش کی تیز روشنی کے سامنے تمام نفسانی وسوسے بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔ یعنی نفس کی وہ تاریکیاں نورِ قلب میں اس طرح غائب ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں غائب ہو جاتی ہے، —— اس مقام پر پہنچنے کے بعد آدابِ نماز کے تمام حقوق مکمل ادا ہوتے ہیں۔

حاصلِ کلام:

بہر حال ہم نے نماز کے جو حقوق و آداب بیان کیے ہیں، وہ بہت ہی کم ہیں۔ نماز کی شان ہماری وضاحت وصراحت سے کہیں زیادہ ہے، —— وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں، جن کا یہ خیال ہے کہ نماز کا مقصد اللہ کا ذکر ہے، —— جس نے ذکر کر لیا، یا جو ذکر میں مشغول ہے، اس کے لیے نماز کی کیا ضرورت ہے، —— ایسا خیال کرنے والے گمراہی کی راہ پر چل رہے ہیں اور باطل خیالات کا شکار ہیں۔ اور تمام رسوم واحکام کو چھوڑ کر حلال وحرام سے منہ موڑ رہے ہیں۔

مذکورہ بالا گروہ کے علاوہ ایک گروہ بھی ہے جس نے ایسی راہ اختیار کی ہے جس سے انہیں روحانی طور پر نقصان پہنچا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ گمراہی سے محفوظ رہے ہیں، —— یہی وہ لوگ ہیں جو فرائض کا تو اقرار کرتے ہیں مگر نوافل کی فضیلت سے منکر ہیں۔ اس کی بجائے ذکر کو اہمیّت دیتے ہیں، —— انہوں نے ادنیٰ روحانی حال پر تکیہ کر کے اعمال کی فضیلت کو پس پشت ڈال دیا ہے، —— کیا وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ ہر ہیئت اور ہر حرکت میں جو اسرار اور حکمتیں چھپی ہیں، جواز کار کی کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں۔

یاد رہے کہ احوال واعمال، روح اور جسم کی طرح ہیں، —— انسان جب تک دنیا میں موجود ہے، اس کا اعمال سے کنارہ کرنا سراسر سرکشی ہے، —— جس طرح اعمال، احوال سے تزکیہ پاتے ہیں، —— اسی طرح احوال، اعمال کے ذریعے پروان چڑھتے ہیں۔

احوال کا پیدا ہونا کیوں کر ممکن ہے۔ البتہ جب اعمال کے ذریعے احوال پیدا ہو جائیں تو احوال سے ان اعمال کا تزکیہ کرنا چاہیے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۳۹:

روزے کی فضیلت اور اثرات

جس عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''صبر ایمان کا نصف حصہ ہے، اور روزہ صبر کا نصف حصہ ہے''۔

انسان کا ہر عمل مظالم کے بدلے میں ضائع ہو جاتا ہے، مگر روزہ ایک ایسا عمل ہے جس کا اجر ضائع نہیں ہوتا، — قیامت کے دن ارشادِ باری ہوگا:

''روزہ میرے لیے ہے، اس کے بدلے کوئی اپنا بدلہ نہیں لے سکتا''۔

روزے کی فضیلت:

○ — حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا''۔

روزہ کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے اس لیے خاص کیا کہ روزے میں شانِ بے نیازی اور صمدیت پائی جاتی ہے۔ روزہ ایک ایسا پوشیدہ عمل ہے جس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ اسی لیے بعض حضرات نے قرآن کریم میں مذکور لفظ ''اَلسَّآئِحُوْنَ'' سے روزہ دار مراد لیا ہے۔ کیونکہ روزے دار اپنی بھوک اور پیاس کے ذریعے اللہ کی طرف سیر و سیاحت کرتے ہیں۔

○ — قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (پ۲۳، سورۂ زمر)

''بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا''۔

اس آیت کی تفسیر میں مشائخ کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''صَابِرُوْنَ'' سے مراد روزہ دار ہیں۔ کیونکہ صبر روزہ کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ روزہ داروں کو اندازہ کے بغیر بہت ثواب ملے گا۔

○ — ایک اور آیت میں ارشادِ باری ہے:

www.waseemziyai.com

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (پ ۲۱، سورہ السجدہ)

''کسی نفس کو نہیں معلوم کہ ان کے لیے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے، یہ اس کا صلہ ہے''۔

اس کی توضیح میں یہ کہا گیا ہے کہ عمل سے مراد روزہ ہے۔

ایک نفس، ہزار بُرائیاں:

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جب کوئی مرید بسیار خور ہو جائے تو از راہِ شفقت و محبت فرشتے اس کی حالت پر اشکبار ہوتے ہیں۔ جس شخص کو کھانے کی حرص ہو جاتی ہے، شہوت کی آگ اسے جلا ڈالتی ہے۔ ایک نفس میں ہزار طرح کی بُرائیاں ہیں، اور وہ سب کی سب شیطان کے ہاتھوں میں ہیں، — چنانچہ جب انسان پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اور غذا کو اپنے حلق میں اترنے سے روک کر نفس سے ریاضت کرواتا ہے، تو وہ سب بُرائیاں مردہ ہو جاتی ہیں یا بھوک کی آگ میں جل کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اس وقت شیطان بھی اس کے سائے سے بھاگتا ہے۔

اس کے برعکس جب پیٹ خوب بھر جاتا ہے، اور مرید اپنے حلق کو لذتوں کی خاطر کھلا چھوڑ دیتا ہے تو بدی کے اجزاء کو تازگی مل جاتی ہے اور شیطان اسے قابو کر لیتا ہے''۔

شکم پُری اور بھوک:

شکم پُری یا شکم سیری نفس کی ایسی نہر ہے جس سے شیطان کا گزر ہوتا ہے اور بھوک ایسی نہر ہے جس پر فرشتوں کا گزر ہوتا ہے، — چنانچہ:

○ — شیطان ایک خوابیدہ بھوکے انسان سے بھی زیر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔

○ — لیکن شیطان شکم سیر انسان پر حاوی ہو جاتا ہے، یعنی قابو پا لیتا ہے۔ چاہے وہ عبادت میں مشغول ہو، —

اگر وہ خوابیدہ ہو تو نہ جانے شیطان کیا حال کرے، — چنانچہ ایک مرید صادق کا نفس جب کھانا پینا طلب کرتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے۔

شیخ طیالسی کی غذا:

ایک شخص شیخ طیالسی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اس وقت سوکھی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا رہے ہیں۔ کھانے سے پہلے بھیگی روٹی کو نمک لگا لیتے ہیں، — وہ شخص کہنے لگا:

''اس طرح سے آپ شکم سیر کیسے ہوتے ہوں گے'' — آپ نے فرمایا:

''میں اتنا عرصہ تک کھانا کھانا چھوڑ دیتا ہوں کہ مجھے پھر اس کی رغبت ہو جاتی ہے''۔

جو شخص کھانے پینے میں فضول خرچی کرتا ہے، اسے آخرت سے پہلے دنیا میں جلد ہی ذلت و خواری سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

www.waseemziyai.com

کم خوری اہلِ صدق وصفا کا شیوہ:

○ —ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''وہ بڑا دروازہ جس کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں داخل ہوا جا سکتا ہے، ترکِ غذا ہے''۔

○ —حضرت شیخ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بھوک کدورت سے دل کو صاف اور خواہشوں کو مردہ کر دیتی ہے، علم کے اسرار کھول دیتی ہے''۔

○ —حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے جب پیٹ بھر کر کھانا کھایا یا سیر ہو کر پانی پیا تو یقیناً میں نے اللہ کی نافرمانی کی یا اس کا ارادہ کیا''۔

○ —حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''کوئی مہینہ یا پندرھواڑہ ہم پر ایسا نہیں گزرا کہ ہمارے گھر میں چراغ جلانے کے لیے یا کسی اور ضرورت سے آگ جلی ہو''۔

یہ سن کر میں نے تعجب سے سبحان اللہ کہا اور پھر عرض کیا:

''پھر آپ گزر بسر کیسے کرتے تھے'' —آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''کھجوروں اور پانی پر گزر بسر ہوتی تھی، —اس کے علاوہ ہمارے کچھ انصاری پڑوسی اکثر ہمیں اپنی اونٹنیوں کا دودھ بھیج دیا کرتے تھے''۔

○ —اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ نے اب رزق میں وسعت عطا فرما دی ہے، لہٰذا آپ بھی موجودہ کھانے کی مقدار بڑھا دیں، —اور اپنے ان معمولی کپڑوں سے بہتر لباس پہنیں''۔

یہ سن کر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہارے اس سوال کا جواب تمہی سے پوچھتا ہوں، —کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال نہ تھا؟''۔

آپ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔ اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت زندگی میں شامل ہونا نہیں چھوڑوں گا، —ہو سکتا ہے کہ اسی کی بدولت مجھے آخرت میں آسائش کی زندگی نصیب ہو جائے''۔

○ —اُمہات المؤمنین میں سے کسی کا ارشاد ہے:

''اگر کبھی میں نے آٹا چھانا اور اس میں سے بھوسی نکالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کو ناپسند فرمایا''۔

○ —اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل تین دن گیہوں کی روٹی تناول فرمائی ہو۔ یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے''۔ اگر تم ہمیشہ ملکوت کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو تو وہ ایک دن تمہارے لیے کھل جائے گا''۔

www.waseemziyai.com

حاضرین نے عرض کیا: ''ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے؟'' —
ارشاد فرمایا: ''بھوک اور سخت پیاس سے''۔

مکالمہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ابلیس لعین:

ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے سامنے ابلیس نمودار ہوا۔ اس کے پاس بہت سے پھندے اور کانٹے تھے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''یہ کیا ہیں'' — ابلیس نے کہا:

''یہ دنیا کی خواہشات ہیں جن کے ذریعے میں ابن آدم کو پھانستا ہوں''۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دریافت کیا:

''کیا تو نے مجھے بھی کسی خواہش میں مبتلا پایا''۔

ابلیس کہنے لگا:

''ایک رات آپ نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تھا۔ اس وقت میں نے آپ کو نماز اور ذکر سے غافل کر دیا تھا''۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''آئندہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا''۔

یہ سن کر ابلیس کہنے لگا:

''آئندہ میں بھی کسی کی خیر خواہی نہیں کروں گا''۔

عبادت اور بھوک:

○ — حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عبادت بھی ایک حرفت اور پیشہ ہے، — خلوت اس کی دکان ہے اور بھوک اس حرفت کے آلات ہیں''۔

○ — حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

''جب معدہ بھر جائے تو اس وقت فکر کی لذت خوابیدہ ہو جاتی ہے، — دانش و حکمت گویائی چھوڑ دیتے ہیں، — اعضاء بدنی عبادت کرنے سے جی چرانے لگتے ہیں''۔

○ — حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اپنے دستر خوان پر دو سالن نہ جمع کرو، کیونکہ یہ منافقوں کا کھانا ہے''۔

○ — ایک بزرگ کا بیان ہے:

''میں ایسے زاہد سے پناہ چاہتا ہوں، طرح طرح کے کھانوں سے جس کا معدہ خراب ہو گیا ہو''۔

پیٹ کا زُہد:

مسلسل چار دن روزے کے بغیر رہنا ایک مرید کے لیے مکروہ ہے۔ کیونکہ اس وقت نفس اپنی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ

www.waseemziyai.com

جاتا ہے، یعنی مجاہدے اور ریاضت کے ذریعے اس کی جو اصلاح کی گئی تھی، وہ ضائع جائے گی، ــــ وہ پھر خواہشوں کی طلب کرنے لگتا ہے، بلکہ اس کی طلب اور وسعت اختیار کر لے گی''۔

○ ــــ ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

''دنیا تمہارے پیٹ کی طرح ہے، ــــ تمہارے اندر جس قدر پیٹ کا زُہد ہوگا، تمہیں اسی قدر زاہد سمجھا جائے گا''۔

○ ــــ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''انسان نے کوئی ظرف ایسا نہیں بھرا جو پیٹ سے زیادہ بڑا ہو، ــــ حالانکہ ابنِ آدم کی کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں، ــــ اگر بہت ہی ضرورت ہو تو اس ظرفِ شکم کے لیے:

○ ــــ ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے،

○ ــــ ایک تہائی حصہ پینے کے لیے،

○ ــــ ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے۔

کثیر مشائخ کرام کی نصیحت:

شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تیس مشائخ کرام کی صحبت میں رہا۔ میں جب ان سے رخصت ہوا تو ہر ایک نے مجھے یہی نصیحت فرمائی:

''میں اَمردوں (نو عمر لڑکوں) کی صحبت سے گریزاں رہوں اور کم کھایا کروں''۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۰:

صوم وافطار کے مختلف انداز

ہمیشہ روزے سے رہنے والے:

سفر ہو خواہ حضر ہو، کچھ مشائخ کرام کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے، حتیٰ کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

انہی میں سے ایک شیخ عبداللہ بن جبار رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہوں نے پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک روزے رکھے۔ سفر ہو خواہ حضر ہو، وہ کبھی افطار نہیں کرتے تھے، — ایک روز ان کے ساتھیوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے (بادلِ نخواستہ) افطار کر لیا، مگر ہوا یہ کہ وہ بیمار ہو گئے۔

مرید جب محسوس کرے کہ لگاتار روزے رکھنے سے اس کے دل کی اصلاح ہوتی ہے تو وہ لگاتار روزے رکھے۔ لیکن اس تواتر میں افطار کی حکمت وافادیت کو بھی ترک نہ کرے، ایسا کرنے سے اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو گی۔

لگاتار روزے رکھنا:

○ — حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے لگاتار روزے رکھے، اس پر جہنم تنگ کر دی جائے گی''۔

مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''جس نے نوے دن تک لگاتار روزے رکھے، اس کے لیے جہنم میں کوئی جگہ نہیں''۔

○ — بعض حضرات نے لگاتار روزے رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:

''اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو لگاتار روزے رکھے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا''۔

اس حدیث مبارک کی تاویل میں یہ کہا گیا ہے کہ لگاتار روزہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جو عیدین اور ایامِ تشریق میں بھی افطار نہ کیا جائے، اس قسم کے روزے مکروہ ہیں، — لیکن جس نے ان دنوں میں روزے نہیں رکھے، وہ ان روزہ داروں میں شمار نہ ہو گا

www.waseemziyai.com

جن کے روزوں کو رسول اللہ ﷺ نے مکروہ ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے:

بعض مشائخ کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے، —— حدیث شریف میں آیا ہے:

''بہترین روزے میرے بھائی (حضرت) داؤد (علیہ السلام) کے تھے۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے''۔

روزے رکھنے کا یہ انداز ایک بڑی جماعت نے پسند کیا ہے تا کہ انسان صبر و شکر دونوں حالتوں میں رہے۔

روزہ رکھنے کے کچھ اور انداز:

- —— کچھ حضرات دو دن روزہ رکھتے ہیں اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے،
- —— یا ایک دن روزہ رکھتے ہیں اور دو دن روزہ نہیں رکھتے۔
- —— کچھ حضرات صرف پیر، جمعرات اور جمعہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔
- —— مذکور ہے کہ شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ پندرہ دن میں صرف ایک بار کچھ کھاتے تھے، باقی دن میں لگاتار روزے سے رہتے، —— ماہِ رمضان میں صرف ایک بار کھاتے تھے اور اتباعِ سُنت میں سادہ پانی سے افطار کرتے تھے۔
- —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ صائم الدھر تھے یعنی لگاتار روزے رکھتے تھے۔ البتہ جب کوئی برادرِ طریقت ان کے پاس ملنے آتا تو اس کے ساتھ افطار کرتے تھے، اور ارشاد فرمایا کرتے:

''بھائیوں کا ساتھ دینا، روزے کی فضیلت سے کم نہیں۔''

مگر اس طرح کے افطار کے لئے علم شریعت و طریقت پر عبور ہونا چاہئے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے افطار میں نفسانی خواہش کا عمل دخل بھی ہوسکتا ہے، محض برادرانِ طریقت کی موافقت کی نیت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا نفسانی خواہش کے ہوتے ہوئے محض موافقت کی نیت کا خالص رہنا خاصا مشکل ہے۔

تسلیم و رضا:

ہمارے شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے کئی سال ہوگئے، میں نے اپنی خواہش پر فرمائش کر کے کبھی کچھ نہیں کھایا، بلکہ جب کوئی چیز مجھے پیش کی جاتی ہے تو میں اسے اللہ کا فضل و کرم سمجھتا ہوں اور اس کا خاص فعل جانتے ہوئے اس کے فعل کی موافقت کرتا ہوں'' —— مزید فرمایا: ''ایک دن مجھے کھانے کی خواہش ہوئی۔ جو شخص روزانہ کھانا لے کر آتا تھا معمول کے مطابق وہ نہیں آیا —— چنانچہ جس کوٹھڑی میں کھانا رکھا ہوتا تھا، اسے میں نے خود کھول کر وہاں پڑا ایک انار اٹھا لیا، —— اتنے میں ایک بلی آئی اور اس نے وہاں کی ایک مرغی کو پکڑ لیا —— اس پر

www.waseemziyai.com

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اس انار لینے کی سزا ہے۔''

میں نے شیخ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، وہ رات دن میں کئی بار کھانا کھاتے تھے۔ اور جس وقت ان کے سامنے کھانے کے لئے کچھ لایا جاتا، وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھا لیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی موافقت میں کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں، ـــ اس طرح انہوں نے کھانے پینے اور پہننے کے سارے معاملات میں اپنی مرضی اور اپنے اختیارات کو بالکل ترک کر دیا تھا اور اپنے سب معاملات میں اللہ کے فعل پر انحصار کر لیا تھا، ـــ چنانچہ اپنی ضروریات کے حصول کے لئے انہوں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا اور نہ کچھ پانے کے لئے کوئی ذریعہ اختیار کیا۔ بلکہ اللہ کی طرف سے جو کچھ انتظام ہو جاتا اسی پر اکتفا کرتے ـــ اسی طرح ایک بار وہ کئی دن تک بھوکے رہے۔ رزق پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فعل کے منتظر رہے۔ کسی کو بھی ان کے اس حال کا پتہ نہ چلا۔ اور نہ انہوں نے اپنے نفس کے لئے کچھ کام کیا تا کہ اس کے عوض کچھ کھانے کو میسر آ جاتا ـــ کئی دنوں کے بعد جا کر لوگوں کو ان کے فقر و فاقہ کا علم ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کئی شاگردوں اور ساتھیوں کو ان کی خدمت پر مامور فرما دیا۔ وہ ان کے لئے پر تکلف کھانے تیار کر کے لاتے اور اسے اللہ کا فضل و کرم سمجھ کر کھا لیتے تھے، ـــ میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''ہر صبح روزہ سے ہونا مجھے محبوب ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے روزے کی محبت کو ختم فرما دیتا ہے تو میں اس حالت میں بھی اللہ کی موافقت کرتا ہوں۔''

ریا کاری کا گمان:

○ ـــ واسط کے ایک مخلص اہل اللہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ کئی سال تک روزے رکھتے رہے مگر ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ اپنا ہر روزہ غروبِ آفتاب سے پہلے کھول لیتے تھے۔

○ ـــ شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات صدق و صفا نے اس شرعی مخالفت کو ناپسند کیا ہے، جبکہ وہ روزے نفلی ہی ہوتے ہیں، ـــ بعض ارباب طریقت نے اس معمول کو اس لئے سراہا ہے کہ سالک اس طرح بھوکے رہ کر نفس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ محض روزہ سمجھ کر اس کے اجر کی نیت سے لطف اندوز نہیں ہونا چاہئے۔

مگر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ جیسے ان کا مقصد روزے کے گمان سے لطف اٹھانا نہیں۔ ویسے ہی ان کا روزے کے تصور سے لطف اندوز نہ ہونا بھی لطف اٹھانے کے برابر ہے ـــ اس طرح یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا، ـــ چنانچہ بہتر یہ ہے کہ شرعی تقاضوں کے مطابق روزہ کو مکمل کیا جائے، وقت سے پہلے افطار نہ کیا جائے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ ''اور تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔''

بہر حال اہل حق کا ہر کام خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ صداقت کے خلاف نہیں کرتے' کیونکہ صداقت ہر صورت اور ہر حال میں مسلمہ ہے۔ صادق ہمیشہ صدق کی چار دیواری کے اندر رہتا ہے وہ اس سے کیسے باہر نکل سکتا ہے۔

حوصلہ افزائی کے لئے مرید کی رفاقت:

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم کسی صوفی کو نفلی روزے رکھتے ہوئے پاؤ تو اسے عار دلاؤ، کیونکہ اس صورت میں وہ دنیا داری

www.waseemziyai.com

میں مبتلا ہے۔

○ ـــ اگر ایک ہی خیال کے سالکوں کی جماعت میں کوئی مرید راہ طریقت کے ابتدائی مرحلے میں ہو تو سب ساتھی اسے روزے کی طرف مائل کریں اور اس کی (حوصلہ افزائی کے لئے) موافقت میں روزے رکھیں، ـــ فرض محال اگر اس کا ساتھ نہ دے سکیں تو اس کے افطار کا اہتمام ضرور کریں۔ اس کے ساتھی ازراہِ لطف و کرم اس کے لئے تکلیف برداشت کریں مگر اس کی روحانی حالت کا اپنی روحانی حالت پر قیاس نہ کریں (کیونکہ وہ تو ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔)

○ ـــ اگر کوئی شیخ یا پیر و مرشد بھی اس جماعت کے ساتھ ہو تو سب ساتھی اسی کے ساتھ روزہ رکھیں اور اسی کے ساتھ افطار کریں۔ سوائے اس شخص کے جسے شیخ صاحب نے کوئی مختلف کام سپرد کیا ہو۔ بہر حال اس پر لازم ہے کہ شیخ کے حکم کی اطاعت کرے۔

اسی اصول کی بناء پر ایک شیخ نے فقط اپنے مرید کی تربیت کے لئے لگا تار گئی سال روزے رکھے تا کہ مرید انہیں دیکھ کر خود بھی روزے رکھنے لگے (یعنی ان کی پیروی کرے)، ـــ شیخ ابوالحسن مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ بصرہ میں یام پذیر تھے تو انہوں نے لگا تار روزے رکھے۔ آپ جمعہ کی شب میں کھانا کھاتے تھے۔ اس طرح ان کی خوراک کا خرچ صرف چار دانق[1] ہوتا تھا۔ وہ چھال کی رسیاں تیار کر کے بیچ دیتے اور اس کے ذریعے اپنا خرچ چلاتے۔

شیخ ابوالحسن سالم رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہنا تھا:

''میں انہیں تب شیخ تسلیم کروں گا جب وہ افطار کر کے کھایا کریں۔''

شیخ سالم کے خیال میں شیخ مکی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے۔ کیونکہ وہ اپنے لگا تار روزوں کی وجہ سے لوگوں میں مشہور تھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق کے لئے مخلص ہوتا ہے، اس کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ ایسے رہے جیسے کوئی کنوئیں میں بند ہو۔ جہاں کوئی اسے پہچانتا نہ ہو کیونکہ شہرت اخلاص کے منافی ہے،[2] ـــ پھر یہ بات بھی ہے کہ جو (طلب سے) زیادہ کھاتا ہے، وہ باتیں بھی زیادہ بناتا ہے۔

شیخ ابوالحسن کا عجیب و غریب واقعہ:

مذکور ہے کہ ایک بار شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کے ساتھ حرم شریف میں سات دن تک قیام کیا۔ اس عرصے میں کسی نے کچھ نہ کھایا ـــ ان کا ایک مرید طہارت کی غرض سے نکلا۔ اس نے خربوزے کا چھلکا پڑا دیکھا تو اسے اٹھا کر کھالیا، ـــ کسی نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا تو ان کا ٹھکانہ دیکھنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ پھر (خاطر و مدارات کی خاطر) کچھ کھانا لا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ شیخ نے یہ دیکھ کر دریافت کیا:

---

[1] درہم کا چھٹا حصہ دانق کہلاتا ہے۔ ایک دانق تین پیسے کے برابر ہوتا ہے۔

[2] جیسا کہ معروف صوفی شاعر اور ولی اللہ سید عبداللہ شاہ المعروف بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

چل بُلھیا اوتھے وسیئے جتھے وسدے سارے اَنھے
نہ کوئی ساڈی ذات پچھانے نہ کوئی ساہنوں منّے

www.waseemziyai.com

''تم میں سے کس نے یہ جرم کیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں کھانا بھیجا گیا ہے۔''

اس مرید نے عرض کیا:

''یہ کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے۔ میں نے خربوزے کا چھلکا پڑا دیکھا تو اٹھا کر کھالیا۔''

یہ سن کر شیخ نے فرمایا:

''اب تم اپنے جرم کے ساتھ رہو، ہم سے الگ ہو جاؤ۔''

یہ سن کر مرید نے استدعا کی:

''میں اپنی کوتاہی اور گناہ سے تائب ہوتا ہوں۔''

اس پر شیخ نے فرمایا:

''جب توبہ ہی کر لی تو پھر کچھ کہنے کا موقع نہیں۔''

روزہ کے حوالے سے کچھ اور معمولاتِ شیوخ:

○ —— بہت سے مشائخ کرام ایام بیض کے روزے رکھا کرتے تھے، یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے، —— روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے جب زمین پر اتارا گیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث ان کا سارا بدن سیاہ ہو گیا —— آپ نے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جو قبول ہوگئی، —— (کفارے کے طور پر) آپ کو ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ روزے کی برکت سے ہر روز آپ کے بدن کا ایک تہائی حصہ سفید ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایام بیض کے تین روزے مکمل ہونے پر آپ کا سارا بدن سفید ہو گیا۔

○ —— بعض مشائخ ماہ شعبان کے پہلے پندرہ دنوں کے روزے رکھتے تھے، اور اگلے پندرہ دنوں کے روزے نہیں رکھتے تھے۔

○ —— اگر کوئی ماہ شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

○ —— اگر کسی نے ماہِ شعبان کے سارے روزے نہیں رکھے تو وہ ماہِ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھے، یعنی دونوں مہینوں کے روزے نہ ملائے۔

○ —— بعض مشائخ ماہ رجب کے سبھی روزے رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسا کرنے سے ماہِ رمضان کے روزوں پر فوقیت کا اظہار ہوتا ہے، —— اسی طرح ماہ رجب میں جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں (اس کی فضیلت میں مذکور) ہے:

''جس نے ماہِ رجب (شہر حرام) کے تین دنوں یعنی جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو روزہ رکھا وہ دوزخ سے سات سو سال دور ہو گیا۔''

○ —— ماہ ذوالحجہ اور ماہ محرم کے عشرہ میں روزے رکھنا مستحب ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۱:

روزے کے آداب

روزے میں صوفیاء کرام کے آداب:

روزے میں صوفیاء کرام کے آداب میں یہ معمول رہا ہے:

- ○ ـــ ظاہری اور باطنی حالت کو ضبط میں لایا جائے،
- ○ ـــ اعضاء و جوارح کو گناہ سے باز رکھا جائے،
- ○ ـــ جیسے نفس کو کھانے سے روکا جائے، اسی طرح نفس کے افطار کے لئے اہتمام نہ کیا جائے۔

میرے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ عراق کے بعض مشائخ کرام اور ان کے مریدین کا یہ معمول تھا کہ وہ روزے رکھتے، اور افطار کے لئے انہیں نذر نیاز کی طرح اللہ کی طرف سے جو کچھ میسر آ جاتا، وہ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے افطار کرتے، ـــ

یہ بات خلافِ ادب ہے کہ مرید مباح چیزیں چھوڑ کر حرام اور گناہ کی چیزوں سے افطار کرے۔

اہلِ یقین اور اہلِ فریب کے اعمال:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"داناؤں کا سونا اور روزہ افطار کرنا کتنا اچھا اور قابلِ تعریف ہے، ـــ اس کے برعکس احمقوں کا رات بھر جاگنا اور روزے رکھنا بعض اوقات ان کے نقصان کا باعث ہوتا ہے کیونکہ اہلِ یقین اور پرہیزگاروں کا ایک ذرہ برابر عمل، اہلِ فریب کے اعمال کے پہاڑ سے کہیں زیادہ افضل ہے۔"

روزے کے آداب:

صوفیاء کرام کے ہاں روزے کے آداب اور اس کی فضیلت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان عام دنوں میں کھائے جانے کی نسبت افطار میں کم کھائے، ـــ افطار کے موقع پر یا کسی کھانے کے وقت اگر بہت سے کھانے اکٹھے کر لئے جائیں تو اس صورت میں روزے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، ـــ جبکہ روزے کی غرض و غائت یہ ہے کہ:

- ○ ـــ نفس کو مغلوب کیا جائے،
- ○ ـــ نفس کو حد سے بڑھنے سے روکا جائے،
- ○ ـــ کھانا بقدرِ ضرورت کھایا جائے۔

www.waseemziyai.com

اہل صفا کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ضرورت کے مطابق اور نفس کی طلب میں کمی لانے سے، نفس کو سب افعال و اقوال میں حسبِ ضرورت پر اکتفا کرنے کی عادت ڈالی جاسکتی ہے۔ — اور نفس کی یہ خصلت ہے کہ اگر اسے اللہ کے کاموں کے حوالے سے کسی ایک کام میں فقط حسبِ ضرورت کا پابند بنایا جائے تو وہ سبھی احوال میں اس معمول کی پابندی کرتا ہے — اسی اصول کے پیشِ نظر وہ کھانے میں ضرورت کی پابندی کرتے ہوئے سونے، بات چیت کرنے اور افعال میں بھی اسی ''حسبِ ضرورت'' کے اصول کی پابندی کرنے لگے گا۔

چنانچہ ''حسبِ ضرورت پر اکتفا'' کرنا اہلِ طریقت کے لئے خیر و برکت کا ایک بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ جس کا لحاظ اور خیال کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ضرورت کے علم کا فائدہ اور اس کی طلب صرف ان بندوں کے لئے مخصوص ہے جنہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنا مقرب بناتا ہے اور جن کی خود تربیت فرما اپنا برگزیدہ بندہ بناتا ہے۔

○ — روزے کی حالت میں اپنی اہلیہ سے ہنسی دل لگی کرنا اور بدن سے بدن ملانا (ملامست) بھی منع ہے تاکہ روزہ زیادہ پاکیزہ رہے۔

○ — روزے دار کے لئے سحری کھانا بھی سُنّت ہے۔ سحری کھانے میں خیر کے دو پہلو ہیں:

○ — اس سے سُنّت کی پیروی ہوتی ہے۔

○ — سحری کھانے سے روزے کو تقویت پہنچتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سحری کھاؤ کیونکہ سحری میں برکت ہے۔''

○ — اسی طرح افطار جلد کر لینا بھی سُنّت ہے، — اگر عشاء کے بعد کھانا کھانے کا ارادہ ہو، — اور کوئی شخص مغرب اور عشاء کے درمیان عبادت کرنا چاہتا ہو تو اسے پانی یا کشمش یا چھوہارے کے چند دانوں سے افطار کر لے، بشرطیکہ نفس کشمکش میں مبتلا ہو۔ تاکہ ان دونوں نمازوں کا درمیانی وقت بخوبی گزر جائے۔

○ — اسی طرح احیائے وقت کی بڑی فضیلت ہے اور اس میں بڑی بھلائی ہے، — اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو سُنّت کے مطابق فقط پانی سے افطار کر لے۔

○ — شیخ العالم ضیاء الدین عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے بالا سناد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (حدیث قدسی) ارشاد فرمایا:

''میرا وہ بندہ محبوب ترین ہے جو افطار میں زیادہ جلدی کرے۔''

ایک اور مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے، تب تک ان میں بھلائی موجود رہے گی۔''

○ — نماز مغرب سے پہلے افطار کرنا سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ ایک گھونٹ پانی، یا دودھ، یا

www.waseemziyai.com

چند کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔

محض بھوک پیاسے رہنے والے روزہ دار:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزے کا حصہ صرف بھوک یا پیاس ہے۔اس کی وضاحت میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ روزہ دار ہیں جو دن بھر بھوک کے پیاسے رہتے ہیں اور حرام چیز سے روزہ افطار کرتے ہیں، —— یا وہ لوگ مراد ہیں جو حلال کھانے سے روزہ رکھتے ہیں، اور غیبت کر کے لوگوں کے گوشت سے افطار کرتے ہیں۔

روزے میں غیبت اور جھوٹ:

○ —— حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس نے غیبت کی اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔''

○ —— حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''دو عادتیں: غیبت اور جھوٹ روزے کو فاسد کر دیتی ہیں۔''

○ —— حضرت شیخ ابو طالب رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بات سننے اور بری بات کہنے کو حرام کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔''

جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ○ (پ ۶، سورہ مائدہ)

''وہ جھوٹی باتوں کو خوب سننے والے اور حرام مال کو خوب کھانے والے ہیں۔''

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ جب دن ختم ہونے کے قریب تھا، وہ بھوک پیاس کی شدت سے ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج کر افطار کرنے کی اجازت چاہی —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا:

''انہیں کہو کہ جو کچھ انہوں نے کھایا ہے وہ اس پیالے میں قے کر دیں۔''

ان میں سے ایک نے قے کی، اس کی آدھی قے میں خالص خون اور آدھی میں تازہ گوشت تھا، —— پھر دوسری نے قے کی، اس کی قے بھی اسی طرح تھی۔ اس طرح وہ پیالہ بھر گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو بہت تعجب ہوا، —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان دونوں نے حلال چیزیں کھا کر روزہ رکھا، لیکن افطاری کے وقت حرام چیزوں سے افطار کیا۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو:

○ —— روزے میں نہ بدکلامی کرے،

○ —— نہ جہالت کی کوئی بات کرے،

www.waseemziyai.com

○ — اگر کوئی اسے گالی دے تو کہہ دے: ''میں روزے سے ہوں۔''

○ — روزہ ایک امانت ہے، اس کی ایک امانت کی طرح حفاظت کرنی چاہئے''۔

صوفی کا روزہ اور اس سے توقع:

صوفی وہی ہے جس کی کوئی روزی مقرر نہ ہو، اور نہ اسے یہ خبر ہو کہ اس کا رزق اس تک کب پہنچے گا، — جب اللہ کی طرف سے اسے رزق پہنچ جائے تو اسے ادب کے ساتھ تناول کرے، اور ہمیشہ وقت کا خیال رکھے۔

بہر حال ایسے شخص کا افطار اس شخص کے افطار سے بہتر ہے جسے اپنے رزق کی خبر ہو اور اس کا رزق اس کے سامنے موجود ہو، اس لئے کہ ایک وجہ معاش رکھتا ہے، — اس کے باوجود اگر ایسا شخص روزے رکھے جس کی وجہ معاش نہ موجود ہے نہ معلوم ہے تو اس کا روزہ کامل فضیلت رکھتا ہے۔

شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ بیان کیا کہ دوپہر کی سخت گرمی تھی۔ میرا بغداد کی ایک گلی سے گزر ہوا۔ مجھے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر پانی مانگا۔ اندر سے ایک کنیز ایک نئے پیالے میں ٹھنڈا پانی بھر کر لے آئی۔ میں نے پانی پینے کے ارادے سے پیالہ لینے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو اس نے کہا:

''واہ صوفی ہو کر دن میں پانی پیتے ہو۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے پیالہ زمین پر دے مارا اور اندر چلی گئی — مجھے اس واقعہ پر بڑی شرمندگی ہوئی اور میں نے یہ عہد کیا کہ پھر کبھی افطار نہیں کروں گا۔

لگاتار (ہمیشہ) روزہ رکھنے والے:

بعض لوگوں نے لگاتار (ہمیشہ) روزہ رکھنے کو اس لئے ناپسند قرار دیا ہے کہ لگاتار روزے رکھنا جب نفس کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر روزہ نہ رکھنا انہیں بڑا شاق گزرتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی شخص کو خوب کھانے پینے کی عادت ہو تو اس پر روزہ رکھنا بڑا شاق گزرتا ہے، — چنانچہ ان کے خیال میں فضیلت اسی میں ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن روزہ نہ رکھا جائے، تاکہ نفس کو بوجھ محسوس ہو۔[1]

جماعت کی موافقت کرنی چاہئے:

صوفیاء اور درویشوں کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اگر کوئی نیا آنے والا جماعت کے ساتھ ٹھہرا ہے تو وہ ان کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے، — اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سب جماعت والوں کو اس اکیلے کے افطار کی فکر لاحق ہو جائے گی اور انہیں کچھ خبر نہیں کہ افطاری کا سامان کب میسر ہوگا۔

---

[1] اس وقت ہمارے پیشِ نظر نفلی روزوں کا موضوع ہے۔ — روزے خواہ فرضی ہو خواہ نفلی، روزے کی غرض و غائت اور مقصود اصلی تو نفس کشی ہے، اس لئے ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن روزہ نہ رکھنا عادت ہونے کے باعث گراں گزرے گا۔

www.waseemziyai.com

روزہ دار اگر جماعت والوں کی اجازت (اور صلاح مشورے) سے روزہ رکھے اور ان کے پاس کوئی نذر نیاز (فتوح) آ جائے تو ان کے لئے لازم نہیں کہ وہ اسے روزہ داروں کے لئے بچا کر رکھیں۔ اس کے لئے کہ انہیں پتہ ہے کہ جو بے روزہ ہیں، انہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے، —— روزہ دار کو تو اللہ تعالیٰ خود رزق بھیج دیتا ہے۔ سوائے اس صورت میں کہ:

○ —— روزہ دار اپنی روحانی یا جسمانی کمزوریوں (ضعف حال) کی وجہ سے رعایت کا مستحق ہو۔

○ —— یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی رعایت کی جائے،

○ —— یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہو۔

اس کے لئے نذر نیاز میں سے کچھ اُٹھا کر رکھ لیا جائے، —— اسی طرح روزہ دار کو بھی چاہئے کہ وہ افطار کے لئے ذخیرہ کرنے کی غرض سے نذر نیاز میں اپنا حصہ نہ لے، ایسا کرنے سے روحانی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، —— اور اگر وہ حقیقی طور پر کمزور ہے تو اپنی کمزوری اور ضعف بتا کر ذخیرہ کر سکتا ہے۔ یہ معاملات ان لوگوں سے متعلق ہیں جن کی وجہ معاش نہ تو مقرر ہے اور نہ معلوم ہے۔

خانقاہ میں قیام پذیر صوفیاء:

جو صوفیاء کرام خانقاہ میں مقررہ طریقے پر قیام پذیر ہیں۔ ان کے لئے روزہ رکھنا ان کے مناسب حال ہے۔ ان کے لئے روزہ نہ رکھنے میں جماعت کی موافقت کرنا کوئی ضروری نہیں۔ یہ اصول اس جماعت کے لئے بالکل واضح ہے، —— جن کی وجہ معاش مقرر اور معلوم ہو، وہ انہیں دن میں کسی وقت پیش کی جا سکتی ہے۔ اور جن کی وجہ معاش معلوم نہ ہو ان کے لئے مذکور ہے:

"روزہ داروں کے لئے بے روزہ لوگوں کی مدد کرنا اس سے بہتر ہے کہ بے روزہ لوگوں کو یہ تاکید کی جائے کہ وہ روزہ داروں کی روزے میں موافقت کریں۔"

موافق و مخالفت دلائل:

اہل صدق و صفا کے اس اصول کی بنیاد صداقت پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ صدق نیت اور نفس کے حالات کو بخوبی جانچ لیا جائے۔

چنانچہ

○ —— روزہ رکھنے اور نہ رکھنے، ○ —— موافقت کرنے، نہ کرنے

کی حالت میں جہاں کہیں نیت درست ہو، وہی صورت افضل ہوگی، —— جہاں تک ان صورتوں میں سُنّت کی پیروی اور اتباع کا تعلق ہے تو اس طور پر ہر ایک دلائل رکھتا ہے، —— چنانچہ:

○ —— جو روزہ دار اپنی جماعت کی موافقت میں روزہ نہ رکھے تو وہ بھی دلائل رکھتا ہے۔

○ —— اور جو جماعت کی موافقت میں روزہ رکھتا ہے، اس کے پاس بھی دلائل ہیں۔

ہمیں اپنے مشائخ سے بالاسناد پتہ چلا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے لئے کھانا تیار کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا:

www.waseemziyai.com

''میں روزے سے ہوں'' ـــــ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے بھائی نے تمہیں کھانے پر بلایا ہے اور تمہارے لئے تکلف کیا ہے، اور تم کہتے ہو میں روزے سے ہوں، ـــــ آؤ کھانا کھاؤ اور اس کی بجائے کسی اور دن روزہ رکھ لینا۔''

یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو جماعت کی موافقت کے قائل ہیں، ـــــ اور جو لوگ جماعت کی موافقت کے قائل نہیں وہ یہ حدیث شریف اپنے موقف کی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے کھانا کھایا مگر روزے سے ہونے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھانے میں شریک نہ ہوئے، ـــــ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہم اپنا رزق کھاتے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں (محفوظ) ہے۔'' ـــــ چنانچہ:

- ـــــ اگر یہ معلوم ہو کہ جماعت کی موافقت سے کسی کے دل کو تکلیف نہ ہوگی بلکہ ثواب ملنا یقینی ہے تو اس نیک نیتی کی وجہ سے کھانے میں شریک ہو جانا چاہئے۔
- ـــــ لیکن اس میں طبیعت کی رغبت اور اس کے تقاضے کی وجہ سے ایسا نہ کرنا چاہئے۔
- ـــــ اگر یہ گمان ہو کہ یہ مقصد حاصل نہ ہو سکے گا تو نفسانی طبع سے بچتے ہوئے روزے کو مکمل کیا جائے۔ ممکن ہے اس وقت نفسانی خواہش کے باعث کھانے میں شریک ہو اور اپنے بھائی بندوں کے حق کی پاسداری کا کوئی جذبہ نہ ہو۔

طالبِ حق درویش کا بہترین ادب:

طالبِ حق درویش کا بہترین ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت کھانا کھانے کے بعد جب وہ یہ محسوس کرلے کہ اس کے باطن میں کچھ تبدیلی آگئی ہے اور اس کا نفس احکام بندگی ادا کرنے میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ دل کے بدلے ہوئے مزاج کا علاج کرے، ـــــ اس کا طریقہ یہ ہے کہ:

- ـــــ فوراً چند رکعت نماز ادا کرے، یا
- ـــــ چند آیات تلاوت کرے، یا
- ـــــ توبہ و استغفار و ذکر اذکار سے کھانے کو ہضم کرے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے: ''ذکر کے ذریعے اپنا کھانا ہضم کرو۔''

روزے کا اہم ترین اصول:

روزے کا ایک اہم ترین اصول یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے روزے کو مخفی رکھا جائے۔ لیکن اگر کوئی سراپا اخلاص ہے اور نہ کسی نقصان کا خدشہ ہے تو ایسی حالت میں روزے کا مخفی رہنا یا ظاہر ہو جانا کوئی فکر کی بات نہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۲:

کھانے کے فوائد اور نقصانات

حُسنِ نیت سے عادات، عبادات بن جاتی ہیں:

صوفی نیک نیت ہوتا ہے، اس کا مقصد اور علم صحیح اور وسیع ہوتے ہیں، وہ آداب کی پابندی کرتا ہے۔ اسی بناء پر اس کی سب عادات، عبادات بن جاتی ہیں، ــــ اس طرح صوفی کا سارا وقت نہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے بلکہ اس کی ساری زندگی ہی اللہ کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ باری تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی ﷺ سے فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ ط (پ ۸، سورہ انعام)

"اے رسول آپ کہہ دیں کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب جہانوں کے پروردگار اللہ کے لئے ہے۔"

صوفی چونکہ بشری ضرورتوں کی احتیاج رکھتا ہے۔ اس لئے عادات کی چیزیں اس کے کاموں میں خلل ڈالتی ہیں۔ اس کی بیدار مغزی اور نیک نیتی اس کی عادتوں کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہیں۔ تب اس کی عادتیں منور ہو کر عبادتیں بن جاتی ہیں۔ اسی لئے مذکور ہے:

"عالم کی نیند عبادت ہے، اور اس کا سانس تسبیح (کی مانند) ہے۔"

حالانکہ نیند سراپا غفلت ہے، مگر ہر وہ چیز جو عبادت میں معاون و مددگار ہو وہ بھی عبادت میں شمار ہوتی ہے۔

کھانا کھانا خصوصیت کا حامل ہے:

اس لئے کھانا کھانا بھی ایک خاصے کی چیز ہے۔ اس کے لئے بھی کافی علم اور معلومات درکار ہیں کیونکہ اس سے دینی و دنیاوی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ کھانے کا بدن اور قلب دونوں سے تعلق ہے۔ خاص طور پر بدن کی زندگی اسی پر موقوف ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں اللہ کا قانون جاری و ساری ہے۔ یہی دو چیزیں دنیا و آخرت کی تعمیر کرتی ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جنت کی زمین ایک وسیع و عریض اور صاف میدان ہے جس میں تسبیح و تقدیس کے ذریعے سبزہ اگتا ہے، ــــ انفرادی ساخت میں بدن کو حیوانی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے، اس کی بدولت دنیا کی تعمیر میں مدد ملتی ہے، ــــ روح اور قلب کو ملکوتی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ جس کی بدولت آخرت کی تعمیر میں مدد ملتی ہے، ــــ اور دونوں کے ملاپ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی وابستہ ہے۔

www.waseemziyai.com

آدمی مخصوص روحانی وجسمانی جواہر کا مرکب ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے آدمی کو مخصوص روحانی وجسمانی جواہر سے مرکب کیا ہے۔ اور اسے زمینوں اور آسمانوں کی منتخب اشیاء کا مخزن بنایا ہے ـــ اسی لئے اس نے عالم ظاہر اور اس کی سب چیزیں انسان کے بدن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ قرار دی ہیں، چاہے وہ نباتات ہوں یا حیوانات ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۝

''جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔''

○ ـــ اس نے طبیعتیں پیدا کیں، ـــ جن سے مراد حرارت (گرمی)، رطوبت (تری)، برودت (ٹھنڈک) اور یبوست (خشکی) ہے۔

○ ـــ طبیعتوں سے نباتات پیدا کیں، ـــ نباتات کو حیوانات کی زندگی کے لئے لازم قرار دیا، ـــ اور حیوانات کو انسان کا اطاعت گزار بنایا تا کہ وہ اپنے بدن کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں ذریعہ معاش بنائے۔

مزاج کا معتدل ہونا صحت کا اصول ہے:

جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے سب معدہ میں پہنچتا ہے، جہاں چاروں طبیعتیں (اخلاط اربعہ) موجود ہوتی ہیں، ہمارے کھانے میں بھی یہ چاروں طبیعتیں پائی جاتی ہیں، ـــ اللہ تعالیٰ بدن کے مزاج کو جب معتدل رکھنا چاہتا ہے تو معدے کی ہر خلط (طبیعت) کھانے میں سے اپنی مخالف ومتضاد خلط کو اخذ کرتی ہے۔ یعنی:

○ ـــ حرارت (گرمی)، برودت (ٹھنڈک) کو اخذ کرتی ہے، اور

○ ـــ رطوبت (تری)، یبوست (خشکی) کو اخذ کرتی ہے۔

اس طرح مزاج معتدل ہو کر بگاڑ سے محفوظ ہو جاتا ہے، ـــ اور جب اللہ تعالیٰ بدن کو فنا کر کے اس کی تعمیر و عمارت کو ویران اور برباد کرنا چاہتا ہے تو اس وقت معدے کی ہر خلط کھانے میں سے اپنی موافق و ہم جنس خلط کو اخذ کرتی ہے۔ اس طرح مزاج کے درہم برہم ہو جانے سے بدن بیمار ہو جاتا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

''اس وقت رب دانا و بینا کا یہی فیصلہ ہوتا ہے۔''

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں حضرت آدم علیہ السلام کا حال اس طرح پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں نے آدم کو پیدا کیا اور اس کے بدن کو چار چیزوں (یعنی رطوبت، یبوست، برودت، اور حرارت) سے تخلیق کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے:

www.waseemziyai.com

○ —— مٹی سے پیدا کیا جو خشک (یبوست) ہوتی ہے،

○ —— اس کی رطوبت پانی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے،

○ —— حرارت، نفس کے ذریعہ ملتی ہے، اور

○ —— اس کی برودت (ٹھنڈک) روح سے میسر آتی ہے۔

اس تخلیق اوّل کے بعد میں نے بدن کے لئے مزید چار اخلاط بنائیں۔ جن پر میری اجازت سے بدنی وجود کا دارومدار ہے۔ ہر خلط کا وجود دوسری خلط پر انحصار کرتا ہے، اور ان میں سے ایک کا دوسرے کے بغیر رہنا محال ہے۔

وہ چاروں اخلاط یہ ہیں:

○ —— صفراء ○ —— سودا، ○ —— خون یا بادی، ○ —— بلغم،

پھر میں نے پہلی اخلاط کی ایک ایک قسم کو دوسری اخلاط کی ایک ایک قسم کے اندر قائم کر دیا، چنانچہ:

○ —— سودا کو خشکی کا مقام ٹھہرایا،

○ —— صفرا کو رطوبت کا مقام ٹھہرایا،

○ —— خون اور بادی کو حرارت کا مقام قرار دیا،

○ —— بلغم کو برودت (ٹھنڈک) میں جگہ دی۔

چنانچہ بدن کی یہ چار بنیادی اخلاط، اگر اعتدال کے ساتھ موجود ہوں اور ان میں کمی بیشی نہ ہو، بلکہ ہر ایک خلط اپنے چوتھائی حصہ کے مطابق دوسری خلط میں پائی جائے تو بدن کی صحت کامل رہے گی، اور انسان تندرست رہے گا، —— لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک خلط بھی زائد ہو تو دوسری خلط پر حاوی ہو کر مقدار میں اس سے بڑھ جائے گی، —— جس خلط کا جس قدر غلبہ زیادہ ہوگا، بیماری بھی اسی قدر زیادہ غالب آجائے گی، اور دوسری خلطیں کمزور رہ جائیں گی۔

سب سے اہم اکلِ حلال ہے:

کھانے کے سلسلے میں سب سے اہم بات غذا کا حلال ہونا ہے، —— حلال وہ چیز ہے جس کی شرعی طور پر اجازت دی گئی ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بہت کچھ سہولت مہیا کی ہے۔ اگر شرعی طور پر اس قدر سہولت نہ دی جاتی تو بڑی مشکل ہو جاتی اور حلال چیز کا ملنا دشوار ہو جاتا۔

کھانا کھانے میں صوفیاء کے آداب:

کھانا کھانے میں صوفیاء کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے ہیں۔ اس سے اس نعمت پر منعمِ حقیقی کے شکر کا اظہار ہوتا ہے، —— رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کھانا کھانے سے پہلے وضو کرنا مفلسی کو دور کرتا ہے۔"

www.waseemziyai.com

یہ مفلسی کو دور کرنے کا سبب اس لئے ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے اللہ کی نعمت کا ادب سے استقبال ہے۔ جس سے نعمت کے شکر کا اظہار ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے نعمت میں اضافہ اور مفلسی کا ازالہ ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی چاہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت کا اضافہ ہو تو وہ کھانا سامنے آنے پر وضو کرے اور اللہ کا نام لے۔''

قرآنِ کریم میں ارشاد باری ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۝ (پ۸،۱)

''جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس چیز میں سے نہ کھاؤ۔''

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، —— اس کے وجوب میں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ لیکن صوفی اس اختلاف میں پڑے بغیر اس کی ظاہری تفسیر جاننے پر یہی خیال کرتا ہے کہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر ضرور کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس وقت وہ اللہ کے ذکر کو فریضہ وقت اور لازمی ادب میں شمار کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ کھانے پینے سے چونکہ نفس کا قیام اور اس کی خواہشوں کی پیروی ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ کا ذکر اس کی دوا اور اس زہر کا تریاق ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اسی دوران ایک بدو نے آکر کھانے سے دو لقمے کھا لئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر یہ اللہ کا نام لے لیتا تو یہ کھانا تمہارے لئے بہت کافی ہوتا، —— چنانچہ تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو وہ پہلے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے، —— اور اگر کوئی بِسْمِ اللّٰهِ کہنا بھول جائے تو یہ کہے: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ ۝

مستحب یہ ہے کہ جب کھانا کھانے لگے تو پہلے لقمے پر بِسْمِ اللّٰهِ کہے، —— اور دوسرے لقمے پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ کہے اور تیسرے لقمے پر مکمل بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہے، —— اسی طرح جب پانی پئے تو پانی تین گھونٹ میں پئے۔

○ —— پہلے گھونٹ پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھا جائے،

○ —— دوسرے گھونٹ پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اور

○ —— تیسرے گھونٹ پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔

قلب کا بگاڑ اور اس کی اصلاح:

جس طرح معدے کے اخلاط ہیں اور وہ کھانے کے مزاج سے موافقت کرتے ہیں، —— اسی طرح قلب کا بھی مزاج ہے اور اس کے اخلاط ہیں اور طبع ہے۔ صرف دانا و صاحبانِ ہوش قلب کے بگاڑ اور اس کی ناسازی طبع کو سمجھ سکتے ہیں اور اس کی رعایت کر سکتے ہیں۔

○ —— کبھی ایک لقمہ کے کھانے سے طیش کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے فضول کاموں کی طرف کشش ہوتی ہے۔

www.waseemziyai.com

○ — کبھی قلب میں غفلت و کاہلی کی برودت (ٹھنڈک) پیدا ہو جاتی ہے جو اوقات کی پابندی اور فرائض میں کوتاہی کی طرف مائل کرتی ہے۔

○ — کبھی سہو و غفلت کی رطوبت پیدا ہوتی ہے،

○ — کبھی رنج و آلام کی یبوست (خشکی) شکار کر لیتی ہے، عاجلہ لذتوں کی وجہ سے ایسا ممکن ہوتا ہے۔

بہر حال یہ ایسے عوارض ہیں جنہیں ایک ہوشیار اور بیدار مغز انسان جلد سمجھ لیتا ہے۔ اس کے خیال میں ان عوارض کے ذریعے جب بدن میں تغیر پیدا ہوتا ہے تو قلب کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں بدن کے لئے اعتدال لازم ہے وہیں قلب کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ بلکہ بدن کی نسبت قلب میں بہت جلد اعتدال سے انحراف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے انحراف سے قلب بیمار ہو جاتا ہے۔ قلب کی موت سے بدن کی موت واقع ہو جاتی ہے، — لہٰذا اللہ کا نام کا ایک مجرب و مفید دوا ہے جو نہ صرف برائیوں سے بچاتی ہے بلکہ قلب کی بیماری دور کر کے شفائے کلی عطا کرتی ہے۔

ذکرِ الٰہی اور کاشتکاری ساتھ ساتھ:

مذکور ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب طوس شہر سے واپس لوٹے تو انہیں خبر ملی کہ قریب کے گاؤں میں ایک بزرگ کامل قیام فرما ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ امام صاحب کی ان بزرگ سے جنگل میں ایسی جگہ ملاقات ہوئی جہاں وہ بزرگ گیہوں کی تخم پاشی کر رہے تھے۔ انہوں نے امام صاحب کو دیکھا تو تخم پاشی چھوڑ کر ان کے پاس آ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ اسی دوران ان بزرگ کے ساتھی نے آ کر ان سے بیج مانگے تاکہ ملاقات کے باعث وہ تخم پاشی کا فریضہ انجام دیں، مگر انہوں نے اسے بیج دینے سے انکار کر دیا، — امام صاحب نے انکار کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا:

> ''میں حضوریٔ قلب اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے تخم پاشی کرتا ہوں۔ ایسے مجھے یہ توقع ہوتی ہے کہ جو اس (فصل) کے گیہوں کھائے گا تو اسے برکت حاصل ہوگی، — اس لئے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تخم پوشی ایسے شخص کے سپرد کر دوں جو حضوریٔ قلب اور زبان سے اللہ کے نام کا ذکر کئے بغیر تخم پوشی کرے۔''

ذکرِ الٰہی کی کھانے میں برکت:

ایک بزرگ کا معمول تھا کہ کھانا کھانے سے پہلے وہ قرآن پاک کی کسی صورت کی تلاوت شروع کر دیتے تھے اور اسی تلاوت کے دوران وہ کھانا بھی کھا لیتے تاکہ کھانے کے سبھی اجزا ذکرِ الٰہی کے انوار و تجلیات سے معمور و منور ہو جائیں، — اس طرح ذکرِ الٰہی کی برکت سے

○ — کھانے کے بعد کوئی برائی رونما نہیں ہوتی تھی، اور

○ — نہ ان کے قلب کے مزاج میں کوئی تبدیلی یا بگاڑ واقع ہوتا تھا۔

ہمارے شیخ محترم ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے کے وقت بھی نماز پڑھتا ہوں۔ — اس قول سے اس

www.waseemziyai.com

بات کی طرف اشارہ ہے کہ

○ —— کھانے کے وقت بھی حضوریٔ قلب برقرار رہتا تھا جو کھانے کے وقت دیگر مشاغل سے روک دیتا تھا۔

○ —— ان کی ہمت میں اس وقت بھی تفرقہ نہیں پڑتا تھا۔

○ —— کھانے کے موقع پر وہ حضوریٔ قلب اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کے عظیم اثرات کا مشاہدہ کرتے تھے۔

○ —— اس دوران وہ کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے تھے۔

کھانا کھاتے وقت قدرت الٰہی میں سوچ بچار:

کھانا کھاتے وقت اللہ کی قدرت میں سوچ بچار کرنا بھی ذکر میں شمار ہوتا ہے، جیسے:

○ —— دانتوں کے بارے میں غور کرنا جو کھانے میں مدد دیتے ہیں، کچھ دانت غذا کو توڑتے ہیں، —— کچھ ایسے ہیں جو کاٹتے ہیں، —— کچھ غذا کو پیستے ہیں۔

○ —— اس طرح اللہ تعالیٰ نے منہ کے اندر شیریں پانی رکھا ہے جس سے منہ کا مزہ خراب نہیں ہوتا۔

○ —— اس کے برعکس آنکھوں میں پانی کو نمکین رکھا ہے تاکہ وہ خراب ہونے سے بچی رہیں۔

○ —— اس بات کے بارے میں سوچنا کہ منہ اور زبان سے ایسی رطوبت نکلتی ہے جس سے غذا کے چبانے اور نگلنے میں آسانی رہتی ہے۔

○ —— اسی طرح قوت ہاضمہ کو کھانے پر اس طرح غالب کیا ہے کہ وہ غذا کے اجزاء کو الگ الگ کر دیتی ہے۔

○ —— جگر بھی قوت ہاضمہ کی مدد کرتا ہے، —— بلکہ جگر تو آگ کی مانند ہے اور معدہ ہانڈی کی طرح —— لہٰذا جس قدر جگر خراب ہوگا اسی قدر ہاضمہ کم ہوگا اور غذا کو اچھی طرح پکا نہ سکے گا اور کھانے کو خراب کرے گا اور ہر عضو کو (توانائی کا) حصہ نہ مل سکے گا۔

کیونکہ تمام اعضاء کا جگر، تلی اور گردوں پر انحصار ہے —— اس کی اگر تصریح و توضیح کی جائے تو بات بڑی پھیل جائے گی۔

جنہیں اس کی تشریح کا شوق ہے وہ تشریح الاعضاء کے علم پر مبنی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اس وقت وہ قدرت الٰہی سے حیرت میں گم ہو جائیں گے اور انہیں پتہ چلے گا کہ اعضاء کس طرح ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور باہمی تعاون کر کے غذا کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور اس غذا سے قوت حاصل کرتے ہیں، —— ہضم ہونے کے بعد غذا کس طرح خون، فضلے اور دودھ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسی تغذیہ سے اللہ تعالیٰ کس طرح فضلہ (گوبر) اور خون سے وہ خالص دودھ پیدا فرماتا ہے جو پینے والوں کے حلق سے آسانی سے اتر جاتا ہے، —— لہٰذا کھانا کھاتے ہوئے ان سب باتوں پر غور اور سوچ بچار کرنا اور اللہ کی حکمت و قدرت کا پتہ چلانا بھی ذکر میں شامل ہے۔

متغیر مزاج قلب کا علاج:

کھانے کی اس روحانی بیماری جس سے قلب کا مزاج متغیر ہو جاتا ہے، کا علاج یہ ہے کہ جب کھانا شروع کرے تو اللہ تعالیٰ

www.waseemziyai.com

سے یہ دعا مانگے:

"اللہ تعالیٰ اس غذا کو اس کی اطاعت میں مددگار بنائے۔"

اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَمَا رَزَقْتَنَا مِمَّا تُحِبُّ اِجْعَلْہُ عَوْنًا لَنَا عَلٰی مَا تُحِبَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنَّا مِمَّا تُحِبُّ اِجْعَلْہُ فَرَاغًا لَنَا فِیْمَا تُحِبُّ ○

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۳:

کھانے کے آداب

کھانے کا آغاز:

کھانے کے آداب میں سے ہے کہ کھانے کا آغاز نمک سے کیا جائے اور کھانے کا اختتام بھی نمک پر ہی کیا جائے، — رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے علی! اپنے کھانے کا آغاز نمک سے کرو، اور اس کا اختتام بھی نمک پر ہی کرو، — کیونکہ نمک میں ستر بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ جن میں جنون، جذام، برص، پیٹ کا درد، داڑھ کا درد بھی شامل ہے۔''

نمک سے علاج:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے بائیں پاؤں کے انگوٹھے پر کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میرے پاس وہ سفید نمک لاؤ جو آٹے میں استعمال ہوتا ہے۔''

چنانچہ ہم نے نمک پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے ہتھیلی پر رکھ کر تین بار زبان سے چاٹا۔ پھر باقی بچ جانے والا نمک کیڑے کے کاٹے ہوئے پر رکھ دیا جس سے درد کو سکون ہو گیا۔

اکٹھے ہو کر کھانا مستحب و بابرکت ہے:

کھانے پر بہت سے افراد کا اکٹھے ہونا مستحب ہے۔ خانقاہ میں تو اکٹھے ہو کر کھانا صوفیاء کرام کا معمول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے نزدیک سب سے اچھا کھانا وہ ہے جس کی طرف بہت سے ہاتھ بڑھائے جائیں۔''

ایک بار لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ اکیلے اکیلے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو، — سب مل کر کھاؤ، اور اس پر اللہ کا نام لے کر (بسم اللہ پڑھ کر) شروع کرو، تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔''

www.waseemziyai.com

دسترخوان پر کھانا سُنّت ہے:

صوفیاء کرام کا ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس طرح سے کھانا رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے نہ تو تخت/چوکی پر کھانا کھایا اور نہ بڑی تھالی میں۔''

اس پر دریافت کیا گیا:

''آپ ﷺ کس چیز پر کھانا تناول فرماتے تھے۔''

آپ نے فرمایا: ''دسترخوان پر۔''

کھانے کے دیگر آداب:

○ — کھانا کھاتے وقت چھوٹے نوالے لینے چاہئیں اور اچھی طرح چبا کر کھانا کھانا چاہئے۔

○ — کھاتے وقت اپنے سامنے نظر رکھنی چاہئے، دیگر کھانے والوں کے چہروں کو نہیں تکنا چاہئے۔

○ — کھانے کے لئے بائیں پاؤں کے سہارے پر بیٹھنا چاہئے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا چاہئے۔

○ — کھاتے وقت کسی چیز کا سہارا یا ٹیک نہیں لگانی چاہئے۔ تکبر کا اظہار کئے بغیر تواضع سے بیٹھنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بُھنی ہوئی بکری تحفتہً پیش کی گئی۔ آپ دوزانو ہو کر اسے تناول فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا:

''یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کس طرح سے بیٹھے ہیں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بندہ عاجز پیدا کیا ہے، سرکش و متکبر نہیں پیدا کیا۔''

○ — کھانا اس وقت تک نہ شروع کیا جائے جب تک کہ میر محفل یا شیخ طریقت نہ شروع کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانے پر موجود ہوتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کھانا تناول فرمانا شروع نہیں کر دیتے تھے اور ہم سب دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے۔

دائیں جانب کا معمول سُنّت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے جب کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے، اور کوئی چیز پکڑے تو دائیں ہاتھ سے پکڑے، — اور کسی کو کچھ

www.waseemziyai.com

دسترخوان پر کھانا سُنّت ہے:

صوفیاءِ کرام کا ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس طرح سے کھانا رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے نہ تو تخت/چوکی پر کھانا کھایا اور نہ بڑی تھالی میں۔''

اس پر دریافت کیا گیا:

''آپ ﷺ کس چیز پر کھانا تناول فرماتے تھے۔''

آپ نے فرمایا: ''دسترخوان پر۔''

کھانے کے دیگر آداب:

- ○ ــــ کھانا کھاتے وقت چھوٹے نوالے لینے چاہئیں اور اچھی طرح چبا کر کھانا کھانا چاہیے۔
- ○ ــــ کھاتے وقت اپنے سامنے نظر رکھنی چاہیے، دیگر کھانے والوں کے چہروں کو نہیں تکنا چاہیے۔
- ○ ــــ کھانے کے لئے بائیں پاؤں کے سہارے پر بیٹھنا چاہیے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا چاہیے۔
- ○ ــــ کھاتے وقت کسی چیز کا سہارا یا ٹیک نہیں لگانی چاہیے۔ تکبر کا اظہار کئے بغیر تواضع سے بیٹھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بُھنی ہوئی بکری تحفۃً پیش کی گئی۔ آپ دو زانو ہو کر اسے تناول فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کس طرح سے بیٹھے ہیں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بندہ عاجز پیدا کیا ہے، سرکش و متکبر نہیں پیدا کیا۔''

- ○ ــــ کھانا اس وقت تک نہ شروع کیا جائے جب تک کہ میرِ محفل یا شیخِ طریقت نہ شروع کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانے پر موجود ہوتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کھانا تناول فرمانا شروع نہیں کر دیتے تھے اور ہم سب دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے۔

دائیں جانب کا معمول سُنّت ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے جب کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے، اور کوئی چیز پکڑے تو دائیں ہاتھ سے پکڑے، ــــ اور کسی کو کچھ

www.waseemziyai.com

''کھانے پر پھونک مارنے سے اس کی برکت جاتی رہتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں:

○ — کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک نہیں ماری جاتی تھی،

○ — نہ کسی برتن کے اندر سانس لیا جاتا تھا۔

یہ سب باتیں ادب کے منافی ہیں۔

سرکہ اور سبزیوں کی برکت:

دستر خوان پر سرکہ اور سبزیوں کا ہونا باعث برکت اور مسنون ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دستر خوان پر اگر سبزیاں موجود ہوں تو اس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں، — حضرت اُم سعد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میں ان کے ہاں موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیا دن کا کھانا موجود ہے؟'' — حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:

''جی ہاں! روٹی، کھجوریں اور سرکہ موجود ہے'' —

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خوب! سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے۔ یا الٰہی! سرکہ میں برکت عطا فرما۔ یہ مجھ سے پہلے آنے والے نبیوں کا سالن تھا، — اور جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر ویران نہیں ہوتا۔''

سب کے فارغ ہونے تک کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے:

○ — کھانا کھاتے ہوئے خاموش نہیں بیٹھنا چاہئے، کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

○ — روٹی اور گوشت کو چھری سے نہیں کاٹنا چاہئے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

○ — جب تک سب کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں، تب تک کھانے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب دستر خوان بچھا دیا جائے تو اس وقت تک وہاں سے کوئی نہ اٹھے۔ جب تک کہ دستر خوان نہ اُٹھا دیا جائے، — اگر پیٹ بھر بھی جائے تو بھی کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے تاوقت کہ سبھی لوگ فارغ نہ ہو جائیں، — اس دوران وہ خود کو کھانے سے بہلاتا رہے تاکہ اس کے ساتھ کھانے والے اسے ہاتھ کھینچے ہوئے دیکھ کر شرمندہ نہ ہو جائیں اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لیں، خواہ اس وقت تک ان کا پیٹ نہ بھرا ہو۔''

کھانے کا ادب باعث برکت ہے:

جب دستر خوان پر کھانا لگا یا دیا جائے تو مزید انتظار نہیں کرنا چاہئے، — حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

www.waseemziyai.com

اللہ ﷺ نے فرمایا:

"روٹی (کھانے) کا احترام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین کی برکتیں عطا کی ہیں۔ اس نے لوہے، گائے اور انسان کو تمہارا تابع بنایا ہے، — اور ان چیزوں کے ذریعے تمہیں روٹی (رزق) حاصل ہوتی ہے۔"

کھانے کے حوالے سے ایک اہم بات:

کھانے کے حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ جب خوب بھوک لگے اس وقت کھائے، اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا چھوڑ دے (کچھ بھوک رہ جائے)، — رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انسان نے اپنے پیٹ سے بڑا کوئی اور ظرف نہیں بھرا۔"

خادم نوازی:

صوفیاء کرام کی عادات و معمولات میں سے ایک یہ عادت ہے کہ اگر ان کا خادم ان کے ساتھ دستر خوان پر نہ بیٹھا ہو تو اسے چند لقمے کھلا دیتے ہیں۔ اور یہ سُنّت طریقہ ہے، — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تمہارا خادم کھانا لے کر آئے، اور وہ تمہارے ساتھ کھانے پر نہ بیٹھے تو اسے ایک دو لقمے کھلا دو۔ کیونکہ وہ اپنی محنت کے اجر کا حق دار ہے۔"

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دعا:

جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی کھانے سے فارغ ہو جائے تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا وَ رَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَلَا قُوَّۃٍ ۝

تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

کھانے کے بعد خلال کرنا:

کھانے سے فارغ ہو کر خلال کرنا چاہئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خلال کرو کیونکہ یہ صفائی ہے اور صفائی ایمان کی طرف بلاتی ہے، — اور ایمان صاحبِ ایمان کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔"

کھانے کے بعد ہاتھ دھونا:

کھانے والا کھانے سے فارغ ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

www.waseemziyai.com

نے ارشاد فرمایا:

''جو کوئی اس حالت میں رات گزارے کہ اس کے ہاتھوں میں چکنائی لگی ہوئی ہو اور اس نے ہاتھ نہ دھوئے ہوں، اور پھر اسے کوئی اذیت پہنچے تو اس وقت اسے صرف اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے۔''

سنت طریقہ یہ ہے کہ سب ایک ہی طشت میں ہاتھ دھوئیں، — حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''طشتوں کو بھر دو اور مجوس کی مخالفت کرو۔''

تر ہاتھوں سے آنکھوں کا مسح کرنا:

تر ہاتھوں سے آنکھوں کا مسح کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب تم وضو کرو تو آنکھوں کو پانی سے سیراب کرو، — اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو کیونکہ یہ شیطان کے مورچھل ہیں۔'' [1]

لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

''یہ حکم صرف وضو سے مخصوص ہے یا اس کے علاوہ بھی ہے۔''

انہوں نے فرمایا:

''وضو میں بھی اور اس کے علاوہ بھی یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔''

کھانے کے بعد دیگر آداب:

○ — ہاتھوں کو دھوتے وقت اسنان [2] دائیں ہاتھ میں رکھنا چاہیے، —

○ — خلال کے وقت دانتوں سے نکلنے والے غذا کے ریزے نہ نگلے، — اگر غذا کا کوئی ریزہ زبان سے لگا رہ جائے تو اسے نگل لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

○ — کھانا کھاتے وقت تکلف اور تصنع سے پرہیز کرے، — اور جس طرح بے تکلفی سے اکیلے کھانا کھاتا ہے، اسی طرح سب کے ساتھ کھائے کیونکہ انسان کے اندر ریاکاری ہر چیز کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے۔

ایک بار ایک عالم کے سامنے کسی بزرگ کا ذکر ہوا تو انہوں نے اس کی تعریف نہیں کی، ان سے دریافت کیا گیا:

''کیا آپ کو ان کی کسی خامی کا علم ہے جو آپ نے ان کی تعریف نہیں کی۔''

انہوں نے کہا:

''ہاں میں نے انہیں کھانے میں تکلف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جو کھانے میں تکلف اور بناوٹ اختیار کرے تو اس کے دوسرے معاملات میں بھی بناوٹ کا خدشہ ہے۔''

---

[1] یعنی انگلیوں سے ٹپکتے ہوئے پانی کو جھاڑنا نہیں چاہئے بلکہ آنکھوں کے پپوٹے اس سے تر کر لینا چاہئیں۔

[2] ایک قسم کی گھاس جو قدیم زمانے میں ہاتھ صاف کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔

www.waseemziyai.com

کھانا کھاتے وقت کی دعائیں:

○ — کھانا کے بارے میں اگر یقین ہے کہ حلال ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَ تَنَزَّلُ الْبَرَکَاتُ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ○ اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْنَا طَیِّبًا وَاسْتَعْمَلْنَا صَالِحًا ○

○ — اگر کھانے کے بارے میں کسی قسم کا شبہ ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَلَا تَجْعَلْہُ عَوْنًا مَعْصِیَّتِکَ ○

اگر کھانے کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے تو کثرت سے استغفار پڑھ کر رنج و ملال کا اظہار کرے۔ اس مشتبہ کھانا کھانے پر روئے ہنسے نہیں کیونکہ ایسا کھانے پر ہنسنے کا نہیں رونے کا موقع ہے اور یہ رونا ہنسنے کے برابر نہیں۔

○ — کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سورۂ اخلاص اور سورہ القریش پڑھنا چاہئے۔

بن بلائے کھانے پر جانا مکروہ ہے:

لوگ جب کھانا کھا رہے ہوں تو ان کے پاس جانے سے گریز کرنا چاہئے۔ مقولہ ہے:

"جو بن بلائے کھانے کی طرف جائے تو وہ فاسق ہو کر چلتا ہے اور حرام کھاتا ہے۔"

یہی مقولہ ہم نے اس اضافہ کے ساتھ سنا ہے:

"وہ چور بن کر داخل ہوتا ہے اور لٹیرے کی طرح وہاں سے نکلتا ہے۔"

البتہ جو لوگ اس کے کھانے سے خوشی محسوس کرتے ہوں۔ وہ کھانا کھا رہے ہوں تو ان کے پاس جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

میزبان اور مہمان کا باہم ادب:

مستحب ہے کہ میزبان اپنے مہمان کو رخصت کرنے کے لئے گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ جائے، — اور مہمان کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر نہ رخصت ہو، — میزبان تکلّف سے گریز کرے، اگر وہ مہمان کے لئے اپنی حیثیت کے پیشِ نظر) زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو تکلف میں کوئی حرج نہیں — لیکن (یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ) یہ بات حیا و رتکلّف کے باعث نہ ہو یہ کہ میزبان کی بات رہ جائے کہ اس نے بڑا پُر تکلف اہتمام کیا۔

اجتماعی کھانے کے بعد دعا:

اجتماعی طور پر کھانا کھایا جائے تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد (افطار کے بعد) نماز مغرب کے بعد یہ دعا پڑھے:

○ — اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ○

"تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں اور نیک لوگ کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر درود بھیجیں۔"

اسی قسم کی ایک اور دعا بھی مذکور ہے:

www.waseemziyai.com

○ — عَلَیْکُمْ صَلَاۃَ قَوْمٍ اَبْرَارُ لَیْسُوْ بِآثِمِیْنَ وَالْاَفْجَارِ یُصَلُّوْنَ بِاللَّیْلِ وَ یَصُوْمُوْنَ بِالنَّھَارِ ○

"تم پر ان لوگوں کی دعا ہو جو گناہ گار ہیں اور نہ بدکار، وہ لوگ۔ رات کے وقت نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں"

یہ دعا پڑھنا صحابہ کرام کا معمول تھا۔

پیش کردہ کھانے کو حقیر نہ جانو:

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پیش کئے گئے کھانے کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی ر۔ کرتے تھے:

"ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کون سا شخص زیادہ گناہ گار ہے:

○ — وہ جو پیش کردہ کھانے کو حقیر سمجھے، یا

○ — وہ جو اپنے ہی کھانے کو معمولی اور حقیر جانتے ہوئے اسے پیش کرنے سے گریز کر رہا ہو"۔

نام ونمود کے لئے کھانا:

وہ کھانے جو نام ونمود کے لئے کھلائے جائیں، — یا جو شادی اور غم کے موقع پر تکلّف کے ساتھ تیار کرائے جا ئیں، درویشوں کے لئے ایسا کھانا مکروہ ہے۔

جو کھانا میّت کے گھر والوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے اسے کھانا مکروہ ہے، البتہ جو کھانا تعزیّت کے لئے آنے والوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

دوست کے ہاں بغیر اجازت کھانا:

اگر کسی کو اپنے کسی بھائی یا دوست کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ اس کے ہاں کھانے میں شریک ہو کر خوش ہوتا ہے۔ تو اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں کھانا کھالے تو کوئی حرج نہیں، — اللہ تعالیٰ نے اَوْ صَدِیْقِکُمْ فرما کر دوست کے ان کھانا کھانے کی اجازت دیدی ہے۔

مذکور ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کچھ لوگ آئے، آپ گھر پر نہیں تھے۔ انہوں نے گھر کو کھولا، دستر خوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے۔ اس دوران حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے اور انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا:

"تمہاری اس بے تکلفی نے مجھے اگلے بزرگوں کے اخلاق کی یاد دلا دی، ان لوگوں کا بھی یہی طریقہ اور معمول تھا"

دعوت قبول کرنا سُنّت ہے:

اگر کوئی کھانے کی دعوت دے تو اسے قبول کرنا سُنّت ہے بلکہ ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ جو لوگ غرور اور تکبر کی وجہ سے کسی کی دعوت میں شرکت نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں، — اگر یہ عمل بناوٹ اور دکھاوے کے لئے کیا جائے تو تکبر کے قریب ہے۔

www.waseemziyai.com

مذکور ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ایک بار ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو سرِ راہ لوگوں سے بھیک مانگ رہے تھے۔ انہوں نے روٹی کے کچھ ٹکڑے زمین پر پھیلا رکھے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خچر پر سوار تھے۔ جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

”اے ابن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آئیں ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں۔“

آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”ہاں کیوں نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی سواری کو موڑا اور اتر کر ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ کچھ کھا کر آپ نے انہیں سلام کیا اور سوار ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے۔

بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا:

مذکور ہے کہ بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا اہل و عیال کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے افضل ہے، ـــ اس بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ (خلیفہ) ہارون الرشید نے (ایک نابینا) ابو معاویہ کو بلایا اور خادموں کو حکم دیا کہ انہیں کھانا پیش کیا جائے۔ ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب کھانا کھا لیا تو ہارون الرشید نے طشت میں پانی ڈال کر خود ان کے ہاتھ دُھلائے۔ جب وہ ہاتھ دھو چکے تو ہارون الرشید نے ان سے پوچھا:

”اے ابو معاویہ! کیا تمہیں خبر ہے کہ تمہارے ہاتھ کس نے دُھلائے؟“

ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”مجھے خبر نہیں۔“

ہارون الرشید نے کہا: ”امیر المؤمنین نے تمہارے ہاتھ دُھلائے ہیں۔“

ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”اے امیر المؤمنین! آپ نے میرے ہاتھ دُھلا کر علم کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ جس طرح آپ نے علم کا وقار بڑھایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی عزت کو دوبالا کرے اور آپ کا مرتبہ بڑھائے۔“

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۴:

لباس کے صوفیانہ آداب

لباس کی غرض وغائت:

لباس (انسانی) نفس کی ایک اہم ضرورت ہے۔اسی کی بدولت سردی اور گرمی سے بچاؤ رہتا ہے، جس طرح کہ کھانے کی بدولت بھوک مٹائی جاتی ہے، ــــ اور جس طرح نفس بقدر ضرورت کھانے پر اکتفانہیں کرتا بلکہ مزید کی خواہش کرتا ہے، اسی طرح نفس لباس کے لئے بھی نئے نئے انداز اختیار کرتا ہے۔لباس کے معاملے میں اس کی رنگارنگ خواہشیں اور ضرورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

لباس کے حوالے سے صوفیانہ نظریہ:

ایک صوفی سے کسی نے کہا: ''آپ کا لباس پھٹا ہوا ہے''، ــــ انہوں نے فرمایا:

''ہاں! مگر یہ حلال کمائی سے بنا ہے،'' ــــ ان سے کہا گیا:

''یہ میلا کچیلا ہو گیا ہے'' ــــ فرمایا: ''لیکن یہ پاک ہے۔''

○ ــــ اس لئے ایک مخلص صادق کا لباس کے حوالے سے یہ نکتہ نظر ہوتا ہے کہ وہ حلال کمائی کا ہو خواہ کیسا ہی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی شخص دس درہم کا کپڑا خریدے اور ان درہموں میں سے ایک بھی حرام کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض یا نفلی عبادت قبول نہیں فرمائے گا، اور نہ اس کے صرف وعدل کو قبول فرمائے گا۔''

○ ــــ وجہ حلال کے بعد صوفی کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کا لباس پاک ہو، ــــ کیونکہ نماز کی درستی کے لئے لباس کا پاک ہونا شرط ہے۔

○ ــــ ان دو باتوں کے بعد وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ لباس اسے سردی یا گرمی سے بچا سکے، ــــ کیونکہ اس میں نفس کی مصلحت اور بھلائی ہے۔

ان باتوں کے علاوہ نفس اگر کسی اور بات کی تمنا کرتا ہے (کہ لباس خوش رنگ، خوش وضع اور کپڑا قیمتی ہو) تو یہ سب باتیں فضول ہیں جس کا مقصد محض نام ونمود ہے اور کچھ نہیں۔

مخلص صوفی کا لباس کے بارے میں یہ نظریہ ہوتا ہے کہ وہ فقط اللہ کی رضا (اور حکم کی تعمیل) کے لئے ستر عورت اختیار کرے،

www.waseemziyai.com

—اور یہ کہ سردی اور گرمی سے نفس کو بچایا جائے۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور رضائے الٰہی:

ایک دن (ایسا اتفاق ہوا کہ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ گھر سے نکلے تو لباس اُلٹا پہنے ہوئے تھے۔لوگوں نے توجہ دلائی تو انہیں اس کا علم ہوا کہ وہ لباس اُلٹا پہنے ہوئے ہیں۔آپ کو خیال آیا کہ اسے سیدھا کر کے پہن لوں مگر یہ ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا۔

'جب میں نے یہ لباس پہنا تھا تو یہ نیت تھی کہ اسے اللہ کے لئے پہن رہا ہوں۔اور اب محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے اسے تبدیل نہیں کروں گا۔تاکہ میری نیت فسخ نہ ہو جائے۔''

چنانچہ آپ لباس کو اُلٹا ہی پہنے رہے۔

نفس کا تناسب علم کے تابع ہے:

صوفیاء کرام کی پاکیزگی اخلاق کے ساتھ مختص ہیں۔انہیں پاکیزگی اخلاق فقط اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے نفوس میں ایسی صلاحیت ،اہلیّت اور لیاقت رکھ دی تھی۔ان کے پاکیزہ اخلاق سے ان کے نفس کی صلاحیّت اور اس کے تناسب کا علم ہو جاتا ہے۔

اسی تناسب کی طرف اس ارشاد باری میں اشارہ کیا گیا ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ ۝

''جب میں اسے ہموار کروں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں۔''

اس ہمواری سے مراد وہی تناسب ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔اسی تناسب کے لحاظ سے مناسب ہے کہ:

- —ان کا لباس ان کے کھانے کے مطابق ہو(یعنی جس طرح کا وہ کھانا کھاتے ہیں لباس بھی اسی معیار کا ہو۔)
- —ان کا کھانا ان کے کلام کے مطابق ہو۔(یعنی لباس،کھانے پینے اور بات چیت میں یکسانیت اور تناسب ہو)
- —ان کا کلام ان کی نیند کے مطابق ہو۔

اس لئے کہ نفس میں جو تناسب ہے وہ علم کے تابع ہے۔مختلف حالات کی مشابہت اور مماثلت کے بارے میں علم ہی کے ذریعے فیصلہ کیا جا سکتا ہے، —اسی لئے ہر زمانے کے صوفیاء کرام نفس کی آمیزش اور خواہش کے دخل انداز ہونے کے باوجود تناسب کو لازم جانتے تھے۔ان میں جس حد تک یہ تناسب پایا جاتا تھا وہ ان کے بزرگان سلف کے احوال کا معمولی سا فیضان تھا۔

لباس اور کھانے میں تناسب:

شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش تین درہم کا لباس پہننا چاہتا ہے۔لیکن اس کے پیٹ کو پانچ درہم کے قیمتی کھانے کی طلب ہوتی ہے۔یہ عدم تناسب ہے۔شیخ دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اس لئے ناپسند کیا کہ اس میں تناسب نہیں پایا جاتا ہے، —لہٰذا جس صوفی کے کپڑے موٹے اور کھردرے ہوں (تناسب کے لحاظ سے) اس کا کھانا بھی معمولی قسم کا ہونا

چاہئے۔

اگر کسی کے لباس اور کھانے میں تناسب نہ ہو تو اس سے اس کی طبیعت کے اختلاف اور بگاڑ کا علم ہوتا ہے۔ یعنی پوشیدہ طور پر اس کی طبیعت کا میلان ان دو میں سے ایک چیز کی طرف لازمی ہوگا:

○ — لباس کے ذریعے مخلوق میں نام ونمود کی تمنا ہوگی، (معمولی کپڑے پہن کر مخلوق کی توجہ حاصل کرلے۔)

○ — انتہائی حرص اور طمع کی وجہ سے طبیعت کا کھانے کی طرف رجحان ہوگا۔

یہ دو طرح کے میلانات ایسی بیماری ہے جس کے علاج کی اشد ضرورت ہے[1] تاکہ یہ روحانی بیماری حد اعتدال پر آسکے۔

شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار دھلے ہوئے کپڑے پہنے تو شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

''کاش آپ اس لباس سے اچھا لباس پہنتے۔''

یہ سن کر شیخ دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کاش میرا قلب دوسرے قلوب کے موازنے میں ایسا ہوتا جیسا کہ میرا یہ لباس (قمیص) دوسروں کے لباس کے مقابل صاف ستھرا دکھائی دے رہا ہے۔''

صوفیاء کا پیوند لگا لباس:

ایسی ہی تعلیم (وتربیت) کی وجہ سے صوفیاء پیوند لگا لباس پہنتے ہیں۔ بعض اوقات وہ کوڑے میں سے دھجیاں اور چیتھڑے اُٹھا کر اپنے لباس میں ان کا پیوند لگا لیتے تھے، — چنانچہ اہلِ حق میں سے بعض حضرات ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا، اس لئے وہ کوڑے میں سے دھجیاں اور چیتھڑے اُٹھا کر اپنے لباس میں ان کا پیوند لگا لیتے تھے۔ اور (تناسبِ حال کی خاطر) گھر گھر سے روٹی کے ٹکڑے اکٹھے کرتے تھے۔

شیخ ابوعبداللہ الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح سے فقر وتوکل پر تیس سال تک مستقل مزاجی سے قائم رہے۔ دیگر درویشوں کے لئے جب کھانا (فتوح) آتا تھا تو وہ ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''تم لوگ توکل کے حق سے کھاتے ہو اور میں فقیری اور مسکینی کے حق سے کھاتا ہوں۔''

چنانچہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان گھر گھر سے روٹی کے ٹکڑے اکٹھے کرنے کے لئے نکل جاتے تھے، — بہر حال یہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جن کا کوئی ذریعہ کفالت ومعاش مقرر نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کے زیربار احسان بننا چاہتے ہوں۔

لباس ذریعۂ پہچان وشناخت ہے:

مذکور ہے کہ پیوند لگے لباس والے کچھ درویش شیخ بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، — اور اس لباس میں لوگوں کے سامنے نہ آیا کرو کیونکہ اس لباس کے ذریعے تمہیں پہچان لیا جاتا ہے اور لوگ تمہارا احترام کرتے ہیں۔''

---

[1] شیخ کی تربیت سے ہی ایسا ناممکن ہے۔ اسی کی نگہ فیض اثر سے ہی تبدیلی آسکتی ہے۔

www.waseemziyai.com

یہ سن کر سب درویش چپ ہو گئے، مگر ان میں سے ایک نوجوان نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان لوگوں میں سے کیا جن کی پہچان یہ (پیوند لگا) لباس ہے اور جن کا احترام کیا جاتا ہے، — اللہ کی قسم! یہ لباس ظاہر ہو کر رہے گا حتیٰ کہ یہ لباس سراسر اللہ کے لئے ہو جائے۔''

یہ جواب سن کر شیخ بشر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے نوجوان! تم نے خوب کہا، تم جیسے ہی گدڑی پہن سکتے ہیں۔''

ایسے حالات کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ایک درویش کا لباس کافی عرصے تک نہیں اترتا تھا چونکہ اس کے پاس ایک ہی لباس ہوتا تھا، اس لئے وہ اسی کو پہنے رہتا تھا۔

صحابہ کرام کا معمول:

روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قمیص تین درہم میں خریدی اور پہن لی۔ پھر اپنی پوروں سے اس قمیص کی آستینیں تھوڑی کاٹ ڈالیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر تم اپنے دوست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہو تو:

- — اپنی قمیص میں پیوند لگاؤ
- — اپنے جوتوں کو خود گانٹھو،
- — اپنی آرزوؤں کو کم کرو، اور
- — اپنی بھوک سے کم کھاؤ''۔

بزم سے اُٹھا دیا کہ یوں:

شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ بغداد کی جامع مسجد میں ایک آدمی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ موسم سرما اور گرما میں صرف ایک ہی کپڑے میں رہتا تھا۔ جب اس سے اس معمول کے بارے میں استفسار کیا گیا تو اس نے بتایا:

''مجھے بہت سے کپڑے پہننے کی عادت تھی۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں پہنچ گیا ہوں۔ وہاں میں نے اپنے ساتھی درویشوں کی ایک جماعت دیکھی جو دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھی۔ میں نے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا کہ اچانک کچھ فرشتوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر دستر خوان سے اُٹھا دیا اور کہنے لگے:

''یہ لوگ ایک کپڑے والے ہیں اور تمہارے پاس دو قمیص ہیں، تم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔''

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ تب سے میں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ آئندہ ایک ہی کپڑا پہنوں گا حتیٰ کہ میں اللہ کو پیارا ہو جاؤں۔''

www.waseemziyai.com

صوفیاء کرام کا معمول:

○ —— مذکور ہے کہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو ان کے بدن پر صرف ایک قمیص تھی اور وہ بھی کسی سے مانگی ہوئی۔ چنانچہ ان کے وصال کے بعد وہ اس کے مالک کو لوٹا دی گئی۔

○ —— ہمارے شیخ محترم ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ وہ بہت عرصے تک کرائے کا لباس پہنتے رہے، اور اپنی ذاتی ملکیت اور خرچ سے بنایا ہوا لباس نہیں پہنا۔

○ —— شیخ ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تم کسی درویش کو بھڑکیلے لباس میں دیکھو تو اس سے کبھی بھلائی کی امید نہ رکھنا۔''

○ —— شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابن الکرینی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے بدن پر ایک گدڑی تھی جس کی ایک آستین اور کلیوں کا وزن تیرہ رطل (پونڈ) تھا۔ یعنی اس پر اتنے کثیر تعداد میں جوڑ اور پیوند لگے ہوئے تھے۔

چنانچہ صوفیاء کرام کی ایک بڑی جماعت اسی طرح کا موٹا لباس پہنا کرتی تھی۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو گدڑی پوش نہیں:

گدڑی پوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو درویشوں جیسا لباس نہیں پہنتے، —— اس سے ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا حال پوشیدہ رکھیں۔ کیونکہ گدڑی پہننے سے درویش کی پہچان فوراً ہو جاتی ہے، —— بعض کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ گدڑی کا حق نہیں ادا کر سکیں گے۔

نرم پوش وسخت پوش صوفیاء:

مذکور ہے کہ شیخ ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ بہت نرم لباس پہنا کرتے تھے۔ ان کے گھر میں فرش کی جگہ ریت بچھی تھی جس پر وہ بچھونے کے بغیر سویا کرتے تھے، —— اصحابِ صُفہ میں سے کچھ ایسے بھی حضرات تھے جو یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے اور مٹی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو، —— بہرحال شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ صحیح علم اور نیک نیتی کے ساتھ لباس پہنتے تھے۔ ان کا اللہ کی ذات سے تعلق اسی نیت کی درستی کے ساتھ تھا، —— لہٰذا اگر بعض اہلِ صدق موٹے لباس کی جگہ نرم لباس پہنیں اور اس میں وہ نیک نیت ہوں تو کسی کو ان پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے باوجود موٹا اور پیوند لگا لباس درویشوں کی شان اور معمول کے عین مطابق ہے تاکہ دنیا اور اس کی آن بان سے ان کی بے رغبتی جھلکے، —— اس کی تائید میں یہ روایت مذکور ہے:

''قدرت رکھتے ہوئے اگر کوئی لباس کی زیب وزینت کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا حلّہ پہنائے گا۔''

بہرحال نرم ونازک لباس پہننا صرف اسی کو زیب دیتا ہے جسے اپنی روحانی حالت کا پتہ ہو اور اپنے نفس کی عادتوں کی خبر ہو۔ وہ نفس کی مخفی خواہشوں پر بھی قابو رکھتا ہو تا کہ وہ سخت پوشی کے بعد اللہ کی بارگاہ میں حُسنِ نیت کے ساتھ حاضر ہو۔ اس میں نفس کسی قسم کی خلل اندازی نہ کر سکے۔

www.waseemziyai.com

لباس کے معاملے میں تسلیم ورضا:

اب جن لوگوں کے حال کا اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور دائرہ اختیار سے باہر ہیں یعنی انہیں اپنے ارادے پر کوئی اختیار نہیں، ان کے لئے ایسا لباس پہننا ضروری نہیں۔ وہ تو وہی لباس پہنیں گے جو اللہ انہیں پہنائے گا۔ وہ اپنی خواہش سے نہ موٹا لباس پہنتے ہیں اور نہ نرم و نازک، وہ تو وقت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس بارے میں عمدہ طریقہ یہ ہے کہ سالک طریقت اپنے آپ کو ٹٹولے، اس بات کا جائزہ لے کہ نفس کسی لباس کے حوالے سے شرارت پر آمادہ ہے، اس میں کوئی خواہش یا طمع موجود ہے۔ یا اس خاص لباس کے بارے میں کوئی ظاہری یا چھپی خواہش ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس خواہش کو ترک کر دے، ـــ اور اگر اس نے اپنی مرضی اور اختیار کو ترک کر کے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے تو اس کے لئے یہی ایک راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ اسی لباس کو پہن لے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے، چاہے وہ سخت ہو یا نرم ہو۔

سرکردہ صوفیاء کرام کا لباس:

○ ـــ ہمارے شیخ محترم حضرت ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کوئی مخصوص لباس نہیں پہنتے تھے بلکہ بلا تکلف اور بغیر کسی خاص مقصد کے جیسا بھی لباس مل جاتا، پہن لیتے تھے۔ دس دینار کا بیش قیمت عمامہ بھی پہن لیتے تھے اور چند دانق کا عمامہ بھی پہن لیتے۔

○ ـــ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مخصوص انداز کا لباس پہنتے تھے اور ان کی مخصوص طیلسان ہوتی تھی۔

○ ـــ شیخ علی بن الہیتی رحمۃ اللہ علیہ نے عراق کے دیہاتی درویشوں کا لباس اختیار کر رکھا تھا۔

○ ـــ زنجان کے شیخ ابوبکر الغراء رحمۃ اللہ علیہ عام لوگوں کی مانند موٹی پوستین پہنا کرتے تھے۔

اس طرح ان سب بزرگوں کی لباس پوشی اور وضع قطع میں نیک نیت شامل تھی جن کے تعارف اور لباسوں کی مختلف انداز کی بحث و تشریح خاصی طویل ہے۔

مرضی مولیٰ کی اطاعت گزاری:

حضرت شیخ ابوالمسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ارادے اور اختیار کو چھوڑ کر اللہ کے حوالے کر دیا تھا۔ ان کا حال مع اللہ تھا۔ اور جب کبھی آپ کو نرم لباس پیش کیا جاتا تو آپ اسے بھی پہن لیتے۔ اس وقت ان کے مریدین انہیں مطلع کرتے:

"جب آپ ایسا لباس پہنتے ہیں تو بعض لوگ اندر خانے سے اسے اچھا نہیں سمجھتے۔"

"یہ سن کر آپ ارشاد فرماتے:

ہمارا دو طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا ہے۔

○ ـــ ایک طرح کے وہ لوگ ہیں جو شریعت کے ظاہری حکم کے مطابق ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں: "کیا شریعت ہمارے لباس کو مکروہ یا حرام کہتی ہے؟" ـــ وہ کہتے ہیں: "نہیں!" ـــ

○ ـــ دوسری طرح کے وہ لوگ ہیں جو ہم سے ارباب ہمت و عزیمت یعنی صوفیاء کرام کے حقائق کا طالب ہوتا ہے، تو ہم ان سے

www.waseemziyai.com

یہ پوچھتے ہیں: ''کیا ہم نے یہ لباس اپنی مرضی اور اختیار سے پہنا ہے یا اسے پہننے میں ہماری اپنی کسی خواہش کا عمل دخل ہے۔'' ــــ ان کا جواب بھی ''نہیں'' ہے۔''

اللہ کے لئے لباس اختیار کرنا:

کوئی صاحب طریقت ایسا بھی ہوتا ہے جو نرم اور سخت دونوں طرح کے لباس پہن سکتا ہے۔ مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی ذات اس کے لئے کوئی خاص انداز مقرر فرما دے۔ چنانچہ وہ بڑی مسکینی سے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے:

''جو لباس اور وضع تیرے لئے بہترین ہے اور جس میں میرے لئے دین و دنیا کی بھلائی ہو اس لباس سے مطلع فرما دے کیونکہ میں خواہشات کا بندہ نہیں۔''

اس صورت میں اللہ تعالیٰ کشف یا الہام کے ذریعے کسی مخصوص وضع کے لئے راہنمائی فرما دیتا ہے، ــــ پھر وہ صوفی اسی وضع قطع اور لباس کو اپنے لئے لازمی قرار دے لیتا ہے۔ اس طرح اللہ کے حکم سے اس کا لباس مقرر ہو جاتا ہے، ــــ یہ طریقہ اس طریقے سے کہیں زیادہ مکمل ہے۔ جس میں صرف اللہ کے لئے لباس اختیار کیا جائے اور اس میں مخلوق کی پسند و ناپسند کا کوئی تعلق نہیں۔

بندے کے ارادے میں اللہ کی موافقت:

اہل صدق و صفا میں سے کوئی بندہ ایسا بھی ہوتا ہے جو صاحب علم ہوتا ہے اور اسے فراخی بھی عطا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بڑی خوشحالی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ پورے علم اور یقین کے ساتھ کوئی لباس پہنتا ہے تو وہ اس بات کا ذرہ خیال نہیں کرتا کہ اس نے جو لباس پہنا ہے وہ نرم ہے یا کھردرا اور موٹا ہے، ــــ عام طور پر وہ نرم لباس ہی پہنتا ہے۔ اختیار ہونے کے باعث وہ اس لباس میں لطف محسوس کرتا ہے۔ جس لذت نفس سے اس نے کنارہ کیا تھا، وہ پھر اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ اس کے تابع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کے ارادۂ نفس میں اس کی موافقت فرماتا ہے۔ یہ عنایت ہر کسی پر نہیں ہوتی۔ یہ لطف اور وصف اس شخص کے لئے ہے جو پاکیزگی نفس اور طہارت میں نہ صرف کامل ہے بلکہ وہ محبوب خدا اور بامراد بھی ہے، ــــ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی مراد اور خواہش بہت جلد پوری فرما دیتا ہے۔ مگر یہ ایسا نازک مقام ہے جہاں اکثر دعوے دار غلطی کھا جاتے ہیں۔

ابن معاذ رازی کا لباس:

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ ابتدائے حال میں صوف یا بالوں کے بُنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے لیکن عمر کے آخری دور میں نرم و نازک کپڑے پہننے لگے تھے جب ان سے اس تبدیلی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''بے چارہ مسکین یحییٰ کم تر درجے کے لباس پر صبر نہیں کر سکا تو وہ تحفے کے (نرم و نازک) لباس پر کیسے صبر کرے گا۔''

جیسا میسر آیا لباس پہن لیا:

کچھ صاحب طریقت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں پہلے سے ہی خبر ہو جاتی ہے کہ انہیں کس طرح کا لباس پہننے کے لئے عطا کیا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ لباس (خواہ نرم ہو یا خواہ سخت) ان کے پاس آتا ہے تو وہ اسے پہن لیتے ہیں۔ ان کا یہ انداز بہت اچھا

www.waseemziyai.com

ہے۔

بہر حال اہلِ حق کے سب انداز قابلِ تحسین ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ٥ (پ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل)

''اے نبی! آپ فرما دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کرتا ہے، تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ سیدھی راہ پر ہے۔''

بہر کیف موٹا لباس پہننا سب لباسوں میں زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے بندۂ حق بہت سی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا لباس:

مسلمہ بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی قمیص میلی ہوگئی ہے۔ میں نے ان کی اہلیہ (فاطمہ بنت عبدالمالک) سے کہا:

''آپ امیر المومنین کے کپڑے دھودیں'' —

انہوں نے کہا: ''انشاء اللہ دھو دوں گی۔''

کچھ دن کے بعد میں ان کی عیادت کے لئے پھر گیا تو ان کی قمیص بدستور میلی تھی۔ اس پر میں نے کہا:

''اے فاطمہ! کیا میں نے تمہیں ان کی قمیص دھونے کے لئے نہیں کہا تھا۔''

انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! ان کے پاس اس قمیص کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں۔''

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) بہت ہی نفیس لباس پہنا کرتے تھے۔ جب آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو آپ گھٹنوں میں سر دے کر بہت روئے۔ پھر اپنے پرانے کپڑے منگا کر پہن لئے جو بہت میلے تھے۔

دیگر اسلاف کا لباس:

○ — مذکور ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جب انتقال فرمایا تو ان کے لباس میں چالیس پیوند پائے گئے۔ حالانکہ ان کا وظیفہ چالیس ہزار درہم سالانہ تھا۔

○ — حضرت زید بن مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رے کا بُنا ہوا کرتا پہنا۔ وہ کُرتا ایسا تھا کہ جب اس کی آستینیں کھینچی جاتیں تو وہ کھنچ کر انگلیوں کے سروں تک آجاتیں۔ خارجیوں نے آستینوں کے لمبے ہونے کی وجہ سے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''تم میرے اس لباس پر اعتراض کرتے ہو جو تکبر سے بہت دور ہے، — اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس میں میری پیروی کریں۔''

○ — مذکور ہے کہ (اپنے دورِ خلافت میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی مرد کے بدن پر دو باریک کپڑے دیکھتے تو آپ درّہ اٹھاتے اور فرماتے:

''لباس کی یہ چمک دمک عورتوں کے لئے رہنے دو۔''

○ — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے دلوں کو صوف کے (ادنیٰ) لباس سے روشن کرو۔ بے شک یہ دنیا میں ذلت کا موجب ہے' لیکن آخرت کا نور ہے، — لہٰذا لوگوں کی تعریف سے اپنے دین کو خراب نہ کرو۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع:

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک کی پائے مبارک سے زینت بڑھائی۔ جب آپ نے ان پر نگاہ ڈالی تو وہ آپ کو بہت پسند آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سجدہ فرمایا۔ جب آپ سے اس سجدے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں میرا پروردگار مجھ سے خفا نہ ہو جائے، اس لئے میں نے اس کی بارگاہ میں تواضع اختیار کی۔ اب یہ جوتے میرے گھر میں رات نہیں گزاریں گے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے اللہ کی ناراضگی کا خدشہ ہے۔''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نعلین مبارک اپنے پائے مبارک سے اتار دیئے اور سب سے پہلے جو غریب اور محتاج آدمی آپ کو ملا، آپ نے وہ نعلین مبارک اسے عطا فرما دیئے۔ اس کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق ایسا جوتا خریدا گیا جو جگہ جگہ سے گانٹھا ہوا تھا۔ اور وہی آپ نے پہنا۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صوف کا لباس زیبِ تنِ اطہر فرماتے تھے اور مرمت کئے ہوئے جوتے استعمال فرماتے تھے، — اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

نفس آفات کا مقام ہے:

نفس چونکہ آفات کا مقام ہے، اس لئے اس کے مکر و فریب اور اس کی مخفی خواہشوں کا پتہ چلنا خاصا مشکل ہے۔ چنانچہ افضل طریقہ یہی ہے کہ جس کام میں زیادہ احتیاط درکار ہو، اسے ہی اختیار کیا جائے اور جس میں کوئی شک و شبہ ہو اسے چھوڑ کر اسے اختیار کیا جائے جو شک و شبہ سے پاک ہو۔

سہولت اور ہمّت:

اہلِ حق کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب تک نفس مکمل طور پر پاکیزہ نہ ہو جائے اور سہولت اور وسعت کے حقیقی معانی کا علم

www.waseemziyai.com

اس پر پختہ اور واضح نہ ہو جائے' تب تک وہ سہولت اور وسعت کی راہ اختیار نہ کرے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب:

○ —نفس خواہشوں کی پیروی کرنا چھوڑ دے،

○ —اس کی نیت میں وہ خلوص آ جائے جس کے ذریعے صریح اور واضح علم کی رہنمائی میں اس کے تصرّفات صحیح ہونے لگیں۔

مگر اہلِ ہمت، ہمت کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں اور ہر معاملے میں رُخصت اور سہولت کو اختیار کرنا پسند ہی نہیں کرتے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے زُہد پر کوئی انگلی اٹھائے اور وہ زُہد کی فضیلت سے محروم ہو جائیں۔ نرم و نازک لباس پہننا بہر حال دنیا داری ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

''جس کا لباس نرم و نازک ہو، اس کا دین وایمان بھی نرم و نازک ہوتا ہے۔''

یہ رخصت و سہولت انہیں دی گئی ہے جو زُہد اختیار نہیں کرتے بلکہ شریعت کی سہولتوں پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

اللہ حسین ہے اور حُسن کو چاہتا ہے:

ایک صحابی نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! انسان چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے بھی اچھے ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَمِيلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَالَ

''بے شک اللہ حسین ہے اور حسن کو چاہتا ہے۔''

اس حدیث شریف میں اچھے لباس کی اس شخص کو اجازت دی گئی ہے جو نفسانی خواہش اور غرور و تکبر کے بغیر اچھا لباس پہنے۔

دنیاوی فخر و غرور کیلئے خوش لباسی:

جو شخص دنیاوی فخر و غرور کے لئے اچھا لباس پہنتا ہو اس کے لئے وعید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومن کا لباس آدھی پنڈلی تک ہے، اور اگر وہ پنڈلی اور دونوں ٹخنوں کے درمیان میں ہو پھر بھی کوئی حرج نہیں، — لیکن جو لباس ٹخنوں سے نیچے تک ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔

جو شخص اترانے کے لئے اپنا ازار (دھڑ کے نیچے والے حصے کا لباس) فخر سے گھسیٹتا ہوا چلتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا، — تم میں سے پہلی قوم کا ایک شخص اپنی چادر پر اتراتا جا رہا تھا اور اپنی چادر پر بڑا فخر کر رہا تھا۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ زمین میں قیامت تک اسی طرح حرکت کرتا رہے گا

www.waseemziyai.com

جس طرح چادر اوڑھ کر رہا تھا۔"

مختلف الاحوال سالک:

ہر سالک اور اہلِ طریقت کے احوال مختلف ہوتے ہیں، ــــ جس نے اپنے صحیح علم کے ذریعے اپنی روحانی حالت کو درست کر لیا ہے تو کھانے پینے، پہننے اور دوسرے تصرّفات میں اس کی نیت بھی درست رہتی ہے، ــــ ہر حال میں اسے استقامت حاصل ہوتی ہے۔ باطنی استقامت کے ساتھ اس کے سب حالات بھی درست رہتے ہیں۔ یعنی باطنی استقامت کی بناء پر اس کے سب تصرّفات درست ہوتے چلے جاتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۵:

شب بیداری کی فضیلت

اہل ایمان کے لئے خدائی امداد:

ارشاد باری ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (پ ۹، سورہ انفال: ۲)

''(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تمہارے سکون کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ تمہیں اس کے ذریعے ستھرا کر دے اور تمہارے اندر سے شیطان کی نجاست کو دور کر دے۔''

یہ آیت غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جب وہ ریت کے ایک ٹیلے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جہاں ان کے اور ان کے چوپایوں کے پاؤں دھنسے جا رہے تھے۔ مشرکوں نے مسلمانوں سے پہلے ہی بدر عظمیٰ کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے:

- ○ ـــ کوئی بے وضو تھا،
- ○ ـــ کسی کو غسل جنابت کی حاجت تھی،
- ○ ـــ وہ اور ان کے چوپائے پیاسے بھی تھے۔

ایسے موقع پر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا:

''تمہارا یہ خیال ہے کہ تم حق پر ہو، اور تمہارے درمیان اللہ کا نبی بھی موجود ہے۔ اس کے باوجود مشرکوں نے پانی پر قبضہ جما لیا ہے۔ تمہاری یہ حالت ہے کہ تم وضو اور غسل کے بغیر نمازیں پڑھ رہے ہو، ـــ (ایسی حالت میں) تم مشرکوں پر غالب آنے کی کیا امید رکھ سکتے ہو۔''

جب شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے بارش کا نزول فرمایا۔ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ساری وادی میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے نہ صرف پانی پیا، وضو اور غسل کیا بلکہ اپنے چوپایوں کو بھی پانی پلایا، اور پانی کے تمام برتن بھی بھر لئے۔ بارش سے ریتلی زمین اتنی سخت ہوگئی کہ اس پر قدم دھنسنے کی بجائے جمنے لگے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے بعد یہ ارشاد باری ہوا:

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ○ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ (پ ۹، سورہ انفال: ۲)

www.waseemziyai.com

''تا کہ وہ اس کے ذریعے ثابت قدم رکھے جبکہ تمہارا رب فرشتوں کی طرف پیغام دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''
اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فرشتوں کے ذریعے امداد فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے مشرکوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔

نیند کی اہمیت:

قرآنِ حکیم کی ہر آیت کے دو معانی ہیں: ○ — ایک ظاہری، ○ — ایک باطنی
ہر معنی کی ایک ابتداء اور ایک انتہا ہے، — چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اونگھ کو صحابہ کرام کے لئے رحمت اور سکون کا ذریعہ بنایا جو غزوۂ بدر میں ان کے لئے مخصوص تھا، — بالکل اسی طرح اس نے سب مومنوں کے لئے اسے رحمت کا سبب بنایا۔
اسی بناء پر اونگھ مریدوں کے لئے ایک اچھا اور نیک حصہ ہے جو فی الفور انہیں میسر آجاتا ہے۔ اس اونگھ کی بدولت ان کے دلوں کو نفسانی کشمکش سے امن وسکون ملتا ہے۔ اس لئے کہ نفس کو نیند سے آرام ملتا ہے۔ اسے تھکن اور کوفت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر اسے تھکن کا احساس ہونے لگے تو اس سے قلب پر اثر پڑتا ہے اور وہ مکدر ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحیح علم کے مطابق اعتدال سے سونے سے قلب کو بھی آرام ملتا ہے، — لہٰذا جب نفس کو سکون میسر آتا ہے تو مریدوں کے قلب اور نفس میں ایک طرح کی مطابقت اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ موافقت مریدوں اور سالکوں کے لئے اطمینان کا باعث ہے۔

نیند کا دورانیہ:

اہل سلوک وطریقت کا کہنا ہے کہ رات دن ایک تہائی حصہ نیند میں گزارنا چاہئے تا کہ بدن میں کوئی بے چینی اور اضطراب نہ رہے۔ اس لئے ایک تہائی میں آٹھ گھنٹے نیند کے لئے مقرر کئے گئے، — مرید کو چاہئے کہ وہ دو گھنٹے دن کے وقت سوئے اور چھ گھنٹے رات کے وقت میں، موسم کی تبدیلی کے لحاظ سے رات دن میں یہ دورانیہ بڑھایا یا گھٹایا جاسکتا ہے۔ جیسے موسم سرما کی طویل رات یا موسم گرما کا طویل دن۔ — اگر ارادہ نیک ہو اور سچی طلب ہو تو مرید نیند کی اس ایک تہائی کو مزید کم کرسکتا ہے۔ وقت میں اگر بتدریج کمی کی جائے تو اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس صورت میں اپنی روحانیت اور محبت کے ذریعے بیداری کا بھاری پن اور نیند کی کمی برداشت کی جاسکتی ہے۔
نیند کی خاصیت سرد اور مرطوب ہے، اس لئے یہ بدن اور دماغ دونوں کے لئے نفع بخش ہے۔ حرارت اور خشکی کو (تحلیل کرکے) مزاج کو سکون بخشتی ہے۔ چنانچہ اگر اس ایک تہائی (آٹھ گھنٹے) میں کمی کردی جائے تو یہ دماغ کے لئے نقصان کا باعث ہے، اور بدن کی بے چینی کا بھی ڈر ہے، لیکن اگر دلی محبت اور روحانیت اس کی جگہ لے لیں تو اس سے کسی نقصان کا خدشہ نہیں رہے گا، — روح اور محبت کا مزاج سرد اور مرطوب ہے جیسا کہ نیند کا مزاج اور خاصیت ہے۔ اس روحانیت کی بدولت لمبی لمبی راتیں مختصر ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

''وصل کا ایک سال آنکھ کی ایک جھپک ہے، اور ہجر کا ایک پل، ایک سال ہے۔''

چنانچہ اہلِ دل کے لئے لمبی راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ شیخ علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''چالیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ مجھے فجر کا طلوع ہونا غمگین کر دیتا ہے۔''

کسی بزرگ سے یہ استفسار کیا گیا کہ رات کے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ فرمایا:

''رات جب میری طرف اپنا رُخ کرتی ہے تو میں ابھی اچھی طرح سے اسے دیکھ بھی نہیں پاتا کہ وہ لوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ میں اسے نظر بھر کے بھی نہیں دیکھ سکا۔''

شب بیداری کی لذت وحلاوت:

○ — شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شب بیدار رات کے وقت ان لوگوں سے زیادہ لطف اٹھاتے ہیں جو لہو ولعب میں مشغول رہ کر لذت پاتے ہیں۔''

○ — ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

''دنیا کی کوئی چیز جنت والوں کی نعمت کے برابر نہیں، البتہ وہ حلاوت جنت کی حلاوت کی مانند ہے جو رات کے وقت نیاز مندانہ عبادت کرنے والے اپنی عبادات ومناجات سے حاصل کرتے ہیں۔ مناجات کی حلاوت شب بیداروں کے لئے ایک ایسا انعام ہے جو انہیں فوراً عطا ہو جاتا ہے۔''

○ — ایک اور عارف باللہ فرماتے ہیں:

''صبح کے وقت اللہ تعالیٰ جب شب زندہ داروں کے دلوں کو ملاحظہ فرماتا ہے تو وہ انہیں اپنے نورِ عرفان سے بھر دیتا ہے۔ جس سے فیض پا کر ان کے دل نورانی ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے قلوب سے یہ فیض پھیل کر غافلوں تک پہنچتا ہے۔ اور انہیں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔''

شب بیداروں کی فضیلت:

مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر پر یہ وحی نازل فرمائی:

''میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں، — انہیں میرا اشتیاق ہے، میں بھی ان کا مشتاق ہوں، — وہ مجھے یاد کرتے ہیں، میں بھی انہیں یاد کرتا ہوں، — وہ میرا مشاہدہ کرتے ہیں، میں بھی انہیں دیکھتا ہوں، —

لہٰذا اگر تم ان کے طریقے پر چلو گے تو میں تم سے محبت کروں گا، — اور اگر تم نے اس راہ سے کنارہ کشی کی تو میں بھی تم سے کنارہ کر لوں گا۔''

اللہ کے اس نبی نے دریافت کیا:

''الٰہی! تیرے ان بندوں کی کیا پہچان ہے'' — ارشاد باری ہوا:

''دن کے وقت انہیں سایوں کا ایسا ہی خیال ہوتا ہے جیسے کسی چرواہے کو اپنی بھیڑ بکریوں کا خیال ہوتا ہے، — انہیں سورج

کے غروب ہونے کا ایسے ہی انتظار ہوتا ہے جیسے پرندوں کو اپنے آشیانوں میں پہنچنے کے لئے اس کا انتظار ہوتا ہے، ــــ جب رات اپنا پردہ ڈال دیتی ہے اور تاریکی سے ہم آغوش ہو جاتی ہے، ــــ اور ہر کوئی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت نشین ہو جاتا ہے، ــــ اس وقت وہ:

- ــــ میری عبادت کے لئے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہیں،
- ــــ اپنے چہروں کو میرے لئے فرشِ راہ بناتے ہیں،
- ــــ میرے کلام سے مناجات کرتے ہیں،
- ــــ گڑگڑا کر مجھ سے میرے انعام کے طالب ہوتے ہیں۔

ان میں سے کوئی چلاّتا ہے، ــــ کوئی روتا ہے، ــــ اور کوئی آہیں بھرتا ہے، ــــ اور کوئی فریاد کرتا ہے، ــــ وہ سب میری نظر کے سامنے ہیں جو وہ میرے لئے تکلیفیں اٹھاتے ہیں، میں سنتا ہوں جو کچھ میری محبت میں فریاد کرتے ہیں، ــــ اس کے انعام میں ان پر:

- ــــ میری پہلی عنایت یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے نور کے کچھ جلوؤں سے ان کے دلوں کو منور کر دیتا ہوں، ــــ اس وقت وہ میرے اسرار اس طرح بیان کرتے ہیں جس طرح میں انہیں اسرار بتاتا ہوں۔
- ــــ میری دوسری عنایت یہ ہوتی ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان کے اندر ہے۔ ان کے ترازو میں رکھ دیا جائے تو میں یہ سب کچھ ان کے لئے اجر کے طور پر کم سمجھتا ہوں۔
- ــــ اور تیسری عنایت یہ ہوتی ہے کہ میں بذاتِ خود ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

ــــ اور کیا تمہیں علم ہے کہ میں جس کی طرف بذاتِ خود توجہ فرماتا ہوں تو میں اسے کیا کچھ عطا کرتا ہوں۔"

شب تنہائی کے انوار و تجلیّات:

جو مرید صادق رات کی تنہائی میں اپنے رب کی مناجات میں مصروف ہوتا ہے تو اس رات کے سب انوار و تجلیات اس کے دن کے حصوں میں چھا جاتے ہیں۔ اس کا دن اس رات کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل انوار و تجلیّات سے معمور ہوتا ہے۔ اس لئے دن کے وقت اس کی سب حرکات و سکنات اور تصرّفات رات کے سمٹے ہوئے انوار و تجلیّات کے سر چشمہ سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر اس کا قلب گنبدِ حق میں محصور و مسرور ہو جاتا ہے جہاں اس کی حرکات و سکنات کی آرائش کی جاتی ہے، ــــ جیسا کہ مذکور ہے:

"جو شخص رات کو عبادت میں گزارتا ہے اس کا چہرہ دن کے وقت روشن رہتا ہے۔"

اس قول کے دو معانی ہیں: پہلا معانی یہ ہے کہ طاق، چراغ کے ذریعے روشن ہوتا ہے، ــــ چنانچہ جب دل میں ایمان کا چراغ اور شمع یقین روشن ہوتی ہے تو رات میں کیئے گئے اعمال کے روغن کی کثرت سے چراغ کی روشنی اور بڑھ جاتی ہے، اور بدن کا چراغ دان بھی اس روشنی سے مزید روشن اور منور ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

دل کی رقت:

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یقین آگ (کی طرح) ہے، —— اقرار اس کا فتیلہ (بتی) ہے، —— اور عمل اس کا تیل ہے'' —— (جب یہ تینوں یکجا ہوں تو روشنی کا ظہور ہوتا ہے)

ارشاد باری ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ○

''ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو ایسے طاق کی مانند قرار دیا ہے جس میں چراغ روشن ہو۔ چنانچہ ایمان و یقین کا نور اللہ کے نور کی بدولت شیشہ دل میں پہنچتا ہے، —— اور عمل کے روغن سے اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس وقت شیشۂ دل ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہو جاتا ہے، —— شیشۂ دل کا عکس خاکی بدن کے چراغ دان پر پڑتا ہے۔ اس نورانی آگ سے دل میں نرمی آ جاتی ہے، —— یہ نرمی سارے بدن میں اتر جاتی ہے، اور وہ بھی دل کی نرمی سے نرم ہو جاتا ہے۔ اس طرح بدن اور دل دونوں برابر نرم ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ○

''ان کی جلدیں اور ان کے قلوب اللہ کی یاد سے نرم ہو جاتے ہیں۔''

اس ارشاد باری میں قلوب کی نرمی کی طرح جلد کی نرمی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

زمان ومکاں کی نور قلب میں سمائی:

قلب جب نور سے معمور ہو جائے اور محبت کا انس و سرور بھی اس میں سرائت کر جائے تو زماں و مکاں قلب کے نور میں سما جاتے ہیں۔ ذکر و اذکار کے کلمات و آیات اور سورتیں بھی اس سمائی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تب قالب خاکی کی سرزمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھتی ہے، —— ایسی صورت میں قلب آسمان بن جاتا ہے اور قالب زمین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مناجات کے وقت کلام الٰہی کی تلاوت کا مزہ ساری کائنات کو اس کی نگاہوں سے چھپا لیتا ہے، —— قرآن حکیم اپنے ذاتی اعتبار سے صفائے شہود کی مزاحمت میں سب موجودات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس وقت:

○ —— نہ غیر کے کلام کا وجود باقی رہتا ہے،

○ —— نہ کسی وسوسے کی آہٹ اور آواز سنائی دیتی ہے۔

بلکہ ایسی حالت میں قرآن حکیم کی تلاوت شروع سے آخر تک وسوسے اور غیر کے کلام کے بغیر تکمیل سے ہمکنار ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل عظیم ہے۔

www.waseemziyai.com

عبادت میں رات گزارنے والے کا چہرہ:

مذکورہ بالا حدیث (جو شخص رات عبادت میں گزارتا ہے اس کا چہرہ دن کے وقت روشن رہتا ہے) کا دوسرا معانی یہ ہے کہ شب زندہ دار جن کاموں کی طرف متوجہ ہے۔ان کی سب جہتیں آسان اور عمدہ ہو جاتی ہیں اور اللہ کی طرف سے اس کے تصرّفات میں مدد کی جاتی ہے۔یعنی کام کی ابتداء اور انتہاء میں اسے غیبی مدد حاصل ہوتی ہے۔اس طرح:

- ——اس کے مقاصد و اعمال کی راہیں درست ہو جاتی ہیں' اور
- ——اس کے اقوال بھی درست رہتے ہیں، اس کا دارو مدار دل کی استقامت پر ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۶:

شب بیداری اور نیند کے آداب

رات کا استقبال:

ان آداب کی ابتداء اس طرح سے ہوتی ہے کہ عابد شب زندہ دار غروب آفتاب کے وقت تازہ وضو کرے، — اور قبلہ رُخ بیٹھ کر رات کی آمد اور نماز مغرب کا انتظار کرے، — انتظار کے اس عرصہ میں ذکر واذکار میں مصروف رہے۔ سب سے افضل تسبیح و استغفار ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ — وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ ○ (پ۲۴، سورہ مومن)

"اور اپنے گناہ کی معافی مانگو۔"

○ — وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ○

"اور رات اور دن کے وقت اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھو۔"

مغرب اور عشاء کے مابین عبادت:

ارشاد باری کی تعمیل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین لگاتار نماز یا تلاوت یا ذکر میں مشغول رہے۔ ان سب میں بہترین صورت نماز کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان دونوں نمازوں کے درمیان وقت میں لگاتار نماز میں مشغول رہتا ہے تو اس کے باطن سے اس کدورت کے آثار مٹ جائیں گے جو مخلوق خدا سے ملنے ملانے اور ان کی باتیں سننے سے اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں دل پر اثر کرتی ہیں، اور اس کی وجہ سے دل میں خدشات پیدا ہوتے ہیں، — حتیٰ کہ لوگوں کی طرف دیکھنے سے بھی دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ جسے وہی معلوم کرسکتا ہے جو صاف دل ہو، — مخلوق کی طرف دیکھنے کا بصیرت پر وہی اثر ہوتا ہے جو آنکھ میں تنکا پڑ جانے سے بینائی پر ہوتا ہے کہ جب تک تنکا نہ نکلے، آنکھ کا دیکھنا محال ہے، — چنانچہ مغرب اور عشاء کے درمیان نمازیں پڑھنے سے اس اثر کے زائل ہونے کی توقع ہے۔

نماز عشاء کے بعد کے آداب:

انہی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد دنیاوی باتیں نہ کی جائیں، — کیونکہ اس وقت باتیں کرنے سے نور کی وہ تروتازگی جاتی رہتی ہے جو رات کی دونوں نمازوں کے درمیان عبادت کرنے سے پیدا ہوتی ہے، — اور اگر مرید صادق بیدار دل نہ ہو تو اس سے شب بیداری میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

www.waseemziyai.com

ایک خراسانی بزرگ کا معمول:

ایک درویش نے ایک خراسانی بزرگ کا ذکر کیا کہ وہ رات میں تین بار غسل کرتے تھے:

- ○ — پہلی بار عشاء کے بعد غسل فرماتے،
- ○ — دوسری بار رات کے کسی حصہ میں سو کر اٹھنے کے بعد،
- ○ — تیسری بار صبح ہونے سے پہلے غسل فرماتے۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ عشاء کے بعد غسل اور وضو کے ذریعے شب بیداری میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے، — اسی طرح ذکر اور نماز کا عادی ہو جانے سے بھی نیند پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس عادت سے انسان جلد بیدار ہو جاتا ہے، — اگر کسی کو اپنے نفس اور عادت پر پورا اعتماد ہو تو وہ اپنی عادت کے باعث مقررہ وقت پر بیدار ہو سکتا ہے — ورنہ مریدوں اور طالبانِ حق کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب انہیں خود بخود گہری نیند آئے وہ اس وقت سوئیں۔ اسی بناء پر عاشقانِ الٰہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

- ○ — ان کی نیند، نیندیں اُڑے ہوئے لوگوں کی طرح ہوتی ہے،
- ○ — ان کا کھانا، بیماروں کے کھانے جیسا ہوتا ہے،
- ○ — ان کی گفتگو فقط ضرورت کے وقت ہوتی ہے،

شب بیداری کا عزم اور توفیق:

جب کوئی شب بیداری کے پختہ عزم کے ساتھ سو جائے تو اسے شب بیداری کی توفیق ضرور حاصل ہوتی ہے، — ورنہ نفس کا تو یہ حال ہے کہ اگر اسے نیند کا شوق دلایا جائے اور سونے کی خوب عادت ڈالی جائے تو وہ اس میں خوب آزاد ہو جاتا ہے۔ مگر جب اسے عزمِ صادق کے ساتھ حرکت میں لایا جائے تو پھر گہری نیند سونے میں وہ آزاد نہ رہے گا، — عزمِ صادق کے ساتھ نفس کی یہی وہ حرکت ہے جس کے بارے میں، ارشاد باری ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۝

"ان کے پہلو بستروں سے جدا ہوتے ہیں۔"

کیونکہ یہی عزم صادق اور رات کو اٹھنے کی فکر ان کے پہلوؤں اور بستروں کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نفس کی نظریں دو طرف ہوتی ہیں:

- ○ — ایک نظر تو جسمانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے تحت (نیچے) کی طرف ہوتی ہے۔
- ○ — دوسری نظر روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے عالم بالا (اوپر) کی طرف ہوتی ہے۔

چنانچہ اہلِ عزم صمیم اپنے پہلوؤں کو بستروں سے الگ کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نظریں روحانی درجات کی تکمیل کے

www.waseemziyai.com

لئے ہر وقت عالم بالا کی طرف لگی رہتی ہیں۔ لہٰذا وہ بقدرِ ضرورت سو کر نفس کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور نفس کو نیند کی لذت سے محروم رکھتے ہیں، —— نفس کی ترکیب میں چونکہ خاکی اور جمادی عناصر غالب ہیں، اس لئے وہ زیر نشیں ہو کر اور لیٹ کر نیند سے لطف اٹھانے کا تمنائی ہے۔ نفس کی اس طبعی خصلت کے بارے میں ارشاد باری ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ۝

''اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

چونکہ یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے، —— اور تہہ نشیں ہو کر بیٹھ جانا مٹی کی خاصیت ہے۔ اس لئے سست ہو کر بیٹھے رہنا اور سو جانا انسان کی خاصیت بن گیا ہے، —— اہلِ ہمت وہ اہلِ علم ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

○ —— اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا ۝

''کیا ایسا شخص وہ ہے جو رات کے وقت اللہ کے لئے سربسجود ہو اور عبادت کے لئے کھڑا ہو۔''

○ —— قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

''اے رسول! آپ کہہ دیں: ''کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔''

جو حضرات رات کے وقت عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہیں اہلِ علم قرار دیا ہے، —— چونکہ وہ اہلِ علم ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے نفوس کو طبعی مقام سے ہٹا کر روحانی لذات کی خاطر حقیقت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے۔ اسی لئے ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور خوابیدہ و غافل لوگوں سے جدا رہتے ہیں۔

عادت کو بدل دیا جائے:

نیند کے آداب میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ مرید یا سالک اپنی عادت کو بدل ڈالے۔ مثلاً:

○ —— اگر تکیہ رکھنے کی عادت ہو تو تکیہ رکھنا چھوڑ دے،

○ —— اگر بستر پر سونے کی عادت ہو تو بستر کو بھی ترک کر دے۔

اسی آداب کے تحت ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

''مجھے اپنے گھر میں شیطان کا موجود ہونا پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میرے گھر میں کوئی تکیہ پڑا ہو کیونکہ وہ مجھے سونے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔''

بہر حال تکیہ، بستر اور لحاف وغیرہ کے حوالے سے عادت کا بدل دیا جانا بڑا اثر رکھتا ہے، —— اگر کوئی سالک یا مریدان میں سے کسی کی عادت کو چھوڑ دے تو اس کی نیک نیتی اور عزمِ صادق کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد میں آسانی فرما دیتا ہے۔

کم کھانا، کم سونے میں معاون ہے:

نیند میں کمی لانے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ کم کھایا جائے، جس سے معدے پر کھانے کا بار نہ ہو، —— اگر کوئی اتنا کھائے

www.waseemziyai.com

جس کی بدولت وہ رات کو بیدار رہ سکے تو وہ رات عبادت میں گزار سکتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی گرانی موجود ہو تو ذکر کے ذریعے رفع ہو جاتی ہے۔

اگر کسی شب زندہ دار کو یہ محسوس ہو کہ کھانے سے معدہ پر بار ہو گیا ہے تو اسے یہ پتہ ہونا چاہئے کہ اس کے قلب پر اس کا بار بڑھ گیا ہے۔ اس صورت میں وہ اس وقت تک نہ سوئے جب تک ذکر، تلاوت اور استغفار سے یہ بار کم نہ ہو جائے، ـــ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''میں رات کے اٹھنے پر اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ میں رات کے کھانے سے ایک لقمہ کم کرلوں۔''

یعنی رات کا اٹھنا کم کھانے سے زیادہ پسندیدہ ہے، ـــ بہر حال زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے کیونکہ معلوم نہیں کہ آنے والی گھڑیوں میں کیا ہو۔ اپنی طہارت کی چیزیں اور مسواک اپنے پاس رکھے، اور جب سونے لگے تو باوضو ہو۔

باوضو سونے کی فضیلت:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بندہ جب طہارت کی حالت میں سوتا ہے تو اس کی روح عرش تک پہنچ جاتی ہے، اور اس حالت میں اس کا خواب سچا ہوتا ہے، ـــ اور اگر وہ وضو کے بغیر سو جاتا ہے تو اس کی روح اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس حالت میں اس کے خواب برے اور منتشر ہوتے ہیں، اور سچے نہیں ہوتے۔''

اگر شادی شدہ مرید اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہے تو بیوی کو چھونے سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اسے باوضو سونے کا ثواب اس وقت تک حاصل رہتا ہے جب تک کہ اس کا دل بیدار رہے اور اس کا نفس لذت پانے کے لئے آزاد نہ ہو جائے (بیوی سے مباشرت نہ کی ہو) ـــ اور اگر وہ حصولِ لذت کے لئے آزاد ہو کر غافل ہو جائے تو اس کی غفلت کی وجہ سے اس کی روح بھی حجاب میں ہو جاتی ہے۔

ایسی طہارت جس کی بدولت سچے خواب دکھائی دے سکیں۔ وہ باطنی طہارت ہے جو نفسانی خواہشوں، حبِ دنیا کی کدورت اور کینہ و حسد کی نجاستوں سے پاک رکھے، ـــ حدیث شریف میں ہے:

''جو شخص اپنے بستر پر اس حالت میں لیٹتا ہے کہ وہ کسی پر ظلم کی نیت نہ رکھتا ہو، ـــ اور نہ کسی سے حسد رکھتا ہو تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

لوحِ محفوظ تک رسائی:

نفس جب برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو دل کا آئینہ چمک اٹھتا ہے، ـــ اس آئینے کی لوحِ محفوظ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اس پر غیب کے عجائب منعکس ہونے لگتے ہیں۔ وہ غیب کی خبروں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ جو حضرات صدیقین میں سے ہوتے ہیں،

www.waseemziyai.com

ان کا خواب اللہ سے مکالمہ اور گفتگو ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ انہیں کچھ احکام دیتا ہے اور کچھ باتوں سے روکتا ہے۔ یہ حضرات سب باتیں خواب ہی میں اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ خواب کے یہ احکام وقوانین ان ظاہری احکام وقوانین کی طرح ہوتے ہیں جن میں خلل اندازی سے بندہ اللہ کا گناہ گار ہو جاتا ہے، ــــ بلکہ یہ احکام، ظاہری احکام سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ ظاہری احکام کی نافرمانی اور مخالفت کا گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے، اور توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، ــــ مگر خواب کے یہ احکام مخصوص ہوتے ہیں جن کا تعلق صدیق کی روحانی حالت اور اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس میں خلل اندازی کرتا ہے، یا کوئی کوتاہی کرتا ہے تو اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ارادت وعقیدت کا روحانی سلسلہ منقطع نہ ہو جائے، ــــ اور وہ اللہ سے ہٹ کر کہیں نفرت کے مقام پر نہ پہنچ جائے۔

اگر کسی وجہ سے تازہ وضو نہ کر سکے:

اگر کوئی عابد شب زندہ دار کبھی کسی سرمستی، سستی یا ارادے کی کمزوری کی وجہ سے بے وضو ہو جائے اور پھر وہ سوتے وقت تازہ وضو نہ کر سکے تو اپنے اعضاء کو کم از کم پانی سے پونچھ لے تاکہ وہ ان غافلوں کے زمرے سے نکل جائے جو بیدار دل انسانوں کی طرح کام نہیں کر سکتے۔

اسی طرح بیدار ہونے کے بعد جو لوگ اٹھ نہیں سکتے تو وہ کم از کم مسواک ہی کر لیں، اور اپنے اعضاء کا پانی سے مسح کر لیں تاکہ اپنے بیداری کے اعمال کی بدولت غافلوں کے زمرے سے نکل جائیں۔

جو لوگ عبادت کے لئے کم اٹھتے ہیں اور انہیں نیند بھی زیادہ آتی ہے، یہ طریقہ ایسے لوگوں کیلئے بہت مفید ہے، ــــ روایت میں آیا ہے:

"رسول اکرم ﷺ رات میں دو بار مسواک فرمایا کرتے تھے، ــــ ایک مرتبہ سوتے وقت، ــــ اور ایک مرتبہ جب آپ نیند سے بیدار ہوتے، اس وقت مسواک فرماتے۔"

سونے کا طریقہ:

سوتے وقت قبلہ کی طرف رُخ کیا جائے، ــــ اس کی دو صورتیں ہیں:

- ــــ یا تو مُردے کی طرح دائیں کروٹ پر لیٹ جائے،
- ــــ یا ڈھکے ہوئے مُردے کی طرح چت لیٹ جائے،

سوتے وقت کی دعائیں:

قبلہ رُخ لیٹ کر یہ دعائیں پڑھے:

- ــــ **بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ وَضَعْتُ جَنْبِىْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ ○ اَللّٰهُمَّ اِنْ مَسَكْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلَهَا وَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْلَمْتُ نَفْسِىْ اِلَيْكَ**

وَوَجَهْتُ وَجْهِي اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَاتُ ظُهْرِيْ اِلَيْكَ رَهْبَةً مِنْكَ وَرَغْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مُنْجِيْ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ ٥ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ٥ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حُكَمَ فَقَهَرَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بَطَنَ فَخَبِرَ ٥ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَلَكَ فَقَدَرَ ٥ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٍ ٥ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَسُوْءِ عِقَابِكَ وَ شَرِّ عِبَادِكَ وَ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَ شِرْكِهٖ٥

○ ـــ اس کے بعد سورہ بقرہ کی پانچ آیتیں پڑھے۔ جن میں سے چار آیتیں سورت کی شروع کی ہیں، ـــ اور پانچویں آیت: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... ہے۔

○ ـــ آیت الکرسی، ـــ اور امن الرسول کی آیت: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ

○ ـــ سورہ حدید کی پہلی آیت، ـــ اور سورہ حشر کی آخری آیات، ـــ پھر چاروں قل (سورہ اخلاص، سورہ کافرون، سورہ فلق، سورہ الناس) پڑھے۔

○ ـــ سورہ کہف کی پہلی دس اور آخری آیات کا بھی اضافہ کرلے۔

یہ سب کچھ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرے، پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے اور سارے بدن پر پھیر لے، ـــ اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَيْقِظْنِيْ فِيْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَيْكَ وَاسْعَمِلْنِيْ بِاَحَبِّ الْاَعْمَالِ اِلَيْكَ الَّتِيْ تُقَرِّبُنِيْ اِلَيْكَ زُلْفٰى وَ تُبْعِدُنِيْ مِنْ سَخَطِكَ بُعْدًا ٥ اَسْئَلُكَ فتعطى وَاسْتَغْفِرُكَ فتغفرلى وَادْعُوْكَ فستجيب لى ٥ اَللّٰهُمَّ لَا تُؤْمِنِيْ مكرك وَلَا تولنى وَلَا تَرْفَعُ عَنِّيْ شِرْكَ وَلَا تُنْسِنِيْ ذِكْرِكَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ٥

مذکور ہے کہ جو سوتے وقت یہ کلمات پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف تین فرشتے بھیجتا ہے جو اسے نماز کے لئے بیدار کرتے ہیں۔ جب وہ نماز پڑھ کر دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں، ـــ اور اگر وہ عبادت کے لئے نہیں اٹھتا تو فرشتے فضا میں عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا ثواب اس شخص کے نام پر لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا ادعیہ واذکار کے علاوہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اَللّٰهُ اَكْبَر ۳۳، ۳۳ بار پڑھے۔ پھر یہ کلمات پڑھ کر سو کی تعداد پوری کرلے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ٥

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۷:

صوفیاء کے رات کے معمولات

رات کا نماز سے استقبال:

مؤذن جب اذان دے لے تو سالک و مرید اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز ادا کرے۔ — اہلِ علم یہ دو رکعتیں جماعت سے پہلے جلدی سے اپنے گھر میں پڑھ لیتے تھے۔ (گھر میں پڑھنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ) لوگ (مسجد میں پڑھنے سے) انہیں سُنّت مؤکدہ نہ سمجھ لیں، اور سُنّت جان کر اس کی پیروی کرنے لگیں۔

مغرب کی فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو مغرب کی دو سُنّتیں جلد پڑھ لے۔ (جلد پڑھنے کی تلقین) اس لئے ہے کہ ان کا شمار بھی مغرب کے فرائض کے ساتھ ہوتا ہے۔ مغرب کی دو سُنّتوں میں سورۂ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھے۔

رات کے فرشتوں کو خوش آمدید:

نماز مغرب کے بعد رات کے فرشتوں اور کراماً کاتبین کو (خوش آمدید کہتے ہوئے) یہ سلام پیش کرے:

مرحبا بملئكة الليل ○ مرحبا بالملكين الكريمين الكاتبين اكتبا فى صحيفتى اِنّى اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارِ حَقٌّ ○ وَالْحَوْضُ حَقٌّ ○ وَالشَّفَاعَة حَقٌّ ○ وَالصِّرَاط وَ الْمِيْزَان حَقٌّ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةَ لا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ○ اَللّٰهُمَّ اَوْ دعكَ هٰذِهِ الشَّهَادة لِيَوْمِ حَاجَتِىْ اِلَيْهَا ○ اَللّٰهُمَّ اَحْطَطْ بِهَا وِزْرِىْ وَاغْفِرْبِهَا ذَنْبِىْ وَثَقِّلْ بِهِمَا مِيْزَانِىْ وَاَوْجِبْ لِىْ بِهَا اَمَانِىْ وَ تَجَاوَزْ عَنِّىْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○

صلوٰۃ الاوابین:

سالک اگر اپنی جماعت کی مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان لگاتار عبادت کرتا رہے تو اسے اعتکاف اور دونوں نمازوں کے درمیان لگاتار نماز پڑھنے (مواصلت العشائین) کا ثواب ملے گا، — اور اگر اس کے خیال میں گھر واپس جانے اور گھر پر ہی دونوں نمازوں کے درمیان عبادت کرنے سے نہ صرف اس کا دین سلامت رہے گا، بلکہ خلوص اور یکسوئی کے لئے بھی یہ طریقہ بہتر ہو تو اسے ایسا کر گزرنا چاہیے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ سے اس ارشاد باری: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''یہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھنا ہے'' ـــــ مزید فرمایا: ''مغرب اور عشاء کے درمیان نمازیں پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دن بھر کی لغو باتوں کو دور کرتی ہیں۔ اور اس کے آخر (یعنی دن کا آخری حصہ) کو سنوارتی ہیں۔''

ان دونوں نمازوں (مغرب وعشاء) کے درمیان جو دو رکعتیں پڑھی جائیں، ان میں سوۃ بروج اور سورۃ طارق پڑھی جائیں، ـــــ اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھی جائیں۔ ان میں سے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی پہلی دس آیات اور وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے بعد کی دو آیات، ـــــ اور پندرہ بارہ سورۂ اخلاص پڑھے، ـــــ دوسری رکعت میں آیت الکرسی، اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور پندرہ بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔

آخری دو رکعتوں میں سورۂ زمر اور سورۂ واقعہ میں سے جو کچھ پڑھ سکتا ہو وہ پڑھے، ـــــ اس کے بعد جو چاہے پڑھے:

○ ـــــ چاہے تو اپنے معمولات کے اوراد و وظائف پڑھے، خواہ انہیں نماز میں پڑھے یا نماز سے بعد پڑھے۔

○ ـــــ اگر چاہے تو سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے ساتھ بیس ہلکی رکعتیں پڑھے۔

○ ـــــ چاہے تو مغرب اور عشاء کے درمیان دو طویل رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ ان دونوں رکعتوں میں طویل قیام کرے، جس میں اپنے معمول کے مطابق تلاوت کرے، ـــــ یا بار بار ایسی دعا پڑھے جس میں دعا اور تلاوت دونوں کا فائدہ ہو، ـــــ مثلاً بار بار یہ پڑھے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

یا اسی قسم کی کوئی اور آیت پڑھی جا سکتی ہے۔ اس طرح تلاوت، دعا اور نماز تینوں عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں، ـــــ اس صورت میں خیالات کی یکسوئی کے ساتھ ساتھ فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے۔

نماز عشاء اور اس کے بعد نوافل:

ان سب نمازوں اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر عشاء کے فرائض سے پہلے چار رکعتیں اور عشاء کے فرائض کے بعد دو رکعتیں پڑھے، ـــــ اس کے بعد اپنے گھر چلا جائے یا اپنے گوشہ تنہائی میں چلا جائے۔ وہاں چار رکعتیں اور پڑھے، ـــــ رسول اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ کاشانۂ نبوت میں داخل ہو کر تشریف رکھنے سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ـــــ ان چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ لقمان، سورہ یاسین، سورہ حم، سورہ الدخان اور سورہ تبارک الذی پڑھے، ـــــ اور اگر کوئی تخفیف کرنا چاہے تو ان رکعتوں میں آیت الکرسی، امن الرسول اور سورۂ حدید کی پہلی آیات اور سورۂ حشر کی آخری آیت پڑھے۔

ان چار رکعتوں سے فارغ ہو کر مزید گیارہ رکعتیں پڑھے۔ ان گیارہ رکعتوں میں والسماء والطارق سے لے کر قرآن کریم کے آخر تک تین سو آیات پڑھے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی چاہے تو ان گیارہ رکعتوں میں سے کم رکعتوں میں اتنی تعداد میں آیتیں پڑھ سکتا ہے۔''

اگر سورۂ ملک سے قرآن کریم کے آخر تک ایک ہزار آیتیں تلاوت کرے تو یہ اور بھی خیر و برکت کا باعث ہے، ـــــ کسی مرید کو

www.waseemziyai.com

اگر اس قدر قرآن کریم یاد نہ ہو تو وہ ہر رکعت میں پانچ یا دس بار —— یا اس سے زیادہ بار سورۂ اخلاص پڑھے۔

وتر کا مؤخر کرنا:

وتر کو تہجد کے ساتھ پڑھنے کے لئے مؤخر نہ کیا جائے، —— اگر کسی کو اپنی ذات پر یوں بھروسہ ہو کہ وہ تہجد کے وقت بآسانی و بخوبی بیدار ہو سکتا ہے، یا وہ تہجد کے وقت اٹھنے کا عادی ہے تو اس صورت میں وتر کو تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

ایک بزرگ کا معمول تھا کہ وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیتے تھے۔ اس کے بعد تہجد کے لئے اٹھتے تو ایک رکعت پڑھ کر وتر کو ملا کر دوگانہ بنا لیتے تھے۔ اس کے بعد جس قدر چاہتے نفلی نمازیں پڑھتے، پھر سب سے آخر میں وتر ادا کیا کرتے تھے۔

اگر وتر کو ابتدائے شب میں پڑھ لیا جائے تو اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھی جائیں۔ ان رکعتوں میں سورہ زلزال اور سورۂ التکاثر پڑھی جائیں، —— مذکور ہے کہ ان دو رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے ایک رکعت کھڑے ہو کر پڑھی جائے۔

اگر کوئی تہجد ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے بھی ادا کر لے، اور تہجد کے آخر میں وتر پڑھے، —— ان دو رکعتوں کی نیت بالکل وہی ہے جو نفلوں کی نیت ہے۔ میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ان دونوں نمازوں کی نیت کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ بہر حال رات کے وقت ہر رکعت میں اگر مسبحات [1] پڑھی جائیں اور ان میں سورہ الاعلیٰ کو بڑھا لیا جائے تو یہ چھ سورتیں ہو جاتی ہیں، —— اہلِ علم یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے اور ان سے برکت کی توقع رکھا کرتے تھے۔

مقصد کا تعین:

نیند سے بیدار ہونے پر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بیدار ہوتے ہی اس کا باطن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، اور وہ سب سے پہلے اللہ کے کاموں پر غور و خوض کرے، اس کے بعد کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو، —— اس کی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔ اہلِ حق ایک بچے کی طرح ہے جو اپنے دل میں کسی خاص چیز کا خیال لے کر سوتا ہے، اور جب بیدار ہوتا ہے تو اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے، —— محبت کا یہی جذبہ اور محبوب مشغلہ مرتے دم تک اور اس کے بعد حشر کے دن تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔ —— چنانچہ ایک اہلِ حق جب نیند سے بیدار ہو تو اسے غور کرنا چاہئے کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ کیونکہ وہ اسی نصب العین کے ساتھ قبر سے نکلے گا، —— اگر اس کا مقصد اللہ کی ذات ہے تو اس کا یہی مقصد معین رہے گا اور اگر ایسا نہیں تو اس کا مقصد اور نصب العین اللہ کی ذات کے سوا کسی اور شے کو قرار دیا جائے گا۔

بندۂ حق کی باطنی حالت:

بندۂ حق جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کا باطن اس کی پاکیزہ فطرت کے مطابق ہوتا ہے، —— وہ اپنا باطن ذکر الٰہی کے سوا کسی اور شے سے تبدیل نہیں کرتا۔ اس طرح اس کا وہ نورِ فطرت برقرار رہتا ہے جو بیداری کی حالت میں موجود تھا۔ وہ اپنے باطن کو غیروں کے ذکر سے بچا کر صرف اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

---

[1] مسبحات سے مراد ستائیسویں اور اٹھائیسویں سیپارے کی یہ پانچ سورتیں ہیں: (۱) سورۂ حدید (۲) سورۂ حشر (۳) سورہ صف (۴) سورۂ جمعہ (۵) سورۂ تغابن

www.waseemziyai.com

اگراس کی باطنی حالت اس معیار کی نہیں تو اس کے باطن پر انوار و تجلّیات الٰہی کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔اس کے لئے لازم اور مناسب ہے کہ رات کے وقت وہ اسی کی طرف متوجہ رہے، ـــــ اور قرب الٰہی کی چوکھٹ اس کا ملجا و ماویٰ بن جائے، اور اس کی زبان یہی کہتی رہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ ○

اس کے بعد سورہ ال عمران کی آخری دس آیات پڑھے، ـــــ پھر پاکیزہ پانی کا ارادہ کرے۔ارشاد باری ہے:

○ ـــــ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ○ (پ۹، سورہ انفال)

''وہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہیں پاک وصاف کرے۔''

○ ـــــ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا○ (پ۱۳، سورہ رعد)

''اس نے آسمان سے زمین پر پانی نازل کیا اور اس کے مطابق وادیاں بہنے لگیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''پانی سے مراد قرآن ہے، اور وادیوں سے مراد قلوب ہیں۔''

وہ اسی (قلوب کے ظروف) کے مطابق بہتی ہیں۔ان میں جس قدر گنجائش ہوتی ہے، وہ اسے اسی قدر اپنے اندر سما لیتی ہیں، ـــــ جس طرح پانی پاک وصاف کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح قرآن حکیم بھی طہارت کا ذریعہ ہے، بلکہ وہ طہارت کا اس سے بڑا ذریعہ ہے۔طہارت کے لئے اور چیزیں پانی کی قائم مقام بن سکتی ہیں مگر کوئی چیز قرآنِ حکیم کی قائم مقام نہیں ہو سکتی، ـــــ پانی تو ظاہری چیزیں پاک کرتا ہے مگر علوم اور قرآن پاک باطن کو پاک وصاف کرتے ہیں اور شیطانی نجاست (وسوسے) کو دور کرتے ہیں۔

نیند کی حقیقت کیا ہے؟

نیند ایک طرح کی غفلت اور طبعی اثر ہے، اس لئے یہ بھی شیطانی نجاست میں داخل ہے۔کیونکہ یہ انسان کو اللہ سے غافل کر دیتی ہے، ـــــ نیند کی اصل اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے وقت فرشتوں کو روئے زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لینے کا حکم دیا۔یہ مٹھی بھر مٹی زمین کی جلد (سطح) سے حاصل کی گئی۔اس کا ظاہری حصہ بشرہ کھال تھی اور اس کا باطنی حصہ آدمیت تھی۔

ارشاد باری ہوا:

''اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ○

''میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔''

چنانچہ بشرت اور بشر سے مراد اس کی ظاہری صورت ہے، اور آدمتہ سے مراد اس کا باطن اور آدمیت ہے۔یہی آدمیت اس کے اخلاقِ حسنہ کا مجموعہ ہے۔

شیطان نے چونکہ مٹی کو اپنے قدموں سے پامال کیا تھا، اس بناء پر مٹی میں تاریکی ہے، ـــــ اس تاریکی کو آدمی کی طینت میں خمیر کیا گیا تھا، جس کے باعث اس میں بری صفات و اخلاق پیدا ہوئے؛ بلکہ غفلت اور سہو بھی اسی کا نتیجہ ہیں، ـــــ چنانچہ جب پانی

www.waseemziyai.com

کا استعمال اور قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی ہے تو پاک کرنے والی دونوں چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں۔ ان کی بدولت شیطانی نجاست اور اس کے قدم کے خبیث اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے انسان کو عالم قرار دے کر اسے جہالت کے دائرے سے باہر نکال لیا جاتا ہے۔

طہارت کے اثرات:

پاک پانی کا استعمال ایک شرعی حکم ہے جو نیند کے مقابلے میں دل کو چمکانے میں بڑی تاثیر رکھتا ہے، ـــ نیند چونکہ طبعی اثرات کا نتیجہ ہے، اور وہ قلب کو تاریک و مکدر کر دیتی ہے۔ چنانچہ طہارت کا نور اس تاریکی اور تکدر کا ازالہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء و فقہاء کے نزدیک اگر آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھالی جائیں تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ فعل گناہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ گناہ ایسی شیطانی نجاست ہے جو پانی سے ہی دور کی جا سکتی ہے، ـــ یہی وجہ ہے کہ بعض محتاط حضرات غیبت، جھوٹ اور غیظ و غضب کے موقع پر بھی وضو کرتے تھے۔ کیونکہ ایسا نفس کے غالب آجانے کے باعث ہوتا ہے اور اس وقت شیطان کا تصرف ہوتا ہے۔

اگر کوئی پرہیزگار انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا عادی ہو تو اسے چاہئے کہ ایسے مواقع پر تازہ وضو کر لیا کرے:

- ـــ نفس جب مباح کاموں میں مصروف ہو،
- ـــ لوگوں سے میل جول ہو، یا
- ـــ کسی ایسے کام میں مشغول ہو جس سے اس کی ہمت و عزیمت کی گرہیں کُھل جانے کا خدشہ ہو، ـــ یعنی بیکار باتوں یا بیکار کاموں میں لگ جائے۔

ایسی صورت میں وضو کرنے سے دل اپنی طہارت اور پاکیزگی پر قائم رہتا ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر وضو بصیرت کو پاک و صاف رکھنے میں وہی کام کرتا ہے جو پلکیں اپنی ہلکی پھلکی حرکات سے بینائی کو برقرار رکھنے میں کرتی ہیں، ـــ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جسے اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر اس نکتے پر غور کیا جائے تو اس کی برکات کا اثر ضرور نمایاں ہوگا۔

سالک و مرید اگر لغو اور بیکار باتوں کے عوارض کے موقع پر اور بیدار ہونے کے وقت غسل کر لیا کرے تو اس سے قلب مزید روشنی پا سکتا ہے۔ زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت غسل کر لیا کرے تاکہ اللہ کے حضور مناجات کی تیاری میں پوری کوشش بروئے کار لا سکے۔ بلکہ ایسے ہر موقع پر سچے دل سے توبہ کر کے اپنے باطن کی صفائی بھی کرے۔ ارشاد باری ہے:

مُنِيبِينَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ○ (پ ۲۱،)

''اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔''

اس آیت میں توبہ اور رجوع کو نماز پر مقدم بتایا گیا ہے۔ مگر یہ اللہ کریم کا کرم ہے اور اسلامی شریعت کی سہولتیں اور آسانیاں ہیں کہ مشکلات دور کرنے کے لئے بجائے غسل کے وضو کا حکم دیا گیا ہے، ـــ بلکہ کرم بالائے کرم یہاں تک آسانی پیدا کر دی گئی کہ سب مسلمانوں کی مشکلات دور کرنے کے لئے سب فرض نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں، ان کی باطنی قوتیں ان سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ افضل احکام کے پابند ہوں اور عوام کی نسبت اعلیٰ

www.waseemziyai.com

طریقے پر چلیں۔

نمازِ تہجد:

جب کوئی شب بیدار نماز تہجد کے لئے کھڑا ہو تو ابتداء میں یہ دس بار پڑھے:

اللہ اکبر کبیراً و الحمد للہ کثیراً و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا و سبحان اللہ و الحمد للہ و اللہ اکبر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ○ — پھر یہ پڑھے:

اللہ اکبر ذو الملک و الملکوت و الجبروت و الکبریاء و العظمۃ و الجلال و القدرۃ ○ اللھم لک الحمد انت نور السموات و الارض و لک الحمد انت رب السموات و الارض و لک الحمد انت قیوم السموات و الارض و من بینھن و من علیھن انت الحق و منک الحق و لقاء ک حق و الجنۃ حق و النار و حق و النبیون حق و محمد علیہ السلام حق○ اللھم لک اسلمت و بک امنت و علیک توکلت و بک خاصمت و الیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت و ما اخرت و ما اسررت و ما اعلنت انت المقدم و انت المؤخر لا الہ الا انت○ اللھم ات نفسی تقواھا و زکھا انت خیر من زکھا انت ولیھما و مولاھا○ اللھم اھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لا حسنھا الا انت واصرف عنی منھا لا یصرف عنی منھا الا انت اسئلک مسئالۃ الباس المسکین و ادعوک دعاء الفقیر الذلیل فلا تجعلنی بدعائک رب شقیا و کن لی رؤفا رحیما یا خیر المسؤلین یا اکرم المعطمین○

یہ دعا پڑھنے کے بعد وضو کرے اور دو رکعت نفل پڑھے، — پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ سے تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ [1] تک پڑھے، — دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ پڑھے

ان دو رکعتوں کے بعد کئی بار استغفار پڑھے، — اس کے بعد دو مختصر سورتوں کے ساتھ دو رکعتیں ادا کرے۔

○ — اگر چاہے تو ان دو رکعتوں میں آیت الکرسی اور امن الرسول (ختم آیت) پڑھے،

○ — چاہے تو دوسری آیات بھی پڑھ سکتا ہے۔

اس کے بعد طویل رکعتیں پڑھے، — رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا کہ آپ مذکورہ بالا طریقے پر نماز تہجد ادا فرماتے تھے، — ان دو طویل رکعتوں کے بعد قدرے کم طویل دو رکعتیں پڑھے، — اس طرح بتدریج دورانیہ کم کرتا جائے۔ حتیٰ کہ بارہ یا آٹھ رکعتیں ہو جائیں۔ بارہ سے زیادہ رکعتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ اور ان کی بہت فضیلت ہے۔

---

[1] پارہ ۵، سورہ النساء

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۸:

شب بیداری کی فضیلت

پہلے نیک بندوں کا طریقہ اور معمول:

ارشاد باری ہے:

○ ــــ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا○ (پ ۱۹، سورہ فرقان)

''یہ لوگ وہ ہیں جو سجدے اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں۔''

○ ــــ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

''کوئی نفس یہ علم نہیں رکھتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیا پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ان کے عمل سے شب بیداری کی عبادت مراد لی گئی ہے، ــــ ارشاد باری وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ــــ ''صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو'' ــــ کی تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ رات کی نماز کے ذریعے نفس کی مجاہدے اور دشمن کے مقابلے میں استقامت و امداد حاصل کرو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رات کو اٹھ کر عبادت کرو کیونکہ اس میں تمہارے رب کی رضا مندی ہے، اور تم سے پہلے بندوں کا یہی طریقہ اور معمول رہا ہے۔ یہ نماز:

○ ــــ گناہوں سے روکتی ہے اور اس کے بوجھ کو دور کرتی ہے،

○ ــــ شیطان کے مکر و فریب کا ازالہ کرتی ہے،

○ ــــ بدن سے بیماری کو خارج کرتی ہے۔

نماز عشاء کے وضو سے نماز فجر:

بزرگان سلف میں سے بعض حضرات ساری رات عبادت کیا کرتے تھے۔ چالیس تابعین کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کیا کرتے تھے، ان حضرات میں:

○ ــــ حضرت سعد بن المسیّب،

○ ــــ حضرت فضیل بن عیاض،

○ ــــ حضرت وھیب بن الورود

○ ــــ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ

○ ــــ حضرت شیخ علی بن بکار

○ ــــ حضرت حبیب عجمی،

○ ــ حضرت کھمس بن المنہال ○ ــ حضرت محمد بن المکندر

○ ــ حضرت امام ابوحنیفہ ○ ــ حضرت شیخ ابوحازم رضوان اللہ علیہم اجمعین

وغیرہ شامل تھے، ــ شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''قوت القلوب'' میں ان تمام حضرات کے نام ان کے نسب ناموں کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔

شب بیداری کی آسان اور بہترین صورت:

اگر کوئی ساری رات عبادت نہ کر سکے تو رات کو اٹھ کر دو تہائی یا ایک تہائی یا رات کا کم از کم 1/6 حصہ عبادت کرنا مستحب ہے، ــ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ یا تو رات کے پہلے تہائی حصہ میں سوئے اور اس کے بعد اٹھ کر عبادت کرے اور اس کے آخری چھٹے حصہ میں سو جائے یا نصب شب تک سوئے اور اس کے بعد نصب شب عبادت کرے اور پھر 1/4 حصہ میں سو جائے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی! میں چاہتا ہوں کہ میں تیری عبادت کروں تو کس وقت اٹھوں، ــ ارشاد باری ہوا!

''اے داؤد! تم نہ تو رات کے اوّل میں اٹھو نہ رات کے آخر میں، ــ اور جو رات کے آخر وقت میں اٹھتا ہے وہ اوّل وقت میں سوتا ہے۔ چنانچہ تم ہمیشہ آدھی رات کے وقت اُٹھا کرو تا کہ تمہیں میرے ساتھ تنہائی میسر آئے اور میں بھی تمہارے ساتھ تنہا ہوں۔ اس وقت میرے سامنے اپنی حاجتیں اور ضرورتیں پیش کرو۔''

شب بیداری نیند کے دونوں حصوں (اول و آخر) کے درمیان ہونی چاہئے، ــ وگرنہ رات کے اوّل ہی میں نفس غالب آ کر سلا دیتا ہے۔ اس دوران نفلی نمازیں پڑھتا رہے، ــ اور جب نیند کا غلبہ ہو تو سو جائے اور بیدار ہونے پر وضو کرے۔ اس طرح دوبار اٹھنا ہوگا اور دوبار سونا (رات کا اوّل پہر اور رات کے آخر پہر میں) جو آسان اور بہترین صورت ہے۔

جب تک نیند کے اثرات ہوں تب تک نماز شروع نہ کرے اور نہ تلاوت کرے، جب اچھی طرح حواس قائم ہو جائیں اور اپنی کہی بات کو اچھی طرح سمجھنے کی حالت ہو جائے، اس وقت نماز پڑھے۔ کیونکہ مذکور ہے:

''رات کے وقت اپنی ذات پر سختی برداشت نہ کرو۔''

اسلام مشکلات کا نہیں آسانیوں کا نام ہے:

ایک بار رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! فلاں عورت رات کے وقت نماز پڑھتی ہے۔ جب اس پر نیند غلبہ کرتی ہے تو وہ ایک رسی کے ساتھ لٹک جاتی ہے تا کہ جاگتی رہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''جو کوئی رات کے وقت نماز پڑھنا چاہے تو وہ اتنی ہی دیر تک نماز پڑھے جتنی دیر وہ آسانی سے پڑھ سکتا ہو، ــ اور جب اس پر نیند کا غلبہ ہو تو وہ سو جائے'' ــ

www.waseemziyai.com

اور مذہب اسلام کو سخت نہ بناؤ، کیونکہ یہ خود محکم و مضبوط ہے اس لئے جو کوئی اسے سخت بناتا ہے وہ خود مغلوب ہو جائے گا''

—

یعنی مشکلات پیدا کر کے اپنے ذات کے لئے اللہ کی عبادت کو نفرت کا باعث نہ بناؤ، — ایک طالب حقیقت کی شان کے لائق نہیں کہ جب طلوع فجر ہو تو وہ سوتا رہے، — اور اگر وہ رات کو اٹھ کر اس نے کافی دیر تک عبادت کے لئے قیام کیا ہے تو اس حوالے سے اسے معذور سمجھا جائے گا، — چنانچہ اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ رات میں زیادہ دیر تک نہ جاگے، اور طلوع فجر سے کچھ دیر بعد پہلے اٹھ جائے۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ رات دیر تک جاگا جائے اور طلوع فجر پر سوتا رہے۔

تسبیح و استغفار:

جب فجر سے پہلے اٹھ جائے تو بکثرت تسبیح و استغفار پڑھے اور اس وقت کو غنیمت سمجھے۔ — اسی طرح رات کے وقت بھی جب دوگانہ سے فارغ ہو تو ہر دوگانہ کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے اور تسبیح و استغفار پڑھے اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھیجے۔ اس طرح سکون حاصل ہوتا ہے اور رات میں قیام کے لئے ہمت و قوت حاصل ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا:

''یہ میری پہلی نیند ہے، — بیدار ہونے کے بعد اگر میں پھر سو جاؤں تو اللہ تعالیٰ میری آنکھوں کو نہ سلائے۔''

ایک درویش نے مجھے اپنے شیخ کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو رات میں ایک بار سونے اور دن میں صرف ایک بار کھانے کی ہدایت فرماتے تھے۔

شب بیداری میں غفلت بھلائی سے محرومی ہے:

شب بیداری کے لئے تاکید کے حوالے سے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''رات کے وقت اٹھو خواہ وہ ایک بکری کا دودھ دوھنے کے برابر وقت کیوں نہ ہو''، —

مذکور ہے کہ اتنا وقت چار رکعتوں کی ادائیگی کے برابر ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۝ (پارہ ۳، آل عمران)

''تو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے ملک چھین لے۔''

صوفیاء کرام نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ملک سے مراد رات کی عبادت ہے، — جو کوئی سستی، کم ہمتی اور اس کی تیاری میں غفلت، — یا اپنی روحانیت کے مرتبے کے غرور کی وجہ سے رات کی عبادت سے محروم ہو جائے، اسے اپنی حالت پر رونا چاہئے کہ اس پر بھلائی کا ایک بڑا راستہ بند ہو گیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی صاحب معرفت قرب الٰہی کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس قرب و وصال کی بناء پر اس کی محبت اور شوق میں وہ حرارت نہیں رہتی۔ وہ گمان کرتا ہے کہ شب بیداری مقامِ شوق میں ٹھہراؤ کا نام ہے، — یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس میں پڑ کر حقیقت کا دعویٰ کرنے والے بہت سے لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ جو اس کا قائل ہو اسے یہ علم ہونا چاہئے کہ ایسی حالت کا برقرار رہنا دشوار ہے کیونکہ عام طور پر انسان، قصور، کوتاہی، خلاف ورزی اور شبہات کا شکار ہو جاتا ہے، — اور یہ بات

www.waseemziyai.com

پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی اور ذات کو روحانی مراتب حاصل نہیں ہو سکتے۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے رات کی عبادت سے کبھی بے نیازی نہیں برتی۔آپ اتنی اتنی دیر تک قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوجھ جاتے تھے۔

اس حوالے سے بحث کرنے والے کبھی کبھار یہ کہنے لگتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شب بیداری کی شرعی حیثیت قائم کرنے کے لئے یہ عمل فرمایا —— اور جب ایسا معاملہ ہے تو ہم پر آپ ﷺ کی اتباع اور بھی لازم ہے۔ بلکہ شب بیداری میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ:

''رات کی عبادت کو چھوڑنے اور بارگاہِ الٰہی میں قرب و رسائی کا دعویٰ کرنا، —— اور خواب و بیداری کو ایک سا سمجھنا ایک روحانی آزمائش اور روحانی حالت کا عارضہ ہے اور اس طرح اپنے حال کو اسیر کر کے اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔''

جو لوگ روحانی طور پر طاقت ور ہوتے ہیں وہ فقط حال کے تابع اور پابند نہیں ہوتے، بلکہ حال ان کا تابع ہوتا ہے وہ حال کے تابع نہیں ہوتے (یعنی حال پر تصرف کرتے ہیں)، —— لہٰذا اس نکتے کو بخوبی سمجھنا چاہیئے کیونکہ ہم نے اپنے بعض ساتھیوں میں اس حال کا مشاہدہ کیا ہے۔اور اللہ کے فضل سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہ جمود ٹھہراؤ اور سطحیت ہے۔

نادانستہ گناہوں کے باعث محرومی:

○ —— شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا:

''اے ابوسعید! میں تندرستی کی حالت میں رات بسر کرتا ہوں اور میں رات کو اٹھنا بھی چاہتا ہوں، —— سامان طہارت بھی تیار رکھتا ہوں۔پھر کیا وجہ ہے کہ میں رات کو عبادت کے لئے نہیں اٹھ سکتا۔''

شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تمہیں تمہارے گناہوں نے جکڑ رکھا ہے، —— چنانچہ عابد کو دن کے وقت بھی گناہوں سے بچنا چاہیئے، —— اگر ایسا نہ کر سکے تو رات کے وقت کو اپنی قید میں لے آئے۔

○ —— شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جس کی وجہ سے میں سات ماہ تک شب بیداری کی فضیلت سے محروم رہا، —— پوچھا گیا کہ ایسا کون سا گناہ تھا —— فرمایا:

''میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ ریاکاری ہے۔''

○ —— ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں شیخ علی کرز بن وبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گیا تو وہ رو رہے تھے۔میں نے دریافت کیا کہ اے شیخ! کیا ہوا، —— کیا آپ کو کسی عزیز کے فوت ہونے کی اطلاع ملی ہے، —— انہوں نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ ہے، —— میں نے عرض کیا:

''کیا آپ کے کہیں درد ہو رہا ہے جس کی تکلیف آپ کو رونے پر مجبور کر رہی ہے۔''

فرمانے لگے: ''اس سے بھی سخت بات ہے'' —— عرض کیا: ''پھر کیا معاملہ ہے؟'' —— فرمانے لگے:

''میرا دروازہ بند ہے اور میرا پردہ بھی لٹکا ہوا ہے جس کی وجہ سے میں کل اپنے معمول کے اوراد و وظائف نہ پڑھ سکا۔یہ شاید کسی گناہ کی وجہ سے ہے جو مجھ سے نادانستہ سرزد ہو گیا ہے۔'' (شاید دن اور رات کا پتہ نہ لگنے کی وجہ سے میرے معمول کے

www.waseemziyai.com

وظائف رہ گئے۔)

احتلام بھی ایک طرح کی سزا ہے:

ایک صاحب صدق وصفا کا کہنا ہے کہ احتلام ایک طرح کی سزا ہے، —— یہ بات بالکل صحیح ہے، کیونکہ پرہیز گار اور محتاط لوگ اپنی پرہیز گاری، احتیاط اور علم کی بدولت احتلام کا راستہ بند کر سکتے ہیں، —— احتلام اسی کو ہوتا ہے:

○ —— جو اپنے حال سے ناواقف ہو،

○ —— جو اپنے وقت کے حکم اور اپنے روحانی آداب سے غافل ہو گیا ہو۔

اور فرض محال:

○ —— جو اپنے وقت کی پوری پوری حفاظت اور نگہداشت کرتا ہو، اور

○ —— جو ہر لحظہ اپنے روحانی آداب کا خیال رکھتا ہو،

تو اس کے احتلام کا باعث اس کا یہ گناہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا ہو، —— ایسے شخص کو ہمت سے کام لیتے ہوئے تکیہ استعمال کرنا چھوڑ دینا چاہئے۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جو شخص آرام واستراحت کی غرض سے سر تلے تکیہ نہیں رکھتا، سر تلے تکیہ رکھنے میں اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی بدولت اسے شب بیداری میں مدد ملے، —— بعض لوگوں کے خیال میں ایسا کرنا بھی گناہ ہے یعنی استراحت کی اتنی مقدار سے بھی احتلام ہو سکتا ہے، —— روحانیت کے جن گناہوں کا اہلِ معرفت سے تعلق ہے، ان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اہلِ معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی پہچان سکتے ہیں۔

بعض حضرات نرم بستر اور تکیہ کی سب سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ احتلام سے بچے رہتے ہیں۔ انہیں احتلام کی سزا نہیں دی جاتی، —— یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کاموں کی اندرونی و بیرونی سب کیفیتوں کا علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے حُسنِ نیت اور وسعت علم کی بدولت کئی شب بیداروں سے بازی لے جاتے ہیں۔

شیطان کی تین گرہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ خدا جب سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگا دیتا ہے:

○ —— جب وہ نیند سے بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے،

○ —— جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے،

○ —— جب دو رکعت ادا کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔

چنانچہ وہ صبح کے وقت چستی اور خوش مزاجی کے ساتھ اٹھتا ہے، ورنہ سستی، کاہلی اور بد مزاجی کے ساتھ اٹھتا ہے، —— ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے:

www.waseemziyai.com

''جو صبح تک سوتا رہتا ہے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔''

شب بیداری میں رکاوٹ بننے والی چیزیں:

شب بیداری میں کئی ایک چیزیں رکاوٹ بن جاتی ہیں، جن میں:

- ○ — دنیا کے بہت سے کاموں میں مشغول ہونا،
- ○ — اعضاء کا تھک جانا،
- ○ — شکم سیری،
- ○ — فضول اور بے کار کی باتیں کرنا،
- ○ — شور و غل میں لگے رہنا،
- ○ — دن کا قیلولہ چھوڑ دینا،

بہر حال کامیابی و کامرانی اسی کے لئے ہے جو

- ○ — اپنے وقت کو غنیمت سمجھے،
- ○ — اپنے درد اور اس کی دوا کو جانتا ہو،
- ○ — شب بیداری کے سلسلہ میں غفلت اختیار نہ کرے،

اگر کچھ ایسا نہیں تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۴۹:

نماز فجر اور اس کی دعائیں

دن کے دو طرفوں کی نمازیں:

ارشاد باری ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ ○ (پ ۱۱)

''اور دن کے دونوں طرفوں اور رات کے ایک حصے میں نماز قائم کرو۔ اصل میں نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔''

سب مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں ایک طرف سے مراد فجر کی نماز ہے اور دوسرے طرف یا کنارے میں ان کی رائے ایک نہیں مختلف ہے:

○ — بعض کے خیال میں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔

○ — بعض اس سے عشاء کی نماز مراد لیتے ہیں،

○ — کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ دن کے ایک طرف سے مراد فجر اور ظہر کی نماز ہے، اور دوسری طرف سے مراد عصر اور مغرب کی نماز ہے، — اور رات کے حصہ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔

اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے نماز کی برکتیں اور فوائد و ثمرات بیان فرمائے ہیں کہ یہ نیکیاں، برائیاں دور کر دیتی ہیں۔ یعنی یہ پانچ نمازیں گناہوں کو دور کرتی ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کی شانِ نزول:

حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ کھجوریں بیچا کرتے تھے۔ ایک دن ایک عورت ان کے پاس کھجوریں خریدنے کے لئے آئی۔ انہوں نے اس سے کہا:

''یہ کھجوریں اچھی نہیں، اس سے زیادہ اچھی کھجوریں میرے گھر میں رکھی ہیں۔ کیا تم وہ اچھی کھجوریں لینا چاہتی ہو۔''

اس عورت نے کہا: ''ہاں!'' — چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے گھر لے گئے۔ وہاں اس عورت کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کے بوسے لینے لگے۔ اس عورت نے کہا: ''اے بندے! اللہ سے ڈر!'' — اس پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور بڑی ندامت محسوس کی۔ پھر خجالت کے مارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں جس نے ایک اجنبی عورت کے ساتھ

www.waseemziyai.com

بد نیتی کی اور مجامعت کے علاوہ باقی سب کام اس کے ساتھ کئے جو مرد عورت کے ساتھ کرتا ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر تم اپنے نفس پر پردہ ڈالتے تو اللہ بھی تم پر پردہ ڈال دیتا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

"میرے پروردگار کے حکم کا انتظار کرو۔"

اس دوران نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام مذکورہ بالا آیت لے کر حاضر ہوئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "ابوالیسر کہاں ہے؟" —— انہوں نے عرض کیا: "حضور میں حاضر ہوں" —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم نے عصر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں یا رسول اللہ!" —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ نماز تمہارے اس برے فعل کا کفارہ ہے۔"

اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا:

"یا رسول اللہ یہ حکم ان کے لئے خاص ہے یا ہم سب کے لئے عام ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ سب کے لئے عام حکم ہے۔"

فجر کا استقبال:

بندۂ مومن کے لئے لازم ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے طلوع فجر سے پہلے نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے اور کلمہ شہادت پڑھ کر فجر کا اسی طرح استقبال کرے جس طرح ہم نے پہلی رات کے استقبال کے حوالے سے بیان کیا ہے، —— اگر مؤذن کی اذان کا جواب نہ دیا ہو تو خود اذان کہے۔ اس کے بعد فجر کی دو رکعتیں ادا کرے۔

○ —— پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون پڑھے، اور

○ —— دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے —— یا پھر:

○ —— پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پہلے پارہ کے آخر کی وہ آیات جو قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ ط سے شروع ہوتی ہیں (اور آخر پارہ میں ختم ہوتی ہیں) پڑھے اور

○ —— دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ پڑھے۔

پھر استغفار اور تسبیح پڑھے اور آسانی کے ساتھ جس قدر زیادہ پڑھ سکتا ہو پڑھے۔ لیکن اگر وہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِذَنْبِیْ سُبْحَانَ اللّٰہِ بِحَمْدِ رَبِّیْ ہی پڑھ لیا کرے۔ اس سے بھی تسبیح اور استغفار کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

فجر سے پہلے کی دعا:

دو رکعت سنّت ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ وَ تَجْمَعُ بِھَا شَمْلِیْ وَ تَلُمُّ بِھَا شَعْثِیْ وَتَرُدُّ بِھَا الْفِتَنَ عَنِّیْ وَ تُصْلِحُ بِھَا دِیْنِیْ وَ تَحْفَظُ بِھَا غَائِبِیْ وَ تَرْفَعُ بِھَا شَاھِدِیْ وَتُزَكِّیْ بِھَا عَمَلِیْ وَ تُبَیِّضُ بِھَا وَجْھِیْ وَ تُلَقِّنِیْ بِھَا رُشْدِیْ وَ تَعْصِمُنِیْ بِھَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ ○ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا صَادِقًا وَ یَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَہٗ كُفْرٌ وَرَحْمَةً اَنَالُ بِھَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ عِنْدَ الْقَضَاءِ وَ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَ عَیْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْاَنْبِیَاءِ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْزَلَ بِكَ حَاجَتِیْ وَاِنْ قَصُرَ رَأْیِیْ وَ ضَعُفَ عَمَلِیْ وَافْتَقَرْتُ اِلٰی رَحْمَتِكَ وَاَسْئَلُكَ یَا قَاضِیَ الْاُمُوْرِ وَ یَا شَافِیَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِیْرُ بَیْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِیْرَنِیْ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ ○ اَللّٰھُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَاْیِیْ وَ ضَعُفَ فِیْهِ عَمَلِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مِنِیَّتِیْ وَاَمْنِیَّتِیْ مِنْ خَیْرٍ وَعَدْتَّهٗ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ اَوْ خَیْرٍ اَنْتَ مُعْطِیْهِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَاِنَّا رَاغِبٌ اِلَیْكَ فِیْهِ وَاَسْئَلُكَ اِیَّاہُ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ○ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا ھَادِیْنَ مُھْتَدِیْنَ غَیْرَ ضَالِّیْنَ وَ مُضِلِّیْنَ حَرْبًا لِاَعْدَائِكَ وَسِلْمًا لِاَوْلِیَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ النَّاسَ وَ نُعَادِیْ بِعَدَاوَتِكَ مِنْ خَالِقِكَ مِنْ خَلْقِكَ ○

اللھم ھذا الدعاء منی و منك الاجابة و ھٰذا الْجَھْدُ وعلیك التكلان اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ذِی الْحَبْلِ الشَّدِیْدِ وَالْاَمْرِ الشَّدِیْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ یَوْمَ الْوَعِیْدِ وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّھُوْدِ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَالْمُوْفِیْنَ بِالْعُھُوْدِ اِنَّكَ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ وَاَنْتَ تَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ سُبْحَانَ مَنْ تَعَطَّفَ بِالْعَفْوِ وَقَالَ بِسُبْحَانَ مَنْ لَیِسَ الْمَجْدَ تَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یَنْبَغِی التَّسْبِیْحُ اِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِی الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِی الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ بِعِلْمِهٖ ○

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَ نُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ وَ نُوْرًا مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ نُوْرًا مِّنْ خَلْفِیْ وَ نُوْرًا عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ نُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ فَوْقِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ تَحْتِیْ ○ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا ○

اس دعا کی بہت سی برکتیں اور فوائد ہیں۔ یہ میرے دیکھنے کی بات ہے کہ جس شخص نے اس دعا کا ورد کیا اسے بہت سی خیر و برکتیں حاصل ہوئیں۔ اہلِ صدق و صفا نے اپنے ساتھیوں کو اس دعا کا پابندی کے ساتھ ورد کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی۔

روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ با جماعت نماز

www.waseemziyai.com

کے لئے مسجد میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے۔

گھر سے نکلتے وقت کی دعا:

رسول اللہ ﷺ جب گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

وَ قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۝

راستے میں آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا اِلَیْکَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ اَسْئَلُکَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ۝ وَتَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۝

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص نماز کے لئے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے اس پر مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات مبارک کے ساتھ اس کی طرف توجہ فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے۔“

مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا:

جب مسجد میں داخل ہو یا نماز کے لئے اپنے جائے نماز پر جائے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۝

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۝

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے، ـــ اور وہاں سے یا جائے نماز سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالے۔ اس حوالے سے صوفی کا سجادہ (جائے نماز) گھر یا مسجد کی طرح ہے۔

نماز فجر کے بعد دعا:

فجر کی باجماعت نماز کے بعد جب سلام پھیرے تو یہ دعا پڑھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرِ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اَهْلَ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ۝

پھر یہ پڑھے:

www.waseemziyai.com

هُوَ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء الحسنیٰ بھی پڑھے۔۔۔۔اس کے بعد یہ پڑھے:

فجر کی مزید دعائیں:

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَهٗ رِضَاءً وَ لِحَقِّهٖ اَدَاءً وَاَعْطِهِ الْوَسِیْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَ صَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَاجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِیَ بَرَكَاتِكَ وَرَاْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَ تَحِیَّتِكَ وَصَلَوَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَیْكَ یَعُوْدُ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِیْعُ دَفْعَ مَا اَكْرَهُ وَلَا اَمْلِكُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْا وَاَصْبَحَ الْاَمْرُ بِیَدِ غَیْرِیْ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِیْ فَقِیْرًا تُقَرِّبُنِیْ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عُدُوِّیْ وَلَا تَسُوْلِیْ صَدِیْقِیْ وَلَاتَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَكْبَرَ هَمِّیْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ مَنْ لَّا یَرْحَمُنِیْ○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ هٰذَا خَلْقٌ جَدِیْدٌ فَافْتَحْهُ عَلَیَّ بِطَاعَتِكَ وَاخْتِمْهُ لِیْ بِمَغْفِرَتِكَ وَرِضْوَانِكَ وَارْزُقْنِیْ فِیْهِ حَسَنَةً تَقَبَّلْهَا مِنِّیْ وَزَكِّهَا وَضَعِّفْهَا وَ مَا فَعَلْتُ فِیْهِ مِنْ سَیِّئَةٍ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَدُوْدٌ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا○

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَیْرًا هٰذَا الْیَوْمِ وَ خَیْرًا مَا فِیْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَالَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ بَغَتَاتِ الْاُمُوْرِ وَ فَجَاءَةِ الْاَقْدَارِ وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ یَطْرُقُ مِنْكَ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ رَحِیْمًا وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُكَ وَ جَلَّ ثَنَاۤءُكَ وَ لَقَدَّسَتْ اَسْمَاءُكَ وَ عَظُمَتْ نَعْمَاءُكَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا اَعُوْذُ

www.waseemziyai.com

بِكَ مِنْ حَرَّةِ الْحِرْصِ وَ شِدَّةِ الطَّمَعِ وَسُوْرَةِ الْغَضَبِ وَ سُنَّةِ الْغَفْلَةِ وَ تَعَاطِى الْكُلْفَةِ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّى اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُبَاهَاةِ الْمُكْثِرِيْنَ وَالْاِزْرَاءِ عَلَى الْمُقِلِّيْنَ وَاَنْ اَنْصُرَ ظَالِمًا اَوْ اَخْذُلَ مَظْلُوْمًا وَّاَقُوْلَ فِى الْعِلْمِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَوْ اَعْمَلَ فِى الدِّيْنِ بِغَيْرِ يَقِيْنٍ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاسْتَغْفِرُكَ لِمَا اَعْلَمُ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ عَنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ يَوْمِنَا هٰذَا صَلَاحًا وَّ اٰخِرَهٗ نَجَاحًا وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا○

○ —— اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَهٗ رَحْمَةً وَاَوْسَطَهٗ نِعْمَةً وَاٰخِرَهٗ مُكَرَّمَةً اَصْبَحْنَا اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْعَظَمَةُ وَالْكِبْرِيَاءُ لِلّٰهِ وَالْجَبَرُوْتُ وَالسُّلْطَانُ لِلّٰهِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَتِ الْاِسْلَامِ وَ كَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَ عَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِلَّةِ الْاَنْبِيَاءِ كَانَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○ يَا حَىُّ يَاقَيُّوْمُ يَا حَىُّ حِيْنَ لَا حَىَّ فِىْ دَيْمُوْمَةِ مُلْكِهٖ وَ بَقَائِهٖ يَا حَىُّ مُحْيِ الْمَوْتٰى يَا حَىُّ مُمِيْتُ الْاَحْيَاءِ وَوَارِثُ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ بِاَسْمَائِكَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ الْاَعْظَمِ الْاَجَلِّ الْاَعَزِّ الْاِكْرَامِ الَّذِىْ اِذَا دَعَيْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَيْتَ يَا نُوْرُ النُّوْرِ يَا مُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ يَا عَالِمَ مَا فِى الصُّدُوْرِ يَا سَمِيْعُ يَا قَرِيْبُ يَا مُجِيْبُ الدُّعَاءِ يَا لَطِيْفًا لِّمَا يَشَآءُ يَا رَءُوْفُ يَا رَحِيْمُ يَا كَبِيْرُ يَا عَظِيْمُ يَا اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ○ الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَىِّ الْقَيُّوْمِ○ يَا اِلٰهِىْ وَاِلٰهِ كُلِّ شَىْءٍ اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ○

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْتَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

www.waseemziyai.com

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَ عِلْمًا ٥ كٓهٰيٰعٓصٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ الرَّاء الٓمٓ نٓ يَا وَاحِدُ يَا قَهَّارُ يَا عَزِيْزُ يَا جَبَّارُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ يَا وَدُوْدُ يَا غَفُوْرُ وَهُوَ الَّذِىْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمِ ٥ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ بِاِسْمِكَ الْمَكْنُوْنَ الْمَخْزُوْنَ الْمُنَزَّلَ السَّلَامُ الْمُطَهِّرُ الطَّاهِرُ الْقُدُّوْسُ الْمُقَدَّسِ يَا دَهْرِ يَا دِيْهُوْرِ يَا اَبَدَ يَا اَزَلَ يَامَنْ لَّمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ وَلَا يَزُوْلُ هُوَ يَا هُوَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ يَامَنْ لَّا هُوَ اِلَّا هُوَ يَا مَنْ لَّا يَعْلَمُ مَا هُوَ اِلَّا هُوَ يَا كَانَ يَا كِيْنَانُ يَا رُوْحُ يَا كَانَ قَبْلَ كُلِّ كَوْنَ يَا كَائِنُ بَعْدِ كُلِّ كَوْنَ يَا مَكُوْنًا لِكُلِّ كَوْنَ اَهْيًا اَشَرَاهِيًّا اَوْزَاىْ اَصَوْتُ يَا فَجِلِىْ عَزَائِمِ الْاُمُوْرِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٌ لَّا يَخْشَعُ وَدُعَاءٍ يَسْمَعُ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَعَذَابَ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاءِ وَالْمَمَاتِ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِىْ وَ بَصَرِىْ وَ لِسَانِىْ وَقَلْبِىْ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالذِّلِ وَالْمَسْكَنَةِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاِخْلَاقِ وَ ضِيْقَ الْاَرْزَاقِ وَالسَّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصُّمِّ وَالْبُكْمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجِذَامِ وَالْبَرَصِ وَسَائِرَ الْاِسْقَامِ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَمِنْ تَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَمِنْ فَجَاءَ ةِ نِعْمَتِكَ وَمِنْ جَمِيْعِ سَخَطِكَ ٥

○ ـــــ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصَّلٰوةَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلَةً وَّاٰجِلَهٗ مَا عَمِلْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلَةً وَّاٰجِلَهٗ مَا عَمِلْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قُرْبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قُرْبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَسْئَلُكَ مَا سَئَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْتَعِيْذُكَ بِمَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْئَلُكَ مَا قَضَيْتَ لِىْ مِنْ اَمْرًا اَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَةَ رَشَدًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِىْ شَاْنِىْ كُلِّهٖ يَا نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا جَمَالُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا عِمَادَ السَّمٰوٰتِ

www.waseemziyai.com

وَالْاَرْضِ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ يَا غَوْثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ يَا مُنْتَهٰى رَغْبَةِ الرَّاغِبِيْنَ وَالْمُفَرِّجَ عَنِ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَالْمُرَوِّحَ عَنِ الْمَغْمُوْمِيْنَ وَمُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَكَاشِفَ السُّوْءِ وَاَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَاِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ وَرَبَّكَ كُلِّ حَاجَةٍ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ وَاَقِلْنِيْ عَثَرَاتِيْ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِيْ رِضَاكَ ضُعْفِيْ وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِيْ٥ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ فَقِيْرٌ فَاَغْنِنِيْ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ٥ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اِنَّهٗ لَنْ يُّصِيْبَنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَالرِّضَا بِمَا قَسَمْتَ لِيْ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ يَا هَادِيَ الْمُضِلِّيْنَ يَا رَاحِمَ الْمُذْنِبِيْنَ وَمُقِيْلَ عَثْرَةِ الْعَاثِرِيْنَ اَرْحَمْ عَبْدَكَ وَالْخَطَرِ الْعَظِيْمِ وَالْمُسْلِمِيْنَ كُلُّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَ الْاَحْيَاءِ الْمَرْزُوْقِيْنَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ٥ اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْخَفِيَّاتِ رَفِيْعَ الدَّرَجَاتِ تُلْقِيَ الرُّوْحَ بِاَمْرِكَ عَلٰى مَنْ تَشَآءُ مِنْ عِبَادِكَ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْوَكِيْلُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ يَا مَنْ لَّا يَشْغَلُهٗ شَانٌ عَنْ شَانٍ وَلَا يَشْغَلُهٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَلَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْاَصْوَاتُ وَيَامَنْ لَا تُغَلِّطُهُ الْمَسَائِلُ وَلَا تَخْتَلِفُ، عَلَيْهِ اللُّغَاتُ وَيَامَنْ لَا يَتَبَرَّمُ بِاِلْحَاحِ الْمُسْلِمِيْنَ اَذِقْنِيْ بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ بِمَا تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا لَا يُرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَيْنِ الْاَبَدِ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ اِلٰى حُبِّكَ٥

○ —— اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلٰى خَلْقِكَ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتُوَفِّنِيْ مَا

www.waseemziyai.com

كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْعَدْلِ فِي الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدِ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَلَذَّةِ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءِ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اَقْسِمْ لِيْ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا يُدْخِلُنِيْ مَا يُدْخِلُنِيْ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُزْنَ خَوْفِ الْوَعِيْدِ وَسُرُوْرَ رَجَاءِ الْمَوْعُوْدِ حَتّٰى نَجِدَ لَذَّةَ مَا نُطْلُبُ وَخَوْفَ مَا مِنْهُ نَهْرُبُ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اَلْبِسْ وُجُوْهَنَا مِنْكَ الْحَيَاءَ وَاَمْلَاءِ قُلُوْبَنَا بِكَ فَرَحًا وَاَسْكِنْ فِيْ نُفُوْسِنَا مِنْ عَظْمَتِكَ مَصَائِبَةً وَذَلِّلْ جَوَارِحَنَا لِخِدْمَتِكَ وَاجْعَلْكَ اَحَبَّ اِلَيْنَا مِمَّا سِوَاكَ وَاجْعَلْنَا نَخْشٰى لَكَ مِمَّنْ سِوَاكَ نَسْئَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ بِتَمَامِ التَّوْبَةِ وَدَوَامَ الْعَافِيَةِ بِدَوَامِ الْعِصْمَةِ وَاَدَاءِ الشُّكْرِ بِحُسْنِ الْعِبَادَةِ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بَرَكَةَ الْحَيٰوةِ وَخَيْرَ الْحَيٰوةِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْحَيٰوةِ وَشَرِّ الْوَفَاةِ وَاَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا بَيْنَهُمَا اَحْيِنِيْ حَيٰوةَ السُّعَدَاءِ حَيٰوةَ مَنْ تُحِبُّ بُقَاءَهٗ وَتَوَفَّنِيْ وَفَاةَ الشُّهَدَآءِ وَفَاةَ مَنْ تُحِبُّ لِقَاءَهٗ يَا خَيْرَ الرَّازِقِيْنَ وَاَحْسَنَ التَّوَّابِيْنَ وَاَحْكَمَ الْحَاكِمِيْنَ وَاَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَرَبَّ الْعَالَمِيْنَ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مَا خَلَقْتَ وَاغْفِرْ مَا قَدَّرْتَ وَطَيِّبْ مَا رَزَقْتَ وَتَمِّمْ مَا اَنْعَمْتَ وَتَقَبَّلْ مَا اَسْتَعْمَلْتَ وَاحْفَظْ مَا اَسْتَحْفَظْتَ وَلَا تَهْتِكْ مَا سَرَرْتَ فَاِنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ لَذَّةٍ بِغَيْرِ ذِكْرِكَ وَمِنْ كُلِّ رَاحَةٍ بِغَيْرِ خِدْمَتِكَ وَمِنْ كُلِّ سُرُوْرٍ بِغَيْرِ قُرْبَتِكَ وَمِنْ كُلِّ فَرَحٍ بِغَيْرِ مَجَالِسَتِكَ وَمِنْ كُلِّ شُغْلٍ بِغَيْرِ مَعَامَلَتِكَ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عِدْتُّ فِيْهِ ○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ عَقْدٍ عَقَدْتُهٗ ثُمَّ لَمْ اَوْفِ بِهٖ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلٰى فَقَوِيَّتُ بِهَا عَلٰى مَعْصِيَتِكَ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ عَمِلْتُهٗ لَكَ فَخَالَطَهَا مَا لَيْسَ لَكَ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّيْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَسْئَلُكَ جَوَامِعَ الْخَيْرِ وَفَوَاتِحَهٗ وَخَوَاتِيْمَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَوَامِعِ الشَّرِّ فَوَاتِحَهٗ وَخَوَاتِمَهٗ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ احْفَظْ فِيْمَا اَمَرْتَنَا وَاحْفَظْنَا عَمَّا نَهَيْتَنَا وَاحْفَظْ لَنَا مَا اَعْطَيْتَنَا يَا حَافِظَ الْحَافِظِيْنَ وَيَا ذَاكِرَ الذَّاكِرِيْنَ وَيَا شَاكِرَ الشَّاكِرِيْنَ بِذِكْرِكَ ذَكَرُوْا وَبِفَضْلِكَ شَكَرُوْا يَا غِيَاثُ يَا مُغِيْثُ يَا مُسْتَغَاثُ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طُرْفَةَ عَيْنٍ فَاهَلْكَ وَلَا اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَاَضِيْعُ

www.waseemziyai.com

اکلاءَنی کلّا کلامَتی الْوَلِیْدِ وَلا تخل عَنِّیْ وَتوَلّنِیْ بِمَا تَتَوَلّی بِہٖ عِبادَكَ الصّالِحِیْنَ اَنا عَبْدُكَ وَابْنِ عَبْدِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ جَارٍ فِیْ حُکْمِكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَائِكَ نَافِذٌ فِیْ مَشِیَّتِكَ اَنْ تُعَذِّبَ فَھَلْ ذٰلِكَ اَنَا وَاَنْ تَرْحَمْ فَھَلْ ذٰلِكَ اَنْتَ فَافْعَلْ۝ اَللّٰھُمَّ یَا مَوْلَایَ یَا اَللّٰہُ یَا رَبِّ بِمَا اَنْتَ لَہٗ اَھْلٌ وَلا تَفْعَلْ۝

۝ — اَللّٰھُمَّ یَا رَبِّ یَا اَللّٰہُ مَا اَنَا لَہٗ اَھْلٌ اِنَّكَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَةِ یَامَنْ لَّا یَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلا تَنْفَعُہُ الْمَغْفِرَةِ ھَبْ لِیْ مَا لا یَضُرُّكَ وَاَعْطِنِیْ مَالَا یَنْقُصُكَ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّالِحِیْنَ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّاحِمِیْنَ رَبَّنَآ عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۝ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۝ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

۝ — اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْزُقْنَا الْعَوْنَ عَلَی الطَّاعَةَ وَالْعِصْمَةَ مِنَ الْمَعْصِیَةِ وَاَنْوَاعِ الصَّبْرِ فِی الْخِدْمَةِ وَاِیْذَاعِ الشُّکْرِ فِی النِّعْمَةِ وَاَسْئَلُكَ حُسْنَ الْخَاتِمَةِ وَاَسْئَلُكَ الْیَقِیْنِ وَحُسْنَ الْمَعْرِفَةِ بِكَ وَاَسْئَلُكَ الْمُحَبَّةِ وَحُسْنَ التَّوَکُّلُ عَلَیْكَ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَا وَحُسْنَ الثِّقَةِ بِكَ وَاَسْئَلُكَ حُسْنَ الْمُنْقَلِبِ اِلَیْكَ۝

۝ — اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۝ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۝

۝ — اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَرَجًا عَاجِلًا۝ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝

۝ — اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ وَلَدَ وَارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا وَاغْفِرْ مِنَا لِاَعْمَالِنَا وَعَمَّاتِنَا وَاِخْوَالِنَا وَخَالَاتِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَالْجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ الْاَمْوَاتِ یَا اَرْحَمَ الرّاحِمِیْنَ یَا خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ۝

دعا عبادت کا مغز ہے۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا کہ یہ دعائیں مکمل طور پر لکھ دی جائیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اہلِ صدق وصفا اور شب بیدار حضرات ان کی بدولت خیر و برکت پائیں گے۔ ان دعاؤں کو شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں تحریر کیا ہے۔

اس لئے ان کے مستند ہونے میں کوئی شک کی بات نہیں۔ یہ دعائیں خیر و برکت کا ذریعہ ہیں۔ انہیں ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔ تنہا بھی اور جماعت کے ساتھ بھی، — خواہ وہ امام ہو یا مقتدی ہو، ہر ایک کو پڑھنے کی اجازت ہے، اور چاہے تو انہیں مختصر کر کے بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۰:

صوفیاء کے روزانہ کے معمولات

عبادات کیلئے پُرسکون جگہ کا تعیّن:

صوفی کو چاہئے کہ اپنی عبادت کے لئے ایک مخصوص جگہ کا تعین کر لے۔ جہاں وہ قبلہ رو ہو کر نماز ادا کیا کرے، ــــ اگر اس متیعنہ جگہ پر لوگوں کے باتیں کرنے سے یا کسی اور چیز کی وجہ سے توجہ بٹ جاتی ہو یا نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو جگہ بدل لے اور کسی ایسی جگہ پر منتقل ہو جائے جو پہلے کی نسبت محفوظ و مناسب اور پُرسکون ہو۔ کیونکہ عبادت کے معمولات کے لئے خاموشی اور ترک کلام لازم ہیں۔ ان کے اثرات سے اہلِ دل و اہل صدق وصفا بخوبی واقف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پہلو کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

یومیہ معمولات کا آغاز:

ایک جگہ مخصوص کر لینے کے بعد اپنے یومیہ معمولات کا یوں آغاز کرے:

○ ــــ سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھے، ــــ پھر دو آیتیں وَاِلٰـهُـكُـمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ــــ اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں، ــــ اور اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور اس سے پہلے کی ایک آیت (جو سورہ بقرہ کے آخر میں ہے) پڑھے۔

○ ــــ پھر شَهِدَ اللّٰهُ (جو پارہ ۳، سورہ آل عمران کے دوسرے رکوع میں ہے) ــــ پھر قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ (جو پارہ ۳، سورہ ال عمران کے تیسرے رکوع میں ہے) اور اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی آیت کو اَلْمُحْسِنِيْنَ تک پڑھے۔

○ ــــ پھر لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کو آخر تک پڑھے (جو پارہ ۱۱، سورہ توبہ کے آخر میں ہے)

○ ــــ پھر قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ پڑھے (جو پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں ہے)

○ ــــ پھر سورہ کہف کے آخر کی آیات جو اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہیں، پڑھے۔

○ ــــ پھر سورہ الانبیاء کی وہ آیت جو وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا سے شروع ہو کر خیر الوارثین پر ختم ہوتی ہے، پڑھی جائے۔

○ ــــ پھر یہ آیتیں سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ اور سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ تا آخر سورت پڑھے۔ (جو پارہ ۲۳، سورہ والصافات میں ہے)

○ ـــ پھر لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ تا آخر سورت (پارہ ۲۶، سورہ الفتح) پڑھے۔

○ ـــ اور اوّل سورۃ الحدید (پارہ ۲۷) تا بذات الصدور پڑھے، ـــ اس کے بعد سورہ حشر کی آخری آیات (پارہ ۲۸) لَوْ اَنْزَلْنَا پڑھے۔

○ ـــ یہ سب آیات پڑھ کر ۳۳ بار سبحان اللہ، ـــ ۳۳ بار الحمد للہ، ـــ ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھے، ـــ ان کے بعد ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ پڑھے۔

ان آیات کو پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت (خواہ زبانی خواہ ناظرہ) کرے ـــ یا دوسرے ذکر اذکار میں مشغول ہو جائے۔

اوراد و اذکار کے دوران احتیاطیں:

○ ـــ ان اعمال کے دوران کسی طرح کی کوتاہی سستی یا غنودگی کا عمل دخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس وقت سونا قطعاً مکروہ ہے، ـــ اگر نیند غالب آنے لگے تو جاء نماز پر قبلہ رو کھڑا ہو جائے۔ اگر اس طرح بھی غنودگی سے چھٹکارا نہ ہو تو قبلہ کی طرف چند قدم چلے، اور اسی طرح الٹے قدم واپس آجائے، قبلہ کی طرف پشت نہ کرے۔

○ ـــ ہمیشہ قبلہ رو ہو کر ہی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔

○ ـــ نیند کو ترک کرنے اور لوگوں سے بات چیت نہ کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے۔

○ ـــ اس وقت الحمد للہ کا ورد بہت ہی تاثیر رکھتا ہے۔ ہم طالبانِ حق کو اس کا ورد کرنے کی تلقین و تاکید کرتے ہیں۔

○ ـــ اپنے اوراد و اذکار میں زبان و دل دونوں کو شامل کریں۔

یہ معمولات جو بیان کئے گئے ہیں۔ یہ طلوع آفتاب سے پہلے دن کے ابتدائی حصے کے ہیں۔ دن چونکہ آفات کا مرکز شمار کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر ان معمولات سے اپنے دن کا آغاز کیا جائے اور ان سے دل کو مضبوط کیا جائے تو اس کے باقی اوقات کے لئے ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد بن جائے گی۔

طلوع آفتاب کے وقت اذکار و اوراد:

جب طلوع آفتاب قریب ہو تو مسبعات عشرہ پڑھنا شروع کرے۔ مسبعات عشرہ حضرت خضر علیہ السلام نے شیخ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم فرمائے تھے۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام نے سبعاتِ عشرہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے۔ چنانچہ جب کوئی ان کا ورد کرے تو تمام اذکار اور متفرق دعائیں یکجا کر لیا کرے۔

یہ مسبعات عشر دس چیزیں ہیں جو سات سات بار پڑھی جاتی ہیں (اس لئے انہیں سبعہ کہا جاتا ہے) ـــ وہ دس سورتیں یا آیتیں یہ ہیں:

○ ـــ سورہ فاتحہ ○ ـــ سورہ الناس ○ ـــ سورہ فلق

○ ـــ سورہ اخلاص ○ ـــ سورہ کافرون ○ ـــ آیت الکرسی

○ ـــ سبحان اللہ ○ ـــ الحمد للہ ○ ـــ اللہ اکبر

www.waseemziyai.com

○ — لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیجے، — اور اپنے والدین اور تمام مومن مردوں اور عورتوں اور اپنے لئے مغفرت طلب کرے، — پھر سات بار یہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ افْعَلْ لِیْ وَبِھِمْ عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مَا اَنْتَ لَہٗ اَھْلٌ وَّلَا تَفْعَلْ بِنَا یَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَہٗ اَھْلٌ اِنَّکَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ جَوَّادٌ کَرِیْمٌ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

مذکور ہے کہ جب شیخ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیم کردہ دعا کو پڑھا تو انہوں نے خواب میں خود کو بہشت میں پایا۔ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے موجود تھے۔ شیخ ابراہیم نے بہشت کا کھانا بھی کھایا، — کہا جاتا ہے کہ اس خواب کے بعد انہوں نے چار ماہ تک کچھ نہیں کھایا۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ بہشت کے کھانے کا اثر تھا۔

مسبعات سے فارغ ہونے کے بعد تسبیح و استغفار میں مشغول رہے۔ یہ معمول آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر بلند ہونے تک جاری رکھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک ہی نشست میں نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام آزاد کئے جائیں۔''

نمازِ اشراق:

جب آفتاب اچھی طرح بلند ہو جائے تو اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول مبارک تھا، — اس دوگانہ نماز کو حضوریٔ قلب کے ساتھ ادا کیا جائے تو پڑھنے والے کا باطن پُرسکون اور نورانی ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس میں خلوص اور صداقت ہو، — اگر کوئی دعا کے فوری اثر اور برکت کا طالب ہو تو وہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۱۸) آخر آیت تک پڑھے، — یہ نماز پڑھتے وقت اس کی یہ نیت ہو:

''اللہ نے اسے دن اور رات میں جو نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کا شکر ادا کر رہا ہے۔''

پہلی دو رکعتوں کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِیْعُ دَفْعَ مَا اَکْرَہُ وَلَا اَمْلِکُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْا وَصْبَحَتْ اَمْرَتَنَا بِعَمْلِیْ وَاَصْبَحَ اَمْرِیْ فَلَا فَقْرَ مِنِّیْ ○

اَللّٰھُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَدُوِّیْ وَلَا تَسِیْ بِیْ صَدِیْقِیْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّیْ وَلَا مُبَلَّغَ عِلْمِیْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ مَنْ لَّا یَرْحَمُنِیْ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الذُّنُوْبِ الَّتِیْ تَنْزِیْلَ النَّعِیْمِ ○ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الذُّنُوْبِ الَّتِیْ تُوْجِبُ النِّقَمِ ○

اس کے بعد مزید دو رکعتیں ادا کرے، — پہلی رکعت میں سورہ فلق اور دوسری رکعت میں سورہ الناس پڑھے، — یہ دوگانہ

www.waseemziyai.com

نمازاس شکرانے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دن اور رات کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھا، ــــ ان دو رکعتوں کے بعد پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا پڑھے:

اَعُوْذُ بِاسْمِكَ وَكَلِمَتِكَ التَّامَةِ مِنْ شَرِّ السَّامَةِ وَالْهَامَّةِ۝ وَاَعُوْذُ بِاسْمِكَ وَكَلِمَتِكَ التَّامَةِ مِنْ شَرِّ عَذَابِكَ وَشَرِّ عِبَادِكَ وَاَعُوْذُ بِاسْمِكَ وَكَلِمَتِكَ التَّامَةِ مِنْ شَرِّ مَا يَجْرِىْ بِهِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِنَّ رَبِّىَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝

ان رکعتوں کے بعد مزید دو رکعتیں اس نیت سے پڑھے کہ وہ اس کے دن رات کے اعمال کے لئے استخارہ ثابت ہوں، ــــ یہ استخارہ صرف اس دعا کے مفہوم کے مطابق ہے۔ ورنہ حدیث میں جس استخارہ کا ذکر ہے وہ ہے جو کسی کام کے کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے، ــــ ان دو رکعتوں میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص اور وہ دعا پڑھی جائے جو ذکر کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد آخر میں یہ کہے:

''الٰہی! میرے آج کے ہر قول و فعل میں مجھے صبر عطا فرما۔''

اس دعا کے بعد دو رکعتیں اور پڑھے، ــــ پہلی رکعت میں سورہ واقعہ اور دوسری رکعت میں سورہ الاعلیٰ پڑھی جائے، ــــ ان رکعتوں کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَىَّ وَخَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِىْ وَاقْطَعْ عَنِّىْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا هُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِىْ بِعِبَادَتِكَ وَاجْعَلْ طَاعَتَكَ فِىْ كُلِّ شَىْءٍ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۝

اس دعا کے بعد دو رکعتیں اور پڑھے جن میں قرآن کریم کا مقرر کردہ ورد پڑھا جائے۔

نماز اشراق کے بعد:

اشراق کی رکعتیں ادا کرنے کے بعد اگر کوئی دنیاوی کاموں سے آزاد ہو تو وہ دوپہر تک نماز، تلاوت اور اوراد و وظائف میں مشغول رہے، ــــ اگر کوئی اپنے یا اہل و عیال کے لئے روزی کمانے میں مصروف ہو تو وہ اپنے کام پر جائے۔

گھر سے باہر نکلنے پر نوافل کی ادائیگی:

گھر سے باہر نکلنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنا معمول بنا لے کہ ہمیشہ گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے باہر نکلنے کی سب برائیوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، ــــ

گھر میں آنے سے پہلے نفل اور دعا:

اسی طرح گھر میں آنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے گھر میں داخل ہونے کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ نوافل پڑھ کر گھر میں داخل ہو کر اپنی اہلیہ اور دوسرے گھر والوں کو سلام کرے، اور اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی سلام کرے اور یہ

www.waseemziyai.com

کہے،

اَلسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝

چاشت کی نماز:

اگر کوئی فکر معاش سے آزاد ہو تو اس کے لئے مناسب ہے کہ اس وقت چاشت کی نماز پڑھے، —— اگر اس کی کوئی نماز قضا ہو تو ایک دو دن یا اس سے زیادہ دنوں کی قضا نمازیں ادا کرے، —— اگر کوئی نماز قضا نہیں ہے تو چاشت کی نماز کی رکعتیں طویل صورت میں ادا کرے، —— بعض بزرگ دن رات میں پورا قرآن حکیم ختم کر لیا کرتے تھے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو چند ہلکی رکعتیں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص یا دوسری قرآنی آیات پڑھ لیا کرے۔ ان رکعتوں میں ایسی دعائیہ آیات بھی پڑھے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۝

ایسی دعائیہ آیتیں ہر رکعت میں پڑھیں۔ خواہ ایک بار پڑھیں یا بار بار پڑھی جائیں۔ اہلِ حق کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد اشراق اور چاشت کی نمازوں کے درمیان ہلکی سو رکعتیں پڑھ لیتے ہیں۔ —— اسی طرح بعض بزرگانِ دین دن رات میں سو، دو سو، پانچ سو بلکہ ایک ہزار تک رکعتیں بھی پڑھ لیتے تھے۔ جن لوگوں کا دنیا میں کوئی مشغلہ نہیں اور انہوں نے دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا ہو، وہ اپنا وقت بے کاری میں نہیں گزارتے تھے۔ وہ اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں وقت صرف کرتے اور اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جسے دنیا کی حاجت ہو، اس کا دل اللہ کے ذکر میں پوری طرح مشغول نہیں رہتا۔"

چاشت کا وقت:

آفتاب جب بہت بلند ہو جائے اور فجر و ظہر کے درمیان کا وقت جب آدھا گزر جائے جس طرح عصر کا وقت، ظہر اور مغرب کے درمیانی وقت کا آدھا ہوتا ہے، اس وقت چاشت کی نماز پڑھی جائے۔ چاشت کی نماز کے لئے یہ وقت افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"چاشت کی نماز کا وہ وقت ہے جب اونٹ کا بچہ آفتاب کی گرمی سے بچنے کیلئے اپنی ماں کے سائے میں سوئے" ——

بعض حضرات نے چاشت کے وقت کی یہ پہچان بتائی ہے:

"یہ وہ وقت ہے جب آفتاب کی گرمی سے پاؤں میں پسینہ آجائے۔"

نماز چاشت کی رکعتیں:

چاشت کی نماز کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، —— ہر دو رکعت کے بعد اپنے لئے دعا کرے اور تسبیح و استغفار میں مصروف رہا جائے۔

تسبیح و استغفار کے بعد اگر اس پر بندوں کے کچھ حقوق ہوں تو پہلے وہ ادا کئے جائیں۔ جیسے:

www.waseemziyai.com

○ — کسی سے ملنا ضروری ہے یا ملاقات طے ہے۔

○ — یا کسی بیمار کی عیادت کرنا ہے۔

پہلے اس سے فراغت حاصل کرے، پھر تسبیح و استغفار میں مشغول ہو جائے۔ جب تک اس کا بدن اور قلب تھکن محسوس نہ کرے۔ اگر بدن تھکن محسوس کرے تو باطنی توجہ سے کام لے اور جب تک دل کا سکون برقرار رہے اور نفس بخوشی اس میں مصروف رہے تب تک نماز پڑھتا رہے۔

نماز چاشت کے بعد:

نماز سے تھک جائے تو تلاوت میں مشغول ہو جائے کیونکہ نماز کے مقابلے میں نفس کے لئے تلاوت زیادہ آسان ہے، — اور جب تلاوت سے بھی تھک جائے تو زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرے، کیونکہ یہ تلاوت سے بھی زیادہ آسان ہے، — اور جب ذکر سے تھک جائے تو زبانی چھوڑ کر قلب سے مراقبہ کرے۔ قلب کا یہ مراقبہ اللہ کی طرف دھیان دینے سے ہوتا ہے۔ جب تک اللہ کی طرف دھیان رہے گا وہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ بھی ذکر کے برابر بلکہ بعض پہلوؤں سے اس سے افضل ہے۔

جب مراقبہ سے بھی دل اکتا جائے اور نفسانی وسوسے اس پر چھانے لگیں تو پھر مناسب یہ ہے کہ سو جائے کیونکہ سو جانے میں عافیت اور سلامتی ہے۔ ورنہ نفسانی وسوسے اور خیالات قلب کو سخت بنا دیتے ہیں۔ جس طرح زیادہ بولنا دل کو سخت بنا دیتا ہے۔ نفسانی وسوسے بھی زبان سے بولے بغیر ایک طرح کی گفتگو ہے، چنانچہ اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، — حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نفسانی خیالات (روحانیت کا) بدترین گناہ ہیں۔"

ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کا خیال رکھنا:

طالبِ حقیقت کو اپنے باطن کا بھی ویسے ہی خیال رکھنا چاہئے جیسے وہ اپنے ظاہر کا خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ گزشتہ دیکھے سنے واقعات اور گزری ہوئی باتیں جب خیال میں آتے ہیں تو اس وقت طالبِ حقیقت باطنی طور پر ایک دوسرا شخص بن جاتا ہے۔ اس لئے اسے مراقبہ اور دلی توجہ سے باطن کو اسی طرح پابند بنانا چاہئے جس طرح ظاہر کو عمل اور طرح طرح کے ذکر سے پابند بنایا ہے۔

ایک طالبِ حقیقت کو چاشت کی نماز سے زوال تک سو رکعتیں پڑھ لینا چاہئیں — اور ان کی کم سے کم تعداد بیس رکعتیں ہونا لازم ہیں۔ چاہے وہ رکعتیں ہلکی ہوں، — یا وہ ہر دو رکعتوں میں قرآن حکیم کا کم از کم ایک پارہ پڑھے، — بہرحال چاشت کی نماز اور اس کے بعد کی مقررہ تعداد کی رکعتیں ادا کر کے سونا چاہئے۔

دن کے وقت سونا:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صوفیاء کرام جب نماز اور اوراد و وظائف سے فارغ ہوتے تھے تو وہ سلامتی اور عافیت کے لئے سو جاتے تھے۔"

www.waseemziyai.com

دن کا یہ سونا بھی فائدے لئے ہوئے ہے:

○ — دن میں سو جانے سے شب بیداری میں مدد ملتی ہے۔

○ — اس سے نہ صرف نفس کو آرام ملتا ہے بلکہ دن کے باقی حصہ میں کام کرنے کے لئے بھی تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب وہ دن کے وقت سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو باطن کو نشاط و سرور حاصل ہوتا ہے اور اس میں کام کرنے کا شوق اسی طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح کہ صبح کے وقت تھا۔ اس طرح نیند کے بعد اسے ایک دن میں دو دن میسر آجاتے ہیں۔ وہ اس وقت کو اللہ کی خدمت کے لئے غنیمت سمجھتا ہے اور پھر مسلسل کام میں لگا رہتا ہے۔

دن کے دونوں اطراف کی نمازیں:

طالبِ حقیقت کے لئے مناسب یہ ہے کہ زوال سے پہلے نیند سے بیدار ہو جائے، تا کہ پہلے سے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال کے بعد ذکر و تسبیح اور تلاوت میں مشغول ہو جائے۔ ارشاد باری ہے:

○ — ''دن کے دونوں طرفوں میں نماز قائم کرو'' — نیز فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ○

○ — ''طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء میں مشغول ہو جاؤ اور رات کے وقت بھی تسبیح پڑھو۔''

ان آیات کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر مراد ہے، — اور غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز مراد ہے، — اور ومن اٰناء اللیل فسبح سے نماز عشاء مراد ہے، — دن کے دونوں اطراف سے مراد ظہر اور مغرب کی نماز ہے کیونکہ ظہر دن کے ایک حصے کا آخری کنارہ ہے، اور مغرب دن کے دوسرے حصے کا آخری کنارہ ہے، — چنانچہ وہ دن کے دوسرے حصے کا بھی بیداری اور اللہ کے ذکر کے ذریعے ویسے ہی استقبال کرے جیسے اس نے دن کے پہلے حصے کا استقبال کیا تھا، — اور جس طرح وہ رات کے وقت سو کر صبح تر و تازہ ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ دن کے وقت سو کر دن کے دوسرے حصے کے لئے تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

زوال کی نماز:

سالک کو چاہئے کہ زوال کے بعد اوّل وقت میں ظہر کی سُنتوں اور فرض سے ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ نماز ظہر سے پہلے اس کے اوّل وقت میں زوال کی نماز کہلاتی ہے۔ مگر احتیاط اس بات کی ہے کہ موذنوں کی اذان سے پہلے اس کے اوّل وقت کو اچھی طرح معلوم کر لیا جائے تا کہ زوال کا مکروہ وقت نکل جائے۔ اس کے بعد زوال کی نماز شروع کی جائے اور اس دوران اذان کی آواز بھی سنائی دے سکے، — اذان سننے کے بعد نماز ظہر کی تیاری کرے، اور کسی کے ساتھ ملنے ملانے یا نشست و برخاست سے دل میں کچھ میل آ گیا ہو تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کرے اور گڑگڑا کر دعا مانگے۔

www.waseemziyai.com

ظہر کی نماز اس وقت تک شروع نہ کرے جب تک کہ اس کا باطن صفا ہوکر اپنی اصل حالت کو نہ لوٹ جائے۔ کیونکہ مناجات کی حلاوت سے لطف اندوز ہونے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ نماز سے بھرپور کیف و سرور حاصل کرسکیں، — یہ کدورت جس کا ابھی ذکر ہوا، بعض اوقات جائز امور سے بھی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے دل میں گرہ بیٹھ جاتی ہے، — مذکور ہے کہ بعض نیکوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین بارگاہِ الٰہی کے لئے برائیاں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کدورت سے چھٹکارا حاصل کرلیا جاتا ہے، پھر وہ نماز ادا کرتے ہیں۔

دلی کدورت کا علاج:

اہل و عیال کے پاس بیٹھنے سے جو کدورت پیدا ہوتی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ انسان جب ان کی صحبت اختیار کرے تو ان کی طرف دلی طور پر مائل نہ ہو، بلکہ ان کی ہم نشینی میں بھی اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ کی طرف یہ توجہ اس ہم نشینی اور صحبت کا کفارہ بن جاتی ہے، — اگر کسی کا روحانی حال قوی ہو تو مخلوق اسے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتی کہ جو اس کے باطن پر گرہ لگانے کا سبب بن سکے۔ اس لئے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا قلب اور باطن بالکل صاف ہوتا ہے اور مخلوق کی ہم نشینی کے باوجود اس کا نفس روحانی کشش پاتا ہے۔ اس کی باطنی آنکھ بارگاہِ الٰہی کے مشاہدہ میں لگی رہتی ہے، اور اس کی بدولت اس کے باطن پر گرہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ظہر کے معمولات:

زوال کی نماز باطن کی گرہیں کھولتی ہے اور باطن کو ظہر کی نماز کے لئے تیار کرتی ہے۔ جب دن طویل ہوں تو زوال کی نماز میں سورہ بقرہ جیسی طویل سورتیں پڑھی جائیں، — اور جب دن چھوٹے ہوں تو جس قدر سہولت اور آسانی سے پڑھا جا سکے، قرآن حکیم پڑھے، — ارشاد باری ہے:

وَ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝

''رات کے وقت بھی اللہ کی حمد کرو، اور اس وقت بھی جب تم ظہر کرتے ہو۔''

اس ارشاد باری سے یہی مراد ہے کہ اگر کوئی ظہر کی سُنتوں کے بعد فرض نماز کی جماعت کا انتظار کر رہا ہے تو جماعت کھڑی ہونے تک وہ دعائیں پڑھے جو فجر کی سُنتوں اور فرض کے درمیان پڑھی جاتی ہیں۔ تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دعائیں بھی پڑھی جاسکیں گی جو رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

ظہر کے بعد کے وظائف:

ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر سورۃ فاتحہ اور آیت الکرسی پڑھے، — پھر ۳۰، ۳۰ بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھے، — صبح کی نماز کے سلسلہ میں جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ہمت کرکے وہ سب دعائیں پڑھے، جس کا عزم صادق ہو وہ اللہ کے ذکر میں سے کسی کو بھاری نہیں خیال کرتا۔

www.waseemziyai.com

ظہر اور عصر کے درمیان اسی طرح عبادت میں مشغول رہے جس طرح مغرب اور عشاء کے درمیان مشغول رہا جاتا ہے۔ اس عبادت کی ترتیب یہ ہونی چاہئے:

○ ــــ پہلے نماز، ○ ــــ پھر تلاوت، ○ ــــ اس کے بعد ذکر، ○ ــــ پھر مراقبہ

جو سالک عموماً بیدار رہتا ہو وہ طویل دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان کچھ دیر کے لئے سو جائے، ــــ اور جو سالک ظہر اور عصر کے درمیان دو رکعتوں میں قرآن حکیم کا چوتھائی حصہ پڑھ لے، ــــ یا چار رکعتوں میں چوتھائی حصہ قرآن حکیم پڑھ لے تو یہ بہت ہی خیر و برکت کا باعث ہے، ــــ طویل دنوں میں ان اوقات میں سو رکعتیں یا کم از کم بیس رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ ان رکعتوں میں سورہ اخلاص ایک ہزار بار (یعنی فی رکعت پچاس بار) پڑھے۔

مسواک کی فضیلت:

سالک روزے سے ہو تو زوال سے پہلے مسواک کرے، ــــ اور اگر روزے سے نہ ہو تو اس وقت مسواک کرے جب منہ سے بو آنے لگے۔ حدیث شریف میں ہے:

''مسواک منہ کو صاف اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہے۔''

فرائض کے ادا کرنے کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے، ــــ مذکور ہے کہ مسواک کے بعد نماز پڑھنا ہے۔ بغیر مسواک کئے نماز پڑھنے سے ستر گناہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ بعض کے خیال میں یہ حدیث شریف ہے۔

نماز میں پڑھی جانے والی قرآنی دعائیں:

اگر کوئی ظہر اور عصر کے درمیان بیس رکعتیں پڑھنا چاہے تو ہر رکعت میں ایک یا ایک سے زیادہ قرآنی دعائیں/ دعائیہ آیتیں پڑھے، ــــ مثلاً پہلی رکعت میں یہ پڑھے:

○ ــــ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

دوسری رکعت میں دوسرے پارے کی یہ آیت پڑھے:

○ ــــ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

اس طرح ہر رکعت میں مندرجہ ذیل قرآنی دعاؤں میں سے کوئی آیت ہر رکعت میں نمبروں کی ترتیب سے پڑھتا جائے:

○ ــــ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا (پارہ ۳، آخر سورہ بقرہ)

○ ــــ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا (پارہ ۳، سورہ آل عمران، رکوع تا آخر آیت)

○ ــــ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا صلے رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (پارہ ۴، سورہ آل عمران کا آخری رکوع)

○ ــــ رَبَّنَا اٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (پارہ ۳، سورہ آل عمران)

○ ــــ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ۝ (پارہ ۹، سورہ الاعراف)

www.waseemziyai.com

○ —— فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ○ (پ۱۳، سورہ یوسف)

○ —— رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ○ (پ۱۳، سورہ ابراہیم)

○ —— وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا○ (پارہ۱۶، سورہ طٰہٰ)

○ —— لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○ (پارہ۱۷، سورہ الانبیاء)

○ —— رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ○ (پارہ۱۷، سورہ الانبیاء)

○ —— وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ○ (پارہ۱۸، سورہ مومنون)

○ —— رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا○ (پارہ۱۹، سورہ فرقان)

○ —— رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○

○ —— رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○ (پ۲۸، سورہ حشر، رکوع اول)

○ —— رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ○ (پ۲۸، سورہ ممتحنہ، رکوع اول)

○ —— رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا○ (پ۲۹، سورہ نوح)

سالک طریقت خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھے، دل وزبان کی ہم آہنگی کے ساتھ اگر پڑھے اوران آیتوں کا ورد کرے گا تو ممکن ہے کہ مقام احسان کو پالے۔ظہر وعصر کی دونفل رکعتوں میں مذکورہ بالا آیتیں تلاوت کرے اور ہر وقت اپنے آقا و مالک کی مناجات ودعا میں اور نماز میں مشغول رہنے سے بھی مقام احسان کا حصول ہوسکتا ہے۔

مختلف انداز سے عبادت کے پاکیزہ عمل میں لگاتار مشغول رہنا اور سارا دن آرام وراحت کے بغیر عبادت سے لطف وسرور اٹھانا اسی بندۂ حق کا حصہ ہے جس نے انتہائی تقویٰ، زُہداور پرہیز گاری سے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا ہو اور نفس کو جذبات کی پیروی سے آزاد کردیا ہو۔

نفسانی خواہش کے اثرات:

کسی سالک میں تقویٰ اور زُہد کے باوجود اگر نفسانی خواہش کا ذرہ سا بھی حصہ باقی رہ گیا ہو تو اس کی روح لگاتار اس عمل میں مشغول نہیں رہ سکتی۔ بلکہ اس صورت میں اس کی یہ حالت ہوتی ہے:

○ —— کبھی وہ مستعد اور نشاط انگیز ہوتی ہے۔

www.waseemziyai.com

○ — کبھی افسردہ اور تھکی ماندی دکھائی دیتی ہے۔

یہ چستی اور سستی کے متضاد جذبات اس میں باری باری پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ تقویٰ کی کمی یا دنیا کی محبت کی وجہ سے اس میں خواہشوں کی پیروی کا شائبہ باقی رہ گیا تھا، —

اور جو شخص زُہد و تقویٰ میں کامل ہو اور اس سے پوری طرح سے بہرہ ور ہو، — اگر اس کے اعضاء کسی وقت عبادت کا عمل چھوڑ بھی دیں تو اس کا قلب یہ عمل جاری کر لیتا ہے — اور عمل میں مطلق وقفہ نہیں آتا، — لہٰذا اگر کوئی عمل کی اس روح کو ہمیشہ جاری رکھنا چاہے اور عمل میں ثابت قدمی اور ہمیشگی کا خواہاں ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ نفسانی خواہشوں کا گلا گھونٹ دے، — یہ بات مسلمہ ہے کہ خواہش نفس کی روح ہے اور اس کا زائل ہونا محال ہے، مگر نفسانی خواہشوں کی پیروی کا جذبہ ختم ہو سکتا ہے۔

خواہش کی پیروی سے پناہ:

رسول اللہ ﷺ نے بھی خواہش کے وجود سے اللہ کی پناہ نہیں طلب کی تھی بلکہ نفسانی خواہشوں کی پیروی اور اتباع سے پناہ مانگی تھی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''الٰہی! میں نفس کی خواہش کی پیروی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، — اور طبعی بخل سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

جس طرح آپ ﷺ نے خواہش کے وجود سے پناہ نہیں طلب فرمائی بلکہ اس کی پیروی سے پناہ طلب فرمائی، — اسی طرح آپ نے طبعی بخل کے وجود سے بھی پناہ نہیں طلب فرمائی بلکہ اس کی پیروی سے پناہ طلب فرمائی ہے۔

قلب جتنا صاف ہوگا اور روحانی حالت جس قدر بلند ہوگی، نفسانی خواہش کی پیروی و اتباع کے دقیق نکتے واضح ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ اکثر یہ صورتیں پیش آتی ہیں:

○ — مخلوق کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان سے ہم کلام ہونا، اور اسے دیکھنے کی خواہش بھی نفسانی خواہشوں کی پیروی میں شمار ہوتا ہے۔

○ — کبھی کھانے پینے، سونے اور دیگر جائز خواہشوں میں افراط بھی نفسانی خواہشوں کی پیروی میں شمار ہوتا ہے۔

کیونکہ یہ سب کے سب دنیاداری کے مشاغل ہیں۔

نمازِ عصر اور اس کے وظائف:

طالبِ حق کو نماز عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا چاہئیں۔ اگر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے تو اس میں زیادہ فضیلت ہے، — اور اگر غسل کر لے تو اور بھی فائق ہے کیونکہ باطن کی روشنی اور نماز کی تکمیل میں ان چیزوں کے اثرات بہت واضح اور نمایاں ہیں۔

عصر کے فرضوں سے پہلے کی چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد بالترتیب یہ سورتیں پڑھے:

○ — اذا زلزلت، ○ — والعادیات، ○ — القارعہ، ○ — الھکم التکاثر

اس کے بعد عصر کے فرض ادا کرے، ــــ کبھی کبھار عصر کے فرضوں میں سورہ بروج بھی پڑھے۔ اس سے پھوڑوں کا مرض جاتا رہتا ہے۔

عصر کے فرض پڑھنے کے بعد ان وظائف اور دعاؤں میں سے جو ممکن ہو پڑھے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ نماز عصر کے بعد نوافل نہیں پڑھے جاسکتے۔ فقط تلاوت واذکار ہی پڑھے جاسکتے ہیں۔

نماز عصر کے بعد افضل عمل یہ ہے کہ ان علماء اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھے جن سے مریدوں کے ارادے پختہ ہوں اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو، ــــ ایسی محفل میں اگر کہنے اور سننے والے کی نیتیں اچھی ہوں تو یہ بزم آرائی اور بات چیت، اور تنہائی واذکار کی ہیشگی سے بہتر ہے، ــــ اگر ایسی محفلیں میسر نہ آسکیں یا ان تک رسائی آسان نہ ہو تو اس صورت میں مختلف اوراد و وظائف میں مصروف رہے، ــــ اگر اپنے ذرائع معاش کے سلسلے میں یا اپنے کاموں کی وجہ سے اسے باہر نکلنا پڑ جائے تو تو بہتر یہ ہے کہ ان سے دن کے ابتدائی حصے میں فارغ ہولے۔

جب گھر سے باہر نکلے:

معاش کے سلسلے میں یا کسی اور کام سے جب گھر سے نکلے تو باوضو ہونا چاہیے۔

بعض علمائے کرام نے نماز عصر کے بعد نماز طہارت کو مکروہ قرار دیا ہے، اور بعض مشائخ نے اس کی اجازت دی ہے، ــــ طالبِ حقیقت جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:

بِسۡمِ اللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ حَسۡبِیَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۝ اَللّٰهُمَّ اِلَيۡكَ خَرَجۡتُ وَاَنۡتَ اَخۡرَجۡتَنِیۡ۝

پھر سورۂ فاتحہ اور معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ الناس) پڑھے، ــــ اسے چاہئے کہ جس قدر قدرت میسر ہو روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ دیتا رہے۔ چاہے وہ ایک کھجور ہو یا ایک لقمہ ہو، ــــ نیک نیتی ہو تو تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو ایک بار انگور کا ایک دانہ عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اس ایک دانے میں بہت سے ذرّوں کا وزن ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے تلے ہوگا۔''

عصر کے بعد معمولات:

○ ــــ نماز عصر کے بعد نماز مغرب تک سو بار یہ پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ۝

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اسے سو بار پڑھے، اسے:

○ ــــ دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے،

www.waseemziyai.com

○ ـــ اس کے نام پر سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں،

○ ـــ اس کی سو برائیاں مٹائی جاتی ہیں،

○ ـــ وہ شام تک شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے،

اور اس سے بہتر کوئی عمل نہیں۔"

○ ـــ پھر سو بار یہ پڑھے: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ○

اس ورد کے بارے میں حدیث شریف میں ہے:

"جو اسے سو بار پڑھ لے تو دن بھر میں اس سے افضل اور کوئی کام نہیں۔"

اسی طرح مندرجہ اذکار بھی سو سو بار پڑھے:

○ ـــ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○

○ ـــ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ○

○ ـــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ○

○ ـــ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِىْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَسْاَلُهُ التَّوْبَةَ ○

○ ـــ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ○

میں نے مغرب کا ایک درویش مکہ معظمہ میں دیکھا۔ اس کے پاس تھیلی میں ایک ہزار دانے کی ایک تسبیح موجود تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ میں سارے دن میں مختلف اذکار کی یہ تسبیح بارہ بار (یعنی بارہ ہزار بار) پڑھ لیتا ہوں، ـــ ایک صحابی کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ دن رات میں اسی قدر ورد کر لیا کرتے تھے، ـــ ایک تابعی بزرگ دن رات میں تیس ہزار تسبیح کا ورد کر لیا کرتے تھے۔

○ ـــ مذکورہ بالا اوراد کے علاوہ سو بار یہ تسبیح بھی پڑھے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الدَّيَّانِ ○ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَشْدِيْدَ الْاَرْكَانِ ○ سُبْحَانَ مَنْ يُذْهِبُ بِاللَّيْلِ وَيَاْتِيْ بِالنَّهَارِ ○ سُبْحَانَ مَنْ لَّا يَشْغَلُهٗ شَانٌ عَنْ شَانٍ ○ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْحَنَّانِ الْمَنَّانِ ○ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمُسَبَّحِ فِىْ كُلِّ مَكَانٍ ○

مذکور ہے کہ ایک ابدال نے سمندر کے کنارے رات گزاری۔ آدھی رات گزرنے پر انہوں نے اس تسبیح کی آواز سنی ـــ کہنے لگے:

"یہ تسبیح پڑھنے والا کون ہے جس کی شخصیت مجھ سے اوجھل ہے۔"

جواب میں یہ آواز آئی:

"میں ایک فرشتہ ہوں جو اس سمندر پر مقرر ہے۔ جب سے میں پیدا ہوا ہوں تب سے یہ تسبیح پڑھ رہا ہوں۔"

ابدال نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟" ـــ کہا: "ملیھلیائل"

www.waseemziyai.com

ابدال نے دریافت کیا: ''اس تسبیح کا اجر کیا ہے؟'' — کہا:

''جو یہ تسبیح سو بار پڑھے گا وہ اس وقت تک انتقال نہیں کرے گا جب تک کہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔''

ایک آیت کے باطنی معانی:

روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے اس ارشاد باری کی تفسیر دریافت کی:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (پ۲۵، سورہ شوریٰ)

''اس کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے ایک بڑی بات دریافت کی ہے جو تمہارے علاوہ اور کسی نے نہیں پوچھی، اور وہ یہ ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ۝ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

جو ان کلمات کو صبح و شام دس بار پڑھے، اسے چھ فضیلتیں عطا ہوتی ہیں:

○ — پہلی فضیلت یہ ہے کہ اسے ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ و مامون رکھا جاتا ہے۔

○ — دوسری فضیلت یہ ہے کہ اسے ثواب کا ایک عظیم خزانہ ملتا ہے۔

○ — تیسری فضیلت یہ ہے کہ جنت میں اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔

○ — چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حور عین سے اس کا نکاح کرے گا۔

○ — پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اس کے لئے بارہ فرشتے استغفار کرتے ہیں۔

○ — چھٹی فضیلت یہ ہے کہ اسے حج وعمرہ کا ثواب دیا جائے گا۔

عصر کے بعد دیگر معمولات:

○ — اس وقت اور دن کے ابتدائی حصے میں یہ دعا بھی پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنْتَ هَدَيْتَنِيْ وَاَنْتَ تُطْعِمُنِيْ وَاَنْتَ تَقِيْنِيْ وَاَنْتَ تُمِيْتُنِيْ وَاَنْتَ تُحْيِيْنِيْ اَنْتَ رَبِّيْ لَا رَبَّ سِوَاكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ۝

○ — اس کے بعد یہ دعا پڑھیں:

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝ مَا شَآءَ اللّٰهُ كُلُّ نِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ ۝ مَا شَآءَ اللّٰهُ الْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدِ اللّٰهِ ۝ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ ۝

○ — اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھیں:

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

www.waseemziyai.com

رات کی آمد پر معمولات:

ان اوراد کے معمولات سے فارغ ہو کر رات کے استقبال کے لئے وضو کرے اور غروب آفتاب سے پہلے مسبعات پڑھے۔ پھر تسبیح واستغفار میں مشغول ہو جائے کہ جب آفتاب غروب ہو تو وہ تسبیح واستغفار میں مصروف ہو۔

غروب آفتاب کے وقت سورہ شمس، سورہ اللیل، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھے۔اس کے بعد دن کے استقبال کی مانند رات کا استقبال کرے، ——ارشاد باری ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْاَرَادَ شُكُوْرًا٥ (پ۹،سورہ فرقان)

''اور وہی اللہ ہے جس نے رات کو ایک دوسرے کا جانشین اس شخص کے لئے بنایا جو (اللہ کا) ذکر کرنا چاہئے یا وہ شکر گزار بنے۔''

جس طرح دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن، ——اسی طرح ایک سالک بھی ذکر و شکر کے ذریعے وابستہ رہے۔یعنی ذکر کے بعد شکر اور شکر کے بعد ذکر میں مصروف رہے، ——اور ان دونوں کے درمیان کوئی اور چیز نہ آنے پائے جس طرح دن اور رات کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی، ——قلب کے سب اعمال کا مجموعہ ذکر کہلاتا ہے، جبکہ اعضاء وجوارح کے اعمال کا مجموعہ شکر کہلاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (پ۲۲)

''اے آلِ داوٗد! عمل اور شکر کرو۔''

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com

باب نمبر۵۱:

شیخ کے لئے مرید کے آداب

سبقت نہیں صرف پیروی کرو:

صوفیاء کرام کے ہاں اپنے مشائخ کے لئے مریدوں کے آداب وحقوق بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ـــ اس بارے میں یہ حضرات رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (پ۲۶،سورہ حجرات)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"قعقاع بن معبد کو امیر بناؤ" ـــ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں، بلکہ اقرع بن حابس کو امیر ہونا چاہیے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا تم مجھ سے اختلاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں، میرا آپ سے اختلاف کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس معاملے میں اتنا اختلاف ہوا کہ ان صاحبان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت کی تفسیر:

○ ـــ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اس ارشاد باری سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بولنے سے پہلے مت بولا کرو۔"

○ ـــ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگ آپ ﷺ سے پہلے قربانی کرلیا کرتے تھے۔اس لئے انہیں منع کیا گیا کہ وہ آپ سے پہلے قربانی نہ کریں۔''

اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے یہ فرمایا کہ کاش ایسی اور باتوں پر وحی کا نزول ہوتا،

○ ــــ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں:

''اپنے پیغمبر کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔''

○ ــــ حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حکم سے مراد یہ ہے کہ قول و عمل کسی چیز میں بھی رسول اللہ ﷺ پر سبقت نہ کرو جب تک کہ آپ ہی کسی کام کا حکم نہ دیں۔''

مرید کا طریقہ اور طرز عمل:

مرید کا طرز عمل اور طریقہ یہی ہونا چاہئے کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار باقی نہ رہے، اور وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں بھی شیخ کے حکم کے بغیر تصرف نہ کرے۔ــــ اس سے پہلے ہم نے مشیخت کے باب میں اس کی وضاحت کردی ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں یہ بھی مذکور ہے کہ لَا تُقَدِّمُوْا سے مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلتے ہوئے آپ کے آگے نہ چلو، ــــ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اس کے آگے چل رہے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر ہے۔''

اس آیت کا ایک اور شان نزول بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھی۔ جب آپ ﷺ سے کوئی بات پوچھی جاتی تھی تو وہ لوگ آپ ﷺ سے پہلے خود ہی جواب دے دیتے۔اس لئے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا۔

مجلس شیخ میں مرید کے آداب:

مجلس شیخ میں مریدوں کے لئے بھی اس طرح کے آداب مقرر ہیں:

○ ــــ مرید شیخ کے سامنے بالکل خاموش بیٹھے اور شیخ کے سامنے کوئی اچھی بات بھی تب تک نہ کہے جب تک کہ شیخ سے اجازت نہ لے لے اور شیخ اس کی اجازت نہ دے دے۔

شیخ کے سامنے مرید کی مثال اس طرح سے ہے جس طرح سے کوئی سمندر کنارے اپنے رزق کے انتظار میں بیٹھا ہو، ــــ وہ بھی شیخ کی آواز پر کان دھرے ہوشیار رہے اور شیخ کے کلام کی بدولت اپنے روحانی رزق کا منتظر رہے، ــــ اس طرح اس کی عقیدت اور طلب حق کا مرتبہ محکم و مضبوط ہوتا ہے اور اللہ کے مزید فضل کا اہل ٹھہرتا ہے۔اور جب وہ خود بات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ جذبہ اسے مقام طلب سے پیچھے ہٹادیتا ہے اور اس سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے کچھ ہونے کا گمان ہے، اور یہ مرید کی بڑی بھول اور خطا ہے۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ مرید اپنی غیر واضح روحانی حالت کو واضح کرنے کے لئے اگر شیخ سے کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھ سکتا ہے۔ مگر طالب صادق کو ایسا کرنے سے گریز کرنا چاہئے بلکہ اسے زبان سے کہے بغیر کسی اور طرح سے اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ شیخ اس سے خود حقیقت حال جان لیتا ہے۔ شیخ اپنے مخلص مریدوں کے روبرو اپنے قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ان کے لئے باران رحمت اور فضل و کرم کی دعا کرتا ہے۔ اس وقت شیخ کا دل اور زبان اپنے ان مخلص مریدوں کے احوال کے مشاہدہ میں مگن ہوتی ہے جو اس کے فیض کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

شیخ کو طالبِ حق کی بات چیت سے اس کے احوال کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ بولنا چالنا، اور یہ بات چیت ایک بیج کی طرح ہے جو دل کی زمین میں بویا جاتا ہے۔ اگر بیج خراب ہو تو وہ نہیں اگتا۔ اسی طرح جب کسی بات میں نفسانی خواہش کی ملاوٹ ہو جائے تو بات بگڑ جاتی ہے۔

چنانچہ شیخ کا یہ کام بھی ہے کہ وہ بات چیت کے بیج کو نفسانی خواہش کی ملاوٹ سے پاک کرے۔ اور اسے اللہ کے حوالے کر کے اللہ سے اس کی مدد اور ہدایت کا آرزومند ہو، ـــ اس کے بعد مرید کوئی بات کہے، اس طرح اس کی بات چیت اللہ کی مدد اور نصرت سے حق و صداقت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

شیخ کا مقام و مرتبہ:

شیخ مریدوں کے لئے الہام کا محافظ ہے جیسے حضرت جبریئل علیہ السلام وحی الٰہی کے محافظ تھے، ـــ جس طرح حضرت جبریئل علیہ السلام نے کبھی وحی میں خیانت نہیں کی، اسی طرح شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا، ـــ اور جس طرح رسول اللہ ﷺ نفسانی خواہش سے کلام نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح شیخ بھی ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کی پیروی کرتا ہے، اور شیخ مریدوں کی اصلاح احوال کے لئے اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتا۔

نفسانی خواہش کے اسباب:

بات چیت میں نفسانی خواہش کے دو سبب ہوتے ہیں:

○ ـــ ایک یہ کہ اس کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر قابو پانا اور انہیں اپنی طرف متوجہ اور راغب کرنا، ـــ اور یہ بات مشائخ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

○ ـــ دوسرا یہ کہ بات چیت کی مٹھاس اور لذت کے ذریعے نفس کا غالب آ کر خود پسندی اختیار کر لینا، ـــ اہلِ حق کے ہاں یہ بھی خیانت ہے۔

چنانچہ جب شیخ بات چیت کرتا ہے تو اس وقت اس کا نفس خوابیدہ ہوتا ہے، وہ اللہ کی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول ہو کر نفسانی غلبے کے نتائج یعنی خود بینی اور خود پسندی سے محفوظ رہتا ہے۔ بلکہ اس وقت اللہ کی طرف سے شیخ کی زبان پر جو کلمات القاء و الہام کے ذریعے صادر ہوتے ہیں وہ خود بھی انہیں دوسرے سامعین کی طرح سنتا ہے۔

www.waseemziyai.com

موتی کی تلاش:

شیخ ابوالمسعود رحمۃ اللہ علیہ الہام ربانی کے مطابق اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرتے تھے اور فرماتے:

''تمہاری طرح میں بھی یہ بات چیت سن رہا ہوں۔''

اس مجلس میں ایک صاحب موجود تھے جو یہ بات نہ سمجھ سکے اور کہنے لگے:

''کہنے والا اپنی بات کو خوب جانتا ہے، وہ بھلا سامع کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو اس سے ناواقف ہو، — اسی ناواقفی کے باعث وہ اس کی بات کو سنتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے:

''کیا غوطہ خور موتی کی تلاش میں سمندر میں غوطے نہیں لگاتا۔ وہ سیپیوں کو اپنی ہتھیلی میں جمع کرتا ہے جن کے اندر موتی موجود ہوتے ہیں، مگر اس وقت اسے موتی دکھائی نہیں دیتے۔ وہ ان موتیوں کو اس وقت دیکھتا ہے جب وہ سمندر سے باہر نکل آتا ہے۔ اس وقت جو لوگ ساحل پر موجود ہوتے ہیں وہ بھی موتیوں کے دیکھنے میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔''

وہ سمجھ گئے کہ خواب میں شیخ ابوالمسعود رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، — لہٰذا مرید کے لئے بہترین ادب یہی ہے کہ شیخ کے سامنے مکمل خاموشی اختیار کرے اور اس وقت تک کلام نہ کرے جب تک شیخ اس کے قول وفعل کی بہتری اور بھلائی کے لئے خود آغاز نہ کرے۔

مذکورہ بالا آیت کی توجیہہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی اپنے مقام ومرتبہ سے بڑھ کر مرتبہ کی خواہش نہ کرے، — یہ بھی مریدین کے آداب میں سے ہے کہ کوئی مرید شیخ سے اپنی ذات کے لئے بلند مرتبہ کی خواہش نہ کرے، بلکہ اپنے شیخ کے لئے سب اعلیٰ مراتب کا خواہاں رہے، اور شیخ ہی کے لئے سب اعلیٰ فیوضات وبرکات کا طالب رہے، — ایسے ہی موقع پر مرید کے حسنِ عقیدت کے جوہر کھلتے ہیں۔ مگر مریدوں میں یہ بات بہت ہی کم پائی جاتی ہے، — بہر حال اپنے شیخ سے حسن عقیدت کے بدلے مرید کو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں سے بڑھ کر فیض حاصل ہوتا ہے۔ عقیدت وارادت کے یہ مقامات ادب ہی کی بدولت قائم ہوتے ہیں۔

ادب کی فضیلت واہمیّت:

ادب کی فضیلت واہمیّت کے بارے میں بزرگ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

- — شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حسن ادب عقل کا ترجمان ہے۔''

- — شیخ ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ ردیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''اے فرزند! اپنے عمل کو نمک اور اپنے ادب کو آٹا بناؤ۔''

○ — بعض ارباب صدق کا ارشاد ہے:

''تصوف تمام تر ادب ہے، اور ہر مقام اور ہر حال کے لئے خاص ادب ہے، — جب کوئی ادب اختیار کرتا ہے وہ مرد کامل کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، — اور جو ادب سے محروم رہتا ہے وہ مقامِ قرب سے دور اور مقام قبولیت سے مردود ہو جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو ادب سکھانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ○

''نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔''

اس آیہ مبارک کی شان نزول یہی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو کم سنائی دیتا تھا اور وہ بلند آواز تھے۔ وہ جب کسی سے بات کرتے تو کم سننے والے شخص کی طرح بہت اونچی آواز سے بولا کرتے تھے اور جب وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے بات کرتے تھے تو اسی معمول کے مطابق اونچی آواز میں بولتے تھے۔ جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں اور دوسرے حضرات کو اپنے محبوب کی بارگاہ کا ادب سکھایا۔

اس آیت کی شان نزول میں مجھے اپنے شیوخ کی اسناد سے یہ حدیث معلوم ہوئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اقرع بن حابس (رضی اللہ عنہ) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ انہیں ان کی قوم کا سردار مقرر فرمادیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ انہیں حاکم نہ بنائیں۔''

اس طرح وہ آپ ﷺ کے سامنے بولتے رہے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم صرف میری مخالفت کرنا چاہتے ہو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا منشاء آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کبھی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بولتے تو ان کی آواز اتنی ہلکی ہوتی تھی کہ جب تک ان سے دوبارہ نہ پوچھا جاتا، ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، — مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی:

''رسول اللہ ﷺ کے سامنے بس اتنی آواز سے بات کریں گے جیسے کوئی سرگوشی کرنے والا بھائی دوسرے سے کچھ

www.waseemziyai.com

سرگوشی میں کہتا ہے۔"

اس طرح مرید کا اپنے شیخ کے سامنے یہ طریقہ اور طرز عمل ہونا چاہئے کہ وہ نہ تو اونچی آواز میں بات کرے، نہ بہت ہنسے، ــــ نہ بہت زیادہ بات کرے۔ اور اگر شیخ کی اجازت ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، ــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ اونچی آواز میں بات کرنا وقار کے خلاف ہے۔ البتہ جب شیخ کا وقار دل میں جاگزیں ہو جائے تو زبان بولنے سے باز رہتی ہے۔

شیخ کا ادب اور اس کا ثمر:

بعض مریدوں پر اپنے شیخ کا رعب اور ادب اس قدر طاری ہوتا ہے کہ وہ شیخ کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے، ــــ (اس حوالے سے میرے (مصنف) ذاتی دو واقعات پیش خدمت ہیں:

○ ــــ خود میری یہ حالت تھی کہ ایک بار مجھے بخار ہو گیا۔ اس موقع پر میرے چچا اور شیخ محترم شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ میری عیادت کے لئے میرے گھر تشریف لائے۔ میرا سارا بدن ان کی ہیبت اور رعب سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس وقت میں خود بھی چاہتا تھا کہ مجھے پسینہ آ جائے تو بخار اتر جائے، ــــ اس اثناء میں شیخ محترم کی تشریف آوری سے یہ مقصد خود بخود حاصل ہو گیا، اور آپ کی تشریف آوری کی برکت سے مجھے شفا ہو گئی۔

○ ــــ ایک دن میں گھر میں تنہا تھا۔ وہاں ایک رومال رکھا ہوا تھا جو میرے شیخ محترم نے مجھے عطا فرمایا تھا۔ آپ اسے عمامہ کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس رومال پر میرا پاؤں پڑ گیا۔ اس (نادانستہ) فعل سے میرے دل کو سخت تکلیف ہوئی اور شیخ کے رومال کو اپنے پاؤں تلے آنے سے مجھ پر دہشت و ہیبت طاری ہو گئی۔ اس لمحے میرے دل میں آپ کی عزت و احترام کا جو جذبہ بیدار ہوا وہ بڑا ہی مبارک جذبہ تھا۔

ادب کی پاس داری:

ادب کی پاس داری میں مختلف اہلِ صفا کے ارشادات قابلِ توجہ ہیں:

○ ــــ شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا آیت کی توجیہ و توضیح کے سلسلے میں فرمایا:

"آواز بلند کرنے کی ممانعت معمولی غلطی پر ایک طرح کی تنبیہ تھی تا کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہ بڑھے اور عزت و احترام کرنا نہ چھوڑ دے۔"

○ ــــ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی وقت مخاطب ہو جب کچھ پوچھنا ہو۔"

○ ــــ شیخ ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا آیت کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونے میں پہل نہ کرو اور عزت و احترام کی حد میں رہتے ہوئے آپ کی بات کا جواب دو، ــــ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے (اونچی آواز میں) باتیں کرتے ہو، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ بولا کرو، ــــ اور نہ آپ سے سخت لہجے میں بات کرو، ــــ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے نام نامی

www.waseemziyai.com

اسم گرامی (محمد یا احمد ﷺ) سے پکارو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو اس کے نام سے پکارتے ہو، ـــ بلکہ آپ کی عزت واحترام کرو اور اس طرح پکارو: یا نبی اللہ، یا رسول اللہ۔''

چنانچہ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ مندرجہ بالا طریقے سے مخاطب ہوا کرے اور ادب کے ساتھ بولا کرے۔ کیونکہ جب وقار اور سنجیدگی قلب میں جاگزیں ہوتی ہے تو زبان کو بولنے کا صحیح طریقہ سکھا دیتی ہے۔ چونکہ بشری تقاضے کے باعث طبیعت میں اہل وعیال کی فطری محبت موجود ہوتی ہے، ـــ اور نفسانی خواہشیں وقت اور مواقع کے لحاظ سے عجیب وغریب عبارتیں اور الفاظ ادا کرتی ہیں۔ لیکن جب دل حرمت و وقار سے معمور ہو تو وہ زبان کو صحیح عبارت استعمال کرنا سکھا دیتا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

روایت ہے کہ جب آیت لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۝ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ راستہ میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو ان سے پوچھا:

''اے ثابت! کیوں رو رہے ہو'' ـــ انہوں نے کہا:

''مجھے ڈر ہے کہ یہ آیت، میرے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم اپنے پیغمبر کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو، ـــ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ـــ ''ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں'' ـــ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولتا ہوں، ـــ مجھے خوف ہے کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور کہیں میں دوزخی نہ بن جاؤں۔''

یہ سن کر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے پاس چلے گئے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بدستور روتے رہے۔ وہ اپنی بیوی حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''جب میں گھوڑے کے اصطبل کے اندر جاؤں تو تم اسے بند کر کے قفل لگا دو۔''

چنانچہ انہوں نے شوہر کے کہنے پر اصطبل کو تالا لگا دیا۔ جب وہ وہاں سے نکلیں تو انہیں بھی ان کی حالت پر بڑا ترس آیا۔'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں یہاں سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک کہ مجھے موت نہ آ جائے، ـــ یا، ـــ رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔''

ادھر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا سارا حال کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عاصم جاؤ اور انہیں بلا لاؤ'' ـــ یہ سن کر حضرت عاصم وہاں پہنچے جہاں حضرت ثابت کو دیکھا مگر وہ وہاں موجود نہ تھے۔ وہ ان کے گھر تشریف لے گئے حضرت ثابت، اصطبل میں بند تھے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ثابت (رضی اللہ عنہ)! رسول اکرم ﷺ تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔''

انہوں نے کہا: ''دروازہ توڑ دو'' ـــ بعد ازاں دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے

www.waseemziyai.com

دریافت فرمایا:

''اے ثابت! تم کیوں رو رہے تھے۔''

عرض کیا:

''حضور! میں بلند آواز ہوں۔ مجھے یہ خوف ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سعادت مندی کے ساتھ زندگی گزارو اور شہادت کا مرتبہ حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں اللہ اور اس کے رسول کی بشارت پر راضی ہوں۔ آئندہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے نہیں بولوں گا۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۝

''جو رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا اللہ نے امتحان لے لیا ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم دیکھا کرتے تھے کہ ایک جنتی شخص ہمارے سامنے سے گزر رہا ہے۔''

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت:

(امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں) جب مسیلمہ کذاب (مرتد) کے ساتھ جنگ یمامہ ہوئی تو اس میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو شکست ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر فرمایا:

''افسوس ہے ان لوگوں پر، یہ کیا کر رہے ہیں!'' — اس کے بعد آپ نے حضرت سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کے دشمنوں کے خلاف اس طرح کمزوری کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے۔''

یہ کہتے ہوئے دونوں اصحاب کافروں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور لڑنے لگے۔ حتیٰ کہ پہلے حضرت سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد رسول اکرم ﷺ کی بشارت کے مطابق حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ شہادت کے وقت وہ زرہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔

شہادت کے بعد کرامت:

شہادت کے وقت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ زرہ پہنے ہوئے تھے، — شہادت کے بعد ایک صحابی نے انہیں خواب میں دیکھا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

www.waseemziyai.com

"میں تمہیں بتاؤں کہ فلاں شخص میری زرہ نکال کر لے گیا ہے، ــــ وہ فوج کے فلاں دستے میں ہے، ــــ اس کا ایک گھوڑا ہے جو آگے پیچھے خوب دوڑتا ہے۔ اس نے میری زرہ بھیڑوں کے ریوڑ میں رکھ دی ہے، ــــ لہٰذا تم لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے پاس جا کر اس کی اطلاع دو تا کہ میری زرہ واپس مل جائے، ــــ علاوہ ازیں خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے عرض کرو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے۔ وہ میرا قرض ادا کر دیں، ــــ اور میں اپنے فلاں غلام کو آزاد کرتا ہوں۔"

اس صحابی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ساری صورتحال بیان کر دی۔ جیسا کہ انہوں نے خواب میں سنا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زرہ اور گھوڑا برآمد کر لیا۔ چنانچہ وصیت کے مطابق یہ خواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کیا گیا۔ آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت پوری کرتے ہوئے ان کا قرض ادا کر دیا۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) کی وصیت کے علاوہ کسی اور کی وصیت اس طرح پوری کی گئی ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی جو ان کے تقویٰ اور حسن ادب کے باعث شہادت کے بعد ظاہر ہوئی، ــــ ایک مرید صادق اور طالب حق اس واقعہ سے سبق حاصل کرے، اسے پتہ ہونا چاہئے کہ اس کا شیخ اللہ اور اس کے رسول کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ چنانچہ اسے اپنے شیخ پر ایسا بھروسہ اور اعتماد ہونا چاہئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مبارک دور میں آپ کے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کیا کرتے تھے۔

تقویٰ کے ذریعے دلوں کا امتحان:

ایک جماعت نے جب آداب کے حقوق و فرائض ادا کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ادب کا حال ظاہر کر کے اس طرح تعریف کی:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۝ (پ۲۶، سورہ حجرات)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے تقویٰ کی بدولت اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا۔"

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری میں آزما کر انہیں ایسا کھرا اور خالص کر دیا جیسا کہ سونے کو آگ سے پگھلا کر خالص کیا جاتا ہے۔ جس طرح زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور دل کو باادب رکھنے کے لئے الفاظ کا شائستہ اور مہذّب ہونا لازم ہے، اسی طرح مرید کو شیخ کے ساتھ حسنِ ادب سے پیش آنا چاہئے۔

شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکابر اور اولیاء کرام کے ادب سے انسان کو اعلیٰ مراتب حاصل ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی عطا ہوتی ہے، ــــ اور جیسا کہ تمہیں علم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ (پ۲۶، سورہ حجرات)

www.waseemziyai.com

''اور اگر یہ اس وقت تک صبر کرتے جب تک کہ آپ ان کے لئے باہر نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔''

اسی طرح تعلیم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۲۶،سورہ حجرات)

''بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔''

ان آیات مبارکہ کی شان نزول یہ ہے کہ بنی تمیم کے کچھ لوگ وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ کاشانہ نبوت میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ حجرہ شریف کے باہر کھڑے ہو کر آپ کو آوازیں دینے لگے:

''اے محمد! (ﷺ) ہمارے پاس باہر تشریف لائیں کیونکہ ہماری تعریف زینت ہے اور ہماری مذمّت عیب ہے۔''

آپ ﷺ نے ان کی یہ گھمنڈی بات سن لی، حجرے سے باہر تشریف لا کر ان سے فرمایا:

''بے شک یہ صرف اللہ کی ذات ہے جس کی مذمّت عیب ہے اور جس کی تعریف زینت ہے۔''[1]

یہ ایک طویل واقعہ ہے جو سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، مختصر یہ کہ وفد کے وہ لوگ اپنے مانے ہوئے شاعر اور خطیب کو لے کر آئے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شاعری میں ان کے شاعر اور مہاجرین وانصار کے نوجوان ان کے خطیب پر خطابت میں غالب آ گئے۔

اس واقعہ میں ایک طالبِ حقیقت کے لئے ادب کا یہ سبق ہے کہ جب وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو عجلت کو چھوڑ کر صبر کا دامن تھام لے اور شیخ کے خلوت گاہ سے باہر آنے کا منتظر رہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا طرز ملاقات:

میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جب کوئی درویش ملنے کے لئے آتا تھا تو آپ کو اس کی اطلاع دی جاتی تھی۔ آپ اپنے حجرے کا تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر تشریف لاتے اس سے مصافحہ اور سلام کر کے واپس تشریف لے جاتے، اس درویش کے پاس بیٹھتے نہیں تھے۔ — اور جب کوئی ایسا شخص ملنے کے لئے آتا جو درویشوں میں سے نہ ہوتا تو اس وقت آپ حجرے سے باہر تشریف لا کر اس کے پاس بیٹھتے (اور اس کے ساتھ کچھ وقت گزارتے۔)

ایک درویش کو آپ کا یہ دوہرا رویہ بڑا محسوس ہوا کہ آپ درویش سے فقط مل کر حجرے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اس کے پاس نہیں بیٹھتے، — جبکہ ایک غیر درویش کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ کو کشف کے ذریعے اس درویش کا حال معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

''درویش اور فقیر کے ساتھ تو ہمارا قلبی تعلق اور ربط ہے۔ اور وہ ہمارے اہل میں سے ہے۔ ہمارے اور اس کے بیچ میں کوئی اجنبیت نہیں، چنانچہ اس کے ساتھ ہمارا یہ دلی تعلق ہی کافی ہے۔ اس دلی تعلق کی بناء پر ان سے محض مل لینا ہی کافی ہے، — اور جو شخص درویشوں میں سے نہیں ہے تو اس سے ظاہری آدابِ معاشرت کے ساتھ ملنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس

[1] یعنی فقط اللہ کی ذات ہی ایسی ہستی ہے کہ وہ جس کی مذمّت فرما دے وہ سرتاپا عیبی ہو جاتا ہے اور وہ جس کی تعریف فرما دے وہ سرتاپا زیب و زینت ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

کے ساتھ اگر ظاہری رکھ رکھاؤ سے نہ ملا جائے تو اس کا جی برا ہوگا۔''

شیخ کی خدمت وصحبت:

ایک طالب حقیقت کا فرض ہے کہ شیخ کے ساتھ ادب کی حد میں رہتے ہوئے اپنے ظاہر و باطن کو سنوارے، — حضرت شیخ ابوالمنصور المغربی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا:

''آپ شیخ ابوعثمان کی صحبت میں کتنا عرصہ رہے؟''

آپ نے فرمایا:

''میں ان کی خدمت میں رہا، صحبت میں نہیں رہا، — کیونکہ صحبت و ہم نشینی تو روحانی بھائیوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہوتی ہے، جبکہ شیخ کی خدمت کی جاتی ہے۔ (یعنی میں شیخ کی صحبت میں نہیں رہا بلکہ شیخ کی خدمت میں رہا۔)

مرید کے لئے لازم ہے کہ جب اسے شیخ کے معاملہ میں کوئی دشواری محسوس ہو تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کرلے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے کام اچھے نہیں لگتے تھے۔ مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان کاموں کی حقیقت اور راز بیان کئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی اعتراض نہ رہا، — چنانچہ مرید کو اپنی کم علمی کے باعث شیخ کا کوئی کام اچھا نہ محسوس ہو، یا وہ اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے تو (خاموش رہے) اور یہ خیال کرے کہ علم وحکمت کی زبانی شیخ اس مرید کے عذر و اعتراض پر توجیہہ پیش کرسکتا ہے۔

خدمت شیخ کی چند مثالیں:

○ — حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بتلایا، مگر اس شخص نے اس پر کوئی اعتراض کردیا۔ حضرت جنید نے فرمایا:

''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔''

○ — ایک شیخ طریقت کا ارشاد ہے:

''اگر کوئی شخص کسی واجب الاحترام ہستی کی تعظیم وادب نہیں کرتا، وہ ادب کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔''

مذکور ہے کہ جو اپنے استاد کو نفی میں جواب دے وہ کبھی بھلائی نہیں پاسکتا۔

○ — ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بالا سناد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو بات میں نے چھوڑ دی ہے تم بھی اسے چھوڑ دو، — اور جو بات میں کرنے کو کہوں اسے قبول کرلو، — کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ بہت زیادہ سوالات کرتے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف رکھتے تھے۔''

○ — حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوحفص نیشاپوری (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس ایک بہت ہی خاموش انسان کو اٹھتے بیٹھتے دیکھا جو بالکل خاموش رہتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔ تو مجھے بتایا گیا:

www.waseemziyai.com

"یہ شخص شیخ محترم کی خدمت میں رہتا ہے، اور ہم سب کی خدمت کرتا ہے۔ اس نے ہم پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں، اور مزید ایک لاکھ درہم قرض لے کر وہ بھی ہم پر خرچ کر دیئے۔ —— مگر شیخ محترم اس خدمت کے باوجود اسے ایک بات کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ (اس لئے یہ بالکل خاموش رہتے ہیں۔)"

○ —— شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں شیخ ابو علی سندی (رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت میں رہا۔ میں انہیں فرائض کی تعلیم دیتا تھا، اور وہ مجھے خالص توحید اور معرفت کے حقائق کی تعلیم دیتے تھے۔"

○ —— شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں شیخ ابو حفص (رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت میں تب سے بیٹھنے لگا تھا جبکہ میری جوانی کا عالم تھا۔ شروع شروع میں انہوں نے مجھے اپنی صحبت میں بیٹھنے نہ دیا اور فرمایا "میرے پاس مت بیٹھو" —— مگر میں نے ان کی اس بات کا کوئی اثر نہ لیا کہ ان کے در سے منہ موڑ کر چلا جاتا، —— میں ان کے ہاں سے چلا آیا لیکن جی میں یہ ٹھان لیا کہ شیخ کے در کے پاس ایک گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ رہوں گا اور جب تک آپ مجھے اپنے ہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے، تب تک وہیں بیٹھا رہوں گا، —— شیخ کو بذریعہ کشف میرے ارادے کا پتہ چل گیا، چنانچہ انہوں نے مجھے اپنی خدمت میں بلا لیا، اور نہ صرف یہ کہ مجھے قبول فرمایا بلکہ اپنے خاص ساتھیوں میں بھی شامل کر لیا، حتیٰ کہ آپ نے وصال فرمایا۔"

ظاہری آداب کے اصول:

○ —— صوفیاء کرام کے ظاہری آداب میں ایک اصول یہ ہے کہ شیخ کی موجودگی میں مرید اپنا سجادہ (جاء نماز) اس وقت بچھا سکتا ہے جب نماز کا وقت ہو، —— وجہ اس کی یہ ہے کہ مرید کا کام تو صرف خدمت کرنا ہے جبکہ سجادہ نشینی سے حصولِ جاہ و عزت اور آرام طلبی جھلکتی ہے۔

○ —— اسی طرح شیخ کی موجودگی میں مرید سماع کے وقت ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے کوئی بات محسوس ہوتی ہو، —— سوائے اس صورت میں کہ اسے کوئی شعور اور تمیز نہ رہے بلکہ شیخ کی ہیبت اور اس کا رعب سماع کے دوران مرید کو آزادانہ کوئی حرکت کرنے سے باز رکھتی ہے اور اسے قابو میں رکھتی ہے، —— مرید کے لئے سماع میں مصروف رہنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ وہ شیخ کی طرف متوجہ رہے اور اس سے صادر ہونے والے فیوض ربانی کے مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے۔

○ —— ادب کا ایک اصول یہ ہے کہ مرید اپنے احوال اور خود پر ہونے والے فیوض ربانی اور کرامت و اجابت کو اپنے شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے۔ بلکہ اپنا وہ حال جو اللہ کے علم میں ہے شیخ کے سامنے ظاہر کر دے، —— اور جس کے اظہار سے شرم محسوس کرتا ہوا سے اشارے کنائے سے ذکر کر دے، —— کیونکہ اگر مرید کا یہ خیال ہو کہ وہ شیخ سے کوئی بات چھپائے اور اپنا حال بیان نہ کرے تو اس کے باطن میں گرہ لگ جاتی ہے۔ یہ گرہ شیخ کے سامنے اظہار حال کرنے سے ہی کھلتی ہے اور وہ بندش بھی دور ہو جاتی ہے۔

○ —— مریدین کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مرید شیخ کی صحبت میں بیٹھنے سے پہلے اس بات کا یقین کر لے کہ شیخ

www.waseemziyai.com

ہی اس کی اصلاح وتلقین کا ذمہ دار ہے اور کسی اور کی نسبت شیخ ہی اس کی بہت کچھ اصلاح کر سکتا ہے۔ شیخ کے ساتھ ساتھ اگر وہ کسی اور سے اصلاح حال کی توقع رکھتا ہے تو اس صورت میں وہ شیخ سے فیض یاب نہیں ہوسکتا۔ اور اس پر شیخ کا کوئی ارشاد کچھ اثر نہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کا باطن شیخ سے فیض پانے کی اہلیت نہیں رکھتا، ـــ فیض کا حصول اسی وقت ممکن ہے کہ مرید فقط ایک ہی شیخ کے دامن سے وابستہ رہے اور اس کی وابستگی پر کلی بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہو۔ اس کی فضیلت کو جانتے ہوئے اس سے محبت کا قوی رشتہ استوار کرے۔ کیونکہ محبت والفت کا رشتہ ہی شیخ اور مرید کے درمیان تعلقات کا ذریعہ وواسطہ ورابطہ ہوتا ہے۔ یہ تعلق اور محبت جس قدر قوی اور زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ وہ روحانی فیض حاصل کر سکے گا۔ اس لئے کہ محبت تعارف کی علامت اور ہم جنس ہونے کی پہچان ہے۔ اور یہ ہم جنس ہونا باطنی فیض کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ایک آیت سکھانے والا بھی استاد ہے:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جسے کسی نے اللہ کی کتاب کی ایک آیت بھی سکھائی وہ اس کا استاد ہے، ـــ اسے چاہئے کہ وہ اپنے استاد کو رسوا نہ کرے اور نہ خود کو اس پر ترجیح دے، ـــ جو ایسا کرتا ہے وہ اسلام سے ایک رشتہ کو توڑتا ہے۔''

ہر گام پر شیخ کی پسند وناپسند کا خیال:

○ ـــ ادب کا ایک اصول یہ ہے کہ مرید اپنے چھوٹے بڑے سب کاموں میں شیخ کی ہدایات اور اس کے نکتہ نظر کو پیشِ نظر رکھے، ـــ اور شیخ کے حسنِ اخلاق اور حلم وبُردباری کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی معمولی حرکات وافعال پر شیخ کی پسند وناپسند کا خیال رکھے۔

شیخ ابراہیم بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ابوعبداللہ المغربی (رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت میں رہتے تھے۔ ہم سب ساتھی نوجوان تھے۔ آپ ہمیں تربیت کے لئے جنگلوں اور بیابانوں میں لے جایا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک ضعیف العمر بزرگ بھی جایا کرتے تھے جن کا نام نامی حسن تھا۔ جب ہم سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی جس سے شیخ کا مزاج برہم ہوجاتا۔ تو ہم ان بزرگ کے ذریعے شیخ موصوف سے معافی کے لئے سفارش کراتے تھے۔ ان کی سفارش سے ہمیں معافی مل جاتی اور شیخ ابوعبداللہ المغربی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے خوش ہوجاتے۔

مکاشفات پر شیخ سے رجوع کرنا:

شیخ کے آداب میں ایک اصول یہ ہے کہ مرید اپنے روحانی حالات وواقعات اور مکاشفات پر بھروسے کے لئے شیخ سے رجوع کرے۔ اس لئے کہ شیخ طریقت کا علم اس سے کہیں زیادہ اور وسیع ہے اور اس کا دروازہ اللہ کی طرف کُھلا ہوا ہے، ـــ مرید پر اللہ کی طرف سے اگر کسی حال یا واقعہ کا نزول ہوا ہے تو شیخ اس کی موافقت کرتے ہوئے اسے جاری رہنے دے گا۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے آنے والی چیز سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا، ـــ اور اگر اس حال میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ ہو تو شیخ کی بدولت اس کا ازالہ ہوسکتا

www.waseemziyai.com

ہے۔ کیا خبر کسی مکاشفے یا روحانی واردات میں کوئی نفسانی ارادہ شامل ہو گیا ہو اور وہ نفسانی ارادہ روحانی حال یا واردات میں خلط ملط ہو گیا ہو۔ چاہے یہ واقعہ نیند کی حالت میں پیش آئے یا بیداری کی حالت میں اس کا تصفیہ تو شیخ کے ذریعے ہی ممکن ہے، مرید کے لئے محال ہے۔ اور یہ ایک عجیب وغریب راز ہے کہ مرید اس پوشیدہ نفسانی خواہش سے ازخود نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں وہ جب اپنے مکاشفے یا روحانی ترقی کا شیخ طریقت سے ذکر کرتا ہے تو شیخ کو پوشیدہ نفسانی خواہش کا بھی پتہ چل جاتا ہے، ـــــ اگر اس کا تعلق خالص طور پر اللہ کی ذات سے ہے تو اس کی تصدیق بھی شیخ کی بدولت ہی ممکن ہے، ـــــ اور اگر اس واقعہ کا تعلق پوشیدہ نفسانی خواہش سے ہوگا تو شیخ کے ازالہ سے مرید کا باطن صاف ہو جائے گا۔ اپنے حال کی قوت اور بارگاہِ الٰہی میں رسائی اور کمال معرفت کی بدولت شیخ اس کا بار اُٹھالے گا۔

شیخ سے کچھ کہنے میں مناسب وقت اور موقع کا خیال:

مریدین کے آداب میں سے ایک یہ اصول بھی ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے کسی دینی یا دنیاوی معاملے میں بات کرنا چاہے تو وہ بات کہنے کے لئے عجلت سے کام نہ لے۔ وہ بات کہنے کے لئے شیخ کے پاس اچانک نہ پہنچ جائے۔ پہلے اسے شیخ کی حالت کا اندازہ لگانا چاہئے کہ:

- ○ ـــ آیا وہ اس کی بات سننے اور جواب دینے کے لئے آمادہ ہے یا نہیں،
- ○ ـــ اس وقت وہ جواب دینا چاہے گا یا نہیں،
- ○ ـــ وہ بات چیت کرنے کے لئے فارغ ہے نہیں۔

جس طرح دعا کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ اس کے لئے مخصوص آداب اور شرائط ہیں کیونکہ دعا میں بندہ اللہ سے بات چیت کرتا ہے، ـــ اسی طرح شیخ طریقت سے بھی بات چیت کے آداب وطریقے ہیں، کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے خدائی معاملات ہیں۔ لہٰذا شیخ سے بات چیت کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی چاہئے کہ وہ اسے اپنے پسندیدہ آداب کی توفیق عطا فرمائے۔

بارگاہ نبوی کے آداب کی مثال:

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کو بارگاہ نبوی کے آداب ملحوظ رکھنے کا اس طرح سے حکم فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۝

''اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ کے سامنے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی کے وقت صدقہ پیش کرو۔''

اس آیت کی شان نزول میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ سوالات کرنے شروع کر دیئے تھے حتیٰ کہ سوالوں کی کثرت آپ پر گراں گزرنے لگی۔ کیونکہ وہ بہت اصرار کے ساتھ سوالات کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب سکھانے کے لئے اس بات سے روکا اور انہیں حکم دیا کہ آپ ﷺ سے اس وقت تک بات نہ کریں جب تک صدقہ نہ پیش کر دیں۔''

www.waseemziyai.com

مذکور ہے کہ دولت مند حضرات آپ ﷺ کی مجلس میں اپنی امارت کی بدولت غریب مسلمانوں پر اس طرح چھا گئے تھے کہ غریبوں کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا، ـــ رسول اللہ ﷺ کو امراء کی طویل بات چیت اور ان کی سرگوشیاں ناگوار محسوس ہونے لگیں تو اس وقت بات کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو سب لوگ بات کرنے سے رک گئے۔ امراء تو اپنے بخل کی وجہ سے بات کرنے سے باز رہے جبکہ غریب مسلمان اپنی غریب کے باعث اس سعادت سے محروم رہ گئے، ـــ یہ نئی صورتِ حال آپ کے صحابہ اور جاں نثاروں پر بہت شاق گزری، ـــ ان کی آسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم ارشاد فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ۝ (پ۲۸، سورہ ممتحنہ)

''کیا تمہیں یہ بات شاق محسوس ہوئی کہ تم اپنی گفتگو کے وقت نذرانہ پیش کرو۔''

مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم نذرانہ پیش کرنے کا نازل ہوا تو اس زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور نے رسول اللہ ﷺ سے بات نہیں کی اور انہوں نے بات کرنے سے پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک دینار پیش کیا، جسے آپ ﷺ نے خیرات فرما دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے جس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ ہی کوئی بعد میں اس پر عمل کرے گا۔''

آپ کا اشارہ مذکورہ بالا آیت کی طرف ہے، ـــ مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا:

''صدقہ (نذرانہ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، ـــ وہ کتنا ہونا چاہیے، ـــ کیا ایک دینار رہوا''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''حضور! وہ لوگ یہ بار برداشت نہیں کر سکتے۔''

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''پھر کتنا ہو''

عرض کیا: ''ایک جر، ـــ یا ایک جو ہونا چاہیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم بڑے زاہد ہو۔''

اس کے بعد سہولت اور رخصت کے لئے مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، مگر صدقہ، حسن ادب اور عزت واحترام کے ساتھ بات چیت کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات نازل فرمائی تھیں۔ وہ برقرار ہیں۔ ان کا فائدہ اور فیض اب بھی جاری وساری ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وہ ہم میں سے نہیں جس نے:

www.waseemziyai.com

○ —— ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کیا،

○ —— چھوٹوں پر رحم نہیں کیا،

○ —— ہمارے علماء کا حق نہیں پہچانا۔"

چنانچہ علماء کرام کا احترام کرنا بھی اللہ کی توفیق اور اس کی ہدایت کے باعث ہے اور اسے ترک کر دینا سراسر سرکشی اور خسارے کی بات ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۵۲:

مریدوں کے ساتھ شیخ کے معاملات

بالادستی کی کوشش سے اجتناب کر:

آدابِ شیخ میں اہم اصول اور ادب یہ ہے کہ ایک مخلص شخص لوگوں پر اپنی بالادستی اور فضیلت کے لئے کوشش نہ کرے، ـــ اور لوگوں کو محض اپنی طرف مائل کرنے کے لئے خوش اخلاقی اور لطف وکرم کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور نہ اپنی خوش کلامی سے اپنی پیروی کے لئے کسی کو آمادہ کرے۔ بلکہ یہ رویہ اور سلوک فقط اللہ کی رضا اور بھلائی کی نیت سے ہونا چاہئے، ـــ بلکہ جب شیخ یہ دیکھے کہ:

- ـــ اللہ تعالیٰ اس کی طرف مریدوں اور رُشد وہدایت کے طالبوں کو بھیج رہا ہے، اور
- ـــ وہ حسنِ ظن اور ارادے کی سچائی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

تو اسے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کہیں یہ اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش اور امتحان تو نہیں۔ اس لئے کہ فطری طور پر انسان لوگوں میں شہرت اور مقبولیت کا خواہش مند ہوتا ہے، جبکہ گم نام رہنے میں عافیت اور سلامتی ہے۔

مریدوں کے ساتھ اولاد کی طرح برتاؤ:

جب وہ وقت آجائے کہ شیخ اپنی روحانی حالت پر قابو پالے، وہ لوگوں میں مشہور ومحبوب ہوجائے اور لوگ اس کی طرف رجوع کرنے لگیں، ـــ اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذریعے یہ معلوم ہوجائے کہ اسے مریدوں کی اصلاح اور تعلیم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، تو شیخ کو چاہئے کہ وہ:

- ـــ مریدوں کے ساتھ اس طرح سے بات کرے جیسے کہ ایک شفقی باپ اپنے بیٹے کو ایسی نصیحت کرتا ہے جس سے اسے دین اور دنیا دونوں میں فائدہ پہنچے۔
- ـــ جس مرید اور رُشد وہدایت کے طالب کو اللہ اس کی طرف بھیجے، وہ اس کے بارے میں اللہ سے رجوع کرے، اور اس کی نگرانی اور معرفت کی تعلیم کے حوالے سے اللہ ہی سے مدد کا طلب گار ہو۔
- ـــ مرید کے ساتھ اس وقت مخاطب ہو جبکہ اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو اور مرید سے صحیح بات کہنے کے لئے اسی سے ہدایت کا طلب گار رہے۔

مرید کی اہلیّت اور صلاحیّت کا حال جاننا:

میرے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ ہمارے شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں اور رفیقوں کو وصیت فرمائی:

www.waseemziyai.com

''تم کسی درویش سے اپنی سب سے اچھی گھڑی میں باتیں کیا کرو۔''

یہ بڑی پائے کی نصیحت ہے، کیونکہ مرید صادق کے کانوں میں جو الفاظ ڈالے جاتے ہیں وہ ایسے دانوں کی طرح ہیں جو زمین میں ڈالے جائیں۔ جیسا کہ ہم نے بتایا کہ بیج خراب اور فاسد ہو تو برباد اور ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفسانی خواہش سے کلام میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ نفسانی خواہش کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے۔ اس لئے اہلِ صدق و صفا اور عقیدت مندوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے پہلے شیخ کا دل اللہ سے مدد کا طلب گار ہو۔ جس طرح زبان دل سے امداد کی طلب گار ہوتی ہے اور دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ اسی طرح دل حق کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندۂ حق کی نظریں ہر وقت اللہ کی طرف لگی رہتی ہیں اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر اللہ کے پیغام کی امانت لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

شیخ کے لئے لازم ہے کہ وہ مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نورِ ایمان اور علم و معرفت کی بدولت اس کی اہلیّت و صلاحیّت کو جانے، اس لئے کہ اس راہ میں مریدوں کی لیاقت مختلف ہوتی ہے:

- بعض مرید محض عبادت گزاری اور بدنی اعمال کو نیک بندوں کی مانند سر انجام دینے کی صلاحیّت رکھتے ہیں،
- بعض طالبانِ حق قربِ الٰہی اور مقربینِ بارگاہِ الٰہی کی راہ پر اپنی اعلیٰ روحانیت اور قلبی واردات کی بناء پر گامزن ہونے کی مکمل اہلیّت رکھتے ہیں۔

اس طرح تمام ابرار (گروہ اول) اور مقربین (گروہ دوم) کے آغاز و انجام کی منازل مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ شیخ ان سب کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے، اور ہر شخص کی باطنی صلاحیّت سے بخوبی واقف ہوتا ہے، — تعجب کی بات یہ ہے کہ:

- ایک دیہات کا رہنے والا اپنی زمین اور اس کی زرخیزی کے بارے میں جانتا ہو، — ہر پودے اور اس کی نشو و نما والی زمین کا علم رکھتا ہو،
- ہر صنعت کار و کاریگر اپنے پیشے اور صنعت کی اچھائی برائی اور نفع و نقصان سے بخوبی آگاہ ہو، — حتیٰ کہ
- ایک چرخا چلانے والی عورت بھی اپنی روئی اور کاتے ہوئے دھاگے کی باریکی اور موٹائی کے بارے میں جانتی ہو۔

جبکہ ایک شیخ کو اپنے مرید کے حال اور اس کی لیاقت و اہلیّت کا کچھ پتہ نہ ہو۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے سامنے ہے کہ آپ لوگوں سے ان کی اہلیّت اور فطری صلاحیّت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے اور ہر ایک کو اس کی اہلیّت و صلاحیّت کے مطابق ہدایت فرمایا کرتے تھے:-

- آپ ﷺ کچھ حضرات کو مال خرچ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے،
- بعض حضرات کو اسراف و تبذیر سے منع فرماتے۔
- کچھ اصحاب کو کسب و معاش کے لئے ہدایت فرماتے۔
- بعض حضرات کو متوکلانہ گزر بسر سے نہیں روکتے تھے، جیسا کہ اصحابِ صُفہ کا حال تھا۔

رسول اللہ ﷺ سب لوگوں کے مخصوص حالات اور ان کی صلاحیتوں کے بارے میں جانتے تھے اور جہاں تک دعوت حق کا

www.waseemziyai.com

تعلق تھا وہ دعوت عام تھی اور سب کے لئے تھی۔ آپ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ اسلام کو دلیل وحجت سے ثابت کردیں اور راہ حق کو واضح کریں، ــــ اس لئے کہ آپ کی دعوت بغیر کسی تخصیص وامتیاز کے عام اور عالمگیر تھی۔ یہ دعوت صرف انہی کے لئے مختص نہ تھی جو قبولِ ہدایت کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔

خلوت نشینی کے لئے وقت کا تعین:

شیخ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خلوت نشینی کے لئے ایسے وقت کا تعین کرے کہ جب اس کے پاس خلق خدا کی آمدورفت کی گنجائش نہ رہے۔ تاکہ اس کی اس خلوت نشینی کا فیض اس کی بزم نشینی (بزم آرائی وجلوت) کے وقت جاری ہو سکے، ــــ وہ مطلق یہ خیال نہ کرے کہ وہ روحانی طور پر اتنی طاقت رکھتا ہے کہ مخلوق سے لگاتار ہم نشینی اور اس سے ہمیشہ بات کرنے سے اس کی روحانیت پر کوئی آنچ نہیں آسکتی، اس بناء پر اسے خلوت نشینی کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی روحانی حالت درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی تھی مگر اس کے باوجود آپ راتوں کو اٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے اور وقت نکال کر کچھ وقت تنہائی میں بسر فرماتے تھے۔

روحانی حالت:

انسانی طبیعت اور فطرت کا خاصا اور تقاضا کچھ ایسا ہے کہ وہ اصلاح ونگرانی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ یہ نگرانی خواہ کچھ دیر کے لئے ہو، خواہ زیادہ دیر کے لئے، ــــ کچھ فریب کھائی ہوئی طبیعتیں ایسی ہیں جو دل کے معمولی سے انشراح پر بھی اکتفا کر لیتی ہیں۔ اور وہ اسی کو اپنی کل متاع سمجھ لیتی ہیں۔ روحانیت کے اس دھوکے میں آکر لوگوں سے اس قدر گھل مل جاتی ہیں کہ آگے چل کر وہ ان بیکاروں اور نکموں کا ٹھکانہ بن جاتی ہیں۔ جو ان کی خوش اخلاقی اور نرمی سے فائدہ اُٹھا کر ان کے پاس بیٹھ کر لقمے توڑنے لگتے ہیں۔ ان کی آمدورفت یا ہم نشینی کا مقصد دین داری نہیں ہوتا، نہ ہی وہ پرہیزگاروں کی راہ پر چلنے کی تمنا رکھتے ہیں، ــــ اس طرح فتنے کا دروازہ کھل جاتا ہے، وہ خود بھی فتنے میں پڑ جاتے ہیں اور اوروں کو بھی فتنے میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں ان کے دائرۂ عمل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے شیخ کا اللہ کی ذات سے مدد چاہنا ازحد لازم ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے۔ اگر بدنی طور پر گریہ وزاری نہ کر پائے تو اپنی بات چیت اور اٹھنے بیٹھنے میں اللہ کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کرے، ــــ یہ فتنہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب:

- ــــ روحانی قوت کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کو ہر دم باتوں میں لگائے رکھتے ہیں،
- ــــ نفس کی صفات سے کم آگاہی کے باعث عام لوگوں سے میل جول بہت زیادہ بڑھا لیتے ہیں،
- ــــ اس معمولی فیض الٰہی کے دھوکے میں آکر مشائخ کے آداب کو بھی بھلا بیٹھتے ہیں۔

خلوت اور جلوت:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے:

www.waseemziyai.com

''اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ تمہارے پاس بیٹھنے سے میری دو رکعت نماز افضل ہے تو میں تمہارے پاس (ہرگز) نہ بیٹھتا۔''

شیخ کو چاہئے کہ جب خلوت میں فضیلت پائے تو خلوت نشینی اختیار کرلے، اور جب یہ سمجھے کہ مجلس میں بیٹھنے میں فضیلت ہے تو جلوت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔ —— اس طرح خلوت کو جلوت کی تائید حاصل ہوگی اور جلوت کو خلوت کی۔ اس میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ انسان دو متضاد صفتوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ سفلی اور علوی اوصاف کے درمیان گشت کرتا رہتا ہے، —— طبعی تغیر کے باعث کبھی کبھار وہ حق کے مشاغل سے تھک جاتا ہے۔ جس طرح ہر کام کرنے والا (لگاتار) کام سے اُکتا کر آرام وتفریح چاہتا ہے۔ اور آرام کے لئے وقفہ چاہتا ہے۔

- —— کبھی یہ وقفہ، یہ آرام کی طلب دوسرے عمل کی صورت میں ہوتی ہے۔
- —— کبھی کام کو، عمل کو بالکل ترک کردیا جاتا ہے۔

اس وقفہ میں اگر عمل کی صورت یا ضرورت نہ ہو تو مریدین اور سالکانِ طریقت نفس کے آرام کی خاطر بیکاری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، —— مگر جو سالک طریقت مشیخت کے بلند مقام کو پاچکا ہے وہ اس وقفۂ بیکاری میں بھی مخلوق خدا کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ اس کے فرصت کے اس وقت سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح مریدوں کا فرصت میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ شیخ کا یہ وقت ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ مرید تھکن اور سستی کے بعد پھر روحانی سرگرمی اور طلب حقیقت کے جذبے کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر شیخ اپنے آرام اور فرصت کے وقت بھی لوگوں کو فائدہ پہنچا کر فضیلت حاصل کرتا ہے، چنانچہ جب وہ فراغت کے وقفہ کے بعد اپنی خلوت گاہ میں پہنچتا ہے تو اس کا نفس مریدوں کے نفس سے زیادہ چست اور سرگرم عمل ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ جلوت سے خلوت گاہ میں پہنچتا ہے تو اس کی ساری سستی دور ہوجاتی ہے۔ اس کے دل میں دیدارِ الٰہی کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کی روح کسی غیر کی آلودگی سے دامن بچا کر بڑے شوق اور ذوق کے ساتھ دارالقرار کی طرف چل پڑتی ہے یعنی مشاہدۂ حقیقت میں مشغول ہوجاتی ہے۔

حسنِ اخلاق اور تواضع:

شیخ طریقت کے فرائض وآداب میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے بلکہ مشائخ کی ضروری تعظیم وتکریم کے حق سے دست بردار ہوکر تواضع کو اختیار کرے۔

شیخ رقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مصر کی ایک مسجد میں درویشوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں شیخ زقاق رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور ایک ستون کے پاس کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے۔ ہم نے کہا:

''جب شیخ نماز سے فارغ ہوجائیں گے تو ہم کھڑے ہوکر انہیں سلام کریں گے۔''

وہ نماز سے فارغ ہوکر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں سلام کیا۔ ہم نے عرض کیا:

''حضرت! سلام تو ہم نے کرنا تھا'' —— یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس عذاب میں کبھی مبتلا نہیں کیا کہ میں خود کو اس بات کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے اور

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com
مرکز العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

لوگ میری طرف رجوع کریں۔"

مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی:

شیخ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے، ـــــ ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

"جب تم کسی درویش کو دیکھو تو اس کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی کے ساتھ پیش آؤ، ـــــ علم کے ذریعے اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔ اس لئے کہ نرمی اور خوش طبعی اسے تم سے مانوس کر دے گی جبکہ علم کے اظہار سے اسے وحشت محسوس ہوگی ـــــ لہٰذا شیخ اگر مرید کے ساتھ نرمی سے پیش آئے تو آہستہ آہستہ مرید اس کے علم کی برکتیں بھی سمیٹ سکے گا۔ اس وقت اس سے علمی گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

مریدوں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ:

آدابِ شیخ میں یہ اصول بھی ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے، ـــــ صحت و بیماری دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے۔ مریدوں کی عقیدت و ارادت اور خلوص کے باعث ان کے حقوق سے صرفِ نظر نہ کرے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"باہمی محبت و مودت کی بناء پر اپنے دوست کی حق تلفی نہ کرو۔"

شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں حج سے فارغ ہوا تو سب سے پہلے شیخ جنید (رحمۃ اللہ علیہ) سے ملا اور انہیں سلام کیا تا کہ انہیں میرے پاس آنے کی زحمت نہ ہو۔ ان سے مل کر میں اپنے گھر چلا آیا، ـــــ جب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور پیچھے مڑ کے دیکھا تو حضرت جنید میرے پیچھے کھڑے تھے۔ میں نے کہا:

"جناب والا! میں آپ کو پہلے سلام کرنے اس لئے چلا گیا تھا تا کہ آپ کو میرے پاس آنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"

انہوں نے مجھ سے فرمایا:

"اے ابو محمد جریری! یہ آپ کا حق ہے کہ میں سلام کو حاضر ہوا، اور وہ آپ کی فضیلت و بزرگی تھی کہ آپ میرے پاس تشریف لائے۔"

مرید کا صدقِ عزیمت اور ضبطِ نفس:

مشائخ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ مرید کے صدقِ عزیمت اور ضبطِ نفس میں کمی محسوس کرے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اسے رخصت کی حد پر قائم رکھے۔ کیونکہ اسی میں کثیر بھلائی ہے، ـــــ اور جب تک مرید شرعی سہولت (یعنی رخصت) کی حدود کو عبور نہ کر لے تب تک وہ آزاد رہتا ہے۔ اور جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں میں گھل مل کر رخصت کے کام کرنے کی عادت بنا لے، تب شیخ اسے آہستہ آہستہ مہربانی اور نرمی سے ہمت و عزیمت کے مقام کی طرف لے جائے۔ اس

www.waseemziyai.com

طرح وہ اپنی منزل کو پالے گا۔

شیخ ابوسعید بن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دولت مند باپ کا بیٹا ابراہیم الصائغ تھا۔ جو صوفیاء کرام سے متاثر ہو کر شیخ ابواحمد القلانسی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے لگا۔

شیخ ابواحمد کے پاس جب کچھ رقم آجاتی تو آپ اس کے لئے نرم نرم روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور حلوہ خرید کر منگواتے اور اسے کھلاتے۔ آپ خود نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے:

''اس نے ابھی ابھی دنیا چھوڑی ہے۔ چونکہ اس کی پرورش ناز و نعم میں ہوئی ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ نرمی کرنا اور دوسروں پر ترجیح دینا ضروری ہے۔''

پرخلوص اور بے لوث خدمت:

مشائخ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ مریدوں کے مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کی زندگی چونکہ اللہ کے لئے وقف ہوتی ہے اس لئے وہ عوام کی ہدایت کا کام محض اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ مرید کی اصلاح اور بھلائی کے لئے شیخ جو بھی کام سرانجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہے۔ —— حدیث شریف میں ہے:

''صدقہ دینے والا جو صدقہ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ لوگوں میں علم کو پھیلایا جائے۔''

جو کام خالصتاً اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں خلوص کی تلقین فرمائی ہے اور ان کاموں کو نفسانی آلودگی سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (پ۲۹، سورہ دھر)

''ہم تمہیں اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے۔''

اس لئے شیخ کے لئے بھی یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے صدقہ (علم پھیلانے کا) کا بدلہ مانگے۔ سوائے اس صورت کے کہ اسے اللہ کی طرف سے حکم ملے کہ وہ مرید کا نذرانہ قبول کر لے، —— یا شیخ مرید کے لئے کوئی مصلحت دیکھے تو وہ اس کے مال اور خدمت سے فائدہ اٹھائے تاکہ مرید اس مال کی بدولت آنے والی مصیبتوں اور مشکلات سے محفوظ و مامون رہے۔

سارا مال صرف کر دینا:

ارشاد باری ہے:

يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝

(پ۲۶، سورہ محمد)

''وہ تمہیں تمہاری اجرت دے گا اور تم سے تمہارا (سارا) مال نہیں مانگے گا، اگر وہ تم سے تمہارا مال مانگے اور اس پر اصرار کرے تو تم کنجوسی کرو گے، اور وہ تمہارے دلوں کے کینے ظاہر کر دے گا۔''

www.waseemziyai.com

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ مال کے خرچ کرنے سے دل کی کدورت نکل جاتی ہے۔اس لئے اس نے لوگوں کو آداب سکھائے ہیں، اور جسے اللہ تعالیٰ ادب سکھائے اس کا رتبہ بہت بلند ہے۔''

شیخ جعفر الخلدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے چاہا کہ اپنا سارا مال آپ کی خدمت میں پیش کر دے اور آپ کے پاس بقیہ زندگی فقر میں گزار دے۔حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

''تم اپنا سارا مال نہ صرف کرو بلکہ اس میں سے کچھ اپنے گزارے کے لئے روک لو۔اور جو زائد ہو وہ صرف کر دو، ——اور جو مال تم نے روک لیا ہے اسی میں اپنا گزارا کرو اور حلال معاش تلاش کرو، —— اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب نہ خرچ کرو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس تم سے اس کی پھر طلب کرے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ کسی کام کا ارادہ فرماتے تو اس پر ثابت قدم رہتے تھے، ——لہٰذا شیخ کو بھی مرید کے حال سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا جو مال خرچ کر رہا ہے، اس کے بعد کبھی اس مال کی آرزو نہ کرے گا، —— اس صورت میں وہ مرید کو اس مال کے صرف کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ کی راہ میں سارا مال خرچ کرنے کی اجازت دے دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سارا مال (جیشِ عسرت میں) قبول کر لیا تھا۔

حکمت سے کام لیا جائے:

شیخ کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کسی مرید میں کوئی بری بات پائے، یا اس کے حال میں کوئی ٹیڑھا پن دیکھے، ——یا وہ یہ دیکھے کہ اس مرید میں خودنمائی یا خودستائی (شیخا پن) تو اسے براہ راست نہ منع کرے نہ ہی ٹوکے، —— بلکہ اپنے ساتھیوں سے باتوں باتوں میں اس برائی کی طرف اشارہ کر دے اور اجمالی طور پر اس کی برائی کا بھی ذکر کر دے۔اس انداز سے نہ صرف دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے گا بلکہ اس کا اثر بھی زیادہ ہوگا۔اور یہ بات حکمت اور نرمی سے قریب تر ہے۔اس سے بعض لوگوں کی تالیفِ قلب ہوگی۔

عفو و درگزر:

شیخ اگر مرید کے کسی ایسے کام میں کوتاہی دیکھے جس کا اس نے حکم دیا تھا تو اسے برداشت کرے۔اور اس کوتاہی پر اس کا قصور معاف کر دے، ——اس کے بعد نرمی اور بُردباری کے ساتھ اسے اس خدمت کے لئے آمادہ کرے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر اسی طرح سے ارشاد فرمایا تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنے خادم کو روزانہ کتنی بار معاف کروں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روزانہ ستر بار!''

www.waseemziyai.com

مشائخ کرام کے اخلاق رسول اللہ ﷺ کے حسن اتباع کی بدولت سج بن گئے اور یہی حضرات اللہ تعالیٰ اور آپ کے احکام وفرائض اور ممنوعات کے سلسلے میں آپ ﷺ کی سُنّت کو زندہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔

مرید کی رازداری:

شیخ کے ذمہ سب سے اہم ادب یہ ہے کہ مریدوں کے اسرار و مکاشفات جو شیخ کے علم میں ہوں، ان کی حفاظت کرے، —— اس لئے کہ مرید کا راز داں یا تو اللہ کی ذات ہوتی ہے یا اس کا شیخ، لہٰذا اس کی خبر کسی اور کو نہیں ہونی چاہئے، —— مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے نوازا جائے، —— یا کسی خلافِ عادت چیز کا مشاہدہ کرے تو شیخ کو چاہئے کہ:

- —— مرید کے سامنے ان کی اہمیّت کو گھٹانے کی کوشش کرے،
- —— اسے سمجھائے کہ ایسی چیزیں اللہ کی طرف متوجہ اور مشغول ہونے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔
- —— ان پر اعتماد نہ کرے ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل آئے گا،
- —— ان سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو سکتے ہیں۔
- —— اس نعمت کا شکر ادا کیا جائے، —— اور یہ سمجھائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اور کئی نعمتیں ہیں، —— اور یہ کہ:
- —— مرید کا اصلی مقصد یہ ہے کہ وہ منعم کی جستجو کرے نہ کہ اس کی نعمت پر اکتفا کرے۔

صورت یہ ہونی چاہئے کہ مرید کا راز یا تو خود اسے معلوم ہو یا اس کے شیخ کو، —— اور شیخ اس راز کو افشا نہ کرے۔ کیونکہ راز کا افشاء کرنا تنگ دلی کی علامت ہے۔ یہ تنگ دلی عورتوں اور کم عقل مردوں میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ راز افشاء کرنے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان میں دو قوتیں کارفرما ہیں:

- —— ایک قوت اخذ کرنے والی ہے،
- —— دوسری قوت عطا کرنے والی ہے،

اور یہ دونوں قوتیں اپنا اپنا مخصوص کام انجام دینے میں لگی رہتی ہیں، —— اگر اللہ تعالیٰ دینے والی قوت (قوت معطیہ) کو یہ خاصیت عطا نہ فرماتا کہ وہ ہر چیز کو ظاہر کر دیتی ہے تو راز کبھی افشاء نہ ہوتے۔

جب یہ قوت ایک صاحب عقل سے اپنے فعل کا تقاضا کرتی ہے تو وہ اسے قابو میں رکھتا ہے اور آزاد نہیں ہونے دیتا بلکہ عقل کے ترازو میں تول کر اسے حد اعتدال میں (مناسب مقام پر) رکھتا ہے، —— مشائخ کی عقلیں چونکہ پختہ ہوتی ہیں اس لئے وہ افشائے راز کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ایک مرید کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے راز کی خود حفاظت کرے، اسے فاش نہ ہونے دے، —— اسی صورت میں اس کی صحت و سلامتی پنہاں ہے، —— اور اسی کی بدولت سچے مریدوں کے احوال و مقامات میں تائید ایزدی شامل رہتی ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۳:

صحبت کی حقیقت اور اس کے اثرات

ہم نشینی وصحبت کا اصل محرک:

ہم نشینی اور صحبت کا اصل محرک ہم جنس ہونا ہے، — کبھی اس کا محرک عام اوصاف ہوتے ہیں اور کبھی خاص اوصاف، — ہم نشینی کی تحریک پیدا کرنے والے عام اوصاف یہ ہیں:

جیسے ایک انسان کی دوسرے انسان کی طرف رغبت۔

اور خاص اوصاف یہ ہیں:

جیسے ایک خاص قوم کے لوگوں کا دوسرے لوگوں کی طرف مائل ہونا۔

اس سے بھی زیادہ ہم جنس ہونے کے خاص اوصاف یہ ہیں:

○ — جیسے نیک لوگوں کا نیک لوگوں کی طرف میلان اور رجحان ہو، یا

○ — جیسے گناہ گار لوگوں کا اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رغبت کرنا یا ایک دوسرے سے مانوس ہونا۔

صحبت وہم نشینی کی اصل وبنیاد:

جب یہ اصول معلوم ہوگیا کہ صحبت وہم نشینی کی اصل ہم جنس ہونا ہے۔ خواہ اس کے اوصاف عام ہوں یا خاص ہوں، — جب انسان کسی کی صحبت اختیار کرنا چاہے تو اس بات کا بخوبی جائزہ لے کہ وہ کون سی چیز ہے جو اسے دوسروں کی صحبت اختیار کرنے کے لئے مائل کررہی ہے۔ جس کی محبت اسے اپنی طرف مائل کررہی ہے، کھینچ رہی ہے، اور جس کی طرف اس کا میلان ورجحان ہے، اس کے حالات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ لے:

○ — اگر اس کے حالات شرعی لحاظ سے درست دکھائی دیں تو اس وقت صحبت چاہنے والا خود کو لائق تحسین ومبارکباد سمجھے کہ اس کی حالت بہتر ہے، — کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا آئینہ ضمیر اس قدر روشن بنایا ہے کہ اسے بھائی کے آئینے میں اپنی نیکی کا حسن وجمال نظر آتا ہے۔

○ — اگر اس کے کام شرعی اعتبار سے درست نظر نہیں آتے تو اس وقت خود کو ملزم ٹھہرائے اور ملامت کرے، — کیونکہ اسے بھائی کے آئینے میں اپنی برائی وبدحالی دکھائی دیتی ہے۔

اب اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ایسے شخص سے اس طرح بھاگے جس طرح وہ شیر سے ڈر کے بھاگتا ہے، — اس

www.waseemziyai.com

لئے کہ اگر وہ دونوں ہم نشیں ہو جائیں گے تو ان دونوں کی تاریکی اور کجی مزید بڑھ جائے گی، ـــــ اور اگر اسے اپنے ساتھی کی حالت درست معلوم ہو جائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ اس کے کام درست ہیں اور اسے اپنی صلاحیت کا بھی علم ہو جائے تو وہ اپنے بھائی کے آئینہ دل میں نیکی کا مشاہدہ کرے گا۔

ہم جنس ہونے کا رجحان و میلان:

یہ بات پیش نظر رہے کہ ہم جنس ہونے کا عام رجحان ایک طبعی رجحان ہے، لیکن خصوصی طور پر اس طرح کا میلان بعد میں احوال کے مطابق ہوتا ہے، ـــــ اس کے اثرات سے نفس اس قدر اطمینان اور سکون محسوس کرتا ہے کہ اس خصوصی باہمی میلان کے فوائد طبعی رجحان پر غالب آجاتے ہیں۔ اس وقت وہ دونوں ہم نشیں اس قدر خوش طبعی راحت اور لذت حاصل کرتے ہیں کہ ان کی مخلصانہ محبت اور محبتِ الٰہی میں فقط زاہد علماء ہی فرق محسوس کر سکتے ہیں۔

کبھی کبھار ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ مرید صادق نیک لوگوں کی صحبت میں رہ کر ایسا خراب ہوتا ہے کہ وہ برے لوگوں کی صحبت میں رہ کر بھی اتنا خراب نہ ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برے لوگوں کی برائی کا سب کو پتہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی صحبت سے گریز کیا جاتا ہے، ـــــ مگر نیک لوگوں کی نیکی سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان ہم جنس ہونے کے باعث مائل ہوتا ہے۔ بعد میں یہ باہمی محبت اور میلان اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت اور صحبت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے، اس طرح راہِ طلب میں فتور اور مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ـــــ اس لئے ایک طالبِ صادق کو یہ نکتہ اچھی طرح سمجھنا چاہئے تاکہ وہ صحبت کی صاف ترین صورت کو اپنا سکے، اور وہ باتیں چھوڑ دے جو مقصد کے حصول میں حائل ہوں۔

عزلت و گوشہ نشینی:

ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

"تمہیں برائی اسی سے ملتی ہے جسے تم جانتے ہو"

اسی بناء پر بزرگوں کی ایک جماعت نے صحبت اور ہم نشینی کو اچھا نہیں سمجھا۔ انہوں نے عزلت و خلوت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی ہے اور افضل سمجھا ہے۔ ان حضرات میں حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت شیخ داؤد طائی حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سلیمان الخواص رحمہم اللہ علیہم جیسے مشاہیر صوفیاء شامل ہیں، ـــــ بلکہ حضرت سلیمان الخواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب ایک بار ان سے کہا گیا کہ:

"شیخ ابراہیم بن ادھم تشریف لائے ہیں، کیا آپ ان سے ملاقات نہیں کریں گے۔"

حضرت سلیمان نے فرمایا:

"کوئی خونخوار درندہ اگر میرے پاس آجائے تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ابراہیم بن ادھم سے ملاقات کروں، ـــــ اس لئے کہ جب میں ان سے ملوں گا تو ان سے اچھی اچھی باتیں ہوں گی۔ مجھے نفس کے بہترین احوال کا

www.waseemziyai.com

اظہار کرنا پڑے گا۔ اس طرح سے نفس مجھ پر غالب آ جائے گا۔ اس میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔"

یہ اس شخص کے خیالات ہیں جو اپنے نفس اور اخلاق کو اچھی طرح سے جانتا تھا، ــــ اور واقعتاً ایسا ہی ہے کہ دو ہم نشینوں کی ملاقات میں اس بات کا امکان ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ بچائے رکھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بے شک عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال بھیڑیں بکریاں ہوں گی۔ جنہیں لے کر وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور نشیبی علاقوں میں پھرے گا، ــــ اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے دوڑتا پھرے گا۔"

باری تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یوں فرمایا:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَادْعُوْا رَبِّیْ ۝ (پ۱۶، سورہ مریم)

"میں تم سے اور ان چیزوں سے الگ ہوتا ہوں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، میں صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔"

اس طرح انہوں نے عزلت اور کنارہ کشی کے ذریعے قوم پر غالب آنے کی کوشش کی۔

عزلت کی اقسام:

عزلت اور گوشہ نشینی کی دو اقسام ہیں:

○ ــــ عزلت فرض ○ ــــ عزلت فضیلت

○ ــــ عزلت فرض یہ ہے کہ شر اور اہلِ شر سے بچا جائے۔

○ ــــ عزلت فضیلت یہ ہے کہ فضول باتوں اور فضول لوگوں سے الگ رہا جائے۔

یہ بھی مذکور ہے کہ خلوت، عزلت سے مختلف ہے، ــــ

○ ــــ خلوت، دوسروں سے الگ رہنے کا نام ہے۔

○ ــــ عزلت، نفس کی خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے الگ رہنے کا نام ہے۔

اس اعتبار سے خلوت کا وجود عام ہے مگر عزلت قلیل الوجود یعنی کم یاب ہے، ــــ شیخ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہمارے اس زمانے تک جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ سب میل جول سے پیدا ہوئے، ــــ ان سے وہی محفوظ رہ سکا جس نے میل جول سے گریز کیا۔"

صحبت کے خطرات:

مذکور ہے کہ سلامتی کے دس حصے ہیں، جن میں سے نو حصے خاموش رہنے میں ہیں۔ اور ایک حصہ عزلت نشینی میں ہے، ــــ بعض کہتے ہیں:

"خلوت اصل اور بنیاد ہے جبکہ میل جول (اختلاط) عارضی شے ہے۔"

www.waseemziyai.com

چنانچہ اصل یعنی خلوت کو اختیار کرنا چاہئے اور بقدر ضرورت میل جول رکھا جائے، ـــــ اور جب بقدر ضرورت لوگوں سے میل جول ہو تو خاموش رہا جائے کہ یہی اصل بنیاد ہے اور بات چیت عارضی ہے، ـــــ اس لئے صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے کیونکہ صحبت کے خطرات بہت ہیں۔ ان سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ بہر حال میل جول (اختلاط) اور صحبت سے بچنے کے لئے بہت سی احادیث اور روایات موجود ہیں جن سے متداولہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔

اس حوالے سے ایک جامع ترین حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لوگوں پر ایسا بھی زمانہ آئے گا جب کسی دین دار کی دین داری محفوظ نہ رہے گی۔ سوائے اس شخص کے کہ جو اپنے دین کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف، ـــــ اور ایک بلند پہاڑ سے دوسرے بلند پہاڑ کی طرف، ـــــ اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ کی طرف بھاگے گا جیسے ایک لومڑی چھپنے کے لئے بھاگی پھرتی ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ کب ہوگا؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یہ سب اس وقت ہوگا جب روزی گناہوں کے سوا کسی اور طرح سے حاصل نہ ہوگی، ـــــ ایسا زمانہ آجائے تو اس وقت مجرد رہنا حلال ہوگا۔"

لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے تو ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اس زمانے میں انسان کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں سے ہوگی، ـــــ اگر اس کے والدین نہیں ہوں گے تو اس کی ہلاکت بیوی اور اولاد کے ہاتھوں سے ہوگی، ـــــ اگر اس کے بیوی بچے نہ ہوں گے تو یہ ہلاکت اس کے رشتہ داروں کے ہاتھوں سے ہوگی۔"

لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہوگا؟"

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ لوگ اسے تنگی معاش پر شرم دلائیں گے۔ پھر وہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کرے گا، یہاں تک کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔"

صحبت کی فضیلت:

بزرگان سلف کی ایک جماعت نے اللہ کے لئے صحبت و اخوت کو پسند کیا ہے، ـــــ ان کا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ

www.waseemziyai.com

ایمان کے درمیان اخوت پیدا کی تو اسے اپنا احسان قرار دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ○

(پ۴، رکوع ۲)

''اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر کے جوڑ دیا اور اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ○ (پ۱۰، سورہ انفال)

''اللہ وہ ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری اور مومنوں کی مدد کی اور ان کے دلوں کو ملا دیا، — جو کچھ زمین ہے اگر تم وہ سب کا سب صرف کر ڈالتے، تو تم ان کے دلوں میں باہمی الفت نہیں پیدا کر سکتے تھے، — یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان یہ الفت پیدا کی۔''

اس خدائی بھائی چارے اور ہم نشینی کو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ فرمایا:

''صحبت کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ باطن کے مسامات کھول دیتی ہے اور اس کی بدولت انسان کو حادثات و واقعات کا علم حاصل ہوتا ہے۔''

کہتے ہیں کہ آفات و مصائب کی زیادہ اسی کو خبر ہو سکتی ہے جو بالعموم آفتوں اور مصیبتوں سے دوچار رہا ہو، — اس لئے علم محکم سے علم باطن کو استحکام ملتا ہے، اور آفات کی آندھیوں سے صداقت اور پختگی اختیار کر لیتی ہے۔ اور انسان اپنی قوتِ ایمانی کے ذریعے ان سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

صحبت اور اخوت کی بدولت نہ صرف تعاون اور ہمدردی کا جذبہ پختہ ہوتا ہے، بلکہ قلب کا لشکر بھی طاقت پکڑ لیتا ہے۔ اور روحیں ایک دوسرے کی روحانی خوشبو سے معطر ہوتی ہیں اور آسودگی و چین پاتی ہیں۔ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف مل کر توجہ کرتی ہیں، — انہیں آوازوں کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ جب چند آوازیں مل جاتی ہیں تو وہ آسمان کا سینہ چیر ڈالتی ہیں، — اور جب یہی آوازیں جدا جدا ہوں تو پھر منزلِ مقصود تک کوئی بھی نہیں پہنچتی۔

حدیث شریف میں ہے:

''مومن اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بہت کچھ ہو جاتا ہے۔''

اور جن لوگوں کا کوئی دوست نہ ہوگا۔ باری تعالیٰ ان کی زبانی فرماتا ہے:

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ○ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ○ (پ۱۹، سورہ شعراء)

www.waseemziyai.com

"(آج کے دن) نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی ہمدرد دوست ہے (جو ہمدردی کرے)"

اس آیت مذکورہ میں حمیم کا لفظ اصل میں ھمیم تھا، لیکن حروف حلقی اور ہم مخرج ہونے کی وجہ سے اسے حائے حطی "ح" سے بدل دیا گیا ہے۔ اور ھمیم، حمیم بن گیا، ــــ ھمیم، اہتمام سے ماخوذ ہے۔ یعنی ایسا شخص جو اپنے بھائی کے کام کے لئے کوشش کرے، کیونکہ دوست کے ضروری کاموں کے لئے کوشش کرنا ہی حقیقی دوستی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تم میں سے جب کوئی اپنے بھائی کی طرف سے اپنے لئے محبت کا اظہار دیکھے تو اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لے، کیونکہ یہ محبت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے (مفہوم):

"تمہیں زمانے میں اگر ایک سچا دوست مل جائے تو جان لو کہ تمہارا مقصد حاصل ہو گیا مگر سچا دوست ملتا ہی کہاں ہے!"

اللہ کی رضا نہ چاہنے والا جھوٹا دوست ہے:

ایک بار اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

"اے داؤد! تم نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کر لی" ــــ عرض کیا:

"الٰہی! میں نے تیری خاطر مخلوق سے گوشہ نشینی اختیار کی" ــــ

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

"اے داؤد (علیہ السلام)! تم بیدار اور ہوشیار رہ کر اپنے لئے دوست اختیار کرو، ــــ اور جو دوست میری رضا مندی نہ چاہے اسے چھوڑ دے کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے، وہ تمہارے دل کو پتھر کی طرح سخت بنا دے گا اور تمہیں مجھ سے دور کر دے گا۔"

اللہ کے محبوب بندے:

حدیث شریف میں ہے کہ

"تم میں سے اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں، اور دوسرے لوگ بھی ان سے محبت کرتے ہیں،" ــــ

چنانچہ ایک مومن ہمدرد اور ہر دل عزیز ہوتا ہے، ــــ اس حدیث شریف میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ جس نے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی، اس میں یہ خاصیت باقی نہیں رہتی ــــ (جبکہ دوسروں میں باقی رہتی ہے) ــــ یعنی گوشہ نشین نہ دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔ ــــ (یعنی یہ حدیث گوشہ نشینی کے خلاف دلیل کے طور پر نہیں پیش کی جا سکتی۔) رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث میں انسان کی فطری عادت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ اہلیت وصلاحیت، عقل وایمان اور معرفت میں

کامل ہیں، ان میں یہ فطری اخلاق بھی زیادہ مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں — اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات ہے جو اس وصفِ خاص میں کامل ترین تھے، — انبیاء کرام علیہم السلام میں سے زیادہ محبت کرنے والوں کی پیروی کرنے والے بھی زیادہ تھے، — اور ان سب میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی رسول اکرم ﷺ کی ذات تھی، اس لئے آپ کی پیروی اور اتباع کرنے والے بھی سب سے زیادہ تھے، — اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم نکاح کرو تمہاری کثرت ہوگی۔ کیونکہ قیامت کے دن میں اس کثرت کی بناء پر دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اکرم ﷺ کے ان اخلاقِ حسنہ کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۝ (پ۴، سورہ ال عمران)

''اگر تم بدخلق اور سخت گیر ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔''

یہی وجہ ہے کہ اس عالمگیر محبت کے جذبہ کے باوجود آپ ﷺ نے گوشہ نشینی اختیار کی، کیونکہ جس ہستی میں محبت و رافت کا وصف جتنا وافر اور مستحکم ہوگا، سلوک کی ابتداء میں وہ گوشہ نشینی کو اختیار کرے گا، — اسی لئے آپ ﷺ کو ابتدائے حال میں خلوت نشینی مرغوب تھی۔ آپ نے غارِ حرا میں خلوت اختیار کر کے کئی راتیں عبادت میں بسر فرمائیں، — اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزلت نشینی سے محبت کا جذبہ فنا نہیں ہوتا، — اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عزلت نشینی سے محبت کا جذبہ فنا ہو جاتا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ انہوں نے عزلت نشینی کو چھوڑ کر جذبہ محبت کی فضیلت حاصل کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ سراسر ان کی غلطی ہے۔

انبیاء کرام و اولیاء عظام، جن میں محبت کا جذبہ بخوبی ہوتا ہے، عزلت نشینی کو اختیار کرتے رہے ہیں۔ اس میں بھی وہی راز پوشیدہ ہے جس کا ہم نے اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ انسان میں فطری طور پر اپنے ہم جنسوں کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ جب اہلِ کمال میں یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں خلوت آرائی اور عزلت نشینی کا شوق بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ تاکہ وہ عام طور سے اپنے ہم جنسوں کی صحبت کے طبعی میلان سے اپنے نفس کو پاک کریں، — اور بلند ہمت ہستیاں (انبیاء و اولیاء کرام) اس طبعی میلان و رجحان کو چھوڑ کر محبت کی راہ میں ترقی پائیں، — چنانچہ وہ جب تصفیۂ نفس کا پورا حق ادا کر لیتے ہیں اور اس طبعی میلان سے پاک ہو جاتے ہیں تو روحیں پھر پہلی اور حقیقی محبت کی بناء پر اپنے ہم جنس کی طرف مائل ہوتی ہیں، — اور جب اللہ تعالیٰ انہیں مخلوق کی طرف دوبارہ بھیجتا ہے تو اس وقت ان کا لوگوں سے میل جول پاکیزہ اور مصفّا ہوتا ہے۔ وہ پاکیزہ نفوس روحانی انوار و تجلیّات سے روشن اور منور ہو جاتے ہیں اور لسے کامل محبت کا یہ جذبہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں بلکہ اللہ کے دوسرے بندے بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ — اس طرح جو شخص باہمی محبت کے اصول پر عمل پیرا ہو، اس کے نزدیک عزلت نشینی بڑی اہمیّت رکھتی ہے۔

جو لوگ عزلت و صحبت کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، اور عزلت کی مذمّت کرتے ہوئے اس پر دلیل لاتے ہیں، سخت غلطی پر ہیں، حالانکہ:

''جس طرح عزلت اپنے مناسب وقت پر پسندیدہ ہے، اسی طرح صحبت بھی اپنے مناسب وقت پر پسندیدہ ہے۔''

چنانچہ جو گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے وہ باہمی محبت کے اصول پر عمل پیرا ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول سب سے بڑی دلیل ہے:

''وہ شخص عقل سمجھ نہیں رکھتا کہ جو کسی ایسے شخص سے کہ جس کے ساتھ مل کے رہنا اس کے لئے لازم و ضروری ہو، تب تک نباہ نہ کرے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس شخص سے نجات اور چھٹکارے کی کوئی صورت نہ پیدا کر دے۔''

ہمدرد اور مخلص دوست:

حضرت بشر بن حارث ؒ نے ارشاد فرمایا:

''بندۂ حق جب اللہ کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے ہمدرد دوست کو چھین لیتا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اپنے مخلص بندوں کو فوری طور پر ثواب پہنچانے کے لئے مخلص و ہمدرد دوست عطا فرما دیتا ہے، ——ایسا مونس و ہمدرد:

- ——کبھی اسے اس طرح سے فیض پہنچاتا ہے جیسے شیخ کے ذریعے فیض پہنچتا ہے،
- ——کبھی خود اس سے مریدوں کی طرح فیض حاصل کرتا ہے۔

لہٰذا ایک صحیح خلوت نشین کو مونس و ہمدرد کے بغیر نہیں رہنے دیا جاتا۔

- ——اگر خلوت نشین سے اپنے کام میں کوتاہی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا شخص اس کا ہمدرد بن کے آتا ہے جو اس کے حال کی تکمیل کرا دے۔
- ——اگر اس کے حال میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے کسی مرید کو اس کا مونس و ہمدرد بنا دیتا ہے،

یہ انس و محبت عام طرح کی محبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے، —— اللہ کے لئے، —— اور اللہ کے کام کے لئے ہوتی ہے۔

رضائے الٰہی کے لئے باہمی محبت:

- ——حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، قیامت کے دن وہ سرخ یاقوت کے ستونوں پر ہوں گے، —— ان ستونوں کے سروں پر ستر ہزار بالا خانے ہوں گے، —— ان بالا خانوں سے وہ اہلِ بہشت کو جھانکیں گے، ان کا حسن و جمال اہلِ بہشت پر ایسا چمکے گا جس طرح کہ دنیا والوں پر سورج چمکتا ہے، —— ان کا حسن و جمال دیکھ کر اہلِ بہشت کہیں گے:

''ہمیں ان لوگوں کے پاس لے چلو تا کہ ہم ان لوگوں کو دیکھ سکیں جو محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔''

وہ سبز ریشم کے کپڑے پہنے ہوں گے، ان کی پیشانی پر لکھا ہو گا:

''یہ لوگ ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔''

www.waseemziyai.com

○ —— شیخ ابوادریس الخولانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا:

”میں آپ سے محض اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تمہیں خوش خبری اور بشارت ہو کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کے دن کچھ لوگوں کے لئے عرش کے اردگرد کرسیاں رکھی جائیں گی، —— ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اس وقت لوگ پریشان ہوں گے مگر یہ پریشان نہیں ہوں گے، —— یہ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی ڈر ہوگا۔“

لوگوں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کون لوگ ہیں!“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔“

○ —— حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ارشاد باری تعالیٰ ہے: وہ لوگ میری محبت کے مستحق ہوگئے جو:

○ —— میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں،

○ —— میرے لئے ہی ایک دوسرے سے ملتے ہیں،

○ —— میرے لئے ہی ایک دوسرے پر اپنا مال صرف کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔“

بغض دین کو خراب کردیتا ہے:

شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو بہت زیادہ نمازیں پڑھنے اور صدقہ دینے سے بہتر ہے۔“

انہوں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ عمل کیا ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”وہ عمل دو بندوں کے درمیان صلح کرادینا ہے، —— تم بغض اور عداوت سے الگ رہو کیونکہ یہ دین کو خراب کرتا ہے۔“

حضرت ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس میں بغض وعداوت پر وعید آئی ہے، اور وہ یہ ہے:

www.waseemziyai.com

''کوئی خلوت نشین، لوگوں سے نفرت اور بدگمانی کر کے ان سے کنارہ کشی نہ اختیار کرلے، کیونکہ یہ سخت غلطی ہوگی، — مگر جو شخص اپنے نفس اور اس کی آفات سے بچنے کے لئے اور مخلوق کو اپنی برائی سے محفوظ رکھنے کے لئے گوشہ نشین ہو جائے تو ایسا شخص اس وعید کے تحت نہیں آتا۔''

اس حدیث میں حالقہ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ بغض دین کو خراب کرنے والا ہے، — کیونکہ ایسا شخص مومن بندوں اور دوسرے مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، اور ایسا کرنے والا دین کو خراب کرنے والا ہے۔

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جس کا نصف حصہ آگ کا اور نصف حصہ برف کا ہے، اور یہ دعا کرتا ہے کہ الٰہی! جس طرح تو نے میرے اندر برف اور آگ کو ملا دیا ہے کہ نہ تو برف آگ کو بجھا سکتی ہے اور نہ آگ برف کو پگھلا سکتی ہے، — اسی طرح تو اپنے نیک بندوں میں الفت پیدا فرما دے۔''

نیک بندوں کی صحبت:

اللہ کے نیک بندوں کے دلوں میں یقیناً باہمی الفت و محبت ہوگی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حال کے مبارک ترین لمحوں میں انہیں قاب قوسین کے عزت والے مقام پر پایا۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اس وقت وہاں کسی چیز کی گنجائش نہ تھی، مگر اللہ کے یہ نیک بندے اپنے حال کی لطافت کی بناء پر وہاں موجود تھے۔ تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۝

''ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر۔''

لہٰذا یہ نیک بندے چاہے ظاہری طور پر متفرق ہوں، ایک جگہ پر نہ ہوں مگر روحانی طور پر یکجا اور اکٹھے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے قریب اور ہم صحبت و ہم نشین ہیں اور دنیا و آخرت کو ملانے کے لئے ان کی کوششیں یقینی ہیں۔

○ — حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص اگر دن بھر روزہ رکھے اور شب بھر نماز پڑھے، — صدقات بھی دے، خیرات بھی کرے، (اس کے ساتھ ساتھ) جہاد بھی کرے، — لیکن اگر اس کی کسی سے اللہ کے لئے نہ محبت ہو، — اور نہ کسی سے اللہ کے لئے دشمنی ہو تو ایسے شخص کے یہ سب کام بے فائدہ ہیں۔''

○ — شیخ ابوبکر الکلمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے ساتھ رہو (اس کی صحبت اختیار کرو)، — اگر تمہارے میں اس کی طاقت نہیں تو ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اللہ کی صحبت میں رہتے ہیں۔ تاکہ ان کی صحبت کی برکت تمہیں اللہ کی صحبت میں پہنچا دے۔''

○ — ہمارے شیخ محترم ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالا سناد شیخ علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ تم مخلوق سے الگ رہو لیکن اولیاء اللہ سے الگ نہ رہو — اس لئے کہ اولیاء اللہ سے محبت

www.waseemziyai.com

اللہ سے محبت ہے۔"

صحبت وخلوت کے ثمرات ونقصانات:

ایک شاعر نے صحبت وخلوت کا مفہوم اور اس کے ثمرات ونقصانات کا اس طرح سے ذکر کیا ہے:

"کسی برے ہم نشین کے پاس بیٹھنے سے بہتر ہے کہ انسان اکیلا رہے، — اور کسی نیک اور اچھے ہم نشین کے پاس بیٹھنا اس سے بہتر ہے کہ انسان اکیلا بیٹھا رہے۔"

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۴:

صحبت اور اخوّت کے حقوق

حقوق صحبت کے آداب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ ــــ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى○

''نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو۔''

○ ــــ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○

''وہ ایک دوسرے کو حق کہنے اور رحم کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔''

○ ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی یوں تعریف فرمائی:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ○

''وہ کافروں پر سخت ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرتے ہیں۔''

ان آیات مذکورہ بالا میں بندوں کو حقوقِ صحبت کے آداب بتائے گئے ہیں، ــــ چنانچہ جو کوئی کسی کی صحبت اختیار کرے، ــــ یا اسے اپنا روحانی بھائی بنائے تو اس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ دونوں مل کر اللہ تعالیٰ سے نیاز مندی اور گریہ وزاری کے ساتھ یہ دعا کریں:

''اللہ تعالیٰ ان کی صحبت میں برکت عطا فرمائے۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت یا جہنم کا دروازہ کھول دے گا، ــــ

نیک صحبت:

اگر ان دونوں کی صحبت میں خیر و برکت ہے تو وہ بہشت کے دروازے کا کھل جانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ○

''اس (قیامت کے) دن پرہیزگاروں کے سوا ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔''

مذکور ہے کہ قیامت کے دن جب ایک روحانی بھائی سے کہا جائے گا: ''تم بہشت میں داخل ہو جاؤ۔'' تو اس وقت وہ اپنے

www.waseemziyai.com

(روحانی) بھائی کے مقام کے بارے میں دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہے، — اگر وہ اس سے کم درجے پر ہوگا تو وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک اس کے بھائی کو بھی اس جیسا درجہ یا مقام نہ دیا جائے گا، — اور اگر جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ اس کے اعمال تو تیرے اعمال جیسے نہیں ہیں، — تو وہ کہے گا:

"میں تو یہ اعمال اپنے اور اپنے اس بھائی کے لئے کرتا تھا۔"

چنانچہ اسے وہ سب کچھ عطا کر دیا جائے گا جس کا وہ اپنے بھائی کے لئے تمنائی تھا۔ اس کے بھائی کو اس کے برابر کا درجہ اور مقام عطا کر دیا جائے گا۔

بدصحبت:

اگر ان دونوں کی صحبت میں شر اور فساد ظاہر ہوا تو اس پر دوزخ کا دروازہ کھل جائے گا، — جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝

"اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: "کاش! میں نے رسول کا راستہ اپنایا ہوتا ہے، — کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔"

یہ آیت اگرچہ ایک مشہور واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اپنے بندوں کو اس بات سے مطلع کیا ہے کہ وہ ایسے ہر دوست سے کنارہ کش رہے جو اسے اللہ کے راستے سے ہٹا دینے اور دور کر دینے والا ہو۔

چھان بین کئے بغیر اور نیت کا حال جانے بغیر اچانک کسی کی دوستی اور صحبت اختیار کرنا ایسے جاہلوں، غافلوں اور نادانوں کا کام ہے جو معاشرتی معاملات کے مقاصد اور ان کے نفع و نقصان کا علم نہیں رکھتے، — اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

"انسان ہی انسان کو بگاڑتا اور خراب کرتا ہے۔"

صحبت میں احتیاط:

صحبت سے نیک و بد اثرات ہوتے ہیں۔ یعنی صحبت سے بگاڑ بھی ہو سکتا ہے اور سدھار بھی۔ جب ایسا ہی معاملہ ہے تو شروع ہی سے احتیاط کی جائے، — اس کے لئے دوست کے صحیح انتخاب کے لئے اللہ سے بار بار دعا کرے، — نہ صرف خیر و برکت طلب کی جائے بلکہ نماز استخارہ بھی پڑھی جائے تاکہ تائید غیبی بھی حاصل ہو جائے۔

صحبت و اخوّت اختیار کرنا بھی ایک طرح کا عمل ہے۔ اس لئے ہر عمل کی طرح اس کے لئے بھی حُسنِ نیت اور نیک انجام کی تمنا کرنے کی ضرورت ہے، — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طویل ارشاد مبارک کو مختصراً پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"سات افراد ایسے ہیں جو قیامت کے دن اللہ کے سائے تلے ہوں گے، — ان میں سے دو شخص وہ ہیں جو ایک دوسرے

www.waseemziyai.com

سے محض اللہ کے لئے محبت کرتے رہے ہیں اور انہیں اسی حالت میں موت آئی۔"

اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اخوّت و محبت میں نیک انجام کا ہونا بھی شرط ہے۔ تاکہ ان دونوں کے لئے باہمی اخوّت کا ثواب لکھ دیا جائے، ـــ اور جب باہمی اخوّت و بھائی چارے کے حقوق ضائع کر کے فساد اور بگاڑ پیدا کر دیا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس کی نیت ہی بگاڑ کی تھی۔

مذکور ہے کہ جب دو آدمی مل کر کوئی نیک کام کریں تو شیطان اس پر اس قدر حسد نہیں کرتا جتنا اسے ان دو آدمیوں پر ہوتا ہے جو روحانی بھائی بن کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ شیطان اور اس کے چیلے اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ جیسے بن پڑے ان دونوں کے بھائی چارے میں بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔

روحانی محبت:

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"غیبت واقع ہونے سے اخوّت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانی اخوّت روبرو (آمنے سامنے) ہوتی ہے جبکہ غیبت میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ ○

"وہ بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔"

لیکن اگر کوئی کسی کے خلاف دل میں رنجش رکھے یا ایک دوسرے کی کوئی بات برے لگے تو اس کا اظہار کر کے اس کا خود ازالہ نہ کیا جائے یا اس سے اس کا ازالہ نہ کرایا جائے تو یہ آمنے سامنے کی دوستی نہ ہوئی، بلکہ غیبت اور پہلو تہی ہے۔

سید الطائفہ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر دو شخص محض اللہ کے لئے روحانی بھائی بن جائیں، ـــ پھر ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے نفرت کرے تو یقیناً کسی نہ کسی میں کوئی خامی ہے۔ اللہ کے لئے محبت تو میٹھے پانی سے بھی زیادہ خوشگوار اور پاکیزہ ہے، ـــ اور جو کام اللہ کے لئے کیا جائے اس میں وہ خود پاکیزگی پیدا فرما دیتا ہے، ـــ اور جس کام میں پاکیزگی ہو اسے ہمیشگی حاصل ہوتی ہے۔ اس دائمی پاکیزگی کی اصل یہ ہے کہ باہمی اختلاف نہ ہو، ـــ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم اپنے بھائی سے نہ جھگڑا کرو، نہ دل لگی کرو، ـــ اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جسے تم پورا نہ کر سکو۔"

حضرت شیخ ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پچاس سال تک صوفیاء کی صحبت میں رہا لیکن اس طویل عرصے میں میرے اور ان کے درمیان کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا، ـــ ان سے دریافت کیا گیا:

"ایسا کس طرح سے ممکن ہوا؟" ـــ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ان کی صحبت میں نفس کو خود پر غالب نہیں آنے دیا۔"

www.waseemziyai.com

مخلوق کے ساتھ صحبت کی شرائط:

ابوعبداللہ بن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ میں مخلوق کی صحبت میں کن شرائط کے ساتھ رہوں، — آپ نے فرمایا:

○ — اگر تم ان کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو انہیں تکلیف بھی نہ دو،

○ — اگر تم انہیں خوش نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ برائی بھی نہ کرو،''

مزید فرمایا:

''اپنے بھائی کی محبت اور دوستی سے فائدہ اُٹھا کر اس کی حق تلفی مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق مقرر فرما دیئے ہیں، — چنانچہ جو ان کی حق تلفی کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کرتا ہے۔''

قطع تعلق میں بھی خیر سے ذکر کرنا:

صحبت کے دیگر حقوق و آداب میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر کسی دوست سے قطع تعلق ہو جائے تو بعد میں بھی اس کا ذکر خیر سے کرنا چاہیئے، — مذکور ہے کسی بزرگ کو اپنی اہلیہ کی ناپسندیدہ باتوں کا علم تھا۔ جب دوسرے لوگ ان سے اس کا ذکر کرتے تو آپ فرماتے:

''مرد کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے بارے میں اچھی بات کہے۔''

کچھ مدت کے بعد انہوں نے اسے طلاق دے دی، — اس کے بعد لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''جبکہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب میں اس کے بارے میں کیا کہوں۔''

یہ اصل میں اخلاق الٰہی کی پیروی اور اتباع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عمدہ اور پاکیزہ باتیں ظاہر فرماتا ہے اور ناپسندیدہ اور بری باتیں چھپاتا ہے۔

قطع تعلق کے بعد رویہ:

اس معاملے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی سے قطع تعلق ہو جائے تو کیا اس سے بغض رکھنا چاہیئے یا نہیں؟

○ — حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب میرا کوئی دوست اپنی پہلی حالت کو بدل دے تو میں اس سے اس طرح بغض رکھوں گا جس طرح اس سے محبت رکھتا تھا۔''

○ — ایک اور بزرگ اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''کسی دوست کی صحبت میں رہنے کے بعد اس سے بغض نہیں رکھنا چاہیئے، البتہ اس کے عمل (اور کردار) سے نفرت کرنی چاہیئے۔''

www.waseemziyai.com

جیسا کہ باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ سے فرمایا:

فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۝

''اے رسول! اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیں کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔''

اس آیت میں عمل اور کردار سے بیزاری کے لئے اظہار فرمایا گیا، ان کی ذات اور شخصیت سے بیزاری کے لئے نہیں فرمایا گیا۔

بغض کا معیار اور اظہار:

مذکور ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی محفل میں ایک نوجوان بیٹھا کرتا تھا۔ آپ اوروں پر اسے ترجیح دیتے تھے، —— اتفاق سے وہ نوجوان کسی کبیرہ گناہ میں گرفتار ہو گیا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی۔ لوگ کہنے لگے:

''کاش آپ نے اسے چھوڑ دیا ہوتا۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''دوست کو ایسی باتوں پر چھوڑا نہیں جاتا ——''

کہا جاتا ہے کہ دوستی ایک ایسا رشتہ ہے جیسے خونی رشتہ ہوتا ہے۔ کسی صاحب عقل سے پوچھا گیا:

''تمہیں بھائی یا دوست میں سے کون زیادہ پسندہ ہے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''اگر میرا بھائی میرا دوست بن جائے تو میں اسے پسند کروں گا۔''

لغزش کی معافی:

رائے کا اختلاف ان صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

- —— جب دوست سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے جدائی ہو جائے،
- —— یا یہ کہ ظاہری جدائی ہو اور باطنی تعلق قائم رہے۔

اس معاملہ میں تفصیل کے بغیر کلّی طور پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف اشخاص کے حالات مختلف ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

- —— کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ تبدیلی اس صورت میں نمودار ہوتی ہے جب وہ اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں اور ان کی سابقہ برائی ان میں پلٹ آتی ہے، —— ایسے لوگوں سے بغض رکھنا لازم ہے۔
- —— کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے اتفاقیہ کوئی لغزش واقع ہو گئی ہو، —— یا غفلت اور کوتاہی واقع ہو گئی ہو، لیکن ان کی اصلاح کی توقع ہو، —— ایسے لوگوں سے بغض نہیں رکھنا چاہئے لیکن موجودہ حالت کی وجہ سے ان کے عمل سے نفرت کی جائے مگر ان کی ذات سے نفرت نہ کی جائے بلکہ انہیں محبت کی نظر سے ہی دیکھا جائے، —— اور ان کی نجات اور اصلاح کی امید

رکھنی چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

''کچھ لوگوں نے جب اس شخص سے بدکلامی کی اور اسے برا کہنے لگے جس نے کوئی بدکاری کی تھی تو آپ ﷺ نے انہیں چپ کراتے ہوئے یہ تنبیہ فرمائی:

''تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔''

حضرت ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر تمہارے روحانی بھائی سے کوئی گناہ واقعہ ہو جائے تو اس سے قطع تعلق نہ کرو، — کیونکہ آج اگر اس سے یہ گناہ ہو گیا ہے تو کل وہ اسے چھوڑ بھی دے گا۔''

حدیث شریف میں آیا ہے:

''عالم کی لغزش سے بچو، — لغزش پر ناپسندیدگی کا اظہار کرو، لیکن اس لغزش کی وجہ سے اس سے قطع تعلق نہ کرو بلکہ اس کی توبہ کے منتظر رہو۔''

روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روحانی بھائی بنایا تھا، جب آپ ملک شام کی طرف سفر کے لئے جانے لگے تو کسی آنے والے سے آپ نے پوچھا:

''میرے اس بھائی کا کیا حال ہے؟'' — اس شخص نے کہا:

''وہ تو شیطان کا بھائی بن گیا ہے'' — آپ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

''خاموش رہو'' — وہ شخص کہنے لگا:

''وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا ہے۔ حتیٰ کہ شراب بھی پینے لگا ہے۔''

آپ نے اس شخص سے فرمایا:

''جب تم واپس جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا'' — اس کے بعد آپ نے اپنے دوست کو لکھا:

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ

(پ ۲۴، سورہ مومن)

''یہ قرآن حکیم عزت والے اور جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، جو گناہوں کو معاف کرتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے مگر سخت سزا دینے والا بھی ہے۔''

یہ آیتیں لکھ کر آپ نے اسے بہت ملامت کی۔ آپ کے دوست نے جب خط پڑھا تو بہت رویا اور کہنے لگا:

''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے جو کچھ خیر خواہی کی وہ درست ہے۔''

اس کے بعد اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی۔

www.waseemziyai.com

اخوّت کی شرائط اور حقوق:

روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِدھر اُدھر رُخ پھیرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کی وجہ دریافت کی، —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے ایک شخص کو اپنا روحانی بھائی بنایا ہے۔ اسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہوں۔ وہ دکھائی نہیں دے رہا۔''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے عبداللہ! جب تم کسی کو اپنا بھائی بناؤ تو اس کا اور اس کے باپ کا نام اور اس کے گھر کا پتہ دریافت کرلیا کرو، —— تاکہ:

○ —— اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ،

○ —— اگر وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص میری مجلس میں بغیر کسی ضرورت کے تین بار آتا جاتا ہے تو مجھے دنیا میں ہی اس کے بدلے کا عمل ہوجاتا ہے۔''

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ہم نشین کے مجھ پر تین حقوق ہیں:

○ —— جب وہ میرے پاس آئے تو میں اس کا خیر مقدم کروں،

○ —— جب وہ بات کرے تو میں اس کی طرف متوجہ رہوں،

○ —— جب وہ بیٹھے تو میں اسے گنجائش والی اور اچھی جگہ پر بٹھاؤں۔''

اللہ کے لئے محبت کی پہچان:

اللہ کے لئے جو محبت کی جاتی ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ اس میں دنیاوی اغراض اور احسان کا شائبہ تک نہ ہونا چاہئے، —— کیونکہ کسی غرض کے لئے جو محبت کی جاتی ہے، غرض پوری ہونے کے بعد وہ قائم نہیں رہتی بلکہ زوال کا شکار ہوجاتی ہے، —— اور جس دوستی میں کوئی غرض شامل نہ ہو وہ محبت پائیدار رہتی ہے۔

اللہ کے لئے کی جانے والی محبت کی ایک یہ پہچان ہے کہ محبت کرنے والا جہاں تک ممکن ہو دنیا کی چیزیں اپنے روحانی بھائی پر قربان کردے، —— جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [1]

''وہ (انصار) لوگ مہاجروں سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ انہیں (مہاجرین) کو دیا جائے اس سے وہ اپنے سینوں

---

[1] یہ آیت مبارکہ انصار و مہاجرین کے باہمی بھائی چارہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس کے نظائر تاریخ اسلام میں دعوت نظارہ دیتے ہیں اور تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

www.waseemziyai.com

میں کدورت نہیں پاتے، — اور اپنے اوپر ایثار کرتے ہیں خواہ خود حاجت منداور مفلس ہوں۔"

اس ارشاد باری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے مال کی وجہ سے ان سے حسد نہیں کرتے، — اور یہ دواوصاف:

- — دین ودنیا کی کسی چیز پر حسد نہ کرنا،
- — اپنے مقدور کے مطابق ایثار کرنا،

ایسے میں جو پاکیزہ محبت کی تکمیل کرتے ہیں، — حدیث شریف میں ہے:

"انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہی چلتا ہے، — مگر اس دوست کی صحبت میں تمہارے لئے کوئی بھلائی اور خیر نہیں جو تمہارا ویسا ہی خیال نہ رکھے جیسے وہ اپنی ذات کا خیال رکھتا ہے۔"

شیخ ابوالمعاویہ الاسود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میرے سب بھائی مجھ سے سب باتوں میں بہتر ہیں" — کسی نے کہا:

"یہ کیسے ممکن ہے؟" — آپ نے فرمایا:

"ان میں سے ہر ایک مجھے اپنی ذات سے افضل و بہتر سمجھتا ہے، — اور جو کوئی مجھے اپنی ذات سے افضل سمجھے تو وہ مجھ سے بہتر ہے۔"

ایک شاعر نے ان خیالات کو اس طرح بیان کیا ہے:

- — "تم اس شخص کی تواضع کرو جو تمہاری تواضع کو تمہاری حماقت نہیں بلکہ تمہاری عظمت و بڑائی سمجھتا ہو،
- — اس دوست کی دوستی سے دست کش رہو جو ہمیشہ اپنے دوستوں پر اپنی بڑائی جتاتا ہو۔"

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۵:

صحبت واخوّت کے آداب

درویشوں کی صحبت کے آداب:

شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے جب درویشوں اور فقراء کی صحبت کے آداب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''آدابِ صحبت یہ ہیں:

- مشائخ کی حرمت وعزت کا تحفظ کرنا،
- روحانی بھائیوں کے ساتھ اچھی طرح سے رہنا،
- چھوٹوں کو نصیحت کرنا،
- جو ان میں سے نہ ہوں ان کی صحبت میں نہ رہنا،
- ایثار کو اختیار کرنا،
- ذخیرہ اندوزی سے بچے رہنا،
- دین ودنیا کے کاموں میں تعاون کرنا۔

درویشوں اور فقراء کی صحبت کے آداب میں یہ بھی شامل ہیں:

- اپنے روحانی بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے۔
- جن باتوں میں نصیحت کی ضرورت ہو ان کی نصیحت کی جائے،
- اپنے ہم نشیں کے عیب دوسروں سے چھپائے جائیں مگر خود اسے اس کے عیوب سے آگاہ کیا جائے۔

دوسروں کو ان کے عیوب سے آگاہ کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر اپنا رحم وکرم فرمائے جو میرے عیبوں سے مجھے مطلع کرے۔''

اس بات میں اس آدمی کے لئے بڑی بھلائی ہے جو کسی کو اس کے عیبوں کے بارے میں بتلاتا ہے، —— حضرت شیخ جعفر بن برقان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میرے سامنے صرف وہ باتیں کہو جو مجھے ناپسند ہیں۔ کیونکہ انسان اس وقت تک اپنے بھائی سے خیر خواہی نہیں کرسکتا

www.waseemziyai.com

جب تک کہ وہ اس کے سامنے وہ باتیں نہیں کہے جو اسے ناپسند ہوں۔"

جو سچائی پسند ہے وہ ہمیشہ سچی بات کہنے والے شخص کو پسند کرتا ہے، ــــ اور جھوٹی نصیحت کرنے والے کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کو اس کے جھوٹ کے حوالے سے نصیحت کرے گا، ــــ ارشاد باری ہے:

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ○

"اور تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہو۔"

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ نصیحت وہی ہے جو پوشیدہ طور پر ہو۔

خدمت خلق میں مصروف رہنا:

صوفیاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے روحانی بھائیوں کی خدمت پر کمر باندھے رہے۔ اور ان کی طرف سے آنے والی تکلیفیں (ہنسی خوشی) برداشت کرے، ــــ اسی سے درویش کے جوہر کھلتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ پرنالہ اُکھاڑ دیا جو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھر میں واقع تھا اور وہ صفا ومروہ کی راہ پر گرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ وہ چیز اُکھیڑنے کا حکم دے رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اچھا اگر یہ بات ہے تو یہ آپ ہی کے ہاتھوں سے اپنی اصل جگہ پر دوبارہ لگایا جائے گا اور عمر کے کندھوں کے علاوہ آپ کی کوئی اور سیڑھی نہ ہوگی۔"

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر چڑھ کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر دوبارہ لگا دیا۔

خود کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھنا:

صوفیاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خصوصی طور پر کسی چیز کا مالک نہیں سمجھتے، ــــ شیخ ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہم اس شخص کی صحبت میں نہیں بیٹھتے جو یہ کہتا ہو کہ یہ میرا جوتا ہے۔"

شیخ احمد بن القلانسی رحمۃ اللہ کا قول شیخ رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد پیش کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

"ایک بار میں بصرہ شہر میں چند درویشوں کے ہاں پہنچا۔ انہوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی، ــــ ایک دن میرے منہ سے نکل گیا:

"میرا تہبند کہاں ہے۔"

اتنا کہنا تھا کہ میں ان کی نظروں سے گر گیا۔"

www.waseemziyai.com

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی ان کی صحبت میں بیٹھتا تو آپ اس کے سامنے تین شرطیں رکھتے:

○ ـــ فقراء کی خدمت کرنا، ○ ـــ اذان دینے کی ذمہ داری قبول کرنا،

○ ـــ دنیا کی جو چیزیں فتوحات سے حاصل ہوں، انہیں اسی طرح خرچ کرنا جس طرح وہ خود صرف کرتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے ایک شخص نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''تیسری شرط پر عمل کرنا میرے لئے ممکن نہیں'' ـــ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تمہارا یہ سچ میرے دل کو لگا۔''

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ باغوں کی رکھوالی کیا کرتے تھے، ـــ اور کھیت کاٹا کرتے تھے۔ کھیت کی کٹائی اور باغوں کی رکھوالی سے جو معاوضہ ملتا اسے اپنے ساتھیوں پر صرف کر ڈالتے۔

بزرگانِ سلف کے اخلاق اور آداب میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جب کسی روحانی بھائی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی تو وہ بغیر پوچھے اور مشورہ لئے اپنے روحانی بھائی کی چیز استعمال میں لے آتا۔ ارشاد باری ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۝ (پ۲۵، سورہ شوریٰ)

''ان کے کام باہمی مشاورت سے ہوتے ہیں۔''

یعنی ان کے استعمال کی سب چیزیں مشترکہ ہیں، وہ ہر چیز میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

اپنے نفس کو قصوروار ٹھہرانا:

فقراء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب انہیں کوئی ساتھی بارِ خاطر محسوس ہو تو اس وقت وہ اپنے ساتھی کی بجائے خود کو الزام دیتے ہیں اور اپنے نفس کو قصوروار ٹھہراتے ہیں، ـــ اور اپنے دل سے اس رنجش اور بار کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ دل میں ایسی بات پیدا ہو جائے تو صحبت میں خلل واقع ہوتا ہے، ـــ شیخ ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک شخص کا میرے پاس اٹھنا بیٹھنا ہو گیا۔ اس کا میرے پاس اٹھنا بیٹھنا میرے لئے بارِ خاطر تھا۔ ایک دن میرے پاس اس وقت جو کچھ موجود تھا اس نیت سے اسے پیش کر دیا تا کہ میرے دل سے وہ گرانی جاتی رہے، ـــ لیکن اس کے باوجود وہ گرانی بدستور رہی ـــ چنانچہ ایک دن اکیلے میں اس سے کہا:

''تم اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ دو۔''

پہلے تو اس نے انکار کیا، ـــ پھر میرے اصرار پر بادل نخواستہ اس نے میرے چہرے پر اپنا پاؤں رکھ دیا، ـــ چنانچہ اسی وقت میرے دل سے وہ گرانی جاتی رہی۔''

شیخ رقی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تصدیق کے لئے میں نے شام سے حجاز تک کا سفر کیا۔

اہلِ علم و فضل کی قدردانی:

صوفیاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اہلِ حق جس شخص کی فضیلت اور بلند مقام سے آگاہ ہوتے ہیں، اس کی تقدیم و تکریم

www.waseemziyai.com

کرتے ہیں۔ اور اپنی مجلس میں ترجیح دیتے ہوئے بڑے احترام سے نمایاں جگہ پر بٹھاتے ہیں، —— روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک تنگ چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ کچھ ہی دیر میں اصحاب بدر میں سے کچھ حضرات حاضر خدمت ہوئے۔ چبوترے پر مزید افراد کے بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی —— چنانچہ جو حضرات غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں چبوترے سے اُٹھا دیا، اور اصحاب بدر کو ان کی جگہ پر بٹھا دیا، —— اٹھائے گئے حضرات کو یہ بات بڑی شاق گزری۔ اس وقت یہ ارشاد باری نازل ہوا:

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا...... ○

''اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔''

ایک بار شیخ علی بن بندار رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آئے، —— کچھ دیر میں دونوں کہیں روانہ ہونے لگے تو شیخ ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ علی بن بندار رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''بسم اللہ! قدم بڑھائیے'' —— انہوں نے فرمایا: ''یہ تقدیم وفوقیت کس بناء پر!''

شیخ عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اس لئے کہ آپ نے شیخ جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے، جبکہ مجھے اس کی سعادت نہیں ملی۔''

صوفیاء کرام اس شخص کی ہم نشینی چھوڑ دیتے تھے جو دنیا کے فضول دھندوں میں وقت برباد کرتا ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا○

''تم اس سے رُخ پھیر لو جس نے ہمارے ذکر سے رُخ پھیر لیا، اور جس کا مقصد فقط دنیا کی زندگی ہے۔''

انصاف کرو مگر طالب انصاف نہ ہو:

فقراء کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے روحانی بھائیوں کے ساتھ انصاف کرتے تھے لیکن اپنی ذات کے لئے کبھی انصاف کی طلب نہ رکھتے تھے، —— شیخ ابوعثمان الحیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم نشینی کا حق تو یہ ہے کہ:

○ —— تم اپنے مال میں سے اپنے بھائی پر خرچ کرو اور خود اس کے مال میں سے کچھ توقع نہ رکھو، ——

○ —— اس کے ساتھ انصاف کرو، مگر اس سے اپنی ذات کے لئے انصاف نہ چاہو،

○ —— تم اس کے تابع بن جاؤ اسے اپنا تابع بنانے کی تمنا نہ کرو،

○ —— اس کی طرف سے تمہارے پاس جو کچھ آئے اسے بہت سمجھو،

○ —— تم اس کے ساتھ جو سلوک کرو اسے بہت کم اور بے وقعت جانو۔''

نرمی اختیار کرنی چاہئے:

صوفیاء کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ باہمی صحبت میں وہ نرمی اور حلیمی کو اختیار کرتے ہیں اور اپنی شان وشوکت کا رعب جما کر نفس کو غالب آنے کا موقع نہیں دیتے، —— شیخ علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

○ — اپنے سے بڑے پر رعب جمانا بے شرمی ہے،

○ — اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ یہ رویہ بے ادبی ہے،

○ — اپنے سے کم تر پر رعب جمانا عجز و بے بسی ہے۔"

صوفیاء کرام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حضرات اپنی بات چیت میں:

○ — اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہیں ہوتا، ○ — کاش کہ ایسا ہوتا، یا

○ — غالباً ایسا ہو جائے،

قسم کے جملے استعمال نہیں کرتے تھے، — کیونکہ بزرگوں کے خیال میں اس طرح کے جملے قابلِ اعتراض ہیں۔

ہم نشینی کے لئے حریص رہنا:

صوفیاء کرام کے آداب صحبت میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد پھر جدائی و مفارقت سے گریز کرتے ہیں اور ملازمت و ہم نشینی کے لئے حریص رہتے ہیں۔

مذکور ہے کہ ایک بزرگ کی صحبت میں ایک شخص رہتا تھا۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد اس نے علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا اور ان بزرگ سے رخصت کی اجازت چاہی، — انہوں نے فرمایا:

"اس شرط پر اجازت ہے کہ آئندہ تم اس شخص کی صحبت اختیار کرنا جس کا ہم سے اونچا مقام ہو، — بلکہ اس کے ساتھ بھی نہ رہو کیونکہ تم سب سے پہلے ہماری صحبت میں رہے ہو۔"

یہ سن کر اس ہم نشین نے کہا:

"اب میں نے علیحدگی اختیار کرنے کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

اپنے سے چھوٹوں پر شفقت:

صوفیاء کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں پر شفقت و مہربانی کریں — مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کھیتوں کو گوڈتے اور کاٹتے تھے اور جو کچھ اجرت و مزدوری ملتی وہ اپنے رفقاء میں ان کے کھانے پر خرچ کر دیتے تھے، — یہ سب چونکہ روزے سے ہوتے تھے اس لئے رات کو مل کر کھاتے تھے، — بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کام سے فارغ ہو کر رات کو دیر سے لوٹتے، — چنانچہ ایک رات ایسا ہی ہوا۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کے ساتھی کہنے لگے:

"آؤ! آج ہم ان کے بغیر کھانا کھالیں، — اس سے یہ ہوگا کہ وہ آئندہ دیر سے نہیں آیا کریں گے۔"

لہٰذا انہوں نے کھانا کھالیا اور سو گئے، — جب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ واپس لوٹے تو ان کے ساتھی سو گئے تھے۔ انہیں خیال آیا کہ ان بے چاروں کے پاس شاید کھانے کو کچھ نہیں تھا، اس لئے بھوکے سو گئے۔ یہ خیال کر کے انہوں نے آٹا گوندھا اور پھر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اتنے میں وہ لوگ جاگ اٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم آگ میں پھونک رہے ہیں اور ان کی داڑھی راکھ آلود ہو گئی ہے۔ جاگنے والوں نے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں، — آپ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

"میرا خیال تھا کہ شاید تمہیں کھانے کو کچھ نہیں مل سکا، اس لئے تم بھوکے ہی سو گئے۔"

وہ آپس میں کہنے لگے۔

"سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے کیا سلوک کیا اور یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔"

صوفیاء میں چون وچرا نہیں:

یہ طریقہ بھی صوفیاء کے آداب میں سے ہے کہ جب انہیں بلایا جائے تو وہ چون وچرا نہیں کرتے، ——کہاں، کیوں اور کس لئے کہہ کر استفسار نہیں کرتے، ——بعض علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں:

- —— جب کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ ہمارے ساتھ چلو" ——اور وہ یہ کہے: "کدھر!" ——تو ایسے آدمی کا ساتھ چھوڑ دو۔
- —— اگر کوئی اپنے روحانی بھائی سے کہے کہ "مجھے اپنے مال میں سے کچھ دے دو" ——اور وہ جواب میں یہ کہے: "کتنا! ——یا کتنی رقم!" ——تو سمجھ لو اس نے اخوت و بھائی چارے کا حق ادا نہیں کیا۔

ایک عربی شاعر کا کہنا ہے:

"کوئی مصیبت پڑنے پر جب انہیں بلایا جائے تو وہ یہ نہیں پوچھتے کہ کیا مصیبت آپڑی۔"

اخوّت میں تکلّف پسند نہیں:

صوفیاءِ کرام میں اپنے روحانی بھائیوں کا تکلف پسند نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کا عراق میں پیش آنے والا واقعہ مذکور ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے رفیقوں اور مریدوں کو طرح طرح کے کھانے کھلائے تو یہ تکلف شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کو ناگوار گزرا، انہوں نے فرمایا:

"میرے رفیقوں کو مخنثوں کی طرح بنایا جا رہا ہے۔ ان کے سامنے طرح طرح کے کھانے پیش کئے جا رہے ہیں۔"

ہمارے خیال میں جواں مردی یہ ہے کہ تکلف کو چھوڑ کر جو کچھ حاضر ہو پیش کر دیا جائے، کیونکہ تکلف کی وجہ سے میزبان کو مہمان سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ اگر تکلفات نہ ہوں تو مہمان کے خیال میں اس کا رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہیں۔

خاطر تواضع اور ظاہر داری:

حضرات صوفیاء اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں تو اس میں کوئی ظاہر داری نہیں ہوتی، ——البتہ خاطر مدارات کبھی کبھی ظاہر داری سے مشابہہ ہو جاتی ہے۔ مگر دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ اس کی بعض ناگوار باتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں، ——مدارات کا مقصد روحانی بھائی کی خیر خواہی ہوتی ہے۔ اس کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے اس کی خاطر مدارات کی جاتی ہے۔ ——جبکہ ظاہر داری میں یہ جذبہ نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد لطف اندوزی اور جاہ و منصب کا حصول ہوتا ہے۔

ہم نشینی میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا:

اہلِ معرفت، صحبت میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہیں، ——وہ لوگوں سے نہ تو بالکل کھنچے ہوئے اور نہ کنارہ کش رہتے ہیں، اور نہ

www.waseemziyai.com

ہی بالکل بے تکلف ہوتے ہیں، ـــــ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں سے کھنچے رہنا ان کی دشمنی کو دعوت دیتا ہے، ـــــ اور ان سے بے تکلف ہونا برے اور ناپسندیدہ لوگوں کے آنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔''

پردہ داری وعیب پوشی:

صوفیاء کرام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں کے عیبوں کو چھپاتے ہیں، ـــــ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''اگر تمہارا کوئی ساتھی سو رہا ہو اور ہوا اس کا لباس ہٹا کر اس کا ستر کھول دے تو تم کیا کرتے ہو۔''

انہوں نے عرض کیا:

''ہم اسے چھپاتے اور ڈھک دیتے ہیں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس کا عیب ظاہر کر دیتے ہو۔''

حواریوں نے عرض کیا:

''سبحان اللہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ ایسے کہ تم میں سے جب کوئی اپنے بھائی کے بارے میں اس کی کوئی نامناسب بات سنتا ہے تو وہ اسے خوب بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلاتا اور اس کی تشہیر کرتا ہے۔''

اپنے بھائیوں کے لئے غائبانہ استغفار کرنا:

صوفیاء کرام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے روحانی بھائیوں کے لئے غائبانہ استغفار کرتے ہیں، ـــــ اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان کی مصیبتیں اور برائیاں دور فرما دے، ـــــ

مذکور ہے کہ دو روحانی بھائی تھے۔ ان میں سے ایک کسی نفسانی خواہش میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اپنے دوسرے روحانی بھائی سے کہا:

''میں ایک نفسانی خواہش میں مبتلا ہو گیا ہوں، ـــــ تم چاہو تو مجھ سے تعلق توڑ لو۔''

اس کے بھائی نے کہا:

''میں تمہارے اس گناہ کی وجہ سے تم سے اخوّت کا رشتہ نہیں توڑوں گا۔''

اس کے بعد اس شخص نے اللہ کے ساتھ یہ عہد کیا:

''جب تک اللہ تعالیٰ اسے نفسانی خواہش سے نجات نہیں دے گا۔ اس وقت تک وہ نہ کچھ کھائے گا نہ پئے گا۔''

www.waseemziyai.com

چنانچہ اس نے کچھ کھائے پیئے بغیر چالیس دن گزار دیئے، — اس دوران جب وہ اپنے روحانی بھائی سے اس کی نفسانی خواہش کے بارے میں دریافت کرتا کہ اس سے چھٹکارا ملا یا نہیں، — تو وہ یہی کہتا: ''ابھی تک خواہش باقی ہے'' — حتیٰ کہ چالیس دن گزر گئے تو پھر اس کو نفسانی خواہش سے چھٹکارا مل گیا، — اس کے بعد اس مخلص بھائی نے اپنا کھانا پینا شروع کیا۔

اپنی خاطر مدارات کے لئے مجبور نہ کرنا:

صوفیاء کرام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خاطر مدارات کے لئے کسی ساتھی کو محتاج نہیں بناتے، — نہ ہی اسے ایسا کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں، — اور نہ ہی اپنے ساتھی سے اتنا تکلف کرتے ہیں جو اسے ناگوار گزرے، — بلکہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ وہ ہے۔ اور اپنے مقصد اور اپنی غرض پر اپنے ساتھی کے مقصد کو ترجیح دیتے ہیں، — حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا:

''بدترین دوست وہ ہے جو تمہیں خاطر و مدارات کی عادت ڈال دے، — یا تمہیں معذرت کرنے پر مجبور کر دے، — اور تم اس کے لئے تکلّف کرنے لگو۔''

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا وہ بھائی مجھ پر سب سے زیادہ بار خاطر ہے جو میرے لئے تکلفات میں پڑے، اور میں اس سے بچتا پھروں، — اور میرے دل پر سب سے ہلکا وہ بھائی ہے کہ میں اس کے ساتھ رہتے ہوئے یہ محسوس کروں کہ جیسے میں تن تنہا ہوں۔''

بہر حال صحبت کے آداب اور اخوت کے حقوق تو بہت ہیں، اور حوالے سے بہت سی حکایتیں ہیں، جنہیں یہاں بیان کرنا بیان کو طویل کر دے گا، — شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قوت القلوب'' میں بے شمار حکایتیں مطالعہ کی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر سب اچھی اور عمدہ باتیں پیش کر دی ہیں۔

اپنے مولیٰ کی رضا جوئی مقصود ہونا:

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے مولیٰ کا بندہ بننے کا خواہاں ہے اور اس کے لئے وقف ہونے کی آرزو رکھتا ہے اور یہ کہ:

- — جو کچھ وہ چاہے اپنے رب اور مولیٰ کے لئے چاہے، اپنے نفس کے لئے نہ چاہے،
- — جب کسی کی صحبت اختیار کرے تو وہ صحبت بھی اللہ کے لئے ہو،
- — جب صحبت اختیار کرے تو اس سلسلے میں ایسے کام کرے جن سے اللہ تعالیٰ کی قربت بڑھتی چلی جائے۔

جو شخص اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی معرفت عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نفس اور اس کے عیوب، آداب و محاسن اخلاق سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی بصیرت اور عقل کے مطابق حقوق ادا کرتا ہے، حقوق کے تمام متعلقات کو جان لیتا ہے، تب کوئی حقوق اللہ اور حقوق العباد اس سے چھوٹنے نہیں پاتا، — اس سلسلہ میں اگر اس سے کوئی کوتاہی واقع ہو جائے

www.waseemziyai.com

تو سمجھ لے کہ ابھی نفس کی خباثت کچھ باقی ہے، اور وہ اچھی طرح پاک وصاف نہیں ہوا، ـــ اس صورت میں اگر وہ کسی کی صحبت اختیار کرتا ہے تو کبھی افراط اور کبھی تفریط کے باعث خدا اور مخلوق کے حقوق وفرائض ادا نہیں کر پاتا، بلکہ ان سے غافل ہو جاتا ہے، ـــ اس وقت نفس پر نہ تو مواعظ کا اثر ہوتا ہے اور نہ آدابِ صوفیاء کی حکایتیں سن کر کچھ اثر ہوتا ہے، ـــ اس وقت وہ شخص اس کنوئیں کی مانند ہوتا ہے جس میں بہت سا پانی گرا دیا جائے اور وہ نہ وہاں ٹھہر سکتا ہے اور نہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، ـــ اگر اس شخص نے زُہد وتقویٰ اختیار کیا ہے تو وہ ایسا کنواں بن جاتا ہے جس سے آبِ حیات ابل رہا ہے، اور توفیق الٰہی سے اس کا نفس ضروری حقوق وآداب ادا کر سکتا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۶:

روح و نفس کی معرفت

تخلیق انسانی کے مدارج و مراحل:

ہمارے شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم میں ہر ایک تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ وہ چالیس دن تک اپنی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی شکل میں رہتا ہے، — اس کے بعد اتنا ہی عرصہ خون کی پھٹکی (علقہ -- منجمد خون کی حالت میں) بنا رہتا ہے، — پھر اسی طرح گوشت کا لوتھڑا (مطعہ) بنتا ہے، — اس کے بعد اللہ تعالیٰ چار کلمات کے ساتھ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے، وہ اس کا کام، — اس کی موت، — اس کا رزق، — اس کی بدبختی یا خوش بختی لکھ دیتا ہے، — اس کے بعد اس میں روح پھونک دیتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات آدمی دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے، اور اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے کہ اچانک تقدیر کا لکھا آگے بڑھتا ہے، اور وہ شخص جنتیوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، — اس کے برعکس ایک شخص جنتیوں کے سے کام کرتا ہے، حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک تقدیر کا لکھا آگے بڑھتا ہے، اور وہ شخص دوزخیوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔'' [1]

ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○

''ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، — پھر اسے ایک محفوظ و مستحکم مقام میں (ایک مقررہ مدت کے لئے) نطفہ کی شکل میں رکھا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیدائش اور خلقت کے مختلف مدارج و مراحل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ○

''پھر ہم نے اسے خلقت کا آخری درجہ دیا۔''

مذکور ہے کہ اس سے مراد اس میں روح پھونکنا ہے۔

---

[1] یہ حدیث بخاری و مسلم شریف میں مذکور ہے۔

www.waseemziyai.com

روح کی حقیقت:

روح کی حقیقت بارے بات کرنا خاصا مشکل ہے۔اسی لئے اہلِ عقل ودانش اس مسئلہ پر خاموش ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بھی روح کو بہت اہم قرار دیا ہےاور یہ کہتے ہوئے مخلوق کی کم علمی کی تصدیق فرمادی:

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۝

''اور تمہیں اس کا بہت کم علم دیا گیا ہے۔''

لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے کلام میں اولاد آدم علیہ السلام میں ہونے والے نبیوں کی تعظیم وتکریم سے بھی مطلع فرما دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۝

''اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔''

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کو پیدا فرمایا تو فرشتے عرض کرنے لگے:

''الٰہی! تو نے انہیں کھانے پینے اور نکاح کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، — چنانچہ دنیا انہیں دے دے۔اور آخرت خاص ہمارے لئے کردے۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جس ذات کی اولاد کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔اسے ان کے برابر مقام نہیں دوں گا جنہیں میں نے فقط کلمہ کن کہہ کر پیدا کیا۔''

لیکن جب انسان کو اس قدر بزرگی دینے اور تعظیم وتکریم کرنے اور اسے فرشتوں پر فوقیت دینے کے باوجود جب روح کی حقیقت جاننے کی بات چلی تو یہی ارشاد ہوا کہ انہیں اس کا بہت کم علم دیا گیا ہے، — بلکہ یہ کہہ کر واضح فرمادیا:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۝

''وہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، — آپ کہہ دیں کہ یہ میرے رب کے حکم کا نتیجہ ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''آپ ہمیں روح کی حقیقت بتائیں، — اور یہ کہ جو روح بدن میں ہوتی ہے اسے کیسے عذاب ہوتا ہے۔جبکہ روح تو حکم الٰہی سے پیدا ہوئی ہے۔''

چونکہ اس بارے میں اس وقت تک کوئی وحی نہ آئی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا، — چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت مذکورہ بالا لے کر حاضر ہوئے۔

روح کی ماہیت کے بارے میں اختلاف رائے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے جب روح کی حقیقت کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی، جبکہ آپ کی ذات معدن علم

www.waseemziyai.com

اور سرچشمہ علم وحکمت ہے، — پھر دوسروں کے لئے اس معاملے میں مغز ماری کرنا یا روح کی حقیقت کے بارے میں کوئی اشارہ دینا بھلا کیسے ممکن ہے، — لیکن نفس انسانی میں چونکہ تجسس اور جستجو کا مادہ ودیعت کیا گیا ہے، وہ ہر معقول شے کے بارے میں جاننے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اور یہ طبعی وفطری خاصہ ہے کہ نفس کو جہاں سکون کرنے اور ٹھہرنے کا حکم دیا جاتا ہے وہاں بھی وہ (اپنی فطرت سے مجبور ہو کر) کوئی حرکت کرنے سے باز نہیں ہوتا، — روح کی حقیقت جاننے سے اسے روکا گیا ہے' لیکن وہ روکے نہیں رکتا۔ منع کرنے کے باوجود روح کی ماہیت جاننا چاہتا ہے۔ وہ ہر اچھی بری چیز کے بارے میں جاننے کے لئے کوشاں رہتا ہے — نظر کی باگ کو کھلا چھوڑ کر فکر کے میدان میں بھاگتا پھرتا ہے۔ معرفت کی گہرائیوں میں اتر کر روح کی حقیقت جاننے میں لگا ہوا ہے — نتیجہ یہ ہوا ان کی عقل وفکر خیالوں کے وسیع صحرا میں بھٹکنے لگیں اور روح کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جانے لگیں، — یہی وجہ ہے کہ علماء ومفکرین میں جس قدر اختلاف روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں ہے، شائد ہی کسی اور مسئلے میں اتنا اختلاف ہو، — احسن یہی تھا کہ نفوس انسانی اپنی حد میں رہتے اور اس معاملے میں اپنے عجز کا اعتراف کر لیتے۔ یہ ان کے لئے بڑا ہی مناسب تھا، مگر انہوں نے ایسا کیا نہیں۔

راہِ راست سے بھٹکے ہوؤں سے اعراض:

ہماری کتاب روح کے معاملے میں ان لوگوں کے خیالات سے قطعی پاک ہے جو کسی الہامی مذہب کے ماننے والے نہیں — یعنی صرف انہی لوگوں کی آراء پیش کی گئی ہیں جو کسی نہ کسی الہامی مذہب کے پیروکار ہیں، — جو عقلیں راہ راست سے بھٹکی ہوئی ہیں اور ان کی طبیعتوں میں فساد برپا ہے' ان کی آراء پیش کرنے سے اعراض کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ پیغمبروں کی اتباع کی برکت سے محروم رہے، اس لئے وہ نور ہدایت نہیں پا سکے۔ ان کا حال ایسا ہی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ — كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ○

''ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اس لئے نہ وہ میرا ذکر کر سکتے ہیں اور نہ میرا ذکر سن سکتے ہیں۔''

○ — وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ ۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ○

''وہ کفار کہتے ہیں: ''جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (اسے ہم نہیں سمجھ سکتے) کیونکہ ہمارے دل غلاف کے اندر ہیں، اور ہمارے کان (اس کے سننے سے) بہرے ہیں، اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔''

یہ لوگ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے چھپے رہے۔ اس لئے (ان کی باتیں) نہیں سن سکے، — اور جب انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں تو وہ ہدایت نہیں پا سکے۔ انہیں اپنی جہالتوں پر اصرار رہا، جس کی وجہ سے وہ معقول بات سے محروم رہے، — عقل تو ایک حجت الٰہی ہے، جس کی بدولت وہ ایک قوم کو ہدایت عطا فرما دیتا ہے، اور ایک قوم کو گمراہ کر دیتا ہے، — اس لئے ہم نے روح کے بارے میں گمراہ قوم کے لوگوں کی آراء نقل نہیں کیں۔

ہدایت یافتہ حضرات کی آراء واقوال:

جو حضرات شریعت کے پیروکار ہیں یعنی الہامی مذہب کی اتباع کرنے والے ہیں، انہوں نے روح کے بارے میں اپنی آراء

www.waseemziyai.com

کا اظہار کیا ہے۔ ان لوگوں میں:

○ ـــ ایک گروہ ان کا ہے جنہوں نے استدلال اور غور وفکر کے بعد اس معاملے میں بات کی ہے۔

○ ـــ دوسرا گروہ ان حضرات کا ہے جنہوں نے استدلال اور غور وفکر پر تکیہ نہیں کیا بلکہ اپنے ذوق ووجدان اور الہام سے اس کا علم حاصل کیا ہے۔ یعنی مشائخ کرام نے بھی روح کے معاملے میں اظہار خیال کیا ہے، ـــ حالانکہ بہتر یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں کچھ نہ کہا جاتا۔

اہل تصوف کی آراء واقوال:

○ ـــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح کے بارے میں فرماتے ہیں:

"روح ایک ایسی چیز ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس کے بارے میں الفاظ کے ذریعے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک موجود شے ہے۔"

اب ہم سچائی کے متلاشیوں کو اجمالی طور ان کی آراء واقوال سے مطلع کرتے ہیں، ـــ روح کے بارے میں ان کی آراء واقوال کلام الٰہی کی تاویلات سے زیادہ کچھ نہیں، ـــ ان آیات کی تفسیر پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی تفسیر منقول نہیں، ـــ البتہ لوگوں نے اپنی اپنی عقل سمجھ کے مطابق اس کی حقیقت جاننے کی کوشش کی ہے، ـــ تاویل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آیت کے مطالب بیان کر دیئے جائیں۔ اس سے گریز نہ کیا جائے، ـــ تاویلی اعتبار سے بہت سی آراء واقوال مذکور ہیں:

○ ـــ شیخ ابو عبداللہ النباحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"روح ایک ایسا لطیف جسم ہے جو حس اور لمس سے بالاتر ہے (یعنی جسے نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ ظاہری حواس خمسہ سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔) اور اس کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ "وہ موجود ہے۔"

اس قول میں روح کی حقیقت نہیں بیان کی گئی، فقط یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک جسم ہے۔

○ ـــ شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ (یعنی پہلے ہم نے تمہاری روحیں پیدا کیں) ـــ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (یعنی اس کے بعد ہم نے تمہیں صورتیں عطا کیں یعنی اجسام پیدا کیے گئے۔)"

○ ـــ ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

"روح ایک لطیف جوہر ہے جو ایک کثیف شے میں موجود ہے، جس طرح قوت بینائی ایک لطیف جوہر ہے لیکن وہ ایک کثیف شے (آنکھ) میں موجود ہے۔"

مگر یہ قول قابلِ غور وفکر ہے۔

○ ـــ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

"روح ایک تعبیر کی جانے والی حقیقت ہے، اور وہ اشیاء کے ساتھ قائم ہے، اور یہی اس کی حقیقت ہے۔"

اس قول پر اعتراض کیا جاسکتا ہے، — البتہ یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس کے معنی زندہ کرنے والی شے کے لئے جائیں، — لیکن پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

"زندہ کرنے والا یا والی تو اس کی صفت ہوئی، اس کی حقیقت اور ماہیت تو نہ ہوئی، — بالکل اسی طرح جیسے تخلیق (پیدا کرنا) خالق کی صفت ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۝

"آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔"

چونکہ "امر الٰہی" اس کا کلام ہے، اور کلام الٰہی مخلوق نہیں ہے، — لہٰذا کُنْ حَیًّا — "تم زندہ ہو جاؤ" — کہہ دینے سے ہر زندہ ہمیشہ کے لئے زندہ بن جائے گا، — چنانچہ اس رائے کے مطابق روح کو جسم کے مفہوم میں بھی نہیں لیا جاسکتا۔

بہر حال روح کی حقیقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

- — کچھ اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کہنے والے روح کے قدیم ہونے (قدامت) کے قائل ہیں۔
- — کچھ حضرات روح کے حادث ہونے کے قائل ہیں۔

روح کے مزید مفاہیم و مطالب:

- — بعض حضرات نے کہا کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔
- — ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

"روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں، — اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں، — اور ہر زبان سے ستر ہزار بولیاں بولی جاتی ہیں، — اور وہ فرشتہ ان تمام زبانوں میں اللہ کی تسبیح کرتا ہے، — اور ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے جو قیامت تک دوسرے ملائکہ کے ساتھ اڑتا رہے گا۔"

- — حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول ہے:

"روح اللہ کی صفت تخلیق" سے نمودار ہوئی، — اور اللہ تعالیٰ نے اسے بنی آدم کی صورت پر پیدا فرمایا، — چنانچہ آسمان سے جب کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک روح ضرور ہوتی ہے۔"

- — شیخ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"روح انسان کی شکل میں ہوتی ہے لیکن وہ انسان نہیں ہوتی۔"

- — شیخ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"ارواح انسان کی شکل میں رہتی ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں اور سر ہوتے ہیں، — وہ کھانا کھاتی ہیں مگر وہ فرشتے نہیں

www.waseemziyai.com

ہوتے۔''

روح ایک عظیم اور برتر مخلوق ہے:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے سوا روح سے بڑھ کر اور برتر کوئی اور مخلوق پیدا نہیں فرمائی، ـــ وہ اتنی عظیم ہے کہ اگر چاہے تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ایک لقمے میں نگل سکتی ہے، ـــ اسے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی صورت پر پیدا کیا ہے، اور اس کا چہرہ آدمیوں کے چہرے جیسا ہے۔ روح قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے دائیں جانب کھڑی ہوگی اور فرشتے بھی اس کے ساتھ ایک صف میں ہوں گے، ـــ وہ روح اہلِ توحید کی بخشش کی سفارش کرے گی۔ اگر روح اور فرشتوں کے درمیان ایک نورانی پردہ حائل نہ ہوتا تو آسمان والے اس کے نور سے جل جاتے۔

یہ وہ اقوال ہیں جو شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں مذکور روح اس روح سے قطعی مختلف ہے جو انسانی جسم میں موجود ہوتی ہے۔

○ ـــ بعض اہلِ طریقت کا یہ کہنا ہے:

''روح ایک لطیفۂ غیبی ہے جو اللہ کی طرف سے مشہور مقامات کی طرف سیر کرتا ہے، ـــ اس کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، ـــ اور نہ ہی کسی طرح اس کی تعبیر کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے غیر کے ساتھ موجود ہے۔''

○ ـــ ایک رہبر طریقت کا یہ قول ہے:

''روح لفظ کُنْ کے دائرہ ایجاد میں شامل ہے، ـــ اس لئے اگر اسے کُنْ کے دائرہ سے نکال دیا جائے تو اس سے اس کی توہین ہوتی ہے، ـــ اس پر یہ کہا گیا: ''پھر یہ کس چیز سے نکلی ہے؟'' ـــ فرمایا: ''روح نے ذات باری کے اشارہ سے تخلیق پائی، اللہ کے جلال و جمال سے زندگی پائی، اس لئے وہ لفظ ''کُنْ'' کی ذلت سے آزاد ہے۔''

روح کی فضیلت و اہمیّت:

حضرت شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا گیا کہ کیا روح مخلوق ہے؟ ـــ آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

○ ـــ اگر روح مخلوق نہ ہوتی تو وہ خدا کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتی،

○ ـــ یہ روح ہی ہے جس کی بدولت بدن کو زندگی ملی،

○ ـــ عقل بھی روح ہی سے وابستہ ہے، ـــ روح کی بدولت عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں، ـــ اگر روح نہ ہوتی تو عقل معطل رہتی، ـــ اور نہ اس کے لئے کوئی حجت ہوتی اور نہ کوئی دلیل!

روح اور کیا کیا ہے؟

روح کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے:

○ ـــ روح ایک جوہر ہے مگر مخلوق ہے، ـــ اور ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ لطیف اور صاف ہے، ـــ اور سب سے زیادہ

www.waseemziyai.com

منور اور نورانی!

○ — روح کی بدولت عالم غیب کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔

○ — روح ہی کے ذریعے اہلِ معرفت کو کشف ہوتا ہے۔

○ — روح جب روحانی سیر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے تو جسمانی اعضاء بے ادبی و نافرمانی پر اتر آتے ہیں، — پھر وہ تجلیّات وحجابات اور قبض وکشمکش کے درمیان آجاتی ہے۔

○ — یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا وآخرت دونوں روح کے لئے ایک سے ہیں۔

روح کی اقسام وانواع:

یہ بھی مذکور ہے کہ روح کی بہت سی اقسام وانواع ہیں:

○ — کچھ روحیں عالم برزخ میں سیر کرتی رہتی ہیں۔ اور دنیا اور فرشتوں کے احوال کا مشاہدہ ونظارہ کرتی ہیں، — اور وہ سب باتیں سنتی ہیں جو فرشتے آسمانوں میں انسانوں کے بارے میں کرتے ہیں۔

○ — کچھ روحیں عرش کے نیچے ہوتی ہیں، — اور کچھ روحیں بہشت کی طرف اڑتی رہتی ہیں، اور اللہ کے لئے کوشش کرتے ہوئے ان کے نصیب میں جس قدر لکھ دیا گیا ہے، اپنی زندگی میں اس کے مطابق جہاں چاہیں اڑتی ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کو حضرت سلمان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین کے برزخ میں جہاں چاہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان اس وقت تک پرواز کرتی رہتی ہیں جب تک اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اجسام میں لوٹا نہ دے۔

ارواح سے میّت کی ملاقات:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ارواح کے پاس جب کسی کی میّت پہنچتی ہے تو وہ اس سے ملاقات کرتی ہیں۔ ایک دوسرے سے باتیں ہوتی ہیں، سوال جواب ہوتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں جو ان کے سامنے زندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں، — حتیٰ کہ جب انہیں مُردوں کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے زندہ رہتے ہوئے جو گناہ کئے تھے، انہیں ان گناہوں کی سزا دی جائے گی، — تو وہ ارواح کہتی ہیں کہ ہم ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتی (معذرت چاہتی) ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے۔

مخصوص دنوں میں اعمال کا پیش کیا جاتا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کے اعمال پیر اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں — جبکہ پیغمبروں اور میتوں کے والدین کے سامنے ان مرنے والوں کے اعمال جمعہ کے دن پیش کئے جاتے ہیں، — وہ ان کی نیکیوں سے خوش

www.waseemziyai.com

ہوتے ہیں، اور ان کے پاکیزہ چہروں کا نور اور سپیدی بڑھ جاتی ہے اور چمک دمک میں اضافہ ہو جاتا ہے، — لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو تکلیف نہ دو۔"

ایک اور حدیث میں یہ ارشاد فرمایا:

"تمہارے اعمال تمہارے کنبے اور رشتے کے مرنے والوں پر پیش کئے جاتے ہیں، — اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں، — اور اگر اعمال برے ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں:

"الٰہی! انہیں اس وقت تک موت نہ دے جب تک وہ ہدایت نہ پالیں جیسے کہ تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی تھی۔"

ان احادیث اور اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روحیں اجسام میں ایک مستقل وجود رکھتی ہیں اور وہ اعیان ہیں، وہ کوئی خیالی اور عارضی چیز نہیں ہیں۔

رسول اکرم ﷺ حلیم الطبع کیوں کر تھے؟

شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے خُلق میں سب سے زیادہ حلیم تھے، — انہوں نے جواب دیا:

"اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی روح پاک سب سے پہلے پیدا کی گئی تھی، اس لئے اس روح پاک کو ٹھہراؤ اور قیام کا موقع سب سے زیادہ مدت کے لئے حاصل ہوا، — کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں اس وقت بھی نبی تھا کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے۔" یعنی حضرت آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

روح کی افزائش اور ابلیس کی پیدائش:

ایک بزرگ نے یہ ارشاد فرمایا کہ روح نور عزت سے پیدا کی گئی، — اور ابلیس کو آتشِ عزت سے پیدا کیا گیا — اسی لئے اس نے کہا تھا:

"الٰہی! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔"

لیکن وہ یہ نکتہ نہیں سمجھ سکا کہ نور نار سے کہیں بہتر ہے۔

علم کا روح سے ملاپ:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو روح سے ملا دیا، — چنانچہ اپنی لطافت کی بناء پر روح علم کے ساتھ ویسے ہی نشو و نما پاتی ہے جس طرح بدن غذا کے ذریعے نشو و نما پاتا ہے، اور یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہے، انسان اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کا علم اتنا بے وقعت ہے کہ وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

www.waseemziyai.com

متکلمینِ اسلام کا نظریۂ روح:

○ —— متکلمینِ اسلام میں سے اکثر کا یہ فیصلہ ہے کہ انسانیت اور حیوانیت دونوں ایسی غیر مستقل صفات ہیں جنہیں انسان کے اندر پیدا کیا گیا ہے، لیکن موت ان دونوں کو فنا کر ڈالتی ہے، —— جبکہ روح زندگی کا دوسرا نام ہے، وہ جب تک بدن میں موجود رہتی ہے۔ اس کی بدولت بدن زندہ رہتا ہے، ——

○ —— بعض متکلمینِ اسلام کا یہ کہنا ہے کہ روح ایک لطیف جسم ہے، وہ کثیف اجسام میں اس طرح جاری و ساری ہے جس طرح پانی سبز شاخوں میں سرائت کر جاتا ہے، —— محدثِ اسلام شیخ ابو المعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول سے اتفاق کیا ہے۔

○ —— اکثر متکلمین روح کو ایک عرض بیان کرتے ہیں، لیکن وہ احادیث اس کی تردید کرتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک جسم ہے، —— کیونکہ یہ بتایا گیا ہے کہ روح کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اور وہ عالم برزخ میں گشت کرتی ہے (اور یہ گشت کرنا کسی عرض کا خاصہ نہیں ہو سکتا۔)

روح جب ایسے اوصاف کی حامل ہو تو اسے عرض نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ پتہ چلتا ہے کہ روح ایک جسم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرض موصوف نہیں ہو سکتا کیونکہ صفت تو ایک طرح کی کیفیت کا نام ہے، —— اور کوئی کیفیت کسی دوسری کیفیت یا عرض کے ساتھ مل کر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے باوجود بعض حضرات نے اسے عرض ہی کہا ہے۔

بدن سے جُدا ہو کر روح کا ٹھکانہ:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے دریافت کیا کہ مرنے کے بعد روح جسم سے جدا ہو کر کہاں چلی جاتی ہے؟ —— آپ نے فرمایا:

"یہ بتاؤ تیل ختم ہونے پر چراغ کی روشنی کہاں چلی جاتی ہے؟" ——

پھر آپ سے یہ دریافت کیا گیا کہ بوسیدہ ہونے پر جسم کہاں چلا جاتا ہے؟ —— آپ نے فرمایا:

"مرض میں مبتلا ہو کر جسم کا گوشت کہاں چلا جاتا ہے؟"

○ —— مردود اور مذموم علوم (یونانی فلاسفہ) کے مسلمان کہلانے والے ماہرین کا یہ خیال ہے:

"روح بدن سے جدا ہو کر ایک لطیف بدن میں چلی جاتی ہے۔"

○ —— انہی میں سے ایک عالم کا یہ کہنا ہے:

"جب روح بدن سے جدا ہوتی ہے تو قوت ناطقہ کے ذریعے سے قوتِ واہمہ اس کے ساتھ حلول کرتی ہے، —— اس وقت وہ محسوسات و حقائق کا مطالعہ و مشاہدہ کرتی ہے۔ اس کے باوجود بدن سے جدا ہوتے وقت اس کا بدن کی ہیئت سے جدا رہنا ناممکن ہے، —— کیونکہ موت کے وقت وہ موت کا شعور رکھتی ہے، موت کے بعد بدن سے خالی ہو کر بذات خود بھی قبر میں رہتی ہے، —— اور زندگی میں اس کا جن چیزوں پر اعتقاد تھا، اس کا تصور کرتی ہے، اور قبر میں سزا و جزا کو محسوس کرتی ہے۔"

www.waseemziyai.com

○ ـــ ایک بزرگ نے یہ ارشاد فرمایا:

”یہ کہنا سب سے بہتر اور صحیح ہے کہ روح ایک مخلوق چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ عادت بنائی ہے کہ جب تک وہ جسم کے ساتھ رہتی ہے تب تک وہ جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ اور اس وقت تک وہ جسم سے اشرف و افضل ہے، ـــ روح جب موت کا ذائقہ چکھ کر جسم سے جدا ہوتی ہے، جسم بھی موت سے آشنا ہو کر روح سے جدا ہو جاتا ہے، ـــ اور فضا کی آغوش میں جا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روح کی ماہیت اور کیفیت معلوم کرنے سے عقل بھی اسی طرح قاصر و عاجز ہے جس طرح سورج کی روشنی کے سامنے آنکھ خیرہ و عاجز ہے۔“

متکلمین سے جب یہ کہا گیا کہ سب موجودات ان تین قسموں پر انحصار کرتے ہیں:

○ ـــ قدیم، ○ ـــ جوہر، ○ ـــ عرض،

چنانچہ روح قدیم سے ہے، ـــ یا وہ جوہر ہے، ـــ یا پھر عرض، ـــ اس کے جواب میں:

○ ـــ بعض لوگوں نے کہا کہ روح عرض ہے، یعنی قائم بالغیر ہے،

○ ـــ کچھ نے کہا کہ روح ایک لطیف جسم ہے،

○ ـــ بعض نے کہا کہ روح قدیم ہے کیونکہ وہ ایک امر خداوندی ہے جس کا تعلق کلام سے ہے، ـــ اور کلام الٰہی قدیم ہے۔

بہر حال جس معاملے میں اس قدر رائے اختلاف ہو اس میں خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے ان کے طبعی رجحان کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ارواح جسم میں اعیان کا درجہ رکھتی ہیں، ـــ یہی حال نفوس کا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

○ ـــ ”روح جب بھلائی کے کام کے لئے حرکت میں آتی ہے تو اس حرکت سے دل میں ایک نور ظاہر ہوتا ہے جسے ایک فرشتہ خیر کے بارے میں بتاتا ہے۔ اور

○ ـــ روح جب برائی اور شر کے کام کے لئے حرکت میں آتی ہے تو اس حرکت سے دل میں نور کی بجائے ظلمت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ظلمت دیکھ کر شیطان اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔“

شیخ شہاب الدین سہروردی (مصنف کتاب) کی رائے:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب ہذا فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں مشائخ کرام کے خیالات واقوال کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں اور اس میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے ہوئے تاویل پیش کرتا ہوں، ـــ اگرچہ

www.waseemziyai.com

یہ میری قطعی رائے یا حتمی بات نہیں۔ اس لئے میں اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی بجائے خاموش رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔ پھر بھی جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے وہ بیان کر رہا ہوں:

علوی اور حیوانی روح:

''روح دو طرح کی ہے:

○ —— ایک روح انسانی ہے جو علوی اور آسمانی ہے، اور

○ —— دوسری روح حیوانی ہے جو بشری ہے۔

علوی اور آسمانی روح کا تعلق تو امرِ الٰہی سے ہے، —— اور حیوانی و بشری روح کا تعلق عالم خلق سے ہے، اور یہی (حیوانی وبشری) روح، علوی اور آسمانی روح کی قیام گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے، —— حیوانی روح ایک لطیف جسم ہے جو قوت حس و حرکت سے آراستہ ہے۔ یہ روح قلب سے اٹھتی ہے، —— قلب سے ہماری مراد گوشت کا مشہور شکل کا وہ لوتھڑا ہے جو جسم کے بائیں جانب ہوتا ہے، —— یہ روح رگوں کے اندر سے پھڑکتی ہوئی گزرتی ہے۔

○ —— یہی روح ہے جو سب حیوانات میں موجود ہے اور اسی کے ذریعے تمام حواس قائم ہیں۔

○ —— یہی وہ روح ہے جو قانونِ قدرت کے مطابق غذا سے زندہ ہے اور علمِ طب کے اصول کے مطابق اخلاط اربعہ کے مزاج کو معتدل رکھتی ہے۔

نفس کی تخلیق:

جب اس روح میں انسانی علوی روح حلول کرتی ہے تو حیوانی و بشری روح اس کے ہم جنس ہو جاتی ہے، —— اس وقت حیوانی و بشری روح ایک خاص وصف کی حامل ہو جاتی ہے یعنی وہ گویائی اور الہام کا محل بن جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○ (پ۳۰، سورہ شمس)

''اور اس نفس کی قسم، اور اس کی جس نے اسے ہموار کیا اور اسے بدی اور نیکی کے بارے میں بتایا۔''

اللہ تعالیٰ نے نفس کو اس طرح ہموار اور مساوی کیا ہے کہ اسے انسانی روح کا ٹھکانہ بنا دیا۔ اور اسے سب حیوانی ارواح کی جنس سے بالکل الگ کر دیا۔ اس طرح روح علوی کی بدولت اللہ کی تخلیق سے نفس وجود میں آیا —— یہ نفس اصل میں انسان میں پہلے سے موجود روح حیوانی تھی جو علوی روح سے مل کر عالم وجود میں آئی۔ یہ سب کچھ حکم الٰہی اور اللہ کے امر سے ہوا، بالکل اسی طرح، جیسے حضرت حوا علیہا السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے تخلیق ہوئی، —— اس کے بعد ان دونوں روحوں میں عشق و محبت کا تعلق یہاں تک بڑھا جس طرح آدم و حوا علیہما السلام کے درمیان پیدا ہو گیا تھا کہ اب اگر کوئی ایک دوسرے سے جدا ہو تو یہ جدائی اسے موت کا ذائقہ لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہوا:

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ○

''اسی (آدم) سے ہم نے اس کی بیوی پیدا کی تا کہ وہ اس سے تسکین پائے۔''

www.waseemziyai.com

لطیفۂ قلب:

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا علیہا السلام سے تسکین پائی تھی۔ اسی طرح روح انسانی علوی سے روح حیوانی کو تسکین حاصل ہوئی، ــــ یہ دونوں مانوس ہو کر نفس بن گئیں اور اس انس کے نتیجے میں قلب پیدا ہوا، ــــ قلب سے مراد وہ لطیفہ (جوہر لطیف) ہے جس کا مقام وہی گوشت کا ٹکڑا (ظاہری دل) ہے۔ گوشت کے اس ٹکڑے کا تعلق عالم تخلیق سے ہے، اور اس لطیفہ کا تعلق عالم امر سے ہے۔

روح اور نفس کے ملاپ سے لطیفہ قلب کی آفرینش ایسی ہی ہے جیسے عالم الخلق میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے ملاپ سے آپ کی اولاد کی پیدائش ہوئی، ــــ اگر روح اور نفس کے اس جوڑے میں ایک دوسرے کو تسکین پہنچانے کی صلاحیت نہ ہوتی تو یہ لطیفہ قلب پیدا نہ ہوتا۔

بہر حال ان قلوب میں ایک قلب ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنے والد بزرگوار یعنی علوی روح سے بہت محبت اور میلان رکھتا ہے۔ اسی دل کو تائید ایزدی حاصل ہے اور جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔

قلوب کی اقسام:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قلوب چار قسم کے ہیں:

- ○ ــــ ایک وہ قلب ہے جو چٹیل میدان کی طرح صاف ستھرا ہے اور اس میں ایک چراغ روشن ہے، ــــ یہ ایک مومن کا قلب ہے۔
- ○ ــــ ایک قلب ہے جو تاریک ہے اور ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہے۔ یہ ایک کافر کا قلب ہے۔
- ○ ــــ ایک قلب وہ ہے جو غلاف سے لپٹا ہوا ہے، یہ ایک منافق کا قلب ہے۔
- ○ ــــ ایک قلب وہ ہے جو پہلودار ہے، جس میں ایمان و نفاق دونوں ملے ہوئے ہیں۔

ــــ اس میں ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ترکاری ہو جو پاک صاف پانی سے نشو و نما پاتی اور بڑھتی ہے، ــــ اور اس میں نفاق کی مثال ایسے زخم کی ہے جو پیپ اور زرد پانی سے بھرا ہوا ہو، ــــ ان دونوں میں سے جو مادہ بھی اس پر غالب آ جائے اسے اسی کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔

سرنگوں اور اُلٹا قلب اپنی والدہ کی طرف (جو نفس امارہ ہے) مائل ہوتا ہے، ــــ ایک دل ایسا بھی ہوتا ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہونے میں پس و پیش کرتا ہے مگر جس طرف اس کا میلان و رجحان غالب ہوتا ہے، اس کی نیک بختی اور بدبختی کا دار و مدار اسی کے مطابق ہوتا ہے۔

عقل کا قلب سے تعلق:

عقل علوی روح کا جوہر ہے، ــــ علوی روح ہی عقل کی ترجمان اور اس کی رہنما ہے۔

www.waseemziyai.com

○ ــــ عقل کا روحانی قلب اور پاکیزہ نفس سے اسی طرح کا تعلق ہوتا ہے جیسے ایک شفیق باپ کا اپنے سعادت مند فرزند سے، ــــ یا جیسے ایک شوہر نیک بیوی کا خیال رکھتا ہے۔

○ ــــ عقل کا اندھے قلب اور نفس امارہ سے ہو بہو ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسے ایک باپ کا نافرمان اور عاق بیٹے سے، ــــ یا جیسے ایک شوہر کا بداخلاق و بدکردار بیوی سے ہوتا ہے، ــــ چنانچہ:

○ ــــ کبھی وہ ان سے بے رخی اختیار کرتا ہے، اور

○ ــــ کبھی ان دونوں کے حال کی درستی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ان سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔

عقل کا مقام اور ٹھکانہ:

عقل کے مقام اور ٹھکانے کے بارے میں بھی لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے:

○ ــــ کوئی کہتا ہے کہ عقل کا ٹھکانہ دماغ ہے،

○ ــــ کوئی کہتا ہے کہ عقل کا ٹھکانہ قلب ہے،

جبکہ یہ سب حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود عقل کو ایک جگہ پر قرار نہیں۔

○ ــــ کبھی تو اس کا رُخ فرماں برداری اور نیکوکاری کی طرف ہوتا ہے، اور

○ ــــ کبھی اس کا رُخ نافرمانی کی طرف ہوتا ہے۔

دل و دماغ کا ان دونوں ہی سے تعلق ہوتا ہے، ــــ عقل جب نافرمان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کا مقام دماغ ہوتا ہے، ــــ اور عقل جب فرماں بردار اور نیکوکار کی طرف رُخ کرتی ہے تو اس کا ٹھکانہ دل ہوتا ہے۔

روح کا عالم بالا سے تعلق:

علوی روح اپنی بلندی کی وجہ سے کائنات سے بے نیاز ہو کر نہایت ذوق و شوق سے اپنے مولیٰ کی طرف رُخ کرتی ہے۔ کائنات میں چونکہ قلب اور نفس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اس لئے روح جب عالم بالا کی طرف رُخ کرتی ہے تو اس دم:

○ ــــ قلب بھی ایک فرماں بردار اور سعادت مند فرزند کی طرح محبت اور شوق کا اظہار کرتا ہے، اور

○ ــــ قلب جو فرزند کی مانند ہے، اس سے نفس بھی ایسی محبت کا اظہار کرتا ہے جیسے کوئی محبت بھری ماں اپنے بیٹے سے پیار کرتی ہے۔

حرص وہوا کے مادے کا فنا ہونا:

نفس جب شوق کا اظہار کرتا ہے تو وہ عالمِ ارضی سے بلند ہو جاتا ہے، اور عالم ارضی (سفلی) میں اس کی رگیں سکڑ جاتی ہیں ــــ اس سے نہ صرف اس کی خواہشیں دب جاتی ہیں بلکہ حرص وہوا کا مادہ بھی فنا ہو جاتا ہے، ــــ پھر نفس دنیا سے منہ موڑ لیتا ہے، کنارہ کش ہو جاتا ہے، اسے فریبی دنیا سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اور عالم جاودانی کی طرف رُخ کر لیتا ہے۔

www.waseemziyai.com

روح کا عالم سفلی (ارضی) سے تعلق:

بعض اوقات نفس اپنی فطری اور طبعی خواہش کے باعث عالم ارضی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ حیوانی روح اس کی ہم جنس ہے، وہی اسے عالم سفلی کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کا رجحان عناصر کی طرف غالب ہوتا ہے جو عالم سفلی کے ارکان ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ۝

''اگر ہم چاہتے تو اسے بلند کر دیتے، مگر وہ زمین پر رہنے لگا اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔''

بہر حال نفس جب مادرانہ محبت کے باعث زمین سے مانوس ہوتا ہے تو اس وقت سرنگوں قلب اس کی طرف مائل ہوتا ہے، جس طرح ایک بچہ اپنی غلط کار اور بے راہ رو ماں کی طرف بے اختیار مائل ہوتا ہے، اور اپنے سلیم الطبع اور نیکوکار باپ کی طرف دھیان نہیں دیتا، —— عین اسی وقت روح بھی اپنے فرزند یعنی قلب کی طرف مائل ہو جاتی ہے، جس طرح ایک باپ کا دل بیٹے کی طرف مائل ہوتا ہے (جبکہ بیٹے کا اپنے باپ کی طرف کوئی میلان نہیں ہوتا۔) ایسی صورت میں اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے، —— جب یہ کھنچاؤ اور کشاکش شروع ہوتی ہے تو اس دوران اس کی سعادت مندی یا بدبختی ظاہر ہو جاتی ہے، —— یہی قادر مطلق کا فیصلہ اور یہی تقدیر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا:

''تمہاری عقل کا مقام کہاں ہے؟'' —— انہوں نے جواب دیا:

''قلب میں، —— کیونکہ قلب ہی روح کا قالب ہے، —— اور روح زندگی کا سرچشمہ ہے۔''

روح دو طرح کی ہے:

شیخ ابو سعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روح دو طرح کی ہوتی ہے:

○ —— زندگی کی روح (روحِ حیات)، ○ —— موت کی روح (روح ممات)،

جب یہ دونوں یکجا ہوتی ہیں تو بدن کو عقل و شعور حاصل ہوتا ہے، —— موت کی روح وہی ہے کہ جب وہ بدن سے نکلتی ہے تو زندہ انسان مردہ ہو جاتا ہے، —— زندگی کی روح وہ ہے جس کی بدولت سانس کی نالیاں جاری ہیں اور انسان میں کھانے پینے کی طاقت و قوت اسی کے دم سے ہے۔

روح اور نفس:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ روح ایک پاکیزہ باد نسیم ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے، —— اور نفس ایک گرم ہوا ہے جس سے مذموم حرکتیں، خواہشیں اور شہوتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی بناء پر یہ محاورہ وجود میں آیا:

''اس کے دماغ میں بڑی گرمی ہے (بڑا غصہ ہے)''

www.waseemziyai.com

نفس کی ماہیت اور حقیقت سے متعلق اس باب میں مشائخ کرام کے جو خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نفس ہی سے سب مذموم افعال و اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کا تدارک و علاج مجاہدات و ریاضات کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ میرے اخلاق اور افعال میں اسی سے تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں۔

حضرت سعید بن ابی ہلال رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرماتے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۝

''جس نے تزکیۂ نفس کیا وہ کامیاب ہو گیا۔''

تو آپ کچھ توقف فرما کر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا۝

مذکور ہے کہ نفس ایک لطیف شے ہے جو جسم (قالب) میں موجود ہوتی ہے۔ میرے اخلاق و صفات اسی سے ظاہر ہوتے ہیں، ـــــ بالکل اسی طرح روح بھی ایک لطیف شے ہے جو قلب (دل) میں موجود ہوتی ہے۔ وہ اچھے اخلاق و صفات کا سرچشمہ ہے۔ جس طرح آنکھ دیکھنے کا، ـــــ کان سننے کا، ـــــ ناک سونگھنے کا، ـــــ اور منہ ذائقے کا مقام ہے، اسی طرح نفس بری صفات کا، اور روح اچھی صفات کا منبع و سرچشمہ ہے۔

نفسانی صفات کی بنیادیں:

نفس کے سب اخلاق اور اس کی صفات کی دو بنیادیں ہیں:

○ ـــــ اوّل طیش، ○ ـــــ دوسری طمع، (دونوں حرف ''ط'' سے وجود پاتے ہیں)

طیش اس کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور طمع حرص اور لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے، ـــــ طیش کے عالم میں نفس کو ایک ایسے گول گیند سے مشابہ قرار دیا گیا ہے جو ایک شفاف اور چکنے مقام پر ہو۔ چنانچہ وہ اپنی وضع اور فطرت کے مطابق ہمیشہ متحرک رہتی ہے، ـــــ طمع اور حرص کے لحاظ سے نفس ایک پروانے سے مشابہ ہے جو چراغ کی روشنی پر گرے اور تھوڑی روشنی پر قناعت و اکتفا نہ کرتے ہوئے روشنی کے سرچشمہ و منبع پر گر کر خود کو ہلاک کر دے۔

طیش کا باعث جلد بازی اور بے صبری ہے، ـــــ جبکہ صبر عقل کا جوہر ہے، اور طیش نفس کی صفت ہے۔ جس کی خواہشوں اور اس کی روح پر صبر کی بدولت ہی قابو پانا ممکن ہے۔

عقل کے ذریعے خواہشیں مٹائی جاتی ہیں، ـــــ اور یہ طمع ہے جس کا حضرت آدم علیہ السلام شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جنت میں ہمیشہ کے لئے رہنے کی خواہش کی تھی۔ اس حرص میں شجر ممنوعہ کو کھانے کے مرتکب ہوئے۔

نفس کی فطری صفات:

نفس کی بعض صفات کا تعلق انسانی پیدائش کے وقت سے ہے۔ مثلاً:

www.waseemziyai.com

○ ــــ انسان خاک سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اس میں جو ضعف اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ وہ خاک کی بدولت ہے۔
○ ــــ اس میں بخل کا مادہ گندھی ہوئی مٹی (طین) کے باعث ہے۔
○ ــــ شہوت اور خواہش پرستی سڑی ہوئی چکنی مٹی سے پیدا ہوئی۔
○ ــــ جہالت کا وصف اور وجود کھنکھناتی ہوئی مٹی کی وجہ سے ہے۔
○ ــــ قرآن مجید میں کالفخار بھی آیا ہے کہ وہ مٹی ٹھیکرے کی طرح ہوگئی تھی۔ اس لئے اس میں شیطانیت بھی آ گئی۔ کیونکہ آگ سے مٹی پک کر ٹھیکرے کی طرح ہو جاتی ہے، ــــ اور اسی شیطانیت کے باعث مکر و فریب اور حسد کا مادہ پیدا ہوا۔

جو شخص نفس کی فطرت اور اس کی جبلتوں سے آگاہ ہوگیا، ــــ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ خالق کائنات کی مدد کے بغیر ضبط نفس نہیں کرسکتا۔ اس لئے انسانیت کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب:

○ ــــ انسان علم و عدل کے ذریعہ حیوانی خواہشوں کا علاج کرے۔
○ ــــ افراط و تفریط سے بچے،
○ ــــ شیطانی صفات اور مذموم اخلاق کو پہچان کر کمالِ انسانیت سے آشنا ہو۔
○ ــــ خود کو برے اخلاق اختیار کرنے کے لئے ترغیب نہ دے۔
○ ــــ ربوبیت سے ٹکرانے والے تکبر، عزت، خود بینی اور غرور جیسے اوصاف سے بھی آگاہ ہونا چاہئے، ــــ لہٰذا وہ یہ اوصاف چھوڑ دے کہ یہی خالص بندگی ہے۔

نفس کی تین حالتیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام قرآن پاک میں نفس کی تین حالتوں کا ذکر کیا ہے:

○ ــــ کبھی اسے نفس مطمئنہ فرمایا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝

○ ــــ کبھی اسے نفس لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) فرمایا ہے:

لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

○ ــــ کبھی نفس امارہ (برے کام پر اکسانے والا نفس) سے موسوم فرمایا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ۝

حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے، لیکن اس کی صفات ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنی:

○ ــــ جب قلب کو مکمل سکون حاصل ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی سکون و طمانیت کا لباس پہنا دیتا ہے، ــــ اور جب اس سکون سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو قلب روح کے مقام پر ترقی کرتا ہے، ــــ اور جب قلب روح کے مقام پر فائز ہو جائے تو نفس قلب کے مقام کا رُخ کرتا ہے، ــــ یہاں پہنچ کر اسے کلی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، یہی نفس، نفسِ مطمئنہ ہے۔

www.waseemziyai.com

○ —— اور جب نفس کو اس کی طبعی و جبلّی خواہشوں، لمسوں اور فطری مرکز سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ اطمینان و سکون کی تلاش میں بھٹکنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ نفسِ لوامہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے آپ پر اس لئے ملامت کرتا ہے کہ مقام سکون سے باخبر ہوتے ہوئے اور اس کا مشاہدہ کئے ہوئے تھا۔

○ —— اب یہی نفسِ لوامہ اگر سکون وطمانیت کے مقام کی تلاش سے باز رہ کر اپنے اصل مقام پر لوٹ جائے تو وہ نفس امارہ ہے۔ جو اس حالت میں آکر برائی پر اکسانے لگتا ہے، —— جب اس مقام پر پہنچ جائے جہاں علم و معرفت کا نور نہیں پہنچا تو اس وقت لوگوں کو برائی پر آمادہ کرنے لگتا ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر بعض اوقات روح اور نفس کا مقابلہ بھی ہوتا ہے، —— قلب پر کبھی روحانی جذبات غالب آجاتے ہیں، —— کبھی نفسانی جذبات قابو پا لیتے ہیں۔

سرّ باطن کیا ہے؟

سرّ باطن کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں صوفیاء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے:

○ —— بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ روح سے پہلے اور قلب کے بعد کا درجہ ہے،

○ —— بعض حضرات نے اسے روح کے بعد بلکہ اس سے اعلیٰ اور لطیف تر قرار دیا ہے۔

○ —— یہ بھی کہا گیا کہ سرّ باطن مشاہدے، روح محبت اور قلب معرفت کا مقام ہے۔

بہر حال جس سرّ باطن کی طرف صوفیاء کرام نے اشارہ کیا ہے، اس کا کتاب اللہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ کتاب الٰہی میں صرف روح اور نفس، اور اس کی گوناگوں صفات، قلب، فواد اور عقل کا ذکر کیا گیا ہے، —— کلام الٰہی میں چونکہ صوفیاء کرام کے مذکورہ مفہوم کے مطابق "سر" کا ذکر نہیں ہے، —— اور اس کی حقیقت سے متعلق بھی صوفیاء کرام میں اختلاف ہے:

○ —— بعض حضرات اسے روح سے کم تر قرار دیتے ہیں۔

○ —— بعض حضرات اسے روح سے لطیف تر قرار دیتے ہیں۔

اس لئے اب سرّ باطن کی اصل حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ اللہ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

سرّ باطن کی حقیقت:

ہمارے خیال میں سرّ باطن کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس اور روح کی طرح مستقل وجود رکھتی ہو، —— بلکہ اس کی صورت اور حقیقت یہ ہے کہ جب نفس صاف اور پاکیزہ ہو جائے تو نفس کی تاریک قید سے آزاد ہو کر روح مقاماتِ قرب کی بلندیوں کی طرف جانے لگتی ہے۔ عین اس وقت قلب بھی اپنے مرکز سے ہٹ کر روح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، —— اسی لمحے قلب میں ایک زائد صفت بھی جنم لیتی ہے —— یہ صفتِ زائدہ قلب سے بھی زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے، اس لئے اس صفت کو "سرّ باطن" کا نام دیا گیا۔

جس طرح روح کی تلاش میں قلب کو ایک زائد صفت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح روح کو بھی اپنے اس عروج کے وقت ایک زائد صفت حاصل ہوتی ہے۔ جنہیں اس کا علم ہے وہ بھی اس صفت کو "سر" کا نام دیتے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جو سر روح سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اس سے مراد وہ روح ہے جس میں عام مشاہدے کی صفت کی

www.waseemziyai.com

بجائے یہ خاص صفت پائی جائے، ــــ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سرّ باطن روح سے پہلے ہے اور اسے فضیلت وفوقیت حاصل ہے، اس سے ان کی مراد وہ قلب ہے۔ جس میں ایک مخصوص اور زائد صفت پائی جائے۔

روح اور قلب کی اس ترقی کے ساتھ ساتھ نفس بھی ترقی کر کے قلب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اپنا اصل لباس اُتار کر نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے، اور پہلے سے بھی زیادہ دلی مرادوں کی خواہش کرتا ہے۔ کیونکہ اس وقت قلب بھی وہی کرتا ہے جو اس کا مولیٰ چاہتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی ارادوں، قوتوں اور اختیارات سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ خالص بندگی اور عبودیت کی لذتوں سے شناسا ہو جاتا ہے۔

عقل کی فضیلت وحقیقت:

عقل کی حقیقت یہ ہے کہ عقل روح کی زبان ہے اور بصیرت ودانائی کی ترجمان ہے، ــــ بصیرت روح کے لئے قلب کی مانند ہے اور عقل اس کے لئے زبان ہے، ــــ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سب سے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا: ''آگے بڑھو'' ــــ وہ آگے بڑھی، ــــ پھر فرمایا: ''لوٹ جا!'' ــــ وہ لوٹ گئی۔ پھر اس سے کہا: ''بیٹھ جا!'' ــــ وہ بیٹھ گئی، ــــ پھر اس سے فرمایا: ''بول!'' تو وہ بولنے لگی۔ پھر فرمایا: ''خاموش ہو جا!'' وہ خاموش ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مجھے اپنی عزت وجلال، کبریائی اور جاہ وجبروت کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ محبوب اور معزز کوئی مخلوق پیدا نہیں کی کیونکہ لوگوں کو میری معرفت تیرے ہی ذریعے ملے گی، ــــ اور تیرے ہی ذریعے میری حمد وثناء ہوگی، ــــ اور تیرے ہی ذریعے میری اطاعت کی جائے گی، ــــ اور تیرے ہی ذریعے لوگوں کے ساتھ لین دین ہوگا، ــــ میرا عتاب بھی تجھ پر نازل ہوگا، اور ثواب بھی تجھ پر نازل ہوگا، ــــ میں نے ایک بہترین شے یعنی صبر کے ذریعے تجھے اکرام واحترام عطا کیا ہے۔''

عقل کی اہمیّت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کسی شخص کے اسلام لانے پر تم خوش مت ہو جب تک تمہیں اس کی عقل کا اندازہ نہ ہو جائے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا:

''یارسول اللہ (ﷺ)! لوگوں کی فضیلت کا کس چیز سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا وآخرت میں ہر ایک کی عقل سے'' ــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''کیا لوگوں کو ان کے اعمال پر جزا وسزا نہیں ہوگی'' ــــ ارشاد ہوا:

''اللہ کی اطاعت وہی کرتا ہے جسے عقل ہوتی ہے، ــــ جس میں جتنی عقل ہوتی ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے، ــــ اور اسے اعمال کے مطابق جزا وسزا ملے گی۔''

www.waseemziyai.com

اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے اور وہاں نماز ادا کرتا ہے مگر اس کی نماز مچھر کے بازو کے برابر بھی نہیں ہوتی، — ایک دوسرا شخص مسجد میں آکر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اس سے زیادہ عقل مند ہو۔''

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا:

''وہ زیادہ عقل مند کیسے ہوسکتا ہے؟'' — آپ نے ارشاد فرمایا:

''وہ اوروں کی نسبت حرام کاموں سے زیادہ بچے، — اور نیک کاموں کے لئے زیادہ آرزومند ہو۔ چاہے وہ اعمال ونوافل میں ان سے کم درجے میں ہی کیوں نہ ہو —''

رسول اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

''یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں الگ الگ عقل تقسیم فرمائی، — ان کا علم، نیکی، نماز اور روزہ یکساں اور مساوی ہوسکتے ہیں مگر ان کی عقل میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے کوہ احد کے مقابلے میں کوئی ذرّہ۔''

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے تقریباً ستر کتابوں میں پڑھا ہے کہ تخلیق عالم کے شروع سے اب تک ساری دنیاوالوں کو جس قدر عقل عطا کی گئی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی عقل مبارک کے سامنے ایسی ہے جیسے ساری دنیا کے صحراؤں کے مقابلے میں ایک ذرہ ہو۔''

عقل کی ماہیت وحقیقت:

عقل کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں بھی لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ان سب اقوال کو یہاں پیش کرنا مقصود نہیں، فقط چند اقوال پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

- — ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ عقل کا تعلق علوم سے ہے، — جو علم سے بے بہرہ ہو، اسے صاحب عقل نہ کہا جائے، لیکن یہ اصول سب علوم پر لاگو نہیں ہوتا، — اس لئے ایسا شخص بھی عقل مند کہلاتا ہے جسے اکثر علوم کا پتہ نہ ہو۔
- — اہلِ علم کا یہ بھی کہنا ہے کہ عقل کا نظریاتی علوم سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ غور وفکر کے لئے ابتدائی شرط یہ ہے کہ پہلے سے عقل کامل ہو، — لہٰذا اس کا علوم ضروریہ سے تعلق ہے، مگر تمام علوم ضروریہ اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ مختلف حواس والا بھی عقل مند شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ علوم ضروریہ کے بعض مدارج اس میں موجود نہیں ہوتے۔
- — بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ عقل، علوم کی قسم نہیں، — کیونکہ اگر یہ علم کی قسم ہوتی تو یہ ماننا پڑتا جو غافل اور خود فراموش ہے وہ عقل والا نہیں ہوسکتا — حالانکہ کئی عقل والے اکثر غافل اور خود فراموش رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عقل ایک صفت ہے جس کے ذریعے علوم کا ادراک اور حصول کیا جاتا ہے۔
- — شیخ حارث بن اسد المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''عقل ایک فطری تکمیل ہے جس کے ذریعے تحصیل علوم کی اہلیّت وصلاحیت حاصل ہوتی ہے۔''

اس قول سے ہمارے خیال کی تائیدوتصدیق ہوتی ہے کہ ''عقل روح کی زبان ہے'' ـــ کیونکہ روح ایک حکم الٰہی ہے، اوراسی طروح نے وہ بارامانت اٹھایا ہے جسے اٹھانے سے زمین وآسمان نے انکار کردیا تھا، ـــ یہی وہ مقام ہے جہاں سے نورعقل کا فیضان جاری ہوتا ہے، اورنورعقل سے ہی سب علوم تشکیل پاتے ہیں۔ اسی لئے علوم کے لئے عقل کی حیثیت وہی ہے جیسے کسی مکتوب کے لئے لوح۔

سیدھی اوراُلٹی عقل:

عقل کبھی سرنگوں ہوکرنفس کی طرف مائل ہوتی ہے، اور کبھی سیدھی اوردرست ہوتی ہے۔ اگرکسی کی عقل الٹی ہوکرنفس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ نفس کو کائنات کے اجزاء میں منتشر کردیتی ہے۔ اس میں بے اعتدالی آجاتی ہے۔ جس کی بناء پر وہ راہِ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے۔ ـــ جس کی عقل راہ راست پر ہوتو اس بصیرت کو پالیتی ہے جوروح کے لئے قلب کی مانند ہے۔ اس مقام پر اسے خالق کائنات سے ہدایت بھی عطا ہوجاتی ہے۔ اوروہ خالق کے ذریعے کائنات کو بھی پہچان لیتا ہے۔ یہ عقل ''عقلِ ہدایت'' کہلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس عقل کو جب عزت اور بڑائی سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے ایسے کام کی طرف متوجہ کردیتا ہے جواس کی بلندیٔ درجات کا باعث ہوتا ہے، ـــ اور جب وہ کسی کام کو ناپسند کرتا ہے تو عقل ہدایت کوایسا کرنے سے روک دیتا ہے، ـــ لہٰذاایسا شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پانے میں لگا رہتا ہے، اورایسی باتوں سے دامن بچاتا ہے جواللہ کی ناراضی اوراس کے غضب کا باعث ہوں۔

''عقل ہدایت'' جتنی سیدھی ہوگی، اتنی ہی اسے بصیرت کی تائید حاصل ہوگی، اوراسی قدروہ لوگوں کونیکی کی طرف صحیح رہنمائی کرے گی اورگمراہی سے بچائے گی۔

عقل کے پہلو:

بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ عقل کے دوپہلو ہیں:

- ـــ ایک پہلو سے وہ دنیا کے کاموں پرغوروفکر کرتی ہے۔
- ـــ دوسرے پہلو سے اسے آخرت کے کاموں کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

پہلی عقل، روح کے نور سے حاصل ہوتی ہے، ـــ دوسری عقل، کا نورہدایت سے تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی عقل بنی نوع انسان میں عام ہے، ـــ اوردوسری عقل مشرکوں میں مفقوداوراہلِ توحید میں موجودہوتی ہے۔

عقل کا نام ''عقل'' کیوں؟

ایک بزرگ نے فرمایا کہ عقل کا نام عقل اس لئے رکھا گیا کہ جہالت ونادانی سراسرظلمت وتاریکی ہے۔ بینائی کا نور جب اس ظلمت پرغالب آجاتا ہے تو یہ تاریکی چھٹ جاتی ہے اوروہ دیکھنے لگتا ہے۔ گویاعقل جہالت کوپابند بنادیتی ہے۔

www.waseemziyai.com

عقل اور شریعت:

مذکور ہے کہ عقل ایمان کا گھر اور اس کا مقام دل میں ہوتا ہے، ۔۔۔ اور اس کے عمل کا مقام سینے میں دل کی آنکھوں کے درمیان ہے۔

جس عقل کو ہم نے روح کی زبان کہا ہے، اس کی دو قسمیں نہیں بلکہ وہ صرف ایک ہے۔ عقل جب درست اور سیدھی ہو تو اسے بصیرت کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف معتدل رہتی ہے بلکہ اس کی بدولت سب چیزیں اپنے اصل مقام پر برقرار رہتی ہیں۔ یہی وہ عقل ہے جو نور شریعت سے منور ہوتی ہے۔ اس کی یہ درستی اور اعتدال اس نور شریعت سے حاصل ہوا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو بارگاہِ الٰہی میں روحانی قرب کے باعث یہ شرف حاصل ہوا، اور یہ آپ ﷺ کی اس بصیرت کا فیضان ہے جو روح کے لئے قلب کی مانند ہے، جسے اللہ کی دقرتوں اور آیتوں کے مکاشفات عطا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی عقل مندی کو یہ ثابت قدمی بھی اسی بصیرت کی تائید سے حاصل ہوئی۔

عقل اور بصیرت:

بصیرت ان سب علوم کا احاطہ کر لیتی ہے جنہیں عقل مکمل طور پر اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے بلکہ وہ علوم بھی اس میں سما جاتے ہیں جو اس کی رسائی سے باہر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بصیرت کو یہ کمال دسترس اس لئے حاصل ہوا ہے کہ اسے ان کلماتِ الٰہی سے فیض ملا ہے جو نہ ختم ہونے والے ہیں، چاہے ان کی تحریر سے سمندر خشک ہو جائیں۔ بصیرت کے مقابلے میں عقل کا کام اس قدر ہے کہ وہ اس کی ترجمانی کرے۔ اس لئے بصیرت اپنی بعض باتیں ترجمان کے لئے اس تک پہنچا دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قلب زبان کے ذریعے بعض باتیں بیان کرتا ہے، ۔۔۔ اور بعض باتیں زبان کی بجائے محض تاثیر سے ذکر کرتا ہے۔

ملک اور ملکوت:

جس شخص کے پاس عقل مجرد ہے اور جو نور شریعت سے روشن و منور نہیں۔ علوم کائنات میں سے اس کے حصے میں فقط ملک آتا ہے جو ظاہر کائنات ہے، ۔۔۔ اور جن لوگوں کی عقلیں بصیرت کی تائید کے باعث نور شریعت سے روشن اور منور ہیں، انہیں کائنات کے باطنی حصے کا علم ہو جاتا ہے، کائنات کا یہ باطنی حصہ ملکوت کہلاتا ہے۔ گویا کائنات کے باطن کے بارے میں آگاہ ہونا اہلِ بصیرت کے لئے ہی مختص ہے، ۔۔۔ اور جو لوگ بصیرت سے محروم ہیں اور عقل پر ہی انحصار کرتے ہیں، ایسے مکاشفات سے وہ محروم رہتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"عقل دو طرح کی ہوتی ہے: پہلی عقل ہدایت کے لئے ہوتی ہے، اس کا مرکز قلب ہے اور اس کا مقامِ عمل دل کی آنکھوں کے درمیان سینہ میں ہے۔ یہ عقل، اہلِ یقین کی عقل ہے، ۔۔۔ دوسری عقل کا مرکز دماغ ہے اور اس کا مقامِ عمل بھی دل کی آنکھوں کے درمیان سینہ میں ہوتا ہے، ۔۔۔ پہلی عقل کے ذریعے آخرت کے کام سنوارے جاتے ہیں، اور دوسری عقل کے ذریعے دنیا کے کام

سنوارے جاتے ہیں۔

ہم نے جو عقل کو عقل واحد بتایا ہے تو وہ اسی صورت میں ہے جب اسے بصیرت کی تائید حاصل ہو، — اگر وہ بصیرت سے محروم ہو تو وہ صرف ایک ہی کام کرسکتی ہے، وگرنہ بصیرت کی تائید سے وہ دنیا و آخرت دونوں کی تدبیر کرتی ہے۔

اس باب کے شروع میں ہم نے نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے یہی بات ثابت اور متحقق ہوتی ہے کہ عقل تو ایک ہی ہے مگر کبھی اسے بصیرت کی تائید حاصل ہوتی ہے، اور کبھی وہ اس سے محروم رہتی ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر۵۷:

دلی تصوّرات کی شناخت

انسان پر شیطانی اور ملکوتی اثرات:

ہمارے مرشد کریم شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اولادِ آدم پر شیطان اور فرشتے دونوں اثر انداز ہوتے ہیں، ــــ شیطان اس کے اندر برائی ڈالتا ہے اور حق بات کو جھٹلاتا ہے، ــــ جبکہ فرشتہ بھلائی کا وعدہ اور حق بات کی تصدیق کراتا ہے، ــــ انسان کو اگر بھلائی ملے تو وہ سمجھ لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ اللہ کا شکر ادا کرے، ــــ اور اگر شیطان کا اثر ہو تو اللہ تعالیٰ کی شیطان سے پناہ مانگے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۝

''شیطان تم سے مفلسی کا وعدہ کرتا ہے اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے۔''

اچھے برے اثرات معلوم کرنا:

حقیقت یہ ہے کہ جو طالب صادق ہے وہی اچھے برے اثرات جاننے کی کوشش کرتا ہے اور وہی ان خطرات اور وسوسوں میں فرق کرسکتا ہے، ــــ اسے اس معرفت کی ایسی ہی طلب ہو جیسے ایک پیاسا پانی کا طلب گار ہوتا ہے۔ ایسا شخص ان خطروں، وسوسوں اور فلاح و صلاح کو بخوبی جانتا ہے، ــــ یہی وجہ ہے کہ ان وسوسوں اور اندرونی اثرات کو وہی لوگ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہوں اور اہلِ یقین کی راہ پر چل رہے ہوں۔

جو لوگ ابرار و نیکوکار کی راہ پر چلتے ہیں، وہ کبھی کبھی اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے ان کے اندر بقدر ہمت و بقدر ارادہ اور فیضِ الٰہی کے اعتبار سے طلب ہوتی ہے، ــــ لیکن جو عام مسلمان ہیں وہ ان شیطانی اور ملکوتی اثرات سے نفع نہیں اُٹھا سکتے، اور نہ ہی ان میں اس کا فرق معلوم کرنے کی اہلیّت و صلاحیّت ہوتی ہے۔

قلب کی صفائی:

دل کے بعض تصورات اللہ کی طرف سے پیغامبر بن کر آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا:

''میرا قلب ایسا ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو یہ اللہ کی بارگاہ میں معصیت ہوگی۔''

www.waseemziyai.com

یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے قلوب کو استقامت حاصل ہے، ـــ نفس کی طمانیت کے بغیر قلب کو استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ نفس کے مطمئن ہونے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے، ـــ لیکن جب نفس حرکت میں آئے تو قلب کی پاکیزگی میں تکدر آ جاتا ہے۔ اور جب قلب میں تکدر آ جائے تو شیطان گمراہ کرنے کی امید میں اس کے قریب آ جاتا ہے۔ دل کی صفائی فقط اللہ کے ذکر سے اور اس کی حفاظت کی وجہ سے باقی رہتی ہے، ـــ ذکر الٰہی ایسا نور ہے جس سے شیطان ایسے ڈرتا ہے جیسے کوئی آگ سے ڈرتا ہو۔

ذکر کی اہمیّت وفضیلت:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے دل سے لپٹا ہوا ہے' لیکن انسان جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان منہ پھیر کر پیٹھ پیچھے ہٹ جاتا ہے، ـــ اور جب وہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے قلب کو لقمہ بنا لیتا ہے، اور اسے پھسلا کر خام خیالی میں مبتلا کر دیتا ہے، ـــ ارشاد باری ہے:

○ ـــ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ○

"جو اللہ کے ذکر سے منہ پھیر لے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔"

○ ـــ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ○

"کوئی پھرنے والا شیطان اگر پرہیز گاروں کو چھو لے تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے انہیں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔"

تقویٰ اور ذکر:

ان ارشاداتِ الٰہی سے یہ معلوم ہوا کہ خالص ذکر کا وجود تقویٰ سے وابستہ ہے اور اسی تقویٰ کے ذریعے ذکر کا دروازہ کھلتا ہے۔ پرہیز گار پہلے اپنے اعضاء کو بری باتوں سے بچاتا ہے، اس کے بعد وہ فضول اور بے کار باتوں سے روکتا ہے۔ پھر ضرورت کے تحت اس کے اقوال و افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کا تقویٰ باطن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسے برائیوں اور فضول باتوں سے بالکل محفوظ کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ نفسانی باتوں سے بھی بچاتا ہے، ـــ شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نفسانی باتیں بدترین گناہ ہیں۔"

چنانچہ وہ نفس کی باتوں پر کان دھرنے کو بھی گناہ سمجھتا ہے۔ اس لئے ان سے بھی بچتا ہے، ـــ اسی طرح تقویٰ اختیار کرنے کے بعد جب وہ ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا قلب اس طرح روشن ہو جاتا ہے جس طرح ستارے آسمان میں جگمگاتے ہیں۔ بلکہ اس کا دل ذکر کے روشن ستاروں سے چمکنے دمکنے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں شیطان اس سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص پر شیطانی داؤ اور فریب بہت ہی کم اثر انداز ہو جاتے ہیں، لیکن نفسانی خیالات اس کے اندر ضرور باقی رہتے ہیں۔ جن سے بچنا اس کے لئے لازم ہے۔ چنانچہ اپنے علم کی بدولت اسے عام بے ضرر خیالات اور نفسانی خیالات میں فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں عملی جامہ پہنانا مضر نہیں ہوتا۔ جیسے نفس کی روزمرہ کی ضرورتیں۔ ان ضرورتوں کا تعلق کبھی حقوق سے ہوتا ہے اور کبھی آرام و آسائش کی چیزیں۔ ان میں فرق کرنا لازم ہے۔ ان ضرورتوں میں جب حظِ نفس کا مطالبہ ہو تو پھر نفس ملزم ہے۔ ارشاد باری ہے:

www.waseemziyai.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ○

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلو۔''

اس آیت کی شان نزول کا محرک ولید بن عقبہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق کی طرف بھیجا تھا کہ ان کے اسلام کے بارے میں معلوم کرے، ـــــ ولید نے ان سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے غلط بیانی سے کی اور ان پر کفر و معصیت کے جھوٹے الزامات لگائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال جاننے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ان کے قبیلے سے مغرب اور عشاء کی اذان سنی اور ایمان کی ایسی باتیں مشاہدہ کیں جن سے ولید بن عقبہ کا جھوٹ ثابت ہو گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ خبروں کی پہلے تحقیق کرلیا کرو۔

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں فاسق سے مراد کاذب اور جھوٹا شخص ہے۔ کذب ایک نفسانی صفت ہے کہ یہی نفس چیزوں کو کیا سے کیا بنا کر خلاف حقیقت پیش کرتا ہے، ـــــ چنانچہ دل میں جب کوئی خیال گزرے تو اسے بیان کرنے سے پہلے پوری تحقیق کرلی جائے۔ اس معاملہ میں بندۂ حق کا دل تصورات کو ایک خبر کی طرح سمجھتا ہے۔ تاکہ وہ ان کی پرکھ اور تحقیق کرے اور نفسانی خواہش کی ترغیب پر اس سے عجلت میں کوئی لغزش نہ ہو جائے۔

اس حوالے سے ایک بزرگ کا یہ کہنا ہے کہ ادنیٰ ترین ادب یہ ہے کہ تم جہل و نادانی کے موقع پر کچھ دیر رک جاؤ، ـــــ ادب کی انتہا اور آخری درجہ یہ ہے کہ تم شبہ کے موقع پر بھی کچھ توقف کرو۔

شک وشبہ کے موقع پر ادب کا تقاضا:

شک وشبہ کے موقع پر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ محرک نفس اپنے خالق و مالک کائنات کی طرف توجہ کرے، ـــــ اور اس کے سامنے فقر و فاقہ کا اظہار کرے، اور اپنی جہالت و نادانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی معرفت اور اس کی امداد کا طالب ہو، ـــــ جب اس طرح وہ ادب اور نیازمندی کا اظہار کرے گا تو اس کی فریاد رسی ہوگی اور اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ اس وقت اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کا یہ خیال لطف کی خواہش کے لئے ہے یا حق کی طلب کے لئے، ـــــ اگر وہ حق کے لئے ہے تو اسے وہ کام کرنا چاہئے اور اگر لطف کی خواہش کے لئے ہے تو اسے چھوڑ دے۔

اس طرح کا توقف اس صورت میں ہوگا کہ جب اسے اپنے خیال کی ظاہری علم سے حقیقت نہ معلوم ہو سکے۔ کیونکہ باطنی علم کی اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب ظاہری علم سے اس کی حقیقت کی طرف کوئی راہ نہ مل سکے۔

حق اور حظ نفس:

بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر حق کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر انہیں حظ نفس کا تصور آ بھی جائے تو وہ اسے روحانی گناہ سمجھتے ہیں، اور وہ اس سے اسی طرح استغفار کرتے ہیں جیسے دوسرے گناہوں سے استغفار کی جاتی ہے۔

مگر بعض بزرگوں کو چونکہ اللہ کی طرف سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ان تصورات سے اور حظ نفس

کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ انہیں اس اجازت کا پتہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے روحانی حال اور اس کی کمی بیشی سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حال کا علم محکم واستوار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے روحانی حال پر دوسروں کو قیاس نہیں جاتا۔ نہ ہی ان کی تقلید کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ خاص بندے کے لئے مخصوص ایک خاص امر ہے۔

ملکوتی اور حقانی تصورات کا ورود اور نفسانی کیفیت:

بندۂ حق میں جب یہ اہلیت اور لیاقت پیدا ہو جائے کہ وہ نفسانی تصورات کے ان مقامات کی تمیز کر سکے جہاں شیطانی اثرات سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اس وقت اس کے دل پر حقانی اور ملکوتی تصورات کا کثرت سے ورود ہوتا ہے۔ اس کے حق میں سے چار تصورات میں سے فقط تین (حقانی، ملکوتی اور نفسانی) باقی رہ جاتے ہیں، اور شیطانی تصورات سے نجات مل جاتی ہے، —— ان تین نفسانی، حقانی اور ملکوتی تصورات سے نفس کا دائرہ تنگ پڑ جاتا ہے، —— اس لئے شیطان کا داخل ہونا محال ہو جاتا ہے۔ شیطان کا داخل ہونا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب نفس میں وسعت پائی جائے۔ نفس کی یہ وسعت خواہشوں کی پیروی اور زمین پر ہمیشہ رہنے کے ارادے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، —— جب کوئی شخص حق اور نفس کے حظ میں امتیاز کر کے اس کا دائرہ تنگ کر دے تو شیطان کا گزرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ بلکہ شیطانی مقام تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان کا ادھر سے گزر کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کے لئے کڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔

عالم بالا کی طرف سفر:

مقربین بارگاہِ الٰہی کے مقام پر فائز ہونے والوں میں سے جب کسی ہستی کا قلبِ ذکر، ذکر کے ستاروں کی چمک دمک سے سج کر روشن آسمان بن جائے۔ اس کا قلب بھی اس وقت آسمانی شکل اختیار کر کے اس قلبِ ذکر کی معیت میں عالم بالا کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ اس کا باطنی وجود سماوی طبقات میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ بلندی اور عروج جس قدر ہو گا اسی قدر نفس کو اطمینان حاصل ہو گا۔ اس کے خطرات دور ہوں گے۔ حتیٰ کہ اس کا باطنی عروج سب آسمان پار کر جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو ظاہری جسم مبارک اور قلب اطہر کے ساتھ شب معراج میں یہ عروج پیش آیا۔

جب یہ روحانی عروج وارتقاء پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو اس وقت نفسانی تصورات منقطع ہو کر انوار قرب میں چھپ جاتے ہیں۔ نفس بھی بہت دور رہ جاتا ہے، خواطرِ (واردات) حق کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے، —— یہ واردات چونکہ پیغام دینے والی ہوتی ہیں اور یہ پیغام دور کے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اسے منزلِ قرب میسر آ جانے سے پیغام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ روحانی کیفیت مستقل نہیں عارضی ہے:

یہ روحانی کیفیت جو بیان کی گئی مستقل نہیں عارضی ہوتی ہے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد تنزلی شروع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بندۂ حق پھر مطالباتِ نفس اور واردات کی منزل پر لوٹ آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حقانی واردات اور ملکوتی واردات بھی لوٹ آتی ہیں، —— اس کی وجہ یہ ہے کہ حقانی واردات اور ملکوتی واردات کے لئے وجود درکار ہے۔ منزلِ قرب کے سلسلے میں ہم نے جو کیفیت بیان

www.waseemziyai.com

—— اور یہ بات صحیح نہیں کہ حدیث شریف میں ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے، —— چنانچہ ایک طالبِ حق کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ:

''خواطر وتصورات، نباتات کے تخم کی مانند ہیں، —— ان میں سے کچھ تخم سعادت ہیں، اور کچھ تخم شقاوت!''

تصورات کے مشتبہ ہونے کے اسباب:

واردات اور تصورات کے مشتبہ ہونے کے صرف چار اسباب ہیں، کوئی پانچواں نہیں:

- —— یقین کی کمزوری، —— یا نفس کی صفات واخلاق سے کم علمی،
- —— تقویٰ کے اصول توڑ کر خواہشات کی پیروی۔
- —— دنیا کے جاہ و مال کی محبت،
- —— لوگوں میں قدر و منزلت اور عزت واحترام کی تمنا۔

لہٰذا —— جو کوئی ان چار باتوں سے محفوظ ہو وہ ملکوتی اور شیطانی تصورات میں امتیاز کر سکتا ہے، —— اور جو ان میں مبتلا ہے، اسے نہ تو ان کا علم ہوتا ہے اور نہ انہیں تلاش کر سکتا ہے۔

بعض حضرات میں ان میں سے بعض وجوہ کے موجود ہونے کے باوجود کچھ واردات وتصورات کا انکشاف ہوتا ہے اور بعض ان سے پوشیدہ رہتے ہیں، —— اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بعض وجوہ موجود ہیں اور کچھ موجود نہیں۔ جو شخص ان دلی واردات کو سب سے زیادہ معلوم کر سکے وہی نفس شناسی کا سب سے بڑا ماہر ہوتا ہے، —— یہ نفس شناسی بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ اس میں کمال تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب زُہد وتقویٰ میں کمال حاصل ہو۔

نفس شناسی میں روزی کا حجاب:

مشائخ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص کا کھانا، پینا اور روزی حرام کی ہو وہ الہام اور وسوسہ میں امتیاز نہیں کر سکتا، —— شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جس شخص کی روزی معلوم اور مقرر ہو، وہ بھی الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔''

میرے خیال میں یہ بات نافذ العمل ہونے کے لحاظ سے درست نہیں۔ البتہ مشروط طور پر صحیح کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات معلوم اور مقررہ روزی اللہ کی طرف سے نصیب میں لکھی (مقسوم) ہوتی ہے، اور اسے حاصل کرنے اور کھانے کی اجازت (اس کے حصول سے) پہلے ہی ہوتی ہے۔ ایسی معلوم اور مقررہ روزی واردات کے لئے حجاب نہیں بن سکتی، —— البتہ اس شخص کی روزی حجاب بن سکتی ہے جس نے جان بوجھ کر ایسی روزی حاصل کی ہے، کیونکہ اس نے ایسی روزی اپنی رضا ورغبت سے حاصل کی ہے، —— لیکن جو صورت ہم نے بیان کی ہے اس میں انسان کے ذاتی ارادے اور اختیار کا دخل نہیں، اس لئے وہ روزی حجاب نہیں بن سکتی جو اسے اللہ کی طرف سے فتوح کی صورت میسر آئی ہے۔

www.waseemziyai.com

نفسانی اور شیطانی وسوسوں میں فرق:

انسانی واردات اور شیطانی وسوسوں میں اہلِ بصیرت نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ نفس اس وقت تک اپنی خواہش اور مطالبے پر مُصر رہتا ہے جب تک اس کی خواہش نہ پوری ہو، ـــ اور شیطانی وسوسہ جب کسی انسان کو لغزش پر آمادہ کرے اور وہ نہ مانے، تو شیطان اس کے دل میں ایک اور وسوسہ ڈالتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کوئی مخصوص وسوسہ پیدا کیا جائے، بلکہ اس کا اصل مقصد گمراہ کرنا ہے، جیسے بھی ممکن ہو۔

کس جذبہ کی پیروی کی جائے:

مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے دل میں دو طرح کے خیالات یا جذبات پیدا ہوں تو وہ کس کی پیروی کرے؟ ـــ

○ ـــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پہلے جذبہ کی پیروی کی جائے، کیونکہ جب تک وہ باقی رہے گا، انسان اس پر غور و فکر کرتا رہے گا۔ یہی علم کی شرط ہے۔"

○ ـــ حضرت شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دوسرے جذبہ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے کہ وہ قوی تر ہے۔ کیونکہ جذبہ کے ذریعے اسے قوت حاصل ہوتی ہے۔"

○ ـــ شیخ ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دونوں جذبات و واردات برابر ہیں کیونکہ دونوں کا تعلق حق سے ہے، اس لئے ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں۔"

واردات و خواطر میں فرق:

اہل طریقت کا کہنا ہے کہ واردات، خواطر (تصورات) سے زیادہ عام ہیں۔ کیونکہ خواطر (تصورات) خاص قسم کے خطاب اور مطالبہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ـــ مگر واردات:

○ ـــ کبھی خطابات و خیالات کی صورت میں ہوتے ہیں اور

○ ـــ کبھی سرور، ـــ کبھی غم اور حزن کی صورت اور

○ ـــ کبھی قبض و بسط کی کیفیات میں نمودار ہوتے ہیں۔

مذکور ہے کہ توحید کے نور سے حقانی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے، ـــ اور معرفت کے نور سے ملکوتی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے، ـــ جبکہ ایمان کے نور سے نفس کو روکا جاتا ہے، ـــ اور اسلام کے نور سے دشمن کو شکست دی جاتی ہے۔ اس کا رد کیا جاتا ہے، ـــ اس کے باوجود جو شخص زُہد کے حقائق نہیں جان سکا، اور وہ واردات اور خواطر (تصورات) کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس خیال کی شریعت کے معیار پر جانچ کرے:

○ ـــ اگر وہ خیال یا وارد، فرض ہے یا نفل ہے، تو اس پر عمل کرے۔

www.waseemziyai.com

○ — اگر وہ حرام یا مکروہ ہے، تو اس سے پرہیز کرے۔

○ — اگر دونوں جذبے شرعی اعتبار سے مساوی ہوں تو ان میں سے پہلے اس جذبے پر عمل کرے جس میں نفسانی خواہش کی مخالفت زیادہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے ان میں سے کسی ایک میں نفسانی خواہش پوشیدہ ہو۔

نفس کی مخالفت:

نفس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ادنیٰ چیزوں کی طرف غلط روی کے ساتھ زیادہ مائل ہوتا ہے۔

○ — کبھی نفس کی راحت اور شادمانی کے لئے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے تو بندے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ ایسا قلب کی جنبش اور تحریک کے باعث ہے۔

○ — کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ قلب نفس کے ساتھ پُرسکون رہ کر نفاق کا اظہار کرتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بیس سال ہو گئے میرا قلب نفس کے ساتھ ایک ساعت کے لئے بھی سکون سے نہیں رہا۔

بہر حال نفس کے ساتھ قلب کے پُرسکون ہو جانے سے ایسے خواطر (تصورات) پیدا ہوتے ہیں جو اہلِ علم کے لئے خواطر حق سے مشابہ ہوتے ہیں، کم علموں کے لئے نہیں، — چنانچہ ماہر علمائے ربّانی ہی قلب کے نفاق سے پیدا ہونے والے خواطر (تصورات) کی شناخت کر سکتے ہیں۔ ہر کس کے بس کی بات نہیں۔

شک وشبہ کی گنجائش باقی رہنے کی وجہ:

اربابِ قلوب، اہلِ یقین اور بیدار دل حضرات پر اکثر اس طرح کی آفتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں نفس اور قلب کے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں ہوتا اور نفسانی خواہش کا کچھ حصہ ان میں باقی رہتا ہے۔ اس لئے بندۂ حق کو قطعی طور پر یہ جان لینا چاہئے کہ جب تک اس میں نفسانی خواہش کا اثر باقی رہے گا خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔ اسی نسبت کے مطابق اس کے خیالات وتصورات میں شک وشبہ کی گنجائش باقی رہے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کم علم شخص تصورات وواردات کی پہچان کرنے میں غلطی کھا جاتا ہے، لیکن اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جاتی۔ جب تک کہ شریعت کی طرف سے اس شخص سے کوئی مطالبہ نہ کیا جائے۔ لیکن بعض خطا کار معافی کے لائق نہیں جنہیں کشف کے ذریعے اس کی دقیق اور پوشیدہ باتوں سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور اس کا علم ہونے کے باوجود جلد بازی سے کام لیا اور وہ ثابت قدم نہ رہے۔

نفس کی تحریک:

بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ملکوتی اور شیطانی اثرات روح اور نفس کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں، — جب نفس حرکت میں آتا ہے تو اس میں سے ظلمت وتاریکی کا جوہر باہر آتا ہے۔ جو دل میں برے خیالات کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔ اس وقت شیطان دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس میں وسوسے پیدا کر کے اسے بہکاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

اس حوالے سے یہ بھی مذکور ہے کہ نفس کی تحریک:

○ — یا تو نفسانی خواہش ہوتی ہے جو ایک عارضی حظ نفس کی صورت سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یا

○ — اس کی تحریک کا باعث کوئی آرزو یا امید ہوتی ہے جو انسان کی طبعی جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے، یا

○ — حرکت وسکون کا دعویٰ تحریک کا باعث ہوتا ہے جو عقل اور قلب دونوں کے لئے آفت اور مصیبت ہے۔

ان تینوں کیفیات کا محرک ان تینوں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے:

○ — بیکار خواہش (حظ نفس) ○ — جہالت، ○ — دعویٰ خودی (غفلت)

بہر حال محرک کوئی بھی ہو اس کا دور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ محرک یا فوری احکام کا مخالف ہوتا ہے، — یا کسی ممنوعہ شے کے موافق ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے دور کرنا از حد ضروری ہے، — یا کسی مباح اور جائز کام کا محرک ہو تو اس مباح اور جائز کام سے پرہیز کرنا فضیلت کا باعث ہے۔

روح کی جُنبش وتحریک:

نفس کے برعکس جب روح میں جنبش وتحریک ہوتی ہے تو روح کے جوہر سے چمکتا دمکتا ہوا نور ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ نور قلب میں ظاہر ہو تو اس سے قلب میں بلند ہمتی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس سے یہ تین طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں:

○ — یا تو کسی فرض کی ادائیگی کا حکم ملتا ہے۔

○ — یا کسی فضیلت کی طرف بلایا جاتا ہے۔

○ — یا کسی ایسے مباح کام کی طرف بلایا جاتا ہے جس میں اس کی بھلائی پوشیدہ ہو۔

بہر حال اس ساری بات چیت کا حاصل یہ ہے کہ روح اور نفس کی تحریک ہی سے ملکوتی اور شیطانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ......:

میری رائے یہ ہے کہ شیطانی اور ملکوتی اثرات ہی روح ونفس کو تحریک دیتے ہیں۔ ملکوتی اثرات سے روح حرکت میں آتی ہے، — روح کے حرکت میں آنے سے عالی ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ روح کی یہ حرکت ملکوتی اثر کی برکت سے ہے، — اسی طرح شیطانی اثرات سے نفس حرکت میں آتا ہے۔ اس حرکت سے پست ہمتی وجود میں آتی ہے۔ نفس کی یہ حرکت شیطانی اثر کی نحوست ہے۔

جب دونوں قسم کے اثرات نمایاں ہوں تو دونوں طرح کی (روحانی اور نفسانی) حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس وقت بخشش وکرم کرنے والے اور آزمائش وحکمت والے کی بخشش اور آزمائش (ابتلاء) کا راز افشاء ہو جاتا ہے، — کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ دونوں اثرات مسلسل رہتے ہیں اور ایک اثر دوسرے اثر کی بدولت ختم ہو جاتا ہے۔

جو شخص صاحب عقل اور بیدار دل ہوتا ہے، اس پر ان آثار کا مشاہدہ محبت کا دروازہ خود بخود کھول دیتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اپنے

www.waseemziyai.com

روحانی حال کی نگرانی کرتے ہوئے ان دونوں طرح کے اثرات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

تصورات (خاطرِ) عقل:

مندرجہ بالا چار قسم کے تصورات (خواطر) کے علاوہ خواطر کی پانچویں قسم بھی ہے جو "خاطر عقل" کہلاتی ہے جو مذکورہ چاروں خواطر کی درمیانی صورت ہے، —— یہ وہ کیفیت ہے جو نفس اور اس کے دشمن یعنی شیطانی تصورات کے ساتھ ساتھ باقی رہتی ہے۔ اس کی بدولت بندے میں تمیز کرنے کی قوت اور دلائل کو ثابت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور بندے میں یہ اہلیّت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عقل و ہوش سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت کو سمجھ سکے، —— اگر عقل جاتی رہے تو سزا و جزا کی صورت ہی باقی نہ رہے، —— کبھی یہ خاطر عقل روحانی اور ملکوتی صفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تاکہ جو کام کیا جائے وہ باختیار اور آزادانہ طور پر کیا جاسکے اور اس کے ذریعے ثواب کمایا جاسکے۔

چھٹی قسم، —— خاطرِ یقین:

اہل صدق وصفا میں سے بعض نے تصورات کی چھٹی قسم بھی بیان کی —— یعنی خاطر یقین جو ایمان کی روح اور علم میں کثرت کا سبب ہے، —— اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ خاطر یقین کا حاصل بھی وہی کچھ ہے جو "خاطر حق" سے حاصل ہوتا ہے، —— اس طرح عقلی تصورات بھی کبھی ملکوتی اور کبھی نفسانی تصورات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عقلی تصورات کوئی مستقل قسم نہیں، بلکہ یہ ایک طبعی صلاحیت ہے جس کے ذریعے علوم کا ادراک ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا:

- —— کبھی ملکوتی جذبات سے،
- —— کبھی روحانی جذبات سے، اور
- —— کبھی شیطانی جذبات سے، اور
- —— کبھی نفسانی جذبات سے

تعلق ہوتا ہے۔

خواطر کی بنیادی اقسام:

اس قاعدہ کی رُو سے تصورات (خواطر) کی چار ہی اقسام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دو اقسام بیان فرمائی ہیں، چنانچہ یہی دو قسمیں شیطانی اور ملکوتی تصورات ہی اصل بنیاد ہیں اور باقی دونوں اس کی شاخیں ہیں، —— ان کی صورت یہ ہے کہ:

- —— ملکوتی تصورات سے جب روح میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو اس وقت روح میں نیک ارادے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ بارگاہِ الٰہی کی طرف جنبش کرتے ہیں۔ اس وقت ان میں واردات حق نازل ہوتی ہے، —— اور جب مکمل طور پر قرب حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت فنا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس فنا کے مقام میں اس پر واردات ربانی کا نزول ہوتا ہے، —— چنانچہ خاطرِ حق کی اصل اور بنیاد ملکوتی تصور ہوتا ہے۔
- —— اسی طرح شیطانی تصورات سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اس شیطانی حرکت سے نفس اپنے اصلی اور طبعی مرکز میں پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت اس کی اس حرکت کی وجہ سے اس کی فطرت اور خواہش اور طبیعت کے مناسب تصورات کا ظہور ہوتا

ہے، —— اس طرح خواطر نفس بھی شیطانی اثر کا نتیجہ ہوئے۔

اس وضاحت سے یہ بات سامنے آئی کہ تصورات کی اصل بنیادی قسمیں تو دو ہیں: ملکوتی اور شیطانی تصورات، —— اور انہی سے دو اور قسمیں پیدا ہوئی ہیں، جنہیں نفسانی تصورات اور حقانی و روحانی تصورات کہا جاتا ہے، —— خاطر عقل (عقلی تصورات) اور خاطر یقین (یقینی تصورات) بھی انہی میں شامل ہیں۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۸:

حال و مقام کی تشریح اور ان کا فرق

حال و مقام کے الفاظ میں اشتباہ:

حال و مقام ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ اس لئے ان میں اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس بارے میں مشائخ کے اشارات بھی مختلف ہیں۔ شک و شبہ پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں کا معانی و مفہوم قریب قریب ایک سا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس قدر ملے جلے ہیں کہ ایک ہی چیز کو بعض لوگ حال سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو مقام نظر آتی ہے۔

حال و مقام میں فرق:

اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حال و مقام میں فرق کرنے کا کوئی قاعدہ یا اصول طے کر لیا جائے۔ حالانکہ لفظی اور معنوی طور پر دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اور اگر ان کی لفظی ساخت پر غور کیا جائے تو یہ فرق واضح ہو سکتا ہے:

- ○ ــــ حال کو حال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے، ــــ اور
- ○ ــــ مقام کو مقام اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ پر قائم اور برقرار رہتا ہے۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز جو بذاتِ خود حال ہوتی ہے، وہ رفتہ رفتہ مقام بن جاتی ہے۔ مثلاً کسی بندۂ حق کے باطن میں محاسبہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ــــ پھر یہ جذبہ نفسانی صفات کے غالب آنے سے دور ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ جذبہ کبھی پیدا ہوتا ہے اور کبھی زائل ہو جاتا ہے، ــــ اس طرح یہ بندہ محاسبہ کے حال میں رہتا ہے، یہ روحانی حال نفسانی صفات کے غلبہ سے بدلتا رہتا ہے ــــ حتیٰ کہ جب اللہ کی توفیق اس کے شامل حال ہوتی ہے تو اس وقت محاسبہ کا حال ساری نفسانی صفات پر غالب آ جاتا ہے، ــــ اور نفس مغلوب ہو کر اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس وقت محاسبے کا جذبہ اس کا مستقل وطن اور مقام اور ٹھہرنے کی جگہ بن جاتا ہے ــــ اس سے پہلے جب حال رہا تھا، وہ محاسبے کے حال میں تھا۔

محاسبہ و مراقبہ:

مقام محاسبہ پر پہنچنے کے بعد اس پر مراقبہ کا حال طاری ہو جاتا ہے، ــــ اس موقع پر محاسبہ اس کا مقام ہے، اور مراقبہ اس کا حال ہے۔ سہو و غفلت کے باعث مراقبہ کا حال بدلتا رہتا ہے۔ اور جب کبھی سہو و غفلت کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ پھر اللہ کی مدد سے مراقبہ کا حال، مقام میں بدل جاتا ہے ــــ اس بات کو اس طرح سے سمجھا جاتا ہے کہ محاسبہ کے مقام پر اسے مراقبہ کے حال کی بدولت اسے قرار نصیب ہوا، ــــ اور مراقبہ کے مقام پر اس وقت قرار نصیب ہو سکتا ہے جبکہ مشاہدے کا حال طاری ہو جائے۔

www.waseemziyai.com

چنانچہ جب مشاہدہ کے حال میں آجائے تو مراقبہ اس کا مقام بن جاتا ہے۔

اب مشاہدے کا حال بھی تبدیل ہونے لگتا ہے تو کبھی پوشیدگی کی کیفیت طاری ہوتی ہے، — اور کبھی تجلی کا ظہور ہوتا ہے۔ بالآخر وہ اس کا مقام بن جاتا ہے، اور اس کا آفتاب پوشیدگی کے گہن سے نکل آتا ہے۔

مشاہدے کا مقام:

مقام مشاہدہ میں مختلف احوال پائے جاتے ہیں۔ یعنی بندہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مشاہدے کے سب مراحل سے گزر کر عالم فنا میں پہنچ جائے، — پھر وہاں سے رہائی پا کر عالم بقا کی طرف لوٹ آئے، اور عین الیقین سے ترقی کرتا ہوا حق الیقین تک پہنچ جائے۔

حق الیقین بھی ایک جذبہ ہے، جو نازل ہو کر پردۂ قلب کو چاک کر دیتا ہے، اور یہ مشاہدہ کی سب سے اعلیٰ نوعیت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان چاہتا ہوں جو میرے قلب میں پیوست ہو جائے۔"

قلب کے دو حصے:

شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب کے دو حصے ہوتے ہیں:

- — ان میں سے ایک باطن ہے جس میں قوتِ سماعت و بینائی ہے، — یہی قلب کا مرکز اور نقطہ دل ہے۔
- — دوسرا حصہ یا خول قلب کا ظاہری حصہ ہے جس میں عقل ہوتی ہے، قلب میں عقل کی مثال اس طرح سے ہے جیسے آنکھ میں بینائی۔ وہ اس مقام پر ایک طرح کا نور ہے، اس نور کی طرح جو آنکھ کی پتلی میں ہے۔ جس طرح آنکھ سے شعاعیں نکل کر دیکھنے والی چیزوں کو گھیر لیتی ہیں، — اسی عقل کی نظر سے نکلنے والی علوم کی شعاعیں معلومات کو سمیٹ لیتی ہیں۔

حق الیقین:

حق الیقین وہ حالت ہے جو پردۂ قلب کو چاک کر کے اس کے مرکزی سیاہ نقطے تک پہنچ جاتی ہے، — یہ سب سے عظیم عطیہ ہے اور سب سے عمدہ واشرف حال ہے، — مشاہدہ کے ساتھ اس حال کا وہی تعلق ہے جو پختہ اینٹ کا خاک سے ہوتا ہے، — خاک پہلے پانی ملانے سے گیلی مٹی بنتی ہے، پھر اس سے کچی اینٹ اور آخرکار پختہ اینٹ بنتی ہے۔ اس طرح مشاہدہ ہی اصل بنیاد ہے کہ مٹی پہلے فنا ہو کر گیلی مٹی (طین) بنی، پھر کچی اینٹ کی طرح بقا کا وجود ہوتا ہے۔ اس کے بعد حق الیقین کی یہ حالت پیدا ہوتی ہے جو اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔

مقامات واحوال خداداد عطیہ ہیں:

چونکہ حق الیقین تمام احوال کی اصل اور بنیاد ہے، اور سب سے اشرف حال ہے۔ یہ محض عطیۂ خداوندی ہے جو کوشش واکتساب سے ہاتھ نہیں آتا، — اس لئے بندۂ حق کی یہ سب خداداد کیفیات احوال کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ اس لئے اس میں بندۂ حق کی

www.waseemziyai.com

کوششوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اس لئے یہ کیفیت حال کے نام سے جانی جانے لگی۔ بلکہ مشائخ کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے:

''مقامات کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال صرف اللہ کی دین ہیں، اور انہی کے ذریعے برکتیں نازل ہوتی ہیں۔''

حق بات بھی یہی ہے کہ احوال عطیاتِ خداوندی ہیں اور اسی ترتیب سے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ سب کسب کردہ کیفیات ان خداداد کیفیات سے کمتر ہیں۔ یہ خداداد کیفیات کسبی کیفیات کا احاطہ کرتی ہیں، — چنانچہ احوال، وجدانی کیفیات ہیں، اور مقامات تک رسائی کے راستوں میں فرق صرف یہ ہے کہ:

○ — مقامات میں عمل اور کوشش کا ظاہری دخل ہے، اور باطن میں وہ مواہب ہیں،

○ — احوال میں صورت یہ ہے کہ باطنی حالت کسبی ہے، اور ظاہر حالت مواہب ہے۔ احوال مواہب علویہ وساویہ ہیں جبکہ مقامات ان مواہب علویہ ساویہ کے راستے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''تم مجھ سے آسمانوں کے راستے دریافت کرو، — کیونکہ میں ان سے ایسا ہی واقف ہوں جیسے زمین کے راستوں سے۔''

اس ارشاد میں راستوں سے آپ کی مراد ''مقامات اور احوال'' ہیں، — چنانچہ آسمانوں کے راستے زُہد وتوبہ کے مقامات ہیں۔ ان راستوں پر چلنے والوں کا قلب آسمانی (ساوی) ہو جاتا ہے، — اور یہ ایسے طریقے ہیں جن میں کچھ احوال ہیں، — اور کچھ برکتیں نازل ہونے کی منزلیں ہیں۔ یہ احوال قلب ساویہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ حال ذکر خفی کا نام ہے، — یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جس کا گزشتہ سطور میں بیان ہوا۔ عراق کے بعض مشائخ سے یہ سنا ہے:

''حال وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، — اور جو کام کوشش اور عمل کے ذریعے ظاہر ہو تو کہتے ہیں، ''یہ بندے کی طرف سے ہے'' — اور اگر کسی مرید پر کوئی خداداد بات یا کوئی وجدانی کیفیت طاری ہو تو کہتے ہیں، ''یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

اسے وہ حال کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حال ایک خداداد عطیہ ہے۔

احوال کے حوالے سے یہ تعریفات بھی منقول ہیں:

○ — خراسان کے بعض مشائخ کا یہ کہنا ہے کہ احوال، اعمال کی میراث ہیں۔

○ — بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ احوال برق کی مانند ہیں، — اگر وہ برقرار رہیں تو سمجھ لو وہ نفسانی کلام ہیں۔

لیکن قاعدے اور اصول کے تحت یہ کہنا درست نہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ احوال، نفس کے ساتھ نہیں مل سکتے، جس طرح تیل پانی کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

○ — بعض بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ احوال ہمیشہ برقرار رہتے ہیں، — اگر وہ ہمیشہ برقرار نہ ہوں تو انہیں لوائح، طوائح اور بوادر کہا جاتا ہے، — یہ کیفیات بذاتِ خود احوال نہیں بلکہ یہ ان کا پیش خیمہ اور مقدمات ہیں۔

www.waseemziyai.com

ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی:

مشائخ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ:

"کیا بندے کیلئے یہ مناسب اور جائز ہے کہ وہ اپنے موجودہ مقام کے مستحکم ہونے سے پہلے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جائے۔"

کچھ اسے جائز سمجھتے ہیں، ـــ اور کچھ اچھا نہیں جانتے۔

○ ـــ ایک بزرگ نے فرمایا:

"اپنے مقام کے مستحکم ہونے سے پہلے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا مناسب نہیں۔"

○ ـــ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

"کوئی شخص اپنے موجودہ مقام کو اس وقت تک مکمل نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے اس مقام سے اوپر کے مقام پر نہ پہنچ جائے، ـــ کیونکہ جب وہ اوپر کے مقام پر پہنچ کر نیچے کے مقام پر نظر کرے گا، ـــ اس وقت ہی اس کا پہلا مقام مستحکم ہو سکتا ہے۔"

اس مسئلے کے اختلاف کا حل مناسب طور پر اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو اس کے مقام میں ایک حال عطا ہوتا ہے، ـــ جو اس کے مقام سے اعلیٰ اور بلند ہے ـــ اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت کی بدولت اس کے موجودہ مقام کا معاملہ صحیح ہو گیا ہے۔ اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں نہ ہی کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ اب خواہ بندہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی کرے یا نہ کرے، ـــ وجہ اس کی یہ ہے کہ بندۂ حق ان احوال کی بدولت ہی مقامات کی طرف ترقی کرتا ہے جو عطیہ خداوندی ہیں، ـــ یہ وہ مقامات ہیں جہاں تدبیر و تقدیر ملے جلے ہیں، ـــ اسے اعلیٰ مقام سے کوئی حال اس دم دکھائی دیتا ہے جب اس کی ترقی کا وقت قریب آ جائے۔ اس وقت ان بلند مقامات کی طرف اپنے زائد احوال کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ طے ہو گیا کہ مقامات اور احوال ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ یہاں تک تو بہ تک یہ صورت ہے، ـــ اور کوئی فضیلت ایسی نہیں جس میں حال اور مقام موجود نہ ہو:

○ ـــ زُہد میں بھی حال و مقام موجود ہے،

○ ـــ توکل میں بھی حال و مقام ہے،

○ ـــ رضا میں بھی حال و مقام ہے،

شیخ ابو عثمان الحیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"چالیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جس حال میں بھی رکھے، مجھے وہ ناپسند نہیں ہوتا۔"

اس قول میں رضا کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے وہ حال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے، ـــ پھر اس نے مقام کی صورت اختیار کر لی،

www.waseemziyai.com

—اسی طرح محبت میں بھی حال اور مقام پائے جاتے ہیں۔

توبہ وزجر (ملامت):

توبہ کی بھی یہ صورت ہے کہ بندہ توبہ کرتا ہے، اور توبہ کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ بالآخر وہ توبہ کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں توبہ کا راستہ آزردہ اور پشیمان ہونے سے ملتا ہے۔

○ — ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زجر قلب کی ایک ایسی ہیجانی کیفیت ہے جسے اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک کہ اسے غفلت سے خبردار نہ کیا جائے، — اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد وہ صحیح اور غلط بات میں امتیاز کر لیتا ہے۔

○ — ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

"زجر قلب کی وہ روشنی ہے جس کے ذریعے بندے کو اپنے ارادے کی غلطی کی پہچان ہوتی ہے۔"

زجر و ملامت کی تین صورتیں ہیں،

○ — ایک صورت زجر علم کے ذریعے سے،

○ — دوسری صورت زجر عقل کے ذریعے سے،

○ — تیسری صورت زجر ایمان کے ذریعے رونما ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو، زجر کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، — بعض اوقات نفسانی خواہشوں کا غلبہ توبہ کے حال کے آثار مٹا دیتا ہے۔ زجر کو جب مقام کی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو نفسانی خواہشیں توبہ کے حال کو مٹانے پر قادر نہیں رہتیں۔

مقام زہد:

اسی طرح زُہد کا حال ہے۔ یہ جذبہ جب کسی پر حاوی ہوتا ہے تو دنیا کے مشاغل ترک کرنے میں اسے لطف محسوس ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی چیز کو قبول کرنا اسے برا لگتا ہے، — لیکن بسا اوقات طمع اور لالچ کی خوشنمائی جب اسے دنیا کی طرف کھینچتی ہے تو اس کی یہ حالت زائل ہونے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اس کیفیت کا تدارک کرتی ہے، — پھر زُہد کے مقام پر اسے استقرار میسر آجاتا ہے، اور زُہد اکا مستقل مقام یا عادت ثانیہ بن جاتا ہے۔

رضا و توکّل:

یہی معاملہ توکّل کا ہے۔ توکّل بندۂ حق کے قلب کا دروازہ کھٹکھٹا تا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مستقل طور پر توکّل کو اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی توکّل اس کا مقام بن جاتا ہے۔

اسی طرح سے رضا کا حال ہے۔ بندۂ حق کو جب رضائے الٰہی پر اطمینان ہو جاتا ہے تو رضا بھی اس کا مقام بن جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

ایک لطیفہ نکتہ:

اس موقع پر ایک لطیف نکتہ قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ رضا و توکل طبعی اور نفسانی خواہش کے باوجود اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں۔ لیکن رضا کا حال طبعی خواہش کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ طبعی خواہش رضا کے حال کو مٹا ڈالتی ہے۔ یہ اس کراہیت کی مانند ہوتا ہے جسے راضی برضا طبیعت کے حکم سے پاتا ہے۔ مگر مقام رضا میں پہنچ کر طبعی تقاضوں کا علم پوشیدہ رہتا ہے۔ تاہم علم کے ذریعہ پوشیدہ طبعی تقاضوں کا ظہور اسے "مقام رضا" سے خارج نہیں کرتا، لیکن "حال رضا" سے ضرور خارج کر دیتا ہے۔ —— اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حال فطرت کا خاص عطیہ بن جائے تو وہ طبعی خواہشوں کو جلا دیتا ہے۔

اس توضیح پر یہ اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ ایسا شخص رضا میں صاحبِ مقام بن سکتا ہے مگر صاحبِ حال کیوں نہیں بن سکتا۔ حالانکہ حال تو مقام کا پیش خیمہ ہے۔ (کیونکہ حال تو مقام سے پہلے کا مرحلہ ہے) اور مقام زیادہ پائیدار اور ثابت قدم ہوتا ہے، —— اس اعتراض کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام میں بندے کی سعی و تدبیر کا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں طبعی خواہش پیدا ہو جانے کا احتمال رہتا ہے۔ حال چونکہ قدرت کا عطیہ ہے اس لئے وہ طبعی آمیزش سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر رضا کا حال اشرف ہے، اور رضا کا مقام مستحکم و پائیدار ہے۔

لامحدود فیض الٰہی:

مقامات کے حصول کے لئے پہلے سے زائد احوال کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ پہلے سے روحانی حال حاصل ہوئے بغیر روحانی مقام حاصل نہیں ہو سکتا، —— احوال کی بھی دو صورتیں ہیں:

- —— بعض احوال، مقام بن جاتے ہیں،
- —— بعض احوال، مقام نہیں بن سکتے۔

اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں کہ مقام میں سعی و عمل کا اثر نمایاں ہوتا ہے اور فیض الٰہی اس میں پوشیدہ رہتا ہے۔ جبکہ حال میں معاملہ اس سے بالکل برعکس ہے۔ یعنی سعی و عمل اس کے باطن میں ہوتا ہے اور فیض الٰہی اس کا ظاہری طور پر ہوتا ہے، —— احوال میں فیضِ الٰہی چونکہ غالب ہے۔ اس لئے وہ کسی چیز میں مقیّد نہیں بلکہ اس کی حد و انتہا نہیں۔ اس طرح احوال لامحدود بن جاتے ہیں۔ ان اعلیٰ روحانی احوال کی لطافت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مقام بن جائے لیکن اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ اس کا فیض و عطایات بھی بے انتہا ہیں۔ اسی لئے کسی بزرگ نے یہ فرمایا:

> "اگر مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت، —— حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کلیمی، —— اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شانِ خلیلی عطا ہو جائے، تب بھی میں اس کے سوا کچھ اور طلب کروں گا کہ فیض الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔"

یہ احوال جو بیان کئے گئے، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال ہیں جو اولیاء عظام کو عطا نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ:

www.waseemziyai.com

بندۂ حق ہمیشہ مزید روحانیت اور فیض کا طالب رہتا ہے، اور وہ اپنی موجودہ حالت پر اکتفاء اور قناعت نہیں کرتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس معاملے میں قناعت نہ کرنے اور مزید فیوض و برکات حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے، — آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کسی دن اگر میرے علم میں اضافہ نہ ہو تو اس دن کی صبح میرے لئے مبارک نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ اس بارے میں یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ مَا قَصر عَنہُ رائی و ضعف فیہ عَمَلِیْ وَلَمْ تبلغہ نیتی و امنیتی مِنْ خَیْرٍ وَعَدْتَّہٗ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِکَ اَوْ خَیْرَ اَنْتَ مُعْطِیْہِ اَحَدًا مَنْ خَلْقَکَ فَاَنَا اَرْغَبُ اِلَیْکَ وَاَسْئَلُکَ اِیَّاہُ ○

"اے اللہ! جس کام میں میری رائے کوتاہی کرے، — میرا عمل کمزور رہے، — اور میری نیت اور تمنا اس تک نہ پہنچ سکے۔ تاہم اگر تو نے یہ بھلائی دینے کا وعدہ کیا ہے، اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو تو دینے والا ہو تو میں بھی اس کی طرف رغبت رکھتا ہوں، اور اس کا تجھ سے طلب گار ہوں۔"

فیوضات و برکاتِ الٰہی لامحدود و لامتناہی ہیں، — روحانی احوال بھی فیوض ہیں، ان کا ان کلماتِ الٰہی سے تعلق ہے جو ختم نہیں ہو سکتے، چاہے سمندر کے قطرے ختم ہو جائیں اور ریت کے ذرّوں کا شمار ختم ہو جائے لیکن ان کلمات کا شمار ختم نہیں ہو سکتا، — اللہ ہی نعمت دینے والا اور عطا کرنے والا ہے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۵۹:

روحانی مقامات کے بنیادی اصول

استغفار فلاح کی سبیل ہے:

ہمارے شیخ الاسلام ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں زبان دراز ہوں۔ اور اکثر اپنے اہل وعیال سے زبان درازی کرتا رہتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم استغفار کیوں نہیں پڑھتے۔ میں تو رات دن میں سو بار استغفار پڑھتا ہوں۔"

یہی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس اضافہ کے ساتھ مروی ہے:

"میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو بار توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے قلب پر گھٹا چھائی رہتی ہے۔ اس لئے میں روزانہ سو بار استغفار پڑھتا ہوں۔"

توبہ کی اہمیت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ ـــ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (پ۱۸، سورۂ نور)

"اے مومنو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو شاید کہ تم فلاح پاسکو۔"

○ ـــ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۝

"اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

○ ـــ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۝

"اے ایمان والو! اللہ کے ساتھ توبہ کرو، سچی اور پختہ توبہ!"

توبہ ہر روحانی مقام کی اصل اور بنیاد، اور ہر مقام کا نظم وربط اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے، ـــ اس کے ذریعے مقامات کا

www.waseemziyai.com

آغاز ہوتا ہے، — توبہ کی مثال ''مقام'' کے لئے ایسی ہے جیسے کسی عمارت کے لئے بنیاد کی۔ یعنی توبہ مقام کی بنیاد ہے، — لہٰذا جب کسی کے پاس زمین ہی نہیں وہ عمارت کیسے تعمیر کرسکتا ہے۔

اپنے مبلغ علم اور اپنی سعی وکوشش سے جہاں تک احوال ومقامات اور اس کے ثمرات پر میں نے غور وفکر کیا ہے۔ اس کا یہی نتیجہ سامنے آیا ہے کہ ایمان اور اس کے فرائض وشرائط کی صحت ودرستی کے ساتھ عمل کرنے کے بعد تین چیزیں لازم ہیں اور اگر ان میں ایمان کو بھی شامل کرلیا جائے تو چار چیزیں ہوجاتی ہیں۔ یہ چار چیزیں معنوی اور حقیقی دلالت میں اسی طرح کارفرما ہیں جس طرح قانون قدرت کے مطابق چار طبعی عناصر، طبعی ولادت کے لئے لازم ہیں۔

چار اصول:

جسے ان چار چیزوں کے حقائق سے آگاہی حاصل ہوگئی، وہ آسمانوں کے عالم ملکوت میں داخل ہوسکتا ہے۔ اسے قضا وقدر اور اللہ کی نشانیوں کا کشف ہوسکتا ہے، — اور وہی سب کلماتِ الٰہی کا فہم وذوق حاصل کرکے سارے روحانی احوال ومقامات سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔

سارا کرشمہ چار اصولوں کا ہے۔ ان چاروں میں ایمان کے بعد دوسرا اصول، سچی اور پختہ توبہ ہے، — تیسرا اصول زُہد ہے، — اس کے بعد مقام بندگی ہے۔

مقام بندگی کی تحقیق اس طرح سے ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پرستی اور کوتاہی کے بغیر، دل وجان اور جسمانی صحت کے ساتھ ہمیشہ اچھے اعمال کئے جائیں، — ان چار اصولوں کی تکمیل کے بعد مندرجہ ذیل چار چیزوں سے مدد لی جائے:

- — قلیل کلام (کم بولنا)، — قلیل طعام (کم کھانا)
- — قلیل منام (کم سونا) — قلیل ملاقات (لوگوں سے الگ تھلگ رہنا)

سبھی مشائخ اور زاہدین اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار اصولوں سے روحانی مقامات برقرار رہتے ہیں اور روحانی احوال کی اصلاح ہوتی ہے۔ انہی اصولوں کے ذریعے اللہ کی تائید سے اور حسنِ توفیق سے ابدال حقیقی معنوں میں ابدال بن جاتے ہیں، — اگر یہ چاروں اصول صحیح طریقے سے حاصل کرلئے جائیں تو سمجھ لو کہ روحانی مقامات حاصل ہوگئے۔

ایمان کے بعد سب سے پہلا اصول توبہ ہے مگر سچی توبہ کے ابتدائی مراحل میں چند روحانی احوال درکار ہیں۔ اگر وہ درست رہیں تو وہ احوال ومقامات میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ توبہ سے پہلے ملامت کرنے والے ضمیر کی ضرورت ہے۔ اور ایسا جذبہ اور وجدان چاہئے جو حال پر ملامت کرنے والا ہو۔ یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی عطا اور عنایت ہے، — زجر وملامت کی حالت اصل میں توبہ کی کنجی اور اس حال کی ابتداء ہے۔

زجر وملامت کا فقدان:

کسی نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ غمگین دکھائی دیتے ہیں، — آپ نے فرمایا:

www.waseemziyai.com

''اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھٹکا ہوا ہوں اور مطلوب ہوں۔ راہ سے بھٹک گیا ہوں، اور اس کی تلاش میں ہوں، ——— اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ منزلِ مقصود کس راہ پر چل کر مل سکتی ہے تو میں وہ راہ تلاش کرتا۔ مگر مجھ پر ایسی غفلت کی نیند طاری ہے کہ اس سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی، ——— ہاں اگر مجھے اس عقل پر زجر و ملامت کی جاتی تو مجھ پر اس کا اثر ہوتا۔''

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ میں نے بصرہ میں ایک بدو کو دیکھا جس کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور ان میں سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: ''تم اپنی آنکھیں کیوں نہیں صاف کر لیتے!'' ——— اس نے جواب دیا:

''طبیب نے مجھے منع کر رکھا ہے، ——— اور جو منع کرنے سے باز نہ آئے اس کا بھلا نہیں ہو سکتا۔''

حالِ انتباہ:

باطن ایک روحانی حال ہے جس کا کام زجر کرنا (برائی سے روکنا) ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ توبہ کرنے کے لئے زجر کا وجود لازم ہے۔ زجر کے ذریعے انزجار (یعنی باز آ جانے) کے بعد طالبِ حق پر انتباہ (خبردار و بیدار ہونا) کا حال طاری ہو جاتا ہے ——— اس کی ترتیب یوں ہوئی:

پہلے زجر ہے، ——— پھر انزجار ہے، ——— اور اس کے بعد انتباہ!

ایک بزرگ فرماتے ہیں جس نے مختلف کیفیات کا مطالعہ جاری رکھا، وہ بیدار ہے۔

شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ انتباہ کی پانچ علامتیں ہیں:

- ——— جب اپنے نفس کو یاد کرے تو اسے حقیر جانے،
- ——— جب اپنے گناہ کو یاد کرے تو استغفار پڑھے،
- ——— جب دنیا کو یاد کرے تو عبرت حاصل کرے،
- ——— جب آخرت کو یاد کرے تو خوش رہے،
- ——— جب رب کو یاد کرے تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو جائے۔

ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ انتباہ نیکی کے لئے رہنمائی کی ابتداء ہے۔ کوئی بندۂ حق جب غفلت کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو انتباہ اسے بیداری کی راہ تک پہنچا دیتا ہے، اور یہ بیداری اسے راہِ ہدایت کی تلاش پر ڈال دیتی ہے۔ جب وہ اس کی تلاش میں نکلتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ حق کی راہ پر ہے۔ تب وہ حق کی تلاش میں لگ جاتا ہے، اور توبہ کے دروازے کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس وقت اس انتباہ کے حال کے باعث اسے بیداری کا حال نصیب ہو جاتا ہے۔

حالِ بیداری:

شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب احوال میں سے کامل حال، حالِ بیداری اور حصولِ عبرت (اعتبار) ہے، ——— راہِ نجات

www.waseemziyai.com

کے مشاہدہ کے بعد راہ سلوک کے ظاہر ہونے کا نام بیداری ہے، — یہ بھی مذکور ہے کہ جب حال بیداری صحیح ہو جائے تو صاحب حال توبہ کی راہ میں ابتدائی مرحلے پر ہوتا ہے، — یہ بھی کہا گیا کہ پرہیز گاروں کے دلوں کے لئے بیداری اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے، جو انہیں توبہ کی راہ دکھاتی ہے، — بیداری کے حال کی جب تکمیل ہو جائے تو اسے مقامِ توبہ کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے، — بہرحال یہ تین حالتیں ہیں جو توبہ سے پہلے رونما ہوتی ہیں۔

محاسبۂ نفس:

توبہ کے برقرار رہنے کے لئے اور توبہ کی استقامت کے لئے نفس کے محاسبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو!

○ — اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اپنے نفس کا تم خود محاسبہ کرو،

○ — اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے، اپنے اعمال خود تول لیا کرو،

○ — تم اللہ کے حضور سب سے بڑی پیشی کے لئے خود کو تیار کرلو، — جب تم اس دن پیش ہو گے تو کوئی پوشیدہ بات تم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔"

نماز کے ذریعے محاسبہ:

محاسبہ کی تکمیل کے لئے حفظِ انفاس، ضبطِ حواس، پابندیٔ وقت اور اہم کاموں کی ترجیح لازم ہے، — بندۂ حق یہ بات ملحوظ خاطر رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ اس کا بندہ غفلت کا شکار رہتا ہے۔ اس لئے اسے نفسانی خواہشوں اور دنیا کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے مختلف اوقات میں یہ نمازیں فرض کی ہیں۔

یہ پانچ وقت کی نمازیں ایک ایسا سلسلہ ہے جو بندۂ حق کو حقِ ربوبیّت ادا کرنے کے لئے عبودیّت کے مقامات کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس طرح ہر شخص ایک نماز سے دوسری نماز تک محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ اس محاسبہ میں مشغول رہنے کے باعث شیطان کی راہیں بند کر دیتا ہے۔

توبہ واستغفار کے ذریعے وہ جب تک اپنے دل کی گرہیں نہ کھول لے، نماز شروع نہیں کرتا، — خلاف شرع ہر بول اور ہر حرکت اس کے دل پر ایک سیاہ داغ ڈال دیتی ہے، اور اس کے دل پر ایک گرہ لگا دیتی ہے۔ لیکن محاسبہ کرنے والا نماز کے لئے اپنے اعضاء و جوارح کے ذریعے مقامِ محاسبہ کو مستحکم کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس نماز کا نور دوسری نماز تک اس کے سبھی اجزاء کو منور رکھتا ہے، — اس طرح اس کی نماز اس کے اوقات کے نور سے دمکتی رہتی ہے، اور اس کے اوقات اس کی نماز کے نور سے روشن اور منور رہتے ہیں۔

www.waseemziyai.com

محاسبے کا ایک انداز یہ بھی ہے:

اپنے محاسبہ کے لئے ایک بزرگ نے یہ اصول اور قاعدہ طے کیا تھا کہ وہ اپنی نمازوں کا حساب ایک کاغذ پر لکھتے جاتے تھے۔ اور دو نمازوں کے درمیان کچھ لکھنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دیتے تھے ـــــ ان دو نمازوں کے درمیان جب ان سے غیبت یا کسی اور غلطی کا ارتکاب ہو جاتا تو ایک خالی جگہ پر ایک خط کھینچ دیتے تھے، ـــــ اور جب کوئی لغوبات منہ سے نکل جاتی یا کوئی فضول حرکت واقع ہو جاتی تو کاغذ کی اس خالی جگہ پر ایک نقطہ ڈال دیتے تا کہ ان خطوط اور نقطوں سے اپنی فضول باتوں اور گناہوں کو شمار کر سکیں، اور اس محاسبہ کے ذریعے شیطان اور نفس امارہ کی راہیں تنگ کر سکیں، ـــــ اس طرح وہ بزرگ صدق دل کے ساتھ ضبط نفس کر کے حقیقی بندگی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے ـــــ مختصر یہ کہ محاسبہ اور ضبط نفس کے مقام کے لئے یہ کوشش صحیح اور سچی توبہ کے لئے لازم ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جس کی نگرانی بہتر طریقہ پر ہوتی ہے۔ اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔''

مراقبہ کی اہمیت:

حضرت شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کام افضل ہے؟ ـــــ آپ نے فرمایا:

''سرِّ باطن کی حفاظت، ـــــ ظاہر کا محاسبہ اور باطن کی نگہداشت اور مراقبہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور ان دونوں کی بدولت توبہ کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔''

مراقبہ اور نگہداشت (ظاہری و باطنی) دو پاکیزہ اور عمدہ حال ہیں، ـــــ اور توبہ کی درستی کے ساتھ ساتھ یہ دونوں حال اور مقام بھی درست رہتے ہیں۔ ان کے باعث توبہ کمال کو پہنچتی ہے، ـــــ لہٰذا محاسبہ، مراقبہ اور ظاہر و باطن کی نگہداشت مقام توبہ کے لئے لازم اور ضروری ہیں۔

○ ـــــ شیخ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے بحوالہ شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ذکر کیا ہے:

''ہمارا کام (سلوک و طریقت) ان دو فضیلتوں پر مشتمل ہے:

○ ـــــ اللہ کے لئے اپنے نفس کی نگہداشت و مراقبہ کرو،

○ ـــــ علم کے ذریعے اپنی ظاہری حالت کو اچھی صورت میں برقرار رکھو۔''

○ ـــــ شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے:

''ہر لحظہ اور ہر لفظ میں مشاہدۂ حق کے لئے باطن کی نگہداشت کا نام مراقبہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

''کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو نفس کے ہر عمل کی نگہداشت کرتا ہے۔''

www.waseemziyai.com

یہ علم قیام ہے، اسی کے ذریعے علم حال کی تکمیل اور اس کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، ــــ اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندۂ حق اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا معیار معلوم کرے، ــــ یہ سب باتیں صحیح توبہ کے لئے لازم ہیں اور صحیح توبہ ان کے لئے لازم ہے، ــــ کیونکہ تصور (خاطر) عزائم کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اور عزائم اعمال کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، ــــ تصورات ارادے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور قلب چونکہ تمام اعضاء وجوارح کا حاکم ہے، اس لئے قلب کا جب تک کوئی ارادہ نہ ہو کوئی عضو حرکت میں نہیں آتا، ــــ جبکہ مراقبہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے دل سے برے ارادوں کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ مراقبہ کے باوجود اگر کچھ کمی رہ جائے تو اس کا ازالہ محاسبہ کر دیتا ہے۔

صحتِ انابت (رجوع الی اللہ):

صحتِ انابت کے لئے اہلِ صفا کے مختلف اقوال منقول ہیں:

○ ــــ شیخ ابوعثمان المغربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''اس طریقے (طریقت وسلوک) کی لازمی چیزوں میں محاسبہ، مراقبہ اور علم کے ذریعے عمل کا نظم وضبط ہے، ــــ توبہ کی صحت و درستی کا انحصار صحت انابت یعنی اللہ کی طرف صحیح طور پر رجوع کرنا ہے۔''

○ ــــ شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندۂ حق جب سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے۔ کیونکہ انابت (رجوع الی اللہ) توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔''

○ ــــ شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے اللہ سے غافل کرنے والی ہے۔''

○ ــــ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

''ہر ایک شے کے سوا اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا انابت ہے، ــــ اور جو کوئی اس کے غیر کی طرف رجوع ہوا، اس نے انابت کا ایک حصہ ضائع کر دیا، ــــ اصل میں منیب (صاحبِ انابت) وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ ہو، ــــ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسی سے اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ سراپا انابت بن جاتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کے سامنے اس کا کوئی ذاتی وصف باقی نہیں رہتا۔ مجلس ومجمع میں بھی وہ اللہ کی یاد میں مستغرق رہتا ہے۔ نفس کی مخالفت کرتا اور اعمال کے عیوب کا مشاہدہ کر کے انہیں ترک کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے۔ یہ ساری کوشش نگہداشت اور مراقبہ کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔''

○ ــــ شیخ ابوسلیمان فرماتے ہیں:

○ ــــ میں نے جب تک محاسبہ نہیں کر لیا اپنے کسی کام کو اچھا نہیں سمجھا۔''

○ ــــ شیخ ابوعبداللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

www.waseemziyai.com

یہ علم قیام ہے، اسی کے ذریعے علم حال کی تکمیل اور اس کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، — اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندۂ حق اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا معیار معلوم کرے، — یہ سب باتیں صحیح توبہ کے لئے لازم ہیں اور صحیح توبہ ان کے لئے لازم ہے، — کیونکہ تصور (خاطر) عزائم کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اور عزائم اعمال کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، — تصورات ارادے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور قلب چونکہ تمام اعضاء و جوارح کا حاکم ہے، اس لئے قلب کا جب تک کوئی ارادہ نہ ہو کوئی عضو حرکت میں نہیں آتا، — جبکہ مراقبہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے دل سے برے ارادوں کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ مراقبہ کے باوجود اگر کچھ کمی رہ جائے تو اس کا ازالہ محاسبہ کر دیتا ہے۔

صحتِ انابت (رجوع الی اللہ):

صحتِ انابت کے لئے اہلِ صفا کے مختلف اقوال منقول ہیں:

○ — شیخ ابوعثمان المغربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"اس طریقے (طریقت و سلوک) کی لازمی چیزوں میں محاسبہ، مراقبہ اور علم کے ذریعے عمل کا نظم و ضبط ہے، — توبہ کی صحت و درستی کا انحصار صحت انابت یعنی اللہ کی طرف صحیح طور پر رجوع کرنا ہے۔"

○ — شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بندۂ حق جب سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے۔ کیونکہ انابت (رجوع الی اللہ) توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔"

○ — شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے اللہ سے غافل کرنے والی ہے۔"

○ — ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

"ہر ایک شے کے سوا اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا انابت ہے، — اور جو کوئی اس کے غیر کی طرف رجوع ہوا، اس نے انابت کا ایک حصہ ضائع کر دیا، — اصل میں منیب (صاحبِ انابت) وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ ہو، — اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسی سے اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ سراپا انابت بن جاتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کے سامنے اس کا کوئی ذاتی وصف باقی نہیں رہتا۔ مجلس و مجمع میں بھی وہ اللہ کی یاد میں مستغرق رہتا ہے۔ نفس کی مخالفت کرتا اور اعمال کے عیوب کا مشاہدہ کر کے انہیں ترک کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے۔ یہ ساری کوشش نگہداشت اور مراقبہ کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔"

○ — شیخ ابوسلیمان فرماتے ہیں:

○ — "میں نے جب تک محاسبہ نہیں کر لیا اپنے کسی کام کو اچھا نہیں سمجھا۔"

○ — شیخ ابوعبداللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

www.waseemziyai.com

''جو شخص مرید ہونے کے بعد اپنے احوال میں سے اپنی کسی روحانی حالت کو اچھا سمجھ لے تو اس کی ارادت میں فرق آ جاتا ہے۔ اب اس کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ روحانی مراحل و منازل از سر نو طے کرے، —— اور جس نے اپنے نفس کو سچائی کی ترازو (میزانِ صدق) میں نہیں تولا اور اپنے اعمال کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ نہیں ہوا وہ مردانِ حق کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا''۔

مجاہدۂ نفس:

صحت انابت کے لئے اپنے اعمال و افعال کے عیبوں اور خامیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ اسی کی بدولت مقام توبہ کا درست ہونا ممکن ہے۔ اور توبہ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک سچے دل سے مجاہدہ اور ریاضت نہ کی جائے، —— سچے دل سے مجاہدہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے''۔

یہ مجاہدہ نفس اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جبکہ صبر کا مظاہرہ کیا جائے، —— اور بہترین صبر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے۔ یعنی اسے ہمہ وقت اسی کی لگن ہو اور سچے دل سے مراقبہ کر کے دل سے برے تصورات نکال دے۔

صبر کی اقسام:

صبر کی دو اقسام ہیں:

○ —— فرضِ صبر، ○ —— فضیلت صبر،

فرض صبر یہ ہے کہ فرائض کی تکمیل اور حرام چیزوں سے بچنے کے لئے صبر کیا جائے، —— فضیلت صبر میں یہ چیزیں شامل ہیں:

○ —— مفلسی پر صبر کرنا، ○ —— پہلے صدمے پر صبر کرنا،

○ —— اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو چھپانا اور شکوہ نہ کرنا،

○ —— فقر و درویشی کو چھپانے پر صبر کرنا،

○ —— اپنے کمالات و کرامات اور فیوضات کو چھپانا اور اس کوشش پر صبر کرنا، اور آیاتِ عبر کا مشاہدہ کرنا۔

صبر کی مندرجہ بالا اقسام کے علاوہ صبر کی اور بھی قسمیں ہیں۔

صبر اور توبہ:

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صبر کی ان قسموں پر عمل کرتے ہیں، لیکن صحیح مراقبہ، نگہداشت اور برے تصورات پر صبر کرنے میں تنگی محسوس کرتے ہیں، —— حقیقی صبر بھی توبہ کے ذریعے اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح مراقبہ سے توبہ، —— صبر اہلِ ایمان کا معزز ترین مقام ہے جو توبہ کے حقیقی مفہوم میں داخل ہے، ——

www.waseemziyai.com

یہ علم قیام ہے، اسی کے ذریعے علم حال کی تکمیل اور اس کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، ـــــ اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندۂ حق اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا معیار معلوم کرے، ـــــ یہ سب باتیں صحیح توبہ کے لئے لازم ہیں اور صحیح توبہ ان کے لئے لازم ہے، ـــــ کیونکہ تصور (خاطر) عزائم کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اور عزائم اعمال کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، ـــــ تصورات ارادے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور قلب چونکہ تمام اعضاء و جوارح کا حاکم ہے، اس لئے قلب کا جب تک کوئی ارادہ نہ ہو کوئی عضو حرکت میں نہیں آتا، ـــــ جبکہ مراقبہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے دل سے برے ارادوں کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ مراقبہ کے باوجود اگر کچھ کمی رہ جائے تو اس کا ازالہ محاسبہ کر دیتا ہے۔

صحتِ انابت (رجوع الی اللہ):

صحتِ انابت کے لئے اہلِ صفا کے مختلف اقوال منقول ہیں:

○ ـــــ شیخ ابوعثمان المغربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''اس طریق (طریقت و سلوک) کی لازمی چیزوں میں محاسبہ، مراقبہ اور علم کے ذریعے عمل کا نظم و ضبط ہے، ـــــ توبہ کی صحت و درستی کا انحصار صحت انابت یعنی اللہ کی طرف صحیح طور پر رجوع کرنا ہے۔''

○ ـــــ شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندۂ حق جب سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے۔ کیونکہ انابت (رجوع الی اللہ) توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔''

○ ـــــ شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے اللہ سے غافل کرنے والی ہے۔''

○ ـــــ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے:

''ہر ایک شے کے سوا اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا انابت ہے، ـــــ اور جو کوئی اس کے غیر کی طرف رجوع ہوا، اس نے انابت کا ایک حصہ ضائع کر دیا، ـــــ اصل میں منیب (صاحبِ انابت) وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ ہو، ـــــ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسی سے اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ سراپا انابت بن جاتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کے سامنے اس کا کوئی ذاتی وصف باقی نہیں رہتا۔ مجلس و مجمع میں بھی وہ اللہ کی یاد میں مستغرق رہتا ہے۔ نفس کی مخالفت کرتا اور اعمال کے عیوب کا مشاہدہ کر کے انہیں ترک کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے۔ یہ ساری کوشش نگہداشت اور مراقبہ کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔''

○ ـــــ شیخ ابوسلیمان فرماتے ہیں:

○ ـــــ میں نے جب تک محاسبہ نہیں کر لیا اپنے کسی کام کو اچھا نہیں سمجھا۔''

○ ـــــ شیخ ابوعبداللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

www.waseemziyai.com

"جو شخص مرید ہونے کے بعد اپنے احوال میں سے اپنی کسی روحانی حالت کو اچھا سمجھ لے تو اس کی ارادت میں فرق آ جاتا ہے۔ اب اس کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ روحانی مراحل و منازل از سر نو طے کرے، ـــــ اور جس نے اپنے نفس کو سچائی کی ترازو (میزانِ صدق) میں نہیں تولا اور اپنے اعمال کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ نہیں ہوا وہ مردانِ حق کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا"۔

مجاہدۂ نفس:

صحت انابت کے لئے اپنے اعمال و افعال کے عیبوں اور خامیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ اسی کی بدولت مقام توبہ کا درست ہونا ممکن ہے۔ اور توبہ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک سچے دل سے مجاہدہ اور ریاضت نہ کی جائے، ـــــ سچے دل سے مجاہدہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

یہ مجاہدہ نفس اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جبکہ صبر کا مظاہرہ کیا جائے، ـــــ اور بہترین صبر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے۔ یعنی اسے ہمہ وقت اسی کی لگن ہو اور سچے دل سے مراقبہ کر کے دل سے برے تصورات نکال دے۔

صبر کی اقسام:

صبر کی دو اقسام ہیں:

○ ـــــ فرض صبر، ○ ـــــ فضیلت صبر،

فرض صبر یہ ہے کہ فرائض کی تکمیل اور حرام چیزوں سے بچنے کے لئے صبر کیا جائے، ـــــ فضیلت صبر میں یہ چیزیں شامل ہیں:

○ ـــــ مفلسی پر صبر کرنا، ○ ـــــ پہلے صدمے پر صبر کرنا،

○ ـــــ اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو چھپانا اور شکوہ نہ کرنا،

○ ـــــ فقر و درویشی کو چھپانے پر صبر کرنا،

○ ـــــ اپنے کمالات و کرامات اور فیوضات کو چھپانا اور اس کوشش پر صبر کرنا، اور آیاتِ عبر کا مشاہدہ کرنا۔

صبر کی مندرجہ بالا اقسام کے علاوہ صبر کی اور بھی قسمیں ہیں۔

صبر اور توبہ:

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صبر کی ان قسموں پر عمل کرتے ہیں، لیکن صحیح مراقبہ، نگہداشت اور برے تصورات پر صبر کرنے میں تنگی محسوس کرتے ہیں، ـــــ حقیقی صبر بھی توبہ کے ذریعے اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح مراقبہ سے توبہ، ـــــ صبر اہلِ ایمان کا معزز ترین مقام ہے جو توبہ کے حقیقی مفہوم میں داخل ہے، ـــــ

www.waseemziyai.com

ایک صاحبِ علم کا کہنا ہے کہ صبر سے اعلیٰ و افضل کون سی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نوے سے زیادہ مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے۔ اس شرف کے باوجود توبہ کا مقام صبر سے افضل ہے۔

صبر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ کی نعمت پر صبر کیا جائے، وہ اس طرح سے کہ نعمت کو اللہ کی نافرمانی میں نہ صرف کیا جائے، — صبر کی یہ قسم صحیح توبہ کے مفہوم میں شامل ہے۔

خوشحالی میں صبر دشوار ہے:

○ — شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے:

"آرام و عافیت پر صبر کرنا، مصیبت پر صبر کرنے سے زیادہ دشوار اور مشکل ہے۔"

○ — ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مصیبتوں اور تکلیفوں میں جب ہمیں آزمایا گیا تو ہم نے صبر کیا، لیکن جب ہمیں خوشحالی میں آزمایا گیا تو ہم سے صبر نہ ہو سکا۔"

خوشی اور ناراضی میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی صبر کی ایک قسم ہے، — البتہ لوگوں کی تعریف سے بے نیاز رہنا، گمنامی میں رہنے اور تواضع و ذلت برداشت کرنے کو اگر توبہ میں شامل نہ کیا جائے تو پھر وہ زُہد میں شامل ہے، — وہ سب روحانی مقامات و احوال جو مقامِ توبہ میں داخل نہیں وہ زُہد میں شامل ہیں۔ اور روحانیت کے چار درجات میں سے زُہد کا تیسرا درجہ ہے۔

صبر کا اظہار:

صبر کی اصل حقیقت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب نفس کو اطمینان حاصل ہو، — اور نفس کو اطمینان اس وقت وہتا ہے جب اس کا تزکیہ ہو۔ نفس کا تزکیہ توبہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، — سچی اور خالص توبہ سے جب نفس پاک ہو جائے تو اس کی فطری اور طبعی سرکشی جاتی رہتی ہے۔ بالعموم نفس کی سرکشی، بدمزاجی اور نافرمانی کے باعث بے صبری جنم لیتی ہے۔ لیکن سچی توبہ (توبتہ النصوح) نفس کو نرم کر کے اس کی بدمزاجی اور سرکشی کو دور کر دیتی ہے۔ اس کے بعد نفس جب محاسبہ اور مراقبہ کرتا ہے تو پاکیزہ اور صاف بن جاتا ہے۔ بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی کی وجہ سے اس کے اندر بھڑکنے والی آگ بھی بجھ جاتی ہے۔ اس وقت وہ مطمئن ہو کر رضا کا مقام پالیتا ہے اور قضا و قدر کے فیصلوں پر شاکر و مطمئن رہتا ہے۔

راضی برضا:

○ — شیخ ابوعبداللہ النباجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو صبر کرنے سے شرماتے ہیں اور قضا و قدر کے مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

○ — حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میں جب صبح کے وقت اٹھتا ہوں تو قضا و قدر کے مواقع ہی میرے لئے خوشی کا باعث ہوتے ہیں۔"

www.waseemziyai.com

○ —— رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''راضی برضا ہو کر یقین کے ساتھ اللہ کے لئے کام کرو، —— اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو صبر کرو، صبر میں بڑی بھلائی ہے'' ——

○ —— ایک اور حدیث مبارک میں ہے:

''بہترین چیز جو انسان کو عطا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نصیب پر راضی رہے۔''

بہر حال مقام رضا کی فضیلت اور اس کی اہمیّت کے بارے میں بے شمار احادیث، روایات و حکایات موجود ہیں —— بہر حال رضا، توبۃ النصوح (سچی توبہ) کا حاصل ہے، —— اگر کوئی شخص رضا کے خلاف کرتا ہے تو گویا اس نے توبۃ النصوح کے خلاف کیا جبکہ پُر خلوص توبہ میں صبر کا حال و مقام اور رضا کا حال و مقام شامل ہیں۔

اُمید و بیم:

خوف و رجا (امید و بیم) نے توبۃ النصوح (سچی توبہ) کی کوکھ سے جنم لیا ہے، یعنی یہ بھی توبۃ النصوح میں داخل ہیں کیونکہ خوف ہی بندے کو توبہ کی ترغیب دیتا ہے۔

○ —— اگر خوف نہ ہو تو انسان توبہ کیوں کرے،

○ —— اگر امید نہ ہو تو خوف بھی پیدا نہ ہو۔

امید و بیم کا وجود قلبِ مومن کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جو سچی توبہ کرے اس میں امید و بیم کا جذبہ حد اعتدال پر آجاتا ہے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس تشریف لے گئے، جو نزع کی حالت میں تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

''تمہارا کیا حال ہے؟'' —— اس نے عرض کیا:

''میری یہ حالت ہے کہ اپنے گناہوں سے خائف ہوں اور اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نزع کی حالت میں بندے کے دل میں خوف و امید دونوں یکجا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندے کی امید بر لاتا ہے، اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے اس سے امان عطا کرتا ہے۔''

آیت مبارکہ:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۝

''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

کی تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا اور یہ کہے:

''میں تو تباہ ہو گیا، اب میرے لئے کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔''

اس وقت جو توبہ کرتا ہے وہ اللہ سے ڈر کر تائب ہوتا ہے اور مغفرت و بخشش کا امیدوار رہتا ہے۔ اسی خوف و امید کی حالت میں

www.waseemziyai.com

توبہ قبول ہوتی ہے، — تائب اپنے جوارح واعضاء کو برائیوں کی زد میں آنے سے بچاتا ہے۔اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر اس کی اطاعت کرتا ہے۔، — یہ سب اعضاء بھی اللہ کی نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں معصیت سے بچا کر اللہ کی اطاعت میں مصروف رکھنا چاہئے۔اور یہ کہ سچی توبہ ہی سب سے بڑی شکر گزاری ہے۔

مقام توبہ:

مقام توبہ میں جب مذکورہ بالا سب مقامات جمع ہو جائیں تو سمجھ لیں کہ اس مقام میں زجر وانتباہ و بیداری، نفس کی مخالفت، تقویٰ ومجاہدہ، اعمال کے عیبوں کا مشاہدہ، انابت، صبر ورضا، محاسبہ، مراقبہ، نگہداشت، شکر اور خوف وامید کے سب احوال جمع ہو گئے ہیں۔

مقام زہد:

سچی توبہ جب قبول ہو جائے اور نفس کا تزکیہ ہو جائے تو قلب کا آئینہ دمکنے لگتا ہے۔اس کے ذریعے دنیا کی ہر برائی ظاہر ہو جاتی ہے۔ بالآخر وہ مقام زُہد پر پہنچ جاتا ہے۔اور اس میں توکّل کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، — دنیا سے وہی منہ موڑتا ہے جسے اللہ کے وعدے پر اعتبار ہو۔ اللہ کے وعدے پر مطمئن ہو جانا ہی توکل ہے، — مقام توبہ کے حصول کے بعد دوسرے مقامات کے حصول میں کوئی کمی کوتاہی رہ جائے تو زُہد سے وہی کمی پوری ہو جاتی ہے، — جو چار درجات میں سے تیسرا درجہ ہے۔

سیرت نبوی ﷺ سے زُہد کی مثال:

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے۔سب سے پہلے آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔آپ نے دیکھا کہ انہوں نے گھر میں پردہ لٹکا رکھا ہے۔اور ان کے ہاتھوں میں ضرورت سے زائد چیزیں موجود ہیں، — یہ سب دیکھ کر آپ واپس لوٹ گئے اور گھر کے اندر تشریف نہیں لے گئے، پھر زمین پر بیٹھ کر زمین کو کریدتے جاتے اور فرماتے جاتے:

''میرا دنیا سے کیا تعلق! — میرا دنیا سے کیا تعلق!''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پردہ لٹکانے کی وجہ سے لوٹ گئے ہیں۔آپ نے وہ پردہ اور ضرورت سے زائد چیزیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھجوادیں اور یہ پیغام بھی عرض کیا:

''میں نے یہ سب چیزیں صدقہ کر دی ہیں۔آپ جس طرح چاہیں انہیں استعمال کریں۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وہ چیزیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام پیش کر دیا۔رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

''والدین کی قسم! میں نے انہیں خیرات کر دیا، — والدین کی قسم! میں نے انہیں خیرات کر دیا، — انہیں لے جاؤ اور فروخت کر دو۔''

ارشاد باری ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۝ (پ۱۵،سورہ کہف)

''بے شک جو کچھ زمین پر ہے، ہم نے انہیں زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم آزمائیں کہ کون اچھے کام کرتا ہے۔''

یہی زُہد فی الدنیا ہے۔

دُنیا کی حقیقت:

○ ـــ امیر المؤمنین حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے زُہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''زُہد یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی فکر نہ ہو کہ دنیا مومن کے استعمال میں ہے یا کافر کے۔''

○ ـــ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زُہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''تم پر افسوس ہے کہ ایک مچھر کے پر کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ اس سے کنارہ کشی کی جائے۔''

○ ـــ شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''تم کب اس ناکارہ چیز (دنیا) کو چھوڑ کر اس پر حملہ آور ہوگے، اور کب تک اس سے کنارہ کشی کرو گے جبکہ اس کا وزن اللہ کے ہاں مچھر کے پر سے زیادہ نہیں۔''

زہد و توکّل:

بندۂ حق جب صحیح طریقے پر زُہد اختیار کر لیتا ہے تو پھر اس کا توکّل بھی صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ صحیح توکل ہی صحیح زُہد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص توبہ پر قائم رہے اور دُنیا سے کنارہ کش ہو جائے، اور ان دو مقامات کو صحیح طریقہ پر حاصل کر لے۔ اس کے باقی مقامات کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

توبہ پر استقامت:

مراقبہ کے ساتھ توبہ کا ایسا تعلق ہے کہ بندۂ حق کو چاہئے کہ توبہ کرنے کے بعد اس میں استقامت اختیار کرے، تاکہ بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہ لکھ سکے۔ اس کے بعد اپنے اعضاء کو بتدریج گناہوں اور فضول کاموں سے پاک رکھے، ـــ نہ کوئی فضول کہے، ـــ نہ کوئی فضول حرکت کرے، ـــ اور نہ کوئی فضول بات سنے، ـــ اس کے بعد ظاہر کی نگہداشت اور محاسبے کے بعد باطن کی نگہداشت اور محاسبے پر توجہ کرے، پھر باطن کے مراقبہ پر اس طرح چھا جائے کہ فضول باتوں اور گناہوں کا تصور ہی باطن سے مٹ جائے۔ تصورات پاک ہو جائیں تو پھر اعضاء و جوارح بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اس وقت اس کی توبہ کو بھی ثبات نصیب ہوگا، ـــ جیسا کہ باری تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۝

''آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے، وہ سب استقامت اختیار کریں۔''

اس آیت میں آپ ﷺ اور آپ کے امتیوں کو توبہ میں استقامت کا حکم دیا گیا ہے۔

صحیح مرید کون ہے؟

مذکور ہے کہ کوئی مرید صحیح معنوں میں اس وقت تک مرید نہیں سمجھا جاتا جب صاحبِ شمال (بائیں جانب کا فرشتہ) اس کے خلاف بیس سال تک کچھ نہ لکھے۔۔۔۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل معصوم ہی ہو اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ سچے دل سے تائب ہونے والا شاذ و نادر اگر کسی گناہ میں گرفتار ہو جائے تو کسی پاکیزہ گھڑی میں اس گناہ کا اثر جاتا رہتا ہے، اس لئے کہ اس کے باطن میں ندامت کا جذبہ موجود ہے۔ ندامت کا دوسرا نام توبہ ہے۔ اس لئے بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہیں لکھتا۔

فقر و زہد:

سچے دل سے توبہ کر کے جب کوئی دنیا سے منہ موڑ لے حتیٰ کہ:

- ——دن کے کھانے کے وقت اسے رات کے کھانے کی فکر نہ ہو، اور
- ——نہ رات کے کھانے کے وقت اسے دن کے کھانے کی فکر ہو۔
- ——نہ وہ ذخیرہ اندوزی کرے بلکہ کل کی فکر سے آزاد ہو۔

ایسے شخص میں زُہد بھی ہے اور فقر بھی، —— بلکہ زُہد ہر حال میں فقر سے بالا ہے۔ کیونکہ اس میں فقر سے زیادہ زائد صفات پائی جاتی ہیں۔ فقیر اور درویش دنیاوی مال و متاع سے مجبوراً تہی دست ہوتے ہیں جبکہ زاہد یہ سب کچھ قدرت اور اختیار رکھتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے، —— اس کے زُہد سے توکّل، —— اور توکّل سے رضا، —— اور رضا سے صبر اور ضبطِ نفس اور مجاہدے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب زُہد اور توبہ یکجا ہو جائیں تو اسے سب مقامات حاصل ہو جاتے ہیں۔

عملِ پیہم کی ضرورت:

اگر زُہد اور توبہ، ایمان کی صحت اور اس کی مانند دیگر فرائض اور شرائط کے ساتھ یکجا ہو جائیں تو بھی ان تینوں کے لئے ایک چوتھی چیز کی ضرورت رہتی ہے جس سے روحانیت کی تکمیل ہو، اسے عملِ پیہم کہا جاتا ہے، ——

اگرچہ زہد، توبہ اور صحت ایمان سے بہت سے اعلیٰ روحانی احوال کا انکشاف ہوتا ہے، مگر بعض خاص چیزیں اور احوال اسی وقت میسر آسکتی ہیں جب نیک عملِ پیہم کیا جائے، —— مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بہت سے زاہد جنہیں زُہد میں ثبات اور مقام توبہ میں استقامت حاصل تھی، وہ اس چوتھی چیز (عملِ پیہم) میں پیچھے رہ جانے کے باعث بہت سے روحانی احوال سے پیچھے رہ گئے، —— دنیا سے منہ موڑنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ہمہ وقت مشغول رہا جائے، —— اللہ تعالیٰ کے کام یہی ہیں کہ بندہ ہر وقت ذکر و تلاوت، نماز اور مراقبہ میں مشغول رہے۔ ان کاموں میں اسی وقت خلل پیدا ہوتا ہے جب کوئی ایسی طبعی ضرورت پیش آئے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو، یا اسے کوئی مذہبی فریضہ سرانجام دینا ہو۔

www.waseemziyai.com

بندۂ حق جب قلبی عمل میں مصروف ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے کام میں مشغول ہو جس کا شرعی حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی وہ اپنے عمل میں ذرا سستی نہ کرے، اور زُہد و تقویٰ کے ساتھ عملِ پیہم میں لگا رہے تو سمجھ لیا جائے کہ اس نے فضیلت کی تکمیل کر لی اور حق بندگی میں اس کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

مقام بندگی:

○ — شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جو بندگی کے قالب سے نکل جائے، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو ایک بھگوڑے غلام کے ساتھ گرفتار ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔"

○ — شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا:

"وہ کون سا درجہ ہے جو بندگی کا قائم مقام بن سکتا ہے؟" —

انہوں نے فرمایا: "تدبیر اور اختیار کو ترک کرنا۔"

چنانچہ اگر کوئی صحیح اور سچی توبہ کر کے زُہد اختیار کرے اور اللہ کے لئے عملِ پیہم کرتا رہے تو اس کا حال (موجودہ وقت) اسے مستقبل (آئندہ وقت) سے بے نیاز کر دے گا، اور وہ ترک تدبیر و اختیار کا مقام پالے گا، — اس وقت وہی چیز اختیار کرے گا جو اللہ کو پسند ہو، کیونکہ اس کی نفسانی خواہش باقی نہیں رہی، اور اس کے علم کی بہتات نے اس کے باطن سے جہالت کا مادہ باہر نکال دیا ہے۔

عالم جبر و اختیار:

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب تک معرفت کی طلب میں رہتا ہے، تب تک اسے یہی کہا جاتا ہے:

"تم کچھ اختیار نہ کرو، اور اپنے ذاتی اختیار و ذاتی خواہش سے اس وقت تک کام نہ لو جب تک تمہیں معرفت حاصل نہ ہو جائے۔"

اور جب اسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے یعنی جب وہ عارف کامل بن جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے:

"چاہو تو با اختیار بن جاؤ اور چاہو تو بے اختیار رہو، دونوں صورتیں یکساں ہیں، — اگر تم با اختیار بنو گے تو یہ بھی ہمارے حکم اور اختیار کے مطابق ہوگا، — اور اگر بے اختیار بنو گے تو وہ اختیارات ہمارے ہی ہوں گے، — کیونکہ اختیار اور ترکِ اختیار دونوں صورتوں میں تمہارا تعلق ہمارے ساتھ ہے۔"

مقام فنا و بقا:

یہ وہ بلند مقام اور معزز ترین حال ہے جسے روحانیت کی منزلِ مقصود کہا جاتا ہے۔ اس عالی مقام اور معزز حال پر بندہ اس وقت

تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اختیار سے نکلنے اور تدبیر کو ترک کرنے کے بعد اختیار کا مالک نہ بن جائے۔ اور وہ مذکورہ بالا چاروں درجے مکمل کرے، ــــ کیونکہ تدبیر کو ترک کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ اپنی ہستی کو فنا کر دیا جائے۔ (یہ مقام فنا ہے) اس کے بعد جب اللہ کی طرف سے تدبیر و اختیار اسے دوبارہ ملتے ہیں تو یہ مقامِ بقاء ہے، ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی عارضی ہستی کو فنا کر کے حق کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس منزل پر پہنچ کر بندۂ حق میں کجی ذرا بھی باقی نہیں رہتی، ــــ اور مقامِ عبودیت میں اس کا ظاہر و باطن دونوں متحقق اور درست ہو گئے، ــــ اور وہ ظاہری اور باطنی علم و عمل سے معمور ہو گیا ہے ــــ اب مقامِ قرب پر پہنچ کر ذاتِ الٰہی کے سامنے عجز و فقر کا دامن تھامے ہوئے ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا مجسم ہو گیا ہے:

''الٰہی! تو مجھے ایک لمحے کے لئے میرے نفس کے یا اپنی کسی مخلوق کے سپرد نہ فرما، ورنہ میں ضائع ہو جاؤں گا، ــــ تو میری اسی طرح حفاظت فرما جیسے ایک نومولود بچے کی حفاظت فرماتا ہے، اور مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔''

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۶۰:

روحانی مقامات اور اقوال مشائخ

توبہ کے معنی:

○ — توبہ کے حوالے سے شیخ ردیم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"توبہ کے معنی یہ ہیں کہ توبہ سے توبہ کی جائے۔"

○ — توبہ کے سلسلہ میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

"میں جب سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہی ہوں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے استغفار نہ کرنے پر تہہ دل سے معافی کی طلب گار ہوں۔"

توبہ کی اقسام:

شیخ حسن المغازلی رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "تم مجھ سے کس توبہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو، — توبہ انابت کے بارے میں یا توبہ استجابت کے بارے میں۔"

سائل نے عرض کیا: "توبہ انابت کیا ہے؟" — آپ نے فرمایا:

"توبہ انابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس لئے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے۔"

سائل نے پوچھا: "توبہ استجابت کیا ہے؟" — آپ نے فرمایا:

"توبہ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس لئے شرماؤ کہ وہ تم سے قریب ہے۔"

یہی وہ توبہ ہے کہ اگر یہ کسی بندۂ حق کے دل میں راسخ و درست ہو جائے تو وہ نماز میں بھی اللہ کے سوا ہر ایک وسوسہ سے توبہ و استغفار کرے اور اللہ سے پناہ طلب کرے۔ توبہ استجابت مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے دلوں میں لازمی طور پر جا گزیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اسلاف کا یہ کہنا ہے:

"تمہاری ہستی بذاتِ خود ایک ایسا گناہ ہے جس کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ کا تصور ہی عبث ہے۔"

عوام و خواص کی توبہ:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، — خواص غفلت سے تائب کرتے ہیں، — اور انبیاء کرام اس وقت توبہ کرتے ہیں

www.waseemziyai.com

جب وہ دیکھتے ہیں کہ دوسروں نے جو درجات حاصل کر لئے ہیں وہ انہیں حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔''

برائی کی اقسام:

شیخ ابومحمد سہل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی کام سے توبہ کر کے اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے، — لیکن جب اس کے دل میں اس چیز کا تصور آتا ہے، — یا اسے دیکھتا اور سنتا ہے تو توبہ کے باوجود اپنے دل میں اس چیز کی حلاوت محسوس کرتا ہے، — ایسا کیوں ہوتا ہے؟''

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حلاوت کا یہ احساس تقاضائے بشریت کے باعث ہے۔ اور یہ ایک طبعی رجحان ہے۔ اس سے نجات اسی صورت میں ہوسکتی ہے:

- — وہ خلوص دل سے اپنے مولیٰ سے اس کی شکایت کرے،
- — دل سے اسے برا جانے، اور اپنے نفس کو مجبور کرے کہ وہ بھی اسے برا جانے،
- — اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے فراموش کرا دے، اور
- — اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی بندگی میں اس کے ذکر کے بغیر مشغول رہے۔

اگر اس نے اسے برا سمجھنے میں ایک لحہ بھی غفلت کی تو مجھے خدشہ ہے کہ یہ حلاوت اس کے دل پر اثر کئے بغیر نہ رہے گی، — ہاں اگر حلاوت پانے کے باوجود اس بات کو دل میں برا سمجھے اور اس پر دکھ کا اظہار کرے، تو پھر اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔''

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہر اس طالبِ صادق کے لئے کافی ہے جو صحیح توبہ کرنے کا طالب ہے، لیکن وہ عارف جس کا روحانی حال قوی ہو، وہ اس حلاوت سے اپنے باطن کو بآسانی چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ کیونکہ عارف کو گونا گوں اسباب کی سہولت ہوتی ہے۔ وہ یوں کہ جس کے قلب میں یقینِ کامل اور مشاہدے کی صفائی کی بدولت اللہ تعالیٰ کی خاص محبت کی حلاوت موجود ہو، وہاں کسی اور چیز کی حلاوت کی گنجائش نہیں ہوتی، — اور جہاں اللہ کی محبت کی حلاوت نہ ہو، وہاں نفسانی خواہش کی حلاوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔

توبہ کی جامع تعریف:

شیخ سوسی رحمۃ اللہ علیہ سے توبہ کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ — آپ نے فرمایا:

''توبہ ہر اس چیز سے کی جاتی ہے جس کی علم نے مذمّت کی ہو، — اور جس چیز کی علم نے تعریف کی ہو اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔''

یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں کو محیط کرتی ہے۔ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جسے صریح علم عطا کیا گیا ہو۔ علم کے سامنے جہالت

اسی طرح غائب ہو جاتی ہے جیسے طلوع آفتاب کے وقت رات غائب ہو جاتی ہے، ــــ یہ تعریف توبہ کی ساری قسموں کا احاطہ کرتی ہے، خواہ وہ عام مفہوم میں ہو یا خاص مفہوم میں۔ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں علم سے مراد ظاہری و باطنی دونوں علوم ہیں۔ تاکہ توبہ کے عام و خاص دونوں معانی کے مطابق ظاہر و باطن دونوں کی صفائی ہو سکے۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ توبہ یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لو۔

ورع (پرہیزگاری):

○ ــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہاری دین داری کا دار و مدار اور اصل ورع (پرہیزگاری) ہے۔"

○ ــــ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہر پر بیٹھ کر وضو فرمایا۔ وضو سے فارغ ہو کر آپ نے وضو سے بچا ہوا پانی نہر میں ڈال دیا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر یہ پانی ان لوگوں تک پہنچائے گا جن کے لئے فائدہ مند ہوگا۔"

○ ــــ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"اس شخص کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی دنیادار کے لئے ذلت اٹھائے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہو اور ورع کی ترازو میں تُلا ہو۔"

○ ــــ شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اپنی زبان کو تعریف سے ایسے روکو جیسے مذمّت کرنے سے روکتے ہو۔"

○ ــــ شیخ حارث بن اسد المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکور ہے کہ ان کی درمیانی انگلی کے کنارے پر ایک رگ تھی۔ جب آپ کسی مشتبہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے تو وہ رگ پھڑکنے لگتی تھی۔

○ ــــ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ورع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ورع یہ ہے کہ تمہارا دل ایک لمحے کے لئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔"

○ ــــ شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس طرح قناعت رضا کا ایک پہلو ہے، اسی طرح ورع، زُہد کا آغاز اور اس کا ایک پہلو ہے۔"

○ ــــ شیخ یحیٰی بن معاذ رحمتہ اللہ کا بیان ہے:

"ورع یہ ہے کہ علم کی حد پر کسی تاویل کے بغیر قائم رہا جائے۔"

○ ــــ شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ورع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"ورع یہ ہے کہ بندۂ حق غصے کی حالت میں ہو یا رضامندی کے عالم میں، اپنے منہ سے صرف حق بات کہے، اور اس کی ساری جدوجہد محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو۔"

www.waseemziyai.com

○ — شیخ ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے کہ میں ایک ایسے بزرگ کو جانتا ہوں جو مکہ معظمہ میں بیس سال رہے۔ انہوں نے زمزم کا صرف وہ پانی پیا جو انہوں نے اپنے مشکیزے میں اپنی رسی اور ڈول سے بھر لیا تھا، — وہ کھانا بھی کبھی نہ کھایا جو ان کے لئے شہر سے لایا جاتا تھا۔

○ — شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ورع خوف کی علامت ہے، — اور خوف معرفت (خداشناسی) کی نشانی ہے، — اور معرفت حق کی دلیل ہے۔''

زُہد کیا ہے:

○ — حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''زُہد یہ ہے کہ ہاتھ مال و متاع اور دل تلاش و جستجو سے خالی ہوں۔''

○ — شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زُہد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''حقیقت میں زُہد کوئی چیز نہیں، — کیونکہ:

○ — اگر کوئی ایسی چیز سے کنارہ کش ہو جائے جو اس کے پاس ہے ہی نہیں تو حقیقت میں یہ زُہد نہیں۔

○ — اگر وہ اپنی ملکیتی چیزوں سے کنارہ کش ہو جائے تو جب تک یہ چیزیں اس کے پاس موجود ہوں، اس وقت تک زُہد اور کنارہ کشی کا مفہوم صادق نہیں آسکتا۔''

لہٰذا زُہد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نفس کشی اور دوسروں کی غم خواری کی جائے، شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں زُہد کی ان اقسام کی طرف اشارہ ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں، — بہرحال اگر شیخ شبلی رحمۃ اللہ کا یہ قول نافذ العمل ہو جائے تو اس سے کسب و اختیار کی بنیادیں گر جائیں، — میرے خیال میں شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زُہد کا دعویٰ کرنے والے کی نظر میں زُہد کی اہمیت گھٹا دی جائے، تاکہ تعریف سن کر اپنے زُہد پر نازاں نہ ہو جائے۔

زاہد علماء:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو دنیا سے کنارہ کش ہونے کے باوجود قوت گویائی بھی رکھتا ہے، تو اس کی قربت اختیار کرو، کیونکہ وہ حکمت کی باتیں کہتا ہے۔''

یعنی زُہد کی باتیں حکمت سے معمور ہوتی ہیں، — اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے میں زاہدوں کو ''علماء'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ ۝ (پ ۲۰، سورہ قصص)

''اور ان لوگوں نے جنہیں علم دیا گیا تھا، انہوں نے کہا: ''تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب بہتر ہے۔''

www.waseemziyai.com

اس آیت کی تاویل وتفسیر میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں سے مراد زاہدین ہیں، — شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عقل کے ہزار نام ہیں، — اور ہر نام کے مزید ہزار نام ہیں، — ہر نام کی ابتدا ترکِ دنیا سے ہوتی ہے۔"

دُنیادار علماء:

ارشاد باری ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ○ (پ ۱۷، سورہ انبیاء)

"اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا، اور جب وہ صبر کریں تو ہمارے حکم کے مطابق وہ لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ صبر سے مراد دنیا سے صبر کرنا ہے، — حدیث میں آیا ہے:

"علماء تب تک پیغمبروں کے امانت دار ہیں جب تک وہ دنیا دار نہ بنیں، — جب وہ دنیا دار ہو جائیں تو تم ان سے اپنے دین کی حفاظت کرو۔"

یعنی اس حالت میں وہ تمہارے دین کے لئے خطرہ ہیں، — کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** اللہ کے بندوں سے اللہ کے غیظ وغضب کو تب تک دور کرتا رہے گا جب تک کہ وہ دنیا کے نقصان کی پرواہ نہیں کریں گے، — اور جب وہ ایسا کرنے لگیں گے، اور اس کے بعد جب **لا الہ الا اللہ** کہیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"تم جھوٹے ہو اور سچ نہیں بول رہے ہو۔" (یعنی اس کلمے پر تمہارا یقین نہیں ہے)

زُہد اور مشائخ کرام:

○ — شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نیکوکاروں کے اعمال زاہدوں کے میزانِ عمل میں ہوں گے، — اور زُہد کا ثواب اس پہ فزوں ہوگا۔"

○ — مذکور ہے کہ دنیا میں جب کوئی زاہد کے نام سے جانا جاتا ہے وہ آخرت میں ایک ہزار اچھے ناموں سے پکارا جائے گا، — اور جو دنیا کی رغبت رکھنے والا ہوگا وہ آخرت میں ایک ہزار برے ناموں سے پکارا جائے گا۔

○ — شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"زُہد دنیا سے منسوب سب نفسانی خواہشیں ترک کرنے کا نام ہے، — خواہ یہ خواہش مال وجاہ کی ہو، یا لوگوں میں بڑائی، عمدہ شہرت اور نیک نامی کے حصول کی۔"

○ — شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زُہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"زُہد ایک طرح کی غفلت ہے کیونکہ دنیا ناچیز ہے، — اور کسی ناچیز سے کنارہ کش ہونا سراسر غفلت ہے۔"

زُہد در زُہد:

ایک اور بزرگ زُہد کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دنیا کو جب دیکھا کہ بہت ہی ذلیل وحقیر چیز ہے تو انہوں نے

www.waseemziyai.com

زُہد فی الدنیا سے بھی زُہد اختیار کرلیا، کیونکہ دنیا ان کے خیال میں بہت ہی ذلیل چیز تھی، —— میرے خیال میں زُہد در زُہد اس سے مختلف چیز ہے، —— زُہد در زُہد یہ ہے کہ اپنے ارادے اور مرضی سے زُہد کو اختیار کیا جائے، —— زاہد جب اپنے ارادے اور اختیار سے زُہد کو اختیار کرتا ہے تو اس کے ارادے کا تعلق اس کے علم سے ہوتا ہے، جبکہ اس کا علم محدود ہوتا ہے، —— لیکن جب اسے ترکِ ارادہ کے مقام پر لایا جاتا ہے، اور اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں تو اس دم اللہ تعالیٰ اس پر ارادے اور مقصد کا انکشاف کرتا ہے، —— اس موقع پر وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کی مرضی سے دنیا کو ترک کرتا ہے۔ اس وقت اس کے زُہد کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، اس کے نفس سے نہیں ہوتا۔

اب اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ اللہ کی منشاء و مرضی یہ ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے وابستہ رہے۔ تو اللہ کے حکم کے مطابق جب اس کا دنیا کی کسی چیز سے تعلق ہو جائے تو اس تعلق کی وجہ سے اس کے زُہد میں کمی نہیں آتی۔ کیونکہ اس کا اس دنیاوی چیز سے تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے ہوا ہے۔ یہی زُہد در زُہد ہے، —— اس زُہد در زُہد میں دنیا کا وجود اور عدم برابر ہیں۔ اس لئے کہ زاہد:

○ —— اگر دنیا کو چھوڑتا ہے تو اللہ کے حکم سے چھوڑتا ہے، اور

○ —— اگر دنیا کو اختیار کرتا ہے تو بھی اللہ کے حکم سے اللہ کے لئے اختیار کرتا ہے، ——

یہ زُہد در زُہد ہے۔ ہم نے بہت سے عارف اس مقام پر فائز دیکھے ہیں۔

زُہد در زُہد سے اگلا مقام:

زُہد در زُہد آخری مقام نہیں ہے۔ اس سے اوپر ایک اور مقام ہے۔ وہ مقام یہ ہے کہ زاہد کا علم جب وسیع ہو جاتا ہے اور تزکیۂ نفس کے بعد وہ مقامِ بقاء میں پہنچ جاتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اس کا اختیار اسے پھر لوٹا دیتا ہے۔ اس وقت وہ زُہد کے تیسرے مقام پر فائز ہو کر دنیا کو پھر ترک کر دیتا ہے۔ حالانکہ اب دنیا اس کے اختیار اور دسترس میں تھی اور دنیا اسے بخشش کے طور پر عطا کی گئی تھی۔

بہرحال زاہد دنیا کو اس مقام پر اپنی مرضی اور اختیار سے چھوڑتا ہے۔ اس کی یہ مرضی اور اختیار اللہ کی مرضی اور اختیار کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس وقت اس نے ترکِ دنیا کو انبیاء کرام اور صالحین کی پیروی میں اختیار کیا ہے، —— اس کے خیال میں زُہد در زُہد کے مقام پر رہتے ہوئے دنیا پر اسے اختیار ملنا اس کے ساتھ ایک طرح کی رعایت اور آسانی ہے۔ جو اس لئے دی گئی کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کی نسبت کمزور ہے۔ وہ حضرات اس سے فزوں اور قوی تر ہیں۔ اس کمزوری کے باعث وہ ان کے شانہ بشانہ نہیں چل سکتا، —— چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ یہ رعایت اور سہولت اللہ ہی کے لئے ترک کر دیتا ہے، —— لیکن بعض اوقات وہ اس رعایت سے فائدہ بھی اُٹھا لیتا ہے تا کہ علم صریح کی سہولت سے ضبطِ نفس میں نرمی اور ملائمت پیدا کر سکے۔

اس مقام پر انہی عارفین کا تصرف ہوتا ہے جو روحانی طور پر بہت قوی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے:

○ —— پہلی بار بھی اللہ ہی کے لئے زُہد اختیار کیا،

○ —— دوسری بار بھی اللہ ہی کے حکم سے دنیا کا رُخ کیا، اور

www.waseemziyai.com

○ ــــ تیسری بار بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دنیا کو ترک کیا۔

صبر کیا ہے؟

○ ــــ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی طرف سے کشادگی کے انتظار کا نام صبر ہے، ــــ اور یہ اعلیٰ وافضل خدمت ہے۔''

○ ــــ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

''صبر یہ ہے کہ صبر میں صبر کرے، ــــ یعنی کشادگی کا انتظار نہ کرے۔''

○ ــــ ارشاد باری ہے:

وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (پ۲، سورہ بقرہ)

''وہ خوف اور تکلیف میں اور مصیبت کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا، ــــ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔''

صبر کی حقیقت کیا ہے؟

کہتے ہیں کہ ہر چیز کا جوہر ہوتا ہے، اور انسان کا جوہر عقل ہے، ــــ اور عقل کا جوہر صبر ہے، ــــ صبر کرنا، نفس کا مقابلہ کرنا ہے، ــــ مقابلہ سے نفس میں نرمی آ جاتی ہے۔ صبر کرنے والے کے بدن میں صبر سانسوں کی طرح سرائت کئے ہوئے ہے، کیونکہ اسے ہر ظاہری و باطنی، مذموم و مکروہ اور ممنوع چیز پر صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم ان چیزوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور صبر ہی انہیں برداشت کرتا ہے، ــــ علم کی یہ رہنمائی تب ہی نفع دے سکتی ہے جب صبر کو قبول کیا جائے۔

صبر کی اہمیّت وفضیلت:

جس کا ظاہری و باطنی محافظ علم ہو، وہی شخص اپنے فرائض کی تکمیل کر سکتا ہے۔ جبکہ صبر اس کا مستقل ٹھکانہ ہو، ــــ علم اور صبر اسی طرح لازم و ملزوم ہیں جیسے روح اور جسم۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر رہنا محال ہے۔ ان دونوں کا مرکز اور سرچشمہ عقلی قوت ہے، اس لئے دونوں میں اتحاد اور قربت پائی جاتی ہے، ــــ صبر کے ذریعے نفس میں جب قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے تو علم کی بدولت روح کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔ گویا یہ دونوں صبر اور علم، روح اور نفس کے درمیان برزخ اور حدِ فاصل کی مانند ہیں تاکہ ہر ایک اپنے اصل مقام اور مرکز پر قائم رہے اور عین انصاف اور صحیح اعتدال پر برقرار رہے۔ ورنہ علم و صبر میں سے اگر کوئی ایک دوسرے سے جدا ہو جائے تو روح اور نفس میں سے کوئی ایک دوسرے پر غالب آ جائے، ــــ بہرحال اس کی تفصیل بہت ادق ہے، ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

صبر کی اہمیّت وفضیلت کے حوالے سے یہ ارشاد باری کافی ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

www.waseemziyai.com

''صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب (و بے اندازہ) دیا جائے گا۔''

ہر محنت کش یعنی عبادت گزار کا اجر حساب سے ہوگا لیکن صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝

''آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر صرف اللہ کے ہاتھ ہے۔''

اس آیت میں صبر کی فضیلت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے صبر کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے، اور اس سے اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوتی ہے۔

سب سے مشکل اور گراں صبر:

مذکور ہے کہ ایک شخص شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے دریافت کیا:

''صبر کرنے والوں پر کون سا صبر سب سے زیادہ مشکل اور بھاری ہے؟'' ـــ حضرت شبلی نے فرمایا:

''الصبر فی اللہ (اللہ کے سوا سب سے رک جانا)'' ـــ اس شخص نے کہا: ''نہیں!'' ـــ آپ نے فرمایا: ''الصبر اللہ (اللہ کے لئے صبر)'' ـــ اس شخص نے کہا: ''نہیں!'' ـــ آپ نے فرمایا: ''الصبر مع اللہ (اللہ کے ساتھ صبر)'' ـــ اس شخص نے کہا: ''نہیں!'' ـــ یہ سن کر شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آ گیا، اور فرمانے لگے:

''کمال ہے، ـــ پھر تمہی کہو وہ کون سا صبر ہے'' ـــ اس نے کہا: ''وہ صبر، صبر عن اللہ (اللہ سے صبر ـــ یعنی اللہ سے رک جانا)''

یہ سن کر شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زور سے چیخ ماری کہ ایسا لگتا تھا کہ ان کی جان ہی نکل چکی ہے۔

الصبر عن اللہ کی تشریح:

میرا خیال بھی یہی ہے کہ صبر کی سب اقسام میں ایک لحاظ سے الصبر عن اللہ سب سے زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الصبر عن اللہ کرنے والوں پر انوار و تجلیاتِ ربانی کے مشاہدہ کے دوران ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ حیا اور رعب جلال کی وجہ سے بندۂ حق اللہ سے رجوع کرتا ہے، اس کی بصیرت شرمندہ اور گداز ہو کر عاجزی کے بیابان میں غائب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے تجلی الٰہی کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ یہی صبر کا سخت ترین مقام ہے، کیونکہ:

○ ـــ بندۂ حق کا نفس تو یہ چاہتا ہے کہ جلال الٰہی کا حق ادا کرنے کے لئے یہی روحانی حال برقرار رہے،

○ ـــ مگر روح یہ چاہتی ہے کہ اپنی بصیرت کو نور جمال کی تجلیات سے سرنگیں کرے۔

عام حالات میں نفس اور صبر کے درمیان کشمکش برپا ہوتی ہے، لیکن اس خاص حال میں روح اور صبر میں کشمکش برپا ہوتی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر الصبر عن اللہ (یعنی اللہ اور اس کے جلوہ) سے صبر کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

صبر والوں کے درجات:

شیخ ابوالحسن بن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں:

○ — متصبر، ○ — صابر، ○ — صبار

○ — متصبر وہ ہے جو صابر عن اللہ ہے۔ (جو اللہ میں صبر کرتا ہے) یعنی جو کبھی اللہ سے صبر کرتا ہے، اور کبھی گھبرانے لگتا ہے۔

○ — صابر وہ شخص ہے جو صبر فی اللہ اور صبر اللہ صبر کرے اور بے صبری نہ کرے۔ مگر اس کے بے صبری کرنے (شکوہ) کی توقع ہوتی ہے، اور اس کے گھبرانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

○ — صبار وہ ہے جو صبر فی اللہ (اللہ میں، اللہ کے لئے) اور صبر باللہ (اللہ کے ساتھ) صبر کرے۔ یعنی اس کا صبر مکمل ترین ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ اگر اس پر ساری مصیبتیں نازل ہو جائیں وہ تب بھی نہیں گھبراتا، — نہ اس کے وجود اور اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے، — اور نہ اس کی ہیئت اور خلقت کے لحاظ سے کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے، — اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اگرچہ فطری اور طبعی صفات پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اس کا علم ان سب پر حاوی و غالب ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ صبر کے حوالے سے مثال کے طور پر دو شعر پڑھا کرتے تھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

"یقیناً عاشق کا محبت کے شوق اور جدائی کے خوف سے آواز نکالنا نقصان کا باعث ہے، — اور جب وہ صبر اختیار کرتا ہے تو صبر سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔، — اور جب صبر اس کی فریاد رسی کرتا ہے تو وہ صبر سے کہتا ہے: "تو ذرا صبر کر۔"

صبر کا غائت حصہ:

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو صبر کرنے کا حکم دیا، — ان میں سب سے برتر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرمایا، کیونکہ اس صبر کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ نہیں رہا بلکہ وہ اللہ سے متعلق ہو گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ○

"آپ کے صبر کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہے۔"

صبر کی ایک نادر مثال:

ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ اس حوالے سے بات کر رہے تھے کہ دوران گفتگو آپ کے پاؤں پر بچھو چڑھ گیا۔ اور کئی بار ڈنگ مارا۔ لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو کہا کہ آپ اسے ہٹاتے کیوں نہیں۔ آپ فرمانے لگے:

"مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں خود تو صبر کے بارے میں گفتگو کروں، اور خود اپنے ہی عمل سے اس کے خلاف

www.waseemziyai.com

بے صبری دکھاؤں۔''

صبر پر منظوم اظہار خیال:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کے ساتھ مشرف فرمایا اور ایمان کو عقل کے ساتھ معزز فرمایا، — اور عقل کو صبر کے ساتھ عزت عطا فرمائی، — چنانچہ ایمان مومن کی زینت ہے۔ عقل' ایمان کی زیب و زینت ہے، اور عقل' صبر سے آراستہ ہے۔''

اس کے بعد آپ نے شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار پڑھے۔ جن کا مفہوم یہ ہے:

- — کل کے خوف کی بناء پر میں نے بعض مصیبتوں پر صبر کا مظاہرہ کیا اور نفس کی حفاظت اس انداز سے کی کہ عزت رہ جائے۔
- — نفس کو مکروہات کے پے در پے جام پلائے، وہ اس کا عادی ہو گیا۔ اگر میں اسے یہ جام نہ پلاتا تو یقیناً وہ نفرت کا اظہار کرتا۔
- — بعض اوقات نفس کی ظاہری ذلالت اس کی عزت کا موجب ہوتی ہے۔ اور نفس اسی ذلت کی بدولت عزت پاتا ہے۔
- — جو رب یہ کہتا ہے: ''مجھی سے مانگو'' — اگر میں اس کے سوا کسی اور کے سامنے ضرورت سے ہاتھ پھیلاؤں تو میرے ہاتھ شل ہو جائیں۔''
- — جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں صبر سے کام لوں گا، اس لئے کہ صبر ہی میں عزت ہے، لہٰذا میں دنیا کی تھوڑی چیز پر اکتفا کر لوں گا۔''

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جب کوئی نعمت عطا فرمائے، اور پھر اس سے وہ نعمت واپس لے لے، — اس کے بدلے میں جو صبر کی دولت عطا فرماتا ہے، واپس لی گئی نعمت سے وہ کہیں بہتر ہے۔''

یہ ارشاد فرما کر آپ نے مجنوں شاعر کے اشعار پڑھے۔ جن کا مفہوم یہ ہے:

- — میں نے خوش حالی اور بد حالی دونوں کی لذت اٹھائی ہے، — جب زمانہ مجھے ان کے جام پلاتا ہے تو میں چسکیاں لے لے کر پیتا ہوں۔
- — زمانے نے مجھے بڑی تکلیفوں کے جام پلائے، میں نے بھی اسے اپنے صبر کے سمندر سے جام پلائے،
- — زمانے کی سختیوں اور مصیبتوں کے سامنے میں نے صبر کو ڈھال بنا لیا، اور اپنے نفس کو تاکید کی کہ یا تو صبر کر یا پھر غم کے ہاتھوں ہلاک ہو جا۔
- — مجھ پر ایسے ستم ٹوٹے اور ایسے حادثے گزرے کہ اگر بلند و بالا پہاڑ بھی ان کے سامنے ہوتے تو وہ بھی زمین میں دھنس جاتے اور ان تک ان کی پہنچ نہ ہوتی۔''

فقر کیا ہے؟

- — شیخ ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

www.waseemziyai.com

''فقر یہ ہے کہ تیری ذات کے لئے کچھ نہ ہو، — اور جو کچھ تیرے پاس ہو اسے ایثار کردے، تیرے پاس کچھ بھی نہ رہے۔''

○ — شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص صحیح طرح سے اللہ تعالیٰ کا محتاج بن جائے تو اللہ کی بدولت وہ غنی اور بے نیاز بن جاتا ہے، — یہ دونوں ایسے روحانی حال ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا تکمیل نہیں پاسکتا۔''

○ — شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقراء کی تعریف یہ ہے کہ وہ تنگ دستی اور بدحالی میں اطمینان محسوس کرتے ہیں، — اور جب کچھ میسر آجائے تو اسے ایثار کردیتے ہیں'' —

ایک بزرگ نے اس قول میں یہ اضافہ فرمایا: ''اور اگر کوئی چیز پاس موجود ہو تو وہ مضطرب و بے چین رہتے ہیں تاوقتیکہ اسے ایثار نہ کردیں۔''

○ — شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''فقر شرف اور بزرگی کی چادر ہے، — انبیاء کرام کا لباس، اور نیکوں کے اوڑھنے کی چادر ہے۔''

فقر کی شان:

شیخ دراج رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرماتے ہیں کہ سرمہ دانی لینے کے لئے میں نے اپنے شیخ کی تھیلی ٹٹولی۔ اس میں چاندی کا ایک ٹکڑا پایا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ جب وہ تشریف لائے تو میں نے اس کا ذکر کیا کہ میں نے آپ کی تھیلی میں یہ ٹکڑا پایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ میں اسے واپس کردوں، — اچھا! اسے لے جاؤ اور اس کے بدلے میں کچھ خرید لاؤ۔''

یہ سن کر میں نے عرض کیا:

''اس ٹکڑے کا آپ کے رب سے کیا واسطہ!'' — آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں اس ٹکڑے کے سوا نہ اور چاندی دی ہے اور نہ سونا عطا کیا ہے۔، — اس لئے میں چاہتا ہوں کہ وصیت کر جاؤں کہ میرے مرنے کے بعد یہ ٹکڑا میرے کفن کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ میں یہ اللہ تعالیٰ کو لوٹا دوں۔''

فقر کی فضیلت:

○ — شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی درویش کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا:

''وہ نہ تو سوال کرتے ہیں، — نہ رد کرتے ہیں، — اور نہ روکتے ہیں۔''

○ — شیخ ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے کہ مجھ سے شیخ دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا:

''اے ابوعلی! درویشوں نے ضرورت کے وقت بقدر ضرورت بخشش لینا کیوں چھوڑ دی ہے۔''

www.waseemziyai.com

میں نے کہا: ''وہ بخشنے والے رب کی وجہ سے اس قدر مستغنی اور بے نیاز ہیں کہ انہیں بخشش کی ضرورت نہیں ــــ'' انہوں نے فرمایا:

''یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن مجھے اس کی ایک اور وجہ سمجھ میں آتی ہے'' ــــ

میں نے عرض کیا:

''جی شیخ محترم ضرور ارشاد فرما کر مستفیض فرمائیں'' ــــ فرمایا:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت ہے جس کے لئے کسی چیز کا وجود مفید نہیں، ــــ لیکن ان کا فقر و فاقہ چونکہ اللہ کے لئے ہے، اس لئے یہ فقر و فاقہ ان کے لئے نقصان کا باعث نہیں۔ کیونکہ ان کا وجود فقط اللہ کے لئے ہے۔''

○ ــــ ایک اور بزرگ نے فقر کے بارے میں فرمایا:

''فقر یہ ہے کہ حاجت اور ضرورت پر قلب آ کر ٹھہر جائے، ــــ اور اللہ کے سوا کسی اور کی احتیاج نہ رہے۔''

○ ــــ شیخ مسوحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقیر وہ ہے جسے نہ نعمتیں خوشحال کر سکیں اور نہ تکلیفیں اور مصیبتیں بدحال و محتاج کر سکیں۔''

○ ــــ شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''فقر کی حقیقت یہ ہے کہ درویش اللہ کے سوا ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز رہے، ــــ بلکہ اس کی خاص پہچان یہ ہے کہ اس کے لئے عالم اسباب کے سب اسباب معدوم ہو جائیں۔''

توحید کی پہلی منزل:

شیخ ابوبکر طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کافی عرصہ سے برادران طریقت سے یہ استفسار کرتا آ رہا ہوں کہ:

''ہمارے اہلِ تصوف نے دوسری چیزوں پر فقر کو کیوں ترجیح دی ہے۔''

لیکن کسی نے بھی مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا کہ میں نے نصر بن الحمامی رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

''فقر منازلِ توحید کی پہلی منزل ہے۔''

اس جواب نے مجھے مطمئن کر دیا۔

اللہ سے حیا کا معاملہ:

شیخ ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ سے جب فقر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد نماز پڑھ کر باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد لوٹ کر آئے تو فرمایا:

''میں نے اس وقت سوال کا جواب اس لئے نہیں دیا تھا کہ اس وقت میری جیب میں ایک درہم موجود تھا۔ میں نے باہر

جا کر اسے خرچ کر دیا، ـــــ اس لئے مجھے اس وقت اللہ سے حیا آئی کہ میرے پاس یہ درہم موجود ہو اور میں فقر کے موضوع پر بات کروں۔"

پھر وہ بیٹھ گئے اور فقر کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

فقر و صبر:

شیخ ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے فقر و صاحب فقر کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"فقیر کو کوئی خواہش اور رغبت نہیں ہوتی، ـــــ اور اگر کچھ رغبت ہوتی بھی ہے تو ضرورت کی حد سے آگے نہیں بڑھتا۔"

شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک ایسے فقیر سے جس کے چہرے سے بھوک اور فاقے کے آثار جھلک رہے تھے، کہا:

"تم سوال کیوں نہیں کرتے، ـــــ سوال کرو لوگ تمہیں کھانا کھلا دیں گے۔"

اس نے جواب دیا:

"مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے لوگوں سے سوال کیا اور وہ انکار کر بیٹھے تو وہ فلاح سے محروم نہ ہو جائیں۔"

پھر اس درویش نے چند اشعار پڑھے۔ جن کا مفہوم یہ ہے:

○ ـــ لوگ کہنے لگے: "کل عید ہے، تم کون سا لباس پہنو گے؟" ـــــ میں نے کہا: "ایسے پلانے والے کا لباس جو اپنے پینے والے کو گھونٹ گھونٹ پلاتا ہے"۔

○ ـــ وہ لباس فقر اور صبر پر مشتمل ہے کہ جن کے نتیجے ایک قلب چھپا ہے جو اپنے رب کے دیدار کی بہت سی عیدیں اور جمعے دیکھتا ہے۔

○ ـــ اے جانِ تمنا! اگر تو آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو دنیا میرے لئے غم خانہ ہے، ـــــ اور جب تجھے سامنے پاؤں تو تجھے دیکھ لینا ہی میری عید ہے۔"

شکر کیا ہے؟

○ ـــ ایک صاحب نظر نے شکر کا مفہوم یہ بیان کیا ہے:

"شکر یہ ہے کہ نعمت عطا کرنے والے (منعم) کو دیکھ کر ہر نعمت نظر سے اوجھل ہو جائے۔"

○ ـــ شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر تم شکر ادا کرتے ہو تو حقیقی معنوں میں شکر ادا نہیں کرتے، ـــــ اس لئے کہ شکر کی انتہا حیرت ہے۔ بہر حال اللہ کا شکر ادا کرنا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، اور اس نعمت پر شکر کرنا واجب ہے۔"

○ ـــ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک بار بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

"الٰہی! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں، ـــــ میں اس وقت تک تیرا شکر نہیں ادا کر سکتا۔ جب تک شکر ادا کرنے کے لئے

www.waseemziyai.com

تیری دوسری نعمت عطا نہ ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ارشاد فرمایا:

''اے داؤد! (علیہ السلام) جب تم یہ بات سمجھ گئے ہو تو جان لو کہ میرا شکر ادا ہو گیا۔''

شکر کے مفاہیم:

لغت میں شکر کے معانی ہیں: ''کھولنا، — ظاہر کرنا''، — یعنی شکر اور کشف کا ایک ہی مفہوم تھا، — ہنسی کے وقت جب کوئی شخص اپنے دانت ظاہر کر دے تو یہ بھی شکر کے مفہوم میں شامل ہے، — چنانچہ:

- — نعمتوں کا تذکرہ کرنا،
- — نعمتوں کی شہرت کرنا،
- — نعمتوں کا پھیلانا،
- — نعمتوں کا زبان سے شمار کرنا

ظاہری شکر ہے، — اور باطنی شکر یہ ہے کہ:

- — نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر منعمِ حقیقی کی اطاعت کی جائے،
- — نعمتیں عطا کرنے والے کی نافرمانی سے بچا جائے، — یہی نعمت کا شکر ہے۔

ہمارے شیخ محترم ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

- — ''الٰہی! تو نے مجھے نعمتیں عطا کی ہیں۔ تیری نعمتوں کا میں شکر کے ساتھ اظہار کرتا ہوں، — تو نے ہر معاملے میں مجھے کفایت سے نوازا ہے۔
- — میں جب تک زندہ ہوں، لازمی طور پر تیرا شکر بجالاتا رہوں گا، — اور میرے مرنے کے بعد میری ہڈیاں تیرا شکر بجالاتی رہیں گی۔''

شکر کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو راحت اور مصیبت ہر حال میں اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں۔''

مزید فرمایا:

- — جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس پر صبر کرے،
- — اسے نعمت عطا ہو اور اس پہ شکر کرے،
- — کسی نے ظلم ڈھایا تو اسے معاف کرے،
- — خود ظلم کر بیٹھے تو توبہ و استغفار کرے۔

www.waseemziyai.com

○ ــــ عرض کیا: ''سرکار! ایسے شخص کا کیا حال ہوگا؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایسے لوگوں کے لئے امن وامان ہے، اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''شکر کا حق یہ ہے کہ دل اور زبان سے نعمتوں کا اقرار کیا جائے، ــــ حدیث شریف میں ہے: افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے، اور افضل الدعا الحمد للہ ہے۔''

ارشاد باری ہے:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۝

''اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کردیں۔''

اس آیت مبارک کی تفسیر میں ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''ظاہری نعمتوں سے مراد عافیت اور دولت مندی ہے، ــــ اور باطنی نعمتوں سے مراد مصائب اور فقر ہے، کیونکہ یہی وہ اُخروی نعمتیں ہیں جن کی بدولت جزا ملے گی۔''

شکر کی حقیقت:

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کے مقدر میں رکھی گئی ہے اسے اللہ کی نعمت تصور کرے، سوائے ان چیزوں کے جو دین کے لئے نقصان کا باعث ہوں، ــــ اس لئے اپنے بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے حق میں نعمت ہے۔

○ ــــ چاہے وہ جلد سمجھ میں آجائے یا دیر سے،

○ ــــ چاہے ظاہری طور پر وہ تکلیف دہ ہو لیکن انجام کار وہ نعمت ثابت ہو۔

اس ظاہری تکلیف کی بدولت یا تو اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے، ــــ یا اس ظاہری تکلیف سے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا ہے، اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، ــــ لہٰذا انسان اگر یہ جان لے کہ اس کا مولیٰ اور رب اس کا اس سے زیادہ خیر خواہ ہے، اور اس کی بھلائیوں اور مفاد کو اس سے بہتر جانتا ہے تو سمجھ لو اس نے شکر کا حق ادا کیا۔

خوف کیا ہے؟

○ ــــ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حکمت کی بنیاد اور سرچشمہ اللہ کا خوف ہے۔''

○ ــــ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ حضرت داؤد (علیہ السلام) کی عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ بیمار ہیں حالانکہ انہیں بظاہر کوئی بیماری نہ تھی، ان کا عارضہ یہ تھا کہ انہیں اللہ کا خوف اور حیا دامن گیر تھی۔

www.waseemziyai.com

○ —— شیخ ابو عمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

''اپنے نفس سے ڈرنے والا اس شخص سے زیادہ ڈرنے والا ہے جو شیطان سے ڈرتا ہے۔''

○ —— ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ خائف وہ شخص نہیں جو خوف سے ڈرتا ہے، اور اپنی آنکھوں سے آنسو پونچتا ہے، —— بلکہ حقیقی معنوں میں خائف وہ ہے کہ جو اس چیز کو ترک کر دے جو اس کے لئے عذاب کا باعث ہو۔

○ —— مذکور ہے کہ خائف وہی ہے جو اللہ کے سوا کسی اور چیز سے نہ ڈرے، —— یعنی وہ اللہ کی بزرگی اور اس کے جاہ و جلال سے خوف کھائے، —— اور اپنے نفس سے خوف نہ کھائے کہ نفس سے خوف کھانا تو عذاب سے ڈرنا ہے۔

خوف کی فضیلت:

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خوف مذکر اور رجاء (امید) مونث ہے، —— ان دونوں کے ملنے سے ایمان کے حقائق کی پیدائش ہوتی ہے۔''

ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ○

''ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو، اور تمہیں یہ ہدایت فرمائی کہ اللہ سے ڈرو۔''

مذکور ہے کہ یہ آیت قرآن کریم کا قطب ہے، اور سب معاملات کا دارومدار اسی پر ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے جن نعمتوں کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے، وہ خائفین کے لئے یکجا بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً ہدایت، رحمت، علم، رضوان، —— وہ آیات یہ ہیں:

○ —— هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ○ (پارہ ۹، سورہ اعراف)

''ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

○ —— إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ○

''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اہلِ علم ہیں۔''

○ —— رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ○

''اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

○ —— شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''علم سے ایمان کا کمال ہے، —— اور خوف سے علم کا کمال ہے، —— ایمان علم سے اور خوف خدا شناسی سے حاصل ہوتا ہے۔''

○ —— حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''عاشق کو محبت کا جام اس وقت پلایا جاتا ہے، جب خوف اس کے دل کو پختہ اور مضبوط بنا دیتا ہے۔''

www.waseemziyai.com

○ — شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''جب تم سے کہا جائے: ''تم اللہ سے ڈرتے رہو'' — تو خاموش رہو، — کیونکہ جواب میں:

○ — اگر تم ''نہیں'' کہو گے تو کافر ہو جاؤ گے،

○ — اگر تم ''ہاں'' کہو گے تو جھوٹے کہلاؤ گے، تمہارا ہاں کہنا خوف کے ماروں کی مانند نہیں۔

رجاء (امید) کیا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے کہ قیامت کے دن ارشاد باری ہوگا:

''جس بندے کے دل میں ذرّہ برابر ایمان ہے، اسے دوزخ سے نکال دیا جائے۔''

پھر اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرمائے گا:

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں اس شخص کو جو دن یا رات کے کسی حصے میں ایمان لائے۔ میں اسے اس شخص کے برابر قرار نہیں دوں گا جو مجھ پر بالکل ایمان نہیں لایا۔''

ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''مخلوق کا حساب کتاب کون لے گا؟'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ!'' — اس اعرابی نے کہا:

''وہ بذاتِ خود حساب لے گا!'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں وہ بذاتِ خود حساب لے گا'' —

یہ سن کر وہ ہنس دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا:

''میرے ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ کرم کو جب اختیار حاصل ہو تو وہ معاف کر دیتا ہے، — اور جب وہ حساب لیتا ہے تو حساب میں درگزر فرماتا ہے۔''

خوف و رجاء ساتھ ساتھ:

○ — شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''رجاء کی علامت، حسنِ طاعت ہے۔''

○ — یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجاء یہ ہے کہ جلال کو جمال کی نظر سے دیکھا جائے، — دل کی نزدیکی و قربت اللہ تعالیٰ کی ملاطفت (نرمی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔

○ — شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خوف اور رجاء پرندے کے دو بازوؤں کی طرح ہیں، — دونوں بازو جب برابر ہوتے ہیں تو پرندہ اوپر چڑھتا ہے (اڑتا) اور اس کی پرواز درست ہوتی ہے۔''

www.waseemziyai.com

○ — شیخ ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

''متوقع کرم کے باعث دلوں کی امید کا نام رجاء ہے۔''

○ — شیخ مطرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مومن کے دل میں اگر خوف اور رجاء کا وزن کیا جائے تو دونوں کا وزن یکساں ہوگا۔''

○ — خوف و رجاء مومن کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہیں۔یعنی امید کے ساتھ خوف، اور خوف کے ساتھ امید کا ہونا لازم ہے، — اس لئے کہ خوف کا سبب ایمان ہے، اور ایمان ہی خوف اور امید کا سبب ہے۔اس لئے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت:

خوف کا سبب ایمان ہے، کے حوالے سے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کا ایسے خوف کرو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ، — اور خوف سے زیادہ اس سے (رحمت کی) امید رکھو۔''

ان کے بیٹے نے کہا:

''میں بھلا یہ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میرے سینے میں تو ایک دل ہے۔''

حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ مومن کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں، — ایک دل کے ذریعے وہ خائف رہتا ہے، اور دوسرے دل سے وہ امید رکھتا ہے، — اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا تعلق ایمان سے ہے۔''

توکّل کیا ہے؟

○ — شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قوت اور اختیار کو ترک کر دینے کا نام توکّل ہے۔''

○ — شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''توکّل یہ ہے کہ تم اللہ کے سامنے اس طرح رہو گویا کہ تمہارا کوئی وجود نہیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنی ابدی و ازلی صفات کے ساتھ تمہارے سامنے ہے۔''

○ — حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس قدر مقامات بیان ہوئے ہیں، ان میں توکّل کے سوا ہر ایک کا چہرہ اور پشت ہے۔توکّل کا صرف چہرہ ہے اس کی پشت نہیں ہے۔''

○ — کسی بزرگ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی اس توکّل سے مراد توکّل کفایت نہیں، توکّل عنایت ہے۔

www.waseemziyai.com

○ ـــ اللہ تعالیٰ نے توکّل کو ایمان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔جیسا کہ ارشاد فرمایا:

○ ـــ وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ○

''اگر تم مومن ہو تو اللہ پر ہی توکّل کرو۔''

○ ـــ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ○

''مومنوں کو تو صرف اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیئے۔''

○ ـــ ایک مقام پر اپنے حبیب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ○

''(اے پیغمبر!) اس زندہ ہستی پر بھروسہ کرو جسے موت نہیں۔''

○ ـــ شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''توکّل یہ ہے کہ نفس کی تدبیر چھوڑ دی جائے اور طاقت واختیار سے دستبردار ہو جائے۔''

○ ـــ شیخ ابوبکر الزقاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''توکّل اس چیز کا نام ہے کہ محض ایک دن کی (یعنی آج کی) روزی رکھی جائے، اور کل کی فکر نہ کی جائے۔''

○ ـــ شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''فقر وفاقہ کی سچائی اور خلوص کا نام توکّل ہے، اور توکّل اس کے مقاصد میں حائل نہ ہو، ـــ اور یہ کہ اس کا باطن فقر وفاقہ اور خلوص کو ایک لمحہ کے لئے بھی چھوڑ کر توکّل کی طرف دھیان نہ کرے۔''

○ ـــ ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا:

''اگر کسی کا خیال ہو کہ وہ توکّل کا حق ادا کرے، تو اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو ایک قبر کھود کر اس میں دفن کر دے، ـــ اور دنیا اور دنیا داروں کو فراموش کر دے۔ کیونکہ توکّل کی حقیقت اور اس کے کمال تک آج تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔''

○ ـــ شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''توکّل کے مقامات کا آغاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ اس طرح رہے جیسے غسل دینے والے کے ہاتھوں میں بے جان بدن ہو، وہ اس لاش کو جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے الٹ پلٹ کرتا ہے، اور وہ بے حس وحرکت پڑا رہتا ہے۔''

○ ـــ شیخ حمدون القصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''توکّل یہ ہے کہ اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا جائے۔''

○ ـــ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''علم کلّی طور پر عبادت و بندگی کا دروازہ ہے، ـــ بندگی سراپا ورع کا دروازہ ہے، ـــ اور ورع سراسر زُہد کا دروازہ

www.waseemziyai.com

ہے، ـــ اور زُہد مکمل طور پر توکّل کا ایک باب ہے۔''

کامل توکّل:

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تقویٰ اور یقین ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں اور توکّل اس ترازو کی زبان (ڈنڈی) ہے جس کے ذریعے کم یا زیادہ کا پتہ چلتا ہے۔''

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ توکّل اللہ کارساز کے علم کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جسے معرفت میں کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا توکّل بھی کامل ہو جاتا ہے، ـــ اور جس کا توکّل کامل ہو جاتا ہے۔ وہ مشاہدۂ وکیل (باری تعالیٰ) میں یوں مستغرق ہو جاتا ہے کہ پھر اسے اپنا توکّل دکھائی نہیں دیتا۔

نفسانیت اور توکّل:

علم و معرفت کے ذریعے منصفانہ تقسیم ہوتی ہے۔ ہر کسی کو اس کا حصہ عدل و انصاف کے ساتھ ملتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کی طرف نظریں اُٹھا کے دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نفس میں ابھی جہالت باقی ہے، ـــ اگر انہیں کسی ایسی چیز کا احساس ہو جائے جو ان کے توکّل میں خلل انداز ہو، اور اس سے توکّل میں خرابی آ رہی ہو تو جان لینا چاہئے کہ اس احساس کا مرکز نفس ہے۔ یعنی

- ـــ توکّل میں نقصان نفس کے ظہور کی وجہ سے ہوتا ہے، اور
- ـــ توکّل میں کمال نفسانیت کی فناء کے بعد ہوتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ روحانیت میں طاقتور ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے توکّل کی درستی میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ قلب کی مراد کو تقویت پہنچا کر نفس کو فنا کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح جب:

- ـــ نفس فنا ہو جاتا ہے تو جہالت کا مادہ بھی خود بخود فنا ہو جاتا ہے، اور
- ـــ توکّل اس طرح درست اور صحیح ہو جاتا ہے کہ بندۂ حق کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد نفسانیت کا بچا کھچا اثر اگر کچھ ترغیب دلاتا ہے تو ان کا ضمیر فوراً اس ارشاد باری پر غور و فکر کرنے لگتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ ۝

''اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے، اللہ کے سوا وہ جس کسی کو پکارتے ہیں۔''

بہر حال جب اللہ تعالیٰ کا وجود سارے موجودات پر غالب آ جاتا ہے تو وہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں اس کائنات کا اللہ کی ذات سے الگ ہو کر خود اپنا کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ ایسے موقع پر غیر شعوری طور پر توکّل کا صحیح مفہوم اس کی سمجھ میں آ جاتا ہے، ـــ اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کمزور روحانیت والوں کی طرح دنیا کے ظاہری ذرائع و اسباب ان کے پائیدار توکّل میں کمزوری نہیں لا سکتے جیسے کہ وہ کمزور روحانی طاقت والوں کے توکّل میں کمزوری لے آتے ہیں، ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر میں یہ ذرائع و اسباب بالکل

www.waseemziyai.com

بے جان اور مردہ ہیں، اور توکّل کے بغیر ان کا زندہ ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ خواص اہلِ معرفت کا یہی توکّل ہے۔

رضا کیا ہے؟

○ ـــ شیخ حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حکم الٰہی کے تحت قلب کے مطمئن ہو جانے کا نام رضا ہے۔''

○ ـــ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قسمت کے فیصلے پر دل کے خوش ہو جانے کا نام رضا ہے۔''

○ ـــ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی موجودگی میں کہا:

''اے اللہ! تو ہم سے راضی ہو جا'' ـــ یہ سن کر حضرت رابعہ بولیں:

''تمہیں اس بات پر ذرہ شرم نہیں آتی کہ تم اس کی رضا کے طالب ہو جس سے تم خود راضی نہیں ہو۔''

حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا:

''اللہ بندے سے کب خوش اور راضی ہوتا ہے؟''

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

''جب بندہ مصیبت پر اسی طرح خوش ہو جیسے وہ نعمت و راحت پر خوش ہوتا ہے۔''

رضا کی فضیلت:

○ ـــ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''رضا جب رضوان (خوشنودی) سے مل جاتی ہے تو کلّی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔''

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَطُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنَ مَاٰبٍ○

''لہٰذا انہیں خوش خبری ہو کہ ان کا یہ اچھا انجام ہوا۔''

○ ـــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایمان کا ذائقہ وہی چکھتا ہے جو اللہ سے، اسے اپنا رب جان کر راضی ہو۔''

○ ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے روح پیدا فرمائی، ـــ رضا اور یقین میں خوشی و شادمانی کو چھپا کے رکھا، ـــ اور رنج و غم کو شک اور غصے میں پوشیدہ فرما دیا۔''

○ ـــ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''دلوں تک پہنچانے والا صحیح علم رضا ہے، ــــ دل کو جب اس علم کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ رضا کو پالیتا ہے، ــــ رضا اور محبت، خوف و رجاء کی طرح نہیں بلکہ وہ ایسے دو روحانی حال ہیں جو بندے سے نہ دنیا میں جدا ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ ــــ جنت میں پہنچ کر بھی بندہ رضا اور محبت سے بے نیاز نہیں رہے گا۔''

○ ــــ شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''رضا کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے روز ازل سے جو کچھ مقرر کر دیا، اس کا دل اس پر مطمئن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لئے انتخاب کیا ہے، اس سے بہتر کوئی انتخاب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس پر راضی رہنا اور کسی قسم کی ناراضی و ناگواری کا اظہار نہ کرنا رضا ہے۔''

○ ــــ شیخ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس شخص کے دل میں دنیا کی کچھ بھی قدر و قیمت ہو، وہ اللہ کی رضا مندی حاصل نہیں کر سکتا۔''

مقربین بارگاہِ الٰہی کے پانچ اخلاق:

شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے پانچ اخلاق ہیں:

○ ــــ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی برضا رہنا، چاہے نفس کی کوئی بات پسند ہو یا نہ ہو۔

○ ــــ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، ○ ــــ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا،

○ ــــ اللہ کے سوا ہر ایک سے دور رہنا، ○ ــــ اللہ تعالیٰ سے مانوس ہونا۔

رضا کی اقسام:

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''راضی برضا شخص اپنی اوقات سے بڑھ کر کسی شے کی طلب نہیں رکھتا۔''

شیخ شمعون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (رضا کی کئی اقسام ہیں):

○ ــــ رضا بالحق بھی ہے، ○ ــــ رضا للحق، اور ○ ــــ رضا عن الحق بھی

○ ــــ رضا بالحق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے اختیار پر راضی ہو۔

○ ــــ رضا للحق یہ ہے کہ اللہ کے معبود اور پروردگار ہونے پر راضی ہو۔

○ ــــ رضا عن الحق یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کو تقسیم کرنے والا اور عطا کرنے والا مانے۔

راضی و ناراضی بیک وقت:

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ بندہ اپنے رب سے راضی بھی ہو اور ناراضی بھی۔''

www.waseemziyai.com

آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں! ایسا ممکن ہے، وہ اس طرح کہ بندہ اپنے رب سے تو راضی ہو، — لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے نفس اور ہر اس شخص سے ناراض ہو جو اسے اللہ سے الگ کرے۔“

مفاھیم رضا:

○ — حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) کا کہنا ہے:

”مجھے غنی ہونے سے فقیر رہنا زیادہ اچھا لگتا ہے، — اور میرے لئے بیماری صحت سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔“

آپ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، — میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے حسنِ انتخاب پر توکّل کرتا ہے، اسے اللہ کے عطا کردہ حال (قسمت، نصیب) سے بڑھ کر کسی اور چیز کی تمنا نہیں ہوتی۔“

○ — حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جو کوئی تسلیم و رضا کے فرش پر بیٹھا ہو، اسے اللہ کی طرف سے پہنچنے والی کوئی تکلیف، تکلیف نہیں لگتی، — اور جو سوال کرنے کی عادت بنالیتا ہے، وہ کسی حال میں بھی اللہ سے خوش نہیں رہتا۔“

○ — شیخ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”رضا کے حوالے سے سب باتیں دو بنیادوں پر مبنی ہیں:

○ — ایک تو یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے،

○ — دوسری یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ تمہارا طرزِ عمل کیسا ہے۔

تمہارا عمل یہ ہونا چاہئے کہ تم اللہ کے کئے پر راضی رہو اور اپنے کاموں میں خلوص اپناؤ۔“

○ — کسی بزرگ نے یہ ارشاد فرمایا:

”وہ اللہ کی رضا میں راضی ہے جسے اس بات کا غم نہیں کہ اسے دنیا سے کچھ نہیں ملا، — اور نہ ہی اشیاء کے ضیاع سے کبھی پشیمان ہوا۔“

مقام رضا تک رسائی:

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ بندۂ حق مقام رضا پر کب فائز ہوتا ہے، — آپ نے ارشاد فرمایا:

”جب وہ اپنے معاملات میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو: — وہ یہ کہے:

○ — الٰہی! تو جو کچھ مجھے عطا فرمادے، مجھے قبول ہے،

○ — اگر تو مجھے عطا نہ فرمائے تو میں اس پر بھی راضی ہوں،

www.waseemziyai.com

○ —اگر تو مجھے چھوڑ دے تو جب بھی میں تیرا بندہ ہوں،

○ —اگر تو مجھے قبول فرمالے تو میں ہر وقت حاضر ہوں۔

رضا کی اصل اور بنیاد:

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے شیخ جنید بغدادی کے سامنے ایک بار منہ سے نکل گیا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ —حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''تمہارا یہ لاحول پڑھنا تمہارے سینے کی تنگی پر دلالت کرتا ہے۔''

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''آپ نے بجا فرمایا۔''

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''سینے کی تنگی سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے ''رضا بالقضا'' کو ترک کر دیا ہے۔''

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں رضا کی اصل اور بنیاد کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قلب کو جب کشادگی اور انشراح میسر آئے تب رضا کا مقام حاصل ہوتا ہے، —قلب کا یہ انشراح اور کشادگی نور یقین سے میسر آتی ہے — ارشاد باری ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ○ (پ۲۳، سورہ زمر)

''اللہ نے جس کا سینہ (قبول) اسلام کے لئے کھول دیا ہے، اسے اپنے پروردگار کی طرف سے نور عطا ہوتا ہے۔''

نور باطن کے ذریعے جب سینہ کو وسعت ملتی ہے تو بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر کے کرشمے دیکھتا ہے۔ اس کے دل سے تنگی اور ناگواری و ناراضی دور ہو جاتے ہیں۔ سینے کی کشادگی کی بدولت وہ محبت کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور پھر عاشقِ صادق، محبوب کی ہر ادا کو نگہ التفات سے دیکھتا ہے، —وہ سمجھتا ہے کہ محبوب کا ہر فعل اس کی منشاء و مراد کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ محبوب کی رضا و اختیار کی لذت میں اپنے ارادے اور اختیار کو فنا کر دیتا ہے۔ اس کی اپنی پسند باقی نہیں رہتی، —جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا:

''محبوب کی ہر ادا من بھاتی ہے۔''

www.waseemziyai.com

باب نمبر ٦١:

روحانی احوال اور ان کی تشریحات

ایمان کی حلاوت کے ذرائع:

ہمارے شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں پائی جائیں تو وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے:

- — اللہ اور اس کا رسول اوروں سے زیادہ محبوب ہوں،
- — وہ کسی سے محض اللہ کے لئے محبت کرتا ہو،
- — اللہ نے جب اسے کفر سے نجات دی، تو وہ کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا سمجھے جتنا اسے خود کو آگ میں ڈالا جانا۔"

خالص محبت:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"الٰہی! تو اپنی محبت مجھے میری جان و مال، — اہل وعیال، — میری سماعت و بصارت، اور سرد پانی سے بھی زیادہ عطا فرما! —"

اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص محبت طلب فرمائی ہے، — خالص محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سراپا محبت بن کر محبت کرے۔ بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ روحانی علم کی تمام شرائط کے مطابق بندۂ حق اپنے روحانی حال میں مستغرق ہوتا ہے۔ لیکن اس کی فطرت اس کے علم کے خلاف باتوں کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی جو باتیں علم کو اچھی لگتی ہیں، اس کی فطرت اور جبلّت انہیں ناپسند کرتی ہے، — خالص محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ:

- — اپنے علم کی اتباع کرے،
- — اپنی جبلّی نافرمانی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنے ایمانی جذبے اور ایمانی حکم سے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے اور طبعی حکم کے تحت اہل وعیال سے محبت کرے۔

www.waseemziyai.com

محبت کے محرکات:

محبت کی متعدد وجوہ ہیں، ــــ اور انسان میں یہ محرکات گوناگوں اور رنگارنگ ہیں۔ مثلاً:

○ ــــ روح کی محبت، ○ ــــ قلب کی محبت،
○ ــــ نفس کی محبت، ○ ــــ عقل کی محبت

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جو اہل عیال، مال اور ٹھنڈے پانی وغیرہ کا ذکر فرمایا تو اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ذریعے ہر قسم کی محبت بے وجود ہو جائے تا کہ اللہ کی محبت سب پر حاوی ہو جائے۔ دل و جان سے اللہ کے ساتھ محبت کر کے سراپا محبت بن جائے۔

خواص کی محبت:

یہ پاک اور صاف محبت صرف خواص کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے نور سے طبعی و جبلی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ یہی محبت ذات ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے جبکہ روح نیاز مندی اور خلوص کے ساتھ مقامات قرب میں جاگزیں ہوتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ○

''وہ اس سے محبت کرتے ہیں، اور وہ ان سے محبت کرتا ہے۔''

شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح و تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''جس طرح خدا بذاتِ خود ان سے محبت کرتا ہے، اسی طرح وہ بھی بذات خود اس سے محبت کرتے ہیں،'' ــــ اس میں ضمیر کا مرجع ذات کی طرف راجع ہے، صفات و کمالات کی طرف نہیں۔''

عام محبت:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

''عاشقِ صادق کے لئے شرط یہ ہے کہ اس پر محبت کے سکرات طاری ہوں، ــــ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی محبت حقیقی نہیں۔''

اس طرح محبت کی دو قسمیں ٹھہرتی ہیں:

○ ــــ ایک محبت عام، ○ ــــ دوسری محبت خاص

عام محبت کی تشریح حکم کی تعمیل سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات عام محبت مرکز علم سے، نعمتوں اور احسانات کی بدولت صادر ہوتی ہے۔ ایسی محبت کا منبع و سرچشمہ صفات ہیں، ــــ

بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں سے ایک مقام قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ عام محبت وہ ہے جس میں انسان کی تدبیر اور کوشش کا عمل دخل ہو۔

www.waseemziyai.com

خاص محبت:

خاص محبت، ذات کی محبت کا نام ہے۔ جو مشاہدۂ روح سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی محبت میں سکرات طاری ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بندے پر خاص احسان اور عنایت ہے۔ اس محبت کا تعلق احوال سے ہے۔ یعنی یہ ایک طرح سے حال ہے کیونکہ یہ محض عطیۂ الٰہی ہے۔ اس محبت میں بندے کی تدبیر اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا دعا کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ یہ کلام روح کی اس وجدانی کیفیت کی بدولت ہے جو محبتِ ذات سے مستفید ہے، — بلکہ یہ خاص محبت روح ہے اور اس روح کا قالب وہ محبت ہے جو صفاتِ الٰہی کے مطلع سے ظاہر ہوتی ہے، اور ایمان کے سرچشمہ سے پھوٹتی ہے۔

خاص محبت جب صحیح طرح سے رونما ہو جائے تو اس وقت یہ حضرات ارشاد باری: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ — ''مومنوں سے عاجزی اختیار کرتے ہیں'' — اس لئے کہ عاشقِ صادق، محبوب اور اس کے پسندیدہ لوگوں کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے، اور یہ کہتا ہے:

''ہزار آنکھوں کی جاں نثاری کے باعث ایک آنکھ کو زندگی ملتی ہے، اور ایک محبوب کے اکرام کے لئے ہزاروں لوگوں کی تعظیم کرنا پڑتی ہے۔''

یعنی وہ خالص محبت ہے جو ویسے ہی سب روحانی احوال کی بنیاد اور ان کا باعث ہے، جیسے توبہ روحانی مقامات کی اصل اور بنیاد ہے، — جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص توبہ کو مکمل طور پر درست کر لے تو اس کے لئے زُہد، رضا اور توکّل کے مقامات حاصل کرنا ممکن ہے، — اسی طرح جس بندۂ حق کی خاص محبت نقص سے پاک ہے، وہ فناء و بقاء اور صحو و محو کے سب روحانی احوال کو حاصل کر سکتا ہے، — خاص محبت کے لئے توبہ ایک بدن کی مانند ہے کیونکہ اس میں وہ عام محبت بھی شامل ہے جو اس محبت کے لئے قالب ہے۔

محبوبوں کا طریقہ:

جو کوئی محبوبوں کا طریقہ اختیار کرے جو راہ محبت کا ایک خاص طریقہ ہے۔ اسے روحانی کمال حاصل ہوگا۔ عام محبت جو توبۃ النصوح (سچی توبہ) کے قالب پر مشتمل ہے، خاص محبت کی روح اس قالب میں جمع ہو جائے گی، — بندۂ حق جب یہ طریقہ مکمل کر لے گا تو پھر وہ روحانی مقامات کی مختلف صورتوں میں تبدیل نہیں ہوگا کیونکہ روحانی مقامات کا مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتے رہنا، اور ایک مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام پر پہنچنا، ان عاشقوں اور مجاہدوں کا طریقہ ہے جنھوں نے اس راہ میں آغاز کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ — وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۝

''جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، انہیں ہم اپنی راہ دکھاتے ہیں۔''

○ — وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۝ (پارہ ۲۵، سورہ شوریٰ)

www.waseemziyai.com

''جواس کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ اسے ہدایت دیتا ہے۔''

اس آیت میں عاشقِ صادق کے حق کی طرف رجوع کرنے کو ہدایت کا اصل ذریعہ اور سبب بتایا گیا ہے، اور محبوب کے حق میں یہ صراحت فرمائی ہے:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ○

''اللہ جسے چاہے برگزیدہ کرلے۔''

اس ارشاد میں کوشش اور تدبیر کو برگزیدہ کرنے کی وجہ اور سبب نہیں بتایا گیا۔

محبوبوں کے طریقہ کا کمال:

جو محبوبوں کے طریقے کو اختیار کرتا ہے وہ روحانی مقامات کی سب تبدیلیوں کو سمیٹ لیتا ہے، بالفاظ دیگر روحانی مقامات کے مختلف اطوار کے مراحل طے کرلیتا ہے۔— روحانی مقامات کے سب اوصاف بھی اسے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ مقامات اس کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے کہ بندۂ حق روحانی مقامات کے سب اوصاف کو نکال کر اپنا لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں خاص محبت کے انوار و تجلیات ہوتی ہیں۔ وہ تمام نفسانی اوصاف کے ساتھ نفس کا لباس اتار دیتا ہے۔ آگے چل کر روحانی مقامات جن نفسانی اوصاف کی اصلاح کرتے ہیں۔ جس طرح کہ زُہد اسے نفسانی رغبت سے پاک وصاف کرتا ہے۔ اور توکل نفس کی جہالت سے پیدا ہونے والے اس اعتماد کو بحال کرتا ہے۔ اور رضا، کشمکش اور منازعت کی رگوں کو بھڑکنے سے باز رکھتی ہے۔ یہ کشمکش اور منازعت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ نفس میں اس وقت تک جمود باقی رہے جب تک خاص محبت کا آفتاب روشن ہو کر اس جمود اور اس کی ظلمت کو دور نہ کردے۔ اس طرح اس وقت تک نفس جمود اور ظلمت میں رہتا ہے۔

خاص محبت کے نتائج:

خاص محبت جب کمال کو پہنچتی ہے تو نفس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے، اس کا جمود ختم ہو جاتا ہے،— چنانچہ اس موقع پر:

○ — زُہد اس کی نفسانی رغبت کو کس طرح دور کرسکتا ہے جبکہ خاص محبت کی رغبت نے اس کی سب نفسانی رغبتیں جلا ڈالی ہوں۔

○ — اس طرح توکل کیا اصلاح کرے گا جبکہ خدائے کارساز (وکیل) کے مشاہدے نے اس میں بصیرت پیدا کردی ہو۔

○ — کشمکش اور منازعت کی رگوں کو رضا سے کیا سکون ملے گا جبکہ اس کا سراپا ہی صحیح و درست نہ ہو۔

○ — شیخ رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب تک تم اپنی ہستی سے باہر نہیں نکلو گے، تب تک تم محبت کی سرحد میں داخل نہیں ہو سکتے۔''

○ — شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جسے کسی کی محبت قتل کردے، اس کا خون بہا (فدیہ) یہ ہے کہ وہ اپنے اس محبوب کا جلوہ دیکھ لے،— اور جسے کسی کا عشق قتل کردے۔ اس کا خون بہا (فدیہ) یہ ہے کہ اس کا محبوب اسے (اپنے عاشق کو) اپنا ہم نشین بنائے۔''

www.waseemziyai.com

بہر حال روحانی مقامات کے اطوار کی سیر عام عاشقوں کا طریقہ ہے، ـــــ اوران اطوار کی بساط کو لپیٹ دینا خاص عاشقوں کا شیوہ ہے، ـــــ یہی وہ محبوبین ہیں جن کے بلند عزائم روحانی مقامات کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ روحانی مقامات چاہے آسمانوں کی بلندیوں کو ہی کیوں نہ چھو رہے ہوں، ـــــ یہ روحانی مقامات ان لوگوں کی منزلیں ہیں جو اپنی ہستی کے بچے کھچے آثار کے دامنوں سے الجھ الجھ کر گرے پڑتے ہیں۔

ایک شیخ محترم نے شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ تصوف نے آپ کو کہاں تک پہنچا دیا ہے؟ ـــــ فرمایا ''توکل تک!'' ـــــ یہ سن کر شیخ محترم نے فرمایا:

''ابھی تم تو اپنے باطن کو آباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو، ـــــ اور ابھی اس منزل سے بہت دور ہو جہاں توکل میں فنا ہو کر خدائے کارساز (وکیل) کا مشاہدہ کرسکو۔''

نفس اور زاہد کی کشمکش:

اپنی صفت کو برقرار رکھتے ہوئے نفس جب زُہد کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو زاہد اسے اپنے زُہد کی وجہ سے پھر اسی دائرے میں لوٹا دیتا ہے، ـــــ اسی طرح متوکل کا نفس جب حرکت کر کے نکلنے کی سعی کرتا ہے، ـــــ یا راضی برضا کا نفس جب متحرک ہوتا ہے تو اسے اس کے دائرے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ نفس کی یہ حرکتیں وجود کے بچے کھچے آثار ہیں جن کی اصلاح علم کی محتاج ہے۔

ایسی صورت میں روح کا وجود، قرب کی نسیم سے دور ہی دور سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ جس کا جس قدر علم ہوتا ہے، وہ اسی قدر بندگی کا حق ادا کرتا ہے، اور اس کی کوشش وجد وجہد بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے، ـــــ لیکن محبت کے اطوار میں تبدیل ہوتے رہنے کا خاص طریقہ جو بھی اختیار کرتا ہے، وہ وجود کے بچے کھچے آثار سے فضل الٰہی کی تجلیّات میں روپوش ہو جاتا ہے اور اپنی جان چھڑا لیتا ہے، ـــــ لیکن جو کوئی اہلِ قرب کے نور کا لباس پہن لیتا ہے۔ اس کی روح اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسے حوادث وانقلاب سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون کر دیتی ہے، پھر:

- ـــــ نہ کسی چیز کی طلب نہ اسے پریشان کرتی ہے،
- ـــــ نہ کسی چیز کا ضیاع اسے پریشان کرتا ہے۔

پھر یہ ہوتا ہے کہ مقامات زُہد وتوکل ورضا اس کے اندر موجود ہوتے ہیں لیکن وہ بذاتِ خود ان کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ یعنی

- ـــــ وہ جس حال میں بھی زندگی بسر کرے وہ حقیقی معنوں میں زاہد ہے۔
- ـــــ دنیا کی طرف اگر کبھی اس کی رغبت ہوگی تو وہ اس کے اپنے نفس کے لئے نہیں ہوگی۔ یہ رغبت محض اللہ کے لئے ہوگی۔
- ـــــ وہ کبھی اگر ظاہری اسباب کی طرف متوجہ ہو بھی جائے تب بھی وہ متوکل ہی رہے گا۔
- ـــــ اور اس کے اندر کبھی کراہیت کا جذبہ بھی اگر نظر آئے تو بھی وہ راضی برضا ہی رہے گا۔ کیونکہ اس کی کراہیت نفس کے لئے

www.waseemziyai.com

ہے، جبکہ اس کا نفس حق کے لئے ہے اور یہ کراہیت بھی حق کے لئے ہے۔

بہر حال اس کے اس حال پر پہنچنے کے بعد اسے اس کا نفس اپنی تمام پر خواہشوں اور صفات کے ساتھ لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس کی پاکیزہ صفات عطیہ خداوندی بن کر اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اس موقع پر اس کا درد اس کی دوا اور اس کا دکھ اس کی شفا بن جاتا ہے۔ اور اب مولیٰ کی طلب ہی اس کے لئے زُہد و توکل و رضا کے روحانی مقامات کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔

محبت کی حقیقت:

○ — حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

''اللہ کے عاشق کی آہ و فغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے محبوب تک رسائی نہ پا جائے۔''

○ — شیخ ابو عبد اللہ القرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنا سب کچھ اپنے محبوب پر قربان کر دو، اور تمہارے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے۔''

○ — شیخ ابو الحسین الوراق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''اللہ کی شدید محبت سے ایک خاص سرور حاصل ہوتا ہے، — صرف یہی نہیں بلکہ دل میں محبت اس آگ کی طرح ہے جو ہر نجاست کو جلا ڈالتی ہے۔''

○ — شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر سے زیادہ سخت ہے، اور کس قدر حیرت کی بات کہ انسان اپنے محبوب سے کیوں کر صبر کر سکتا ہے۔''

○ — ایک بزرگ کا ارشاد مذکور ہے:

''جو حرام چیزوں اور گناہوں سے پرہیز نہ کرے اور اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے، وہ سب سے بڑا جھوٹا ہے، — اور جو اپنی گرہ سے کچھ خرچ کئے بغیر جنت کی محبت کا دعویٰ کرے، وہ بھی جھوٹا ہے، — اور جو فقراء و مساکین سے محبت نہ کرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرے، وہ بھی جھوٹا ہے۔''

○ — حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں، مفہوم یہ ہے:

○ — ''اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہو اور اس کی نافرمانیاں بھی کرتے ہو، یہ کس قدر تعجب اور حیرت کی بات ہے'' (یعنی محبت نہیں منافقت ہے، — یک رنگی نہیں دو رنگی ہے)

○ — اگر تمہاری محبت واقعی سچی ہوتی تو یقیناً تم اس کی اطاعت کرتے، کیونکہ عاشق تو ہمیشہ اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔''

روحانیت کے بنیادی معیار اور محبت:

روحانی احوال کے لئے محبت وہی بنیادی حیثیت رکھتی ہے روحانی مقامات کے لئے جو حیثیت توبہ کی ہے۔ چنانچہ

www.waseemziyai.com

○ — جس کسی کو روحانی حال کا دعویٰ ہو اس کی محبت کو پرکھا جائے،

○ — جس کسی کو محبت کا دعویٰ ہو اس کی توبہ پر غور کیا جائے،

کیونکہ توبہ محبت کی روح کا قالب ہے۔ اور اسی پر اس کا دارومدار ہے۔ اسی لئے سب روحانی احوال جو اعراض (غیر مستقل اشیاء) ہیں، وہ روح کے جوہر کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔

○ — شیخ سمنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ سے محبت کرنے والے دنیا و آخرت کا سارا شرف سمیٹ لے گئے، — اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔'' لہٰذا عاشقانِ الٰہی، اللہ کے ساتھ ہیں۔''

○ — شیخ ابو یعقوب السوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''صحیح محبت تب ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے جب محبت کے مشاہدے سے نکل کر محبوب کے مشاہدہ کے دائرہ میں آ جاؤ، — یہ تب ہی ممکن ہے کہ محبت کا علم فنا ہو جائے اور محبوب غائب ہو اور اس کا تعلق محبت سے نہ رہے۔ محب جب اس طرح محبت کی قید سے نکل جاتا ہے تو اس وقت وہ بغیر محبت کے عاشق ہوتا ہے۔''

محبوب کے رنگ میں رنگ جانا:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جب محبت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''محبت یہ ہے کہ عاشق اپنی صفات کو چھوڑ کر محبوب کی صفات میں رنگ جائے۔''

حدیث قدسی میں ارشاد الٰہی کا یہی معنی و مفہوم ہے:

''جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت اور بینائی بن جاتا ہوں۔''

محبت کی کشش:

محبت جب صفا اور کمال کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اپنے تمام تر اوصاف و صفات کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف مائل ہوتی ہے، — لیکن جب وہ جدوجہد کی انتہا تک پہنچتی ہے تو ٹھہراؤ کرتی ہے۔ اس محبت کی دستگیری کرتی ہے جو سچی محبت اور انتہائی جدوجہد کے باوجود اپنے مقصد کو نہیں پا سکا۔ اس موقع پر محبت ہمدردی کے طور پر محبوب کی صفات اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور محبوب کی صفات کو خود میں سمو کر اس کے فوائد حاصل کرتا ہے، اور یہ گنگنانے لگتا ہے۔ اشعار کا مفہوم یہ ہے:

○ — ''دوئی کوئی نہیں رہی، دونوں یکجان ہو گئے ہیں، بظاہر دو روحیں تھیں مگر ایک تن میں سما گئی ہیں۔

○ — یکجائی سے ہر وصف یکجا ہو گیا ہے، اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہے، میرا دیکھنا اس کا دیکھنا ہو گیا ہے۔''

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، دراصل رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان عالی شان کی تصریح ہے:

''تم اللہ کے اخلاق اختیار کرو۔''

www.waseemziyai.com

بہر حال نفس جب پاکیزہ ہو جاتا ہے تو اس میں کمال تزکیہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں محبتِ الٰہی کی اہلیت اجاگر ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے قانون قدرت کے مطابق اپنے چاہنے والوں کا تزکیۂ نفس، توفیق اور غیبی امداد کے ذریعے کرتا ہے، — چنانچہ کمال طہارت سے ان کا نفس جب پاکیزہ ہو جاتا ہے تو وہ محبت کی کشش سے روح کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اور اسے اپنی صفات و اخلاق کا پہناوا پہنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ مرتبہ وصول کو پالیتا ہے۔

○ — کبھی عاشق کا شوق اس مرتبۂ وصول سے بھی آگے کی چیزیں طلب کرتا ہے۔

اس لئے کہ عنایاتِ الٰہی کی کوئی حدو شمار نہیں۔

○ — کبھی وہ اسی موجودہ عطایاتِ الٰہی پر ہی اکتفا کر لیتا ہے۔

اس وقت اس کی آتش شوق ماند پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ اسی ذوق وشوق سے حاصل ہونے والی صفات کی بدولت اسی مرتبۂ وصول پر جاگزیں رہتا ہے، — ورنہ اگر یہ ذوق وشوق رغبت نہ دلاتا تو محبّ کو اس درجہ ومرتبہ سے الٹے پاؤں واپس ہونا پڑتا۔ پھر اس کے نفس کی صفات باردگر (دوبارہ) ظاہر ہو کر محبّ اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتیں۔

مرتبۂ وصول کا جو معنی و مفہوم ہم نے بیان کیا ہے، اگر کوئی اس کے برعکس اس کے معانی مراد لیتا ہے، اور اس کے پیشِ نظر کوئی اور نظریہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ وہ عیسائیوں کے نظریۂ لاہوت و ناسوت سے متاثر ہے، اور اسی کو درست جانتا ہے۔

نورِ یقین اور اس کا غلبہ:

استغراق وفنا کے مسئلے پر سب مشائخ کرام کا اتفاق ہے۔ بہ تغیر الفاظ ان کا کہنا ہے:

"مقامِ محبت، نورِ یقین کے غلبہ سے حاصل ہوتا ہے۔"

جب رہی سہی کج روی سے نفس پاک وصاف ہو جائے تو اس وقت قلب پر ذکر کے اثر کے باعث حق الیقین کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور نفس کی باقی ماندہ صفاتی آلائشوں سے انسان پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ پھر محبت کے صحیح ہونے کے بعد اس پر روحانی احوال مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

محبت کی سوزش:

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے محبت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"محبت شراب کا ایک ایسا جام ہے کہ اگر اس کا حواس پر اثر ہو جائے تو ان میں سوزش واقع ہو جاتی ہے، — اگر وہ نفوس میں جاگزیں ہو جائے تو وہ نیست ونابود ہو جائیں۔"

محبت کا ظاہر و باطن:

مذکور ہے کہ محبت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، — اس کا ظاہر تو محبوب کی رضا چاہنا ہے، — اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ محبوب پر یوں فریفتہ ہو کہ اسے محبوب کے سوا کسی اور چیز کا ہوش نہ رہے، اور نہ دوسروں سے اس کا کچھ تعلق رہے، اور نہ اپنی ذات

www.waseemziyai.com

سے کچھ واسطہ رہے۔

شوق واشتیاق محبت کا اعلیٰ ترین جذبہ ہے۔ عاشقِ صادق اس جذبے سے ہمیشہ مالا مال ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت چونکہ بے انتہا ہے، اس لئے عاشقِ صادق جب کسی روحانی حالت سے سرفراز ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالت ناقص ہے اور آئندہ آنے والی حالت زیادہ مکمل ہے۔ شاعر کہتا ہے: (مفہوم یہ ہے)

''میرا غم اور تیرا حسن دونوں کی کوئی انتہا نہیں، قدرت نے گویا انہیں ایک ہی منزل پہ لا کھڑا کیا ہے۔''

دل میں محبت کا جو شوق پیدا ہوتا ہے وہ کسی کوشش اور تدبیر کے باعث نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے جو اللہ کے خاص چاہنے والوں کے لئے خاص ہے۔

اہل محبت کے لئے مژدہ و بشارت:

شیخ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ انہیں روتے ہوئے پایا۔ میں نے دریافت کیا کہ ''آپ کیوں رو رہے ہیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے،'' — انہوں نے ارشاد فرمایا:

''اے احمد! — جب رات چھا جاتی ہے تو اہلِ محبت کے قدم بچھ جاتے ہیں، اور ان کے گالوں پر آنسو بہنے لگتے ہیں، — اس پر اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے:

''جو میرے کلام سے لذت یاب ہوئے ہیں وہ لوگ میرے سامنے ہیں اور میری مناجات سے سکون پاتے ہیں، — میں ان کی تنہائی کے گوشوں کے بارے میں جانتا ہوں اور میں ان کی آہ وفغاں کو سنتا ہوں، — اے جبرئیل! (علیہ السلام) ان میں اعلان کر دو کہ میں تمہیں یہ روتے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں، — کیا تمہیں کسی مخبر نے بتایا ہے کہ کوئی محبوب اپنے چاہنے والوں کو آگ میں جلاتا ہے۔ پھر میرے لائق کس طرح سے ہے کہ میں انہیں عذاب میں ڈالوں گا کہ جب رات بھیگ جاتی ہے تو یہ لوگ میری خوشامد کرتے ہیں، — میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو میں انہیں اپنا دیدار کراؤں گا اور جنت کے باغات ان کے لئے وقف کردوں گا۔''

اہلِ شوق ومحبت:

یہ ان سچے چاہنے والوں کا حال ہے جو مقامِ شوق پر سرفراز ہیں، — ذوق وشوق کا محبت میں وہی درجہ اور مقام ہے جو توبہ میں زُہد کا درجہ مقام ہے، — توبہ جب درست ہو جاتی ہے تو زُہد ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح جب محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو شوق ظاہر ہوتا ہے، — ارشاد باری ہے:

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ (پ ۱۶، سورہ طٰہ)

''(حضرت) موسیٰ نے کہا: ''وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے ہیں، — اے رب! میں جلدی سے تیری طرف آیا ہوں تاکہ تو راضی ہو جائے۔''

www.waseemziyai.com

○ ــــ اس آیت کی تفسیر وتشریح میں شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس آیت سے محبت کا ذوق وشوق اور دوسری چیزوں سے گریز اور حقارت کا یہ جذبہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ سے ہم کلام ہونے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ انہوں نے تورات کی تختیاں بھی اس لئے پھینک دیں کہ کہیں ہمکلامی کا موقع نہ ہاتھ سے جاتا رہے۔''

○ ــــ شیخ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

''شوق، محبت کا حاصل ہے، ــــ جسے اللہ سے محبت ہوتی ہے، اس کے دل میں ملنے کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے'' ــــ ارشاد باری ہے: فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ○ ''بے شک اللہ کی مدت ضرور آنے والی ہے'' ــــ اس ارشاد باری کا مطلب یہ ہے کہ میرے علم میں ہے کہ تم پر میرے دیدار کا شوق غالب ہے، اس لئے میں نے تمہاری ملاقات کے لئے ایک وقت طے کر دیا ہے، اور جلد ہی تم اس کے ہاں پہنچ جاؤ گے جس سے ملنے کا تمہیں شوق ہے۔''

○ ــــ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شوق ایک اعلیٰ درجہ اور اعلیٰ مقام ہے، ــــ انسان جب اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر ملاقات کے شوق میں موت کی تاخیر کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔''

شوق کا ایک اور مفہوم:

میری رائے یہ ہے کہ دنیا میں روحانی مراتب کے حصول کے لئے اہلِ محبت جس شوق کا اظہار کرتے ہیں، وہ اس شوق سے قطعی مختلف ہے جس میں مرنے کے بعد اللہ کے دیدار کی امید پائی جاتی ہے، ــــ اللہ تعالیٰ محبت کرنے والوں کو دنیا میں ہی وہ نعمتیں عطا فرما دیتا ہے جن کا روح سے تعلق ہے، اور جنہیں وہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ طلب کرتے ہیں، اور وہ یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ بلکہ اس موقع پر ان کا ذوق وشوق علم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ مقامِ شوق پر پہنچنے والا موت کی تاخیر برا سمجھنے لگے۔ بلکہ اکثر ہوش مند عشاق محض اللہ کے لئے دنیاوی زندگی سے لطف اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ (پ ۸، سورہ انعام)

''اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری جینا اور میرا مرنا فقط اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کو پالنے والا ہے۔''

جو اللہ کے لئے زندہ ہے۔ اللہ اسے مناجات اور محبت کی لذت عطا فرماتا ہے، اس کی حقیقت آشنا آنکھ اس نورانی دولت سے مالا مال ہو جاتی ہے، ــــ اس کے بعد وہ دنیا میں اسے ایسی روحانی نعمتیں بھی عطا فرماتا ہے جو مقامِ شوق پر سرفراز ہونے کے بعد عطا کی جاتی ہیں۔ اور شوق کی اس زندگی سے موت کے بعد کی زندگی سے ان کا کسی طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔

www.waseemziyai.com

مقامِ شوق سے انکار:

ایک بزرگ نے مقامِ شوق کا مطلق انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ شوق تو اس چیز کا ہوتا ہے جو غائب ہو۔ (مشاہدے اور معرفت کی حالت میں) ایک دوست اپنے دوست سے غائب ہی نہیں ہوتا، پھر شوق کا کیا سوال! ——

شیخ انطا کی رحمۃ اللہ علیہ سے جب شوق کی حقیقت کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

"شوق تو غائب کا ہوتا ہے، —— اور جب سے میں نے اسے پایا ہے، اس سے غائب ہی نہیں ہوا، پھر شوق کیسا؟"

میرے خیال میں شوق کے بالکل انکار کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ روحانی نعمتوں اور عنایتوں جو قربِ الٰہی کی نشانیاں ہیں، جب غیر محدود ہوں تو ایسی صورت میں محبت کے شوق کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے، —— لیکن جہاں تک وجود کی نسبت کا تعلق ہے، وہ (محبوب حقیقی) نہ تو غائب ہے اور نہ مشتاق، البتہ طالبِ حق ضرور ان مراتب کا مشتاق ہے جو قرب کی علامتوں میں غیر موجود ہیں، —— جب اسے وہ چیزیں دکھائی نہ دیں تو ان کے لئے اس میں شوق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے شوق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جذبۂ شوق کی ایک اور وجہ:

اس جذبۂ شوق کے پیدا ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ انسان میں بہ تقاضائے بشریت وطبیعت و جہالت کئی ایسی باتیں ہیں جو علم کے معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ اس لئے روحانی حال انہیں اپنے معیار پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی چیزوں کا وجود شوق کی آگ کو ہوا دیتا ہے، —— کیونکہ شوق ایک ایسا باطنی مطالبہ ہے جو قرب کی ادنیٰ و اعلیٰ منازل تک رسائی کے لئے ترغیب دیتا ہے، —— راہ حقیقت میں یہ طلب اور تڑپ سچے عاشقوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس لئے جذبۂ شوق جب پیدا ہو گیا تو پھر انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

شوق کی اہمیّت:

○ —— اہلِ تصوف میں سے بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مشاہدے اور دیدار کا شوق، دوری اور جدائی کے شوق سے زیادہ شدید ہوتا ہے، —— جدائی کے عالم میں تو صرف دیدار کا شوق ہوتا ہے، لیکن دیدار اور مشاہدے کے عالم میں محبّ، محبوب کے فضل وکرم کا مشتاق ہوتا ہے، —— یہ خیال میرے مطابق سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

○ —— شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اہلِ شوق کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں، —— جذبۂ شوق سے جب ان میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو ان سے جو نور پھوٹتا ہے، اس نور سے مشرق ومغرب کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب جگمگا اٹھتا ہے، —— اس وقت اللہ تعالیٰ اہلِ شوق کو فرشتوں کے سامنے لاکر فرماتا ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں، —— اے فرشتو! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔"

○ —— شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

"اللہ تعالیٰ اگر اہلِ جنت کو اپنے دیدار سے محروم کردے تو اہلِ جنت، جنت میں جانے کے خلاف ویسے ہی فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں جانے سے پناہ مانگتے ہیں" — (یعنی مشاہدے و دیدار کے بغیر جنت میں ان کے لئے کوئی دلچسپی یا کشش نہیں)

○ — شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ سے شوق کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ شوق کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا:

"شوق، دل کی آگ اور جگر کی سوزش ہے، — قرب کے بعد جدائی سے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا نام شوق ہے۔"

○ — کسی شیخ طریقت سے کسی نے پوچھا کہ شوق اعلیٰ ہے یا محبت! — انہوں نے فرمایا:

"محبت اعلیٰ ہے، — کیونکہ شوق محبت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صاحبِ شوق وہی ہوتا ہے جس پر محبت کا غلبہ ہو، — لہٰذا محبت اصل اور بنیاد ہے اور شوق اس کی شاخ۔"

مقامِ شوق و مقامِ اشتیاق:

شیخ نصر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"(مقامِ شوق اور مقامِ اشتیاق میں فرق یہ ہے کہ) مقامِ شوق تو ساری مخلوق کے لئے ہے، — لیکن مقامِ اشتیاق پر ہر شخص فائز نہیں ہوسکتا۔ — جو کوئی مقامِ اشتیاق میں داخل ہو گیا تو پھر وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔"

اُنس کیا ہے؟

○ — اُنس بھی ایک روحانی حال ہے، — حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اُنس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"رعب اور ہیبت کو برقرار رکھتے ہوئے حشمت (تکلف) کو اُٹھا دیا جائے۔"

○ — حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے اُنس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"عاشق اور معشوق کے درمیان تکلف نہ رہے۔"

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی:

اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ۝

"الٰہی! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔"

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ۝

"الٰہی! مجھے اپنا جلوہ دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

www.waseemziyai.com

○ — شیخ ردیم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار اسی مفہوم کو بیان کرتے ہیں:

○ — اے دوست! تونے اپنی یاد میں میرا دل لگا دیا ہے، اب ساری عمر تیرے خیال ہی میں گزرے گی۔"

○ — اپنی محبت سے تونے مجھے اس قدر مانوس کر دیا ہے، ساری خلقت سے اب میرے دل کو وحشت محسوس ہوتی ہے۔"

○ — تیری باتیں تیری یادیں تیرا ذکر میرے مونس و غم خوار ہیں، انہی کے ذریعے اب مجھے تیری طرف سے کامیابی کی بشارت سنائی دیتی ہے۔"

○ — "میں جس حال میں جہاں بھی ہوں، اے میرے ارادوں کے مالک! میری نظریں ہر وقت تیری ہی طرف لگی رہتی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے اُنس:

○ — روایت ہے کہ مطرف بن الشخیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا:

"تم ہمیشہ اللہ سے انس رکھو، اور فقط اسی کے ہو رہو۔ — اللہ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اپنی تنہائیوں میں انسانوں سے زیادہ اللہ سے مانوس ہوتے ہیں، — اور جن چیزوں سے لوگوں کو زیادہ وحشت ہوتی ہے، وہ انہی چیزوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ — اور جن چیزوں سے لوگ زیادہ مانوس ہوتے ہیں، انہیں ان چیزوں سے سب سے زیادہ وحشت ہوتی ہے۔"

○ — شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص کائنات سے بیزار نہ ہو وہ مقام انس تک نہیں پہنچ سکتا۔"

○ — شیخ ابوالحسین الوراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جو اللہ تعالیٰ سے انس رکھنے والا ہے وہی اس کی تعظیم بھی کرتا ہے۔ عام مانوس چیزوں کی تعظیم اور ہیبت اس کے دل سے جاتی رہتی ہے، — لیکن اللہ کی ذات ایسی ہے کہ تم اس سے جس قدر انس کرتے جاؤ گے، دل میں اس کی عظمت و ہیبت اسی قدر بڑھتی جائے گی۔"

○ — حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ارشاد ہے:

"ہر محبت کرنے والا فرماں بردار ہوتا ہے" — پھر یہ اشعار پڑھے:

○ — "میں دل ہی دل میں تجھ سے باتیں کرتی ہوں، اے ہم نشین چاہے میرا بدن تیرے پاس ہو۔"

○ — میرا بدن گرچہ میرے ہم نشین کے قرب میں ہوتا ہے، لیکن میرے دل کا ساتھی میرا اپنا ہے کوئی غیر نہیں۔"

○ — حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو مخلوق سے ہم کلام ہونا چھوڑ کر اللہ سے ہم کلام ہونے سے مانوس نہ ہو، اس کا علم کم ہو جاتا ہے، — اس کے دل کی بصارت جاتی رہتی ہے، اور عمر برباد ہوتی ہے۔"

○ — ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا: "گھر میں آپ کے ساتھ کون ہے؟" — فرمایا:

www.waseemziyai.com

"اللہ میرے ساتھ ہے، اور مجھے اللہ کے انس سے کبھی وحشت نہیں ہوئی۔"

○ —— شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انس یہ ہے کہ ارواح مجالس قرب میں پہنچ کر محبوب سے ہم کلام ہوں۔"

محبت کی تازگی اور حقیقت توحید:

ایک عارف کامل نے اہلِ محبت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محبت ہر لحہ ان سے پیوستہ ہو کر تازہ ہو گئی ہے بلکہ اس نے ان محبت کرنے والوں کو حقیقی سکون کے ساتھ اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ پھر یہ ہوا کہ ان کے دل فریاد کرنے لگے اور روحیں شوق میں لگ گئیں۔

ان لوگوں کی یہ محبت اور شوق، حق کی طرف سے حقیقت توحید کی طرف ایک اشارہ ہے جو "الوجود باللہ" کہلاتا ہے۔ اس وقت ان کی سب تمنائیں اور امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اگر سب پیغمبروں کو یہ حکم دیتا کہ جو بھی مانگنا چاہو وہ مانگ لو، —— تو بھی یہ صاحبان وہ چیزیں نہ مانگتے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل کے ذریعے روزِ ازل سے ان کے لئے مخصوص کر دی ہیں، —— چونکہ انہیں اللہ کی معرفت خاصل ہے، اس لئے ان کی ساری توجہ اسی کی ذات پر مرکوز و مبذول رہتی ہے، —— عام بندگانِ خدا ان پر اس لئے شرک کرتے ہیں کہ ان کے دلوں سے سب دنیاوی تفکرات اور خواہشیں نکال دی گئی ہیں، ——

یہاں مذکور اشعار کا درج ذیل مفہوم اسی موقف کو بیان کرتا ہے:

○ —— "میرے دل میں طرح طرح کی خواہشیں جمع ہو گئی تھیں، میرے نفس نے جب تجھے دیکھا تو بکھری ہوئی سب خواہشیں یکجا ہو گئیں۔

○ —— ان لوگوں کو بھی مجھ پر رشک آنے لگا ہے، کبھی جن پر مجھے رشک آیا کرتا تھا، جب سے تو میرا مولیٰ بن گیا ہے، مخلوق نے مجھے اپنا آقا مان لیا ہے۔

○ —— میں نے عام لوگوں کی خاطر ان کا دین اور ان کی دنیا چھوڑ دیئے۔ اب تیرا ذکر ہی میرا دین ہے، تیری باتیں میری دنیا ہے۔"

اُنس کے مشمولات:

انس کے مشمولات میں یہ سب ہے:

○ —— اللہ کی اطاعت، ○ —— اس کا ذکر،

○ —— اللہ کے کلام کی تلاوت، ○ —— ساری عبادات۔

انس اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے، —— مگر یہ انس وہ روحانی حال نہیں جو مقربین بارگاہِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے، ——

www.waseemziyai.com

اُنس بھی ایک روحانی حال ہے جو اس وقت ظہور میں آتا ہے جب باطن بالکل پاک اور صاف ہو، ــــ باطن کی صفائی و پاکیزگی

- ــــ سچے زُہد، ○ ــــ کمال تقویٰ،
- ــــ دنیاوی اسباب وعلائق سے قطع تعلقی،
- ــــ خواہشات و وسوسات کو دور کرنے سے حاصل ہوتی ہے

اُنس کی حقیقت:

میرے نزدیک اُنس کی حقیقت یہ ہے کہ عظمت الٰہی کی درخشانی اور تابانی سے وجود کو صاف کیا جائے، ــــ اور روح فتوحات کے میدانوں میں پھیل جائے۔

اُنس کو بذاتِ خود استقلال حاصل ہے اور اس میں قلب بھی شامل ہے۔ اُنس استقلال کے ساتھ ہیبت میں داخل ہوتا ہے، ــــ روح جب ہیبت میں جمع ہو کر نفس کے مقام میں تہہ نشین ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام ''اُنس ذات'' ہے، ــــ ہیبت چونکہ ذات مقامِ بقا میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ فنا کی راہ گزر کو عبور کر چکی ہے۔ اس لئے یہ دونوں قسمیں یعنی اُنس اور ہیبت، اس ''اُنس ذات'' سے مختلف ہیں جو فنا کا وجود ختم کر دیتے ہیں۔ اور یوں بقا حاصل ہوتی ہے، ــــ جلال و جمال کی صفات کا مطالعہ و مشاہدہ فنا سے پہلے ہیبت اور اُنس کو جنم دیتا ہے۔ یہ مقام تلوین کہلاتا ہے۔

جو باتیں ابھی ہم نے ذکر کی ہیں وہ سب فنا کے بعد مقام تمکین اور مقامِ بقا میں پہنچ کر مشاہدۂ ذات سے حاصل ہوتی ہیں، ــــ اُنس سے نفس مطمئنہ کو خضوع، ــــ اور ہیبت سے خشوع حاصل ہوتا ہے، ــــ خضوع و خشوع تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ دونوں میں ایک لطیف فرق پایا جاتا ہے جو فقط روحانی اشارے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

قُرب کیا ہے؟

قرب بھی روحانی حال کی ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ○

''سجدہ کریں اور اپنے رب کے قریب ہو جائیں۔''

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ سجدے میں اپنے رب کے قریب ترین مقام پر ہوتا ہے۔ چنانچہ سجدہ کرنے والے کو سجدہ کا مزہ چکھا دیا جائے تو وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے سجدوں کی بدولت ما کان وما یکون کی بساط کو جلد طے کر لیتا ہے۔ پھر اسے چادر عظمت کے ایک کونے پر سجدہ کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''جب مجھے حضوری محسوس ہوتی ہے تو یا رب، یا اللہ پکارتا ہوں، لیکن یہ کہنا مجھے پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔''

www.waseemziyai.com

ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے، —— فرمایا:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ندا تو پردے کے پیچھے سے کی جاتی ہے، اور میں اسے حجاب سے پکارتا ہوں، —— کیا تم نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی ہم نشیں اپنے ہم نشیں کو پکارتا ہو۔ یہ تو سب اشاروں کنایوں اور راز و نیاز کی باتیں ہیں۔"

سُکر و محویت:

مذکورہ بالا گفتگو میں ایک بڑے ہی بلند مقام کا ذکر آیا ہے۔ جس کا قرب سے خاص تعلق ہے۔ یہ مقام سکر اور محویت کی کیفیات پر مشتمل ہے۔ یہ مقام اس بندۂ حق کو حاصل ہوتا ہے جو سکر اور محویت کے اثرات سے اپنی ہی روح کے نور میں غائب ہو جائے، —— جب وہ ہوش میں آتا ہے اور محویت کم ہو جاتی ہے تو اس کی روح نفس سے، اور نفس روح سے آزاد ہو جاتا ہے۔ بلکہ بندے کی ہر حالت و کیفیت اپنے اصل مقام کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ہوش مندی:

نفس مطمئنہ جب نیاز مندی اور مقام بندگی کی طرف لوٹ آتا ہے تو بے ساختہ یا اللہ، یا رب کہنے لگتا ہے۔ روح اپنی فتوح اور روحانیت کے کمالات میں مشغول ہو جاتی ہے، —— یہ صورت، پہلی صورت سے کہیں زیادہ اکمل و اقرب ہے۔ اس صورت میں قرب کا حق اس طرح پورا پورا ادا کیا گیا ہے کہ روح اپنی فتوحات کے لئے آزاد ہے۔ اور نفس بھی چونکہ مقامِ عبودیت پر لوٹ آیا ہے۔ اس لئے وہ بندگی کے آداب بھی بخوبی ادا کرتا ہے، —— اور یہ بات طے ہے نفس جس قدر آدابِ بندگی کا خیال رکھتا ہے۔ اس کے روحانی حال اور قربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

قرب کا معیار کیا ہے؟

○ —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں سے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جتنا وہ بندوں کے دلوں کو اپنے سے قریب پاتا ہے، —— اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ تمہارے دل سے کتنا قریب ہے۔"

○ —— شیخ ابو یعقوب السوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"بندۂ حق جب تک قرب کے خیال میں رہتا ہے تب تک اسے قرب حاصل نہیں ہوتا، —— مقامِ قرب میں پہنچ کر اگر وہ مشاہدۂ قرب کا خیال چھوڑ دے، اس وقت وہ قرب میں پہنچ جائے گا۔"

○ —— انہی خیالات کو ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

○ —— "میں اپنی زبان کے سہارے تیری مناجات میں مگن ہوں، اس لئے کہ میں نے تجھے اپنے باطن میں پالیا ہے۔

○ —— ایک لحاظ سے اس طرح ہم ساتھ ساتھ ہیں اور ایک لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔

○ —— تیری عظمت و جلال سے میری آنکھیں اس قدر مرعوب ہوگئیں کہ میں تیری زیارت سے محظوظ نہیں ہو سکا۔

www.waseemziyai.com

یہ ضرور ہے کہ میری محبت رنگ لائی ہے کہ اس نے تجھے میرے دل کے قریب کر دیا ہے۔"

○ —— حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو بندہ اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ہوتا ہے، اس پر اسی قدر زیادہ اللہ کی ہیبت چھا جاتی ہے۔"

○ —— سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مقاماتِ قرب میں سب سے قریبی مقام کا نام حیا ہے۔"

○ —— شیخ نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اتباعِ سنّت کے ذریعے معرفت کا حصول ہوتا ہے، —— اور فرائض کی ادائیگی سے قربت نصیب ہوتی ہے، —— اور نوافل کی ہمیشگی سے محبت حاصل ہوتی ہے۔"

حیا کیا ہے:

حیا بھی روحانی حال کی ایک قسم ہے، —— حیا کا دو طرح سے اطلاق ہوتا ہے:

○ —— حیا کا وصف عام، ○ —— حیا کا وصف خاص

عام حیا یا وصف عام وہ ہے جس کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں حکم دیا ہے:

"اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم حیا تو کرتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں، اس طرح نہیں! —— یہ کامل حیا نہیں، بلکہ جو شخص اللہ سے حیا کرنے کا پورا حق ادا کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ:

○ —— وہ اپنے سر کی اور اس میں جو کچھ محفوظ ہو، کی پوری پوری حفاظت کرے،

○ —— اسی طرح اپنے پیٹ کی بھی اور اس کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرے،

○ —— نیز موت اور مصیبت کو بھی یاد کرے،

○ —— جو اپنی آخرت کو بہتر بنانا چاہے وہ دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے۔

اگر کوئی ان باتوں پر عمل کرے تو سمجھ لو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔"

اس حیا (عام وصف) کا تعلق روحانی مقامات سے ہے۔

خاص حیا:

خاص حیا کا تعلق روحانی احوال سے ہے، —— اس کی مثال امیر المومنین ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے۔

www.waseemziyai.com

آپ نے فرمایا:

''جب میں تاریک جگہ پر بھی غسل کرتا ہوں تو اس وقت بھی اللہ سے حیا کے باعث پانی پانی ہو جاتا ہوں۔''

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالعباس المؤدب رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''میری یہ بات بخوبی یاد رکھو کہ حیا اور اُنس دونوں دل کا طواف کرتے ہیں، ــــ وہ کسی دل میں جب زُہد وورع کو پاتے ہیں تو وہاں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں ورنہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

حیا اور اُنس کی تعریف:

حیا کی تعریف یہ ہے کہ بندے کی روح جلال والے عظیم رب کے حضور تعظیم کے لئے سرنگوں ہو جائے، ــــ اُنس کی تعریف یہ ہے کہ روح حسن و جمال کی نہایت سے محظوظ و لطف اندوز ہو۔ ــــ جب یہ دونوں حیا اور انس یکجا ہو جاتے ہیں تو یہ عطائے الٰہی کی انتہا اور لطف و کرم کی نہایت ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام کے یہ اشعار ان مطالب کو بخوبی واضح کرتے ہیں:

- ــــ دل میں اس کے دیدار کا شوق ہے، لیکن دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا۔ اس لئے کہ اس کے حسن و جمال کے رعب کا عالم ہی کچھ عجیب ہے۔
- ــــ اس کے حسن و جمال سے محروم ہونے کی وجہ کوئی خوف نہیں ہے بلکہ دوست کی وجاہت نے ہیبت زدہ کر دیا ہے۔
- ــــ اس کی نظر کرم ہو جائے تو جینے کا بہانہ ہو جاتا ہے، اور اگر وہ منہ پھیر لے تو موت کا بہانہ ہو جاتا ہے۔
- ــــ ''وہ میرے سامنے ہے، میں اس کے سامنے ہوں، مگر میری نظر نہیں اٹھ رہی۔ پھر پہروں اس کے خیالوں میں کھویا ہوا رہتا ہوں۔''
- ــــ ایک صاحب عقل کا کہنا ہے:

  ''جو شخص حیا کے ساتھ کلام کرتا ہے، لیکن باتیں کرتے ہوئے اللہ سے حیا نہیں کرتا وہ دھوکے باز ہے۔''
- ــــ شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

  ''دل میں اللہ کی ہیبت موجود ہونے کا نام حیا ہے، اور یہ کہ دل میں پہلے سے موجود اللہ کی عظمت بھی برقرار رہے۔''
- ــــ شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

  ''ہیبت و حیا ہوں تو علم وجود پاتا ہے، ــــ اگر ہیبت و حیا کا وجود نہ رہے تو اس علم میں کوئی بھلائی نہیں۔''
- ــــ شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

  ''اللہ کے بندوں کا ان چار درجات پر علم رہتا ہے:

- ــــ خوف، ○ ــــ امید، ○ ــــ تعظیم، ○ ــــ حیا

ان بندوں میں سے سب سے زیادہ بزرگی اور اکرام اس کا ہے جس کا حیا پر عمل ہو، اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی نیکیوں پر ان گناہ گاروں سے بھی زیادہ شرماتا ہے جو اپنے گناہوں

www.waseemziyai.com

پر شرم محسوس کرتے ہیں۔"

○ ـــ ایک اور بزرگ کا کہنا ہے:

"اللہ تعالیٰ جب حیا والے انسانوں کی طرف دیکھتا ہے تو اس کا جلال اور عظمت ان کے دلوں پر ہمیشہ کے لئے چھا جاتا ہے۔"

اتصال کیا ہے؟

اتصال بھی روحانی حال کی ایک قسم ہے۔

○ ـــ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دلوں کے مکاشفات اور مشاہداتِ اسرار کا نام اتصال ہے۔"

○ ـــ ایک اور بزرگ کا کہنا ہے:

"اتصال کا مفہوم یہ ہے کہ انسان باطنی اسرار کو فراموش کر دے۔"

○ ـــ ایک اور صاحب نظر فرماتے ہیں:

"اتصال یہ ہے کہ بندۂ حق کو اس کے خالق کے سوا دوسرا کوئی اور دکھائی نہ دے، اور اس کے علاوہ اس کا دھیان کسی اور کی طرف نہ ہو۔"

○ ـــ شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب لوگوں کو آزمانے کے لئے تحریک دی جاتی ہے تو وہ حرکت میں آجاتے ہیں، ـــ اور جب انہیں سکون ملتا ہے تو وہ اتصال کی حالت میں آجاتے ہیں۔"

عاملین کی اقسام:

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاملین کی چار اقسام ہیں:

○ ـــ تائب، ○ ـــ زاہد، ○ ـــ مشتاق، ○ ـــ واصل

تائب پر توبہ کا، ـــ اور زاہد پر زُہد کا پردہ پڑا ہے، ـــ مشتاق پر حال کا پردہ ہوتا ہے، ـــ فقط واصل (باللہ) ایسا ہے کہ اس سے کوئی شے حق کو نہیں چھپا سکتی۔

واصل اور متصل کا فرق:

○ ـــ شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واصل وہ ہے جس کے پاس خدا خود پہنچ جائے۔ اس لئے اسے قطع تعلقات کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا، ـــ متصل وہ ہے جو ملنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جیسے ہی قریب آتا ہے تو قطع تعلق ہو جاتا ہے۔"

ایسے لگتا ہے کہ واصل اور متصل کی تعریف میں مرید اور مراد کا کنائے میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے شیخ (مراد) کو مکاشفہ

www.waseemziyai.com

کے ذریعے ہدایت ملی، اور دوسرے (مرید) کو اس لئے لوٹا دیا گیا کہ وہ مزید کوشش کرے۔

○ — شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

''واصلین کے تین اشغال ہیں:

○ — ان کی توجہ ہر طرح سے اللہ کی طرف ہو،

○ — ان کا مشغلہ صرف اللہ کی یاد ہو،

○ — وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کریں۔''

○ — شیخ سیاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وصول ایک بڑا ہی اہم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ جب یہ چاہے کہ اس کا بندہ اس سے قریب ہو جائے، تو وہ اس کا راستہ مختصر کر کے اس کی دُوری کو قرب سے بدل دیتا ہے۔''

○ — شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''واصل وہ ہے جسے رب کا قرب حاصل ہے۔''

○ — حضرت ردیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل وصول وہ ہیں جن کے دل اللہ نے جوڑ دیئے ہیں۔ اس لئے ان کی سب قوتیں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں اور مخلوق کو ان سے رابطے و آمد و رفت سے بالکل روک دیا جاتا ہے۔''

○ — شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو راہِ حق سے پلٹ جائے، وہ اس راہ پر پھر واپس نہیں جاتا، — جو اس کے قریب پہنچ جائے، وہ وہاں سے پھر واپس نہیں آتا۔''

اتصال و مواصلت:

مشائخ کرام نے اتصال اور مواصلت کی یوں توضیح کی ہے کہ کوئی بندۂ حق جب اپنے ذوق اور وجدان کی راہ سے یقین کامل کے مرتبے پر پہنچ جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مرتبۂ وصول پر پہنچ گیا، — اس میں بھی مراتب کا فرق پایا جاتا ہے۔

○ — کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اعمال کے ذریعے پا لیتے ہیں۔ یہ تجلی کا ایک مرتبہ ہے۔ اس حالت میں وہ اللہ کے فعل سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے اور غیر کے فعل کو فنا کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں وہ تدبیر و اختیار کے دائرے سے نکل جاتے ہیں، — یہ وصول کا ایک درجہ اور مرتبہ ہے۔

○ — ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مقامِ اُنس اور ہیبت پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کے قلوب پر مشاہدۂ جلال و جمال کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہ طریق صفات کی تجلی کہلاتی ہے، — یہ مقام وصول کا دوسرا درجہ اور مرتبہ ہے۔

○ — کچھ لوگ ایسے ہیں جو مقام فنا کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ ان کے باطنوں پر یقین و مشاہدے کے انوار و تجلیات کا نزول

www.waseemziyai.com

ہوتا ہے۔ اس کے مشاہدہ میں کھو کر وہ اپنے وجود سے بھی غائب ہو جاتے ہیں، —— یہ مقام وصول کا تیسرا درجہ اور مرتبہ ہے۔

یہ درجہ خواص اور تجلی ذات کے مقربین کے لئے مخصوص ہے۔

حق الیقین:

مقام وصول کے تیسرے درجہ سے بلند درجہ حق الیقین کا ہے۔ دنیا میں فقط خواص کو اس کی ایک جھلک دکھلائی جاتی ہے، —— اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بندۂ حق کے سراپا میں مشاہدے کا نور سرایت کر جاتا ہے جس سے اس کی روح، قلب اور نفس بلکہ جسم بھی محظوظ ہوتا ہے، —— یہ وصول کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

ان سب روحانی احوال کے ساتھ جب کوئی علم حقیقت کو حاصل کر لیتا ہے، اس وقت بھی وہ یہی سمجھتا ہے کہ ابھی وہ منزل کے نکتہ آغاز پر کھڑا ہے۔ مرتبۂ وصول جانے کہاں ہے، —— وصول تک پہنچنے کے لئے اس کے راستے میں ابھی کتنے پڑاؤ ہیں، کتنی منزلیں درمیان ہیں کہ آخرت کی لافانی عمروں میں ان منزلوں کا طے ہونا محال ہے۔ چہ جائیکہ انہیں دنیا کی مختصر زندگی میں طے کر لیا جائے۔

قبض وبسط کیا ہے؟

قبض ہو یا بسط، دونوں ہی روحانی احوال کی قسم ہیں اور عمدہ حال ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ۝

"اللہ تعالیٰ کم بھی کرتا ہے اور بڑھاتا بھی ہے۔"

مشائخ کرام نے اس موضوع پر بھی کلام کیا ہے۔ اور اس حوالے سے بہت سے اشارے بیان کئے ہیں لیکن ان اشاروں کی حقیقت مجھ پر واضح نہیں ہو سکی۔ ممکن ہے دیگر اربابِ حق کے لئے یہ اشارے کفائت کرتے ہوں، —— میں یہاں ان کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کسی طالبِ حق کو اس کی ضرورت محسوس ہو، اور میری اس وضاحت کو وہ سراہے۔

قبض وبسط کا زمانہ:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قبض وبسط کا ایک معین زمانہ اور خاص وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کا ظہور نہ اس معینہ وقت سے پہلے ہو سکتا ہے اور نہ بعد میں —— ان کا موسم معینہ وقت، خاص محبت کے ابتدائے حال میں ہوتا ہے۔ نہ اس کے آخر میں، نہ ابتدائے حال سے پہلے۔

رنج ونشاط:

مومن ہونے کے باعث جو لوگ عام محبت کے مقام پر ہوں انہیں نہ تو قبض لاحق ہو گا اور نہ بسط ہو گا۔ بلکہ انہیں امید وبیم کے حال سے گزرنا پڑتا ہے، —— البتہ یہ ہے کہ ان پر قبض اور بسط کے احوال سے ملتی جلتی کیفیت طاری ہوتی ہے، —— جنہیں غلطی

www.waseemziyai.com

سے قبض وبسط سمجھ لیا جاتا ہے، —— رنج وغم کو قبض خیال کیا جاتا ہے جبکہ نفسانی ہل چل اور طبعی نشاط کو بسط خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رنج ونشاط دونوں کا سرچشمہ فقط نفس ہے، —— اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نفس کی یہ صفات، جو ہر نفس کی بقاء کے ساتھ موجود ہیں —— اور جب تک نفس امارہ کی صفات موجود ہوں، تب تک نفسانی ہل چل اور نشاط بھی باقی رہتے ہیں، —— رنج وآلام بھی نفس ہی کی صفات ہیں جبکہ نشاط بحرِ طبع میں طلاطم کے باعث نفس کی لہریں بلند ہونے کا نام ہے۔

قبض وبسط کا ظہور:

جب کوئی شخص عام محبت سے ترقی کر کے خاص محبت کے ابتدائے حال میں پہنچتا ہے تو وہ صاحب حال، صاحب قلب اور صاحب نفس لوامہ بن جاتا ہے، —— تب سے اس پر قبض وبسط کی کیفیات یکے بعد دیگرے طاری ہونا شروع ہو جاتی ہیں جبکہ وہ ایمان کے مرتبہ سے ترقی کر کے ایقان کے مرتبہ پر پہنچتا ہے اور اسے محبتِ خاص کا حال حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے اندر کبھی قبض کی کیفیت پیدا کرتا ہے، اور کبھی بسط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

○ —— شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ قبض کے ذریعے تمہارے فائدے میں کمی کرتا ہے، —— اور بسط کے ذریعے اسے بڑھاتا ہے۔"

○ —— شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قبض کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہاری ذات کو سمیٹتا ہے، —— اور بسط کے ذریعے تمہیں اپنے لئے بڑھاتا ہے۔"

قبض وبسط کے اسباب:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفسانی صفات کے غالب آ جانے سے قبض کو جود ملتا ہے، —— اور قلبی صفات کے غالب آنے سے بسط کا ظہور ہوتا ہے، —— نفس جب تک لوامہ رہتا ہے تو کبھی وہ مغلوب ہوتا ہے اور کبھی غالب! —— اس کشمکش کے باعث قبض وبسط کی کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

○ —— جو صاحبِ نفس ہوتا ہے، وہ اپنے نفس کی وجہ سے ظلماتی حجاب (تاریک پردے) کے تحت ہوتا ہے،

○ —— جو صاحبِ قلب ہوتا ہے، وہ اپنے قلب کی وجہ سے نورانی حجاب کے تحت ہوتا ہے۔

اور اسی اعتبار سے قبض وبسط کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔

قبض وبسط کا ازالہ:

جب کوئی صاحب، قلب کے حجاب تک نکل کر ترقی کرتا ہے تو پھر وہ حال کا پابند نہیں رہتا۔ اس وقت وہ قبض وبسط کے تصرف سے بھی نکل جاتا ہے، —— جب تک وہ قلب کے نورانی وجود سے نکل کر بارگاہ قرب میں رہتا ہے، تو نفس کے حجاب اور قلب کے حجاب سے بھی آزاد ہوتا ہے، اور اس وقت تک قبض وبسط کی کیفیات سے بھی آزاد ہوتا ہے۔

جب وہ فنا اور بقا کے مقام سے لوٹ کر (ظاہری) وجود کی طرف آ جاتا ہے تو اس وقت اس کا نورانی وجود بھی جو قلب کہلاتا

www.waseemziyai.com

ہے، لوٹ آتا ہے، — اس کے ساتھ ہی قبض وبسط کی کیفیات بھی نمودار ہونے لگتی ہیں، — اور جب وہ پھر فنا وبقا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو قبض وبسط کی کیفیات غائب ہو جاتی ہیں۔

○ — شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پہلے قبض کا ظہور ہوتا ہے پھر بسط نمودار ہوتا ہے، — پھر یہ حال ہوتا ہے کہ نہ قبض رہتا ہے، نہ بسط رہتا ہے۔ قبض وبسط کا ظہور وجود سے مشروط ہے (یعنی جب وجود کی حالت پائی جائے)، — اور فنا وبقاء کی حالت میں نہ قبض ہوتا ہے نہ بسط۔"

بسط میں بے اعتدالی:

قبض کی کیفیت، بسط میں (بے اعتدالی) افراط کے باعث سزا کے طور پر پیدا ہوتی ہے، — اس کی صورت یہ ہے کہ جب قلب پر غیبی واردات نازل ہوتی ہے تو قلب پر بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت نفس کو بھی اس بسط سے کچھ چرانے کا موقع مل جاتا ہے، — اس روحانی جذبے کا جب نفس پر اثر پڑتا ہے تو طبعی طور پر وہ خوشی سے سرشار ہو جاتا ہے، اور بسط کی یہ بہتات نشاط کی شکل اپنا لیتی ہے، — چنانچہ اس کے مقابل قبض کی کیفیت اُجاگر کر کے اسے سزا دی جاتی ہے۔

قبض کا علاج:

اگر قبض کی ہر کیفیت کو پرکھا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ایسا نفس کی حرکت اور اس کی صفات کے ظاہر ہونے کے باعث ہوا ہے، — چنانچہ نفس کی اصلاح کر کے اسے حالتِ اعتدال میں رکھا جائے، اور وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز رہے تو کوئی صاحب دل قبض کی کیفیت کا شکار نہ ہو، — اور شرط یہ ہے کہ اس کی روح اُنس کے ساتھ اعتدال کی رعایت کو پیشِ نظر رکھے، اور اس ارشاد الٰہی پر عمل پیرا رہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ ۝

"تم گزری ہوئی چیزوں پر غم نہ کھاؤ، نہ حاصل شدہ چیزوں پر (بے تحاشہ) خوشی کرو۔"

روح وقلب پر اگر اس قسم کی خوشی کا جذبہ طاری رہے، اور جبکہ خوشی کے اس موقع پر اللہ سے رجوع کر کے اس جذبۂ مسرت کو لطیف بنا دیا جائے تو وہ کشف بن کر قبض کا موجب نہیں بنتا، — اور اللہ تعالیٰ کی طرف اگر رجوع نہ کیا جائے تو نفس شانے اُچکا کر اس میں سے اپنی خوشی کا حصہ لے لیتا ہے۔ نفس کی یہ خوشی ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

کبھی کبھار قبض کی وجہ مذکور بالا ہوتی ہے، — یہ ایک لطیف ترین گناہ ہے جو قبض کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ نفس اپنی حرکتوں اور صفتوں کی وجہ سے قبض کا شکار ہو جاتا ہے۔

اہلِ قبض وبسط اور اُمید وبیم:

اہلِ قبض وبسط بھی امید وبیم کی کیفیات سے دوچار ہوتے ہیں، — اسی طرح صاحب اُنس وہیبت بھی امید وبیم کا شکار ہوتے

www.waseemziyai.com

ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امید وبیم ضروریاتِ ایمان سے ہیں (یعنی ایمان کا حصہ ہیں) لیکن قبض وبسط عام اہلِ ایمان میں نہیں پائے جاتے (کیونکہ خواص کا خاصہ ہے)، — اور پھر امید وبیم کا فیضانِ قلب کم ہوتا ہے۔اسی طرح اہلِ فنا وبقاء اور مقربین میں بھی امید وبیم نہیں پائی جاتی۔اس لئے یہ حضرات قلب کے دائرہ کار سے باہر ہوتے ہیں۔

اسباب سے ناواقفی وکم آگہی:

طالبِ حق کے باطن جب قبض وبسط کی کیفیات سے دوچار ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے اسباب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں پر قبض وبسط کی کیفیات طاری ہیں، وہ روحانی حال اور روحانی مقام سے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔

مگر جو حال ومقام سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، قبض وبسط کے اسباب ان سے پوشیدہ نہیں رہتے، — کچھ حضرات پر قبض وبسط کے اسباب اس طرح مشکوک ومشتبہ ہو جاتے ہیں جس طرح شک کی بناء پر رنج وغم کو قبض سمجھ بیٹھتے ہیں اور نشاط کو بسط، لیکن جس کا قلب استقامت کی دولت سے مالا مال ہے، وہ ان اسباب سے ناواقف نہیں رہتا۔

اہلِ نفس مطمئنہ:

جن حضرات کے نفوس، نفوسِ مطمئنہ ہیں، وہی لوگ قبض وبسط کی کیفیات طاری ہوئے بنا ترقی پاتے ہیں۔ان حضرات کے جوہرِ نفس سے نہ ایسی آگ بلند ہوتی ہے جو قبض کا سبب بن سکے، — اور نہ مختلف خواہشیں ان کے نفس میں طلاطم برپا کرتی ہیں جن کی وجہ سے بسط کی کیفیت طاری ہو۔

نفس کا قبض وبسط:

یہ قبض وبسط کبھی صرف نفس میں ہوتا ہے، قلب میں نہیں ہوتا، — نفس مطمئنہ چونکہ قلب سے ہے، اس لئے قبض وبسط نفسِ طمئنہ میں تو ہوتا ہے' لیکن قلب پر ان دونوں کیفیتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، — اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب روحانی شعاعوں کے دائرے میں ہے اس طرح محفوظ ہو کر قرب کی آرام گاہ میں پہنچ جاتا ہے، اور یوں قبض وبسط دونوں سے محفوظ رہتا ہے۔

فنا کیا ہے؟

مذکور ہے کہ فنا کے معانی ومفہوم یہ ہے کہ لذتوں کو ایسے فنا کر دیا جائے کہ کسی شے سے بھی کوئی لطف ولذت محسوس نہ ہو، — اور یہ کہ اللہ کی ذات میں اس طرح فنا ہو جانا کہ ہر شے قطع تعلق کر لیا جائے، — شیخ عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو۔"

ایسا شخص ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہتا ہے اور اسے کسی کے اختلاف کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

بقا کیا ہے؟

بقا بھی فنا کے پیچھے پیچھے ہوتی ہے، — بقا کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی ہر چیز کو فنا کر کے خود کو اللہ کے لئے باقی رکھے، — باقی

www.waseemziyai.com

وہ ہے کہ جس کے لئے ساری چیزیں شئے واحد بن جائیں۔ اور اس کی سب حرکتیں کسی اختلاف کے بغیر حق کی موافقت میں ہو جائیں۔ یعنی وہ سب اختلافات کو فنا کر کے موافقت کے لئے باقی رہ جائے۔

فنا و بقا کا صحیح مفہوم:

میرے خیال میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ سچی توبہ کے لئے اس کا اطلاق صحیح ہے۔ فنا اور بقا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

فنا کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے وضاحت ہوتی ہے۔ کہ ایک بار آپ طواف کر رہے تھے۔ اس دوران کسی نے انہیں سلام کیا، لیکن انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس شخص نے ان کے کسی دوست سے اس بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے جواب دیا:

''ہم وہاں اللہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔''

○ — یہ بھی مذکور ہے کہ سب اشیاء کا نظروں سے اوجھل ہو جانا فنا ہے۔ جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے دیدار کے وقت فنا ہو گئے تھے۔

○ — شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حق کے ساتھ معدوم رہنے کا نام فنا ہے، — حق کے ساتھ موجود رہنے کا نام بقا ہے۔''

○ — شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فنا یہ ہے کہ سب لوگ تمہاری خوبیاں بیان کرنے سے عاجز رہیں، — وہ سب تم سے الگ رہ کر اور کاموں میں مشغول رہیں۔''

○ — شیخ ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''فنا و بقا کے علم کا دارومدار مخلصانہ وحدانیت اور صحیح بندگی پر ہے، — اس سے ہٹ کر اگر کچھ کہا جائے تو مغالطہ اور کفر والحاد ہے۔''

○ — شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: ''فانی کی پہچان کیا ہے؟'' — فرمایا:

''فنا کے مدعی کی پہچان یہ ہے کہ اللہ کے سوا دنیا و آخرت سے کوئی تعلق نہ رہے۔'' — مزید فرمایا: ''فنا میں صحت مقام یہ ہے کہ اہلِ فنا علم بقا سے باخبر ہوں، — اسی طرح بقا میں صحت مقام یہ ہے کہ اہلِ بقا، علم فنا سے آگاہ ہوں۔''

فنا و بقا کے بارے میں مختلف آراء:

فنا اور بقا کے حوالے سے مشائخ کرام نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے:

○ — کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی مخالفت کو فنا کیا جائے اور اس کی موافقت کو باقی رکھا جائے، — توبۃ النصوح (سچی توبہ) میں یہی چیز پائی جاتی ہے، اور یہی اس کی خصوصیت ہے۔

www.waseemziyai.com

○ — بعض حضرات نے فنا کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ دنیا کی رغبت، حرص اور امید جاتی رہے، — اور زُہد کی بھی یہی خصوصیت ہے۔

○ — بعض مشائخ کے نزدیک فنا و بقا کا مطلب یہ ہے کہ مذموم اوصاف کو فنا کر دینے کا نام بقا ہے، — اور محمود اوصاف کو باقی رکھنے کا نام فنا ہے، — اور یہی تزکیۂ نفس ہے۔

○ — بعض نے فنائے مطلق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

فنائے مطلق کی اقسام:

یہ سب اقوال فنا کے کچھ پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہیں۔ یعنی کسی نہ کسی لحاظ سے فنا کا پہلو موجود ہے، — لیکن قضائے مطلق وہ ہے جو بندے پر اللہ کی طرف سے مسلط ہو جائے، — اور اللہ کا وجود بندے کے وجود پر غالب آجائے۔

فنائے مطلق کی دو اقسام ہیں:

○ — فنائے ظاہر، ○ — فنائے باطن۔

فنائے ظاہر:

ظاہری فنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات، بندے کے افعال سے ظاہر ہوں، — اور وہ بندے کے ارادوں اور اختیارات کو سلب کر لے۔ حتیٰ کہ وہ حق کے سوا نہ اپنا کوئی فعل دیکھ سکے اور نہ کسی اور کا۔ — پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات کا آغاز ہو۔

میں نے سنا ہے کہ اس مقام سے جو بندہ سرفراز و سربلند ہوتا ہے، — وہ کئی کئی دن تک نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی اس کے کھلانے پلانے پر تعینات نہیں ہو جاتا۔

حقیقت میں فنا اسی کا نام ہے، کیونکہ فنا ہونے والے نے اپنے نفس کو اور اغیار سب کو فنا کر دیا ہے۔ اس کی نظریں ہر وقت اللہ کے فعل کی طرف لگی رہتی ہیں۔ اس کی نظر میں غیر کے سب افعال فنا ہو جاتے ہیں۔

فنائے باطن:

باطنی فنا یہ ہے کہ طالبِ حق کو کبھی صفات کے ذریعے مکاشفات حاصل ہوں، — اور کبھی وہ ذاتِ الٰہی کی عظمت کے آثار کا مشاہدہ کرے، — اور امرِ حق اس کے باطن پر اس طرح مسلط ہو جائے کہ اس میں نہ کوئی وسوسہ رہے اور نہ کوئی تصور باقی رہے۔

یہ فنا کے لئے لازم نہیں کہ احساس بھی فنا ہو جائے۔ اگرچہ اس موقع پر بعض حضرات کے احساس بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ صورت کلی طور پر فنا کے لئے ضروری نہیں۔

حالت استغراق:

میں نے شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

"کیا سرّ باطن میں خیالات اور وسوسوں کا باقی رہنا شرک خفی ہے، — کیونکہ میرے نزدیک تو یہ شرکِ خفی ہی ہے۔"

انہوں نے ارشاد فرمایا:

''ایسی صورت فنا کے مقام پر پیش آتی ہے۔''

لیکن انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کیا یہ شرک خفی ہے نہیں! — اس کے بعد انہوں نے شیخ مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا۔ ایک بار وہ دمشق کی جامع مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر بازار کے لوگ جمع ہو گئے۔ جب وہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ مسلم بن یسار نماز ادا کر رہے ہیں۔ ستون کے گرنے کا انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا —

ایسی ہی حالت استغراق اور باطنی فنا کی ہوتی ہے، —

اہلِ حق کا ظرف کبھی ایسی وسعت اختیار کرتا ہے کہ اس پر جان و دل سے فنا کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے اردگرد واقع ہونے والے افعال واقوال سے بے خبر نہیں رہتا۔

فنا کا ایک اور مفہوم:

فنا ایک اور مفہوم اور صورت ونوعیت یہ بھی ہے کہ طالبِ حق اپنے ہر قول وفعل میں اللہ کی طرف رجوع کرے، اور اپنے سب کاموں میں اللہ کے حکم کا منتظر رہے تا کہ کاموں کا ذمہ دار وہ نہ بنے بلکہ اللہ کی ذات ہو، — جو شخص

- — اپنے ارادہ واختیار کو ترک کر کے اللہ کے فعل کا منتظر رہے۔
- — اور ہر چیز میں اللہ کی طرف رجوع کرے،
- — اپنے سب باطنی کاموں میں بھی اسی کی طرف رجوع کرے، وہ فانی ہے۔

بندۂ باقی:

اس فنا کے بعد اللہ تعالیٰ جب اپنے اس بندے کے اختیارات کو بحال کر دے، اور اسے اپنے کاموں میں تصرف کرنے کے لئے خودمختاری دے دے کہ جیسے چاہے اپنے کام انجام دے، اور وہ اللہ کے فعل اور اس کی اجازت کا منتظر نہ رہے تو وہ بندۂ حق باقی ہے۔

باقی کا مقام:

باقی ایسے مقام پر فائز ہے جہاں حق اور مخلوق میں کوئی حجاب نہیں رہتا۔ لیکن اس کے برعکس فانی مخلوق سے چھپ کر حق کے پاس ہوتا ہے۔

یہ ظاہری فنا اہلِ دل اور اہلِ حال کے لئے ہے، — اور باطنی فنا اس بندۂ حق کے لئے ہے جو احوال کی بیڑیوں سے رہا ہو کر اللہ کے پاس پہنچ گیا ہو، — اور اب وہ روحانی احوال کا پابند نہ رہا ہو بلکہ وہ اپنے دل کے دائرہ عمل سے نکل کر اس ذات کے پاس پہنچ گیا ہو جو مقلب القلوب یعنی دلوں کے پھیرنے والا ہے، — اور وہ قلب کے ساتھ نہ رہا ہو۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۶۲:

اصطلاحاتِ صوفیاء کی تشریحات

علم میں اضافہ کے ذرائع:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی کانیں ہیں جن کے ذریعے تم:

○ — اپنے علم میں اس علم کا اضافہ کرتے ہو جسے تم نہیں جانتے، اور

○ — یہ بھی جان لیتے ہو کہ تمہارے علم میں کس قدر کمی ہے، اور

○ — تمہارے علم میں کس قدر کم اضافہ ہوا ہے۔

اور جس علم سے انسان میں پرہیز گاری نہ آسکے۔ اس علم میں کوئی رغبت نہیں ہوتی۔"

مشائخ صوفیاء کا علم وعمل:

اسی بناء پر مشائخ صوفیاء تقویٰ کی بنیاد کو مضبوط کرتے ہیں، اور محض اللہ کے لئے علم سیکھتے ہیں۔ اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری کے بل بوتے جو کچھ علم سکھایا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس عملِ خیر کے باعث انہیں باطنی علوم کے ان عجائب، وغرائب اور دقیق نکات واشارات سے آگاہ کرتا ہے جن کا انہیں علم نہ تھا، — ان دقیق نکات اور اشارات سے آگاہی کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے عجیب وغریب اسرار ورموز اخذ کرتے ہیں۔

اسی کی بدولت علم باطنی میں بھی ان کے قدم جم جاتے ہیں، پھر ان سے کسی لغزش کا خدشہ نہیں رہتا۔

عمل کے فوائد:

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ کے کلام کے سمجھنے کا آغاز یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، — اس طریقے سے علم وفہم اور اخذ کرنے کی لیاقت وصلاحیت پیدا ہوتی ہے۔"

فہم کی ابتداء متوجہ ہو کر سننے (سمع) اور مشاہدے سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۝ (پ ۲۶، سورہ ق)

"بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو، — یا وہ حاضر ہو کر توجہ سے سنے۔"

www.waseemziyai.com

علم باطنی:

شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"علم میں راسخ اور ماہر وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی روحیں غیب الغیب اور سرّ السر ثابت قدم ہوں، — اس وقت اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے انہیں علم ومعرفت عطا فرماتا ہے، — اور اپنی آیات کے مطابق ان سے ان چیزوں کا طلب گار ہوتا ہے جن کا وہ کسی غیر سے مطالبہ نہیں کرتا، — اس طرح یہ لوگ اپنی فہم وبصیرت کے ساتھ علم کے سمندر میں اتر جاتے ہیں، تاکہ اپنی معلومات بڑھا سکیں، — اس وقت انہیں ہر حرف اور آیت کے نیچے فہم وبصیرت کا پوشیدہ خزانہ دکھائی دیتا ہے، جس سے وہ موتی اور جواہرات نکال لاتے ہیں۔ پھر ان کی زبان سے حکمت کے پھول جھڑنے لگتے ہیں۔"

علم اللہ کا راز ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"علم ایک چھپے ہوئے خزانے کی مانند ہے۔ اس سے علمائے ربانی ہی مطلع ہوتے ہیں۔ وہ جب کلام کرتے ہیں تو مغرور انسانوں کے سوا کوئی اس سے انکار نہیں کرتا۔"

○ — شیخ قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"باطنی علم اللہ کے اسرار ہیں، — جنہیں وہ اپنے معتبر اولیاء کرام اور خاص بندوں کو سماع اور تعلیم کے بغیر عطا فرماتا ہے، — اور اس میں جو راز چھپے ہیں وہ فقط خواص ہی جانتے ہیں۔"

○ — شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عارفین کے پاس ایسے خزانے ہیں جن میں انہوں نے عجیب وغریب علوم وفنون محفوظ کر رکھے ہیں، — ان خزانوں کا اظہار وہ ابدیّت کی زبان سے کرتے ہیں، — انہیں ازلیّت کی عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے جس سے عام لوگ بے بہرہ ہیں۔"

علمِ لدُنی:

مذکورہ بالا قول میں "ابدیّت کی زبان" اور "ازلیّت کی عبارت" سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا ہے: "وہ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔" — یہی وہ علم لدُنی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں اس طرح کیا ہے:

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (پ ۱۵، سورہ کهف)

"انہیں (یہ علم) ہم نے اپنی رحمت سے عطا کیا ہے اور انہیں اپنی طرف سے علم سکھایا ہے۔"

www.waseemziyai.com

جمع وتفرقہ کیا ہے؟

مشائخ کرام کے معمول میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی قلبی واردات، روحانی احوال اور وجدانیات ایک دوسرے کو سمجھانے اور اظہار کے لئے بہت سے کلمات اور اشارات واصطلاحات بیان کرتے ہیں، —— ان اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ''جمع وتفرقہ'' ہے، —— مذکور ہے کہ جمع وتفرقہ کی اصل یہ ارشاد باری ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۝ (پ ۳، سورہ آل عمران)

''اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔''

مذکورہ بالا ارشاد جمع کی دلیل ہے، —— جبکہ تفرقہ اس ارشاد پر مشتمل ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ۝ (پ ۳، سورہ ال عمران)

''(اور اس کے معبود ہونے پر) فرشتے اور اہلِ علم بھی (گواہی دیتے ہیں)''

جمع کی ایک اور مثال یہ ہے:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۝

''ہم اللہ پر ایمان لائے۔''

اور بطور تفرقہ یہ ارشاد ہوا:

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ۝

''اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا۔''

واضح رہے کہ اس اصطلاح میں جمع اصل و بنیاد ہے، جبکہ تفرقہ اس کی فرع (شاخ) ہے۔ —— چنانچہ ہر وہ جمع جس میں تفرقہ نہ ہو، وہ بے دینی اور زندیقی ہے، —— اور جو تفرقہ جمع کے بغیر ہو وہ بیکار اور تعطل ہے۔

○ —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وجد کے ساتھ قرب ہونا جمع ہے، —— اور بشریت میں غائب ہو جانا تفرقہ ہے۔''

○ —— مشائخ کرام کا یہ ارشاد بھی ہے کہ معرفت میں سب لوگوں کو جمع کیا گیا ہے، اور روحانی حال میں انہیں متفرق کیا گیا ہے،

—

جمع وہ نقطۂ اتصال ہے جس کے ذریعے صاحب دل حق کے سوا کسی اور کا مشاہدہ نہیں کرتا، —— اگر غیر کا مشاہدہ کرے تو جمع کا مفہوم باقی نہیں رہتا، —— تفرقہ یہ ہے کہ حق کے غیر کے ساتھ جس کا چاہے مشاہدہ کرے۔

جمع وتفرقہ کا اصل مفہوم:

صوفیاء کی اس اصطلاح کے حوالے سے بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ جمع سے مراد خالص توحید، ——

www.waseemziyai.com

اور تفرقہ سے مراد اکتساب و عمل ہے، لیکن جمع کے ساتھ تفرقہ ضرور ہے۔ — یہ جو مذکور ہے کہ فلاں صاحب ''عین جمع'' کی حالت میں ہیں، تو کہنے والے کی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ''اس کے باطن پر حق تعالیٰ کا مراقبہ غالب ہے''، — اس کے بعد اگر وہ اس حال سے لوٹ کر کسی کام میں لگ جائے تو یہ تفرقہ کہلاتا ہے۔ لہٰذا صحیح جمع تفرقہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح تفرقہ بھی جمع ہی کے ساتھ درست اور صحیح ہوتا ہے، — ان ساری ابحاث کا حاصل یہ ہے کہ:

''جمع اللہ کا حکم ہے، — اور تفرقہ اللہ کے حکم کے مطابق علم ہے۔''

چنانچہ دونوں ضروری ہیں۔

شیخ مزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے ساتھ بعینہٖ فنا ہونا جمع ہے، — اور تفرقہ عبودیت و بندگی کا نام ہے، اور دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔''

روح و بدن کی ترکیب:

وہ حضرات غلطی پر ہیں جو عین الجمع سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خالص توحید میں رہ کر اکتساب کا سلسلہ معطل کر دیا جائے۔ یہ زندقہ ہے، کفر و الحاد ہے، — جمع، روح کی طرح ہے، — اور تفرقہ، بدن کی مانند ہے۔ روح و بدن کی یہ ترکیب جب تک باقی ہے، تب تک جمع و تفرقہ کی ترکیب باقی ہے۔

○ — شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تمہاری نظر جب اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو تو یہ تفرقہ ہے، — اور جب اپنے رب کی طرف متوجہ ہو تو یہ جمع ہے، — اور اگر تم غیر کے ذریعے قائم رہو تو تم فنا میں ہو۔ تب یہ حال نہ جمع ہے اور نہ تفرقہ ہے۔''

○ — ایک شیخ طریقت نے ارشاد فرمایا:

''اگر ذات سے تعلق ہو تو جمع ہے، — اور اگر صفات سے تعلق ہو تو تفرقہ ہے۔'' —

○ — کبھی جمع و تفرقہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اگر اپنے اعمال کی طرف توجہ ہو اور وہ نفس کے لئے کسب ثابت ہو تو وہ تفرقہ ہے، — اور اگر اشیاء کا تعلق اللہ سے قائم ہو تو وہ جمع ہے۔

خلاصۂ اقوال:

ان سب اقوال کا خلاصہ یعنی لب لباب یہ ہے کہ:

''(کون یعنی) کائنات تفرقہ کا باعث ہے، — اور (مکون یعنی) خالق کائنات جمع کا موجب ہے، — چنانچہ جو خالق کے لئے وقف ہو گیا وہ جمع کی حالت میں ہے، — اور جو کائنات کے لئے وقف ہو گیا وہ تفرقہ کی حالت میں ہے۔ یعنی توحید جمع کا نام ہے اور تفرقہ بندگی کا۔''

لہٰذا جو شخص اپنے کسب و عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے بندگی میں مشغول رہے تو یہ تفرقہ ہے، — اور اگر اللہ کی یاد میں مستغرق ہو

www.waseemziyai.com

جائے تو یہ جمع ہے، ـــ اور اگر ذاتِ الٰہی میں بالکل فنا ہو جائے تو یہ جمع الجمع ہے، ـــ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ

''افعال کا مشاہدہ تفرقہ ہے، ـــ اور صفات کا مشاہدہ جمع اور ذات کا مشاہدہ جمع الجمع ہے۔''

ہمکلامی میں موسیٰ علیہ السلام کا حال:

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تھے تو وہ کس حال میں تھے؟ ـــ

انہوں نے فرمایا:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے ظاہری وجود کو فنا کر دیا تھا، اور انہیں اپنے ظاہری وجود کا کوئی ہوش نہیں تھا، ـــ پھر جب اس حالت میں انہوں نے اللہ سے کلام کیا کہ سامع اور متکلم دونوں ایک ہو گئے یعنی کلام سننے والا اور کلام کرنے والا دونوں ایک ہو گئے۔ ـــ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام میں یہ ہمت و توانائی پیدا نہ ہو سکتی تھی کہ کلامِ الٰہی کا بار برداشت کریں اور پھر اس کا جواب دیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قوت اور تاب و توانائی نہ ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن ہی نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوتِ سماعت کے ساتھ ساتھ قوتِ جواب بھی عطا فرما دی تھی۔ ـــ اگر یہ قوت عطا نہ ہوتی تو کلامِ الٰہی سننے کی قدرت بھی نہ ہوتی۔''

اس کے بعد انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔ (مفہوم یہ ہے):

- ـــ ''عشق کی راہ میں لگنے والے سارے زخم بھر گئے، آدھی رات کا وقت تھا کہ ایک بجلی کی چمک دکھائی دی۔
- ـــ ظاہری طور پر وہ چادر کے ایک کونے کی طرح دکھائی دے رہی تھی لیکن اس تک پہنچنے میں کئی رکاوٹیں اور کئی مشکلات درپیش تھیں۔
- ـــ بجلی کی چمک ایسی تھی کہ دیکھنے کی تمنا کے باوجود دیکھ نہ پایا۔ اس محرومی پر اور اس ناکامی پر غموں نے گھیر لیا۔
- ـــ ناکامیوں کی وجہ سے عشق کے شعلے بھڑک اٹھے، اور پھر یہ کہ غم کے باعث بہنے والے آنسو نالیوں کی شکل اختیار کر گئے۔''

تجلی و استتار:

تجلی و استتار بھی صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تجلی و استتار کا مقصد ہے: تادیب و تہذیب اور تذویب ـــ (یعنی ادب سکھانا، ـــ آراستہ کرنا اور سوز و گداز پیدا کرنا۔)

چنانچہ:

- ـــ تادیب تو عوام کی اصلاح کے لئے ہے، اور اس کا تعلق استتار سے ہے۔
- ـــ تہذیب (تزکیۂ نفس) خواص کے لئے مخصوص ہے، اور اس کا تعلق تجلی سے ہے۔
- ـــ تذویب (سوز و گداز) اولیاء و صوفیاء کے لئے ہے۔ اس کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔

www.waseemziyai.com

تجلی و استتار کے حوالے سے مشائخ کرام کی جو تصریحات اور اقوال ہیں، وہ سب نفس کی صفات اور اس کے ظہور سے متعلق ہیں۔ یعنی استتار یہ ہے کہ قلب کی صفات کے زور سے نفس کی صفات غائب ہو جائیں۔

جبکہ تجلی کی کئی صورتیں اور کئی طریقے ہیں:

- ___ تجلی بطریق افعال (تجلی افعال کے ذریعے)
- ___ تجلی بطریق صفات (تجلی صفات کے ذریعے)
- ___ تجلی بطریق ذات (تجلی ذات کے ذریعے)

استتار کا فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے خواص کے لئے استتار کا مقام اس لئے باقی رکھا ہے کہ ان کے لئے بھی رحمت کا باعث ہو، اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی۔

- ___ خواص کے لئے اس کا فائدہ یا رحمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے اپنے نفوس کی بہتری کے لئے متوجہ ہوتے ہیں۔
- ___ دوسروں کے لئے یہ فائدہ یا رحمت ہے کہ اگر استتار کا یہ مقام نہ ہوتا تو عوام اس سے مستفیض و مستفید نہیں ہو سکتے تھے، ___ اور بصورتِ دیگر وہ جمع الجمع ہی کے مقام پر رہتے اور اللہ واحد و قہار کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔

تجلیِ الٰہی کی علامت:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ پوشیدہ اسرار کے لئے تجلیِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ وہ اسرار ایسے نہ ہوں جن کی تعبیر کی جا سکتی ہو، ___ یا وہ عقل و فہم میں آسکیں، ___ اس لئے اگر اسرار ایسے ہوں جن کی تعبیر کی جا سکتی ہو، ___ یا وہ عقل و فہم میں آسکیں تو ایسا شخص صاحبِ استدلال بن جائے گا، اجلالِ الٰہی کا ناظر نہیں رہے گا۔

تجلی کا مفہوم:

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ تجلی یہ ہے کہ بشریت کے سب حجابات اس طرح اُٹھ جائیں کہ وہ ذاتِ حق کے رنگ میں نہ رنگا جائے، ___

استتار کا مفہوم:

استتار کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے اور غیب کے شہود کے درمیان بشریت حائل ہو جائے۔

تجرید و تفرید:

تجرید و تفرید بھی صوفیانہ اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ تجرید سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں دنیا و آخرت کی اغراض کو مدنظر نہ رکھے، ___ اس کے کسی فعل میں نہ کوئی دنیاوی غرض ہو اور نہ کوئی اُخروی غرض ہو، ___ عظمتِ الٰہی سے اسے جو کشف حاصل ہو، اپنی اِمکانی قوت و کوشش کے مطابق اسے اللہ کی بندگی اور اطاعت میں صرف کرے۔

www.waseemziyai.com

تفرید کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے اعمال کو نفس کی تحریک وترغیب کا حاصل نہ سمجھے بلکہ اسے اللہ کا احسان سمجھے۔ —
تجرید میں غیر کی نفی، — اور تفرید میں اپنے نفس کی نفی ہوتی ہے، — ایسا شخص اللہ کی نعمتوں کے مشاہدے میں مستغرق رہتا ہے۔ کسب سے اسے غیبت حاصل ہو جاتی ہے۔ ذاتی ارادہ اور اختیار فنا کر دیتا ہے۔

وجد، تواجد اور وجود:

یہ بھی راہ تصوف کی اصطلاحات میں سے ہے۔

○ — وجد ایک روحانی جذبہ ہے جو اللہ کی طرف سے انسان کے باطن پر وارد ہو، — اس کا نتیجہ خوشی ہو یا غم، — یہ جذبہ وارد ہونے سے بطن کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اس میں رجوع الی اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

وجد ایک قسم کی مسرت ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی نفسانی صفات پر غالب ہو گیا، — اور اس کی نگاہیں اللہ کی طرف جمی ہوں، —

○ — تواجد یہ ہے کہ ذکر اور فکر سے وجد کو حاصل کیا جائے، —

○ — وجود یہ ہے کہ وجدانی فضا میں نکل کر وجد کے دائرے کو وسیع کیا جائے، — وجدان کے عالم میں وجد باقی نہیں رہتا۔ جب مشاہدے کا عالم ہو تو خبر کی ضرورت نہیں ہوتی، —

چنانچہ وجد ایک زوال پذیر کیفیت ہے، — اور وجود پہاڑ کی طرح اٹل اور ثابت ہے۔ اس مضمون کو شاعر نے اپنے اشعار میں یوں سمویا ہے:

○ — ''میرے لئے وجد کسی زمانے میں خوشی کا باعث ہوتا تھا، مگر وجد میں موجود ذات نے وجد کے مشاہدہ سے مجھے روک دیا۔

○ — وجد باعث لطف ولذت ہے اس کے لئے جسے وجد میں سکون اور راحت میسر ہو مگر جب حق کی ذات اپنا وجود ہو گئی تو اپنا وجد نہ جانے کہاں رہ گیا۔''

غلبہ کیا ہے؟

متواتر وجد کا نام غلبہ ہے، — وجد تو برق کی مانند ہے جو ظاہر ہو کر فنا ہو جاتا ہے، — برقِ تجلیات جب مسلسل نمودار ہوتی ہے تو وہ غلبہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس وقت سالک کی امتیاز کرنے کی قوت باقی نہیں رہتی، — وجد تو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے، لیکن غلبہ اسرار ورموز کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط قلعہ بن کر باقی رہتا ہے۔

مسامرہ کیا ہے؟

مسامرہ کا مفہوم یہ ہے کہ روحیں، سرّ باطن میں چپکے چپکے مناجات اور حمد سرائی میں مشغول رہیں، — قلب کو اس کا ایک لطیف سا ادراک ہو، — مسامرہ ایسی پوشیدہ مناجات ہے کہ جس سے روح تنہا، قلب (کی رفاقت) کے بغیر لطف اندوز ہوتی ہے۔

www.waseemziyai.com

سکر وصحو:

روحانی حال غالب آجائے تو وہ سکر کہلاتا ہے، ـــــ اور محویت کے بعد اقوال وافعال کو تہذیب وترتیب کے ساتھ انجام دینے کا ہوش آجانا صحو کہلاتا ہے۔

○ ـــــ شیخ عفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سکر قلب کا وہ جوش وخروش ہے جو ذکر محبوب کے معارضات کے موقع پر پیدا ہوتا ہے۔''

○ ـــــ شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وجد کے چار مقامات ہیں:''

○ ـــــ ذہول، ○ ـــــ حیرت، ○ ـــــ سکر، ○ ـــــ صحو

ان مراتب ومقامات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کا حال سنے، ـــــ پھر وہ سمندر کے قریب جائے، ـــــ پھر وہ سمندر میں داخل ہوجائے، ـــــ اس کے بعد وہ سمندر کی لہروں میں گھر جائے۔''

اس تمثیل کے مطابق جس کسی میں روحانی حال کا کچھ اثر باقی رہے اس پر سکر کا اثر باقی رہتا ہے، ـــــ اور جس کی ہر چیز اپنے اصل مقام کی طرف لوٹ آئے تو اس وقت وہ صحو کی حالت میں ہوتا ہے، ـــــ لہٰذا:

○ ـــــ سکر فقط اہلِ قلوب کے لئے ہے، ہر کسی کے لئے نہیں۔

○ ـــــ صحو ان کے لئے ہے جن پر غیبی حقائق کا انکشاف ہوجائے۔

محو واثبات:

محو یہ ہے کہ نفس کے اوصاف دور کردیئے جائیں، ـــــ اثبات یہ ہے کہ اہلِ محبت کے لئے محبت کے جام گردش میں لائے جائیں۔

محو کا یہ مفہوم بھی ہے کہ فنا کے پیشِ نظر اعمال کی رسوم کو نفس کی طرف سے محو کردیا جائے، ـــــ اور اثبات کا یہ مفہوم مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے میں اپنی طرف سے جو کیفیات پیدا کی ہیں، انہیں برقرار رکھا جائے۔ اس لیے اس کا اپنے نفس کی بجائے اللہ سے تعلق قائم ہوجاتا ہے، ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ اوصاف کو محو کرکے اس کی ذات کو از سرِ نو استقرار عطا فرماتا ہے۔

شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان کے اوصاف کو مٹاتا ہے، (یعنی محو کرتا ہے) ـــــ اور ان کے اوصاف کو برقرار رکھتا ہے (یعنی اثبات کرتا ہے)۔''

www.waseemziyai.com

علم الیقین وعین الیقین:

غور وفکر اور استدلال سے حاصل ہونے والا علم، علم الیقین کہلاتا ہے، ـــ اور جو علم کشف اور بفیضِ الٰہی بندے کو حاصل ہو، وہ عین الیقین کہلاتا ہے، ـــ اور کھنکھناتی مٹی (بدن) کے لوٹ سے آزادی کے بعد وصال کے قاصد کی آمد پر حاصل ہونے والا علمِ حق الیقین کہلاتا ہے۔

○ ـــ شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم الیقین میں کسی کی بے چینی واضطراب نہیں ہوتا، ـــ اور عین الیقین میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار محفوظ رکھے ہیں، ـــ علم اگر یقین کی صفت سے خالی ہو جائے تو پھر وہ علم مشتبہ بن جاتا ہے، ـــ لیکن اگر علم کے ساتھ یقین شامل ہو جائے تو وہ (مشکوک و) مشتبہ علم، بے شک وشبہ علم بن جاتا ہے، ـــ اور حق الیقین وہ ہے جس کی طرف علم الیقین اور عین الیقین اشارہ کرتے ہیں۔"

حق الیقین:

○ ـــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حق الیقین یہ ہے کہ انسان کو تحقیق اور پرکھ کی صورت حاصل ہو، ـــ اور وہ غیبی چیزوں کا بھی اسی طرح کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرے جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے، ـــ بلکہ غیب کی سچی خبر دے جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار کہ تم اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ کے آئے ہو، ـــ یہ عرض کیا تھا: "اللہ اور اس کا رسول بس!"

○ ـــ ایک شیخ طریقت نے ارشاد فرمایا:

○ ـــ "علم الیقین، تفرقہ کی حالت کا نام ہے،

○ ـــ عین الیقین، جمع کا نام ہے،

○ ـــ حق الیقین، توحید کی زبان سے جمع الجمع ہے۔

○ ـــ یہ بھی مذکور ہے کہ یقین کے متعدد درجات ہیں، ـــ

○ ـــ پہلا درجہ یقین کا ظاہری اسم ورسم ہے،

○ ـــ دوسرا درجہ یقین کا علم ہے،

○ ـــ اس کے بعد عین وحق ہیں۔

یقین کے اسم کا حصہ عوام کے لئے ہے، ـــ علم الیقین کا درجہ اولیاء کرام کے لئے ہے، ـــ عین الیقین صرف خواص اولیاء اللہ کے لئے ہے، ـــ اور حق الیقین انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہے، ـــ اور حق الیقین کی حقیقت فقط ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔

www.waseemziyai.com

وقت کیا ہے؟

انسان پر غالب ہونے والی کیفیت کا نام وقت ہے، ــــ انسان پر سب سے زیادہ وقت ہی غالب ہوتا ہے۔ وقت انسان کے حکم سے تلوار کی طرح رواں ہو کر اسے قطع کرتا ہے، ــــ

وقت سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کے ارادے کے بغیر اس پر اچانک آ جائے، ــــ پھر انسان اس کا تابع ہو جاتا ہے، اور وقت اس کی ہر شے میں تصرف کرتا ہے، ــــ اسی لئے اکثر کہا جاتا ہے:

''فلاں شخص وقت کے ماتحت ہے''

یعنی وقت سے مغلوب ہو کر حق کا تابع بن گیا ہے۔

غیبت اور شہود کیا ہیں:

شہود کا مفہوم یہ ہے کہ وقت کے ماتحت اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہے، ــــ خواہ یہ صورت مراقبہ کی ہو، ــــ خواہ یہ صورت مشاہدہ کی ہو، ــــ لہٰذا بندۂ حق پر جب تک شہود ــــ غالب رہتا ہے، وہ حاضر رہتا ہے، ــــ اور جب مشاہدے اور مراقبے کی حالت ختم ہو جاتی ہے تو وہ حضوری کے دائرہ سے نکل کر غائب ہو جاتا ہے، ــــ یہی غیبت ہے، ــــ اور کبھی غیبت سے یہ بھی مراد ہوتی ہے کہ انسان دنیاوی چیزوں سے غائب ہو کر اللہ ہی میں مشغول ہو جائے۔ اس مفہوم کے مطابق یہ لفظ مقام فنا کے مترادف ہو گا۔

ذوق و شرب اور رَیّ:

صوفیاء کے ہاں ذوق سے ایمان مراد لیا جاتا ہے، ــــ جبکہ شرب سے مراد علم ہے، ــــ اور رَیّ (یعنی سیراب ہونا) سے مراد مخصوص روحانی حال ہے۔

ذوق کا تعلق اہلِ ہدایت سے ہے، ــــ شرب کا تعلق اہلِ طوائع ولوائع سے ہے، ــــ اور رَیّ کا تعلق اہلِ حال سے ہے۔

یہ سب روحانی احوال برقرار رہتے ہیں، اور جو برقرار نہ رہ سکے وہ حال نہیں ہے، بلکہ اسے لوائع اور طوائع کہتے ہیں، ــــ بعض اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ یہ روحانی حال بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی نوعیت اور کیفیت ہے تو وہ حال نہیں بلکہ مقام کہلائے گا۔

محاضرہ، مکاشفہ اور مشاہدہ:

محاضرہ کا تعلق اربابِ تلوین سے ہے، ــــ اور مشاہدہ اربابِ تمکین اور اربابِ مکاشفہ میں مشترک ہے، ــــ ان اصطلاحی الفاظ کے معانی میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہے، ــــ

- ــــ مشاہدہ اور محاضرہ اہلِ علم کے لئے ہے،
- ــــ مکاشفہ عین الیقین والوں کے لئے ہے،

www.waseemziyai.com

○ —— مشاہدہ حق الیقین والوں کے لئے ہے۔

طوارق و بوادی:

طوارق و بوادی (ان الفاظ کے علاوہ) بادہ، واقع، قادح، طوائع، لوامع اور لوائح —— یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں —— ان سب الفاظ کے معنی واحد ہیں، اس لئے ہر اصطلاح کی وضاحت سے کوئی فائدہ نہیں، —— ان سب الفاظ کے معنی روحانی احوال کے ابتدائی مراحل ہیں۔ یعنی یہ سب حال کا پیش خیمہ ہیں، —— حال جب صحیح ہوتا ہے تو وہ ان سب الفاظ کے معانی و مطالب پر حاوی ہو جاتا ہے۔

تلوین کیا ہے؟

(تلوین کے لغوی معنی ہیں: گونا گوں بنانا، رنگ برنگ کرنا) —— تلوین اہلِ قلوب کے لئے ہے کیونکہ وہ دلوں کے پردوں کے نیچے ہوتے ہیں۔ قلب کی صفات کی طرف کشش ہوتی ہے۔ اور صفات میں کئی جہتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان جہتوں کی وجہ سے صفات مختلف اور متعدد ہو جاتی ہیں، —— چنانچہ صفات کے مختلف اور متعدد ہونے کی وجہ سے اہلِ قلوب میں بھی تلوینات نمودار ہوتی ہیں کیونکہ قلوب اور اہلِ قلوب عالمِ صفات کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔

اہل تمکین [1]:

اہلِ تمکین، اہلِ تلوین کی طرح نہیں، وہ روحانی احوال کے پردوں سے نکل چکے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف دلوں کے حجاب چاک کر دیئے ہیں بلکہ انوارِ ذات کی تجلیّات ان کی روحوں میں سما گئی ہیں۔ اس لئے تلوین کی کیفیت ان سے زائل ہو گئی ہے۔ لہٰذا **باری تعالیٰ کی ذات حوادث و تغیرات کے حلول سے پاک و منزہ ہے،** —— اور جو لوگ تجلیٔ ذات سے گزر کر مواطن قرب میں پہنچ گئے ہیں ان سے تلوین اُٹھالی جاتی ہے، کیونکہ تلوین ان کے نفوس میں ہنوز موجود ہوتی ہے، جبکہ قلوب تو طہارت و پاکیزگی کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔

نفوس میں تلوین کے موجود ہونے کے باعث صاحبِ تمکین، تمکین کے دائرے سے باہر نہیں ہوتا کیونکہ تلوین کا نفس میں جاری رہنا رسم انسانیت کی بقا کے لئے ایک ضروری چیز ہے، —— عالمِ تمکین میں ثابت قدمی کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ تمکین پر حقیقت کا کشف ہو جائے۔ عالمِ تمکین میں ثابت قدمی سے یہ مراد نہیں کہ صاحبِ تمکین میں کوئی تغیر نہ ہو۔ ایسا سوچنا ہی غلط ہے کیونکہ بہر حال وہ بشر ہے۔ ثابت قدمی کا مقصد یہ ہے کہ صاحبِ تمکین پر جس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، وہ حقیقت ابد تک اس سے پوشیدہ نہیں ہوتی، —— اور نہ ہی اس میں کوئی نقص یا کمی واقع ہوتی ہے بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، ——

اس کے برعکس اہلِ تلوین میں جب نفس کی صفات ظہور کرتی ہیں تو اس شے میں کمی واقع ہوتی ہے، —— بعض احوال میں

---

[1] فاضل مصنف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے تلوین کے ساتھ ساتھ تمکین کا عنوان بھی باندھا ہے، لیکن "تمکین کیا ہے" اس حوالے سے کوئی گفتگو نہیں کی، البتہ اہلِ تمکین پر ضرور قلم اٹھایا ہے۔

www.waseemziyai.com

حقیقت بھی اس سے پوشیدہ ہو جاتی ہے حالانکہ وہ مرکز ایمان پر قائم رہتا ہے۔اب تلوین اس کے احوال میں اضافہ کرتی ہے۔

نفس کیا ہے؟

مذکور ہے کہ نفس منتہی کے لئے ہے، — وقت مبتدی کے لئے ہے، — اور حال متوسط کے لئے ہے، — گویا صوفیاء کرام کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مبتدی کو جو روحانی واردات پیش آتی ہے وہ مستقل نہیں رہتی، — جبکہ متوسط صاحبِ حال ہوتا ہے جس پر حال حاوی رہتا ہے، — اور منتہی صاحبِ نفس ہوتا ہے جو اپنے حال کو اپنے قابو میں رکھتا ہے، — اور منتہی کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حال کبھی غائب ہو جائے، اور کبھی موجود ہو بلکہ وجدانی کیفیات اور احوال اس کے انفاس میں شامل ہو کر جاگزیں ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

بہر حال یہ سب اہلِ تصوف کے روحانی احوال ہیں جو ان پر طاری اور وارد ہوتے رہتے ہیں اور ان میں ان احوال کے لئے ذوق وخوف ہے، — اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے اپنی خلقت کو فائدہ عطا فرمائے۔

www.waseemziyai.com

باب نمبر ۶۳:

صوفیاء کے ابتدائی وانتہائی مراحل

جیسی نیت ویسا پھل:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"اصل میں اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ — ہر شخص جیسی نیت کرتا ہے، اسے ویسا ہی پھل ملتا ہے۔ —

○ — اگر اس کی ہجرت کی نیت اللہ اور رسول کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے سمجھی جائے گی۔

○ — اگر کسی کی ہجرت کی نیت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی مقصد و مطلب کے لئے ہوگی جس ارادے سے اس نے ہجرت کی ہے۔"

عمل کا نیت سے آغاز:

عمل کا آغاز نیت سے ہوتا ہے اور اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ — راہِ سلوک میں مرید کے لئے ابتدائی مرحلے پر یہ بات بہت اہم ہے کہ جب وہ طریق صوفیاء میں داخل ہو تو وہ ان کا لباس اختیار کرے، اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا کرے۔ — جب وہ ان کے طریقے (راہِ سلوک) میں داخل ہوگا تو یہ اس کے حال اور وقت کی ہجرت ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے کہ مہاجر وہ ہے جو ان سب باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ — قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۝

(پ۵، سورہ نساء)

"اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے، پھر اسے موت آ گئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔"

مرید کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ کے لئے صوفیاء کرام کے راستے پر نکلے۔ جیتے جی اگر وہ صوفیاء کرام کی آخری منزل تک پہنچ جائے تو سمجھ لیں کہ اس نے ان صاحبان کے ساتھ رہ کر اپنی منزل پا لی۔ — اور اگر مقصد کے حصول سے پہلے موت آ گئی تو اس کے ثواب کا ذمہ اللہ پر ہے۔ — بہرحال جس کا آغاز مستحکم ہے اس کا انجام بھی مستحکم ہوگا۔

حضرت شیخ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''ابتدائے حال میں خرابی کی وجہ سے اکثر پریشانیاں اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔''

چنانچہ مرید کے لئے لازم ہے کہ جب وہ روحانیت کی راہ پر چلنے کی ابتدا کرے تو نیت کو پختہ کرلے کیونکہ نیت کے پختہ ہونے سے نفسانی خواہشوں سے پاک ہو جاتا ہے، — اور نفس کے فنا ہو جانے والے لذائذ کو ترک کرنے سے وہ اللہ کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔

خلوص نیت:

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو ایک بار لکھا:

''اے عمر! یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ کی مدد بندے کی نیت کے مطابق ہوتی ہے۔

○ — بندے کی نیت اگر کامل ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہوتی ہے۔

○ — بندے کی نیت میں اگر کوئی قصور یا کوتاہی ہے تو اس کی مدد بھی اسی طرح نامکمل ہوگی۔''

ایک بزرگ نے اپنے بھائی کو یہ لکھ کر بھیجا:

''اگر تم خلوص نیت سے عمل کرو گے تو تمہارے لئے تھوڑا عمل بھی کافی ہے۔''

اور کسی کو نیک نیتی پر عمل کرنے کی توفیق نہ ہو تو وہ ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو اسے حُسنِ نیت سکھا دے۔

منازلِ طریقت:

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''راہ سلوک میں شیخ اپنے مبتدی مرید کو سب سے پہلے بری حرکتیں چھوڑ دینے کی تلقین کرتا ہے، — پھر نیک کام کرکے خود کو اللہ کے کاموں کے لئے وقف کردے، — اس کے بعد راہِ ہدایت پر چلتے ہوئے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے، — پھر بالترتیب بیان، قرب اور مناجات کے مراحل طے کرے، — اس کے بعد مضافات وسوالات کی منازل ہیں۔

یہ سب کچھ طے کرنے کے بعد تسلیم ورضا اس کا مقصد رہے، اور تفویض وتوکل اس کا حال بنا رہے، — ان مقامات کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے اپنی معرفت سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ کے ہاں اس کا مقام ان لوگوں کے مقام کی طرح ہوگا جو اپنی قوت اور قدرت سے دستبردار ہو گئے، — یہ مقام حاملینِ عرش کا مقام ہے جس کے بعد کوئی مقام نہیں۔''

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار سے اپنے اس کلام میں سلوک کی ابتداء اور انتہا کو یکجا کر دیا ہے۔

قطع تعلق:

مرید جب صدق واخلاص کو شیوہ بنا لیتا ہے تو راہِ طریقت وروحانیت کا مردِ میدان قرار پاتا ہے۔ اس صدق واخلاص کی حقیقت اس طرح واضح ہو سکتی ہے کہ جانچا جائے:

www.waseemziyai.com

○ — آیا وہ شریعت کی پابندی کرتا ہے یا نہیں،

○ — کیا اس نے مخلوق سے قطع تعلق کرلیا ہے کہ نہیں،

ابتدائے حال میں مبتدی مریدوں کو جو آفات و مشکلات درپیش آتی ہیں ان کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان کی نگاہیں مخلوق کی طرف جمی رہتی ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے:

''ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک عام لوگ اس کے نزدیک بکری کی مینگنیوں کی طرح (بے حقیقت) نہ ہوجائیں، — اس کے بعد جب وہ اپنے نفس کی طرف نظر کرے تو اسے کمترین سے کمتر سمجھے۔''

اس حدیث شریف میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان مخلوق سے قطع تعلق کرلے، اور ان کی عادات کی پابندی کرنا چھوڑ دی جائے۔

صدق کی اہمیّت وفضیلت:

شیخ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص اس بات کا تمنائی ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کے ساتھ رہے، وہ صدق کو اختیار کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ صدق کے ساتھ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''صدق نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔''

مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ جاہ ومال کو ترک کردے، — اور مخلوق سے اس وقت تک قطع تعلق رکھے جب تک (طریقت کی) بنیاد محکم ومضبوط نہ ہوجائے، — اور وہ نفس کی پوشیدہ خواہشوں سے بخوبی آگاہ نہ ہوجائے۔

معرفت نفس یعنی خودشناسی:

مرید کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند معرفتِ نفس یعنی خودشناسی ہے۔ اور جسے:

○ — دنیا کی فضول باتوں اور حاجتوں کی رغبت ہے، یا

○ — نفسانی خواہشوں کا کچھ حصہ باقی ہے۔

وہ معرفت نفس کا کماحقہ حق ادا نہیں کرسکتا۔

شیخ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دو خصلتیں ایسی ہیں جن کی بدولت تمہیں کمال حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ تم نہ صبح میں معصیت کے بارے میں سوچو اور نہ شام میں گناہ کا قصد کرو۔''

مرید کا زہد وتقویٰ جب مستحکم ہوجاتا ہے تو پھر وہ اپنے نفس سے بخوبی واقف ہوجاتا ہے، — اور خودشناسی پر جو پردے پڑے تھے۔ انہیں چاک کردیتا ہے، — پھر نفس کی حرکتوں، پوشیدہ خواہشوں، مکاریوں اور فریب کاریوں سے اچھی طرح آگاہ ہوجاتا

www.waseemziyai.com

ہے۔

بہر حال جو صدق کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے ایک مضبوط سہارا (عروۃ الوثقیٰ) بن جاتا ہے۔

صدق ایک برہنہ تلوار ہے:

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خطۂ زمین پر اللہ کی ایک تلوار ہے، جب وہ کسی چیز پر پڑتی ہے تو اسے کاٹ کے رکھ دیتی ہے، وہ صدق کی تلوار ہے۔''

صدق کے حوالے سے ایک واقعہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ ملکۂ وقت نے اسے ورغلایا اور اپنی نفس کی خواہش اس سے پوری کرنا چاہی، — عابد نے ملکہ سے کہا:

''ایک خالی جگہ پر میرے لئے پانی رکھوا دو تاکہ میں غسل کر کے پاک صاف ہو جاؤں۔''

اس تدبیر سے وہ ایک اونچی جگہ پر چڑھا اور خود کو وہاں سے گرا دیا۔ اسی دم ہوا پر مامور فرشتے کو حکم الٰہی ہوا کہ میرے بندے کو فضا ہی میں تھام لے۔ چنانچہ فرشتے نے حکمِ الٰہی کے مطابق عابد کو فضا میں تھام لیا اور زمین پر لا کر اتار دیا۔ تب ابلیس سے دریافت کیا گیا:

''تو نے اس عابد کو کیوں نہیں بہکایا'' — ابلیس نے کہا:

''اس پر میرا کوئی داؤ نہیں چلتا جو اپنی خواہشوں کے خلاف چلتا ہو اور اپنی جان اللہ کے لئے قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو۔''

ہر کام میں اللہ کے لئے نیّت:

مرید کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ کے لئے نیت کرے یہاں تک کہ اپنے کھانے پینے اور پہننے میں بھی اس کی نیت کرے۔ یعنی!

○ — پہنے تو اللہ کے لئے، ○ — کھائے تو اللہ کے لئے،

○ — پئے تو اللہ کے لئے، ○ — سوئے تو اللہ کے لئے،

یہ سب باتیں چونکہ نفس کو آرام پہنچانے کے لئے ہیں، — لہٰذا اگر ان سب کاموں میں اللہ کے لئے نیت کر لی جائے تو اس صورت میں نفس معصیت اور گناہ سے بچا رہتا ہے، — بلکہ مخلصانہ کاموں اور اللہ کے کاموں میں تعاون کرتا ہے، — اور اگر نفس کو رعایت اور ڈھیل دے دی جائے، اور اللہ کے لئے نیت کئے بغیر نفس کے سکون کا کوئی کام انجام دیا جائے تو وہ کام اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔

نیت کے ثمرات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اللہ کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک اذفر (خالص مشک) سے زیادہ اچھی ہوگی، ــــ اور جس نے اللہ کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی بدبو مردار سے بھی زیادہ بدبو دار ہوگی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے:

''میری ہتھیلی کو مشک کی خوشبو لگاؤ کیونکہ ثابت مجھ سے مصافحہ کرتا ہے اور میری دست بوسی کرتا (ہاتھوں کو چومتا) ہے۔''

مقربین بارگاہِ الٰہی نماز کے لئے اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے۔ اس سے ان کی یہ نیت اور مقصود ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کریں۔

احوال واعمال اور نیّت:

سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے احوال واعمال اور اقوال کا جائزہ لے، اور اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا نفس اللہ تعالیٰ سے الگ رہ کر کوئی حرکت نہ کرے نہ کوئی بات زبان سے کہے، ــــ ہم نے اپنے شیخ محترم کے ایک ساتھی کو دیکھا کہ وہ ہر لقمہ پر نیت کیا کرتے تھے اور اپنی زبان سے یہ بھی فرماتے تھے:

''میں یہ لقمہ اللہ کے لئے کھا رہا ہوں۔''

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ جب تک دل سے نیت نہ کی جائے تو زبان سے کہنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ نیت قلب کا عمل ہے۔ زبان تو فقط اس کی ترجمان ہے۔ اس لئے جب تک اللہ کے لئے قلبی عزیمت نہ ہو وہ نیت نہیں کہلا سکتی۔

یہاں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک بزرگ اپنے بالوں کو سلجھانا چاہتے تھے، انہوں نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ کنگھا لاؤ، ــــ ان کی بیوی نے کہا:

''کیا کنگھے کے ساتھ آئینہ بھی لاؤں؟''

یہ سن کر بزرگ خاموش رہے، ــــ پھر کہا کہ ہاں لے آؤ، ــــ ایک دوسرے صاحب نے یہ ماجرا دیکھا تو ان بزرگ سے کہنے لگے:

''پہلے تو تم نے آئینے کے بارے میں خاموشی اختیار کر کے توقف کیا، پھر اثبات میں جواب دے کر اسے منگا لیا، ایسا کیوں کیا؟''

ان بزرگ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے نیت کر کے بیوی سے کنگھا لانے کے لئے کہا تھا، ــــ جبکہ بیوی نے اس کے ساتھ آئینہ بھی شامل کر دیا، ــــ اس وقت میں نے آئینے کے لئے نیت نہیں کی تھی۔ اس لئے میں نے توقف کیا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آئینہ کے لئے بھی نیت کروا دی، تب میں نے ہاں کہا۔''

www.waseemziyai.com

تنہائی کی عادت بنانا:

ہر وہ مبتدی مرید جس نے اپنے ابتدائے حال میں اپنے دوستوں اور یگانوں کو چھوڑ کر اپنی بنیاد مضبوط و استوار نہیں کر لی۔ اور خود کو تنہائی کا عادی نہیں بنایا، تو اس کی ابتداء میں کمی و خامی رہ گئی، —— اس لئے مذکور ہے:

''دوستوں کی کثرت، صدق کی قلت کی دلیل ہے۔''

مبتدی کے لئے خاموش رہنا سب سے زیادہ مفید ہے تاکہ دوسروں کی باتیں اس کے کانوں میں نہ پڑیں۔ کیونکہ طرح طرح کی باتیں سن کر اس کے باطن کے متاثر اور متغیر ہونے کا شدید خدشہ ہے۔

زُہد و تقویٰ انسانی کمال ہے:

جو زُہد و تقویٰ اور اس کے حقائق جاننے کو کمال نہیں سمجھتا اسے کبھی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور معرفت حاصل نہ ہوئی تو اس پر بھلائی کا دروازہ بھی نہیں کھلے گا، —— مبتدیوں کے قلوب موم کی طرح ہیں جو ہر نقش کو قبول کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات مبتدی کے لئے محض لوگوں کو دیکھنا بھی مضر ہے، —— اسی طرح فضول دیکھنا اور فضول چلنا پھرنا تو بہت ہی مضر ہے۔ اسے اس حد تک احتیاط کرنی چاہئے کہ اگر وہ کسی راستے پر چلے تو یہ کوشش کرے کہ اس کی نگاہ صرف اس راستے ہی پر رہے، اِدھر اُدھر نہ دیکھے، ——[1] اس کے بعد وہ لوگوں کی نگاہوں اور ان کے احساسات سے بھی بچتا رہے —— کیونکہ اگر لوگوں کو اس بات کی خبر ہو جائے تو وہ اس کے فعل سے بھی زیادہ مضر ہے۔

قول و فعل میں حد ضرورت کا لحاظ رکھنا:

فضول یا بیکار چلنے پھرنے کو بھی بے مقصد اور حقیر نہ جانے۔ کیونکہ قول و فعل اور نظر و سماعت کے اعمال ضرورت کے باعث اگر بڑھ جائیں تو وہ فضول اور بیکار سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے روحانی اصولوں کا ضیاع ہو جاتا ہے، —— حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لوگ اصول کو کھو کر وصول سے محروم ہو جاتے ہیں۔''

جو شخص قول و فعل میں حد ضرورت کا لحاظ نہیں رکھتا، وہ کھانے پینے اور سونے میں ضرورت کی حد کو پار کر جاتا ہے، —— اور جب کوئی ضرورت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو ایسے ضرورت مند و صاحبِ احتیاج کے قلبی ارادے متزلزل ہو کر بتدریج ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] یہ حضرات نقشبندیہ کے آٹھ معمولات کے عین مطابق ہے، جس میں معمول نمبر ۲ ''نظر بر قدم'' ہے۔ جس کی تشریح ہو بہو انہی الفاظ کے مطابق ہے، یعنی: ''چلتے وقت دائیں بائیں یا اوپر نیچے نہ دیکھیں، —— حلم و بُردباری سے راستہ طے کریں، نظر قدموں پر رہے، اور خیال ہی خیال میں دنیا کو پیروں تلے روندتے چلے جائیں، —— نظر پر نظر رکھیں کہ وہ بھٹکنے نہ پائے —— بس چلتے رہیں اور منزلیں طے کرتے رہیں۔ (شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ مسعودیہ، —— مرتبہ شیخ الاسلام شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز و مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ)

www.waseemziyai.com

''جو شخص اللہ کی بندگی اپنی مرضی اور اختیار سے نہیں کرتا، بامر مجبوری و جبر کے ایسا کرتا ہے، ــــ تو مجبوراً اسے خلقِ خدا کی بندگی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ ــــ اس طرح اس بندے پر رخصت اور سہولت کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں، ــــ اور دوسرے برباد ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی برباد ہو جاتا ہے۔''

دنیاداروں سے پرہیز:

مبتدی سالک کو کسی دنیادار سے تعلق رکھنے میں پرہیز و گریز کرنا چاہئے، ــــ دنیاداروں سے تعلق رکھنا اس کے لئے سمِ قاتل ہے، ــــ حدیث شریف میں ہے:

''دنیا اللہ کو ناپسند ہے، ــــ جو اس کی ایک رسی کو بھی پکڑ لے تو وہ اسے دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔''

وہ رسیاں کون سی ہیں، ــــ یہی رشتہ داریاں، طلبِ دنیا، اور دنیا سے محبت کرنے والے لوگ ہیں، ــــ لہٰذا ان میں سے جس کسی کے ساتھ شناسائی ہو جاتی ہے، پھر خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو وہ خود بخود کھنچا چلا جاتا ہے۔

ایسے فقراء کی صحبت سے گریز:

مبتدی سالک طریقت ان فقراء کی صحبت سے گریز کرے جو شب بیداری اور ان کے روزوں کے لئے تلقین و تاکید نہ کریں۔ ایسے فقراء کی صحبت بد اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ ایسے اثرات تو دنیاداروں کی صحبت سے بھی مرتب نہیں ہوتے۔ ایسے درویش اور فقراء بالعموم یہی کہتے رہتے ہیں:

''اعمال میں مشغول رہنا تو عابدوں کا کام ہے، ــــ اہلِ حال اس خصوص سے بالاتر ہیں اور یہ کہ درویش کو فقط فرائض ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا ہی کافی نہیں۔''

مبتدی مرید کو چاہئے کہ وہ ایسی باتوں پر قطعاً کان نہ دھرے، کیونکہ ہمیں بھی ایسی باتوں کا تجربہ ہے۔ اور کئی بار ہم نے آزمایا بھی ہے، اور ایسے درویشوں اور فقراء میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو مشاہدے میں یہ بات آئی کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں اور نوافل وغیرہ کو چھوڑ کر فقط فرائض پر زور دیتے ہیں۔ وہ اپنے کام میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں حالانکہ (دیکھنے میں) ان کے احوال خاصے درست ہوتے ہیں۔

فرائض و نوافل کی پابندی اور جمعہ کا اہتمام:

ایک طالبِ حق کے لئے لازم ہے کہ وہ سب فرائض و نوافل کی پابندی کرے اور اس حوالے سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، تاکہ ابتدائے حال میں اس کے قدم مضبوطی سے جم جائیں، ــــ بلکہ اسے جمعے کے دن کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ اس دن کو مکمل طور پر اللہ کے لئے مخصوص کر دے اور ذاتی کاموں کو مؤخر کر دے۔

جمعہ کا غسل کر کے سورج نکلنے سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ جائے۔ ــــ بہتر تو یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے غسل، نماز جمعہ کے وقت سے قریب کرے، ــــ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''اے ابوہریرہ! جمعہ کے لئے غسل کرو چاہے تمہیں رات کے کھانے کے بدلے میں پانی خریدنا پڑے، — کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جسے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لئے غسل کرنے کا حکم نہ دیا ہو، — کیونکہ جمعہ کا غسل دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

نماز جمعہ سے پہلے مسجد میں پہنچ کر نماز، مناجات، دعا، تلاوت اور مختلف اذکار میں لگا رہے حتیٰ کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو جائے، — نماز جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں ہی معتکف رہے یہاں تک کہ عصر کی نماز وہیں ادا کرے۔ اور دن کا باقی حصہ تسبیح واستغفار اور درود شریف پڑھنے میں گزار دے، — اس کا حاصل یہ ہوگا کہ پورا ہفتہ مبارک ہوگا اور آئندہ جمعے تک وہ اس کے اثرات وثمرات وفیضان کا مشاہدہ کرے گا۔

جمعہ ترقیٔ درجات کا دن:

ایک بزرگ کا یہ معمول تھا کہ وہ فقط جمعہ کے لئے پورا ہفتہ اپنے روحانی احوال واقوال وافعال کو ترتیب دیتے رہتے تھے۔ جمعہ سب اہلِ حق کے لئے ترقیٔ درجات کا دن ہوتا ہے، — جمعہ کے دن جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ایک معیار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس سے بندۂ حق اپنے گزرے ہفتے کے کاموں کا جائزہ لے لیتا ہے، — اگر وہ ہفتہ خیر خیریت کے ساتھ گزر جائے تو اس کے لئے جمعہ کا دن مزید انوار وبرکات لے کر آتا ہے، — اور گزرے ہوئے کو کھو دیا اور ضائع کر دیا تو جمعہ کے دن طبیعت پر مایوسی اور افسردگی چھا جاتی ہے، اور انشراح صدر میں کمی آ جاتی ہے۔

لباس کا انتخاب:

صوفیاء اس بات میں احتیاط کریں کہ لباس محض دکھاوے کے لئے نہ پہنا جائے۔

- — لباس نہ تو بہت اونچا ہو جس طرح کہ خشک زاہدوں کا لباس ہوتا ہے، کہ لوگ دیکھتے ہی زاہد سمجھنے لگیں، — اور یہ کہ اونچا لباس پہننے میں نفسانی خواہشوں کا اظہار ہوتا ہے۔
- — اسی طرح موٹے اور کھردرے کپڑے کا لباس پہننے سے ریا ظاہر ہوتا ہے۔

لہٰذا جو لباس بھی پہنا جائے وہ محض اللہ کے لئے پہنا جائے۔

مذکور ہے کہ ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ الٹی قمیص پہن بیٹھے اور انہیں اس کے بارے میں پتہ نہ چلا۔ حتیٰ کہ دن نکل آیا۔ کسی نے آپ کو مطلع کیا تو آپ نے اسے اتار کر رُخ بدلنے کا ارادہ کیا، مگر پھر ایسا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور فرمانے لگے:

''میں نے یہ قمیص اللہ کی نیت سے پہنی تھی، لیکن اب لوگوں کے خیال سے نہیں پلٹوں گا۔''

چنانچہ ایسی باتوں کا طالبِ حق کو خود بھی خیال کرنا چاہئے۔

تلاوتِ قرآن مجید:

مبتدی سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اور (ہو سکے تو) حفظ کرے، — حفظ قرآن کا آغاز

www.waseemziyai.com

منزل سے کرے اور وہ منزل پوری حفظ کرے، ــــ اور اس شخص کی بات پر مطلق دھیان نہ دے جس کا یہ کہنا ہے:

''صرف ایک ذکر پر ہیشگی کرنا قرآن مجید کی تلاوت سے افضل ہے۔''

مبتدی سالک نماز کے اندر اور باہر قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے وہ سب کچھ پا سکتا ہے جس کی اسے تمنا ہے۔

ذکر کی غرض وغائت:

بعض مشائخ کرام نے اپنے مریدوں کے لئے ایک ہی ذکر منتخب و پسند کر رکھا ہے۔ اس کی غرض وغائت یہ ہے کہ مرید کے خیالات میں یکسوئی آ جائے، ــــ لیکن اگر کوئی مبتدی سالک خلوت نشین ہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز پابندی سے ادا کرے، تو یہ ایک ذکر کی پابندی کرنے سے بہتر ہے۔

اگر وہ کسی وقت تلاوت سے تھک جائے تو ذکر کو اختیار کر لے اور تلاوت کی بجائے ذکر کرنا شروع کر دے۔ اس لئے کہ تلاوت کی نسبت ذکر کرنا نفس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ لیکن یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ قلب ہر چیز کے لئے اہم ہے، ــــ اس لئے خواہ تلاوت ہو یا نماز ہو یا ذکر ہو، ہر عمل میں زبان وقلب کو ہم آہنگ ہونا چاہئے، ــــ اگر زبان وقلب ہم آہنگ نہ ہوں تو عمل ناقص اور نا قابلِ اعتبار ہے۔

زبان ہو دل کی رفیق:

مبتدی سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ وسوسوں اور نفسانی باتیں (حدیث نفس) کو حقیر نہ سمجھے۔ یہ سوچ بہت ہی مضر اور خطرناک ہے۔ اسے چاہئے کہ:

''حدیث نفس کے بجائے قرآن مجید کے معانی اس کے دل میں سرائت کر جائیں۔''

یعنی جس طرح زبان جب تلاوت میں مشغول ہوتی ہے تو وہ کوئی اور بات ادا نہیں کر سکتی، اسی طرح جب قلب میں قرآن مجید کے معنی سما جائیں گے تو پھر حدیث نفس کے سمانے کی گنجائش نہ رہے گی۔

باطنی مراقبہ کی ضرورت:

مبتدی سالک اگر عجمی (یعنی غیر عرب ہو) اور قرآن مجید کے معانی نہ سمجھتا ہو تو وہ باطنی مراقبہ اختیار کرے، ــــ اور اس کا باطن نفسانی گفتگو (حدیث نفس) کی طرف دھیان دینے کی بجائے اس خیال میں مگن رہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، ــــ اس طرح ہمیشہ پابندی کرنے سے اس کا تعلق اہلِ مشاہدہ میں سے ہو جائے گا۔

نیاز مندی خیر و برکت کا باعث ہے:

○ ــــ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صدیقین کے قلوب جب قرآن مجید سنتے ہیں تو وہ آخرت کے لئے مارے خوشی کے جھوم جھوم جاتے ہیں۔''

اگر سالک یہ اصول اپنا لے اور اس پر قائم رہے، ــــ اور اللہ تعالیٰ کا نیاز مند بن کر ہمیشہ اس سے مدد کا طالب رہے تو وہ ثابت

www.waseemziyai.com

قدم ہو جائے گا۔

○ —— شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بندۂ حق اللہ تعالیٰ سے جس قدر التجاء اور نیاز مندی کرتا ہے، آزمائشوں اور بلاؤں سے اسی قدر شناسا و آگاہ ہوتا ہے، —— جس قدر وہ آزمائشوں اور بلاؤں سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس کی نیاز مندی میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے، —— اس لئے نیاز مندی میں ہمیشگی خیر و برکت کی بنیاد ہے، اور طریقت کے ہر دقیق علم کی کنجی ہے، —— یہ نیاز مندی ہر دم ساتھ رہنی چاہئے کوئی بھی حرکت اور کوئی بھی کلمہ نیاز مندی کے بغیر نہ ہو، —— جن حرکتوں اور کلموں میں اللہ کے لئے نیاز مندی نہ پائی جائے ان کا انجام بخیر نہیں ہوتا، —— یہ ہماری آزمائی ہوئی اور تحقیق شدہ بات ہے۔''

○ —— شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس کا کوئی سانس بھی ذکر کے بغیر نکلا، اس نے اپنا روحانی حال ضائع کر لیا، —— اس کی تباہ حالی کی معمولی علامت یہ ہے کہ وہ بامقصد باتیں چھوڑ کر فضول اور بے کار باتوں میں لگا رہے۔''

فضول بات کا کفارہ:

حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن وہ کہنے لگے: ''یہ گھر کس کا ہے؟'' —— پھر کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو وہ کہنے لگے:

''میں یہ سوال کیوں کر رہا ہوں، کیا میرے منہ سے نکلنے والی بات فضول گوئی نہیں ہے۔ اس کی وجہ نفس کا غلبہ اور بے ادبی ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ اس فضول بات کے کفارہ میں ایک سال تک روزے رکھیں گے، ——

صداقت کی اثر آفرینی:

بزرگانِ کرام نے اسی صدق کی بدولت بلند مقامات کو حاصل کیا، اور اپنے عزم و ہمت کے باعث جہاں پہنچنا تھا، پہنچ گئے، —— حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک صادق اللہ کی طرف ایک ہزار سال تک متوجہ رہے، —— اور پھر ایک لحظہ کے لئے اس سے غافل ہو جائے تو اس کا نقصان اس کے (ہزار سال کے) فائدہ سے زیادہ ہوگا۔''

یہ جملہ ایسا ہے جو ایک مبتدی سالک کے ذہن میں ذہن نشین رہنا چاہئے۔ البتہ منتہی سالک اس نکتہ کے حقائق سے آگاہ ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، —— اس لئے مبتدی سالک صادق ہے تو منتہی سالک صدیق ہے۔

صادق کون ہے:

شیخ ابوسعید القرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.waseemziyai.com

''صادق وہ ہے جس کا ظاہر درست ہو، اور اس کا باطن کبھی کبھی نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہو، ـــ اس کی علامت یہ ہے کہ

- ـــ وہ اپنی بعض طاعتوں اور بندگیوں میں حلاوت محسوس کرے، ـــ اور
- ـــ بعض اوراد واذ کار اور بندگیوں میں اس حلاوت کو محسوس نہ کرے۔
- ـــ علاوہ ازیں جب وہ ذکر میں مشغول ہو تو اس کی روح منور ہو جائے۔
- ـــ جب نفسانی خواہشات کی طرف میلان ہو تو ان اذکار کا خیال مٹ جائے۔

صدیق کون ہے؟

صدیق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن دونوں درست ہوں اور رنگا رنگ (تلوین) احوال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ اس کا کھانا پینا اور سونا اسے اللہ کے ذکر سے نہ روک سکیں، ـــ صدیق اپنی ذات کو اللہ کے لئے وقف کر دیتا ہے، ـــ صدیقت نبوت سے قریب ترین درجہ ہے، ـــ شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صدیقین کا مرتبۂ کمال (آخری حد) پیغمبروں کا پہلا درجہ ہے۔''

اربابِ نہایات:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اربابِ نہایات (منتہائے کمال کو پہنچنے والے سالکانِ طریقت) کا ظاہر و باطن دونوں درست ہوتے ہیں۔ ان کی روحیں نفس کی تاریکیوں سے نکل کر بساطِ قرب تک پہنچ جاتی ہیں، ـــ ان کے نفوس تابع، اطاعت گزار اور نیک بن جاتے ہیں، ـــ وہ دل کی ہر آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ ان کی روحوں کا تعلق مقام اعلیٰ سے ہوتا ہے، ـــ ان کی نفسانی خواہشوں کی آگ بجھ جاتی ہے۔ ان کے باطن روحانی علوم سے لبالب ہوتے ہیں۔ ان پر آخرت کا بھی انکشاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

''جو شخص روئے زمین پر میّت کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ابو بکر کو دیکھ لے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جیتے جی وہ علم حاصل ہو چکا تھا عام مومنوں کو جو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ○ (پ ۲۶، سورہ ق)

''ہم نے تمہارے پردے کو ہٹا دیا ہے کیونکہ آج کے دن تمہاری نظر لوہے کی طرح (تیز) ہے۔''

چنانچہ اربابِ نہایات کی خواہشیں مردہ ہو چکی ہیں اور ان کی روحیں آزاد ہو گئی ہیں۔ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے عارف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''جو شخص دوسرے لوگوں کے ہمراہ ہے اور ہمراہ ہوتے ہوئے بھی ان سے جدا ہے، وہی عارف ہے۔''

www.waseemziyai.com

عارف کے بارے میں ایک بار آپ نے ایسے بھی فرمایا:

"وہ ایک بندہ جو دوسروں سے الگ ہو گیا۔"

اللہ کے سپاہی:

ارباب نہایات اصل میں اللہ کے ساتھ ہیں، اگرچہ مقررہ زندگی ان کی راہ میں حائل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق میں اپنا سپاہی بنایا ہے۔ لوگ انہی سے ہدایت پاتے ہیں اور سالکانِ طریقت کی کشش بھی انہی کی طرف ہوتی ہے۔ ان کا کلام اور ان کی نظریں روحانی بیماریوں کا علاج ہیں۔ ان کا ظاہر، حکمِ الٰہی سے محفوظ ہے اور باطن علم سے معمور ہے۔

عارف باللہ کی علامتیں:

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عارف باللہ کی تین علامتیں ہیں:

○ — ان کا نورِ معرفت، ان کے ورع و پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھائے۔

○ — ان کے باطنی علم کے معتقدات ان کے ظاہری احوال میں کسی طرح کا نقص نہ پیدا کریں۔

○ — اللہ کی نعمتوں اور کرامتوں کی بہتات انہیں محرماتِ الٰہی کی پردہ پوشی پر آمادہ نہیں کرتی، بلکہ ان کی نعمتوں میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے، ان کی بندگی میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دنیا میں وہ جس قدر ترقی کرتے ہیں، ان کے قرب میں بھی اسی قدر ترقی ہوتی جاتی ہے، — جس قدر ان کا جاہ و منصب بڑھتا ہے، ان کی تواضع و انکساری میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ○

"وہ مومنین کے سامنے حد سے زیادہ متواضع ہیں لیکن کافروں کے سامنے بہت ہی زیادہ معزز ہیں۔"

جب ان کی خواہشیں پوری ہوتی ہیں تو اپنی کامیابیوں پر اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں۔ کبھی اپنے نفوس بہلا کر اس کی خواہش بھی پوری کرتے ہیں جس طرح کسی بچے کو کچھ دے کر بہلایا جاتا ہے، یا کوئی چیز اسے تحفے کے طور پر دے دی جاتی ہے، — نفس چونکہ ان کی کڑی نگرانی میں ہوتا ہے، اس لئے وہ اس سے لطف و عنایت کے ساتھ پیش آتے ہیں، — کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ وہ انبیاء کرام کی پیروی میں اپنی نفسانی خواہشوں کو بالکل روک دیں کیونکہ انبیاء کرام کو دنیاوی خواہشوں کی رغبت بہت کم ہوتی ہے۔"

دنیا ایک دلہن ہے:

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دنیا ایک دلہن ہے جسے اس کی مشاطہ (سنوارنے والی) طلب کر رہی ہے، — جبکہ زاہد اور اللہ کا دوست اس کا چہرہ بدنما کر کے اس کے بال نوچ ڈالتا ہے، اور اس کے لباس کی دھجیاں اڑا دیتا ہے، — لیکن عارف باللہ اس کی طرف آنکھ

www.waseemziyai.com

اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، اور اپنے آقا کے کاموں میں مست رہتا ہے۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

ایک منتہی سالک راہ سلوک میں اپنی اعلیٰ روحانیت کے باوجود نفس کی سیاست سے، نفس کشی سے، کثرت سے روزے رکھتے ہوئے لطف اٹھانے، شب بیداری کے ساتھ ساتھ نیکی کے دوسرے کاموں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، —— یہ عام الخیال غلط ہے کہ منتہی سالک کے لئے کثرت سے عبادات ونوافل کی ادائیگی لازم نہیں، اور نہ اس کے لئے لذت کی طلب اور خواہش سے لگاؤ پر کوئی گرفت یا پکڑ ہے، یہ سوچ ہی غلط ہے، ——

ایسی غلطی اور خطا کے باعث عارف کی معرفت پر نہ صرف حجاب آ جاتا ہے بلکہ اس کے درجات کی ترقی بھی رک جاتی ہے، —— اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ جب کچھ عارفوں نے یہ دیکھا کہ ان دنیاوی چیزوں سے نہ تو ان میں سنگدلی آئی اور نہ ہی کوئی حجاب حائل ہوا —— اس بناء پر (انہیں شہ ملی اور) ہو اس طرف مزید مائل ہو گئے، —— اور بات یہاں تک پہنچی کہ وہ صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا کرنے لگے۔ اور انہوں نے اپنے کھانے پینے کے معاملات کو وسعت دے دی۔

عام مومنوں کا طرز حیات:

یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد ان میں جو روحانی خوشی کی لہر (انبساط) پائی جاتی ہے تو یہ ان کے افعال کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے موجود حال سے پہلے والے حال "سکر احوال" (مجذوبی کیفیت) کی بدولت ہے۔ ابھی تک وہ حال کے نور میں اسیر ہیں، ابھی انہیں مکمل طور پر نور حق سے رہائی نہیں ملی۔ کیونکہ جو کوئی نور حال سے جان چھڑا کر نور حق تک پہنچ جائے تو وہ حال کے اس راستے سے دور ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی مستی کے رہے سہے آثار بھی دور ہو جاتے ہیں اور وہ عام مومنوں کی طرح ظاہری حالت میں لوٹ آتا ہے۔ اور انہی کی طرح نماز روزہ اور نیکی کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ راستے میں گری پڑی نقصان دہ چیزیں راستے سے ہٹاتا ہے۔ نیک بندوں کی طرح ہر ایک نیک کام کی طرف مصروف ہو جاتا ہے۔ عوام مومنوں کی اس حالت کے تبدیل ہونے پر نہ تو ناگواری محسوس کرتا ہے اور نہ ہی نیک کاموں کے باعث اس میں تکبر اور بڑائی جیسی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔

نفس کی اصلاح:

اس کا نفس پاکیزہ، مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے بلکہ اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ازراہِ لطف وکرم کبھی اس کی خواہش پوری کر دیتا ہے اور جب نفس کی بھلائی اور بہتری مقصود ہوتی ہے تو اسے خواہشوں سے روک بھی دیتا ہے، —— اس معاملے کو ایک بچے کی حالت پر قیاس کرنا چاہئے کہ:

- —— کبھی تو اس کی خواہش اس طرح پوری ہوتی ہے کہ وہ اعتدال کی حد پھلانگ جاتا ہے، اور
- —— کبھی بچے کو خواہش پوری کرنے سے روکتا ہے تاکہ اس کی طبیعت میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو۔

طبع مزاج کی اصلاح علمی حکمتِ عملی (سیاست) سے ہوتی ہے، لہٰذا جب تک یہ جبلّت باقی ہے، حکمت علمی (سیاست)

www.waseemziyai.com

علم کی ضرورت ہے۔

یہ بہت ہی دقیق مسئلہ ہے جو ایک منتہی سالک کو نہایات کے حال میں پیش آتا ہے جس کے واقع ہونے سے اس کی ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

منتہی سالک کی خود مختاری:

راہِ سلوک کا منتہی کسی چیز کو اختیار کرنے اور اسے ترک کرنے میں مالک و مختار ہے، — اسے اعمال اور نفسانی حظوظ کو اختیار کرنے یا ترک کرنے دونوں طرح کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ:

- ○ — کبھی وہ ایک صادق و مخلص انسان کی طرح نوافل و دیگر امور خیر میں مشغول رہتا ہے۔
- ○ — کبھی نفس کا لحاظ رکھتے ہوئے اعمال کی کثرت کو چھوڑ دیتا ہے، اور نفس کی لذتیں اور اس کے مطالبے پورے کرتا ہے، اور
- ○ — کبھی حسن سیاست (حکمتِ عملی) سے کام لیتے ہوئے نفس کو اس کی خواہشوں سے روک دیتا (ضبط نفس کرتا) ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں وہ خود مختار ہے۔

اعتدال کا راستہ:

جو کوئی قطعی طور پر دنیا کی لذتیں چھوڑ دے، وہ مکمل طور پر زاہد تارک ہے، — جو نفس کو اپنی خواہش کے پورا کرنے کی پوری پوری چھوٹ دے دے، وہ لذت کوش ہے، دنیا دار ہے، راغب و دنیا دوست ہے، — لیکن ایک منتہی سالک طریقت دونوں طریقوں میں حد اعتدال کو مدنظر رکھے ہوئے ہے، اور افراط و تفریط کی درمیانی راہ پر کھڑا ہے۔

منتہی سالک کو اگر نہایات کی بعض صورتوں کی طرف لوٹنا پڑے یعنی جن مراحل سے گزر کر وہ اس مقام تک پہنچا ہے، اور زاہد الزہد کی منزل پر آ جائے تو اسے روحانی حال کا پابند ہو کر اختیار کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ پھر ترک ہو یا اختیار، اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔ تب اختیار کا تاریک حال کا اسیر ہو کر اللہ کے فعل کا پابند ہو جاتا ہے، — جس طرح ایک زاہد جو اختیار کا تارک ہے اور اختیارات کے ترک پر مجبور ہے، — اسی طرح زاہد فی زُہد جو اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا کی چیزوں کو اختیار کرتا ہے، وہ ان چیزوں کے اختیار کرنے کا پابند ہے۔

جب کسی نہایت کے حال پر استقامت حاصل ہو جاتی ہے (یعنی وہ تصوف کے آخری مرحلے پر پہنچ جائے) تو وہ اخذ و ترک کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ:

- ○ — کبھی اللہ کے حکم کے مطابق کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے۔
- ○ — کبھی اخذ پر عمل پیرا ہوتا ہے یعنی اس کی مرضی کے تحت کسی چیز کو اختیار کرتا ہے۔

یہ دونوں صورتیں اللہ کے اختیار سے ہوتی ہیں۔ سالک منتہی کا اس میں کچھ اختیار نہیں ہوتا، — اسی طرح نفلی نماز اور نفلی روزے کی کسی وقت پابندی کرتا ہے، اور کبھی پابندی نہیں کرتا، نفس کے آرام کی خاطر چھوڑ دیتا ہے، — بہر حال دونوں حالتیں

www.waseemziyai.com

اختیار کرنے میں اس کا طرزِ عمل درست ہے، اور اسی کا نام "نہایت النہائت" ہے (یعنی روحانیت کی آخری منزل ہے)

رسول اکرم ﷺ کے حال سے مشابہت:

یہ صحیح حال رسول اکرم ﷺ کے حالِ والا منزلت سے مشابہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی رات کے کچھ حصہ میں عبادت فرماتے تھے، اور کبھی ساری رات عبادت میں بسر فرماتے تھے، ـــ اسی طرح رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کے مہینے کے علاوہ پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ کچھ دنوں کے روزے رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ نفس کی ضرورتوں کو بھی پورا فرماتے تھے۔

اسی وجہ سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں، ـــ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں تو گوشت کھاتا ہوں اور گوشت کو پسند کرتا ہوں، ـــ اور اگر میں اپنے رب سے عرض کروں کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ضرور مجھے کھلائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اس معاملہ میں مختارِ کل تھے کہ آپ چاہیں تو گوشت تناول فرمائیں، ـــ اور اگر نہ چاہیں تو استعمال چھوڑ دیں، ـــ لیکن آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے گوشت کا کھانا چھوڑ دیا تھا۔

اتباعِ سُنّت میں رخصت اور عزیمت:

بعض لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی گوشت تناول فرمایا ہے اور کبھی اس کا استعمال ترک بھی کیا ہے، تو وہ غلط فہمی سے یہ کہنے لگتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ تو خود شارع (یعنی صاحب شریعت) تھے۔"

تو ان کے اس کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ایسی صورت میں آپ کی اتباع لازمی نہیں، تو یہ ان کی محض جہالت ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں رخصت اور اجازت فقط آپ کے ارشاد گرامی کی حد تک ہے، ـــ اور عزیمت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے فعل کی اتباع کی جائے، ـــ چنانچہ آپ ﷺ کے قول اور فعل میں اہلِ ہمت و عزیمت اور راحت طلب اشخاص دونوں کے لئے دلیل ہے۔

درجۂ نہایت پر سرفراز اربابِ حق (یعنی منتہی اہلِ حق) کا حال رسول اللہ ﷺ کے حال مبارک سے اس لئے مشابہت رکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح وہ بھی مخلوق کی طرف بلاتے ہیں، ـــ لہٰذا جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے اعتماد کا اظہار فرمایا، انہیں بھی اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔

رسول اکرم ﷺ کی شب بیداری کی عبادت اور نفلی روزوں کا مقصد یہ تھا کہ:

- ـــ یا تو اُمت آپ کی اتباع کرے،
- ـــ یا اپنی ذات گرامی کو مزید فیض و برکت والا بنائیں۔

چنانچہ:

www.waseemziyai.com

○ —اگر آپ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ اس امر میں آپ کی اقتداء کی جائے تو منتہی کے لئے اس کی اقتداء لازم ہے۔

○ —اگر مزید فیض یابی مقصود تھا تو اس صورت میں بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے اقتداء لازم ہے۔

عمل کا فیض:

اس معاملے میں صحیح صورتحال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب بیداری کی عبادت اور نفلی روزوں پر محض اس لئے عمل نہیں فرماتے تھے کہ اُمتی آپ کی اتباع کریں، —اس کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ مقصود بھی تھا کہ آپ مزید فیض و برکت حاصل فرمائیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم نے ''تہذیبِ جبلّت'' (یعنی فطری جبلّت کی اصلاح) کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴)

''تم اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمہیں یقین (موت) آجائے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح آپ نے اللہ کی بارگاہ سے امداد طلب فرمائی، اور سخی کے دروازے کو کھٹکھٹایا ہے۔ آپ ﷺ بھی اللہ کے مزید فضل و کرم کی احتیاج رکھتے ہیں اور اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

ایک عجیب و غریب راز:

اس معاملے میں ایک عجیب و غریب راز ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح نفس کے ہم جنس ہونے کے تعلق سے مخلوق کو دعوت حق دیتے تھے۔ اگر ہم جنس ہونے کے تعلق سے یہ رابطہ نہ ہوتا تو لوگ آپ تک رسائی نہیں پا سکتے تھے اور نہ ہی آپ سے کچھ استفادہ کر سکتے تھے، —آپ کے پاکیزہ نفس اور اُمت کے نفوس کے درمیان رابطہ تالیف (رشتۂ محبت والفت) موجود تھا۔ جیسا کہ آپ کی روح پاک اور اُمت کی روحوں کے درمیان رابطۂ تالیف موجود ہے، —رابطۂ تالیف کا مطلب یہ ہے:

''جس طرح پہلے پہل روحوں میں الفت قائم ہوئی تھی، اسی طرح نفوس بھی رشتۂ الفت سے منسلک ہو گئے ہیں۔''

ہر روح اپنے نفس کے ساتھ خاص رشتۂ الفت (تالیفِ خاص) ہے، بلکہ تمام ارواح اور نفوس کے درمیان الفت و محبت (تالیف و امتزاج) قائم ہے۔

اُمت کے لئے فیض:

رسول اللہ ﷺ جس نیک عمل میں ہمیشگی فرماتے تھے، وہ اپنی ذات مبارک اور اپنی اُمت کے تصفیۂ نفس کے لئے ہوتا تھا۔ اس صورت میں آپ ﷺ کو فیض کی جس قدر ضرورت ہوتی تھی آپ اسے اخذ (حاصل) کر لیتے تھے، اور جو اس سے زائد ہوتا وہ آپ ﷺ کی اُمت کے لئے ہوتا تھا۔

اسی طرح ایک منتہی سالک کو اپنے رفقاء اور متبعین کے ساتھ ہونا چاہئے اور یہ کہ مزید عبادات اور نوافل کو نہ چھوڑے، —اور نہ ہی طبعی خواہشوں اور لذت کوشی کی طرف توجہ دے۔ سوائے اس کے کہ وہ خواہش نفس کے لئے ضروری ہو جائے۔

www.waseemziyai.com

خلوت وجلوت:

تائیدِ الٰہی اور نورِ حکمت کے بغیر اعتدال کا پورا حق نہیں ادا ہو سکتا۔ لہٰذا جو یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے سامنے اپنا صحیح نمونہ پیش کرے تو سب سے پہلے خلوت میں اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست رکھے تاکہ اس کی جلوت، اس کی خلوت کا نمونہ بن جائے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ:

○ — ان کے تمام اوقات ''خلوت ہی خلوت'' ہیں اور اس خلوت میں کوئی حجاب نہیں، اور

○ — اس کے سب اوقات اللہ کے ساتھ اور اللہ ہی کے لئے وقف ہیں، اور ان میں کسی کمی کا امکان نہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید حقیقت سمجھنے کے لئے عقل وفہم عطا نہیں فرمائے، — ان کا یہ روحانی حال بظاہر درست ہے' لیکن یہ بھی کوتاہی سے خالی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی فطری سرشت کی اصلاح نہیں کر پائے، — اور نہ صرف یہ کہ وہ خود مختاری کے راز سے بے خبر ہیں بلکہ پاکیزگی بڑھانے کے بیان (اسلام) کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں۔

اس حوالے سے بعض مشائخ کرام کے بہت سے ایسے کلمات مذکور ہیں جن سے یہ شک پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود سننے والے سنتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں — بہر حال اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو کچھ وہ سنے اس کی توضیح وتشریح کے لئے اللہ کی بارگاہ سے رجوع کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی صحیح ودرست بات کی طرف رہنمائی فرمادے۔

کمالِ معرفت کیا ہے؟

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ معرفت کا کمال کیا ہے؟ — انہوں نے فرمایا:

''جب خیالات کا انتشار و پراگندگی دور ہو جائے، — اور سب احوال ومقامات درست ہو کر یکساں ہو جائیں، — اور تمیز کرنے کا ہوش نہ رہے تو یہی معرفت کا کمال ہے۔''

اس قسم کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمال معرفت میں خلوت وجلوت اور عمل کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، — لیکن اس بات سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آیا قائل کی یہ مراد بھی ہے کہ:

''درجۂ معرفت کسی روحانی حال سے تبدیل ہوتا ہے یا نہیں؟''

صحیح بات تو یہ ہے کہ حظِ معرفت تبدیل نہیں ہوتا، — اور اسے کسی قسم کا فرق اور تمیز کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ اس میں تمام روحانی حال یکساں اور برابر رہتے ہیں۔ البتہ مرید کا درجہ بدلتا رہتا ہے، اور اسے تمیز اور فرق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہماری یہ رائے مذکورہ بالا قول کے برعکس نہیں۔

عارفوں کو استقامت کی حاجت:

شیخ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عارفوں کو کس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے، تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

''انہیں ایک ایسی خصلت درکار ہے جس سے تمام محاسن کی تکمیل ہو جائے۔ اور وہ ہے استقامت! —— اس لئے جو شخص معرفت میں درجۂ کمال پر ہو اس میں استقامت بھی کمال درجے کی ہوتی ہے۔''

لہٰذا اربابِ نہائت کی استقامت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔

تصوف کے مراحل:

ابتدائے حال میں مرید کے اعمال کا مواخذہ کیا جاتا ہے، اس درجے پر اس کے روحانی احوال پر پردہ پڑا رہتا ہے، —— لیکن درمیانی درجے میں وہ روحانی حال کے ذریعے محفوظ ہو جاتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی اس پر اعمال کا حجاب باقی رہتا ہے، —— لیکن انتہائی مرحلے پر نہ تو اعمال، روحانی احوال کے لئے حجاب بنتے ہیں، —— اور نہ احوال، روحانی اعمال کے لئے حجاب بنتے ہیں، —— اور یہ اللہ کی بڑی ہی اعلیٰ عنائت ہے۔

انتہا سے ابتداء کا سفر:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ تصوف کی انتہاء (نہائت) کیا ہے، —— آپ نے ارشاد فرمایا:

''ابتداء کی طرف واپسی، تصوف کی انتہاء ہے۔''

اس کی تشریح میں بعض حضرات نے فرمایا:

''مبتدی سالک (مرید) ابتدائے حال میں جہالت کا شکار تھا، —— اس کے بعد اسے معرفت حاصل ہوئی، —— اس کے بعد پھر وہ حیرانی اور جہالت کی طرف لوٹا دیا گیا، —— جیسے کوئی بچہ پہلے نادانی میں مبتلا ہو، —— پھر اسے علم حاصل ہو، —— اور اس کے بعد جہالت کا شکار ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا

''تاکہ وہ علم کے بعد اور کچھ نہ جان سکے۔''

حیرانی:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کی معرفت سب سے زیادہ ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیرانی کا اظہار کریں۔''

اس ارشاد کا بھی وہی مفہوم ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا ہے۔ یعنی مبتدی سالک عمل سے اپنی منزل کا آغاز کرتا ہے، —— پھر ترقی کر کے روحانی احوال تک پہنچتا ہے، —— اس کے بعد اعمال و احوال دونوں کو جمع کر لیتا ہے۔

یہ آخری درجہ اور مرتبہ ''منتہی المراد'' کا ہوتا ہے جو طریقۂ محبوبین کو اختیار کرتا ہے، —— ان کی روحانی کشش چونکہ بارگاہِ الٰہی کی طرف ہوتی ہے، اس لئے وہ قلب کو اپنا مطیع بناتی ہے، —— اور قلب نفس کو، —— اور نفس بدن کو اپنا تابع بناتا ہے، —— اس طرح وہ قائم باللہ ہو کر (مکمل طور پر) اللہ کے حضور میں سر سجدے میں رکھ دیتا ہے، —— جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

www.waseemziyai.com

’’میرا خیال اور میرا دل بھی تجھے سجدہ کرتا ہے۔‘‘

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۝

’’آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ خوشی و ناخوشی سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کا سایہ بھی صبح و شام اس کو سجدہ کرتا ہے۔‘‘

یہاں ظلال (سایوں) سے مراد اجسام ہیں جو ارواح کے ساتھ ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

محبوبِ خلائق:

اس موقع پر محبت کی روح ان کے تمام اجزاء میں یعنی ہر ایک کے بدن میں سرائت کر جاتی ہے جس سے وہ لطف اٹھاتے ہیں۔ بلکہ اللہ کے ذکر و تلاوت سے بھی از روئے محبت والفت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتا ہے، اور اپنے فضل و کرم اور لطفِ عمیم سے مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ محترم ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاسناد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) سے فرماتا ہے:

’’اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، اس لئے تم بھی اس سے محبت رکھو۔‘‘

چنانچہ جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ــــ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ اے آسمان کے رہنے والو! تم بھی اس سے محبت کرو۔‘‘

چنانچہ سب آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے روئے زمین پر بھی ان کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔‘‘

وَ بِاللّٰهِ الْعَوَانِ وَالْعَصْمَةَ وَالتَّوْفِيْقِ۝

وَ تَمَّتْ بِالْخَيْر

کتاب مستطاب عوارف المعارف الامام السہروردی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتہذیب از قلم: بندۂ حقیر پُر تقصیر:

محمد عبدالستار طاہر مسعودی عفی عنہ

مؤرخہ ۷ ربیع الغوث ۱۴۳۲ھ

۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ

www.waseemziyai.com

حاشیے میں مذکور شخصیات

☆ ابوبکر الزقاق، شیخ:

☆ ابوبکر شبلی، شیخ: (م-۳۳۴ھ)

☆ ابوبکر المصری: (م-۳۴۵ھ)

☆ ابوبکر واسطی، شیخ: (م-۳۳۴ھ)

☆ ابوالحسین نوری: (م-۲۹۵ھ)

☆ ابوحفص عمرو بن مسلم: (م-۳۴۵ھ)

☆ ابوسعید الخراز، شیخ: (م-۲۷۹ھ)

☆ ابوطالب مکی، شیخ: (م-۳۸۳ھ)

☆ ابوعبداللہ محمد بن خفیف، شیخ: (م-۳۷۱ھ)

☆ ابوعبدالرحمٰن السلمی، شیخ: (م-۴۱۲ھ)

☆ ابوعثمان الحیری، شیخ: (م-۳۰۹ھ)

☆ ابوالعباس احمد بن سہل عطاء الادی: (م-۳۱۱ھ)

☆ ابوعلی الدقاق، شیخ: (م-۴۰۵ھ)

☆ ابوعمرو الزجاجی، شیخ: (م-۳۴۸ھ)

☆ ابوالقاسم قشیری: (م-۴۶۵ھ)

☆ ابومحمد الجریری: (م-۳۱۱ھ)

☆ ابوالنجیب سہروردی، شیخ: (م-۵۶۲ھ)

☆ احمد بن عاصم انطاکی:

☆ احمد بن ابی الحواری: (م-۲۳۰ھ)

☆ احمد غزالی: (م-۹۱۷ھ)

☆ بایزید بسطامی: (م-۲۶۱ھ)

☆ بشر بن حارث، شیخ: (م-۲۲۷ھ)

☆ حاتم الاصم: (م-۲۳۷ھ)

☆ حسن بصری، خواجہ: (م-۱۱۰ھ)

☆ حسین بن منصور حلاج: (م-۳۰۹ھ)

☆ حماد الدباس، شیخ: (م-۵۲۵ھ)

☆ جعفر صادق، امام: (م-۱۴۸ھ)

☆ جعفر نوری الخلدی، شیخ: (م-۳۴۸ھ)

☆ ذوالنون مصری: (م-۲۴۵ھ)

☆ رویم بغدادی، شیخ: (م-۳۰۳ھ)

☆ سہل بن عبداللہ التستری: (م-۲۸۳ھ)

☆ عبدالواحد بن زید، شیخ: (م-۱۷۶ھ)

☆ عمرو بن عثمان

☆ فضیل بن عیاض: (م-۱۸۷ھ)

☆ یحییٰ بن معاذ الرازی:

www.waseemziyai.com

www.waseemziyai.com

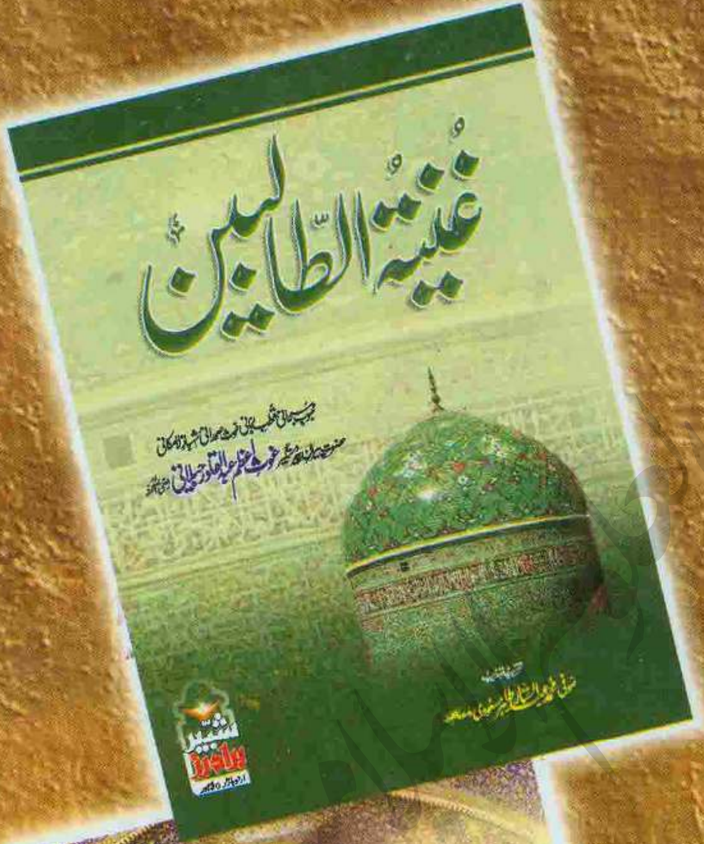

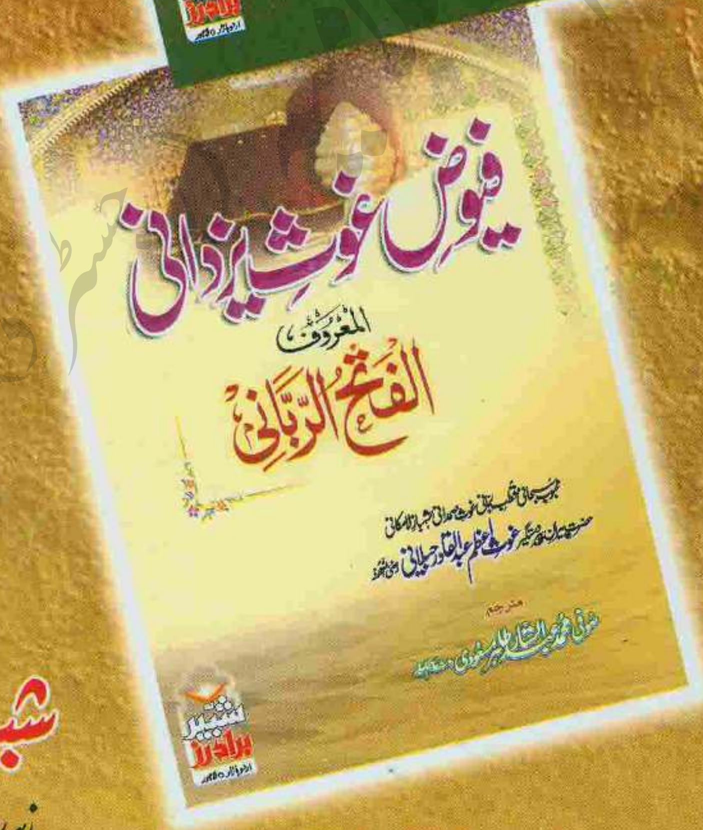

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006